مفتیٰ بہ مسائل کا مدلل مجموعہ

خزینۃ الفقہ

فی مسائل

النکاح

جلد اوّل

تالیف

مفتی محمد کوثر علی سبحانی مظاہری
شیخ الحدیث جامعہ اشرف العلوم الور

شائع کردہ
جامعۃ الفلاح دار العلوم الاسلامیۃ
بائی پاس روڈ فاربس گنج، ارریہ (بہار) الہند

نام کتاب	:	خزینۃ الفقہ فی مسائل النکاح
مصنف	:	مولانا مفتی محمد کوثر علی سبحانی
کمپیوٹر کتابت	:	بشری کمپوزنگ سینٹر، دہلی 09811389611
سن طباعت	:	۲۰۰۴ء بمطابق ۱۴۲۴ھ
دوسرا ایڈیشن	:	۲۰۰۵ء بمطابق ۱۴۲۶ھ
صفحات	:	۳۳۴
قیمت	:	مبلغ ایک سو پچاس روپے
ناشر	:	جامعۃ الفلاح دارالعلوم الاسلامیہ بائی پاس روڈ، فاربس گنج، ضلع ارریا بہار (الہند)
طباعت	:	جید پریس، بلیماران، دہلی

ملنے کے پتے

مدرسہ اشرف العلوم داؤد پور الور، راجستھان فون: 0144-2371652

مدرسہ حمیدیہ انجمن حمایت ملت پالولی بھروچ گجرات، فون 02646-274151

مکتبہ رشیدیہ متصل مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

سنابل کتاب گھر، نزد چھتہ مسجد دیوبند

کتب خانہ عزیزیہ اردو بازار جامع مسجد دہلی

کتب خانہ رشیدیہ اردو بازار جامع مسجد دہلی

صاحب کتاب ایک نظر میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی وفق من اراد بہ الخیر للتفقہ فی الدین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین والمرسلین الذی قال من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین اما بعد!

کسی کتاب کے ہاتھ میں آتے ہی فطری طور پر صاحب کتاب کے تعارف کی جستجو ہوتی ہے کہ اس کا مصنف کون اور کس حیثیت کا آدمی ہے اگرچہ فقہ وفتاوی کا یہ مجموعہ ہی مصنف کے تعارف کیلئے کافی ہے لیکن بعض رفقاء کی رائے ہوئی کہ اس جیسی فقہ وفتاوی کی کتاب پر اعتماد بحال ہونے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ مصنف کی ذہانت وفطانت ان کے خط وخال، افکار وخیالات، فقہ وفتاوی سے لگاؤ اور ورع وتقوی کے نقوش کی تھوڑی نشاندہی ہوجائے کیونکہ صاحب کتاب بالخصوص انتہائی گمنام ہیں۔ ورنہ محض مدح وتوصیف کے کلمات دھرانا مقصود نہیں۔ بنابریں میں نے جناب مفتی صاحب سے فرمائش بھی کی۔ لیکن چونکہ موصوف شہرت اور نمائش کو پسند نہیں کرتے اس لئے انھوں نے سختی کیساتھ یہ کہہ کر منع فرمادیا کہ وثوق واعتماد کیلئے بزرگوں کی تقاریظ ہی کافی ہیں مگر میں نے بڑے اصرار کیساتھ عرض کیا کہ کم سے کم اس بہانے ہمارے بھی چند جملے شامل کتاب ہونے دیجئے تو بالآخر مفتی صاحب نے میری دلداری کیلئے بادل نخواستہ میری درخواست قبول فرمائی (جزاہ اللہ عنی احسن الجزاء)

حضرت مولانا مفتی محمد کوثر علی صاحب سبحانی ضلع ارریا بہار کے مشہور سرحدی شہر فاربس گنج سے جانب جنوب بارہ کیلومیٹر کے فاصلہ پر ایک چھوٹی سی مسلم بستی گھبا میں ۴؍مارچ ۱۹۷۳ عیسوی میں پیدا ہوئے آپ کے والد محترم جناب مولوی محمد کلیم صاحب دعوت وتبلیغ اور خانقاہ رحمانی مونگیر سے تعلق رکھنے والے متواضع، صاحب

ثروت، حق گو اور نیک خصلت انسان ہیں، سنا اور دیکھا بھی ہے کہ حضر ہو یا سفران کی تہجد کی نماز بھی قضا نہیں ہوتی، مفتی صاحب ان کے مجھلے فرزند ہیں۔ مفتی صاحب نے مسلم گھرانوں کے عام دستور کے مطابق اپنے آبائی گاؤں کے مدرسہ تعلیم القرآن گوکھلا پور میں اپنے والد محترم ہی سے تعلیم کا آغاز کیا دینیات اور ناظرہ قرآن کی تکمیل کے بعد ۱۹۸۳ء میں بورڈ کے ایک مدرسہ مصباح العلوم سوالدہ مجھوا ضلع ارریا میں مکمل پانچ سال وسطانیہ دوم تک تعلیم پا کر ۱۹۸۸ء میں مدرسہ مطلع العلوم کمن گڈھا بنارس میں داخل ہو کر عربی دوم تک پڑھنے کے بعد ۱۹۹۰ء میں ہندوستان کی عظیم درسگاہ جامعہ مظاہر علوم وقف سہارنپور میں داخلہ لیکر عربی سوم مکمل کرنے کے بعد یہ سچا طالب علم جامعہ گلزار حسینیہ اجراڑہ میرٹھ کی تعلیمی شہرت سنکر وہاں داخل ہوئے، شرح جامی اور مختصر المعانی کا نصاب مکمل کرنے کے بعد پھر ۱۹۹۲ء کو جامعہ مظاہر علوم جدید سہارنپور میں داخل ہو کر چار سال تک اپنے اکابر اور بزرگان ملت سے اکتساب فیض کیا وہاں انہیں بڑی صعوبتیں اور مشقتیں جھیلنی پڑیں باتوں بات میں جب وہ اپنے زمانہ طالب علمی کی جفاکشی کے یقینی واقعات سناتے ہیں تو آنکھوں میں آنسو آجاتا ہے مختصر یہ کہ اساتذہ کی درسی تقاریر لکھنے کے لئے کاغذ کے بھی ان کے پاس پیسے نہ ہوتے بارہا کھانا بیچ کر کاغذ خریدتے خود ایک وقت بھوکے رہتے اور چوبیس گھنٹے کے بعد کھاتے مگر ساتھ میں رہنے والوں کو کبھی اس کا احساس تک نہیں ہونے دیتے اسی کیساتھ محنت ولگن اور تمام طلبہ سے یکسو ہو کر شبانہ روز کتب بینی، تکرار ومطالعہ کے ذریعہ اپنی علمی لیاقت وصلاحیت کا لوہا منوا چکے تھے جامعہ مظاہر علوم میں آپ کی تکرار کا شہرہ تھا، تقریر وتحریر میں بھی آپ کو اسی وقت سے مہارت تھی اسی وجہ سے اپنی ضلعی انجمن کے صدر اور مظاہر علوم کی صدر انجمن فخر الدین لائبریری کے جنرل سکریٹری اور چار سال تک شعبہ مناظرہ کے ناظم رہے موصوف نے بطور مشق کے بہت سارے موضوع پر مناظرے کئے اور کرائے۔ کبھی جب اس سلسلے میں گفتگو کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اس فن میں بھی کتنی گہرائی

ہے انہیں خصوصیات کیوجہ سے اپنے اساتذہ کے منظور نظر تھے۔ اسی جد و جہد کا نتیجہ تھا کہ ہر امتحان میں امتیازی نمبرات سے کامیاب ہوتے رہے۔

مفتی صاحب نے ۱۹۹۴ء میں جامعہ مظاہر علوم ہی سے سند فراغت حاصل کرنے کے بعد وہیں ایک سال مشق افتاء کیا اور اس سے فراغت کے فوراً بعد جامعہ محمدیہ جامنگر گجرات کے سابق ذمہ دار جناب مولانا سیف الدین صاحب اسلام پوری (جو فعّال اور صالح عالم دین ہیں مفتی صاحب کو آج بھی ان سے والہانہ تعلق ہے اللھم زد فزد) نے سہارنپور جاکر مفتی صاحب کو اپنے جامعہ کیلئے تدریسی خدمات کی دعوت دی چنانچہ ۱۹۹۶ء میں وہاں آپ کی مدرسِ اول کی حیثیت سے تقرری ہوئی آپ ہی سے مشکوۃ شریف، جلالین شریف، بیضاوی شریف وغیرہ کتب حدیث وتفسیر کا آغاز ہوا۔ دورۂ حدیث شروع ہونے پر مسلم شریف، ابوداؤد شریف، مشکوۃ شریف اور کافیہ وغیرہ کتب کے اسباق آپ سے متعلق ہوئے دو سال کے بعد ابوداؤد کے بجائے ترمذی شریف سپرد تدریس ہوئی مکمل پانچ سال کے بعد ۲۰۰۱ء میں جامعہ ابن عباس سرخیز احمد آباد میں موصوف کی تقرری استاد حدیث وتفسیر اور دار الافتاء کے مفتی کی حیثیت سے ہوئی وہاں بھی آپ سے متعلق اونچے اسباق تھے۔ آپ کا اصل ذوق تدریس ہے اسلئے جس کتاب کو لیتے ہیں اسکا حق ادا کرتے ہیں۔ میں نے آپ کے شاگردوں سے سننے کے علاوہ آپ کے درس میں حاضر ہوکر تجربہ بھی کیا ہے کہ جب آپ حدیث کی کتاب پڑھاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کتنی ساری کتابوں کے مطالعے کے بعد درس دیرہے ہیں آواز بھی صاف ہے اور لمبی بحث کو مرتب مختصر اور مدلل بیان کرنے کا مزاج ہے غرض تدریسی دور کے ۱۰ سال کے عرصے میں اول سے آخر تک خصوصاً دورۂ حدیث شریف کی تمام کتابوں کا درس دے چکے ہیں یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا احمد حسین صاحب سابق شیخ الحدیث ومہتمم جامعہ ابن عباس (جو اپنے وقت کے اونچے پائے کے محدث ہیں) آپ کی علمی قابلیت اور تدریسی اہلیت کے بڑے مداح اور قدرداں تھے

ان کی دوررس نگاہ نے مفتی صاحب کو بھانپ لیا۔ اور اپنی بخاری شریف ثانی کا درس جو وہ خود پڑھاتے تھے مفتی صاحب کے سپرد کیا چنانچہ دو سال تک احمد آباد میں بخاری شریف بھی پڑھانے کی سعادت آپ کو حاصل ہوئی۔ پھر ۲۰۰۱ء کے اخیر میں حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند کے مشورے سے جامعہ اشرف العلوم الور کے شیخ الحدیث کے عہدے پر فائز ہوئے۔ بہر حال حضرت مفتی سبحانی صاحب تجربہ کار مدرس بھی ہیں اور کہنہ مشق مفتی بھی۔ اور کامیاب وباا ثر مقرر بھی، اپنے مفوضہ تمام امور کو کماحقہ انجام دینے کے ساتھ تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی قائم کئے ہوئے ہیں چنانچہ معاشرتی ومعاملاتی اہم مسائل پر خزینۃ الفقہ کی تین جلدوں کا کام کر چکے ہیں آگے سلسلہ جاری ہے (جو ترتیب وار طبع ہو کر منظر عام پر آتی رہیں گی) انشاء اللہ۔

مگران گوناں گوں خوبیوں کے باوجود عجب وتعلّی سے پاک نہایت خلیق وحلیم اور صاحب وقار ایسے سنجیدہ جس میں غضب وکبر کی ملاوٹ نہیں، ایسے متواضع اور منکسر المزاج جس میں ذلت اور کمزوری کا دخل نہیں، بڑوں کا احترام، بزرگوں کیساتھ عقیدت، چھوٹوں پر شفقت انکا خاص مزاج ہے، زہد وتقوی انکا وصف ہے جامعہ مظاہر علوم کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوری دامت برکاتہم سے آپ کا اصلاحی تعلق ہے انہیں کی ہدایت کے مطابق اوراد ووظائف کا اہتمام ہے۔

نیز شروع سے ہی اپنے علاقہ کی دینی فکران پر سوار ہے زمانہ طالب علمی ہی سے غریب بچوں کو اپنے ساتھ سفر میں لانا اور داخلہ کرا کے پورے سال تعلیمی وتربیتی نگرانی کرنا (جس کا سلسلہ آج بھی جاری ہے) ان کا ذوق ہے۔ ماشاء اللہ ان کی فکر سے سیکڑوں بچے عالم دین اور حافظ قرآن بنے۔ نیز انھوں نے جانگر ہی کے قیام کے دوران اپنے گاؤں میں ایک مکتب بھی قائم کیا اور قرب وجوار کے کئی مدارس ومکاتب کا تعلق وہاں سے جوڑا اساتذہ کو تنخواہیں اور خصوصی تعاون دلا کر صحت قرآن کیلئے نورانی

قاعدہ کا سلسلہ شروع کیا، ان دنوں جو اس علاقے میں گجرات کے طرز پر نورانی قاعدہ کی تعلیم کا سلسلہ جاری ہے وہ مفتی صاحب کی دین ہے۔

اب تو ماشاء اللہ ہم جیسے نوجوان علماء کی ایک تنظیم آل انڈیا الفلاح ایجوکیشن فاؤنڈیشن کے نام سے رجسٹرڈ بھی کرا چکے ہیں۔ الحمدللہ پورے نظم و نسق کے ساتھ اس ادارے کے تحت ہندو نیپال کے سرحدی علاقے میں کئی مکاتب قرآنیہ چل رہے ہیں اور مشہور سرحدی شہر فاربس گنج میں کافی وسیع زمین خرید کر جامعۃ الفلاح دارالعلوم الاسلامیہ اور الفلاح اسلامک اکیڈمی اسکول کا بھی آغاز کیا گیا ہے بفضلہ تعالیٰ خاموشی کے ساتھ یہ ادارہ اپنے مقصد میں ترقی کی سمت رواں دواں ہے۔

بس اخیر میں اللہ سبحانہ تعالیٰ سے دعاء گو ہوں کہ وہ مفتی صاحب کی عمر میں برکت، اور ان کو تحقیقی و تخلیقی خدمات کا شوق و ذوق اور جذبۂ اخلاص عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

تعریف سب سے پہلے خدا کی بیاں کروں جتنے ہیں نام اس کے ورد زباں کروں
آخر میں میری آپ سے اتنی ہے التجا شمس و کوثر کے حق میں آپ ذرا کیجئے دعاء

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

شمس تبریز قاسمی
ناظم جامعۃ الفلاح
دارالعلوم الاسلامیہ

فہرست خزینۃ الفقہ

مضامین	صفحہ
ولایت نکاح	۷۹
شریعت میں ولایت نکاح کی حقیقت	۷۹
نکاح میں کن لوگوں کو ولی ہونے کا حق ہے	۸۱
ولایت کی شرطیں	۸۳
ولایت نکاح کی قسمیں	۸۴
ولایت اجبار کا مطلب	۸۴
ولایت اجبار کا مدار	۸۴
ولایت استحباب کا مطلب	۸۴
ولایت استحباب کا مدار	۸۵
نابالغ لڑکا لڑکی پر ولایت اجبار کا حق صرف باپ دادا کو ہے	۸۵
بالغ ہونے کے بعد نکاح فسخ کرانے کا حکم	۸۵
نابالغ کا نکاح باپ دادا کے علاوہ نے کیا	۸۶
اختیار فسخ کی صورتیں	۶۸
ولایت اجبار کی مصلحت	۸۷
ولایت اجبار کے شرائط	۸۸
ولی قریب کے ہوتے ہوئے ولی بعید کا نکاح کرانا	۸۸
ولی قریب کی موجودگی میں ولی بعید کے نکاح کرنے کی صورتیں	۸۹
مناسب رشتہ کا ولی قریب اگر انکار کرے	۸۹
ولی قریب میں ولایت کی اہلیت ختم ہو جائے	۸۹
دو برابر کے ولی ہوں تو کیا حکم ہے	۹۰
ولی کے گریز کرنے پر قاضی نکاح کا ولی ہوگا	۹۰

مضامین	صفحہ
طبی حیثیت سے شادی کا وقت	۱۲۲
رشتہ طے کرنے میں استخارہ اور مشورہ	۱۲۳
استخارہ کی دعاء	۱۲۳
منگنی کی شرعی حیثیت	۱۲۴
پیغام پر پیغام دینا جائز نہیں	۱۲۵
رشتہ نکاح کی پیشکش کس کی طرف سے ہو	۱۲۵
منگنی کے بعد لڑکی سے آزادانہ ملنا اور خلوت میں رہنا حرام ہے	۱۲۵
مغربی تہذیب	۱۲۶
منگنی ہونے کے بعد نکاح نہ کرنا	۱۲۶
(محرمات) یعنی جن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے	۱۲۷
محرمات نسبیہ	۱۲۷
محرمات صہریہ	۱۲۸
حرمت مصاہرت نکاح صحیح سے ثابت ہوگی نہ کہ نکاح فاسد سے	۱۳۰
حرمت بسبب زنا و مس ونظر بشہوۃ	۱۳۰
شہوت کا معیار	۱۳۲
بیوی شوہر پر کن وجوہات سے حرام ہو جاتی ہے	۱۳۳
مذاقاً بھی ساس سے جماع کا اقرار کرنے پر حرمت ثابت ہو جائے گی	۱۳۳
سوتیلی ماں کے ساتھ غلط حرکت سے حرمت	۱۳۴
بہو یعنی لڑکے کی بیوی کیساتھ غلط حرکت سے حرمت	۱۳۴
باپ کی حرکت کیوجہ سے بیوی حرام ہوئی تو اس کا مہر باپ پر ہے	۱۳۵
حرمت مصاہرت کیلئے کتنے مرد کی گواہی ضروری ہے	۱۳۵
نسبی اور صہری رشتے کی مذکورہ عورتوں سے اجتناب کرنا احوط ہے	۱۳۶

صفحہ	مضامین

مضامین	صفحہ

مضامین	صفحہ

انتساب واستدعا

میں اپنی اس پہلی کاوش کو مشفق والدین خصوصا محترمہ والدہ مرحومہ (جن کی شفقت ومحبت اور تعلیم وتربیت اور ان کی دعاؤں کے طفیل میں اس علمی خدمت کے لائق ہوا) کی طرف منسوب کرتے ہوئے قارئین سے درخواست کرتا ہوں کہ دعاء کریں کہ اللہ تعالی والدہ مرحومہ کی مغفرت فرما کر ان کی قبر کو اپنے انوار سے بھردے اور جنت میں انہیں بلند مقام عطا فرمائے

اور

مادر علمی جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کی طرف بھی منسوب کرنے میں فرحت محسوس کرتا ہوں جس کے بزرگ اساتذہ اور اکابر ملت کی تربیت کے طفیل بندہ اس قابل ہوا

دعائیہ کلمات

فدائے ملت امیر الہند

حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب دامت برکاتہم

صدر جمعیتِ علماء ہند

کتاب خزینۃ الفقہ کو مختلف مقامات سے دیکھ کر بیحد مسرت ہوئی۔ قرآن وحدیث اور فقہی دلائل اور علماء کرام ومفتیان عظام کی تصدیقات نے کتاب کو اعتبار بخشا ہے۔

میری دعاء ان کے ساتھ ہے اللہ رب العزت قبولیت سے نوازے۔ اور علمی ودینی تمام کاموں میں اخلاص وبرکت عطا فرمائے۔

والسلام

اسعد مدنی غفرلہ

صدر جمعیۃ علماء ہند

۱؍محرم الحرام ۱۴۲۶ھ

تقریظ

فقیہ الاسلام محدث کبیر حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب مظاہریؒ

سابق ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم وقف سہارنپور۔ یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً ومصلیاً ومسلماً

پیش نظر کتاب ''خزینۃ الفقہ'' عزیز مکرم مولوی مفتی محمد کوثر علی سبحانی مظاہری کی تالیف ہے جس میں نکاح کے متعلق بہت سے مسائل کا اچھا ذخیرہ جمع کیا ہے، مظاہر علوم سہارنپور، ان کا مادر علمی ہے، یہاں رہ کر انہوں نے ایک عرصہ تک اپنے اکابر اور بزرگان دین سے اکتساب فیض کیا ہے۔ فراغت کے بعد ہی سے تعلیمی فرائض انجام دے رہے ہیں۔ تعلیم وتدریس کے ساتھ تصنیف وتالیف کا ذوق بھی رکھتے ہیں، پیش نظر کتاب اسی ذوق کا نتیجہ ہے۔ عزیز موصوف نے جن کتابوں سے اس تالیف میں مدد لی ہے وہ بذات خود اس تالیف کے اعتبار کے لئے ضمانت ہیں میں اپنی مصروفیت اور علالت کے سبب بالاستیعاب نہیں دیکھ سکا، تاہم معتبر مآخذ ومراجع سے ماخوذ ومستفاد ہونا اور بعض معتبر مفتیان عظام اور علمائے کرام کا بالاستیعاب نظر غائر سے دیکھنا انشاء اللہ ہر طرح سے کافی ووافی سند اعتبار ہے، میں بصدق دل خداوند قدوس سے دعا گو ہوں کہ وہ اس تالیف کو شرف قبولیت سے نوازے۔ مؤلف کی عمر میں برکت، دینی خدمت کا شوق وذوق، اخلاص اور جذبۂ عمل عطا فرمائے۔

ایں دعاء از من واز جملہ جہاں آمین باد فقط

العبد محمد مظفر حسین المظاہری

۱۴ر شوال ۱۴۲۲ھ

تقریظ

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مدظلہ العالی

مرتب فتاوی دار العلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ و کفی و سلام و صلوۃ علی عبادہ الذین اصطفی

یہ دیکھ کر دلی مسرت ہے کہ نئی نسل میں لکھنے پڑھنے کا ذوق وشوق شباب پر ہے علماء کرام کی جماعت میں تصنیف وتالیف کا حوصلہ اور جذبہ قابل صد مبارکباد ہے۔ ہر سال مختلف دینی احکام ومسائل پر نوجوان علماء کی کتابیں چھپ کر آرہی ہیں اور پڑھنے والے اس سے برابر استفادہ میں مشغول ہیں۔

مولانا محمد کوثر علی سبحانی فاضل مظاہر علوم سہارنپور کی نئی کتاب (خزینۃ الفقہ فی مسائل النکاح) خاکسار کے ہاتھوں میں ہے یہ ان کی پہلی تالیف ہے جو انہوں نے نکاح کے مسائل پر مرتب کی ہے۔ ماشاء اللہ نکاح سے متعلق تمام مسائل پر بحث کی ہے جیسے مہر۔ ولایت۔ کفالت۔ رضاعت۔ حضانت۔ میاں بیوی کے ایک دوسرے پر حقوق اور نفقہ وغیرہ اور جو کچھ لکھا ہے کتابوں کے حوالہ سے لکھا ہے نکاح کی غلط رسومات پر بھی روشنی ڈالنے کی سعی کی ہے۔ مختصر یہ کہ مولانا موصوف نے کافی محنت کی ہے۔ امید ہے کہ آئندہ مؤلف کا قلم زیادہ رواں دواں ہوگا۔ اور امت کو مولانا کے قلم سے زیادہ فائدہ پہونچے گا۔ میں اپنی طرف سے موصوف کی ان کی اس محنت پر مبارک باد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالی ان کی اس محنت کو قبول فرمائے اور آئندہ ترقی کا زینہ بنائے۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

طالب دعاء

محمد ظفیر الدین مفتی دار العلوم دیوبند

۳/ ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ

تقریظ

فقیہ الملت حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ

سابق صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

”خزینۃ الفقہ“ نامی اس مجموعہ میں فقہ کی مختلف کتابوں سے نکاح اور اس سے متعلق منتشر جزئیات، نیز مسائل واقوال وفتاوی کو جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے، توقع ہے کہ فقہی روایات کا یہ مجموعہ اردوداں حلقہ کے لئے مفید ثابت ہوگا (باقی مؤلف کے تمام نقول سے اتفاق ضروری نہیں ہے)۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالی مرتب مجموعہ کی اس تالیفی جدوجہد کو قبول فرمائے اور انہیں دیگر فقہی موضوعات پر تحقیقی وتخلیقی کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

والسلام

مجاہد الاسلام قاسمی

۲رجنوری ۲۰۰۲ء

تقریظ

بحر العلوم محدث وقت حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی

استاذ حدیث دار العلوم دیو بند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین و علی آلہ و اصحابہ اجمعین امابعد!

مفتی محمد کوثر علی سبحانی فاضل مظاہر علوم سہارنپور نے ''خزینۃ الفقہ'' کے نام سے فقہ کے مختلف ابواب کے مفتیٰ بہ مسائل کو جمع کرنے کی کوشش کیا ہے میرے سامنے ''خزینۃ الفقہ'' کی پہلی جلد موجود ہے جو نکاح سے متعلق مفتی بہ مسائل اور اس کے دلائل پر مشتمل ہے نکاح ایک ایسی عبادت ہے کہ اس کا وجود دنیا کے ساتھ آخرت اور جنت میں بھی ہے۔ اور اسی کے ذریعہ جملہ حقوق العباد اور معاشرتی مسائل وجود پذیر ہوتے ہیں۔ اور یہی خاندان کی بنیاد ہے۔ شریعت اور اس کے احکام عین فطرت انسانی کے مطابق ہیں اس کی اہمیت کے پیش نظر احادیث میں جہاں اس کی تفاصیل بیان کی گئی ہیں وہیں قرآن میں بھی نکاح اور نکاح سے متعلق مسائل کو تفصیل سے بیان کیا ہے فقہاء نے بھی قرآن اور حدیث کے پیش نظر تفصیل کے ساتھ اس کے جزئیات کو بیان کیا ہے۔

موصوف نے اپنی اس کتاب میں نکاح کی اہمیت اس کے فوائد اس کے ارکان اور شرائط اور اس کے متعلق مہر ولایت نکاح کفاءت محرمات اور نکاح کے سنت طریقے، زوجین کے حقوق نفقہ، سکنی، رضاعت، جہیز، رسومات نکاح اور اس کا شرعی جائزہ زمانہ جاہلیت کے رائج نکاح کے طریقے اور اس کا اسلام سے موازنہ غرض نکاح کے ہر قسم کے مسائل موجود ہیں... اور بڑی خوبی کی بات یہ ہے کہ جگہ جگہ قرآنی آیات اور احادیث پیش کرنے کیساتھ ہر مسئلہ کو فقہ اور فتاوی کی معتبر اور مستند کتابوں کے حوالے سے مدلل کیا ہے جس سے کتاب کی اہمیت وافادیت اور بڑھ جاتی ہے اسلئے یہ کتاب ہر طبقہ کیلئے مفید ہے۔ دعاء ہے کہ اللہ تعالی اس کتاب کو قبولیت عطاء فرمائے اور مصنف کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے آمین۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز

محمد نعمت اللہ

خادم الحدیث رئیس دار العلوم دیو بند، سہارنپور (الہند)

تقریظ

متکلم الاسلام محدث زمانہ حضرت مولانا محمد سلمان صاحب مدظلہ
ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

امابعد! ہمارے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے فارغ التحصیل نوجوان صالح فاضل عزیزم محترم مولانا مفتی کوثر علی صاحب نے عنوان نکاح پر اس سے متعلقہ اہم مسائل اور مفتی بہ اقوال پر ایک مجموعہ مرتب فرمایا ہے۔ مجھے اس کو مفصل طور پر مطالعہ کرنے کا موقع نہیں مل سکا مگر دیگر علمائے کرام نے اس خدمت کو پسند فرمایا ہے۔ اور یقیناً اپنے عنوان کی اہمیت کے پیش نظر یہ ایسی علمی خدمت ہے جس کا فائدہ نقد ہے کیونکہ ہر مسلمان کو عموماً ان مسائل سے واسطہ رہتا ہے اور ہمہ وقت وہ رہبری کا محتاج ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مجموعہ کو مفید اور نافع فرمائے۔ اور مسلمانوں کو شریعت الٰہیہ اور سنت نبویہ کے مطابق زندگی کی یہ اہم ترین ضرورت پوری کرنے کی سعادت عطا فرمائے۔

فقط والسلام

محمد سلمان

ناظم مدرسہ مظاہر علوم

تقریظ

حضرت مولانا عبد القادر صاحب مظاہری، ندوی

استاذ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی امابعد!

عزیزم مکرم مولانا مفتی محمد کوثر علی سبحانی کی تصنیف خزینۃ الفقہ فی مسائل النکاح اس لحاظ سے ایک خاص اہمیت رکھتی ہے کہ اس موضوع پر اگر چہ متعدد کتابیں کتب خانوں میں موجود ہیں۔ مگر ان کی تعداد بہت ہی کم ہے مفتی صاحب چونکہ مفتی کیساتھ مدرس بھی ہیں اس وجہ سے ہر وقت علمی اشتغال رہتا ہے اور علم تازہ رہتا ہے جس کا اثر تصنیف پر پڑنا لازمی ہے۔ اسی وجہ سے بڑے بڑے حضرات حضرت قاضی مجاہد الاسلام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مرتب فتاوی دار العلوم دیوبند جیسے اکابر نے مہر تصدیق ثبت فرمائی ہے۔

چونکہ مفتی صاحب کی یہ پہلی کاوش منظر عام پر آرہی ہے اس لئے ابھی ترقی کی گنجائش ہے اور امید کی جاسکتی ہے کہ انشاء اللہ آئندہ بھی وقت کی ضرورت کی بہت سی علمی کاوشیں موصوف کی منظر عام پر آکر مفید عام وخاص ہوتی رہیں گی۔

وفقنا اللہ جمیعا الی الحق والصواب وھو ولی التوفیق

عبد القادر غفرلہ

۱۴۲۳/۸/۱۳ھ

تقریظ

مجاہد ملت حضرت مولانا اسرار الحق صاحب قاسمی

صدر آل انڈیا تعلیمی وملی فاؤنڈیشن، دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً ومصلیا امابعد!

فعال اور صالح نوجوان جناب مولانا مفتی محمد کوثر علی سبحانی فاضل مظاہر علوم سہارنپور نے اپنی تالیف خزینۃ الفقہ کی پہلی جلد کا مسودہ براہ حسن ظن پیش کیا اور مجھے مطالعہ کے بعد چند جملے لکھنے کو کہا مصروفیت کی وجہ سے پورے طور سے تو نہیں دیکھ سکا مگر سرسری فہرست پر نظر ڈال کر کتاب کے چند مقامات کو دیکھا۔ ماشاء اللہ کتاب بہت ہی اہمیت کی حامل ہے۔ کیونکہ موصوف نے اس کتاب میں نکاح کے تمام تر مفتی بہ مسائل کو بڑی تحقیق وجستجو کے بعد فقہ اور فتاوی کی معتبر کتابوں کی عربی عبارتوں سے مدلل کیا ہے جس سے کتاب کی افادیت ہر عام وخاص کے لئے ظاہر ہے۔ یہ کتاب اس لائق ہے کہ مفتیان کرام بھی اس سے استفادہ کر سکتے ہیں کیونکہ بہت سے علماء ومفتیان کرام نے اس خدمت کو سراہا ہے کتاب دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی اس لئے تہہ دل سے دعاء کرتا ہوں کہ اللہ رب العزت اس کتاب کو شرف قبولیت بخشے اور مؤلف کی عمر دراز کر کے دینی، علمی، عملی، ملی، قومی خدمات کا شوق وجذبہ عطا فرمائے اور تمام تر خدمات میں اخلاص کی دولت سے مالامال فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ وما توفیقی الا باللہ

فقط

محمد اسرار الحق قاسمی

یکم جنوری ۲۰۰۲ء

کلمات تقدیم

حضرت ہردوئی دامت برکاتہم کے خلیفہ مجاز

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالاحد صاحب قاسمی تاراپوری

صدر آل انڈیا ملی کونسل گجرات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہمارے ایک نوجوان عالم مولانا مفتی محمد کوثر علی سبحانی مظاہری نے اپنی ترتیب دی ہوئی تالیف ''خزینۃ الفقہ فی مسائل النکاح'' کا مسودہ براہ حسن ظن مجھے مطالعہ کے بعد چند کلمات تقدیم لکھنے کیلئے حکم فرمایا میں نے فہرست پر نظر ڈالی اور ایک مرتبہ سرسری طور پر بالاستیعاب دیکھا۔ موصوف ایک سنجیدہ کم گو صاحب علم فاضل ہیں، اس کے ساتھ تحقیق وجستجو اور لکھنے کا ذوق بھی رکھتے ہیں۔

عزیز القدر موصوف نے بڑی ہی تحقیق وجستجو کے بعد مسائل نکاح کا جو مجموعہ ترتیب دیا ہے وہ موضوع سے متعلق تمام ضروری جزئیات کو حاوی ہے مثلاً نکاح کے فوائد وفضائل واحکام کے بعد ولایت، کفالت، کفاءت، پیغام نکاح، منگنی، طریقۂ نکاح، رسوم نکاح، ولیمہ، جہیز، مہر، محرمات نکاح کے اقسام، حقوق زوجین، حضانت، پرورش، رضاعت وغیرہ مسائل کی موصوف نے سیر حاصل تشریح پیش کی ہے اور احکام پر تقریباً تین سو ذیلی عنوان قائم کر کے کتاب کو تین سو سے زائد صفحات پر عمدگی سے ترتیب دیا ہے۔

خوبی کی بات یہ ہے کہ ہر مسئلے کو حوالے سے مدلل کیا ہے اور اکثر مقامات پر مسئلہ کو ثابت کرنے کے لئے معتبر ومستند فقہ وفتویٰ کی عربی عبارتوں سے کتاب کی وقعت

وافادیت کواور بڑھایا ہے۔

نکاح ایک ایسی ممتاز عبادت ہے جو عبادت مالیہ و بدنیہ کے ساتھ حقوق معاشرت اور عائلی مسائل پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ایسی عبادت بن جاتی ہے جو دوسری عبادتوں کی طرح وقتی اور تحدیدی نہیں ہے، بلکہ نکاح کے مقدس رشتہ میں جڑ کر حقوق کی ادائیگی اور حسن معاشرت سے شب وروز زندگی گزارنے والے دو جنس کو زندگی کے آخری سانس تک اس عبادت کا اجر وثواب ملتا رہتا ہے۔

مولانا موصوف نے فقہی انداز وترتیب سے ان تمام مسائل کو گویا قیمتی دانوں کو خوبصورت تسبیح میں پرو دیا ہے جس کی ضرورت ہر خاص وعام مرد وعوت کو ہمیشہ پڑتی ہے۔

یہ کتاب اس قابل ہے کہ ہر پڑھے لکھے مرد وعورت کے ہاتھ میں ہو بلکہ ہر شہر قصبہ کے اہل علم، واعظین کرام، ائمہ مساجد، مدرسین مکاتب اس سے بھرپور استفادہ کرسکتے ہیں۔

بارگاہ الٰہی میں دعا ہے کہ حق تعالیٰ مؤلف موصوف کی اس کتاب کو قبول عام فیض رساں بنا کر اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نواز کر صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین۔

راقم الحروف

عبدالاحد قاسمی تاراپوری

خادم حدیث دارالعلوم تاراپور

مدیر ماہنامہ صوت القرآن احمد آباد

۸رجب المرجب ۱۴۲۲ھ

تائید وتوثیق	حرفے چند
	صاحب المکتفی بحل المجتبی
جناب مولانا مفتی امتیاز صاحب	حضرت مولانا احمد حسین صاحب
احمد آبادی	مظاہری پٹنی
مہتمم جامعہ دار القرآن، سرخیز احمد آباد	مہتمم جامعہ کنز العلوم احمد آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ واھل بیتہ اجمعین اما بعد!

انسان کو اللہ رب العزت نے اشرف المخلوقات بنایا ہے اور تمام ضرورتوں کے پورا کرنے میں اللہ تعالیٰ نے اس کیلئے بہتر سے بہتر طریقہ متعین فرمایا ہے کھانا ساری مخلوقات کھاتی ہیں لیکن حضرت انسان کیلئے طیبات کو منتخب فرمایا اور کھانے کے طریقے کو تمام مخلوقات سے اچھا اور بہتر طے فرمایا کہ بیٹھ کر کھائے داہنے ہاتھ سے کھائے مل جل کر ساتھ بیٹھ کر کھائے ایک دوسرے کی رعایت کیساتھ کھائے۔

اسی طرح اس کی ایک ضرورت ایک عمر کو پہنچ کر فطری جذبات ہیں عام جانوروں کیلئے کوئی طریقہ کوئی نہج نہیں اپنے فطری جذبات جہاں اور جس جگہ چاہیں اور جس طریقہ سے چاہیں پوری کرلیں۔ لیکن حضرت انسان کیلئے روز اول سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ایک طریقہ متعین فرمادیا ہے کہ یہ اپنے جذبات کی تسکین ضرور کریگا لیکن اسی انداز اور طریقہ سے جیسے اللہ سبحانہ تعالیٰ نے بتلایا ہے۔ جہاں چاہے اور جب چاہے جیسے چاہے نہیں کرسکتا بلکہ اس کے لئے حدود متعین فرمایا اور محارم کی ایک مستقل فہرست قرآن اور حدیث میں پیش کردی گئی ہے نیز غیر محارم سے استمتاع میں نکاح یا ملک یمین کی شرط لگادی۔ اس میں بھی بعض وقتوں کو مستثنیٰ کرکے حالت حیض ونفاس میں

بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اور ان تمام شرائط کے باوجود بے انتہا اخفاء کا حکم فرمایا یہاں تک کہ زوجین کی باہمی بات چیت تک کے افشا کو بدترین گناہ ارشاد فرمایا۔ چونکہ نکاح اور نقض نکاح یعنی طلاق اور خلع وغیرہ ایسے ضروری مسائل اور پیش آنے والی چیزیں ہیں کہ ان کو جتنا کھول کھول کر اور صاف صاف بیان کیا جائے اتنا ہی بہتر ہے بلکہ انسانیت کی سخت ضرورت کی چیز ہے۔ الحمدللہ ہمارے فاضل محترم عزیز گرامی القدر مولانا مفتی محمد کوثر علی سبحانی زید مجدہ نے اس باب میں اور اس جیسے مختلف ضروری ابواب پر قلم اٹھایا ہے اور ان ابواب کے مسائل کو قرآن وحدیث اور اقوال فقہاء کے ذریعہ مدلل طریقہ سے جمع فرمایا ہے اس وقت پیش کردہ خصوصی کتاب نکاح کے سلسلے میں ہے جس کو بندہ نے خوب دیکھا بلکہ بہت سی جگہ تصحیح بھی کی نکاح کے باب میں بہت ہی مفصل اور مدلل کتاب ہے امید کرتا ہوں کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ امت مسلمہ کیلئے اسے مفید تر بنائے۔ فاضل محترم کی محنت ومشقت جان فشانی اور اس سلسلہ میں اپنے اکابر کی طرف رجوع نے اس کے فائدہ کو دوچند کردیا ہے اخیر میں اللہ تعالیٰ سے دعا گوہوں کہ اسے قبول فرماکر مفتی صاحب اور دیگر ہم تمام رفقاء کے لئے سعادت دارین کا ذریعہ بنائے۔ آمین

احمد حسین پٹنی
خادم جامعہ کنزالعلوم احمد آباد
۱۲/اکتوبر ۲۰۰۲ء

محمد امتیاز احمد آبادی
خادم دارالقرآن
۱۴/شعبان المعظم ۱۴۲۳ھ

پیش لفظ

الحمدلله رب العالمین الرحمن الرحیم ملک یوم الدین والصلوۃ والسلام علی رسوله الکریم سید الانبیاء والمرسلین وعلی آله واصحابه الطیبین الطاهرین وعلی مجتهدی ملته واتباعه الی یوم الدین اما بعد!

یہ عاجز و درماندہ قلم۔ خدائے واحدہ لاشریک لہ کے سامنے سربسجود ہے کہ اس نے مجھ جیسے ظلوم وجہول اور تہی دامن کو وادیٔ قرطاس وقلم میں اتار کر اس حقیری علمی خدمت کو پیش کرنے کی توفیق وسعادت بخشی۔ اس میں تو شک نہیں کہ فقہ اسلامی پر اردو زبان میں متعدد کتابیں موجود ہیں۔ ان کتابوں کے ہوتے ہوئے بھی مجھ جیسے کم علم اور قلیل البضاعت نے ایک اور کتاب لکھنے کی جرأت کی ہے اس کی ضرورت تھی یا نہیں اہل علم حضرات خود تعریض وتنقید سے قطع نظر کر کے نگاہ عمیق اور پر عدل تدبر سے بالاستیعاب اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد فیصلہ کر سکتے ہیں کیونکہ اس کے علاوہ دیگر کتابوں میں اتنی بسط وتفصیل کیساتھ اصولی وفروعی مسائل پر بحث نہیں کی گئی ہے اور نہ ان کتابوں کو قرآن وحدیث اور فقہ وفتاوی کی مستند ومعتبر کتابوں کے حوالہ جات سے اتنا مدلل ومستند کیا گیا ہے جتنا کہ اس کو کیا گیا ہے۔

زیر نظر کتاب ''خزينة الفقه'' کا آغاز نکاح اور اس سے متعلقہ مسائل سے کیا گیا ہے کیونکہ نکاح ہی کے ذریعہ دنیا کی آبادی کا آغاز ہوا حضرت آدم وحوا کا باہمی تعلق جنت میں نکاح ہی کے ذریعہ قائم ہوا اور انہیں دونوں سے دنیاوی خلافت ونظامت کا اجراء ہوا اور انہیں دونوں سے پیدا ہونے والی اولاد یعنی بھائیوں اور بہنوں کے درمیان اللہ تعالی نے مناکحت کو جائز قرار دیکر نسل انسانی اور دنیا کی آبادی کا دائرہ وسیع کیا اور انہیں انسانوں سے دنیاوی نظام کو مضبوط ومستحکم فرماتے ہوئے اخیر میں ہادی عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا آپؐ نے زندگی کے ہر شعبہ کو خدائی قانون سے

مکمل فرمایا آپؐ کے بعد صحابہ کرام تابعین وتبع تابعین ائمہ مجتہدین ومحققین نے اس نسل انسانی کی رہنمائی کا کما حقہ فریضہ انجام دیا اور آج تک دیتے آرہے ہیں۔
پھر زمانہ جس قدر آگے بڑھتا گیا انسانی زندگی میں اتنا ہی بگاڑ پیدا ہوتا گیا آج کے اس دور میں عقائد کی پختگی، معاملات کی درستگی، اخلاق وعادات کی پاکیزگی ناپید ہوتی جارہی ہے۔ خصوصاً نکاح اور طلاق اور دیگر معاشرتی مسائل کو بدعات ورسومات وخرافات نے پورے طور سے جکڑ لیا ہے آئے دن ایسے تشویشناک حالات رونما ہورہے ہیں کہ شریعت وسنت عنقاء بن چکی ہے ایسے بے راہ روی کے دور میں ضرورت تھی کہ معاشرتی ومعاملاتی مسائل کے ہر ایک باب پر ایسی کتابیں مرتب ہوں جو مفتی بہ جزوی وکلی مسائل کو حاوی ہوں اور کتاب وسنت اور فقہ وفتاوی کی عبارتوں سے آراستہ ہوں۔
چنانچہ زیر نظر کتاب ''خزینۃ الفقہ'' کی جلد اول کی ترتیب اسی غرض سے اس نہج پر ہوئی ہے اس میں نکاح اور اس سے متعلق عام اصول اور ہر اصول کے تحت بہت سی جزئیات کو مدلل پیش کیا گیا ہے مثلاً نکاح کے فضائل وفوائد، ارکان واقسام، شرائط واحکام، ولایت نکاح، کفاءت وکفالت، نکاح کے سنت طریقے، محرمات نکاح کے اقسام، تعدد نکاح اور اس پر کی جانے والی تنقیدات کا دفاع، حضورؐ کے تعدد نکاح کی حکمتیں، حقوق زوجین، مہر، نفقہ، سکنی، رضاعت وحضانت، جہیز، رسومات نکاح اور ان کا شرعی جائزہ، مانع حمل ادویہ کا استعمال اور اسقاط حمل کا حکم، زمانہ جاہلیت کے رائج نکاح اور اس کی شکلیں۔ یہود ونصاری اور ہندو دھرم میں نکاح کے طریقے اور اس کا اسلام سے موازنہ وغیرہ کو خارجی ترتیب کا لحاظ کرتے ہوئے سلیقہ کے ساتھ پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ جہاں ضرورت محسوس ہوئی اکثر مسائل کی حکمتیں اور مصلحتیں بھی بیان کی گئی ہیں۔ اور ہر باب کے شروع میں اس باب سے متعلق اسلام کی اصولی ہدایات اور شریعت کے عمومی مزاج ومذاق پر بھی تفصیل کیساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔
نیز مسائل کے ساتھ قرآن وحدیث سے اس کے متعلق فضائل اور ترغیبات بھی

بیان کی گئی ہیں۔ سادہ زبان اور عام فہم اسلوب اختیار کیا گیا ہے تا کہ عام طور سے لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ اگرچہ اردو ادب اور محاورات کے سلسلے میں مجھ جیسے نااہل سے خطا و غلطی کا احتمال ہی نہیں بلکہ اس کے وقوع کا معترف ہوں۔

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا
غواص کو مطلب ہے گہر سے نہ صدف سے

تاہم قارئین سے مؤدبانہ التماس ہے کہ اسقام وتسامحات پر اس تہی دامن کو آگاہ فرمادیں تو آپ کا بیحد مشکور ہونگا تا کہ آئندہ اس کی اصلاح کی جاسکے۔

یا باری تعالی میری اس حقیر سی محنت کو قبول فرما کر دنیا و آخرت کی ذلت ورسوائی سے نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین یارب العالمین

العبد محمد کوثر علی سبحانی مظاہری ارریاوی

ہدیۂ تشکر وامتنان

من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ (الحدیث)

ہم اپنے رحیم وکریم آقا ومولیٰ خالق ومالک رب العلمین کے سامنے سجدۂ شکر کے بعد ان تمام بزرگوں کے مخلصانہ کرم فرمائیوں پر جذباتی حد تک ممنون ومشکور ہیں جنہوں نے صرف اپنی قیمتی تقریظات سے ہی اس حقیر سی تالیف کی قدر افزائی نہیں فرمائی بلکہ اپنے دست کرم کا ہاتھ میرے سر پر رکھ کر داد تحسین اور خوب خوب دعائیں دیں ان بزرگوں کی ذرہ نوازی سے میرا حوصلہ بڑھا اور اہلیت وصلاحیت نہ ہونے کے باوجود آگے تحقیقی وتخلیقی خدمات کی ہمت ہوئی ان حضرات کے الطاف وعنایات سے جہاں میں اپنی علمی بے بضاعتی اور ذاتی کمزوریوں کو محسوس کر کے شرمندہ ہو رہا تھا وہیں اس بات کا احساس بھی ہو رہا تھا کہ حقیقت میں یہ مخلصین حضرات جمود وتعصب سے پاک علمی ودینی خدمات کی قدردانی اور ادنیٰ سا بھی کام کرنے والے سے محبت فرما کر اور لطف وکرم کا ہاتھ پیٹھ پر رکھ کر آگے بڑھانا چاہتے ہیں۔ خواہ کام کرنے والا کسی ملک اور کسی صوبہ کا رہنے والا ہو ورنہ

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل　　نسیم صبح تیری مہربانی

بعدہ محب گرامی ہمارے کرم فرما برادرم حضرت مولانا مفتی امتیاز صاحب احمد آبادی مدفیوضہم کے ہم تہ دل سے شکرگزار ہیں جنھوں نے اس تالیفی مراجع کے لئے اپنے جامعہ دارالقرآن سرخیز احمد آباد کی کتابوں سے فائدہ اٹھانے کا خوب موقع دیا اور گاہے بگاہے نیک مشورہ سے نوازتے رہے ان کی عنایات ہمیشہ میرے ساتھ ہیں مفتی صاحب کی وسعت ظرفی ہے کہ جب ہم لوگوں نے نیپال بہار سرحدی مسلمانوں کی خستہ حالی اور جہالت وغربت کی وجہ سے بددینی کا احساس دلایا تو انھوں نے ہم چند نوجوان علماء کا ٹرسٹ ادارہ الفلاح ایجوکیشن فاؤنڈیشن کی صدارت قبول فرما کر اسکے تحت سرحدی علاقوں میں مکاتب قرانیہ اور فاربس گنج شہر میں جامعۃ الفلاح اور اسلامی اسکول وغیرہ کا سلسلہ شروع فرما کر ہم لوگوں کو علمی دینی قومی خدمات کا موقع دیا اور اس کی رہنمائی فرما رہے ہیں ان چیزوں میں حضرت مولانا احمد حسین صاحب مظاہری پٹنی مدظلہ بھی برابر کے شریک ہیں ان کے اہتمام میں مجھے علمی ودینی خدمات کا خوب موقع ملا۔ اللہ ان حضرات کے فیوض کو عام ودائم فرمائے۔

خیر! حضرت مولانا مفتی جمال الدین صاحب خلیق وہمدرد اور عمر رسیدہ بزرگ ہیں ہر اعتبار سے ہم سے بڑے ہیں مگر ہمارے ساتھ بیحد قدر اور عزت کا معاملہ فرماتے ہیں ان کی ہی

توجہ اور ذرہ نوازی سے دونوں جلدوں کی طباعت کا کام ہمارے لئے آسان ہوا ہے۔ بڑی احسان فراموشی ہوگی اگر حضرت مولانا عبدالاحد صاحب تاراپوری اور حضرت مولانا قاری عبدالحمید صاحب پانولی مدظلہما کا شکریہ ادا نہ کروں جنہوں نے بغیر میرے مطالبہ کے پہلی طباعت میں کچھ تعاون فرما کر ہمیں سہارا دیا تھا اللہ ان تمام حضرات کا سایہ تادیر باعث ہمہ فیوض و برکات قائم دائم رکھے۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر اس موقع پر حضرت مولانا خلیل الرحمٰن صاحب قاسمی نیپالی زید مجدہ (شیخ الحدیث جامعہ الفضل جوہاپوری احمد آبادی) کا شکریہ ادا نہ کروں جنھوں نے ہمہ تن مشغول ہوکر میری اس کتاب (خزینۃ الفقہ) کی دونوں جلدوں پر گہری نظر فرمائی اور کافی حد تک اردو محاورات وغیرہ کی اصلاح وترمیم کی (جزاہ اللہ عنی احسن الجزاء) ان کے علاوہ مولانا مہتاب عالم صاحب قاسمی شیخ الحدیث جامعہ الفضل احمد آباد و مولانا صدیقی ندوی پٹنی اور یہاں کے مدرس مفتی آفتاب عالم صاحب قاسمی و مفتی ثناء اللہ صاحب قاسمی اور قاری جہانگیر صاحب وغیرہ نے بھی ایک نظر ڈالی (فجزاھم اللہ عنی جمیعا) اور جہاں تک ہوسکا میں نے بھی از سر نو دیکھا۔ بہر کیف جلد اول کا دوسرا ایڈیشن کچھ مسائل کے اضافہ کے ساتھ اور جلد ثانی کا پہلا ایڈیشن الغرض دونوں جلدیں کافی حد تک غلطیوں سے صاف ستھرا ہوکر منظر عام پر آرہی ہے تاہم پھر بھی غلطیوں کے رہ جانے کا احتمال ہے اس لئے قارئین سے درخواست ہے کہ اس تہی دامن کو آگاہ فرمادیں تو آپ کا بیحد شکر گزار ہونگا۔

سب سے زیادہ شکریہ کے مستحق ہمارے محترم برادر عزیز جناب مولانا شمس تبریز قاسمی زید مجدہ ہیں جنھوں نے کتاب کی کمپوزنگ وطباعت کی ساری ذمہ داریاں لیکر ہم کو فارغ کردیا ہے اللہ ان کی محنت کا ان کو بہترین بدلہ عطا کرے۔ نیز مولانا افتخار حسین صاحب مدنی دہلی و مولانا محمد شریف صاحب پٹنی نے بھی اس سلسلہ میں ہماری رہنمائی کی ہے (حفظھم اللہ و جزاھم عنا خیر الجزاء)

نیز ہمارے شاگرد رشید عزیزان مولوی عبیداللہ عباسی رنوجوی و مولوی بشیر عباسی اسلام پوری نے بڑی سعادت مندی کے ساتھ تسوید وتبیض میں حصہ لیا۔ (زادھم اللہ علما و توفیقاً)

ان کے علاوہ ان تمام احباب کے بھی ہم شکر گزار ہیں جنھوں نے کسی طرح کا بھی تعاون فرما کر خلوص ومودت کا نذرانہ پیش کیا ہے۔ (فجزاھم اللہ عنی جمیعا) فقط

العبد

محمد کوثر علی سبحانی مظاہری

الحمدلله رب العالمین والصلوٰة والسلام علی سید المرسلین محمد واله واصحابه أجمعین

اللھم انّی احمدک واستعینک علی الجمع والتالیف

نکاح کے معنی

لغت میں نکاح کے متعدد معنی ہیں۔ مل جانا، جماع کرنا، شادی کرنا۔ اور شریعت میں اس کا مطلب ہے، عورت ومرد کے درمیان ایجاب وقبول کے ذریعہ ایسا خاص عقد ومعاہدہ جس کے تحت دونوں (مرد وعورت) ازدواجی زندگی میں بندھ جائیں اوران کے بیچ میاں بیوی کا تعلق قائم ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے سے منافع حاصل کرنا جائز اوران سے پیدا ہونے والی اولاد کا نسب شرعاً ثابت ہوجائے۔[۱]

شریعت میں نکاح کی اہمیت

انسان بچپن کی زندگی گزار کر جب زمانہ شباب کو پہنچتا ہے تو اس کے اندر جنسی خواہشات خود بخود پیدا ہوجاتی ہیں۔ جوان ہونے کے بعد مرد وعورت کا اجتماع یہ انسان کا طبعی وفطری تقاضا ہوتا ہے۔ مگر اس فطری تقاضے کی تکمیل کے لئے ہر شریعت اور مہذب قوم نے انسان کو ایک خاص معاہدہ کا پابند بنایا ہے، جس کو شادی بیاہ کا عقد کہا جاتا ہے۔ اس عقد ومعاہدہ کے بغیر مرد وعورت کا یکجا ہوکر جنسی خواہشات کی تکمیل تمام مذاہب ومعاشرہ میں حرام اور گناہ کبیرہ ہی نہیں بلکہ انسانی سطح سے گرا ہوا گھناؤنا فعل

---

[۱] ھو...... عقد یفید ملک المتعة ای حل استمتاع الرجل من امرأة لم یمنع من نکاحها مانع شرعی...... قصداً (قوله ای حل استمتاع الرجل) ای المرأة لانه عقد یفید حکمه بحسب الوضع الشرعی وفی البدائع ان من احکامه ملک المتعة وهو اختصاص الزوج بمنافع بضعها وسائر اعضائها استمتاعاً (درمختار مع الشامی صفحه ۵۹ جلد۴) اما النکاح الصحیح فله احکام بعضها اصلی وبعضها من التوابع اما الاصلیة فمنها حل الوط ... ومنها ثبوت النسب (بدائع الصنائع ص ۶۴۴ تا ۶۴۶ جلد ۲)

سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تک جتنی شریعتیں اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اتاری ہیں سب میں نکاح کو نہایت اہمیت حاصل رہی ہے۔ چنانچہ صاحب درمختار فرماتے ہیں۔

لیس لنا عبادة شرعت من عهد آدم الى الآن ثم تستمر في الجنة الا النكاح والايمان [1]

کہ جو عبادتیں ہمارے لئے مشروع ہیں ان میں نکاح اور ایمان کے علاوہ کوئی ایسی عبادت نہیں جو کہ حضرت آدمؑ سے لیکر جنت تک مشروع ہو؟

صاحب مرقاۃ ملا علی قاری فرماتے ہیں (ہو اقرب الی العبادات الخ) یعنی نکاح معاملات کے مقابلے میں عبادت سے زیادہ قریب ہے حتی کہ نکاح میں مشغول ہونا محض نفلی عبادت کیلئے تخلیہ و تنہائی اختیار کرنے سے بہتر ہے۔ [2]

ایک حدیث میں ہے کہ تین صحابیؓ نے حضور ﷺ کی غیر موجودگی میں ازواج مطہرات میں سے کسی کے پاس آکر حضور ﷺ کی عبادتوں کا حال دریافت کیا اور آپؐ کی عبادات کو کم سمجھ کر آپس میں گفتگو کرتے ہوئے تینوں نے کہا کہ ہم کہاں اور کہاں جناب آقا ﷺ (یعنی ہمارے اور آپؐ میں کیا نسبت) کیونکہ آپ کے تو اگلے پچھلے گناہ معاف کردیئے گئے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک صاحب نے تمام رات جاگ کر نماز میں مشغول رہنے کا عہد کرلیا تو دوسرے شخص نے مسلسل روزہ رکھنے اور کبھی افطار نہ کرنے کی نیت کرلی اور تیسرے نے کہا میں تو عورتوں سے الگ رہوں گا کبھی نکاح ہی نہیں کرونگا جب آپ ﷺ کو ان تینوں کا حال معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے ان لوگوں کو تہدیدی انداز میں خطاب فرمایا کہ۔

[1] (درمختار علی شامی صفحه ٥٧ جلد ٤)
[2] مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح جلد٤ ص ٧

اما واللہ انی لاخشاکم للہ واتقاکم لہ لکنی اصوم وافطر واصلی وارقد واتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی متفق علیہ[۱]

کان کھول کر سن لو خدا کی قسم میں تم لوگوں سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور ان کی نافرمانی سے بچتا ہوں اس کے باوجود میں کبھی نفلی روزہ بھی رکھتا ہوں اور کبھی نہیں رکھتا رات کے ایک حصہ میں نماز میں مشغول ہوتا ہوں تو کبھی زیادہ حصہ رات کا سونے میں گذارتا ہوں اور میں نے عورتوں سے شادی بھی کی ہے پس جو میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں۔

ایک مرتبہ آپ نے نوجوانوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔

یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر واحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء متفق علیہ[۲]

اے جوانوں کی جماعت تم میں سے جو شخص مجامعت (اور اس کے لوازمات نان نفقہ) کی قدرت رکھتا ہو تو اسے نکاح کر لینا چاہئے کیونکہ نکاح کرنا نظر کو نیچی کرتا ہے اور شرمگاہ کو بہت محفوظ رکھتا ہے اور جو (مجامعت و نان نفقہ) کی قدرت نہیں رکھتا تو اس کو چاہئے کہ وہ روزہ رکھے کیونکہ روزہ اس کے لئے شہوت شکن (ہتھوڑا) ہے۔

نکاح کرنا آدھا دین ہے

عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا تزوج العبد فقد استکمل نصف الدین فلیتق اللہ فی النصف الباقی[۳]

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے نکاح کیا اس نے آدھا دین مکمل کر لیا اب اسے چاہئے کہ آدھے دین

[۱] بخاری شریف صفحہ ۷۵۷ جلد ۲ [۲] (مشکوۃ صفحہ ۲۶۷ جلد ۲ کتاب النکاح)
[۳] (مشکوۃ صفحہ ۲۶۸ جلد ۲ کتاب النکاح)

کے سلسلے میں خدا سے ڈرے۔

(فائدہ): انسانی جسم میں دو ایسے اعضاء ہیں جن سے اکثر گناہوں کا صدور ہوتا رہتا ہے ایک شرمگاہ اور دوسرا پیٹ جب نکاح کرلیا تو ایک قسم کے گناہ سے حفاظت ہوگئی تو اب اسے چاہئے کہ حلال کمائی ہی کے ذریعہ اپنی اور اپنے اہل وعیال کی معیشت کا انتظام کرے اور حرام مال استعمال کرنے میں اللہ تعالی سے ڈرتا رہے۔

نیک بخت عورت دنیا کا بہترین سامان ہے

عن عبداللہ بن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدنیا کلھا متاع وخیر متاع الدنیا المرأۃ الصالحۃ [1]

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے منقول ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ پوری دنیا ایک متاع (یعنی تھوڑی دیر فائدہ حاصل کرنے کا سامان ہے) اور دنیا کی بہترین متاع نیک بخت عورت ہے۔

شادی کرنے والوں کیلئے فراخیٔ رزق کا وعدہ ہے

اللہ تبارک وتعالی نے قرآن کریم میں انسانوں کو شادی کا حکم دیتے ہوئے فراخیٔ رزق کا وعدہ فرمایا ہے کہ

وَاَنْکِحُوْ الاَیَامیٰ مِنْکُمْ وَالصَّالِحِیْنَ مِنْ عِبَادِکُمْ وَاِمَاءِ کُمْ اَنْ یَکُوْنُوْا فُقَرَاء یُغْنِہِمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ [2]

اے لوگو! تمام غیر شادی شدہ (آزاد) افراد اور پاکدامن غلام اور باندیوں کی شادی ضرور کردیا کرو اگر وہ نادار اور مفلس ہوں گے تو اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی بنادیگا اللہ تو بہت وسعت والا اور بہت زیادہ جاننے والا ہے۔

---

[1] مشکوۃ ص ۲۶۷ ج ۲ کتاب النکاح) [2] (سورۃ النور آیت ۳۲)

(فائدہ): شادی بیاہ کرنے سے محتاج نہیں بلکہ خوشحالی پیدا ہوتی ہے بہت سارے لوگ شادی سے قبل آرام طلبی سستی، کاہلی اور لاابالی پن میں اپنا وقت ضائع کرتے ہیں اس کے برخلاف شادی کے بعد بیوی بچے کا بار محسوس کر کے محنت کرنے والے خوش حال بن جاتے ہیں یہ بات صرف تجربہ ہی کی نہیں بلکہ شادی کے بعد فراخیٔ رزق کا قرآن میں وعدہ ہے اور احادیث و آثار سے اس کا ثبوت ہے[1]

نکاح کے فوائد

(۱) نکاح کا سب سے بڑا فائدہ نسل انسانی کی بقاء اور توالد و تناسل کا جاری رہنا ہے۔ (۲) انسان کے اندر جنسی ہیجان اور خواہشات نفسانی بہت بڑا ہلاکت خیز مرحلہ ہوتا ہے جو نکاح کرنے سے ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ (۳) ہر آدمی اپنا گھر بسا کر اہل وعیال کیساتھ سکون سے رہنا چاہتا ہے جو نکاح سے حاصل ہوتا ہے۔ (۴) ہر آدمی کا اپنا ایک کنبہ اور بڑا خاندان ہوتا ہے جس کی حمایت سے اپنے آپ کو مضبوط اور محفوظ محسوس کر کے معاشرہ میں اپنے حقوق کے تحفظ کیلئے اپنا رعب داب قائم رکھنا چاہتا ہے جو نکاح سے حاصل ہوتا ہے۔ (۵) نکاح کرنے سے آدمی گھر بار اہل وعیال کی خبر گیری اور اس کی پرورش کے سلسلے میں برابر محنت کر کے اپنے نفس کو مجاہدہ کا عادی بنا کر لاپرواہی کی زندگی سے دور رہتا ہے اور یہ صرف دنیوی اعتبار سے ہی نفع بخش نہیں بلکہ اخروی اعمال میں بھی اس کی وجہ سے چستی و فکر مندی کی عادت پڑ جاتی ہے۔ (۶) نکاح کے ذریعہ نیک و صالح اولاد پیدا ہوتی ہے جو صرف دنیا ہی میں اطمینان و سکون، عزت اور نیک نامی کا ذریعہ نہیں بلکہ اخروی طور سے بھی فلاح و سعادت کا سبب ہوتی ہے۔ (۷) ان سب فوائد کیساتھ اجر و ثواب کا بھی مستحق ہوتا ہے کیونکہ میاں بیوی کا پاس بیٹھ کر محبت و پیار کی باتیں کرنا ہنسی دل لگی میں دل بہلانا بھی نفل نماز سے بہتر ہے۔[2]

---

[1] معارف القرآن ص ۴۱۲ ج ۶ [2] الاقتباس شلبی، مظاہر حق، بہشتی زیور

نکاح کے احکام

نکاح کا حکم سب کے حق میں یکساں نہیں ہے شریعت نے انسان کے مختلف حالات کی رعایت کی ہے علامہ ابن نجیم مصری بحر الرائق میں فرماتے ہیں (وصفته فرض وواجب وسنة وحرام ومکروه ومباح) یعنی نکاح کرنے کا حکم انسانی حالات کے اعتبار سے چھ قسم پر ہے۔

(۱) نکاح فرض:- اس وقت ہوتا ہے جبکہ مرد کی قوت مردانگی اور جنسی ہیجان اس قدر غالب ہو کہ نکاح نہ کرنے کی صورت میں زنا میں مبتلا ہو جانے کا یقین ہو اس کے ساتھ بیوی کے مہر اور اس کے نان نفقہ کی ادائیگی پر بھی قدرت ہو نیز یہ خوف بھی نہ ہو کہ بیوی کیساتھ اچھا سلوک کرنے کے بجائے اس کے ساتھ ظلم وزیادتی کا برتاؤ ہوگا تو ایسے حالات میں نکاح کرنا فرض ہوتا ہے نہ کرنے پر گناہ گار ہوگا۔

(۲) نکاح واجب:- اس صورت میں ہوتا ہے جبکہ جنسی ہیجان کا غلبہ تو ہومگر اس قدر نہ ہو کہ زنا میں مبتلا ہو جانے کا یقین ہو۔ نیز مہر اور نفقہ کی قدرت کیساتھ ظلم کرنے کا خوف بھی نہ ہو تو ایسے حالات میں نکاح کرنا واجب ہے نہ کرنے سے گناہ گار ہوگا۔ ہاں! جنسی ہیجان کا غلبہ تو ہومگر مہر اور نفقہ پر قادر نہیں تو پھر نکاح نہ کرنے سے گناہ گار نہ ہوگا۔

(۳) نکاح سنت مؤکدہ:- اس وقت ہوتا ہے جبکہ حالت اعتدال کی ہو یعنی مردانگی قوت اور جنسی ہیجان غالب تو نہ ہو لیکن بیوی کیساتھ مجامعت ومباشرت کی قدرت رکھتا ہو اور مہر ونفقہ کی بھی استطاعت ہو کہ صحیح طور پر حقوق زوجہ ادا کر سکے۔ نیز سنت مؤکدہ ہونے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ نکاح کیوجہ سے ترک فرائض وواجبات اور سنن کا خوف نہ ہو۔ تو اس وقت نکاح کرنا سنت مؤکدہ ہے اور سنت کی نیت سے

نکاح کرنے والا اجر وثواب سے نوازا جائے گا نہ کرنے سے گناہ گار ہوگا۔

(۴) نکاح مکروہ:- اس وقت ہوتا ہے جبکہ بیوی پر ظلم کرنے کا خوف ہو کہ میرا مزاج بڑا سخت اور تیز ہے جس کی وجہ سے خطرہ ہے کہ میں بیوی پر ظلم و زیادتی سے نہیں بچ سکونگا تو ایسی حالت میں نکاح کرنا مکروہ ہے نکاح کرنے سے گناہ گار ہوگا۔

(۵) نکاح حرام:- اس وقت ہوتا ہے جبکہ بیوی پر ظلم کرنے کا خوف ہی نہیں بلکہ یقین ہو کہ مزاج کی سختی اور تندی کیوجہ سے بیوی کیساتھ اچھا سلوک قطعاً نہیں کرسکتا بلکہ ظلم کرنا یقینی ہے اور اس کے حقوق بھی ادا نہیں کرسکتا تو نکاح کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہوگا ایسے شخص کو نکاح سے بچنا لازم ہے۔

(۶) نکاح مباح:- اس وقت ہوتا ہے جبکہ مرد اپنے ان فرائض وحقوق کو جو بیوی کیلئے ہیں فی الحال تو نہیں آئندہ ادا نہ کرنے کا گمان رکھتا ہو تو ایسی حالت میں نکاح کرنا صرف مباح اور جائز ہے کرلے تو فبہا ورنہ کوئی گناہ نہیں [۱]

---

[۱] وصفته فرض وواجب وسنة حرام ومكروه ومباح اما الاول فبأن يخاف الوقوع في الزنا لو لم يتزوج بحيث لا يمكنه الاحتراز عنه الا به لأن ما لا يتوصل الى ترك الحرام الا به يكون فرضا واما الثاني فبأن يخافه لا بالحيثية المذكورة اذ ليس الخوف مطلقا مستلزما بلوغه الى عدم التمكن وبه يحصل التوفيق بين قول من عبر بالافتراض وبين من عبر بالوجوب وكل من هذين القسمين مشروط بشرطين الاول ملك المهر والنفقة فليس من خافه اذا كان عاجزا عنهما آثما بتركه كما في البدائع الثاني عدم خوف الجور فان تعارض خوف الوقوع في الزنا لو لم يتزوج وخوف الجور لو تزوج قدم الثاني فلا افتراض بل مكروه كما افاده في فتح القدير ولعله لان الجور معصية متعلقة بالعباد والمنع من الزنا من حقوق الله تعالى وحق العبد مقدم عند التعارض لا حتياجه وغنى المولى تعالى واما الثالث فعند الاعتدال وسيأتي بيانه واما الرابع فبان يخاف الجور بحيث لا يمكنه الاحتراز عنه لأنه انما شرع لمصلحة من تحصين النفس وتحصيل الثواب وبالجور يأثم و يرتكب المحرمات فتنعدم المصالح لرجحان هذه المفاسد واما الخامس فبان يخافه لا بالحيثية المذكور وهي كراهة تحريم ومن اطلق الكراهة عند خوف الجور فراده القسم الثاني من القسمين واما السادس فبان يخاف العجز عن الأيفاء بمواجبه كذا في المجتبى يعني في المستقبل (بحر الرائق صفحه ۱۴۰ ج ۳)

نکاح کے ارکان

نکاح کے دو رکن ہیں ایجاب اور قبول عاقدین میں سے جس کا کلام مقدم ہو مثلاً مرد یا عورت نے پہلے کہا کہ میں نے اپنا نکاح تم سے کیا تو اس کو ایجاب کہا جاتا ہے پھر اسی مجلس میں دوسرا یہ کہے کہ میں نے قبول کیا تو یہ قبول ہے ایجاب وقبول کے وقت عاقدین میں سے ہر ایک کیلئے دوسرے کا کلام سننا ضروری ہے۔ اور ایجاب وقبول کے سننے کی تین صورتیں ہیں۔ ا۔ بالاصالت یعنی زوجین خود سنیں۔ ۲۔ بالوکالۃ یعنی عاقدین کا وکیل سنے (توکیل بالنکاح کی پوری تفصیل آگے آرہی ہے)۔ ۳۔ بالولایۃ یعنی زوجین کا ولی سنے (ولایت کی بحث بھی آگے آرہی ہے)

ایجاب وقبول کا بلفظ ماضی ہونا

ایجاب وقبول میں سے ہر ایک ماضی کے صیغے سے ہونا چاہئے یعنی ایسا لفظ استعمال کیا جائے جس سے یہ بات سمجھی جائے کہ نکاح ہو چکا جیسے عورت خود یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو تمہاری زوجیت میں دیا یا عورت کا ولی مرد سے کہے کہ میں نے اپنی بیٹی یا فلاں عورت کو جس کا نام فلاں ہے تمہاری زوجیت میں دیا یا کسی وکیل نے اپنی موکلہ کے متعلق کہا کہ میں نے اس کا نکاح تم سے کیا اس کے جواب میں مرد نے کہا کہ میں نے قبول کیا تو نکاح صحیح ہو جائے گا۔

ایجاب وقبول دونوں میں سے کوئی ایک ماضی ہو

دوسری صورت یہ ہے کہ ایجاب وقبول میں سے کوئی ایک ماضی کا صیغہ ہو خواہ دوسرا حال یا استقبال ہو تو بھی نکاح ہو جائے گا جیسے عورت نے کہا کہ تم مجھ سے نکاح کرلو یا عورت کا ولی مرد سے کہے کہ تم میری بیٹی سے یا فلاں عورت سے نکاح کرلو یا وکیل نے کہا کہ میری موکلہ سے نکاح کرلو اس کے جواب میں مرد نے کہا کہ میں نے قبول کیا تو نکاح صحیح ہو جائے گا یا اس کے برعکس مرد کہے کہ میں نے تمہارے ساتھ اپنا

نکاح کرلیا اس کے جواب میں عورت نے کہا کہ میں منظور کرتی ہوں تو بھی نکاح درست ہوجائے گا۔ اور اگر مرد عورت سے یوں کہے کہ کیا تم نے اپنے آپ کو میرے نکاح میں دیا اور اس کے جواب میں عورت۔ میں نے قبول کیا کے بجائے صرف ہاں کہدے تو بھی نکاح ہوجائیگا۔

البتہ گواہوں کے سامنے صرف اس اقرار سے کہ ہم دونوں میاں بیوی ہیں نکاح نہیں ہوگا۔[۱]

ایجاب وقبول کے الفاظ صریحہ وکنایہ

ماضی کے صیغے کی طرح ایجاب وقبول میں نکاح وتزویج کا لفظ صراحۃً استعمال کرنا بھی ضروری ہے مثلاً مرد یا عورت ایجاباً کہے کہ میں نے تم سے نکاح کیا یا تزویج کیا یا نکاح اور تزویج کے ہم معنی کوئی ایسا لفظ استعمال کرے جس سے نکاح کا مطلب صراحۃً سمجھ میں آتا ہو جیسے مرد نے کہا کہ میں نے تمہیں اپنی بیوی بنالیا یا یوں کہا کہ میں تمہارا شوہر ہوگیا، یا تو میری بیوی ہوگئی تو نکاح ہوجائے گا۔

اور اگر اس نے ایسا لفظ استعمال کیا جس سے کنایۃً نکاح کا مفہوم نکلتا ہو اور اس کو گواہ وغیرہ بھی سمجھ رہے ہوں تو بھی نکاح صحیح ہوجائیگا بشرطیکہ اس لفظ سے فی الحال پوری ملکیت مراد لی جاتی ہو جیسے ہبہ، صدقہ، تملیک، بیع، شراء وغیرہ۔ مگر اس میں نکاح کی نیت کرنا اور نکاح ہورہا ہو اس پر کسی قرینہ کا پایا جانا اور پھر اس کو گواہ اور خود عاقدین کا سمجھنا شرط ہے۔ نیز ان کلمات کا ترجمہ یا مفہوم عربی کے علاوہ کسی دوسری زبان میں

---

[۱] وینعقد ملتبسا بایجاب من احدھما وقبول من الاخر وضعا للمضی لان الماضی ادل علی التحقیق کزوجت نفسی او بنتی او موکلتی منك ویقول الاخر تزوجت وینعقد ایضا بما ای بلفظین وضع احدھما له للمضی والاخر للاستقبال او للحال فالاول الامر الخ ولا بالاقرار علی المختار خلاصة کقوله ھی امرأتی الخ (درمختار علی ھامش الشامی صفحه ۶۹ تا ۷۴ جلد ۴)

بھی ادا کر دیا تو بھی نکاح منعقد ہو جائے گا۔[۱]

اگر مرد اور عورت دونوں وہاں موجود ہوں اور ولی یا وکیل یا نکاح خواں نے اشارہ سے کہا کہ میں نے تمہارا نکاح اس کیساتھ کر دیا تو بھی نکاح ہو جائے گا نام لینے کی ضرورت نہیں۔ ہاں اگر زوجین وہاں موجود نہیں تو پھر انکا اور انکے باپ کا بھی نام لینا ضروری ہے۔[۲]

بذریعۂ خط ایجاب وقبول سے نکاح

مرد نے عورت کو یوں لکھا کہ تم مجھ سے اپنا نکاح کر لو پھر عورت نے دو گواہوں کے سامنے مرد کے اس تحریری پیام کو نقل کرتے ہوئے یوں کہا کہ گواہ رہو میں نے اس مرد سے اپنا نکاح کر لیا تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔ اگر عورت نے اس تحریر کو گواہ کے سامنے پڑھ کر نہیں سنایا اور صرف یہ کہا کہ میں نے اپنا نکاح فلاں مرد سے کیا تو نکاح منعقد نہیں ہوگا۔[۳]

(تنبیہ): تحریر کے ذریعہ صرف ایجاب یا صرف قبول ہو سکتا ہے دونوں تحریری ہی ہوں مثلاً ایک نے ایجاب لکھ کر بھیجا دوسرے نے بھی تحریری قبول بھیج دیا کہ میں نے قبول کیا اور گواہ وغیرہ اس تحریر پر نہیں بنایا یا تحریر گواہوں کے سامنے پڑھ کر نہیں سنایا تو

---

[۱] وانما یصح بلفظ تزویج ونکاح لانهما صریح وما عداهما کنایة هو کل لفظ وضع لتملیك عین کاملة فلا یصح بالشرکة فی الحال الخ کهبة وتملیك وصدقة وعطیة .. وکل ما تملك به الرقاب بشرط نیة او قرینة فهم الشهود المقصود (درمختار علی حامش شامی صفحه ۷۸ تا ۸۳ جلد ۴)

[۲] ان کانت المرأة حاضرة فالمشار الیها عند التزویج کفی اما ان کانت غائبة حیث لایسمعون کلامها وعقدلها وکیلها فکفی ذکر اسمها لو کان الشهود یعرفونها والا فذکر اسمها واسم والدها وجدها بالصراحة لازم (ردالمحتار ص ۲۷۲ ج ۲ (بحواله حاشیه بهشتی زیور ۲ حصه ۴)

[۳] ینعقد النکاح بالکتاب کما ینعقد بالخطاب وصورته ان یکتب الیها یخطبها فاذا بلغها الکتاب لحضرت الشهود وقرأته علیهم وقالت زوجت نفسی منه او تقول ان فلانا کتب الیّ یخطبنی فاشهدوا انی زوجت نفسی منه اما لو لم تقل بحضرتهم سوی زوجت نفسی من فلان لا ینعقد لان سماع الشطرین شرط صحة النکاح وباسماعهم الکتاب او التعبیر عنه منها قد سمعوا الشطرین (شامی صفحه ۷۳ جلد ۴)

نکاح نہیں ہوگا۔

نیز ایجاب کی تحریر میں لڑکا یا لڑکی (یعنی ایجاب بھیجنے والے) کا نام مع ولدیت پتہ نشان اور مہر کا تذکرہ ضروری ہے۔ نیز تحریری ایجاب وقبول کیلئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ تحریر لکھنے والا مجلس عقد میں موجود نہ ہو ورنہ پھر زبانی ایجاب وقبول ضروری ہوگا۔

ٹیلیفون کے ذریعہ نکاح

ٹیلیفون پر ایجاب وقبول کرنے سے نکاح صحیح نہیں ہوگا کیونکہ ایجاب وقبول کرنے والے عاقدین کی مجلس متحد نہیں ہے ہاں اگر ٹیلی فون پر وکیل بنا دیا جائے تو درست ہے مثلاً لڑکی یا لڑکے نے کسی کو ٹیلیفون پر وکیل بناتے ہوئے یوں کہا کہ میرا نکاح فلاں سے کردیجئے یا ولی مثلاً باپ نے کسی کو وکیل بنایا کہ میرے لڑکے یا لڑکی کا نکاح فلاں سے کردو پھر وکیل نے دو شرعی گواہ کے سامنے ایجاب وقبول کرادیا تو نکاح منعقد ہو جائے گا جیسے کوئی شخص امریکہ میں ہے اور وہ وہیں سے ہندوستان میں کسی لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ ٹیلیفون وغیرہ سے کسی کو ہندوستان میں اپنا وکیل بنادے کہ وہ اس کی طرف سے فلاں لڑکی کے نکاح کو قبول کرلے پھر یہاں مجلس نکاح منعقد کی جائے اور قاضی صاحب یا لڑکی کے والد وغیرہ جو بھی نکاح پڑھائیں وہ کہیں کہ میں نے فلاں لڑکی کا نکاح فلاں شخص سے جو امریکہ میں ہے کیا اس کے بعد وکیل کہے کہ میں نے اس لڑکی کو فلاں کے نکاح میں قبول کیا تو اس طرح نکاح منعقد ہو جائے گا۔[1]

گونگا کے نکاح کا طریقہ

اگر گونگا لکھنا جانتا ہو تو اس کو ایجاب کے کلمات لکھ کر دیے جائیں اور وہ قبول کو تحریراً پیش کرے اور اگر لکھنا نہیں جانتا ہے تو جس طرح اور چیزوں کو اشارہ سے سمجھایا

[1] (فتاویٰ محمودیہ صفحہ ۱۶۲ تا ۱۶۳ جلد ۱۱)

جاتا ہے اسی طرح نکاح کے ایجاب کو بھی اشارہ سے سمجھایا جائے اور جب وہ سر یا ہاتھ سے قبول کیلئے اشارہ کردے تو نکاح صحیح ہوجائے گا۔[1]

نابینا اور بہرے کا نکاح

ایک آدمی نابینا بھی ہو اور بہرہ بھی تو اس کے نکاح کا طریقہ یہ ہے کہ جس طرح اور ضروریات اس کو سمجھائی جاتی ہیں اور دریافت کی جاتی ہیں اسی طرح نکاح کے ایجاب کو بھی اس کا ہاتھ وغیرہ پکڑ کر سمجھایا جائے اور پھر وہ اشارہ میں قبول کرلے تو نکاح درست ہوجائے گا۔[2]

اکراہ کے سبب نکاح

کسی مرد یا عورت سے کسی نے کہا تم اپنا نکاح مجھ سے یا فلاں سے قبول کرلو ورنہ جان سے مار ڈالوں گا اب اگر لڑکا یا لڑکی بخوف جان اس ایجاب کو قبول کرلے تو نکاح صحیح ہوجائے گا۔ نیز اسی طرح اگر ان کے اولیاء کو کسی نے دھمکایا کہ تم اپنی نابالغ لڑکی یا لڑکے کا نکاح مجھ سے قبول کرلو ورنہ زندگی سے ہاتھ دھونا پڑیگا اب اگر اولیاء ڈر کی وجہ سے اس نکاح کے ایجاب کو قبول کرلیتے ہیں تو نکاح درست ہوکر منعقد ہوجائیگا۔[3]

ولی کی طرف سے جبراً نکاح کرنے کی دو صورتیں

ولی کو ولایت اجبار کن عورتوں پر ہے اس کا بیان باب الولایت میں تفصیل کے ساتھ آرہا ہے مگر یہاں جبراً نکاح کی دو صورتوں کو ذکر کردیا جارہا ہے وہ یہ کہ ولی نے

---

[1] فان كان الاخرس لا يكتب وكان له اشارة تعرف في طلاقه ونكاحه وشرائه وبيعه فهو جائز الخ فقد رتب جواز الاشارة على عجزه عن الكتابة فيفيد انه ان كان يحسن الكتابة لاتجوز اشارته (شامي صفحه ۵۸۴ جلد ۲ ملخوذ فتاوى دار العلوم صفحه ۶۰ جلد ۷)

[2] وينبغي ان لا يختلف في انعقاده بالاصمين اذا كان كل من الزوج والزوجة اخرس لان نكاحه كما قالو ينعقد بالاشارة حيث كانت معلومة (شامي صفحه ۲۷۳ جلد ۲ نعمانيه بحواله فتاوى محموديه صفحه ۳۲۳ جلد ۱۰)

[3] اذ حقيقة الرضا غير مشروطة في النكاح لصحة مع الاكراه والهزل (شامي صفحه ۸۶ جلد ۴ زكريا)

ڈرادھمکا کر دولڑکیوں کا نکاح جبراً کرایا کہ ان میں سے ایک بالغہ اور دوسری مراہقہ ہے لڑکی نے وحشت کے مارے دبی زبان میں نکاح کو قبول کرتے ہوئے ہاں کہا مگر لڑکی شوہر کے بچہ ہونے یا کسی اور وجہ سے اس نکاح سے انکار کردے تو اس کا حکم یہ ہے کہ بالغہ کا نکاح تو اس کے قبول کرنے سے بہرصورت لازم ہو چکا اب بجز موت یا طلاق کے علیحدگی کی کوئی صورت نہیں رہی نابالغہ مراہقہ کا نکاح جبراً اولیا میں سے باپ دادا نے کیا ہے تو اس کا حکم بھی پہلے جیسا ہے کہ نکاح لازم ہو چکا بجز شوہر کی موت اور طلاق کے چھٹکارا کی کوئی صورت نہیں ہاں اگر باپ دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے یہ نکاح جبراً کیا تو پھر لڑکی کو بالغ ہوتے ہی اس نکاح کو فسخ کرانے کا اختیار ہوگا کسی مسلمان حاکم یا قاضی کی عدالت میں مقدمہ دائر کرکے اپنا نکاح فسخ کراسکتی ہے۔[1]

ہنسی مذاق سے نکاح

دو شرعی گواہوں کی موجودگی میں بلا قصد و ارادہ ہنسی مذاق میں بھی ایجاب وقبول ہوگیا تو نکاح منعقد ہوجائے گا مثلاً دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کے سامنے مذاقاً لڑکے نے لڑکی سے کہا میں نے تم سے اپنا نکاح کیا۔ یا ولی نے اپنے نابالغ لڑکے یا لڑکی کے متعلق کسی سے مذاقاً کہا کہ میں نے اس کا نکاح تم سے کردیا اور دوسرے نے اس کو قبول کرلیا تو نکاح ہوجائے گا اور لڑکے لڑکی کے مابین زوجیت کا رشتہ قائم ہوجائے گا کیونکہ حضور علیہ السلام کی حدیث ہے۔

ثلاث جدھن جد وھزلھن جد النکاح والطلاق والرجعۃ۔[2] کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان کا قصد کرنا بھی قصد ہے اور ہنسی مذاق میں منہ سے نکالنا بھی قصد ہے وہ نکاح، طلاق اور رجعت ہے۔

ہاں اگر ایجاب کرنے والا دوسرے کے قبول کرنے سے قبل مجلس بدل دے یا کسی ایسے کام میں مشغول ہوجائے جس سے اعراض معلوم ہوتا ہو تو پھر

---

[1] (جواہر الفقہ صفحہ ۱۰۶ جلد ۲) [2] ترمذی شریف صفحہ ۲۲۵ جلد ۱

نکاح منعقد نہیں ہوگا۔[۱]

انشاء اللہ کیساتھ ایجاب وقبول سے نکاح

انشاء اللہ کے ساتھ ایجاب وقبول سے نکاح صحیح نہیں مثلاً لڑکی نے ایجاب میں کہا کہ میں نے انشاء اللہ اپنے آپکو تمہاری زوجیت میں دیا۔ یالڑکی کے ولی نے کہا کہ انشاء اللہ میں نے اپنی لڑکی کا نکاح تم سے کیا۔ یالڑکے ہی نے قبول کرتے ہوئے کہا کہ انشاء اللہ میں نے اس نکاح کو قبول کیا تو نکاح منعقد نہیں ہوگا کیونکہ لفظ انشاء اللہ کیساتھ عقد نکاح کا تحقق نہیں ہوتا۔[۲]

نکاح کے اقسام

نکاح کی اولاً دو قسمیں ہیں (۱) نکاح صحیح (۲) نکاح غیر صحیح۔[۳]

نکاح صحیح کی تعریف

نکاح صحیح وہ جس میں نکاح کے تمام ارکان وتمام شرائط پائے جائیں۔
ارکان تو گزر چکے اور شرائط حسب ذیل ہیں۔

نکاح صحیح کے شرائط

(۱) ایجاب وقبول دونوں ایک ہی مجلس میں ہوں یعنی ایجاب وقبول کے

---

[۱] ومن شرائط الایجاب والقبول اتحاد المجلس ... ولا یشترط العلم بمعنی الایجاب والقبول فیما یستوی فیه الجد والهزل اذا لم یحتج لنیة به یفتی (درمختار) فلو اختلف المجلس لم ینعقد فلو اوجب احدهما فقام الاخر او اشتغل بعمل اخر بطل الایجاب (شامی مع در مختار صفحه ۷۶ تا ۷۸ جلد ٤)

[۲] هو ---- عقد یفید ملك المتعة (درمختار) العقد مجموع ایجاب احد المتكلمین مع قبول الاخر او كلام الواحد القائم مقامهما (شامی صفحه ۵۹ جلد٤ زكریا) وینعقد بایجاب وقبول وضعا للمضی لان الماضی ادل علی التحقیق (درمختار) وقوله علی التحقیق ای تحقیق وقوع الحدث (شامی صفحه ٦۹ جلد٤ زكریا) وظاهر ان لا تحقیق مع استثناء (بحواله فتاوی دار العلوم صفحه ٦۲ جلد۷)

[۳] فالنكاح لایخلو اما ان یكون صحیحا واما ان یكون فاسدا بدائع الصنائع ۳۲۱ جلد ۲

درمیان کوئی ایسا کام نہ ہو جس سے ایجاب کا غیر اہم اور نا منظور ہونا سمجھا جائے۔[1]

(۲) عاقدین میں سے ہر ایک کا (اصالۃً یا ولایۃً یا وکالۃً) ایجاب وقبول کے وقت دوسرے کا کلام سننا شرط ہے۔

(۳) ایجاب وقبول کے وقت ایسے دو گواہ کا ہونا شرط ہے جو مسلمان، آزاد، عاقل، بالغ ہوں دونوں گواہ مرد ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں (لہٰذا صرف عورتوں کی گواہی سے نکاح منعقد نہیں ہوگا اگرچہ عورتیں چار ہوں)۔[2]

نیز دونوں گواہ عاقدین سے واقف ہوں۔ گواہوں کا پرہیزگار ہونا شرط نہیں صرف مستحب ہے البتہ نزاع کے وقت فاسق کی گواہی معتبر نہیں ہوگی۔ گواہوں کا بینا ہونا شرط نہیں نابینا بھی گواہ ہوسکتا ہے۔ اسی طرح گواہوں کا زوجین کا رشتہ دار نہ ہونا شرط نہیں رشتہ دار بھی گواہ ہوسکتے ہیں خواہ زوجین کے بیٹے ہی کیوں نہ ہوں مگر ان کی گواہی بھی نزاع کے وقت معتبر نہیں ہوگی۔ (۴) دونوں گواہوں کا ایک ساتھ ایجاب وقبول کا سننا اور سمجھنا شرط ہے یعنی دونوں گواہ یہ سمجھ رہے ہوں کہ یہ نکاح کا ایجاب وقبول ہو رہا ہے اگرچہ لفظ کے معنی نہ جانتے ہوں اگر دونوں گواہوں نے دونوں کے الفاظ سننے کے بجائے صرف ایجاب کے الفاظ کو سنا یا ایک گواہ نے صرف ایجاب اور دوسرے نے صرف قبول کو سنا یا دونوں گواہوں نے متفرقاً علیحدہ علیحدہ دونوں کے ایجاب وقبول کو سنا تو ان تمام صورتوں میں نکاح صحیح نہیں ہوگا۔ (۵) عاقدین (خواہ اصیل ہوں یا ولی یا وکیل) کا عاقل وبالغ ہونا ضروری ہے لہٰذا بچہ اور مجنون خود سے اپنا نکاح نہیں کرسکتا (اسکی تفصیل آگے آرہی ہے)۔[3]

---

[1] ومن شرائط الایجاب والقبول اتحاد المجلس (درمختار) فلو اختلف المجلس لم ینعقد فلو اوجب احدهما فقام الاخر او اشتغل بعمل اخر بطل الایجاب (شامی صفحہ ۷٦ جلد ٤)

[2] ولا ینعقد بشهادة المرأتین بغیر رجل وکذا الخنثیین اذا لم یکن معهما رجل (عالمگیری صفحہ ۲٦۷ تا ۲٦۸ جلد ۱

[3] وشرط سماع کل من العاقدین لفظ الاخر لیتحقق رضاهما وشرط حضور شاهدین حرین او حر وحرتین مکلفین سامعین قولهما معا علی الاصح فاهمین انه نکاح علی المذهب بحر مسلمین لنکاح مسلمة ولو فاسقین او محدودین فی قذف او اعمیین او ابنی الزوجین او ابنی احدهما (درمختار) قلنا انعقد بحضور الفاسقین والاعمیین والمحدودین فی قذف وان لم یتوبا وابنی العاقدین وان لم یقبل اداؤهم عند القاضی (شامی صفحہ ۹۳ جلد٤)

(٦) نکاح کے صحیح ہونے کے لئے زوجین میں نکاح کی اہلیت کا پایا جانا شرط ہے مثلاً جس عورت سے نکاح کیا جائے وہ محرمات میں سے نہ ہو (محرمات کا بیان آگے آرہا ہے) (٧) اسی طرح نکاح کے لئے یہ شرط ہے کہ زوجین ہم جنس ہوں یعنی انسان کا نکاح انسان ہی سے ہوسکتا ہے کسی انسان کا نکاح دوسری مخلوق مثلاً جنات یا پانی کے انسان سے نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح انسان مرد کا نکاح انسان عورت سے ہوگا مرد کا نکاح مرد سے جائز نہیں ہے [1]

(٨) نکاح کیلئے یہ بھی شرط ہے کہ نکاح کسی وقت کیساتھ مؤقت کئے بغیر مطلقاً کیا جائے اگر کسی وقت کیساتھ مقید کر کے مثلاً دو گواہوں کی موجودگی میں کسی نے صرف دس دن کیلئے نکاح کیا تو یہ نکاح حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک باطل ہے مگر امام زفر کے یہاں یہ نکاح صحیح اور لازم ہوگا اور شرطِ فاسد باطل ہوجائے گی علامہ شامی نے امام زفر ہی کے قول کو ترجیح دیا ہے اور حنفیہ کے یہاں اسی قول پر فتوی بھی ہے۔ [2]

(٩) نکاح کے ایجاب وقبول سے فوراً انعقادِ نکاح کا معلوم ہوجانا شرط ہے لہٰذا اگر ایجاب وقبول کو آئندہ زمانہ کی طرف منسوب کیا مثلاً کسی نے یکم شعبان کو ایجاب کرتے ہوئے کہا کہ میں نے اپنی لڑکی کو تمہاری زوجیت میں دی فریق ثانی نے کہا کہ میں نے دو شعبان کو قبول کیا یا کسی نے ایسے کام پر نکاح کو معلق کیا جس کا آئندہ پیش آنے کا امکان ہو مثلاً قبول کرتے ہوئے کہا کہ مجھے یہ نکاح منظور ہے بشرطیکہ میرے والد کو بھی پسند ہو، تو ان صورتوں میں نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ [3]

(١٠) عاقدین کا ہوش میں ہونا شرط ہے کہ دونوں سمجھ رہے ہوں کہ کیا کہہ

---

[1] هو عند الفقهاء عقد يفيد ملك المتعة اى حل استمتاع الرجل من امرأة لم يمنع من نكاحها مانع شرعي فخرج الذكر والخنثى مشكل والوثنية لجواز ذكورته والمحارم والجنية وانسان الماء لاختلاف الجنس (درمختار على حاشية شامى صفحه ٥٩ تا ٦١ جلد ٤)

[2] والنكاح المؤقت باطل مثل ان يتزوج امرأة بشهادة شاهدين عشرة ايام وقال زفر هو صحيح لازم لان النكاح لا يبطل بالشروط الفاسدة (هدايه صفحه ٣١٢ جلد ٢) ثم رجع قول زفر بصحة المؤقت على معنى انه ينعقد مؤبدا ويلغوا التوقيت (شامى صفحه ١٤٩ جلد ٤

[3] ومن شرائط الايجاب والقبول الخ ان لايكون مضافا ولا معلقا كما سيجيئ (درمختار) قوله وان لايكون مضافا كتزوجتك غدا ولا معلقا اى على غير كائن كتزوجتك ان قدم زيد (شامى صفحه ٧٢ ج ٤)

رہے ہیں لہٰذا معطل الحواس یعنی بے ہوشی کی حالت میں ایجاب وقبول کرانے سے نکاح صحیح نہیں ہوگا۔[۱]

(۱۱) عقد نکاح کے وقت مہر کا صراحۃً تذکرہ کردینا ضروری ہے اگر مہر کی تصریح وتعیین نہیں کی گئی تو بھی نکاح صحیح ہوجائیگا مگر مہر مثل لازم ہوگا بشرطیکہ شوہر نے بیوی سے وطی کرلی ہو یا زوجین کے مابین خلوت صحیحہ پائی گئی ہو یا زوجین میں سے کوئی مرجائے ورنہ بغیر وطی اور خلوت صحیحہ یا موت کے صرف متعہ ملے گا۔ (مہر کے بیان میں تفصیل آرہی ہے)[۲]

(۱۲) طے شدہ قول وقرار کے مطابق ایجاب وقبول کا ہونا نکاح کیلئے شرط ہے یعنی جتنے مہر پر نکاح ہونا طے پایا ہے اتنے ہی مہر پر عقد نکاح ہو لہٰذا اگر مرد نے ایک متعینہ مہر (مثلاً دو ہزار روپے) پر ایجاب کیا لیکن عورت نے مہر کی مقدار میں (ایک ہزار) اضافہ کرکے (تین ہزار روپے پر) نکاح کو قبول کیا یا عورت نے ایک متعینہ مقدار (مثلاً تین ہزار روپے) پر ایجاب کیا لیکن مرد نے اس میں (ایک ہزار) کم کرکے (دو ہزار روپے پر) نکاح کو منظور کیا تو نکاح منعقد نہیں ہوگا کیونکہ یہ ایجاب کرنے والے کے منشاء کے خلاف قبول ہے جس پر اس کی رضامندی نہیں پائی گئی۔ ہاں اگر اس کا برعکس ہو کہ عورت نے مرد کے ذکر کردہ مہر میں کمی کردی یا عورت کے ذکر کردہ مہر میں مرد نے اضافہ کردیا تو نکاح منعقد ہوجائے گا کیونکہ اس میں ایجاب کرنے والے کا نقصان کے بجائے فائدہ ہے جو اس کے منشاء کے بالکل موافق ہے گویا نکاح تو متعینہ مقدار ہی پر ہوا۔ مگر عورت نے اس میں اپنی طرف سے معاف کردیا یا مرد نے اپنی طرف سے تبرعاً کچھ بڑھادیا۔[۳]

[۱] واما شروطه فمنها العقل والبلوغ والحرية في العاقد الا ان الاول شرط الانعقاد فلا ينعقد نكاح المجنون والصبي الذي لا يعقل الخ منها سماع كل من العاقدين كلام صاحبه (عالم گیر صفحہ ۲۶۷ جلد ۱) [۲] ويصح النكاح وان لم يسم فيه مهر الخ قال وان تزوجها ولم يسم لها مهرا أوتزوجها على ان لا مهر لها فلها مهر مثلها ان دخل بها او مات عنها (هداية صفحه ۳۲۳ تا ۳۲۴ جلد ۲)

[۳] ومن شرائط الايجاب والقبول ... ان لا يخالف الايجاب القبول كقبلت النكاح لا المهر نعم يصح الحط كزيادة قبلتها في المجلس (درمختار) قوله نعم يصح الحط) اي اذا قال تزوجتك بالف فقالت قبلت بخمسمأة يصح ويجعل كانها قبلت الألف حطت عنه خمس مائة بحر ولايحتاج الى القبول منه لان هذا اسقاط الارله بخلاف الزيادة كما لو قالت زوجت نفسي منك بالف فقال الزوج قبلت بألفين صح النكاح بألف الا ان قبلت في المجلس فيصح بالفين على المفتى به (شامی ۷۷ جلد ۴)

(۱۳) نکاح کے منعقد ہونے کیلئے ایجاب کے مکمل ہونے کے بعد قبول کرنا شرط ہے لہٰذا ایجاب کے کلمات مکمل ہونے سے قبل ہی قبول کرلیا تو نکاح صحیح نہیں ہوگا مثلاً کسی نے کہا میں نے اپنی بیٹی تیری زوجیت میں دی اور لفظ دی کہنے سے قبل فریق ثانی نے کہا کہ میں نے قبول کیا تو یہ قبول معتبر نہیں ہوگا۔[۱]

(۱۴) زوجین کا ہم مذہب یعنی مسلمان ہونا شرط ہے۔ (اسکی پوری تفصیل محرمات کے بیان میں اختلاف مذاہب میں آرہی ہے)۔

نکاح میں شرط لگانا

مقتضائے عقد کے خلاف یا شرعاً حرام شرط پر نکاح ہوا تو شرط باطل ہوجائے گی اور عقد صحیح ہوجائے گا مثلاً زوجین نے اس شرط پر نکاح کیا کہ ہم دونوں آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہونگے یا شوہر نے کہا کہ ہمارے اوپر نفقہ کی ذمہ داری نہیں ہوگی یا متعین مقدار نفقہ پر نکاح کیا تو اس کا کچھ اعتبار نہیں ہوگا میاں بیوی دونوں آپس میں وارث ہوں گے اور شوہر پر نفقہ کی ذمہ داری ہوگی، عورت کو عام دستور کے مطابق ہی نفقہ ملے گا۔[۲]

نکاح صحیح کی قسمیں

نکاح صحیح کی چار قسمیں ہیں (۱) نکاح نافذ (۲) نکاح موقوف (۳) نکاح لازم (۴) نکاح غیر لازم

نکاح نافذ وموقوف کی تعریف

جس نکاح میں مندرجہ ذیل شرائط پائے جائیں وہ نکاح صحیح نافذ ہوگا اور شرائط

---

[۱] وانا وصل الایجاب بالتسمیۃ للمهر کان من تمامه ای الایجاب فلو قبل الاخر قبله لم یصح لتوقف اول الكلام على آخره (درمختار على حامش شامى صفحه ۷۵ جلد ٤)

[۲] وما لا يبطل بالشروط الفاسدة ستة وعشرون ... والنكاح لا يصح تعليقه ولا اضافته لكن لا يبطل بالشرط ويبطل الشرط (فتح القدير صفحه ۲۱۹ ج۵ ماخوذ مجموعه قوانين اسلامى) رجل تزوج امرأة على ان ينفق عليها فى كل شهر مائة دينار قال ابو حنيفة رحمة الله تعالى النكاح جائز ولها نفقة مثلها بالمعروف، رجل تزوج امرأة على الف درهم على ان لاترثه ولا يرثها جاز النكاح ويتوارثان (فتاوى قاضى خان على حامش الهندية صفحه ۳۲۱ جلد ۱)

کے مفقود ہونے کی صورت میں نکاح موقوف کہلائے گا۔

نکاح نافذ کی شرطیں

(۱) نکاح کے ایجاب وقبول کرنے والے عاقدین (خواہ اصیل ہوں یا وکیل) عاقل بالغ ہوں۔ لہٰذا اگر کسی ہوشمند نابالغ لڑکے یا لڑکی نے اپنا ایجاب وقبول خود کیا تو نکاح ولی کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ اگر مجنون یا مجنونہ نے کیا تو نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا۔[۱]

(۲) نابالغ یا مجنون لڑکا لڑکی کے نکاح کے نافذ ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ ان کا نکاح کرنے والے ولی اقرب ہو لہٰذا اگر ولی اقرب کی موجودگی میں ولی ابعد نے کر دیا تو یہ نکاح ولی اقرب کی اجازت پر موقوف رہے گا۔[۲]

(۳) نابالغ یا مجنون لڑکا لڑکی کے دو برابر کے ولی ہونے کی صورت میں نکاح کے نافذ ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ نکاح دونوں کے مشورہ سے ہو اگر بغیر مشورہ کے کسی ایک نے کر دیا تو نکاح دوسرے ولی کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ (تینوں شرطوں کی تفصیل ولایت نکاح میں آرہی ہے)

(۴) وکیل اپنے مؤکل کے دیئے ہوئے اختیارات کے موافق نکاح کریگا تو نکاح نافذ ہوگا ورنہ مؤکل کی اجازت پر موقوف رہے گا۔[۳] (وکالت نکاح میں اس کی تفصیل آرہی ہے)۔

---

[۱] اما شرط الانعقاد فنوعان نوع يرجع الى العاقد ونوع يرجع الى مكان العقد بالفعل فلا ينعقد نكاح المجنون والصبي الذي لايعقل لان العقل من شرائط اهلية التصرف فاما البلوغ فشرط النفاذ عندنا لاشرط الانعقاد على ما نذكر ان شاء الله تعالى (بدائع الصنائع ص ۲۳۴ جلد۲) فان نكاح الصبي وان كان منعقدا على اصل اصحابنا فهو غير نافذ ونفاذه يتوقف على اجازة وليه (بدائع الصنائع ص ۲۳۲ جلد۲)

[۲] فلو زوج الابعد حال قيام الاقرب توقف على اجازته (درمختار على هامش شامی ص ۱۹۹ جلد۴

[۳] اذا وكل رجلا بان يزوجه فلانة بالف درهم فزوجها اياه بالفين ان اجاز الزوج جاز وان رد بطل (فتاوى قاضيخان على هامش الهنديه ص ۳۴۷ جلد۱)

نکاح لازم وغیر لازم کی تعریف

نکاح کے بعد زوجین میں سے کسی کو یا ان کے اولیاء کو نکاح ختم کرانے کا اختیار نہ ہو تو وہ نکاح لازم ہوگا اگر فسخِ نکاح کا اختیار ہو تو وہ نکاح غیر لازم کہلائے گا۔

نکاح لازم کی شرطیں

(۱) نابالغ لڑکا لڑکی کے نکاح کے لازم ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ ان کا نکاح باپ یا دادا کرے اسی طرح مجنون اور مجنونہ کا بھی نکاح باپ یا دادا یا بیٹا کرے۔ ان کے علاوہ اولیاء نے کیا تو یہ نکاح غیر لازم ہوگا اگرچہ کفو میں مہر مثل کے ساتھ کیا ہو۔ لڑکا لڑکی کو بلوغ کے بعد اور مجنون ومجنونہ کو جنون سے افاقہ کے بعد فسخ نکاح کا اختیار رہو گا۔[۱]

(۲) بغیر اجازت ولی بالغہ عاقلہ لڑکی کے خود سرانہ نکاح کے لازم ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ اپنا نکاح کفو میں کرے ورنہ ولی قضاءِ قاضی کے ذریعہ نکاح فسخ کرا سکتا ہے۔ اسی طرح عاقلہ بالغہ اپنا نکاح مہر مثل پر کرے ورنہ ولی کو حق ہوگا کہ شوہر سے مہر مثل پورا کرنے کا مطالبہ کرے اور شوہر کے انکار کی صورت میں ولی قضاءِ قاضی کے ذریعہ نکاح فسخ کرا سکتا ہے۔[۲] (ولایت نکاح میں تفصیل آرہی ہے)

(۳) نکاح کے لازم ہونے کی تیسری شرط یہ ہے کہ عورت اور اس کے ولی کو کفائت نکاح کے بارے میں دھوکا نہ دیا گیا ہو اگر شوہر نے دھوکا دہی سے کام لیا تو پھر

---

[۱] وان کان المزوج غیرھما ای غیر الاب وابیہ لایصح النکاح من غیر کف او بغبن فاحش اصلا۔ وان کان من کف و بمہر المثل صح ولکن لھما ای لصغیر وصغیرۃ وملحق بھما خیار الفسخ ولو بعد الدخول بالبلوغ او العلم بالنکاح بعدہ.... بشرط القضاء للفسخ (درمختار علی ھامش شامی ص۱۷۳ جلد۴) المعتوہ والمعتوھۃ والمجنون والمجنونۃ کالصغیر والصغیرۃ فللولی انکاحھما اذا کان الجنون مطبقا الخ وابن المجنونۃ لم یعرف منھما سوء الاختیار مجانۃ وفسقا وان عرف لایصح النکاح اتفاقا... وان کان المزوج غیرھما ای غیر الاب وابیہ الخ لا یصح النکاح من غیر کف او بغبن فاحش اصلا.... وان کان من کفو وبمہر المثل صح ولکن لھما ای لصغیر وصغیرۃ وملحق بھما خیار الفسخ (درمختار علی ھامش شامی ۴۱۷ تا ۴۲۰ جلد۲ نعمانیہ)

[۲] فنفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلارضا ولی ... ولہ ای للولی اذان کان عصبۃ الاعتراض فی غیر الکفو (درمختار) (قولہ فی غیر الکفو) ای فی تزویجھا نفسھا من غیر کفو وکذا لہ الاعتراض فی تزویجھا نفسھا باقل من مہر مثلھا حتی یتم مہر المثل او یفرق القاضی (شامی ۴۰۷ تا ۴۰۸ جلد۲ نعمانیہ)

عورت اور ولی دونوں کو قضاءِ قاضی کے ذریعہ نکاح فسخ کرانے کا اختیار ہوگا۔[1]

نکاح غیر صحیح کی تعریف

نکاح کے ارکان میں سے کوئی ایک رکن اور تمام شرائطِ نکاح میں سے کوئی ایک شرط مفقود ہو تو وہ نکاح صحیح نہیں۔

نکاح غیر صحیح کی قسمیں

نکاح غیر صحیح کی دو قسمیں ہیں (۱) نکاح باطل (۲) نکاح فاسد

نکاح باطل کی تعریف

نکاح باطل یہ ہے کہ ارکان نکاح ایجاب وقبول کے صحیح نہ ہونے اور عاقدین میں اہلیت نکاح مفقود ہونے کی وجہ سے شرعاً منعقد ہی نہ ہو۔

نکاح باطل کی صورتیں

(۱) سرے سے ایجاب وقبول ہی نہ ہو یا ایجاب وقبول میں کوئی ایسی خامی ہو جس کی وجہ سے ایجاب وقبول اپنے شرائط کے مطابق صحیح نہ ہو (ایجاب وقبول کے بیان میں تفصیل گزر چکی)

(۲) ایجاب وقبول کے الفاظ ادا کرنے والے میں ضروری اہلیت (مثلاً عقل، بلوغ، حریت وغیرہ) موجود نہ ہو۔[2]

(۳) ایسی خاتون سے نکاح کرنا جو نکاح کے لائق نہیں مثلاً عورت محرمات میں سے ہو یا کسی کی منکوحہ ومعتدہ ہو یا خود نکاح کرنے والے کی مطلقہ ثلاثہ بغیر حلالہ کے ہو یا موجودہ بیوی کے ساتھ اس کا جمع کرنا حرام ہو جیسے بیوی کی بہن وغیرہ سے یا چار بیویوں کی موجودگی میں پانچویں سے یا ایسی عورت سے جو نہ مسلمان ہے نہ کتابیہ

---

[1] لو تزوجته علی انه حر او سنی او قادر علی المهر والنفقة فبان بخلافه او علی انه فلان ابن فلان فاذا هو لقیط او ابن زنا کان لها الخیار (درمختار علی ہامش شامی ص ۱۷۶ جلد ۵)

[2] واما مشروطه فمنها العقل والبلوغ والحریة فی العاقد الا ان الاول شرط الانعقاد فلا ینعقد نکاح المجنون والصبی الذی لا یعقل (عالمگیری صفحہ ۲۶۷ جلد ۱)

(شرائط نکاح اور محرمات کے بیان میں اس کی تفصیل موجود ہے)

(۴) مرد وعورت میں سے کوئی ایک مرتد ہو یا مرد غیر مسلم اور عورت مسلمان ہو (اخیر کتاب میں مسائل متعلقہ کے تحت تفصیل آرہی ہے)

نکاح فاسد کی تعریف

ارکان نکاح اور عاقدین میں اہلیت نکاح تو موجود ہو مگر شرائط نکاح میں سے کوئی شرط مفقود ہو تو وہ نکاح فاسد ہے۔ باطل کے علاوہ جتنی صورتیں ہیں وہ سب نکاح فاسد ہیں دخول سے قبل اس کا حکم وہی ہے جو باطل کا ہے یعنی احکام نکاح میں سے کوئی حکم اس پر مرتب نہیں ہوگا۔ البتہ دخول کے بعد نکاح کے کچھ احکام اس پر مرتب ہو جاتے ہیں۔[1]

نکاح فاسد میں وطی کے بعد مرتب ہونے والے احکام

مہر متعینہ جس کی مقدار مہر مثل سے کم ہو نکاح اور وطی کرنے والے مرد پر واجب ہوگا اگر بوقت نکاح مہر مقرر نہیں ہوا تھا تو مہر مثل میں سے جو کم ہو واجب ہوگا۔[2]

اولاد کا نسب ان شرائط کے ساتھ ثابت ہوگا جو خزینۃ الفقہ جلد ثانی کے نسب کے بیان میں مذکور ہے۔[3]

تفریق یا متارکت کے بعد عورت پر عدت واجب ہوگی۔[4]

(خزینۃ الفقہ جلد ثانی میں عدت کے بیان میں تفصیل آرہی ہے)

نکاح کی سنتیں اور مستحبات

(۱) جب نکاح کا ارادہ ہو تو پیغام دینے سے قبل ایک دوسرے کے حالات

---

[1] اما النکاح الفاسد فلا حکم له قبل الدخول (بدائع الصنائع صفحہ ۳۳۵ جلد ۲)

[2] وان کان قد دخل بها فلها الاقل مما سمی لها ومن مهر مثلها ان کان ثمه مسمیٰ وان لم یکن ثمه مسمیٰ فلها مهر المثل بالغا ما بلغ (فتاوی عالمگیری صفحہ ۳۳۰ جلد ۱)

[3] ویثبت نسب الولد المولود فی النکاح الفاسد وتعتبر مدة النسب من وقت الدخول عند محمد وعلیه الفتویٰ (فتاوی عالمگیری صفحہ ۳۳۰ جلد ۱)

[4] وتجب العدة بعد الوطی لا الخلوة للطلاق لا للموت من وقت التفریق او متارکة الزوج وان لم تعلم المرأة بالمتارکة فی الاصح (درمختار علی هامش شامی صفحہ ٤٨١ تا ٤٨٤ جلد ٢)

واطوار اوران کے گھر کے ماحول وغیرہ کی اچھی طرح تحقیق کر لے۔ (۲) جس عورت سے نکاح کا ارادہ ہو اسے پہلے ایک نظر دیکھ لے۔ (مخطوبہ کے دیکھنے کی تفصیل آگے آئے گی)۔ (۳) لڑکا لڑکی کے انتخاب میں دینداری کو ترجیح دینی چاہئے۔ (۴) منگنی کے بعد جو تاریخ طے کی جائے وہ جمعہ کا دن ہو جمعہ یا عصر کی نماز کے بعد ہو تو زیادہ بہتر ہے۔ (۵) نکاح مسجد کے اندر ہو مسجد چھوڑ کر شادی ہال میں نکاح کرنا خلاف اولیٰ ہے خاص طور سے عورت کا اجتماع ہو تو ناجائز ہے۔ (٦) نکاح کی مجلس اعلانیہ طور سے منعقد کی جائے جس میں طرفین کے رشتہ دار واحباب اور بعض نیک لوگ بھی ہوں مجلس نکاح میں علماء وصلحاء کا جتنا زیادہ مجمع ہو بہتر ہے تاکہ انکی دعائیں بھی شامل حال ہوں جو رحمت وبرکت کے نزول کا باعث ہے۔ (۷) نکاح سے قبل خطبہ مسنون کا پڑھنا سنت ومستحب ہے۔[۱]

(۸) نکاح عالم دین یا نیک آدمی پڑھائے۔ (۹) اگر لڑکی کا ولی نکاح پڑھانے کا طریقہ سنت کے مطابق جانتا ہو تو خود نکاح پڑھائے جیسا کہ حضورؐ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کا نکاح خود پڑھایا تھا اگر نکاح پڑھانا نہیں جانتا تو کسی کو اختیار دیدے مگر ایجاب وقبول کے وقت وہاں موجود رہے اگر ولی نہیں تو اسکا وکیل موجود رہے۔ (۱۰) گواہ نیک اور پرہیزگار آدمی کو بنایا جائے (اگرچہ فاسق آدمی کی گواہی بھی معتبر ہے جیسا کہ گذر چکا)۔ (۱۱) عقد نکاح کے بعد مجلس ہی میں اگر وسعت ہو تو چھوہارے تقسیم کرادیے جائیں۔ (۱۲) نکاح کے بعد بلا کسی تکلف کے دولہن کو دولہا کے گھر بھیج دیا جائے دولہا شب زفاف منا کر سنت کے مطابق ولیمہ کرلے۔ (۱۳) نکاح کے بعد دوست واحباب مبارکبادی دیں جس کیلئے حدیث پاک میں یہ دعاء آئی ہے۔ (بارک اللہ لک وبارک علیکما وجمع بینکما فی خیر)[۲]

نکاح پڑھانے کا طریقہ

نکاح سے قبل مہر کی مقدار، مؤجل ومعجل یا مہر مطلق کی وضاحت کے بعد دو

---

[۱] ویندب اعلانه وتقدیم خطبة وکونه فی مسجد یوم جمعه (درمختار برحاشیه شامی صفحه ٦٦ جلد ۱) [۲] مشکوة شریف صفحه ۲۱۵

شرعی گواہ اور پوری مجلس کی موجودگی میں نکاح پڑھانے والا مسنون خطبہ پڑھے اور دولہا کی طرف متوجہ ہو کر لڑکی اور اس کے باپ کا نام بلند آواز سے لے تاکہ حاضرین میں سے کچھ لوگ کم سے کم دو مرد اچھی طرح سن لیں اسی کے ساتھ مہر کی مقدار اور گواہوں کا نام لیکر قبول کرائے مثلاً یوں کہے کہ زید کی صاحبزادی فاطمہ کو بعوض گیارہ سو اکاون روپئے سکہ رائج الوقت دین مہر گواہ جناب عبدالمجید و عبدالرحیم صاحبان اور پورے حاضرین مجلس کی موجودگی میں آپ کی زوجیت میں دی گئی کیا آپ نے قبول کیا (یہ ایجاب ہوا) اس کے بعد دولہا کو چاہئے کہ بغیر شرماتے ہوئے بلند آواز سے کہے کہ میں نے قبول کیا اس کے بعد زوجین اور ان کے خاندان کے مابین محبت و تعلقات قائم دائم رہنے کی دعاء ہو اولاد کیلئے اس وقت زور سے دعاء کرنا مناسب نہیں ہے۔

نابالغ بچوں کے نکاح کا طریقہ

نابالغ بچے کا کیا ہوا عقد چونکہ معتبر نہیں، ناجاتا کیونکہ عاقدین کا آزاد، عاقل، بالغ ہونا شرط ہے اس لئے نکاح خواں بچہ اور بچی کے بجائے ان کے باپ سے ایجاب وقبول کرائے مثلاً۔ پہلے نابالغ بچی کے باپ سے مخاطب ہو کر یوں کہے کہ آپ نے اپنی لڑکی جس کا نام فلاں ہے بعوض گیارہ سو اکاون روپئے مہر فلاں صاحب کے فلاں لڑکے کے نکاح میں دی۔ اس پر وہ کہے کہ میں نے دی (یہ ایجاب ہوا) اس کے بعد نکاح پڑھانے والا نابالغ بچہ کے باپ سے مخاطب ہو کر یوں کہے کہ آپ نے فلاں صاحب کی فلانہ بچی کو اتنے مہر کے عوض اپنے فلاں بچے کے نکاح میں قبول کی اس پر نابالغ کا باپ کہے گا کہ میں نے قبول کیا تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔[۱]

(نکاح کا خطبۂ مسنون)

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا (وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا) مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ

[۱] اقتباس فتاوی رحیمیہ صفحہ ۲۴۷ جلد ۵)

هَادِیَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ (اَمَّا بَعْدُ) (یَآ یُّهَاالنَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً کَثِیْراً وَّنِسَآءً وَّاتَّقُوااللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْباً) یَآاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اتَّقُوااللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ یَآاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوااللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلاً سَدِیْداً یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزاً عَظِیْماً [۱]

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ (وَقَالَ) فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ وَصَلَّی اللّٰهُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً کَثِیْراً۔

نکاح میں خطبہ کا حکم

نکاح میں خطبہ پڑھنا مسنون ہے رکن اور شرط نہیں نکاح اگر چہ بغیر خطبہ کے بھی ہو جائے گا مگر وہ نکاح بے برکت رہتا ہے حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ کل خطبة لیس فیها تشهد فهی کالید الجذماء [۲] جس خطبہ میں تشہد (یعنی خدا کی حمد وثنا) نہ ہو وہ کٹے ہوئے ہاتھ کی طرح ہے۔صاحب مظاہر حق فرماتے ہیں کہ اسی طرح خطبہ کے بغیر نکاح بھی بے فائدہ اور خیر و برکت سے خالی رہتا ہے۔[۳]

خطبۂ نکاح بیٹھ کر پڑھے یا کھڑے ہو کر

نکاح کا خطبہ بیٹھ کر اور کھڑے ہو کر دونوں طرح سے پڑھنا جائز ہے مسلم شریف اور الادب المفرد میں ایک حدیث آئی ہے کہ حضور ﷺ نے ایک خطبہ بیٹھ کر پڑھا۔شراح حدیث نے اس مقام پر تحریر کیا ہے کہ یہ خطبہ جمعہ نہیں نکاح کا خطبہ تھا حضرت مفتی محمود صاحب قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس خطبہ کا کھڑے ہو کر پڑھنا

---

[۱] یہ خطبہ عبداللہ ابن مسعود کی روایت سے منقول ہے مشکوٰۃ صفحہ ۲۷۷ جلد ۲) [۲] مشکوٰۃ شریف جلد ۲ صفحہ ۲۷۲

[۳] ماخوذ ومستفاد مظاهر حق صفحه ۴۸ جلد ۴ وفتاوی دارالعلوم ۱۵۹ جلد ۷)

کسی کتاب میں نہیں دیکھا بیٹھ کر پڑھنے کا ہی معمول ہے۔[۱]

ایک مجلس میں کئی نکاح ہوتو ایک خطبہ کافی ہے

اگر ایک مجلس میں چند دولہوں کا نکاح ہو رہا ہو تو صرف ایک مرتبہ خطبہ پڑھ کر سب سے ایجاب وقبول کرانا کافی ہے الگ الگ ہر ایک کیلئے مستقل خطبہ پڑھنا ضروری نہیں ہے۔[۲]

خطبۂ نکاح کے سننے کا حکم

خطبۂ نکاح اگرچہ سنت ہے مگر حاضرین پر اس کا سننا واجب ہے اور یہ حکم صرف خطبۂ نکاح ہی کا نہیں بلکہ تمام خطبوں کا یہی حکم ہے اول سے آخر تک پورے خطبہ کا سننا واجب اور ضروری ہے نہ سننے والا گناہ گار ہوگا۔[۳]

نکاح خوانی کیلئے ایک آدمی کو متعین کرنا

نکاح خوانی شرعاً کسی خاص شخص یا کسی خاص خاندان کا حق نہیں ہے شارع کے امر مطلق کو کسی کے ساتھ مقید کرنا جائز نہیں ہے مناسب بلکہ بقاعدۂ شرعیہ لازم ہے کہ اس حکم کو عام ہی رکھا جائے کسی خاص شخص کو متعین نہ کیا جائے اور کسی کی رعایت سے مخلوق کو اپنے حوائج ضروریہ کے پورا کرنے میں مجبور نہ کیا جائے جس سے بھی نکاح پڑھالیا جائے نکاح کو درست سمجھا جائے۔[۴]

نکاح خوانی کی اجرت

اگر نکاح پڑھانے والا صرف ایک ہی شخص متعین ہے اس کے علاوہ کسی اور کو

---

[۱] فتاوی محمودیہ صفحہ ۲۹۶ و ۳۲ جلد ۱۸ [۲] فتاوی دار العلوم صفحہ ۱۴۸ جلد ۷

[۳] وفی الخلاصة کل ماحرم فی الصلوة حرم حال الخطبة ولو امرا بمعروف وفی السید استماع الخطبة من اولها الی اخرها واجب الخ وکذ استماع سائر الخطب کخطبة النکاح والختم (طحطاوی علی مراقی الفلاح صفحہ ۵۱۹)

[۴] فتاوی دار العلوم صفحہ ۱۶۴ جلد ۷

نکاح پڑھانے کا اختیار نہیں تو اس متعین شخص کو اجرت لینا جائز نہیں جیسا کہ حضرت مفتی محمود صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے۔ ۱؎ اور اگر کوئی ایک شخص متعین نہیں نکاح پڑھنے پڑھانے کا عام اختیار ہے تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ اجرت دینے والے اگر دولہا والے ہیں اور قاضی یا نکاح خواں اکو بلوانے والے دولہن کے رشتہ دار وغیرہ ہوں جیسا کہ اکثر دستور یہی ہے تو دولہا والے سے یہ اجرت لینا جائز نہیں ہوگا کیونکہ اجرت بلانے والے کے ذمہ تھی دوسرے پر یہ بار ڈالنا جائز نہیں اور اگر دولہا والے نے نکاح خواں کو مدعو کیا خواہ اپنے آدمی کی معرفت یا دولہن کے متعلقین، رشتہ دار کو بھیج کر بلوایا تو نکاح خواں کو دی ہوئی اجرت لینا جائز ہے مگر اس میں بھی تفصیل یہ ہے کہ اجرت دینے والے نے پوری رقم اسی کی ملک کر دی تب تو سب رکھنا جائز ہے اور اگر یوں کہہ کر دیا کہ اتنا تم رکھ لینا اور اتنا قاضی کو دیدینا تو اس کو اپنا حصہ رکھ لینا درست ہے اور قاضی (متعین شخص) کا حصہ رشوت ہے واپس کر دینا واجب ہے قاضی کو دینا اور قاضی کو اس رقم کا لینا جائز نہیں اور اگر صاف نہ کہا مگر دستور ایسا ہی ہو کہ کچھ رقم نکاح خواں کیلئے اور کچھ قاضی کیلئے سمجھی جاتی ہو تو بھی یہی حکم ہے اور اگر نکاح پڑھایا کسی اور نے اور اجرت قاضی یا نائب قاضی کیلئے ہو تو یہ ناجائز اور حرام ہے قاضی سے نکاح پڑھوانا واجب نہیں ہے۔ ۲؎

نکاح کے وقت کلمہ پڑھانا

بعض جگہوں میں بوقت عقد نکاح دولہا اور دولہن کو کلمہ پڑھایا جاتا ہے شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں نہ احادیث نبوی اور نہ صحابہ ومجتہدین کے اقوال میں اس کا وجود ہے البتہ دولہا دولہن کے متعلق یہ علم ہو کہ ان کے عقائد اچھے نہیں بلکہ خلاف شرع ہیں تو پھر ان کو تجدید ایمان کیلئے کلمہ پڑھانا ضروری ہے اور جس کے عقائد اچھے ہوں اس کو پڑھانا ضروری نہیں ہر جگہ اس کا التزام کرنا غلط ہے خاص کر دولہن کو کلمہ پڑھانے

۱؎ فتاوی محمودیہ صفحہ ۳۹۶ جلد ۷ ۲؎ امداد الفتاوی صفحہ ۲۷۸ جلد ۲

میں فتنہ کا اندیشہ ہے یا تو اس کی آواز کی وجہ سے یا لوگوں کی بدگمانی یا اعتراض کیوجہ سے، اور اگر اس کے عقیدے کی خرابی کا علم نہ ہو بظاہر عقائد درست معلوم ہوں تو پھر اس کو کلمہ پڑھانے کی اس وقت کیا خاص ضرورت ہے صرف خطبہ مسنونہ پڑھکر ایجاب وقبول کرا دیا جائے اور اگر عقیدہ کی خرابی کا علم ہو تو ضرور تجدید ایمان کرائی جائے ایسی حالت میں بالغہ لڑکی کو بھی اس طرح زور سے کلمہ پڑھنا چاہئے کہ آس پاس کے ایک دو آدمی سن لیں نابالغہ کو پڑھانے کی ضرورت نہیں اگر احتیاطاً بلا التزام و بلا مفاسد پڑھایا جائے تو زور سے پڑھانے کی ضرورت نہیں آہستہ پڑھنا پڑھانا کافی ہے[۱]

فاسق، شیعہ، بدعتی وغیرہ سے نکاح پڑھوانا

نکاح کوئی بھی پڑھائے نکاح ہوجاتا ہے خواہ شیعہ، بدعتی اور فاسق ہی پڑھائے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ اصل ایجاب وقبول شوہر اور بیوی نے کیا ہے۔ اگر شیعہ یا کوئی غیر مسلم ہی محض خطبہ پڑھ کر ایجاب وقبول کی تصدیق زوجین سے کرالے تو نفس نکاح میں کوئی خرابی نہیں آئے گی تاہم مستحب اور بہتر ہے کہ دیندار صالح آدمی سے خطبہ اور نکاح پڑھوایا جائے۔[۲]

نکاح کو رجسٹر میں درج کرانا

عقد نکاح سے قبل یا عقد کے وقت ہی نکاح کو رجسٹر میں درج کرانا ضروری نہیں بغیر درج کرائے بھی نکاح ہوجاتا ہے رجسٹر میں درج کرنے اور نہ کرنے سے نکاح کے نفوذ میں کوئی فرق نہیں پڑتا ہے البتہ یادداشت یا نزاع کے وقت تصفیہ کیلئے درج کرنا ہو تو بعد میں درج کرالیا جائے اور اگر پہلے ہی درج کرالیا تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔[۳]

---

[۱] فتاوی محمودیہ ۲۹٤ تا ۲۹۰ جلد ۷

[۲] فتاوی محمودیہ صفحہ ٤۱۸ جلد ۱۸ [۳] فتاوی محمودیہ ۲۲۹ جلد ۱۳

نکاح کسی ماہ اور کسی بھی تاریخ میں درست ہے

بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ دو عیدوں کے درمیان شادی کرنے سے شادی کامیاب نہیں رہتی (ایسے ہی ہندوؤں کی طرح بعض مہینوں کو لگن کا دن ماننا) بالکل غلط گمان ہے حضرت عائشہؓ کی شادی شوال میں ہوئی تھی ان سے زیادہ کامیاب شادی کس کی ہوسکتی ہے بہر کیف شریعت میں شادی کا کوئی مہینہ کوئی موسم اور کوئی دن متعین نہیں ہے[1] (البتہ جمعہ کے دن کرنا بہتر ہے)

غیر مسلم کو شرکت نکاح کیلئے مسجد میں لانا

غیر مسلم کو نکاح کی مجلس میں خصوصاً مسجد میں لا کر بیٹھانا مناسب نہیں ہے البتہ شادی وغیرہ کی دعوت دے سکتے ہیں گھر پر مدعو کر کے کھانا وغیرہ کھلا سکتے ہیں مگر عقد نکاح جب مسجد میں ہو تو اس میں شریک نہ کیا جائے۔ (بعض غیر مسلم فطرتاً اچھے ہوتے ہیں لہٰذا ان سے ملنساری کیساتھ ملنا اور اپنی دنیاوی خوشی میں شریک کرنا اسلامی تعلیمات میں سے ہے) مگر دینی تقریبات میں شریک کرنا مناسب نہیں)[2]

ولیمہ کی سنت

ولیمہ اس کھانے کو کہا جاتا ہے جو زوجین کے باہم جمع ہونے کی تقریب وخوشی میں کھلایا جائے ولیمہ بالاتفاق مسنون ہے حضورؐ سے بھی ثابت ہے کہ آپؐ نے ولیمہ کیا ہے۔

حضرت ام سلمہؓ کا ولیمہ

حضرت صفیہ بنت شیبہؓ کہتی ہیں کہ

---

[1] فتاویٰ محمودیہ ۲۴۷ جلد ۱۸

[2] فتاویٰ محمودیہ صفحہ ۲۲۹ جلد ۱۲

اولم النبی صلی الله علیه وسلم علی بعض نسائه بمدین من شعیر رواه البخاری [۱]

حضور علیہ السلام نے اپنی بعض زوجہ مطہرہؓ (صاحب مظاہر حق فرماتے ہیں کہ غالباً ام سلمہؓ) کا ولیمہ دو مد تقریباً پونے دو کیلو جو سے کیا۔[۲]

حضرت زینب بنت جحشؓ کا ولیمہ

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ

اولم رسول الله صلی الله علیه وسلم حین بنی زینب بنت جحش فاشبع الناس خبزا ولحما رواه البخاری [۳]

رسول کریم علیہ السلام نے حضرت زینب بنت جحش کیساتھ شب زفاف گزارنے کے بعد ولیمہ کیا جس میں ایک بکری ذبح کر کے لوگوں کو پیٹ بھر کر گوشت روٹی کھلایا۔

اسی سلسلہ میں ایک حدیث حضرت انسؓ سے ہی منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

ما اولم رسول الله ﷺ علی احدمن نسائه ما اولم علی زینب اولم بشاة متفق علیه [۴]

جتنا بڑا ولیمہ حضور علیہ السلام نے حضرت زینب بنت جحش کے نکاح میں کیا اتنا بڑا ولیمہ کسی اور زوجہ کے نکاح میں نہیں کیا چنانچہ ان کے نکاح میں ایک بکری کا ولیمہ کیا۔

حضرت صفیہؓ کا ولیمہ

حضرت انسؓ ہی بیان کرتے ہیں کہ:

اقام النبی صلی الله علیه وسلم بین خیبر والمدینة ثلاث لیال یبنی علیه بصفیة فدعوت المسلمین الی ولیمته وما کان

حضور علیہ السلام نے مدینہ اور خیبر کے درمیان ایک مقام پر تین رات قیام فرمایا (اور حضرت صفیہؓ سے نکاح کے بعد) ان کے ساتھ شب زفاف

---

[۱] مشکوۃ ۲۷۸ [۲] مظاہر حق صفحہ ۱۱۳ جلد ۱

[۳] مشکوۃ صفحہ ۲۷۸ جلد ۲ [۴] مشکوۃ ۲۷۸ جلد ۲

فیھا من خبز ولا لحم وما کان فیھا الا ان امر بالانطاع فبسطت فالقی علیه التمر والاقط والسمن رواہ البخاری[۱]

گزاری اور میں نے مسلمانوں کو آپ کی دعوت ولیمہ میں بلایا۔ ولیمہ میں نہ گوشت تھا اور نہ روٹی آپ نے دسترخوان بچھادینے کا حکم فرمادیا جب دسترخوان بچھا دیا گیا تو اس پر کھجوریں (اور دہی سے بنا ہوا ایک قسم کا کھانا) پنیر اور گھی رکھدیا گیا (اور یہی حضرت صفیہؓ کے نکاح کا ولیمہ تھا)۔

حضرت عائشہؓ کا ولیمہ

حضرت عائشہؓ خود فرماتی ہیں کہ نہ اونٹ ذبح ہوا نہ بکری بلکہ سعد بن عبادہؓ کے گھر سے دودھ کا ایک پیالہ آیا تھا بس وہی ولیمہ تھا۔[۲]

حضرت فاطمہؓ کا ولیمہ

حضرت فاطمہؓ کی شادی کے بعد حضورؐ نے حضرت علیؓ سے ولیمہ کرنے کو کہا تو حضرت علیؓ نے چند صاع جو کی روٹی کچھ خرے اور کچھ مالیدہ سے ولیمہ کیا۔ (ایک صاع تقریباً ساڑھے تین کیلو ہوتا ہے)

یہی ولیمہ تھا حضور کی لاڈلی بیٹی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا۔[۳]

(فائدہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ولیموں سے جہاں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ شادی کے موقع پر دولہا کی جانب سے ولیمہ کھلانا سنت ہے وہیں پر یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ

---

۱ مشکوۃ ۲۷۸

۲ ما اولم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی عائشۃ الصدیقۃ بشئ سوی ان قدحا مملوءا من اللبن اھدی الیه صلی اللہ علیه وسلم من بیت سعد بن عبادۃ شرب بعضه وشربت عائشۃ منه۔ تاریخ الخمیس ۸۰۳ ملخوذ حاشیه بهشتی زیور صفحه ۴۴ حصه ۶

۳ روی ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال لعلی زوّجه بفاطمۃ یا علیؓ انه لا بد للعرس من ولیمۃ فقال سعد عندی کبش وجمع له عدد من الانصار اصواعا من الذرۃ وکان ذلك ولیمه عرسه رضی اللہ تعالی عنه (تاریخ الخمیس صفحه ۳۶۲ جلد ۱ ماخوذ حاشیه بهشتی زیور صفحه ۴۴ جلد ۶

ولیمہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ بلا تکلف و بغیر تفاخر کے کھانے پینے کی جو بھی چیز میسر ہو رکھدی جائے اور اپنے خاص لوگوں کو بلا کر کھلا دیا جائے اس میں کسی طرح کا التزام نہ کیا جائے۔

خلاف سنت ولیمہ

آج ہم ذرا غور کریں اپنے ولیمے اور شادی بیاہ کا جائزہ لیں کہ ہم کتنا اس سنت پر عمل پیرا ہیں آج کتنی دھوم دھام سے شادی کی تقریب منائی جاتی ہے رشتہ داروں اور برادریوں کے علاوہ دور دور تک دعوت دی جاتی ہے شامیانے قمقمے وغیرہ سے شادی خانہ کو سجایا جاتا ہے۔قوالی باجے گاجے سے لیکر ویڈیو اور فلموں تک کا عام رواج ہے آتش بازی، پٹاخے پھوڑ پھوڑ کر ہزاروں روپے کو خاک میں ملا دیا جاتا ہے مزید المیہ یہ ہے کہ عورتوں اور مردوں کا اختلاط مشتہاۃ لڑکیوں کا ننگا ناچنا اسقدر ہے کہ شیطان مردود بھی شرما جائے ان خرافات ورسومات نے فضول اخراجات کا ایسا بوجھ لاد دیا ہے کہ غریب کی غربت کا پوچھنا کیا ایک متوسط آدمی کی حلال کمائی سے یہ قرضہ ادا نہیں ہوسکتا مجبوراً قرض لینا پڑتا ہے قرض نہ ملے تو حرام ذرائع کا سہارا لینا پڑتا ہے یہ مسرفانہ رسوم اندر ہی اندر مسلمانوں کی دولت وعزت کو گھن کی طرح کھائے جارہی ہیں مگر مسلمانوں کو اس کا احساس نہیں جو بھی خرچ ہوجائے اس کیلئے جو کچھ بھی کرنا پڑے مگر ناک نہیں کٹنی چاہئے حالانکہ اتنے سارے تکلفات کرنے میں کچھ نہ کچھ شکایتیں اور بدنامیاں تو ہوکر ہی رہتی ہیں جس ناک کی حفاظت کیلئے یہ سب مصیبتیں مول لی جاتی ہیں وہ ناک آخر کار کٹ کر ہی رہتی ہے۔

شادی کی دعوت میں عورتوں کا جانا

شادی بیاہ کے موقع پر عورتوں کو دعوت دینا اور عورتوں کا اس دعوت میں جانا خلاف شریعت ہے حضرت تھانویؒ نے اصلاح الرسوم میں عورتوں کے اس طرح جمع ہونے کو مفاسد اور تمام برائیوں کی جڑ قرار دیا ہے صاحب درمختار تحریر فرماتے ہیں کہ:

ویمنعها من زیارۃ الاجانب وعیادتهم والولیمة وان اذن کانا عاصیین (قال العلامه الشامی) قوله والولیمة ظاهره ولو کانت عند المحارم لا نها تشتمل علی جمع فلا تخلوا من الفساد عادة [۱]

شوہر اپنی بیوی کو اجنبی مردوں کی زیارت اور ان کی عیادت اور ولیمہ میں شرکت کرنے سے منع کرے اگر اجازت دیدی تو میاں بیوی دونوں گناہ گار ہوں گے علامہ شامی فرماتے ہیں کہ مصنف کی عبارت سے ولیمہ میں شرکت کی ممانعت واضح ہے اگر چہ محارم (یعنی باپ بھائی اور دوسرے رشتہ دار) ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ وہاں عورت ومرد کا مجمع ہے جس کے ساتھ اختلاط عام طور سے فساد سے خالی نہیں ہوتا اس میں شرکت کی اجازت دینا گناہ ہے تو پھر غیر محرموں کے یہاں ولیمہ وغیرہ میں شرکت کیسے جائز ہوگی اور شوہر کا خاموش رہنا اور جانے پر منع نہ کرنا کیونکر روا اور گناہ سے خالی ہوگا لہٰذا جس تقریب میں عورتوں کو دعوت دی جائے اس میں شرکت نہ کی جائے خصوصاً علماء اور مقتدا حضرات کو تو اس سے بہت ہی پرہیز اور احتیاط کرنے کی ضرورت ہے۔

بلا وجہ دعوت قبول نہ کرنا، اور صرف مالداروں کو مدعو کرنا برا ہے

عن ابی هریرةؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم شر الطعام طعام الولیمه یدعیٰ لها الاغنیاء ویترک الفقراء ومن ترک الدعوة فقد عصی الله ورسوله متفق علیه [۲]

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ برا کھانا اس ولیمہ کا کھانا ہے جس میں مالداروں کو بلایا جائے اور فقراء کو چھوڑ دیا جائے اور جس شخص نے دعوت کو (بلا کسی عذر کے) قبول نہ کیا تو اس نے اللہ اور رسول کی نافرمانی کی۔

[۱] شامی صفحہ ۶۰۳ جلد ۲ [۲] مشکوۃ ۲۷۸ جلد ۲

تشریح:- اس حدیث میں دعوت ولیمہ کا حکم ہی نہیں بلکہ دعوت قبول کرنے کی بھی تاکید کی گئی ہے مگر غرباء ومساکین کو چھوڑ کر صرف اہل ثروت اور مالداروں کو مدعو کرنا حدیث کی رو سے بدترین ولیمہ ہے لیکن آج ہمارا یہ حال ہے کہ غریبوں کو نظر انداز کر کے صرف مالداروں کو مدعو کرتے ہیں اگر بلاتے بھی ہیں تو مالداروں جیسی قدر نہیں کرتے الگ تھلگ تھوڑا بہت ڈال دیا اگر بہ نیت تحقیر اس طرح کیا جائے تو ایسی دعوتوں کا قبول کرنا اور اس میں شرکت ضروری نہیں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب قدس سرہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ مدعو اپنے مرتبے یا شان اور تکبر کی راہ سے دعوت رد نہ کرے اگر داعی کو حقیر سمجھ کر دعوت قبول نہ کرے گا تو آنحضرت ﷺ کی نافرمانی اور اسوۂ حسنہ کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوگا پھر دعوت سے بھی وہ دعوت مراد ہے جو دائرۂ شریعت کے اندر ہو اور ظاہر ہے کہ جس دعوت کا منشاء اخلاص پر نہ ہو یوں ہی محض ریا ونمود یا رسم ورواج کی پابندی پر ہو تو اس کو قبول کرنا ضروری نہیں، ایسی دعوت کا رد کرنا حکمت کے خلاف نہ ہوگا بلکہ عین منشائے شریعت کے مطابق ہوگا خود آنحضرت ﷺ نے ولیمہ کے تیسرے دن کھانے کو (من سمع سمع اللہ بہ) ریا وسمعہ فرمادیا اور جو لوگ ایک دوسرے پر فوقیت لے جانے کے لئے دعوت دیں ان کی دعوت قبول کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ:

المتباریان لا یجابان ولا یوکل طعامھما [۱]	تفاخر ومقابلہ کے طور پر دعوت کرنے والوں کی دعوت قبول نہ کی جائے اور

نہ ان کے یہاں کھانا کھایا جائے نیز اسی طرح ایک حدیث میں فاسقوں کی دعوت قبول کرنے کی بھی ممانعت مذکور ہے۔ارشاد ہے۔

---

[۱] کفایت المفتی صفحہ ۱۰۷ تا ۱۰۸ جلد ۵

نهى رسول الله ﷺ عن اجابة طعام الفاسقين [1]

کہ حضور ﷺ نے فاسقوں کی دعوت قبول کرنے سے منع فرمایا۔

ولیمہ کھانا کب مسنون ہے

شادی کی تقریب میں کھانا کھلانے کا نام ولیمہ ہے مگر بسا اوقات عقد نکاح پہلے ہو جاتا ہے اور رخصتی کافی دنوں کے بعد ہوتی ہے تو اب سوال یہ ہے کہ ولیمہ عقد کے بعد سنت ہے یا رخصتی کے بعد اس سلسلے میں صاحب شرعۃ الاسلام فرماتے ہیں کہ:

وكذا الوليمة سنة الخ واختلفوا ايضا في وقت الوليمة قال بعضهم بعد الدخول بها و قال بعضهم عند العقد وقال بعضهم عندهما جميعا [2]

ولیمہ سنت ہے البتہ اس کے وقت میں علماء کا اختلاف ہے بعض نے کہا نکاح کے وقت بعض نے کہا کہ دخول کے بعد اور بعض نے کہا دونوں وقتوں میں یعنی نکاح کے وقت اور دخول کے بعد بھی ولیمہ سنت ہے۔

ولایت نکاح

(ولی نکاح کی تعریف) ولی کے معنی لغت میں کارساز اور منتظم کے ہیں۔ اصطلاح شرع میں نکاح کا ولی ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی عورت کے نکاح کا متولی اور ذمہ دار ہوتا ہے بایں طور کے اس عورت کے نکاح کا اختیار اس شخص کو حاصل ہوتا ہے۔

شریعت میں ولایت نکاح کی حقیقت

نکاح شریعت اسلامیہ میں ایک اہم چیز ہے اس میں بہت سارے دینی اور دنیاوی مصالح مضمر ہیں پورے عالم کا عائلی نظام اس پر موقوف ہے، دو خاندانوں کے

[1] مشكوة شريف ٢٧٩ جلد ٢

[2] شرعة الاسلام ٤٤٧ ملخوذ مستفاد فتاوى دارالعلوم صفحه ١٦٩ جلد٧

آپس میں جڑنے اوران کے درمیان موافقت وموانست، تعلقات ومحبت پیدا ہونے کا ایک ذریعہ ہے۔ بنا بریں اتنی بڑی اہم چیز کوکلی طور سے صرف عورتوں کے حوالہ نہ کیا گیا کہ وہ بالکل شتر بے مہار بن کر بغیر ذمہ داروں کی مرضی کے محض اپنی پسند سے بے محل وموقع صرف وقتی جذبات ومحرکات سے مغلوب ہوکر جہاں چاہیں شادی رچا بیٹھیں کیونکہ وہ ناقصات العقل ہیں مصالح اوراونچ نیچ کو سمجھے بغیر ایسے خاندان اور برادری میں نکاح کرسکتی ہیں جس سے صرف خاندانی شرافت میں دھبہ لگانا اوران کے عزت ووقار کو مجروح کرنا ہی نہیں بلکہ اپنے مستقبل کو ناکام اور پریشان کن بنانا ہے ایسے خود سرانہ نکاح کو حدیث میں زجراًوتوبیخاً بدکاری کہا گیا ہے۔

چنانچہ حضورعلیہ ﷺ نے ارشادفرمایا ہے:

ولا تزوج المرأة نفسها فان الزانية هي التي تزوج نفسها[1] کوئی عورت اپنا نکاح خودنہ کرے بے شک زنا کرنے والی عورت ہی ایسی ہوتی ہے جواپنا نکاح خود کرلیتی ہے کیونکہ ایسا خودسرانہ نکاح عام طور سے وہی لڑکیاں کرتی ہیں جوخواہشات نفسانی سے مغلوب ہوکرشرم وحیا کو پامال کرجاتی ہیں بیشتر حدیثوں میں بغیرولی کی مرضی کے نکاح پرروک لگاتے ہوئے صاف لفظوں میں فرمایا گیا ہے (لانکاح الا بولی) بغیرولی کے نکاح ہوتا ہی نہیں بعض علماء اسی حدیث کیوجہ سے کہتے ہیں کہ بغیرولی کی مرضی کے نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔ جبکہ حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ نکاح تو ہوجاتا ہے مگر سخت ناپسندیدہ بلکہ بعض صورتوں میں ولی کو نکاح کے فسخ کرانے کا مکمل اختیار ہوتا ہے (مسائل کے تحت اس کی تفصیل آرہی ہے)

مگر شریعت میں عورتوں کے اختیار کو بالکل ختم کرکے نکاح کے معاملے کو صرف ولی ہی کے حوالہ نہیں کیا گیا کہ عورتوں کی حیثیت انسانی بالکلیہ ختم ہوکر وہ محض دیگر حیوان کی طرح رہ جائیں کہ نکاح کے معاملے میں ان سے اجازت بھی نہ لی جائے بلکہ

[1] مشکوۃ ۲۷۱ جلد ۲

شریعت نے عورت کو اتنا اختیار ضرور دیا ہے کہ جب وہ جوان ہوجائے اور اپنے نفع ونقصان کو سمجھنے لگے تو وہ اپنے رفیق حیات کا انتخاب کرسکتی ہے۔ اگر انتخاب میں دینی ودنیوی معاملات کا اتنا لحاظ کررہی ہو کہ اس کے خاندان کے ہمسر اور ہم پلہ ہو تو پھر ولی کو اس رشتہ سے روکنے کا قرآن نے حق بھی نہیں دیا ہے چنانچہ قرآن کہتا ہے کہ فَلَا تَعۡضُلُوۡهُنَّ اَنۡ یَّنۡكِحۡنَ اَزۡوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوۡا بَیۡنَهُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ [۱] کہ جب عورتیں اپنی رضامندی اور معروف طریقے سے نکاح کررہی ہوں تو تم ان کو اس کام سے مت روکو کہ وہ اپنے شوہر سے نکاح کرلیں۔

اس آیت میں عورتوں کو نکاح کرنے کا اختیار ایک قید کیساتھ دیا گیا ہے وہ یہ کہ نکاح جب معروف طریقہ پر ہو یعنی عورت کفوء اور ہمسری کا لحاظ کرتے ہوئے مہر مثل پر نکاح کرلے تو پھر ولی کو اعتراض کا حق نہیں۔

خلاصہ: قرآن وحدیث کے ان دونوں پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شریعت نے نہ تو نکاح کا کلی اختیار ہر قسم کی عورتوں کو دیا ہے کہ وہ اپنے اولیاء کی مرضی اور خاندانی مصلحتوں کے خلاف جس کو چاہیں خاندان کا داماد بنالیں اور نہ نکاح کا پورا معاملہ ولی کے حوالہ کردیا ہے کہ وہ اپنی ماتحت عورت کا نکاح بغیر اس کی مرضی اور پوچھ تاچھ کے جہاں چاہیں کردیں بلکہ شریعت نے بین بین کا راستہ اختیار کرتے ہوئے ولی اور مولیہ دونوں کی رضامندی اور رائے پر نکاح کو موقوف رکھا ہے تاکہ ہر طرف کے مصالح کی رعایت ہوسکے۔

نکاح میں کن لوگوں کو ولی ہونے کا حق ہے

نکاح میں ولی ہونیکا حق سب سے پہلے ان رشتہ داروں کو ہوتا ہے جو عصبہ بنفسہ ہوں اور عصبہ بنفسہ میں بھی وہ مقدم ہوگا جس کو وراثت میں حق تقدم حاصل ہے عصبہ بنفسہ کی چار صنفیں ہیں۔

---

[۱] سورہ بقرہ آیت ۲۳۲

(۱) جزء یعنی بیٹا پوتا نیچے تک (۲) اصل یعنی باپ دادا اوپر تک (۳) اصل قریب کی فرع یعنی باپ کی اولاد بھائی بھتیجے (۴) اصل بعید کی فرع یعنی دادا کی اولاد چچا، چچا کا لڑکا۔

(۱) وراثت میں تو بلا خلاف حق تقدم پہلی صنف جزئیت کو حاصل ہوتا ہے مگر نکاح میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسفؒ کے یہاں جزء یعنی بیٹا پوتا کو اصل یعنی باپ دادا پر حق تقدم نکاح میں بھی ہے مگر یہ صرف معتوہ (کم عقل پاگل مجنونہ) بیوہ کے اوپر حاصل ہوگا امام محمدؒ کے نزدیک مطلقاً باپ ہی کو حق تقدم حاصل ہے خواہ معتوہ ہو یا غیر معتوہ صاحب درمختار نے شیخین ہی کے قول کو اختیار کیا ہے اور علامہ ابن ہمام نے خلاصہ سے جو عبارت نقل کی ہے وہ اسی کی تائید کرتی ہے[ل]

(۲) علی اختلاف القولین دوسرے نمبر پر بالاتفاق ولایت نکاح باپ کو حاصل ہے اگر باپ نہ ہو تو دادا۔ دادا نہ ہو تو پھر پردادا اوپر تک اگر ان میں سے کوئی نہیں تو پھر (۳) تیسرے نمبر پر فرع اصل قریب یعنی باپ کی اولاد مذکر حقدار ہے جن میں سب سے پہلے حقیقی بھائی ولی ہوگا۔ اس کے نہ ہونے کی صورت میں علاتی یعنی سوتیلا بھائی پھر بھائی کا لڑکا بھتیجا پھر بھتیجے کا لڑکا ان کے بعد ان کا پوتا ولایت نکاح کا حقدار ہے اگر یہ سب بھی نہ ہوں تو (۴) چوتھے درجے میں فرع اصل بعید یعنی دادا کی اولاد مذکر حقدار ہے ان میں بھی سب سے پہلے عینی چچا پھر علاتی چچا یعنی باپ کا سوتیلا بھائی پھر سگے چچا کا لڑکا پھر اس کا پوتا پھر سوتیلے چچا کا لڑکا پھر اس کا پوتا ولی ہوگا۔

اگر ان چاروں اصناف میں سے کوئی نہیں تو پھر باپ کا چچا اور اس کے لڑکے

ل فیقدم ابن المجنونہ علی ابیھا (درمختار بر حاشیہ شامی ۱۹۱ ج ۴) والترتیب فی ولایۃ النکاح کالترتیب فی الارث... فتقدم عصبۃ النسب واولاھم الابن وابنہ وان سفل ولا یتأتی الا فی المعتوھۃ وھذا قولھما خلافاً لمحمد فانہ یری أن الاب مقدم علی الابن الخ فی الخلاصۃ ولو زوجھا الابن فھو کالاب بل اولی ثم الاب (فتح القدیر صفحہ ۱۷۰ جلد ۳)

پوتے پرپوتے ولی ہونگے اگر ان میں سے بھی کوئی نہیں تو دادا کا چچا پھر اس کے لڑکے پوتے پرپوتے وغیرہ ولی ہوں گے اگر ان مذکورہ رشتہ داروں میں سے بھی کوئی نہیں تو پھر ماں ولیہ ہوگی اس کے بعد دادی پھر نانی پھر حقیقی بہن پھر علاتی بہن پھر اخیافی بھائی بہن یعنی وہ بھائی بہن جو صرف ماں شریک ہوں پھر اخیافی بھائی بہن کی اولاد۔ پھر زوات الارحام میں سے پھوپھیاں پھر ماموں پھر خالہ وغیرہ۔[1]

اگر مذکورہ بالا رشتہ داروں میں سے کوئی ولی موجود نہیں تو اخیر میں امیر وخلیفہ کو ولایت حاصل ہوگی یا اس قاضی کو جسے ولایت نکاح سپرد کی گئی ہے پھر نائب قاضی کو جسے قاضی نے اختیار دیا ہے۔[2]

(فائدہ) ولایت کی مذکورہ بالا ترتیب کا مطلب یہ ہے کہ اگر ولی قریب موجود نہیں تو بعد کے ولی کی طرف ولایت منتقل ہوجائے گی اگر ولی قریب کے رہتے ہوئے بعد کے ولی نے نکاح کرایا تو ولی قریب کی اجازت پر نکاح موقوف رہے گا۔[3]

ولایت کی شرطیں

ولی ہونے کیلئے شرطیں یہ ہیں کہ وہ عاقل، بالغ، آزاد اور مسلمان ہو لہٰذا غلام، مجنون نابالغ غیر مسلم کسی کا ولی نہیں ہوسکتا کیونکہ ان کو خود اپنے نفس پر ولایت حاصل

---

[1] الولی للعصبة المراد العصبة بنفسه الخ علی ترتیب الارث والحجب ای قدم الجزء وان سفل ثم الاصل وان علا ثم جز الاصل القریب کالاخ ثم بنوه وان سفلوا ثم جزء الاصل البعید کالعم ثم بنوه وان سفلوا ثم عم ابیه ثم بنوه وان سفلوالم عم جده ثم بنوه الا قرب فالاقرب ثم الترجیح بقوة القرابة ای قدم الاعیانی علی العلاتی بشرط حریة وتکلیف واسلام الخ ثم الام ثم ذوالرحم الاقرب فالاقرب (شرح الوقایه صفحه ۲۴تا ۲۵ جلد۲

[2] ثم للسلطان ثم لقاضی .. ثم لنوابه ان فوض له ذلك والا لا(درمختار برحاشیه شامی ۱۹۶جلد۴

[3] وللولی الابعد بعد التزویج بغیبة الاقرب فلو زوج الا بعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازته (درمختار علی حاشش شامی صفحه ۱۹۹ جلد ۴

نہیں تو دوسرے کا بدرجہ اولیٰ ولی نہیں بن سکتا ہے۔[1]

ولایت نکاح کی قسمیں

مذکورہ بالا اولیاء کو جو نکاح میں ولایت کا حق حاصل ہے اس کی دو قسمیں ہیں (۱) ولایت اجبار (۲) ولایت استحباب۔

ولایت اجبار کا مطلب

ولایت اجبار یہ ہے کہ ولی نے بغیر اذن و رضائے مولی و مولیہ اس کا نکاح کر دیا تو نکاح صحیح ہو جائے گا نکاح کے منعقد ہونے کے لئے لڑکے و لڑکی کی اجازت شرط نہیں۔ اور نہ بلوغ کے بعد لڑکی کو فسخ کا اختیار ہوگا۔

ولایت اجبار کا مدار

ولایت اجبار کا مدار صغر پر ہے یعنی نابالغ لڑکا، لڑکی پر ولی کو ولایت اجبار حاصل ہے اگر وہ اجازت نہ بھی دیں تو بھی ان کا نکاح ہو جائے گا۔ (صغیرہ خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ)۔

تنبیہ: ولایت اجبار کا مطلب یہ نہیں کہ لڑکا اور لڑکی کو مار پیٹ کر زبردستی نکاح کر دیا جائے جیسا کہ ظاہر لفظ سے معلوم ہو رہا ہے۔

ولایت استحباب کا مطلب

دوسری قسم ولایت استحباب ہے وہ یہ ہے کہ بغیر اذن مولی مولیہ نکاح منعقد نہیں ہو سکتا ہے لڑکا اور لڑکی خود اپنا نکاح کر سکتے ہیں ولی کی اجازت کی ان کو ضرورت نہیں مگر بہتر اور مستحب ہے کہ ولی کی اجازت و رضامندی سے نکاح کریں۔

---

[1] ولاولاية للمملوك على احد الخ ولا ولاية لصغير ولا مجنون ولا لكافر على مسلم ومسلمة (عالم گیری صفحه ۲۸۴ جلد ۱)

ولایت استحباب کا مدار

اس ولایت کا مدار بلوغ پر ہے یعنی بالغ لڑکے اور لڑکی پر ولی کو ولایت استحباب حاصل ہے ولایت اجبار نہیں (خواہ بالغہ باکرہ ہو یا ثیبہ) لے

نابالغ لڑکا لڑکی پر ولایت اجبار کا حق صرف باپ دادا کو ہے

نابالغ لڑکا لڑکی پر ولایت اجبار تمام اولیاء میں صرف باپ دادا کو حاصل ہے کہ جہاں چاہیں ان کا نکاح کردیں ان کے علاوہ نہ تو خود اس لڑکے اور لڑکی کو اختیار ہے کہ اپنا نکاح کرلیں اور نہ باپ دادا کے علاوہ دیگر اولیاء یا غیر اولیاء کو حق ہے کہ باپ دادا کی مرضی کے بغیر ان کا نکاح کہیں کرادیں اگر کردیا تو باپ دادا کی مرضی پر موقوف رہے گا اگر اجازت دیدیں تو ٹھیک ورنہ قانوناً ان کو حق ہے کہ عدالت کے ذریعہ نکاح کو فسخ کرادیں ۲

بالغ ہونے کے بعد نکاح فسخ کرانے کا حکم

اگر کسی نابالغ لڑکا اور لڑکی کا نکاح پہلے اور دوسرے درجے کے ولی یعنی باپ یا دادا نے کیا ہے تو یہ نکاح لازم ہوگا بلوغ کے بعد فسخ کرانے کا اختیار نہ ہوگا خواہ باپ یا دادا نے کفو (میل) میں نکاح کیا ہو یا غیر کفو میں یا مہر مثل سے کم ہی پر کیوں نہ کیا ہو ان کا کیا ہوا نکاح باقی رہے گا۔ بلوغ کے بعد لڑکے کو وہ رشتہ پسند نہیں تو بیوی کو طلاق دیدے اور اگر لڑکی اس نکاح کو پسند نہ کرے تو مہر معاف کرکے طلاق کا مطالبہ کرکے

لے الولایۃ فی النکاح نوعان ولایۃ ندب واستحباب وھو الولایۃ علی البالغۃ العاقلۃ بکراً کانت اوثیبا وولایۃ اجبار وھو الولایۃ علی الصغیرۃ بکرا کانت او ثیباً وکذا الکبیرۃ المعتوھۃ (فتح القدیر صفحہ ۱۰۷ جلد ۲)

۲ وولایۃ اجبار علی الصغیرۃ ولوثیبا ...وھو ای الولی شرط صحۃ نکاح صغیر (درمختار) (صغیر الخ) الموصوف محذوف ای شخص صغیر الخ فیشمل الذکر والانثی (شامی صفحہ ۱۵۵ جلد ۲)

خلع کرلے اس کے علاوہ چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں۔

نوٹ:۔ باپ دادا کے کئے ہوئے نکاح کا بلوغ کے بعد بھی باقی رہنا اور نابالغ کو فسخ کا عدم اختیار اس وقت ہے جب کہ باپ یا دادا نے خود سے یہ نکاح کیا ہو۔ اگر باپ یا دادا نے کسی کو وکیل بنادیا اور وکیل نے ان کا نکاح کرادیا تو پھر بلوغ کے بعد فسخ نکاح کا اختیار ہوگا۔[1]

نابالغ کا نکاح باپ دادا کے علاوہ نے کیا

اگر نابالغ لڑکا، لڑکی کا نکاح باپ دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے کیا تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) اول یہ کہ نکاح کفو میں کیا ہو اور مہر بھی مہر مثل مقرر کیا تو نکاح صحیح ہوجائے گا۔ مگر بلوغ کے بعد ان کو اختیار ہوگا اگر اس نکاح کو برقرار رکھنا چاہیں تو ٹھیک ورنہ شرعی قاضی کے ذریعہ یا قاضی نہ ہونے کی صورت میں شرعی پنچایت میں اپنا معاملہ پیش کر کے نکاح کو فسخ کراسکتے ہیں خود سے فسخ نہیں کرسکتے۔ (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ باپ دادا کے علاوہ ولی نے غیر کفو میں نکاح کیا یا لڑکی کے نکاح میں مہر مثل سے کم اور لڑکے کے نکاح میں ان کی زوجہ کے مہر مثل سے زیادہ مقرر کردیا تو یہ نکاح سرے سے صحیح اور منعقد ہی نہ ہوگا اگر لڑکا لڑکی اس رشتہ کو پسند کرتے ہیں تو بالغ ہونے کے بعد پھر سے نکاح کرلیں ورنہ آزاد ہیں جہاں چاہیں کریں۔

اختیار فسخ کی صورتیں

بلوغ کے بعد جن صورتوں میں فسخ نکاح کا اختیار ہے وہ تین ہیں۔ (۱) اول یہ کہ لڑکی کو اپنے نکاح ہونے کی خبر پہلے سے ہے اور شوہر نے اس سے صحبت بھی نہیں کی

---

[1] وللولی۔۔۔۔انکاح الصغیر والصغیرۃ جبراً ولو ثیباً۔۔۔۔ ولولزم النکاح ولو بغبن فاحش بنقص مهرها وزیادۃ مهره اوزوجها بغیر کفء ان کان الولی المزوج بنفسه بغبن ابا او جدا (درمختار) المزوج بنفسه لحترزبه عما اذا وکل وکیلا بتزویجها (شامی صفحہ ۱۷۱ جلد ۴)

ہے تو بالغ ہوتے ہی اسی وقت اسی مجلس میں اپنی ناراضگی و ناپسندیدگی کا اظہار کر دے کہ میں اس نکاح کو باقی رکھنا نہیں چاہتی اگر چہ ایسی تنہائی میں ہو کہ کوئی دوسرا وہاں موجود نہیں بلوغ کے بعد اگر ایک لمحہ بھی توقف کیا تو اختیار ختم ہو جائے گا۔

نوٹ: اس ناراضگی کے بعد قضاءِ قاضی فسخ نکاح کیلئے ضروری ہے محض ناراضگی اور انکار سے نکاح ختم نہیں ہوگا۔ (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو پہلے سے اپنے نکاح کی خبر نہیں تھی۔ تو بالغ ہونے کے بعد جس وقت خبر ملی ہے فوراً اسی وقت اسی مجلس میں نکاح سے انکار کرے اگر ایک لمحہ بھی چپ رہی تو اختیار ختم ہو جائے گا۔ (۳) تیسری صورت یہ ہے کہ بالغ ہونے سے قبل شوہر نے اس سے وطی کر لی تھی تو بالغ ہوتے ہی یا خبر پاتے ہی انکار کرنا ضروری نہیں بلکہ جب تک اس کی رضامندی کا حال معلوم نہ ہو جائے تب تک نکاح میں رہنے اور نہ رہنے کا اختیار باقی رہے گا چاہے جتنا زمانہ گزر جائے ہاں اگر اس نے صاف زبان سے منظور کر لیا کہ میں اس نکاح کو پسند کر کے اپنے شوہر کی زوجیت میں رہنا چاہتی ہوں یا کوئی ایسی بات پائی گئی جس سے رضامندی ثابت ہو جاتی ہے جیسے اپنے شوہر کیساتھ میاں بیوی کی طرح خلوت صحیحہ کر لیا تو پھر اختیار ختم ہو کر نکاح لازم ہو جائے گا۔[1]

ولایت اجبار کی مصلحت

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ باپ دادا کو اپنی نابالغ اولاد پر ولایت اجبار حاصل ہے ان دونوں کا کیا ہوا نکاح باقی رہے گا بلوغ کے بعد بھی اختیار نہ ہوگا وجہ یہ ہے کہ باپ دادا اپنی اولاد کے حق میں بدخواہ نہیں ہوتے وہ لڑکا لڑکی کا فائدہ اونچ نیچ اور

[1] وان کان المزوج غیرهما ای غیر الاب وابیه..... لایصح النکاح من غیر کفٔ او بغبن فاحش اصلا... وان کا من کفٔ وبمهر المثل صح ولکن لهما ای لصغیر وصغیرة وملحق بهما خیار الفسخ ولو بعد الدخول بالبلوغ اوالعلم بالنکاح بعده... بشرط القضاء للفسخ (درمختار برحاشیه شامی ۱۷۲ تا ۱۷۶ جلد ٤)

ساری مصلحتوں کو سامنے رکھتے ہوئے کہیں رشتہ طے کرتے ہیں اسلئے ان کا کیا ہوا نکاح ہمیشہ کیلئے نافذ سمجھا جائے گا۔

ولایت اجبار کے شرائط

باپ دادا اپنی اولاد کے خیر خواہ تو ہوتے ہیں مگر جب آدمی گناہ میں جری اور حرص ولالچ میں پھنس جاتا ہے یا اس کے ہوش وحواس خراب ہو جاتے ہیں تو پھر اس کے قول وعمل کا اعتبار نہیں ہوتا ہے کیونکہ جب وہ خود اپنے نفس کا خیر خواہ نہیں تو دوسرے کا خیر خواہ کیسے ہوسکتا ہے اس لئے علماء نے ولایت اجبار کے سلسلے میں تین شرطیں لگائی ہیں اگر ان میں سے کوئی بھی شرط مفقود ہوگئی تو پھر باپ دادا کیلئے ولایت اجبار کا حق ختم ہو کر ان کا کیا ہوا معاملہ باطل سمجھا جائے گا۔

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ وہ شخص بے باک اور بے غیرت نہ ہو کہ گناہ کرنے میں اسے کوئی شرم محسوس نہ ہو۔ (۲) دوسری شرط یہ ہے کہ وہ شخص حریص اور لالچی نہ ہو اگر معلوم ہو جائے کہ اس نے لالچ میں آکر غیر کفو اور غلط جگہ شادی کی ہے تو یہ نکاح باطل سمجھا جائے گا۔ (۳) تیسری شرط یہ ہے کہ وہ ہوش وحواس میں نکاح کرے، اگر نشے، یا مرض شدید یا جنون کی وجہ سے اس کے ہوش وحواس ختم ہو گئے ہوں تو انکا کیا ہوا نکاح باطل سمجھا جائے گا۔[1]

ولی قریب کے ہوتے ہوئے ولی بعید کا نکاح کرانا

ولی قریب کی موجودگی میں ولی بعید نے نابالغ لڑکا لڑکی کا نکاح کر دیا مثلاً

---

[1] ولزم النكاح ولو بغبن فاحش ..... او ..... بغير كفء ان كان الولي ..... ابا وجدا ..... لم يعرف منهما سوء الاختيار مجانة وفسقا وان عرف لا يصح النكاح اتفاقا وكذا لو كان سكران فزوجها من فاسق او شرير او فقير او ذي حرفة دنيئة لظهور سوء اختياره (درمختار) حتى لو عرف من الاب سوء الاختيار لسفهه او لطمعه لا يجوز عقده اجماعاً (شامی صفحه ۱۷۲ جلد ٤)

باپ کے ہوتے ہوئے دادا نے نکاح کر دیا اور باپ سے رائے نہیں لی تو وہ نکاح باپ کی اجازت پر موقوف رہے گا اجازت دیدی تو درست ورنہ نکاح فاسد سمجھا جائے گا[۱]

ولی قریب کی موجودگی میں ولی بعید کے نکاح کرنے کی صورتیں

ولی قریب مثلاً باپ زندہ ہے مگر بہت دور دوسرے ملک میں ہے یا کوئی پتہ نہیں کہاں ہے ادھر نابالغ لڑکا یا لڑکی کا مناسب رشتہ آچکا ہے اگر ولی قریب کا انتظار کیا جائے یا اسکو خبر دی جائے تو رشتہ ہاتھ سے نکل جائے گا تو اس صورت میں ولی بعید (مثلاً دادا) نکاح کر سکتا ہے بعد میں ولی قریب آکر رشتہ نہیں توڑ سکتا۔ مگر ولی قریب اتنا قریب ہے کہ آسانی سے بلوا سکتے ہیں یا رائے لی جا سکتی ہے تو پھر دوسرے ولی کا کیا ہوا نکاح اس کی اجازت اور مرضی پر موقوف رہے گا۔[۲]

مناسب رشتہ کا ولی قریب اگر انکار کرے

نابالغ لڑکا لڑکی کا مناسب رشتہ آچکا ہے مگر ولی قریب بلا وجہ ذاتی رنجش کی وجہ سے لڑکا لڑکی کا نکاح وہاں نہیں کرتا بلکہ اس رشتہ کا انکار کرتا ہے تو پھر ولی قریب کی موجودگی میں بعد کا ولی نکاح کر سکتا ہے۔[۳]

ولیِ قریب میں ولایت کی اہلیت ختم ہو جائے

ولی قریب میں اہلیتِ ولایت ختم ہو جائے مثلاً باپ پاگل ہو جائے یا بھائی ہے جو نابالغ ہے تو پھر نا اہل ولی قریب کی موجودگی میں ولایت نکاح منتقل ہو کر ولی بعید

---

[۱] فلوزوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ (درمختار علی ھامش شامی ۱۹۹ جلد۴)

[۲] وللولی الا بعد التزویج بغیبۃ الاقرب ... مسافۃ القصر...... ولا یبطل تزویجہ السابق بعود الاقرب لحصولہ بولایۃ (درمختار علی ھامش شامی صفحہ ۱۹۹ تا ۲۰۲ جلد ۴)

[۳] ویثبت للابعد من اولیاء النسب الخ التزویج بعضل الاقرب ای بامتناعہ عن التزویج اجماعاً (درمختار علی ھامش شامی صفحہ ۲۰۱ جلد ۴)

کے پاس آجائے گی اور ولی بعید کے نکاح کرنے سے نکاح صحیح ہو جائیگا۔[۱]

دو برابر کے ولی ہوں تو کیا حکم ہے

اگر دو برابر کے ولی ہوں مثلاً دو سگے بھائی ہیں اور ان سے پہلے کا ولی موجود نہیں تو ان دونوں اولیاء کو مشورہ کر کے اپنی نابالغ بہن کا نکاح کرانا چاہئے اگر کسی ایک نے بغیر دوسرے سے مشورہ لئے نکاح کر دیا تو دوسرے کی اجازت پر نکاح موقوف رہیگا اگر دونوں نے الگ الگ جگہ کر دیا تو پہلے شخص کا کیا ہوا نکاح منعقد ہوگا اور اگر دونوں نے الگ الگ جگہ ایک ہی وقت میں کیا ہے تو پھر کسی کا نکاح صحیح نہیں ہوگا دونوں کا کیا ہوا باطل شمار ہوگا۔[۲]

ولی کے گریز کرنے پر قاضی نکاح کا ولی ہوگا

ایسا مناسب رشتہ آچکا جس میں لڑکا لڑکی کا فائدہ ومصلحت اور نکاح نہ کرنے کی صورت میں ضرر یقینی ہے مگر ولی بلا عذر معقول اس رشتہ سے گریز کرتا ہے تو پھر قاضی کو اختیار ہوگا کہ اس لڑکا اور لڑکی کا نکاح کر دے خواہ لڑکا لڑکی نابالغ ہوں یا بالغ یا مجنون (جہاں قاضی نہیں وہاں ولی ابعد کو اختیار ہوگا، اگر چہ بعض فقہاء نے ولی ابعد کو مقدم رکھا ہے) مگر ولی کے گریز کرنے پر قاضی نے جو نکاح کیا ہے اسکی دو صورتیں ہیں (۱) نکاح سے گریز کرنے والا ولی باپ دادا ہے تو بوقت بلوغ اور بوقت جنون سے افاقہ نابالغ اور مجنون کو اختیار فسخ حاصل ہوگا۔ (۲) اگر گریز کرنے والا باپ دادا کے علاوہ ہے تو بعد میں بوقت بلوغ وافاقہ نکاح کو رد کرنیکا اختیار نہیں ہوگا۔[۳]

---

[۱] ولا ولاية لعبد ولا صغير ولا مجنون لانه لا ولاية لهم على انفسهم فلولى ان لا يثبت على غيرهم (هداية صفحه ۳۱۸ جلد ۲) [۲] ولو زوجها وليان مستويان قدم السابق فان لم يدر لو وقعا معا بطلا (درمختار على هامش شامی صفحه ۱۹۹ جلد ۴)

[۳] ويثبت للا بعد من اولياء النسب شرح و هبانية لكن فى القهستانى عن الغياثى لولم يزوج الاقرب زوج القاضى عند فوت الكفء التزويج بعضل الاقرب اى بامتناعه عن التزويج اجماعا خلاصه ولا يبطل تزويجه السابق بعود الاقرب لحصوله بولاية تامة (درمختار) والعضل بان العاضل ظالم بالامتناع فقام السلطان مقامه فى دفع الظلم (شامی ۲۰۱)

بالغ لڑکا،لڑکی پر ولایت کا حکم

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ بالغ لڑکا لڑکی پر ولی کو ولایت اجبار نہیں ولایت استحباب حاصل ہے انکے نکاح کے انعقاد کیلئے ولی کی اجازت شرط نہیں وہ خود اپنا رشتہ پسند کر کے نکاح کر سکتے ہیں خواہ ولی خوش ہو یا ناراض حضورؐ نے فرمایا (الایم احق بنفسھا من ولیھا) کہ شوہر دیدہ عورت اپنے نکاح کا معاملہ طے کرنے میں اپنے ولی سے زیادہ خود حق دار ہے۔ لیکن اگر اس نے اپنا نکاح غیر کفوء (اپنے سے کم ذات والے) میں کیا ہے کہ اس برادری کو ولی ناپسند کر رہا ہے تو یہ نکاح باطل سمجھا جائیگا۔[1]

بالغہ کا خود سے کم مہر پر نکاح کرنا

بالغہ نے نکاح تو کفوء میں ہی کیا مگر اپنے مہر مثل سے بہت کم مہر پر کیا تو نکاح صحیح ہو جائیگا مگر ولی کو اعتراض کا حق حاصل ہوگا اگر مہر مثل کے برابر شوہر نے مہر کر دیا تو اعتراض کا حق ختم ہو جائیگا مہر مثل کے برابر نہ کرنے پر ولی کو حق ہے کہ قاضی کے پاس معاملہ پیش کر کے نکاح کو فسخ کرادے۔[2]

نوٹ: اس اعتراض کا حق ان اولیاء کو ہے جو ماں سے پہلے عصبہ بنفسہ ہیں۔

بالغہ لڑکی کا نکاح ولی نے بغیر اس کی اجازت کے کر دیا

(اگر کسی ولی نے بالغہ جوان لڑکی کا نکاح بغیر اسکی اجازت کے کر دیا تو نکاح اس لڑکی کی اجازت پر موقوف رہیگا اگر لڑکی نے اجازت دیدی تو ٹھیک ورنہ اسکے انکار پر یا اجازت نہ دینے پر نکاح ختم ہو جائیگا۔

[1] وله ای للولی..... الاعتراض فی غیر الکفؤ الخ و یفتی فی غیر الکفؤ بعدم جوازه اصلا (درمختار حاشیه شامی صفحه ۱۵۵ . ۱۵۶ جلد ۴)۔

[2] عما لوتزوجت بدون مهرالمثل فقد علمت ان للولی الاعتراض ایضا والظاهر انه لاخلاف فی صحة العقد الخ فلذا قالواله الاعتراض حتی یتم مهرالمثل او یفرق القاضی فلذا اتم المهر زال سبب الاعتراض (شامی ۱۵۶—۱۵۷ جلد۴)۔

بالغہ کو نکاح کے بعد اطلاع دی گئی

جوان کنواری لڑکی کا نکاح ولی قریب نے کرنیکے بعد اطلاع دی یا تو خود ولی نے دی یا کسی کو بھیج کر آگاہ کیا کہ تمہارا نکاح فلاں مرد سے کردیا گیا ہے اس پر وہ صراحۃً اجازت دینے کے بجائے خاموش رہی تو اس سکوت کو اجازت پر محمول کر کے نکاح صحیح سمجھا جائیگا۔ اگر ولی کے بھیجے ہوئے آدمی کے علاوہ کسی اور نے خبر دی ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں (۱) خبر دینے والا نیک اور معتبر آدمی ہے تو بھی سکوت کو اجازت مانا جائے گا اور اگر خبر پہنچانے والا غیر معتبر ہے تو پھر نکاح صریح اجازت پر موقوف رہے گا سکوت کافی نہیں ہوگا۔[۱]

نکاح کے وقت اجازت لینے پر خاموش رہنا اجازت ہے

جوان کنواری لڑکی سے ولی نے آکر کہا کہ میں نے تمہارا نکاح فلاں سے کردیا یا یوں کہا کہ کردیتا ہوں اس پر لڑکی خاموش رہی یا مسکرادیا یا بغیر آواز کے رونے لگی تو یہ اجازت ہے اسکے بعد ولی نے نکاح کردیا تو نکاح صحیح ہوجائیگا زبردستی زبان سے کہلانا اسی طرح ولی یعنی باپ دادا بھائی کے علاوہ بقیہ محرم مرد کا اجازت لینے کیلئے جانا انتہائی برا ہے (رسومات کے بیان میں تفصیل آرہی ہے)۔[۲]

لڑکی کی اجازت کی مختلف صورتیں

لڑکی بالغہ ہو یا نابالغہ کنواری ہو اس کے خاموش رہنے اسی طرح رونے اور ہنسنے وغیرہ کو فقہاء نے اجازت پر محمول کیا ہے مگر آواز سے رونا اسی طرح ہنسنا استہزاءً ہو

---

[۱] فان استأذنها هو ای الولی وهو السنة او وکیله او رسوله او زوجها ولیها واخبرها رسوله او فضولی عدل فسکتت عن رده مختارة فهو اذن (درمختار علی هامش شامی ۱۵۹تا ۱۶۰، جلد۴) وان بلغها الخبرمن رجل واحد ان کان ذلك الرجل رسول الولی یکون سکوتها رضا سواء کان الرسول عدلا اوغیر عدل کذا فی المضمرات وان کان المخبر فضولیا شرط فیه العدد اوالعدالة الخ ان کان المخبر رجلا واحد غیر عدل فان صدقته عن ذلك ثبت النکاح وان کذبته لایثبت (عالم گیری ۲۸۷–۲۸۸ ۲جلد) [۲] (بہشتی زیور ۷ جلد ۴)۔

تو اجازت پر محمول نہیں کر سکتے صاحب فتح القدیر علامہ ابن ہمامؒ اسی کے قائل ہیں۔[۱]
مگر علامہ و مولانا عبدالحی لکھنوی تحریر فرماتے ہیں کہ اسکا تعلق عرف و عادت پر ہے ہندوستان میں لڑکیاں شادی کی خبر سن کر تیز آواز سے روتی ہیں اور یہ والدین کے گھر اور رشتہ داروں کی جدائیگی کے غم میں ایسا کرتی ہیں تو اسکو اجازت سمجھا جائیگا اسی طرح ہنسنے وغیرہ کے درمیان بھی عادت و حالات کے اعتبار سے فرق کیا جا سکتا ہے اسکے بعد علامہ نے فتح القدیر کی عبارت نقل کی ہے جسکا حاصل بھی مذکورہ تفصیل ہے کہ قرائن وغیرہ سے ضحک اور بکاء کو معلوم کر سکتے ہیں تو ٹھیک ہے اور اگر قرینہ یا احوال سے بھی معلوم نہ ہو تو احتیاط کرنا چاہئے بغیر معلوم ہوئے اجازت پر محمول نہ کرنا چاہئے ہاں قرینہ سے معلوم ہو جائے تو پھر زبان سے کہلانے کی ضرورت نہیں۔[۲]

کس شخص کی اجازت لینے پر سکوت اذن ہے

سکوت وغیرہ کو اجازت پر اس وقت محمول کیا جائیگا جبکہ پوچھنے والا ایسا ولی ہو جسکو اس وقت ولایت کا حق حاصل ہے جیسے باپ وہ نہیں تو دادا وہ نہیں تو بھائی وغیرہ تو سمجھئے کہ ولی قریب مثلاً باپ نے اجازت لی یا باپ کے بھیجے ہوئے آدمی نے اجازت مانگی تو سکوت کو اجازت سمجھا جائے گا اگر ولی قریب کے ہوتے ہوئے ولی بعید نے اجازت مانگی تو اب خاموش رہنا کافی نہیں بلکہ زبان سے صراحۃً اجازت دینی ضروری ہے ہاں اگر ولی بعید کو ولی قریب مثلاً باپ نے اپنے لڑکے کو اجازت لینے بھیج دیا تو پھر اس سکوت کو اجازت پر محمول کرلیا جائیگا۔[۳]

(مسئلہ) جن صورتوں میں زبان سے اجازت ضروری ہے اگر ان میں زبان

---

[۱] قيل اذا ضحكت كالمستهزئة لا يكون رضا وضحك الاستهزاء لا يخفى على من يحضره واذابكت بلاصوت لايكون ردا اختير للفتوى (فتح القدير ۱٦٤ جلد۳).

[۲] والمعول عليه اعتبار قرائن الا حوال في البكاء والضحك فان تعارضت او اشكل احتيط (فتح القدير صفحه ١٦٤ جلد ٣).

[۳] فان استأذنها غير الاقرب كا جنبي او ولي بعيد فلا عبرة لسكوتها بل لابد من القول كالثيب البالغه (درمختار على هامش شامي صفحه ١٦٤ جلد ٤).

سے اجازت نہیں دی تو نکاح موقوف رہے گا ہاں جب شوہر اس کے پاس جائے اور وہ صحبت اور مباشرت سے منع نہ کرے تو پھر نکاح منعقد ہو جائیگا۔[۱]

بوقت اجازت شوہر کا نام اور مہر کی تعیین کی اطلاع نہ دی

ولی نے لڑکی سے اجازت لیتے وقت نہ شوہر کا نام لیا اور نہ مہر کا تذکرہ کیا اور نکاح مہر مثل سے کم پر طے کیا تو پھر لڑکی کا خاموش رہنا اجازت نہیں سمجھی جائے گی بلکہ صراحۃً شوہر کا نام اور مہر کی تعیین کی اطلاع لڑکی کو دیکر پھر سے اجازت لینی پڑے گی۔[۲]

بیوہ مطلقہ کی اجازت کا حکم

اب تک اس بالغہ کی اجازت کا بیان تھا جو کنواری ہو لیکن اگر لڑکی کنواری نہیں بلکہ اس سے قبل اس کا نکاح ہوا تھا شوہر کے مرجانے یا طلاق دینے کے بعد اب دوبارہ نکاح کیلئے ولی نے اجازت لی تو ایسی عورت کا خاموش رہنا اجازت نہیں سمجھی جائے گی صراحۃً زبان سے کہنا ضروری ہے اگر زبان سے اجازت دیئے بغیر ولی نے اس کا نکاح کر دیا تو نکاح اس کی اجازت صریح پر موقوف رہے گا اگر اجازت دیدی تو صحیح ورنہ نکاح فسخ ہو جائے گا ہاں اگر عورت نے مہر طلب کر لیا یا شوہر کو وطی پر قدرت دیدی یا شادی کی مبارک بادی کو قبول کر لیا یا خوشی کے مارے ہنسنے لگی تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔[۳]

---

[۱] یثبت بالتمکین من الوطء بالاولی لانہ ادل علی الرضا (شامی صفحہ ۱۶۵ ج ۴)

[۲] المعتبر فی الاستیمار ان یذکر اسم الزوج علی وجہ حصلت بہ المعرفۃ فلو سکتت ان استامرھا الوالد قبل النکاح ولم یسم الزوج کما لم یصرح المھر لم یکن سکوتھا عبارۃ عن رضاھا (عالمگیری صفحہ ۲۶۲ جلد ۲ ماخوذ حاشیہ بہشتی زیور صفحہ ۷ حصہ ۴)

[۳] ولو استاذن الثیب فلا بد من رضاھا بالقول وکذا اذا بلغھا الخبر ھکذا فی الکافی وکما یتحقق رضاھا بالقول کقولھا رضیت وقبلت واحسنت واصبت وبارک اللہ لک اولنا ونحوہ یتحقق بالدلالۃ کطلب مھرھا ونفقتھا وتمکینھا من الوطء وقبول التھنئۃ والضحک بالسرور من غیر استہزاء (عالمگیری صفحہ ۲۸۹ جلد ۱)

بالغ لڑکے کی اجازت کا حکم

جو حکم بیوہ اور مطلقہ کا ہے وہی حکم بالغ لڑکے کا بھی ہے خواہ لڑکا شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ اس کا صاف زبان سے اپنی رضا کا اظہار کرنا اور نکاح کو قبول کرنا ضروری ہے اس کا خاموش رہنا کافی نہیں ہوگا۔[1]

جوانی کی ابتداء اور اس کی علامتیں

لڑکے کی جوانی و بلوغ شریعت میں مختلف علامتوں سے پہچانی جاتی ہے وہ چار ہیں۔ (۱) احتلام ہونا۔ (۲) شہوت کے ساتھ انزال ہونا۔ (۳) اس سے کسی عورت کو حمل ٹھہر جانا۔ (۴) اگر ان تینوں علامتوں میں سے کوئی علامت ظاہر نہ ہو تو اخیر میں پندرہ سال پورے ہونے پر لڑکا بالغ شمار ہوگا۔

لڑکی کی علامت بلوغ پانچ ہیں۔ (۱) حیض کا آنا۔ (۲) احتلام ہونا۔ (۳) حمل ٹھہر جانا۔ (۴) بیداری کی حالت میں شہوت کے ساتھ منی کا نکلنا۔ (اگر ان چاروں علامتوں میں سے کوئی علامت ظاہر نہ ہو تو اخیر میں) (۵) لڑکی پندرہ سال پر بالغہ شمار ہوگی۔

نوٹ: لڑکے کے بالغ ہونے کی کم سے کم مدت بارہ سال اور لڑکی کے بالغ ہونے کی کم سے کم مدت نو سال ہے اس سے پہلے نہ لڑکا بالغ ہوسکتا ہے نہ لڑکی۔[2]

---

[1] لسكتت اى البكر البالغه بخلاف الابن الكبير فلا يكون سكوته رضا حتى يرضى بالكلام (شامي صفحه ١٦٠ جلد ٤)

[2] بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال... والجارية بالاحتلام والحيض والحبل... فان لم يوجد فيهما شئ فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتى ... وادنى مدته له اثنتا عشرة سنة ولها تسع سنين هو المختار (درمختار على هامش شامى ٢٢٥ تا ٢٢٧ جلد ٩)

وکالت نکاح

وکالت کے معنی: نگرانی، حفاظت، چارہ سازی اور کارسازی کے ہیں اسی سے توکیل کا لفظ نکلا ہے توکیل کے معنی لغت میں سپرد کرنا۔ کسی پر بھروسہ کرکے کام چھوڑ دینا ہے اصطلاح میں غیر پر اعتماد کرکے اس کو کسی کام پر اپنا قائم مقام بنانے کو توکیل اور وکیل بنانا کہتے ہیں۔ کام سپرد کرنے والے کو موکل اور جو ذمہ داری قبول کرتا ہے اس کو وکیل۔ اور جس کام کی ذمہ داری سونپی جاتی ہے اس کو مؤکل بہ کہتے ہیں۔[1]

توکیل بالنکاح کا مطلب

نکاح میں وکیل بنانے کا مطلب یہ ہے کہ ہر عاقل بالغ مرد و عورت جو خود اپنا یا دوسرے کا ولی بن کر نکاح کرنے کا مختار ہے وہ اس بات کا بھی مجاز ہے کہ اپنا نکاح یا اپنی زیر ولایت لڑکا لڑکی کا نکاح خود کرنے کے بجائے کسی اہل کو وکیل بنادے اور نکاح سے متعلق اپنے اختیارات اسے سونپ دے۔[2]

وکالت کے شرائط

شرائط وکالت دو طرح کے ہیں بعض مؤکل کیلئے اور بعض وکیل کیلئے مؤکل کیلئے شرط یہ ہے کہ مؤکل، مؤکَّل بہ کا مالک اور اس میں تصرف کرنے کا اہل ہو لہٰذا جس کا وہ خود مالک نہیں (نہ اصل ہونے کے اعتبار سے اور نہ ولی ہونے کی حیثیت سے) تو وہ دوسرے کو وکیل بھی نہیں بنا سکتا دوسری چیز اہلیت تصرف ہے لہٰذا نابالغ بچہ اور مجنون جس طرح عدم اہلیت کیوجہ سے نہ اپنا عقد نکاح خود کرسکتا ہے اور نہ دوسرے کا

[1] والتوكيل صحيح بالكتاب والسنة قال تعالى (فابعثوا احدكم بورقكم)... وهو اقامة الغير مقام نفسه ترفها او عجزا فى تصرف جائز معلوم (درمختار على هامش شامى صفحه ۲۲۹ تا ۲۴۱ جلد ۸ كتاب التوكيل)

[2] فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا ولى والاصل ان كل من تصرف فى ماله تصرف فى نفسه ومالا فلا (درمختار على هامش شامى صفحه ۱۵۵ جلد ۴ باب الولى)

ولی بن سکتا ہے اسی طرح وہ کسی کو اپنا وکیل بھی نہیں بنا سکتا خلاصہ یہ ہے کہ مؤکل کے اندر ملکیت مؤکل بہ ۔ اہلیتِ تصرف ۔ بلوغ اور عقل کا ہونا شرط ہے ۔

وکیل کیلئے عقل اور تمیز کا ہونا شرط ہے اس لئے مجنون اور بے عقل بچہ کسی کا وکیل نہیں بن سکتا البتہ نابالغ بچہ اگر عقلمند ہے تو وہ وکیل بن سکتا ہے چنانچہ کسی نے عقلمند بچے کو نکاح کا وکیل بنایا اور بچہ نے اس کا نکاح صحیح طور پر کر دیا تو نکاح درست اور منعقد ہو جائے گا۔[1]

وکیل کیلئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ نکاح کی وکالت کرتے ہوئے نکاح کی نسبت اپنی طرف کرنے کے بجائے مؤکل کی طرف کرے لہٰذا پیغام دیتے وقت یا عقد نکاح کرتے ہوئے صاف صراحۃً بیان کر دے کہ وہ اپنی طرف سے پیغام نہیں دے رہا ہے یا اپنا عقد نہیں کر رہا ہے بلکہ وہ فلاں مؤکل کا وکیل اور اس کا نمائندہ ہے اگر نکاح کی نسبت مؤکل کی طرف کرنے کے بجائے اپنی طرف کر دیا تو یہ نکاح وکیل ہی کا ہوگا۔[2]

نیز اسی طرح نکاح کے وقت ولی قریب اگر خود اجازت لینے کے بجائے کسی کو اپنا وکیل بنا کر اپنی زیرِ ولایت لڑکی کے پاس اجازت لینے بھیجا تو اس وکیل یا قاصد کو چاہئے کہ وہ لڑکی کے سامنے تصریح کر دے کہ وہ اس کے ولی کی طرف سے بحیثیت

---

[1] وأما الشرائط فلنواع بعضها يرجع الى المؤكل وبعضها يرجع الى الوكيل وبعضها يرجع الى الموكل به اما الذى يرجع الى الموكل فهو ان يكون ممن يملك فعل ما وكل به بنفسه لأن التوكيل تفويض ما يملكه من التصرف الى غيره فما لا يملكه بنفسه كيف يحتمل التفويض الى غيره فلا يصح التوكيل من المجنون والصبى الذى لايعقل اصلا۔ وكذا من الصبى العاقل بما لايملكه بنفسه كالطلاق والعتاق والهبة والصدقة ونحوها من التصرفات الضارة المحضة۔ واما الذى يرجع الى الوكيل فهو أن يكون عاقلا فلا تصح وكالة المجنون والصبى الذى لايعقل لما قلنا واما البلوغ والحرية فليسا بشرط لصحة الوكالة فتصح وكالة الصبى العاقل (بدائع الصنائع صفحه ١٥ تا ١٦ جلد ٥ كتاب الوكالة)

[2] وكل عقد يضيفه الى موكله كالنكاح والخلع والصلح عن دم العمد فان حقوقه تتعلق بالمؤكل دون الوكيل۔ لان الوكيل فيها سفير محض الاترى انه لا يستغنى عن اضافة العقد الى الموكل ولو اضافه الى نفسه كان النكاح له (هداية صفحه ١٨٠ جلد ٣ كتاب الوكالة)

وکیل یا قاصد اس سے اجازت حاصل کرنے آیا ہے۔

(نوٹ) یہ بات گزر چکی ہے کہ ولی اقرب یا اس کا وکیل یا قاصد اجازت طلب کرے تو لڑکی کی طرف سے صاف صراحۃً اجازت ضروری نہیں ہے بلکہ لڑکی کا خاموش رہنا یا ایسی چیزوں کا اظہار جو عرف میں اجازت کی علامت ہے اجازت اور رضامندی سمجھی جائے گی۔ ہاں ولی اقرب یا اس کے وکیل کے بجائے کوئی دوسرا آدمی کنواری لڑکی سے اجازت لے تو پھر صاف اور صراحۃً اجازت ضروری ہے۔[۱]

وکالت کی قسمیں

وکالت کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ عمومی۔ ۲۔ خصوصی۔ (وکالت عمومی) یہ ہے کہ عاقل بالغ مرد یا عورت نے کسی عقلمند شخص کو اپنا وکیل بناتے ہوئے یوں کہا کہ تمہیں اختیار ہے کہ میرا نکاح جہاں اور جتنے مہر میں چاہو کر دو تو وکیل جہاں اور جس سے جتنے مہر پر نکاح کر دیگا نکاح صحیح ہو جائے گا بشرطیکہ کفو اور مہر مثل کے قریب قریب مہر پر نکاح کیا ہو۔ اگر وکیل نے اپنے مؤکل و مؤکلہ کا نکاح غیر کفو میں کیا یا کفو ہی میں ایسے لڑکے لڑکی سے نکاح کر دیا جس میں کوئی بڑا اور نمایاں عیب ہو تو یہ نکاح نافذ نہیں ہوگا بلکہ مؤکل اور مؤکلہ کی اجازت پر موقوف رہے گا۔

اسی طرح مرد کے وکیل نے مہر مثل سے اتنا زیادہ مہر مقرر کیا جو مروج مقدار سے نمایاں طور سے زیادہ ہے یا لڑکی کے وکیل نے اس کے مہر مثل سے اتنی کم مقدار مقرر کی جو اس کے خاندان کیلئے باعث عار ہے تو یہ نکاح بھی اس پر نافذ نہ ہوگا بلکہ نکاح فضولی کے حکم میں ہو کر موقوف رہے گا مؤکل اور مؤکلہ نے اس نکاح کو قبول کر لیا تو

---

[۱] فلو استأذنها هو ای الولی وهو السنة او وکیله او رسوله أو زوّجها ولیها... فسکتت عن رده مختارة او ضحکت غیر مستهزئة او تبسمت او بکت بلا صوت ...... فهو اذن ای توکیل فی الاول (درمختار) قوله او وکیله او رسوله) الاول ان یقول وکلتك تستأذن لی فلانة فی کذا والثانی ان یقول اذهب الی فلانة وقل لها ان اخاك فلان یستأذنك فی کذا (شامی صفحه ۱۵۹ تا ۱۶۰ جلد ٤)

منعقد ہو جائے گا ورنہ باطل سمجھا جائے گا۔[1]

(وکالت خصوصی) یہ ہے کہ عاقل بالغ مرد یا عورت نے کسی عقلمند آدمی کو اپنا وکیل بناتے ہوئے کہا کہ تمہیں اختیار ہے کہ میرا نکاح فلاں شخص سے اتنے مہر میں کر دو تو وکیل کو چاہئے کہ شخص متعین اور مہر متعینہ پر ہی نکاح کرے اس کے خلاف کیا تو نکاح نافذ نہیں ہوگا بلکہ موکل کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ مثلاً کسی مرد نے وکیل سے کہا کہ میرا نکاح ہندہ سے ایک ہزار روپے مہر پر کر دو۔ وکیل نے اس کا نکاح ایک ہزار روپے پر ہندہ سے کر دیا تو درست اور نکاح نافذ ہوگا بلکہ لیکن اگر اس نے ہندہ کے بجائے خالدہ سے کر دیا یا ہندہ ہی سے ایک ہزار کے بجائے دو ہزار پر کیا تو یہ نافذ نہیں ہوگا بلکہ مؤکل کی اجازت پر موقوف رہے گا موکل نے اجازت دیدی تو ٹھیک ورنہ نکاح باطل سمجھا جائے گا۔[2]

وکیلِ نکاح دوسرے کو وکیل نہیں بنا سکتا

وکیل نکاح کو حق نہیں ہے کہ وہ بھی کسی اور کو اپنا وکیل بنائے اگر اس نے ایسا

---

[1] التوکیل صحیح۔ وهو خاص وعام كلنت وكيلى فى كل شئ عم الكل حتى الطلاق (درمختار على هامش شامى ۲۳۹ تا ۲۴۰ جلد۸) ولو قال لها أزوك من فلان او فلان وذكر جماعة فسكتت فهو رضا يزوجها الولي من ايهم شاء۔ وهذا كله اذا لم تفوض الامر اليه اما اذا قالت انا راضية بما تفعله انت بعد قوله أن اقواما يخطبونك أو زوجني ممن تختاره ونحوه فهو استيذان صحيح (عالم گیری صفحه ۲۸۸ جلد۱) ولو زوجه امرأة بأكثر من مهر مثلها جاز فى قول ابى حنيفة رحمه الله تعالى ولا يجوز فى قول صاحبيه رحمهما الله تعالى اذا زوجه بأكثر من مهر مثلها بما لا يتغابن الناس فيه ولو زوجه امرأة رتقاء أو مقعدة أو مجنونة قيل بأنه يجوز عند الكل والصحيح انه على الاختلاف ايضا۔ ولو وكله بأن يزوجه امرأة ولم يسمها فزوجه امرأة ليست بكفء له جاز فى قول ابى حنيفة لاطلاق اللفظ كما هو الاصل عنده وعندهما فى القياس جاز وفى الاستحسان لايجوز ولو وكلت المرأة رجلا ان يزوجها فزوجها من غير كفء الصحيح انه لايجوز في قولهم ولايجوز للوكيل ان يزوجها صبيا او مجبوبا او مجنونا (فتاوى قاضى خان على هامش الهندية صفحه ٤٦ جلد ۳ فصل فى التوكيل بالنكاح والطلاق والعتاق)

[2] اذا وكل رجلا بان يزوجه فلانة بالف درهم فزوجها اياه بالفين أن اجاز الزوج جاز وان رد بطل (فتاوى قاضى خان على هامش الهندية صفحه ۳٤۷ جلد ۱)۔

کیا اور وکیل ثانی نے پہلے وکیل کی موجودگی میں نکاح پڑھایا تو نکاح درست ہو جائے گا اور اگر وکیل اول وہاں موجود نہیں تو نکاح صحیح نہیں ہوگا۔[۱]

ایک ہی شخص طرفین سے وکیل یا ایک طرف سے وکیل اور اپنی طرف سے اصیل ہوسکتا ہے

ایک ہی شخص مرد و عورت دونوں کی طرف سے وکیل یا اپنی طرف سے اصیل اور دوسرے کی طرف سے وکیل بن سکتا ہے مثلاً عاقل بالغ لڑکا اور لڑکی دونوں نے ایک ہی شخص کو اپنے نکاح کا وکیل بنایا تو وہ وکیل ایک کی طرف سے ایجاب اور دوسرے کی جانب سے قبول کرلے گا تو نکاح صحیح ہو جائے گا۔

اسی طرح اگر عاقلہ بالغہ لڑکی نے ایک شخص کو اپنا وکیل بناتے ہوئے کہا کہ میرا نکاح تو اپنے ساتھ کرسکتا ہے تو اس وکیل نے اگر اس عاقلہ بالغہ کی طرف سے ایجاب اور اپنی طرف سے قبول کرلیا تو اس کا نکاح اس لڑکی کے ساتھ صحیح ہو کر منعقد ہو جائے گا۔[۲]

مہر کا مطالبہ موکل سے ہوگا نہ کہ وکیل سے

عورت مہر کا مطالبہ اپنے شوہر موکل سے کریگی نہ کہ وکیل بالنکاح سے کیونکہ نکاح کے وکیل کی حیثیت محض ایک سفیر اور نمائندہ کی ہے عقد نکاح کی ساری ذمہ داری

---

[۱] والوکیل بالتزویج لیس له ان یوکل غیره فلان فعل فزوجه الثانی بحضرة الاول جاز (فتاوی قاضی خاں صفحہ ۵۸۰ جلد ۳ ملخوذ فتاوی رحیمیہ) صفحہ ۱۰۱ جلد ۲

[۲] (ویتولی طرفی النکاح واحد) بایجاب یقوم مقام القبول فی خمس صور کان ولیا او وکیلا من الجانبین او اصیلا من جانب ووکیلا او ولیا من اخر او ولیا من جانب ووکیلا من اخر کزوجت بنتی من مؤکلی لیس تلک الواحد بفضولی ولو من جانب وان تکلم بکلامین علی الراجح لان قبوله غیر معتبر شرعا لما تقرر ان الایجاب لا یتوقف علی قبول غائب (درمختار علی هامش شامی صفحہ ۲۲۴ تا ۲۲۵ باب الکفائة جلد ۴)

موکل پر عائد ہوگی وکیل پر نہیں ہے[1]

نکاح فضولی

فضولی اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کو نکاح کرنے کرانے کا شرعاً کچھ بھی اختیار نہیں یا تو اپنے اندر اہلیت کے مفقود ہونے کی وجہ سے یا کسی کا ولی یا وکیل نہ ہونے کی وجہ سے۔ تو ایسا شخص بلا شرعی اختیار کے اپنا یا کسی اور کا نکاح بغیر اس شخص کی اجازت کے جس کو اس معاملہ میں شرعاً اختیار ہے کر دیا تو یہ نکاح۔ نکاح فضولی ہے اگر صاحب اختیار نے فضولی کے اس نکاح کو منظور کر لیا تو نکاح نافذ ہوگا ورنہ باطل ہو جائے گا۔

مثلاً کسی نے عاقل بالغ کا نکاح بغیر اس کی اجازت کے کر دیا تو یہ نکاح فضولی ہے جو عاقل بالغ کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ اسی طرح کسی نابالغ لڑکا لڑکی، یا مجنون ومعتوہ کا نکاح اس کے ولی کی اجازت کے بغیر کر دیا گیا یا ہوشمند نابالغ لڑکا لڑکی نے بغیر ولی کی اجازت کے اپنا نکاح خود کر لیا تو یہ تمام صورتیں نکاح فضولی کی ہیں جو اولیاء کی اجازت پر موقوف رہیگا صاحب اختیار (یعنی ولی) نے اجازت دیدی تو نکاح نافذ ہوگا ورنہ باطل ہو جائے گا۔[2]

کفاءت کا بیان

کفاءت کے معنی

کفاءت کے معنی لغت میں مساوات اور برابری کے ہیں۔ اصطلاح شرع

---

[1] ولنا ان الوکیل فی النکاح معبر وسفیر والتملنع فی الحقوق دون التعبیر ولا ترجع الحقوق الیه (هدایه صفحه ۳۲۲ جلد ۲ فصل فی الوکالة بالنکاح)

[2] شروع فی بیان الفضولی وبحض لحکلمه وهو من یتصرف لغیره بغیر ولایة ولا وکالة او لنفسه ولیس اهلا له (البحر الرائق صفحه ۲۴۲ جلد ۳) ونکاح عبد وامة بغیر اذن السید موقوف علی الاجازة کنکاح الفضولی الخ توقف عقوده کلها ان لها مجیز حالة العقد (درمختار) وقال فیها فی فصل بیع الفضولی لو باع الصبی ماله او اشتری او تزوج او زوج امه او کاتب عبده ونحوه توقف عن اجازة الولی فلو بلغ هو فاجاز نفذ (درمختار مع الشامی صفحه ۲۲۵ تا ۲۲۶ جلد ۴

میں چند خاص امور میں خاوند کا بیوی کے ہم پلہ اور برابر ہونا کفاءت ہے۔[1]

کفو کی حقیقت اور اس کی مصلحتیں

شریعت مطہرہ نے مسلمانوں کی حیثیت اور فرق مراتب کا لحاظ صرف ایمان، اعمال صالحہ، تقوی اور اخلاق حسنہ کے تفاوت ہی کی وجہ سے کیا ہے۔ اللہ رب العزت نے ایک کو دوسرے پر فضیلت وفوقیت پانے کا معیار اور ضابطہ بیان کرتے ہوئے فرمایا (اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ[2]) کہ تم میں سے جو زیادہ متقی ہے وہی اللہ کے یہاں باعزت اور مکرم ہے۔ مذہب اسلام میں کسی عربی کو عجمی پر، گورے کو کالے پر، کسی ملک اور صوبہ میں رہنے والے کو دوسرے ملک اور صوبہ میں رہنے والے پر اور مالداروں کو غریبوں پر، کوئی فوقیت وبرتری نہیں دی گئی ہے فضیلت وفوقیت کا معیار یہاں صرف تقوی ہے۔ اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ حسب ونسب، اور قومیت وبرادری کا لحاظ کئے بغیر ایک مسلمان دوسرے مسلمانوں کے یہاں بلا تکلف رشتۂ نکاح کر لیتے۔ مگر شریعت اسلامیہ نے ان چیزوں کا لحاظ کرتے ہوئے نکاح میں کفو کی قید لگادی ہے کہ رشتۂ نکاح قائم کرنے میں دینی ومعاشی اور معاشرتی مناسبت کا اعتبار کیا جائے وجہ یہ ہے کہ نکاح کے بہت سے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد یہ ہے کہ نکاح کے ذریعہ زوجین اور ان کے خاندانوں کے مابین اس قدر الفت ومحبت پیدا ہوجائے کہ ایک دوسرے سے بالکل اجنبیت محسوس نہ کریں ازدواجی زندگی ہمیشہ کیلئے خوشگوار ہوجائے اور یہ چیزیں کفو کا لحاظ کئے بغیر ممکن نہیں کیونکہ ذرا بھی عقل رکھنے والا اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے انکار نہیں کرسکتا کہ ماحول اور طرز معاشرت کے مختلف ہوجانے سے

---

[1] الکفاءۃ بالفتح مصدر واسم منہ الکف وھو النظیر من کافأہ اذا ساواہ فھی معتبر فی النکاح (عنایۃ علی الہدایۃ مع فتح القدیر صفحہ ۱۸۶ جلد ۳) [2] سورہ حجرات آیت ۱۳

مزاجوں اور عادتوں میں عموماً اختلاف پیدا ہو ہی جاتا ہے ایک خاص ماحول، شیشہ مزاج مہذب دشرعہ، علمی و دینی خاندانوں میں پلی ہوئی لڑکی کا نکاح اگر ایسے شخص سے کر دیا جائے جس کا خاندانی پیشہ آنتوں کی چربی نکالنا، جھاڑو لگانا یا اس کے مثل کوئی خسیس پیشہ ہو جس کی وجہ سے اس کا پورا بدن بدبو سے متعفن رہتا ہو۔ تو بھلا سوچئے کہ اس نازک مزاج لڑکی کے دل و دماغ پر کیا اثر ہوگا اس کے لئے یہ رشتہ خوشگوار ہونے کے بجائے نہایت تلخ بلکہ ہمیشہ کیلئے جہنم کا نمونہ بن کر رہ جائیگا۔ جس دین فطرت میں اس قسم کے پیشہ وروں کا بغیر پاکی وصفائی حاصل کئے جماعت میں شرکت کے لئے مسجد میں آنا اسلئے ناپسند قرار دیا گیا ہے کہ تھوڑی دیر دوسرے کو تکلیف ہوگی تو کیا وہی شریعت مستقل کسی کی تکلیف واذیت برداشت کرسکتی ہے۔ بس انہیں مصالح کیوجہ سے کفاءت کا لحاظ کیا گیا ہے اور غیر کفو میں نکاح کرنے کی صورت میں چند مخصوص شرائط کیساتھ فسخ نکاح کا اختیار دیا گیا ہے اسی وجہ سے نومسلم و غیر مسلم کے مابین رشتۂ نکاح کو ناجائز قرار دیا گیا ہے کیونکہ ایک موحد اور بت پرست کے درمیان آسمان وزمین کا فرق ہے لیکن اہل کتاب سے یہ اختلاف ذرا کم ہو جاتا ہے اس لئے مسلم مرد کو کتابیہ عورت سے نکاح کرنے کی اجازت دی گئی ہے اس کے برعکس مسلمہ عورت کا نکاح کتابی مرد سے ممنوع اور ناجائز قرار دیا گیا ہے کیونکہ عورت اکثر مغلوب ہو کر شوہر کے تابع ہو جاتی ہے جس سے اہل اسلام کے مغلوب اور اہل کتاب کے غالب ہونے کا احتمال تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کفاءت کا لحاظ کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا تخیروا لنطفکم وانکحوا الاکفاء[۱] کہ اپنے نطفہ کیلئے اچھے رشتے کا انتخاب کرو اور اس کا نکاح برابری میں کرو دوسری جگہ تفصیل سے بیان فرمایا۔

---

[۱] (ابن ماجہ صفحہ ۱۴۱ جلد ۱)

اذا اتاکم من ترضون خلقه و دینه فزوجوه الا تفعلوا تکن فتنة فی الارض وفساد عریض [۱]

کہ جب کوئی ایسا رشتہ آجائے جسکے دین و اخلاق سے تم راضی ہو تو اس سے نکاح کرلو ورنہ بڑا فتنہ اور فساد زمین میں برپا ہو جائے گا۔

اسی طرح دارقطنی کی حدیث میں ارشاد ہے۔ (لاتنکحوا النساء الا الاکفاء) کہ عورتوں کی شادی ان کے کفو ہی میں کرو۔

کفاءت کا اعتبار کن چیزوں میں کیا جائے۔

کفاءت میں چھ چیزوں کا لحاظ کیا گیا ہے۔ (۱) کفاءت میں سب سے پہلے اسلام کا لحاظ ضروری ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ کافر مسلمان کا کفو نہیں لہٰذا زوجین عقیدہ کے لحاظ سے مسلمان ہیں تو ٹھیک ورنہ رشتۂ نکاح قائم نہیں ہوسکتا حتی کہ کافر نکاح کا وکیل اور گواہ بھی نہیں ہوسکتا، نو مسلم اور قدیم خاندانی مسلمان ایک دوسرے کے کفو ہیں۔ (۲) حریت یعنی آزادی کا بھی کفو میں لحاظ کیا گیا ہے لہٰذا غلام اور باندی آزاد شخص کے برابر نہیں ہے [۲]

(۳) دینداری اور تقوی کا بھی لحاظ ضروری ہے یعنی ایسا شخص جو دین کا پابند نہیں لچا، لفنگا، آوارہ، شرابی، بدکار ہے تو وہ نیک بخت، پارسا، دیندار عورت کے برابر کا نہیں [۳]

[۱] ابن ماجه صفحه ۱٤۱ جلد۱)

[۲] (فتعتبر حرية واسلاما) لفادان الاسلام لايكون معتبرا فى حق العرب كما اتفق عليه ابو حنيفة وصاحباه لانهم يتفاخرون به وانما يتفاخرون بالنسب فعربى له اب كافر يكون كفؤا لعربية لها اب فى الاسلام واما الحرية فهى لازمة للعرب لانه لايجوز استرقاقهم نعم الاسلام معتبر فى العرب بالنظر الى نفس الزوج لا لى ابيه وجده (شامى ۲۱۱ ج٤)

[۳] تعتبر الكفائة فى الديانة وهذا قول ابى حنيفة وابى يوسف" وهو الصحيح كذا فى الهداية فلايكون الفاسق كفا للصالحة كذا فى المجمع سواء معلن الفسق اولم يكن (عالم گیر صفحه ۲۹۱ جلد۱)

(۴) مالداری میں برابری کا مطلب یہ ہے کہ بالکل مفلس محتاج شخص مالدار عورت کے برابر کا نہیں اگر بالکل مفلس نہیں ہے بلکہ جتنا مہر پہلی رات میں دینے کا دستور ہے اتنا مہر دینے کی استطاعت ہے اور نان نفقہ بھی ادا کرسکتا ہے تو وہ مالدار لڑکی کے میل کا ہے اگرچہ سارا مہر ایک مرتبہ نہ دے سکے یہ ضروری نہیں کہ جتنی مالدار لڑکی ہے اتنا ہی مالدار لڑکا بھی ہو یا اس کے قریب ہو۔ل

(۵) پیشہ میں برابری کا تو کوئی خاص لحاظ نہیں کیا گیا ہے کہ حرفت و پیشہ کے مختلف ہونے کی وجہ سے رشتہ نہ کیا جائے اور کرلیا تو فسخ کا حق ہوگا۔ کیونکہ اب تو ہر طرح کا پیشہ عام ہے کسی برادری کیساتھ کوئی پیشہ خاص نہ رہا۔ البتہ بعض پیشہ اب بھی معاشرہ میں گھناؤنا اور گرا ہوا سمجھا جاتا ہے تو نکاح میں اس کا لحاظ کرنا ضروری ہوگا جیسے نائی، دھوبی، بھنگی وغیرہ کا پیشہ اعلیٰ قسم کے لوگ اختیار نہیں کرتے تو ان پیشوں میں کفو کا لحاظ ہوگا علامہ شامی نے اس پر مبسوط کلام کیا ہے حاصل یہ ہے کہ اس کا مدار عرف پر ہے عرفاً خسیس پیشہ والا اعلیٰ پیشہ والے کا کفو نہیں ہے۔ ع

(تنبیہ) فقہاء نے پیشہ کا لحاظ اس لئے کیا ہے کہ ہم پیشہ لوگوں کا رہن سہن ایک جیسا ہوتا ہے ان کے یہاں شادی کرنے میں سہولت ہوتی ہے معاشی اعتبار سے بھی فائدہ ہوتا ہے مگر اسلامی نقطہ نظر سے یہ سمجھنا کہ کسی پیشہ کیساتھ عزت اور کسی پیشہ

ل (منها الكفاءة في المال) وهو ان يكون مالكاً للمهر والنفقة وهو المعتبر في ظاهر الرواية حتى ان من لايملكهما اولا يملك احدهما لا يكون كفأ كذا في الهداية موسرة كانت المرأة او معسرة هكذا في التجنيس والمزيد ولا تعتبر الزيادة على ذلك حتى ان من كان قادر اعلى المهر والنفقة كان كفألها وان كانت هي صاحبة اموال كثيرة هو الصحيح من المذهب (عالم گیری صفحہ ۲۹۱ جلد ۱)

ع (وحرفة) ذكر الكرخي ان الكفاءة فيها معتبر عند ابي يوسف وان ابا حنيفة بنى الأمر فيها على عادة العرب ان مواليهم يعملون هذه الاعمال لا يقصدون بها الحرف فلا يعيرون بها واجاب ابو يوسف على عادة اهل البلاد وانهم يتخذون ذلك حرفة فيعيرون بالدنئ منها فلا يكون بينهما خلاف في الحقيقة بدائع فعلى هذا لوكان من العرب من اهل البلاد من يحترف بنفسه تعتبر فيهم الكفاءة فيها وحينئذ فتكون معتبرة بين العرب والعجم... وفي الفتح ان الموجب هو استنقاص اهل العرف فيدورمعه (شامي صفحه ۲۱۰ جلد۴)

کیساتھ ذلت کی چھوٹی ہوتی ہے کہ جہاں کسی نے ایک دو پشت کوئی خاص پیشہ اختیار کیا بس وہ ہمیشہ کے لئے ذلیل ہوگیا چاہے بعد میں کتنا ہی اچھا پیشہ کیوں نہ اختیار کرلے اور کتنا ہی خوبیوں کا مالک کیوں نہ ہو جائے یہ نظریہ بالکل غلط ہے۔ حضرت امام اعظمؒ سے ایک قول منقول ہے وہ فرماتے ہیں۔

ان الحرفة ليست بلازمة ويمكن التحول عن الخسيسة الى النفيسة [۱]	کہ پیشہ کسی کیساتھ ہمیشہ چمٹا نہیں رہتا بلکہ ممکن ہے کہ ایک آدمی گھٹیا کام چھوڑ کر اچھا کام کرنے لگے۔

(۶) نسب کی شرافت اور اس کی فضیلت کا اعتبار شریعت نے تو کیا ہے اور کفو میں اس کا اعتبار بھی کیا گیا ہے کہ ادنی نسب والا اعلی نسب والے کا کفو نہیں مگر یہ جب ہے کہ نسب محفوظ ہو یہ بات اہل عرب خاص کر قریش اور عجم کے بعض ان خاندانوں کو حاصل ہے جنہوں نے اپنے نسب کو محفوظ رکھا ہے اور عجم میں سے جن کا نسب محفوظ نہیں وہ ایک دوسرے کے کفو ہیں۔

(تنبیہ) شریعت میں نسب کی شرافت کا اعتبار تو کیا گیا ہے مگر اس سے یہ سمجھ لینا کہ ایک برادری کو دوسری برادری پر یہ شرافت و فضیلت دائمی ہے ایک خاص برادری کے اندر جو پیدا ہو گیا وہ ہمیشہ ذلیل وخوار ہی رہے گا چاہے کتنا ہی علم وشرافت کا مالک کیوں نہ بن جائے اور اچھا پیشہ کیوں نہ اختیار کرلے اور دوسرے خاندان و برادری کے اندر جو پیدا ہو گیا وہ ہمیشہ ہر حال میں معزز ہی رہے گا چاہے ان پڑھ و جاہل ہو اور گھٹیا پیشہ اختیار کر رکھا ہو ہندوستان و پاکستان وغیرہ میں جو برادری اور خاندانوں کی جو مستقل گروہ بندی ہوگئی ہے کہ کوئی سید کوئی شیخ کوئی مغل کوئی پٹھان کوئی انصاری تو کوئی منصوری اور کوئی سبزی فروش اور کوئی درزی وغیرہ یہ کوئی مستقل برادری نہیں۔ اصل میں پیشہ اور اختلاف معاشرت کی وجہ سے یہ تقسیم ہوگئی تھی مگر لوگوں نے اس کو مستقل برادری

---

[۱] ھدایۃ ۳۲۱ جلد۲ کتاب النکاح)

سمجھ لیا۔ اور اب تو اس میں اس قدر تعصب کی بو آ گئی ہے کہ کسی برادری کا کوئی کتنا ہی پڑھا لکھا، صالح لڑکا ہو مگر دوسری برادری کے لوگ اس سے اپنی لڑکی کا رشتہ کرنے میں عار محسوس کرتے ہیں یہ اسلامی روح کے بالکل خلاف ہے کسی پیشے کی وجہ سے ذلت پیدا نہیں ہوتی بلکہ ان عادات قبیحہ کی وجہ سے ذلت پیدا ہوتی ہے جو پیشے کے ساتھ مخصوص ہیں مثلاً رہن سہن اور بات چیت کی خرابی اور علم وفضل وغیرہ کا نہ ہونا اگر یہ عادات ختم ہو جائیں تو پھر اس کا مصداق ان کو قرار دینا غلط ہے چنانچہ ایک شخص نسباً صدیقی ہے مگر جاہل ہے دوسرا پٹھان یا درزی اور منصوری ہے مگر صاحب علم وفضل ہے تو کفو کے اعتبار سے اس صدیقی جاہل سے بڑھا ہوا ہے چنانچہ صاحب درمختار اسی کو واضح انداز میں تحریر فرماتے ہیں کہ

کان شرف العلم اقوی من شرف النسب بدلالۃ الآیۃ (ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون) [1]	علم کی شرافت نسب کی شرافت سے زیادہ قوی ہے جیسا کہ اس آیت قرآنی سے صاف معلوم ہوتا ہے کیا جو لوگ اہل علم ہیں وہ اور غیر اہل علم برابر ہو سکتے ہیں۔

چنانچہ حسب، نسب، حسن وجمال اور مال دولت پر دین داری کو ترجیح دینے کے متعلق حضور ﷺ نے بھی ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے۔

ان المرأۃ تنکح علی دینھا ومالھا وجمالھا فعلیک بذات الدین تربت یداک [2]	کہ عورت سے نکاح کیا جاتا ہے دین کی بنا پر یا مال ودولت کی بنا پر یا حسن وجمال کی بنیاد پر تم دین واخلاق والی عورت کو

نکاح کیلئے منتخب کرو اگرچہ تمہیں یہ ناگوار معلوم ہو۔

(فائدہ) قرآن وحدیث سے معلوم ہوا کہ لڑکی کے انتخاب میں سب سے پہلے اخلاق دیکھنا چاہئے تب دوسری چیزوں کا لحاظ کیا جانا چاہئے دین کے اوپر دوسری

[1] شامی صفحہ ۲۱۸ جلد ۴ [2] (ترمذی شریف صفحہ ۲۰۷ جلد ۱)

چیزوں کو ترجیح دینا قرآن وحدیث اور روح اسلامی کے خلاف ہے۔ لہٰذا یہ قومیت وبرادری جو دائمی طور سے شرف وعزت کا سبب بن گئی ہے یہ کوئی اہل عرب کی طرح مستقل نسب نہیں ہے اس لئے اس میں آہستہ آہستہ تبدیلی لانے کی ضرورت ہے کہ ایک برادری کے لوگ دوسری برادری میں رفتہ رفتہ رشتہ نکاح قائم کرنا شروع کردیں۔

نسب میں کس کا اعتبار ہوگا باپ کا یا ماں کا

نسب میں اعتبار باپ کا ہے ماں کا نہیں یعنی باپ جس خاندان اور جس برادری کا ہوگا اولاد بھی اسی برادری کی سمجھی جائے گی اگرچہ ماں دوسرے خاندان وبرادری کی ہو۔[1]

کفاءت میں صرف مرد کا عورت کے برابر ہونا ضروری ہے

کفاءت میں صرف مرد کا عورت کے ہم پلہ ہونا ضروری ہے اس کے برعکس عورت کا مرد کے برابر ہونا ضروری نہیں۔ مثلاً مرد مفلس ہے تو وہ مالدار عورت کا کفو نہیں اور اگر عورت غریب ہے تو وہ مالدار مرد کا کفو ہے۔[2]

کفاءت کا اعتبار بوقت عقد نکاح ہے

کفو کا اعتبار نکاح کے وقت کیا جائے گا بعد میں اگر کفاءت ختم ہوگئی تو اس کا اعتبار نہیں مثلاً مرد بوقت عقد نکاح مالدار تھا بعد میں غریب ہوگیا کہ نفقہ پر بھی قادر نہ رہا تو کفاءت کی بنیاد پر عورت کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں ہوگا۔[3]

---

[1] ویوخذ من هذا أن من كانت لها علوية مثلا وابوها عجمي يكون العجمي كفوأ لها وان كان لها شرف ما لان النسب للاباء ولهذا جاز دفع الزكاة اليها فلا يعتبر التفاوت بينهما من جهة شرف الام ولم ار من صرح بهذا والله اعلم (شامی ۲۱۰ تا ۲۱۱ جلد ۴)

[2] (اوكون المرأة ادنى) لعترضه الخير الرملي بما ملخصه أن كون المرأة ادنى ليس بكفاءة غير ان الكفاءة من جانب المرأة غير معتبرة (شامی صفحه ۲۰۶ جلد۴)

[3] (الكفاءة معتبرة) في ابتداء النكاح للزومه او لصحته (درمختار على هامش شامی صفحه ۲۰۶ جلد ۴)

غیر کفو میں نکاح کرنے کی وجہ سے فسخ نکاح کا اختیار

غیر کفو میں فسخ نکاح کے اختیار ملنے کی چند صورتیں ہیں۔ (۱) بالغ لڑکی نے جان بوجھ کر اپنا نکاح غیر کفو میں کیا تو اولیاء کو نکاح فسخ کرانے کا اختیار ہوگا۔ کیونکہ حق کفاءت جس طرح زوجہ کو حاصل ہے اسی طرح اس کے اولیاء کو بھی حاصل ہے۔[۱] (۲) بالغ لڑکی نے اپنا نکاح کفو کی تحقیق کے بغیر کیا مگر بعد میں ظاہر ہوا کہ لڑکا اس کا کفو نہیں تو عورت کو عدم کفاءت کی وجہ سے تفریق کا حق نہیں مگر ولی کو تفریق و فسخ کا حق ہے۔[۲] (۳) عقد نکاح کے وقت شوہر نے دھوکا دیکر اپنا کفو ظاہر کیا مگر بعد میں معلوم ہوا کہ کفو نہیں تو اولیاء اور عورت دونوں کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا۔ (۴) البتہ اگر لڑکی اور اس کے اولیاء کو شروع ہی سے پتہ تھا کہ لڑکا ہم پلہ نہیں ہے پھر بھی دونوں نے باہمی رضامندی سے اس لڑکے سے نکاح کرلیا تو اب کسی کو اعتراض کا حق حاصل نہیں ہوگا۔[۳] (۵) لڑکی نے جان بوجھ کر غیر کفو میں نکاح کیا اور اولیاء میں سے کسی نے اپنی رضامندی کا اظہار بھی کردیا یا کسی ولی نے ہی لڑکی کی رضامندی سے غیر کفو میں نکاح کردیا تو اس ولی کے برابر اور نیچے والے اولیاء کو نکاح فسخ کرانے کا حق نہیں ہوگا البتہ اس کے اوپر کے اولیاء کو حق فسخ حاصل ہوگا۔[۴] (۶) اگر ولی اقرب (باپ دادا) نے غیر کفو میں نکاح کردیا تو بعد میں نہ تو خود لڑکی کو فسخ نکاح کا حق ہوگا اور نہ کسی اور ولی کو

---

[۱] والکفاءۃ هی حق الولی لا حقها (درمختار) وفیه نظر بل هی حق لها ایضا (شامی صفحه ۲۰۷ جلد ۴) [۲] ثم المرأۃ اذا زوجت نفسها من غیر کفوء صح النکاح فی ظاهر الروایة الخ ولکن للاولیاء حق الاعتراض (عالم گیری صفحه ۲۹۲ جلد۱)

[۳] فهذه المسئلة دلیل علی ان المرأۃ اذا زوجت نفسها من رجل ولم تشترط الکفاءۃ ولم تعلم انه کفؤ او غیر کفؤ ثم علمت انه غیر کفؤ لا خیار لها ولکن للاولیا الخیار وان کان الاولیاء هم الذین باشروا عقد النکاح برضاها ولم یعلموا انه کفؤ او غیر کفؤ فلا خیار لواحد منهما واما اذا شرط الکفاءۃ او اخبرهم بالکفاءۃ ثم ظهر انه غیر کفؤ کان لهم الخیار (عالم گیری ۲۹۳ جلد۱)

[۴] ولذا زوجت نفسها من غیر کفؤ ورضی به احد الاولیاء لم یکن لهذا الولی ولا لمن مثله او دونه فی الولایة حق الفسخ ویکون ذلك لمن فوقه کذا فی فتاوی قاضی خان وکذا اذا زوجها احد الاولیا برضاها (عالم گیری ۲۹۳ جلد۱)

(باب الولایۃ میں مسئلہ گذر چکا) ۱؎

نکاح رشتہ داروں میں کیا جائے یا غیر میں

شریعت میں وسعت ہے جہاں چاہیں نکاح کرسکتے ہیں قرآن کا حکم عام ہے۔ (فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ ۲؎) کہ عورتوں میں جو تمہیں پسند ہو اس سے نکاح کرلو اس میں خاندان وغیر خاندان کی کوئی قید نہیں لیکن اگر خاندان میں نکاح کو ترجیح دیئے کی وجہ صرف یہ ہو کہ دین داری اور اخلاق وعادات دوسری جگہ نہ ملتے ہوں۔ اور دوسری جگہ نکاح کرنے میں امور خانہ داری کا اختلاف، زوجین کی نا اتفاقی اور آپسی تنافر کا باعث ہوگا تو اس مقصد سے قومیت اور رشتہ داری کو ترجیح دینا جائز ہی نہیں بلکہ بہتر ہوگا کیونکہ حضور علیہ ﷺ نے بھی اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کا نکاح اپنے ہی خاندان کے لڑکے حضرت علیؓ سے کیا ہے۔ مگر غیر خاندان میں نکاح نہ کرنے کا باعث صرف فخر، تکبر اور دوسرے خاندان کو اپنے سے ہیچ اور گھٹیا سمجھنا ہو کہ دوسرے خاندان کا لڑکا کتنا ہی اچھا، دین دار، شریعت کا پابند ہی کیوں نہ ہو پھر بھی رشتہ داری کیلئے تیار نہیں تو یہ ناجائز اور خلاف شریعت ہے۔ ۳؎

رشتہ طے کرنے میں کن باتوں کا لحاظ کیا جائے

شادی بیاہ کا معاملہ پوری زندگی کا معاملہ ہے اس لئے مرد و عورت اور ان کے اولیاء کے لئے مناسب ہے کہ رشتہ کے انتخاب میں مندرجہ ذیل امور کا لحاظ رکھیں۔ (۱) جب کوئی اپنا یا اپنی اولاد کا رشتہ کرنا چاہے تو نکاح کا پیغام دینے سے قبل ایک دوسرے کے حالات وعادات واطوار اور ان کے گھریلو ماحول کی خوب اچھی طرح جستجو کرلے

۱؎ وللولي ... إنكاح الصغير والصغيرة جبرا ولو ثيبا.. ولزم النكاح ولو بغبن فاحش بنقص مهرها وزيادة مهره اوزوجها بغير كفء (درمختار على هامش شامى صفحه ۱۶۹ تا ۱۷۱ جلد ۴) ۲؎ سورة النساء آيت ۳

۳؎ (مستفاد فتاوى دار العلوم صفحه ۱۹۶ ج ۸ واحسن الفتاوى صفحه ۱۸ جلد ۵)

تا کہ بعد میں کوئی چیز ایسی معلوم نہ ہو کہ طبیعت و مزاج کے خلاف ہونے کی وجہ سے نا اتفاقی و کشیدگی کا باعث ہو کیونکہ شادی بیاہ پوری زندگی کا سودا ہے اس لئے خوب غور وخوض کرلیا جائے۔ (۲) حالات کی تحقیق کے بعد لڑکے سے خود اس کی رائے معلوم کرلی جائے اگر خود رائے کا اظہار نہ کرسکتا ہو تو اس کے ہم عمر دوستوں سے دلی رغبت کا پتہ چلایا جائے۔ کیونکہ اس کے مزاج وطبیعت کے خلاف رشتہ ہونے میں جوڑ ہونے کے بجائے توڑ کا خطرہ ہے۔ بعض لوگ اپنے تعلقات برقرار رکھنے کیلئے اپنے پسند کئے ہوئے رشتہ پر اپنے جوان لڑکے کو مجبور کرتے ہیں اس کے مزاج کا بالکل خیال نہیں کرتے۔ لڑکا بادل ناخواستہ آمادہ ہو جاتا ہے مگر ایسا رشتہ نبھتا نہیں بلکہ بعض حالات میں تو طلاق کی نوبت آجاتی ہے البتہ اگر ماں باپ کو معلوم ہو کہ لڑکا نفس کی شرارت میں اچھی جگہ کو چھوڑ کر غلط جگہ رشتہ کرنا چاہتا ہے تو اس کو سمجھانا اور بہتر رشتہ کی خوبیاں بیان کرنا والدین کا اخلاقی فریضہ ہے۔

اسی طرح لڑکی کے متعلق حضور ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب آپؐ اپنی کسی صاحبزادی کا نکاح کرنا چاہتے تو پردہ کے پاس بیٹھ کر فرماتے کہ فلاں شخص تمہارے بارے میں گفتگو کر رہا ہے اگر صاحبزادی زبان سے انکار کرتی تو نکاح نہ کرتے اگر خاموش رہتی تو نکاح کردیتے بعض روایت میں ہے کہ صاحبزادی پردہ ہلا دیتی تو نکاح نہ کرتے اگر پردہ نہ ہلاتی تو نکاح کردیتے۔[۱]

(۳) بہتر یہ ہے کہ لڑکی، لڑکے سے عمر میں دو چار سال چھوٹی اور عزت وشرافت حسب ونسب، مال ودولت اور منصب وعہدہ میں اپنے خاوند سے نیچے ہو۔ اور اخلاق وعادات، خوش سلیقگی، آداب، حسن وجمال، تقوی اور پرہیزگاری میں اپنے شوہر سے زیادہ ہو۔[۲]

---

[۱] بیہقی [۲] وکونہا دونہ سنا وحسبا وعزا ومالا وفوقہ خلقا وادبا وورعا وجمالا (درمختار علی ھامش شامی صفحہ ۶۷ جلد ۲)

(۴) لڑکی کے انتخاب میں مال ودولت اور حسن و جمال کے مقابلے میں اخلاق ودینداری کو ترجیح دینی چاہئے چنانچہ ایک حدیث میں حضور ﷺ نے واضح فرمایا ہے (من ترضون دینه و خلقه فزوجوه[۱]) کہ جس کے دینی واخلاقی حالات سے مطمئن ہوتو رشتہ قبول کرلو۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ حسن و جمال کو بالکل نظر انداز کر دیا جائے اگر دینداری کیساتھ حسن و جمال بھی ہے تو (نور علی نور) اسی کو ترجیح دی جائے۔ (۵) نسبت طے کرنے سے قبل ایک دوسرے کو دیکھ لیں۔

(نظر الی المخطوبه) منگیتر کو دیکھنا

نکاح انسانی زندگی کا بہت بڑا مرحلہ اور پائیدار رشتہ ہے اس کے ذریعہ پوری زندگی کا سودا ہوتا ہے اس لئے اس میں انسانی جذبات وخواہشات کا لحاظ اور اس کی نفسیات کا احترام بہت ضروری ہے اس لئے دین فطرت نے فطرت انسانی کا پورا خیال کرتے ہوئے اس بات کی اجازت دی ہے کہ نکاح سے قبل زوجین ایک دوسرے سے ضرور واقفیت حاصل کرلیا کریں تاکہ بعد میں کسی کو پچھتانا نہ پڑے بنابریں شریعت نے مخطوبہ (جس سے شادی کرنے کا ارادہ ہوا سے) دیکھنے کی صرف اجازت نہیں بلکہ آپ ﷺ نے ایک حدیث میں اس کی تاکید فرمائی۔

اذا خطب احدكم المرأة فان استطاع ان ينظر الى مايدعوه الى نكاحها فليفعل [۲]	کہ جب تم میں سے کوئی کسی عورت کو نکاح کا پیغام دے تو اگر وہ مرد (عورت کے ان اعضاء) کو دیکھنے پر قادر ہو جو

اس کو نکاح کی رغبت دلاتے ہیں تو ایک نظر دیکھ لے۔

---

[۱] ترمذی شریف ۲۰۷ جلد ۱

[۲] (ابوداؤد ۲۸۴ جلد ۱)

مخطوبہ کو دیکھنا بقاء محبت کا سبب ہے

عن المغیرة بن شعبة قال خطبت امراة فقال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھل نظرت الیھا قلت لا قال فانظر الیھا فانہ احری ان یؤدم بینکما۔ [۱]

حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا تو حضور ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تم نے اس عورت کو دیکھا ہے میں نے کہا نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اس عورت کو ایک نظر دیکھ لو کیونکہ تمہارے درمیان الفت ومحبت پیدا ہونے کے لئے اس کو ایک نظر دیکھ لینا بہت مناسب ہے۔

(فائدہ) دیکھنے کے بعد جب نکاح ہوتا ہے تو پچھتاوا نہیں ہوتا اور نہ اپنے اس انتخاب پر بعد میں کوئی شرمندگی و پریشانی اٹھانی پڑتی ہے۔

منگیتر کو کب اور کیسے دیکھا جائے

عن ابی ھریرة قال جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال انی تزوجت امراة من الانصار قال فانظر الیھا فان فی اعین الانصار شیئا رواہ مسلم [۲]

حضرت ابو ہریرۃ ﷺ سے منقول ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں ایک انصاری عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہوں (اس سلسلے میں آپ کا کیا مشورہ ہے) تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اس عورت کو دیکھ لو (تو بہتر ہوگا) کیونکہ انصاریوں کی آنکھ میں کچھ خرابی ہوتی ہے۔

(فائدہ) اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے علماء محدثین تحریر فرماتے ہیں کہ

---

[۱] مشکوۃ شریف صفحہ ۲۶۹ جلد ۲

[۲] مشکوۃ صفحہ ۲۶۸ جلد ۲

خاطب لڑکی کے پڑوسیوں، یا کسی ایسے شخص سے جو مخطوبہ کی حالت سے واقف ہو تحقیق کرے تو خیر خواہی کے نقطۂ نظر سے اسکے عیوب وخوبیوں کو بیان کر دینا دیانت داری ہے کسی خامی وخوبی کو پوشیدہ رکھنے کے بجائے ظاہر کر دینا جائز ہے غیبت نہیں ہے۔

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے علامہ نوویؒ شارح مسلم تحریر فرماتے ہیں کہ دیکھنے اور پسند کرنے کا عمل پیغام دینے سے قبل ہونا چاہئے ورنہ ناپسندیدگی کی صورت میں نکاح نہ کیا تو لڑکی اور اس کے اولیاء کی بدنامی ہوگی جوان کی تکلیف کا باعث ہے نیز دیکھنے کے لئے لڑکی کی اجازت بھی ضروری نہیں کیونکہ لڑکیاں اکثر دکھانے سے عار محسوس کرتی ہیں اس لئے آڑ میں چھپ کر دیکھ لیا جائے۔[۱] (بہتر صورت یہ ہے کہ لڑکی کے کسی پڑوس میں جاکر بہانا سے بلوا کر دیکھ لیا جائے) چنانچہ اس سلسلے میں ایک روایت بھی منقول ہے۔

عن محمد بن سلمة قال خطبت امرأة فجعلت أتخبأ لها حتى نظرت اليها فى نخل لها فقيل له اتفعل هذا وانت صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول اذا القى الله فى قلب امرأ خطبة امرأة فلا بأس ان ينظر اليها [۲]

کہ ایک صحابی رسول ﷺ محمد بن سلمہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا پس میں نے اپنے آپ کو چھپا کر اس عورت کو ایک کھجور کی آڑ میں دیکھ لیا (جب پتہ چلا تو اس کو برا مانا گیا) اور ان سے کہا گیا کہ تم ایک صحابی رسولؐ ہو کر ایسی حرکت کرتے ہو اس پر انہوں نے جواب دیا کہ میں نے حضور ﷺ کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ

[۱] (صحيح مسلم مع شرح نووی صفحه ٤٥٧ جلد١)
[۲] (ابن ماجه صفحه ١٣٤ جلد١)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کے دل میں کسی عورت کے بارے میں پیغام کی بات ڈالے تو اس کیلئے اس عورت کو دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

پیغام قبول کرنے کی امید ہو تب دیکھے

جوان مشتہاۃ لڑکی کو بھی پسند کرنے کی غرض سے مطلقاً دیکھنا جائز ہے خواہ دیکھنے میں شہوت کا خطرہ ہی کیوں نہ ہو بشرطیکہ پیغام قبول کرنے کی توقع ہو اگر پیغام قبول کرنے کی امید نہ ہو تو پھر دیکھنا جائز نہیں ہے۔[۱]

مخطوبہ کا کتنا جسم دیکھنا جائز ہے

مخطوبہ کا صرف چہرہ اور اس کی ہتھیلیاں ہی دیکھنا جائز ہے اگرچہ جنسی ہیجان سے مامون نہ ہو کیونکہ اس کے لئے یہ اعضاء ستر کے حکم میں نہیں[۲] شارح بخاری حافظ ابن حجرؒ جمہور کا قول نقل کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

قال الجمهور لا باس ان ينظر الخاطب الى المخطوبه قالوا لا ينظر الى غير وجهها و كفيها الخ وقال الجمهور ايضاً ويجوز ان ينظر اليها اذا اراد ذالک بغير اذنها وعن مالک رواية يشترط اذنها[۳]

کہ جمہور علماء کا قول ہے کہ مخطوبہ کو دیکھنے میں کوئی حرج نہیں مگر چہرہ اور ہتھیلیوں کے علاوہ کچھ اور نہ دیکھے اس میں جمہور کے نزدیک تو عورت کی اجازت بھی ضروری نہیں البتہ حضرت امام مالکؒ اجازت کی شرط لگاتے ہیں۔

---

[۱] (قوله والنظر اليها قبله) اى وان خاف الشهوة كما صرحوا به فى الحظر والاباحة وهذا اذا علم انه يجاب فى نكاحها (شامى صفحه ۶۷ ج ۴

[۲] ولو اراد ان يتزوج امرأة فلا بأس ان ينظر اليها وان خاف ان يشتهيها (شامى ۵۳۲ جلد ۹ كتاب الحظر والاباحة)۔

[۳] فتح البارى صفحه ۲۲۸ جلد ۱۰)

خاطب کے بجائے رشتہ دار خاتون کا دیکھنا مناسب ہے

خاطب کو اپنی مخطوبہ کا دیکھنا اس وقت مناسب اور بہتر ہے جبکہ لڑکی اور اس کے سرپرستوں کو ناگوار معلوم نہ ہو اور آسانی سے دیکھنا ممکن ہو ورنہ بہتر یہ ہے کہ اپنی رشتہ دار خاتون یعنی ماں بہن دادی یا کسی معتمد عورت کو بھیج دے وہ مخطوبہ کو دیکھ بھال کر اور تمام حالات کا جائزہ لیکر خاطب (یعنی ہونے والے شوہر کو) بتادے پھر اس کے بعد سوچ سمجھ کر عملی اقدام کیا جائے۔ ایک موقع پر خود حضورؐ نے بھی یہ صورت اختیار فرمائی تھی جیسا کہ علامہ عینیؒ نے بیہقی اور مستدرک کے حوالہ سے ایک روایت نقل کی ہے۔

ان النبی ﷺ اراد ان یتزوج امرأۃ فبعث بامرأۃ لتنظر الیھا[1]

کہ نبی کریم ﷺ نے ایک عورت سے شادی کرنیکا ارادہ کیا تو ایک خاتون کو اس کے پاس بھیج دیا تاکہ وہ اس عورت کو اچھی طرح دیکھ بھال کر آئے اور آپ کو بتائے۔

مخطوبہ کو خاطب کے رشتہ دار مرد وغیرہ کا دیکھنا

بعض علاقے میں یہ عام رواج ہے کہ خاطب اور اسکی رشتہ دار خاتون کے بجائے رشتہ دار مرد باپ بھائی دوست احباب وغیرہ مخطوبہ کو دیکھنے جاتے ہیں بلکہ بعض اوباش، ضمیر فروش بے غیرت لڑکے تو اپنے ہندو دوستوں کو بھی اپنی ہونے والی بیوی کے پاس دیکھنے بھیجتے ہیں یہ خلاف شریعت اور سراسر حرام ہے خاطب کو تو شریعت نے صرف پسند کرنیکی نیت سے دیکھنا جائز قرار دیا ہے وہ بھی صرف ایک مرتبہ اسکے علاوہ دیگر مردوں کا دیکھنا قرآن وحدیث کے علاوہ کسی فقہی عبارت سے بھی اسکا ثبوت نہیں ہے مخطوبہ کیلئے یہ سب غیر محرم ہیں اور غیر محرم کیلئے تو عام فقہاء کے یہاں اجنبیہ کا چہرہ بھی دیکھنا جائز نہیں اگرچہ احناف کے یہاں چہرہ اور ہتھیلی کا دیکھنا جائز قرار دیا گیا ہے

[1] عمدۃ القاری شرح بخاری ۴۱۲ جلد ۹)

بشرطیکہ شہوت اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہو اگر شہوت اور فتنہ کا اندیشہ ہے جیسا کہ آجکل کا مشاہدہ ہے تو پھر اجنبی مرد سے مکمل پردہ ضروری ہے چنانچہ صاحب درمختار علامہ حصکفی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

فان خاف الشھوۃ اوشک امتنع نظرہ الی وجھھا فحل النظر مقید بعدم الشھوۃ والا فحرام وھذا فی زمانھم واما فی زماننا فنمنع من الشابۃ[1]

اگر شہوت کا خوف یا شک ہو تو عورت کے چہرہ کو بھی دیکھنا ممنوع اور ناجائز ہے۔ پس عورت کو دیکھنے کی حلت شہوت نہ ہونیکے ساتھ مقید ہے اگر شہوت کا خطرہ ہے تو حرام ہے مگر یہ حکم اس زمانہ میں تھا جسمیں شہوت کا زیادہ اندیشہ نہ تھا مگر ہمارے زمانے میں تو ہم نوجوان لڑکی کو دیکھنے سے مطلقاً منع کرتے ہیں۔

(نوٹ) اگر رشتہ دار مرد کے دیکھے بغیر کوئی حل نہیں نکلتا ہو تو بدرجہ مجبوری سن رسیدہ بوڑھے بزرگ کو جو شہوت اور فتنہ سے مامون ہو بغیر بھیڑ بھاڑ کے احتیاطاً صرف چہرہ دیکھنے کی اجازت ہوگی انکے علاوہ جوان مرد خصوصاً ہندو دوستوں کو دیکھنے کے لئے بھیجنا حرام ہی نہیں بلکہ اسلامی رو سے گھناؤنا فعل ہے۔ ایک عجیب بات ہے کہ خاطب جس کے لئے دیکھنا شریعت نے صرف جائز ہی نہیں بلکہ اسکی تاکید بھی کی ہے اسکو تو برا اور تہذیب کے خلاف سمجھا جا رہا ہے اور جو غیر شرعی وغیر اخلاقی طریقہ ہے اسکا کچھ احساس نہیں اللہ ہم سبھوں کی رسم بد سے حفاظت فرما کر شریعت پر عمل کی توفیق دے۔ آمین۔

مخطوبہ کا فوٹو دیکھنا

خاطب کیلئے مخطوبہ کا چہرہ اور دونوں ہاتھ آمنے سامنے دیکھنا جائز ہے بالمشافہ

[1] درمختار علی ھامش شامی ۵۳۲ جلد ۹)۔

دیکھنے کے بجائے تصویر اور فوٹو دیکھنا جائز نہیں ہے[1]

زوجین کے درمیان عمر کا تناسب

میاں بیوی کے درمیان اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ دونوں ہم عمر ہوں یعنی جتنی عمر شوہر کی ہو اتنی ہی عمر بیوی کی بھی ہو یا بیوی کی عمر دو چار سال کم ہو ایسا نہیں کہ کم عمر لڑکی کا نکاح بڑھے سے کر دیا اگر چہ یہ بھی جائز ہے مگر نامناسب ہے اس سے طبیعت میں میل نہیں کھائیگا۔[2]

چنانچہ قرآن میں ہے کہ جنت میں جنتی کو (اتراب) یعنی ہم عمر عورتیں ملیں گی۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہم عمر کی وجہ سے طبیعتوں میں زیادہ مناسبت اور توافق ہوگا اور ایک دوسرے کی راحت و دل چسپی کا خیال زیادہ رکھا جاسکے گا اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زوجین کے درمیان عمر میں تناسب کی رعایت رکھنی چاہئے کیونکہ اس سے باہمی انس پیدا ہوتا ہے اور رشتۂ نکاح زیادہ خوشگوار اور پائیدار ہوتا ہے۔[3]

کنواری لڑکی سے نکاح کرنا بہتر ہے

نکاح میں انسانی جذبات کی رعایت کرنا ایک اہم چیز ہے اسلئے نوعمر کنوارے لڑکے کا نکاح بیوہ اور مطلقہ کے مقابلے میں نوعمر کنواری لڑکی سے ہی کرنا بہتر ہے کیونکہ اس میں طبعی میلان کے ساتھ بہت سے فائدے ہیں حضورؐ نے ایک حدیث میں اسی کی طرف رہنمائی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

علیکم بالا بکار فانھن اعذب افواھا وانتق ارحاما وارضی بالیسیر[4]	کہ غیر شادی شدہ کنواری لڑکی سے نکاح کرو کیونکہ وہ شیریں دھن یعنی میٹھی میٹھی اور دل ربا باتیں کرنے والی

[1] فتاوی رحیمیہ ۲۵۷ جلد ۵۔
[2] ولا یزوج ابنته الشابة شیخا کبیرا ولا رجلا دمیما ویزوجها کفوا (شامی ۶۸ جلد ۴)۔
[3] معارف القرآن صفحہ ۲۲۷ ج ۷)   [4] ابن ماجہ ۱۳۴ ج)۔

ہوتی ہے اور اولاد کیلئے حمل جلد ٹھہرانے کی صلاحیت رکھتی ہے اور تھوڑے پر راضی ہو جاتی ہے۔

نیز حضرت جابرؓ سے ایک اور حدیث اسی سلسلے کی منقول ہے:

عن جابرؓ قال کنا مع النبی ﷺ فی غزوۃ فلما قفلنا کنا قریبا من المدینۃ قلت یارسول اللہ انی حدیث عھد بعرس قال تزوجت قلت نعم قال ابکرا ام ثیباً قلت بل ثیب قال فھلا بکرا تلاعبھا وتلاعبک [1]

وہ فرماتے ہیں کہ ایک جہاد میں ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے پس جب ہم جہاد سے واپس ہوئے اور مدینہ کے قریب پہنچے تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میری نئی نئی شادی ہوئی ہے (اور میں اپنی نئی دلہن کو چھوڑ کر جہاد میں چلا گیا تھا اب اگر اجازت ہو تو جلدی سے آگے چلا جاؤں اور گھر پہنچ جاؤں) تو آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم نے نکاح کیا ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں آپؐ نے فرمایا تمہاری بیوی کنواری ہے یا بیوہ میں نے عرض کیا کہ بیوہ ہے تو آپؐ نے فرمایا تم نے کنواری سے نکاح کیوں نہیں کیا تا کہ تم اسکے ساتھ کھیلتے اور وہ تمہارے ساتھ کھیلتی۔

علامہ قطب الدین شارح مشکوۃ فرماتے ہیں کہ (تلاعبھا وتلاعبک) یعنی کھیلنے سے آپس کی بے تکلفی، کمال الفت ومحبت اور رغبت مراد ہے مطلب یہ ہے کہ کنواری عورت سے نکاح کرنے میں آپسی زندگی زیادہ الفت ورغبت کے ساتھ گزرتی ہے بے تکلفی اور چاہت زیادہ ہوتی ہے اسکے برخلاف بیوہ عورت جب دوسرے خاوند کی زوجیت میں آتی ہے تو چونکہ اسکا دل پہلے خاوند کی یاد سے کسک محسوس کرتا ہے دوسرے یہ کہ اگر رہن سہن میل ملاپ میں اس دوسرے خاوند کو اپنے پہلے خاوند کی طرح نہیں پاتی تو اسکی طبیعت اچاٹ ہو جاتی ہے ان باتوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اتنی زیادہ

[1] مشکوۃ ص ۲۶۷ ج ۲)۔

بے تکلف اور خوش مزاج ثابت نہیں ہوتی جتنی کنواری لڑکی ہوتی ہے۔[1]

بعض مصالح کی وجہ سے بیوہ یا مطلقہ سے نکاح بہتر ہے

باکرہ اور کنواری لڑکی سے نکاح کرنے کی ترغیب تو حدیث میں آئی ہے مگر اس سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں ہوگا کہ کسی بھی حالت میں مطلقہ یا بیوہ سے نکاح کرنا قابل ترجیح نہ ہوگا خواہ دینی یا دنیوی اور قومی تقاضے ہی کیوں نہ ہوں اور یہ نتیجہ نکالنا کیوں کر صحیح ہوسکتا ہے جبکہ خود حضورؐ نے سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ سے نکاح کیا ہے جبکہ آپ غیر شادی شدہ اور حضرت خدیجہؓ بیوہ تھیں بلکہ آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کے علاوہ جتنی بیویوں سے نکاح کیا ہے وہ سب بیوہ تھیں اور صحابہ کرام نے بھی بیوہ سے نکاح کیا ہے جو ہمارے لئے نمونہ ہے۔

بیوہ، مطلقہ اور جس مرد کی بیوی مر جائے ان کے نکاح کی ضرورت

عام طور سے ایسا ہوتا ہے کہ جب کسی مرد کی بیوی مرگئی یا کسی عورت کا شوہر مرگیا یا کسی عورت کو طلاق دیدی گئی اور ان کی اولاد لڑکے لڑکیاں موجود ہوتے ہیں تو وہ عار اور شرم یا اپنے بچوں کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے دوسرا نکاح نہیں کرتے اگرچہ اپنی عصمت محفوظ نہ رکھ سکے اور گناہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہی کیوں نہ ہو صبر کر لیتے ہیں یہ طریقہ بالکل غلط ہے حضور ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کے علاوہ جتنی بیویوں سے نکاح کیا وہ سب پچاس سال کی عمر کے بعد ہی کیا ہے اور حضرت عائشہؓ کے علاوہ سب بیوہ تھیں اس سے معلوم ہوا کہ وہ مرد جس کی عمر چالیس، پچاس یا اس سے زیادہ ہو جائے اور اس کی بیوی مر جائے یا وہ عورت جس کا شوہر مر جائے اور اس عورت کی عمر بھی پچاس سال یا اس سے زیادہ ہو اور شادی کرنے کی ضرورت ہو اور پھر بھی شادی کرنے کو عیب سمجھے عار وشرم کے مارے نکاح کرنے سے گریز کرے تو دراصل حضور ﷺ کی سنت کو عیب لگاتا ہے جو انتہائی خطرناک بات ہے قرآن پاک میں ارشاد ہے (اَنۡکِحُوا الۡاَیَامٰی

---

[1] مظاہر حق صفحہ ۱۳ جلد ۴

مِنْکُمْ [۱]) یعنی جو بے نکاح ہو (خواہ ابھی تک نکاح ہوا ہی نہ ہو یا نکاح کے بعد شوہر کی موت یا طلاق کے سبب بے نکاح رہ گئی ہو تو اے سر پرستو!) تم اس کا نکاح کردو۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ اس پر ائمہ مجتہدین بھی متفق ہیں کہ جس شخص کو نکاح نہ کرنے کی صورت میں غالب گمان یہ ہو کہ حدود شریعت پر قائم نہیں رہ سکے گا بلکہ گناہ میں مبتلا ہو جائے گا اور نکاح کرنے پر اس کو قدرت بھی ہو کہ اس کے وسائل موجود ہوں تو ایسے شخص پر نکاح کرنا فرض یا واجب ہے جب تک نکاح نہیں کرے گا گناہ گار رہے گا۔[۲]

مسند احمد میں روایت ہے کہ حضرت عکافؓ سے رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ کیا تمہاری زوجہ ہے انہوں نے کہا کہ نہیں پھر پوچھا کہ کوئی شرعی لونڈی ہے کہا نہیں پھر آپ نے دریافت کیا کہ تم نکاح کیلئے ضروری نفقات کا انتظام کر سکتے ہو اس پر انہوں نے اقرار کیا کہ (ہاں) اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ پھر تم شیطان کے بھائی ہو اور فرمایا کہ ہماری سنت نکاح کرنا ہے تم میں بدترین آدمی وہ ہے جو بے نکاح ہو اور تمہارے مردوں میں سب سے رذیل وہ ہے جو بے نکاح مر گیا۔[۳]

ایک حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ مرد مسکین ہے۔ مسکین ہے۔ مسکین جس کی بیوی نہیں صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر چہ اس کے پاس مال ہو فرمایا ہاں تب بھی وہ مسکین ہے پھر آپ ﷺ نے فرمایا وہ عورت مسکینہ ہے مسکینہ ہے مسکینہ جس کا شوہر نہیں صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر چہ اس کے پاس مال ہو فرمایا ہاں تب بھی وہ مسکینہ ہے۔[۴]

لڑکیوں کی وجہ سے لڑکے کی شادی میں دیر کرنا

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جوان لڑکی کا کوئی مناسب رشتہ نہیں ملتا یا کسی اور وجہ سے

---

۱ سورۃ النور آیت ۳۲ ۲ (معارف القرآن صفحہ ۴۰۹ جلد ۶)
۳ ملخوذ معارف القرآن صفحہ ۴۱۰ جلد ۶
۴ غنیۃ الطالبین صفحہ ۳۲ جلد ۱ ملخوذ فتاوی رحیمیہ ص ۲۴۶ ج ۵

اس کی شادی نہیں ہوتی تو اس کی وجہ سے بھائیوں کو بہت طویل مدت تک انتظار کرنا پڑتا ہے جس کے باعث اس کی عمر نکل جاتی ہے یا نوجوان نسل کا بہاؤ غلط رخ کی طرف ہوکر وہ گناہوں میں مبتلا ہوجاتا ہے شرعی رو سے یہ سراسر غلط ہے ایسا کرنے سے والدین گناہ گار ہوتے ہیں حضورؐ نے ایک حدیث میں فرمایا کہ

من ولد له ولد فليحسن اسمه وادّبهٗ فاذابلغ فليزوجه فان بلغ ولم يزوجه فاصاب اثما فانما اثمه على ابيه۔ [۱]

کہ جس شخص کے یہاں لڑکا پیدا ہوتو چاہئے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اسے نیک ادب سکھائے اور پھر جب بالغ ہوجائے تو اس کا نکاح کرائے اور اگر لڑکا بالغ ہوجائے (مگر غیر مستطیع ہو) اور اس کا باپ اسکے نکاح کرنے پر قادر ہونے کے باوجود) اس کا نکاح نہ کرے اور پھر وہ لڑکا برائی میں مبتلا ہوجائے تو اس کا گناہ باپ پر ہوگا۔

نکاح کے وقت کیا عمر ہونی چاہئے

شریعت میں لڑکا اور لڑکی کی شادی کے لئے کوئی عمر متعین نہیں ہے کہ اس سے قبل نکاح درست نہ ہو اسی طرح کوئی آخری عمر کی بھی قید نہیں ہے کہ اس کے بعد نکاح کرنا جائز نہیں لیکن مناسب یہ ہے کہ لڑکا اور لڑکی کے بالغ ہونے کے بعد شادی کی جائے تاکہ لڑکا اور لڑکی اپنے اختیار اور پسند سے نکاح کرلے اور اپنے شریک حیات کے اختیار کرنے میں خود بھی غور وفکر کرسکے۔

طبی حیثیت سے شادی کا وقت

شریعت میں تو کوئی وقت متعین نہیں ہے مگر طبی حیثیت سے ڈاکٹر اور حکماء سے منقول ہے کہ ابتدائی جوانی میں شادی کرانا صحت کے لئے مضر ہے اس لئے کہ کچی عمر

[۱] (مشکوۃ صفحہ ۲۷۱ جلد ۲)

میں جسمانی اعضاء بڑھتے ہیں اعصاب میں قوت اور پختگی پیدا ہوتی ہے اگر اس عمر میں شادی ہوگئی تو اعصاب کے مضبوط ہونے سے پہلے جوہر جسمانی (مادہ منویہ) ختم ہو جائے گا اور کم عمر و نادانی کی وجہ سے اپنی طبیعت پر قابو اور احتیاط نہیں کر سکے گا جس سے اعضاء رئیسہ بھی کمزور ہوتے چلے جائیں گے۔

رشتہ طے کرنے میں استخارہ اور مشورہ

اگر کہیں سے رشتہ آنے پر منگنی کرنے میں تذبذب ہو رہا ہو تو اس میں جلدی نہ کرے حتمی فیصلہ کرنے سے قبل کچھ دیر خود غور و خوض کر لیا جائے پھر بھی سمجھ میں نہ آئے تو اپنے قریب ماہرین رشتہ داروں سے مشورہ کر لیا جائے کیونکہ قرآن میں بھی مشورہ کا حکم ہے (شُوْرٰی بَيْنَهُمْ ۱) کہ آپس میں مشورہ کر لیا کرو اور سب سے بہتر یہ ہے کہ استخارہ کر لیا جائے دو رکعت صلوۃ الاستخارہ کی پڑھ کر استخارہ کی دعاء پڑھے پھر سو جائے جو بات سمجھ میں آئے اس پر عمل کرے استخارہ میں خواب دیکھنا ضروری نہیں اطمینان قلب کافی ہے ایک دو روز میں سمجھ میں نہ آئے تو سات روز تک کرے اگر خود سے فیصلہ نہ کر سکے تو کسی عالم دین سے استخارہ کرائے پھر جس طرف میلان قلب ہو اللہ پر بھروسہ کر کے نسبت طے کر لے۔

استخارہ کی دعاء

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِيْرُکَ بِعِلْمِکَ وَاَسْتَعِيْنُکَ بِقُدْرَتِکَ وَاَسْاَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِيْمِ فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَيْرٌ لِّیْ فِیْ دِيْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ (اَوْ قَالَ فِیْ عَاجِلِ اَمْرِیْ وَآجِلِهٖ) فَاقْدِرْهُ لِیْ وَ

---

۱ سورہ شوری آیت ۳۸

يَسِّرهُ لِيْ ثُمَّ بَارِكْ لِيْ فِيْهِ وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ إِنَّ هٰذَا الْأَمْرَ شَرٌّ لِيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ أَمْرِيْ (أَوْقَالَ فِيْ عَاجِلِ أَمْرِيْ وَآجِلِهٖ) فَاصْرِفْهُ عَنِّيْ وَاصْرِفْنِيْ عَنْهُ وَاقْدِرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ أَرْضِنِيْ بِهٖ [۱]

منگنی کی شرعی حیثیت

زبانی طور سے اولیاء کے درمیان نسبت کا طے ہو جانا ہی منگنی ہے حضرت فاطمہؓ کی منگنی کا واقعہ اس طرح ہوا کہ اولاً حضرت ابوبکر صدیقؓ نے درخواست پیش کی پھر حضرت عمرؓ نے پیغام دیا آپؐ نے فاطمہؓ کی عمر کم ہونے کا عذر فرمادیا پھر حضرت علیؓ نے اپنے خاص لوگوں کے اصرار سے خود حاضر خدمت ہو کر زبانی درخواست پیش کر دی اس کے بعد آپؐ پر وحی نازل ہوئی اور ان کی عرضی قبول کر لی گئی [۲] بس یہ ہی منگنی ہے حضور کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کی اور یہ ہی منگنی کا سنت طریقہ ہے اسکے علاوہ کچھ اور نہیں دراصل منگنی ایک قسم کا معاہدہ ہے جہاں تک ہو سکے اسے نبھانے کی کوشش کرنی چاہئے بہرحال منگنی ہو جانے کے بعد دونوں طرف کے سرپرست زبانی طور سے یا خط و کتابت کے ذریعہ نکاح کی تاریخ طے کرلیں اور وقت مقررہ پر رسومات اور واہیات سے بچتے ہوئے رشتہ داروں اور دوستوں کی موجودگی میں انتہائی سادگی اور سنت کے مطابق عقد نکاح ہو جائے۔ [۳]

---

[۱] نسائی شریف ٦٢ جلد ٢ کتاب النکاح

[۲] طلب ابو بکر من رسول الله صلى الله عليه وسلم فاطمة للزواج فقال يا ابابكر انتظر بها القضاء ثم طلبها عمر من رسول الله صلى الله عليه وسلم فرد عليه مثل ما رد على ابو بكر ثم صار على بن ابى طالب فى تلك الاثناء اهلا للزواج فقالوا يا على اطلب فاطمة من رسول الله صلى الله عليه وسلم للزواج قال اخطب بعد ابى بكر وعمر وقد منعهما فذكروا له قرابته من رسول الله صلى الله عليه وسلم فخطبها فزوجها صلى الله عليه وسلم على اربع مائة وثمانين درهما (تاريخ الخميس صفحه ٣٦١ جلد ١ ماخوذ حاشيه بهشتى زيور صفحه ٤٢ جلد٦)

[۳] (مستفاد بهشتى زيور صفحه ٤٢ حصه٦).

پیغام پر پیغام دینا جائز نہیں

جب کسی نے اپنے لڑکے کی منگنی کی یا نسبت کی بات چل ہی رہی ہو تو جب تک اگلا یعنی لڑکی والے نفی میں جواب نہ دیدیں یا بعد میں پیغام دینے والے ہی اپنے پیغام سے رجوع نہ کرلیں تب تک کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ وہ اس لڑکی یا اس کے اولیاء کو نکاح کا پیغام دے حضورﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے:

ولایخطب الرجل علی خطبة اخیه حتی ینکح اویترک [۱] کہ کوئی مسلمان اپنے کسی مسلمان بھائی کے پیغام پر پیغام اس وقت تک نہ دے جب تک کہ پہلا خاطب نکاح نہ کرلے یا اس بات چیت کو ترک نہ کردے۔

رشتۂ نکاح کی پیشکش کس کی طرف سے ہو

رشتۂ نکاح کی پیشکش اور پیغام دینے میں پہل لڑکا اور لڑکی کسی طرف سے بھی ہوسکتا ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ لڑکے کی طرف سے ہو اکثر ازواج مطہرات کو آپؐ نے خود پیغام دیا تھا اور عامۂ صحابہ کا عمل بھی اسی طرح منقول ہے اگرچہ کچھ مثالیں اسکے خلاف بھی ہیں کیونکہ لڑکی کی طرف سے نکاح کی پیشکش بظاہر حیا سوز خلاف تہذیب معلوم ہوتی ہے۔لڑکے اور انکے اولیاء کی طرف سے پیغام نکاح اور اپنی شریک حیات کی جستجو و تلاش اسکی قوامیت ومردانگی اور ازدواجی زندگی میں اسکی برتری کی ایک دلیل ہے۔

منگنی کے بعد لڑکی سے آزادانہ ملنا اور خلوت میں رہنا حرام ہے

بعض علاقے اور بعض معاشرہ میں یہ غیر شرعی اور غیر اخلاقی طریقہ اس قدر عام ہو چکا ہے کہ صرف منگنی کے بعد ہی لڑکا لڑکی اس طرح رہتے ہیں جیسا کہ میاں بیوی کا تعلق ہو بالمشافہ بات چیت اور خط وکتابت تو درکنار دونوں کا خلوت میں رہنے کا بھی ایسا رواج پڑ چکا ہے کہ (الامان والحفیظ) لوگ اس کو برا ہی نہیں سمجھتے۔

---

[۱] (بخاری صفحہ ۷۷۲ جلد ۲)۔

حالانکہ یہ سب سراسر حرام ہیں۔ نکاح سے قبل شریعت نے مخطوبہ کو پسند کرنے کی نیت سے ایک مرتبہ دیکھنا جائز قرار دیا ہے۔ اس کے بعد جب تک نکاح نہ ہوجائے مخطوبہ بھی خاطب کیلئے غیر محرم ہے اس کے ساتھ بات چیت اور خلوت گزینی تو کیا اسکو دیکھنا بھی گناہ کبیرہ ہے حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ منگنی صرف نکاح کا وعدہ ہے نکاح نہیں اسلئے آزادانہ ساتھ پھرنا اور خلوت میں رہنا حرام ہے صحبت کرنا زنا کے حکم میں ہے بچہ ہوگا تو حرام ہی شمار ہوگا اگر منگنی کے بعد الگ رہنا ناقابل برداشت ہے تو نکاح ہی کرلیا جائے۔[۱]

مغربی تہذیب

آج کا مغربی کلچر، یورپی تہذیب اور آئیڈیل ملکوں نے قانون اسلام کے خلاف اباحیت کا نعرہ لگاتے ہوئے منگنی کے بعد عقد نکاح سے قبل زوجین کو باہم محبت و پیار کے تعلقات قائم کرنے اور ایک دوسرے کے ساتھ عرصہ تک وقت گزارنے کو جائز قرار دیا ہے جو اسلامی نقطۂ نظر کے ہی خلاف نہیں بلکہ عقلاً بھی مہذب قانون، ثقافت انسانی کے مخالف اور غیر فطری کوششیں ہیں کیونکہ اباحیت کا یہ نعرہ عورتوں کے ساتھ ظلم اور کھلی زیادتی ہے اسلئے کہ شادی سے قبل اگر ان جنسی تعلقات نے صنفی تعلقات اور خواہشات کی تکمیل تک پہنچادیا اور پھر رشتہ نہ ہوسکا تو اسکا خمیازہ تنہا عورت ہی کو بھگتنا پڑیگا۔

منگنی ہونیکے بعد نکاح نہ کرنا

منگنی وعدۂ نکاح کا نام ہے اس پر دونوں فریق کا قائم رہنا بے حد ضروری ہے خدا کا فرمان ہے (وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلاً[۲]) یعنی عہد اور قول و قرار پورا کرتے رہا کرو بیشک وعدہ توڑنے کے متعلق سوال کیا جائیگا۔

---

[۱] (فتاوی رحیمیہ صفحہ ۲۵۶ جلد ۷)۔ [۲] سورہ بنی اسرائیل آیت ۳۴

وعدہ خلافی کو حضورؐ نے منافق کی علامتوں میں سے شمار کیا ہے لہٰذا منگنی کر کے اور کچھ دنوں امید دلا کر بلا وجہ انکار کر دینا گناہ کا کام ہے۔

البتہ منگنی کے بعد لڑکا لڑکی میں کوئی عیب نکل آئے اور سرپرست اس جگہ رشتۂ نکاح کرنا خلاف مصلحت سمجھے کہ نکاح ہونے کے بعد دونوں میں نباہ نہ ہو سکے گا تو پھر پہلی جگہ چھوڑ کر مناسب جگہ رشتہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔[1]

(محرمات) یعنی جن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے

نکاح کے صحیح ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ عورت محرمات میں سے نہ ہو محرمات کی نو قسمیں ہیں جن کو فتاوی شامی۔ عالمگیری وغیرہ میں بہت تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے یہاں مختصر انداز میں اس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

محرمات کی اولاً دو قسمیں ہیں۔ (۱) محرمات مؤبدہ یعنی وہ عورتیں جن سے نکاح ہمیشہ ہمیش کے لئے حرام ہو۔ (۲) محرمات مؤقتہ یعنی وہ عورتیں جن سے نکاح ہمیشہ ہمیش کیلئے حرام نہیں بلکہ کسی عارض کی وجہ سے حرمت ثابت ہوتی ہے اور عارض ختم ہو جانے پر ان سے نکاح جائز ہو جاتا ہے۔ پہلی قسم محرمات مؤبدہ کے تین اسباب اور تین رشتے ہیں۔

۱۔ نسب ۲۔ مصاہرت۔ ۳۔ رضاعت

محرمات نسبیہ

نسب کے رشتے میں سات قسم کی عورتیں حرام ہیں۔ (۱) (ماں) ماں کی حرمت میں سگی ماں سوتیلی ماں، نانی، دادی، پرنانی، پردادی اوپر تک کی عورتیں شامل ہیں۔ (۲) (بیٹی) بیٹی کی حرمت میں پوتی، نواسی، پرپوتی، پرنواسی نیچے تک کی عورتیں

---

[1] (ولا یزوج ابنته الشابة شیخا کبیرا ولا رجلا دمیما ویزوجها کفوا (شامی صفحه ۶۸ جلد۴ زکریا

شامل ہیں۔ (۳) (بہن) بہن کی حرمت میں حقیقی بہن کے علاوہ علاتی (باپ شریک) بہن، اخیافی (ماں شریک) بہن بھی شامل ہیں۔ (۴) (پھوپھی) یعنی باپ کی بہن اس میں حقیقی پھوپھی کے علاوہ علاتی بھی شامل ہے اسی طرح پھوپھی کے حکم میں باپ، دادا، ماں، دادی نانی ان سب کی پھوپھیاں بھی محرمات میں ہیں۔ (۵) (خالہ) یعنی ماں کی حقیقی علاتی اخیافی تینوں قسم کی بہنیں حرام ہیں اسی طرح خالہ کے حکم میں باپ، دادا، نانا، نانی اوپر تک سب کی خالائیں حرام ہیں۔ (۶) (بھتیجی) یعنی بھائی کی لڑکی اس میں بھتیجے اور بھتیجی کی لڑکیاں بھی نیچے تک حرام ہیں۔ (۷) (بھانجی) یعنی بہن کی لڑکی اس میں بھانجے اور بھانجی کی لڑکیاں بھی نیچے تک شامل ہیں بھتیجی اور بھانجی چاہے حقیقی بھائی بہن کی اولاد ہو یا علاتی اور اخیافی بھائی بہن کی سب حرام ہیں، ان ساتوں محرمات کا تذکرہ قرآن میں اس طرح کیا گیا ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ[1]

تم پر حرام کی گئی ہیں تمہاری مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں اور بھانجیاں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ نسبی رشتے میں اپنے اصول وفروع اور اپنے ماں باپ کے اصول وفروع حرام ہیں۔

محرمات صہریہ

وہ عورتیں جو سسرالی رشتہ کی وجہ سے حرام ہوتی ہیں وہ چار قسم کی ہیں۔ (۱) بیوی کے اصول یعنی ساس، ددیا ساس، ننیا ساس اور ان کے اوپر درجے کی مثلاً بیوی کے باپ اور ماں کی دادی نانی وغیرہ بھی حرام ہیں۔ اگر چہ صرف نکاح ہوا ہو بیوی کیساتھ وطی اور خلوت صحیحہ کی نوبت نہ آئی ہو تو بھی بیوی کے اصول شوہر پر حرام

[1] سورہ نساء پارہ ۴ آیت ۲۳ رکوع ۱۲

ہو جاتے ہیں۔ (۲) بیوی کے فروع: مثلاً بیوی کی بیٹی، پوتی، نواسی، پرپوتی پرنواسی نیچے تک حرام ہیں مگر بیوی کے فروع اس وقت حرام ہونگے جبکہ بیوی سے جماع کرلیا ہو اگر خلوت ہوئی مگر جماع کا موقع نہ مل سکا تو بیوی کی بیٹی حرام نہ ہوگی بیوی کو طلاق دینے کے بعد اس کی بیٹی (جو دوسرے شوہر سے ہے) سے نکاح کرسکتا ہے (گویا یہاں خلوت کو جماع کے قائم مقام قرار نہیں دیا گیا)۔ (۳) بہو: یعنی اپنے فروع بیٹے، پوتے، نواسے، پرپوتے، پرنواسے نیچے تک ان سب کی بیویاں حرام ہیں۔ خواہ ان عورتوں کے ساتھ ان کے شوہر یعنی بیٹے پوتے وغیرہ نے جماع کیا ہو یا نہ کیا ہو مطلقاً حرام ہیں۔ (۴) اپنے اصول باپ، دادا، نانا اوپر تک کی بیویاں یعنی سوتیلی ماں، سوتیلی دادی، سوتیلی نانی وغیرہ ہمیشہ ہمیش کیلئے حرام ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ سسرالی رشتہ میں اپنی بیوی کے اصول وفروع اور اپنے اصول وفروع کی بیویاں محرمات میں سے ہیں ان محرمات کو قرآن میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

وَلاَ تَنْكِحُوْا مَانَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَآءِ (الی آخر الآیۃ) وَاُمَّهٰتُ نِسَاءِ كُمْ وَرَبَائِبُكُمُ الّٰتِي فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِنْ نِّسَائِكُمُ الّٰتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلاَئِلُ اَبْنَاءِ كُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلاَبِكُمْ [1]	اور جن عورتوں سے تمہارے باپ نکاح کرچکے ہوں ان سے نکاح ہرگز مت کرو اور حرام کی گئی ہیں تم پر تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری بیویوں کی وہ لڑکیاں جنہوں نے تمہاری گود میں پرورش پائی ہیں جو تمہاری ان بیویوں سے ہیں جن سے تم نے دخول بھی کرلیا ہے اور اگر تم لوگوں نے دخول نہ کیا ہو

ان بیویوں سے تو ان کو چھوڑ کر ان کی لڑکیوں سے نکاح کرلینے میں کوئی مواخذہ نہیں ہے اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں تم پر حرام کی گئی ہیں جو تمہارے صلب سے ہوں۔

[1] سورہ نساء پارہ ۴ آیت ۲۳ رکوع ۱۲

فائدہ: آیت میں لڑکیوں کے ساتھ فی حجورکم کی جو قید ہے یعنی (وہ لڑکیاں جو تمہاری گود میں پرورش پائی ہوں) یہ قید صرف اتفاقی ہے۔ تمام فقہاء کا اجماع ہے کہ سوتیلی بیٹی مطلقاً حرام ہے خواہ اس نے سوتیلے باپ کے گھر پرورش پائی ہو یا نہ پائی ہو۔ اسی طرح من اصلابکم یعنی صلبی حقیقی بیٹے کی بیوی کی قید سے متبنیٰ منہ بولے بیٹے کی بیوی کو نکالدینا ہے کہ وہ اگر بیوہ یا مطلقہ ہو جائے تو حرام نہیں مگر رضاعی بیٹے کی بیوی حقیقی بیٹے کی بیوی کی طرح حرام ہے۔ (یحرم من الرضاعة ما یحرم من النسب)

حرمت مصاہرت نکاح صحیح سے ثابت ہوگی نہ کہ نکاح فاسد سے

حرمت مصاہرت نکاح صحیح سے پیدا ہوتی ہے نہ کہ نکاح فاسد سے البتہ اگر نکاح فاسد کے بعد وطی بھی پائی گئی یا دواعی وطی (مس بالشہوت یا نظر بالشہوت) کا ارتکاب کیا گیا تو پھر حرمت مصاہرت پیدا ہو جائے گی [۱]

حرمت بسبب زنا و مس و نظر بشہوۃ

سسرالی رشتے کی جو محرمات ہیں ان کا بیان تو مکمل ہو گیا مگر کچھ ناجائز اسباب کی وجہ سے بھی حرمت ثابت ہوتی ہے اس کو بھی حرمت مصاہرت ہی کہتے ہیں۔

چنانچہ کسی مرد نے کسی عورت سے زنا کیا یا اس کو شہوت کے ساتھ چھولیا اس کے ساتھ لیٹا یا اس کا بوسا لیا یا اس کو دانتوں سے کاٹا یا کسی عورت نے شہوت کے ساتھ کسی مرد کے عضو مخصوص کی طرف دیکھا یا مرد کو ہاتھ لگایا یا بوسہ لیا یا کسی بھی عضو کو شہوت کے ساتھ چھوا تو ان تمام صورتوں میں حرمت ثابت ہو جائے گی اسی طرح کسی مرد نے کسی عورت کے اندرون شرمگاہ کو شہوت کیساتھ دیکھا مثلاً عورت ٹیک لگا کر بیٹھی تھی کپڑا ہٹ گیا اندر کے حصے کو شہوت کیساتھ دیکھ لیا تو حرمت

---

[۱] (قوله الصحيح) احترز عن النكاح الفاسد فانه لايوجب بمجرده حرمة المصاهرة بل بالوطی او مايقوم مقامه من المس بشهوة والنظر بشهوة (شامی ص ۱۰۴ ج ۴

مصاہرت ثابت ہوجائے گی۔ البتہ عورت کے کھڑے ہونے کی حالت میں مرد کی نگاہ عورت کی ظاہر شرمگاہ پر پڑنے سے حرمت ثابت نہیں ہوگی حرمت ثابت ہونے کے لئے فرج داخل کی طرف دیکھنا شرط ہے اگرچہ بیچ میں شیشہ حائل ہو یا عورت پانی میں بیٹھی تھی پانی کے اندر دیکھا تو بھی حرمت ثابت ہوجائے گی (اصل شرمگاہ دیکھنا ہے عکس دیکھنے سے حرمت ثابت نہیں ہوگی مثلاً آئینہ کے اندر سے یا پانی میں شرمگاہ کا عکس دیکھا تو حرمت ثابت نہیں ہوگی)۔

بہر حال ان تمام صورتوں میں مرد پر عورت کی ماں، دادی، نانی اور اس عورت کی بیٹی، پوتی، نواسی وغیرہ سب حرام ہوجائیں گی۔ اسی طرح اس عورت کیلئے زنا کرنے یا چھونے یا دیکھنے والے مرد کا باپ، دادا، نانا اور اس کا بیٹا، پوتا، نواسا سب حرام ہوجائیں گے۔

شرائط: (۱) حرمت ثابت ہونے کے لئے ایک شرط یہ ہے کہ وہ لڑکی قابل شہوت ہو یعنی کم از کم نو سال کی ہو اور مرد بھی قابل شہوت ہو یعنی کم از کم بارہ سال کا ہو لہٰذا اگر چھوٹے بچے نے جماع کرلیا تو حرمت ثابت نہیں ہوگی البتہ اگر ایسے بڑے بچے نے جماع کیا کہ اس کے ہم عمر لڑکے جماع کرلیا کرتے ہیں اور عورت کی طرف میلان ہوجاتا ہے تو حرمت ثابت ہوجائے گی۔ چھونے سے یا اندرون شرمگاہ کی طرف دیکھنے سے جو حرمت ثابت ہوتی ہے یہ ضروری نہیں کہ قصداً ہو بلکہ اگر سہواً یا بھولکر ہو یا کسی کے زبردستی کرنے سے ہو یا غلطی میں چھوا یا دیکھا یا نیند کی حالت میں چھوا تو بھی ان تمام صورتوں میں حرمت ثابت ہوجائے گی۔

(۲) حرمت ثابت ہونے کے لئے دوسری شرط یہ ہے کہ دیکھنا یا چھونا شہوت کے ساتھ ہو اگر عورت کی شرمگاہ کی طرف دیکھتے وقت یا عضو کو چھوتے وقت شہوت نہ تھی بعد میں ہوئی تو پھر حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

(۳) حرمت ثابت ہونے کے لئے تیسری شرط یہ بھی ہے کہ دیکھنے اور چھونے کے بعد انزال نہ ہوا ہو اگر انزال ہو گیا تو حرمت ثابت نہیں ہو گی کیونکہ دیکھنا اور چھونا جماع کا سبب نہ بنا۔

شہوت کا معیار

جوان مرد کی شہوت کا معیار یہ ہے کہ دیکھنے یا چھونے کے وقت اس کے عضو میں ایستادگی (حرکت) پائی جائے اگر ایستادگی پہلے سے تھی تو زیادہ ہو جائے۔ بوڑھے مرد کے عضو میں حرکت پیدا ہونا بند ہو گیا ہے تو پھر اس کے قلب میں حرکت ہو اگر حرکت پہلے سے ہے تو اس میں زیادتی ہو جائے۔

عورت اور مقطوع الذکر مرد کی شہوت کا معیار یہ ہے کہ قلب میں خواہش پیدا ہو جائے اگر خواہش پہلے سے تھی تو زیادتی ہو جائے۔

(نوٹ) حرمت ثابت ہونے کے لئے دونوں میں شہوت کا ہونا ضروری نہیں ہے عورت یا مرد کسی ایک میں شہوت کا ہونا کافی ہے۔ نیز یہ چھونا بلا کسی کپڑا وغیرہ کی حیلولت کے ہو یا ایسا کپڑا بیچ میں ہو جو بہت باریک ہے کہ بدن کی حرارت معلوم ہوتی ہے تو پھر حرمت ثابت ہو جائے گی۔

مسئلہ: عورت کے وہ بال جو سر سے ملے ہوئے ہیں شہوت کے ساتھ چھونے سے حرمت ثابت ہو جائے گی مگر جو بال سر سے باہر لٹکے ہوئے ہیں ان کو چھونے سے حرمت ثابت نہیں ہو گی [۱]

---

[۱] وحرم ایضا بالصھریة اصل مزنیته اراد بالزنی الوطء الحرام واصل ممسوسته بشھوة ولو لشعر علی الرأس (خرج به المسترسل شامی) بحائل لا یمنع الحرارة واصل ماسته وناظرة الی ذکره والمنظور الی فرجھا المدور الداخل ولو نظره من زجاج او ماء ھی فیه وفروعھن مطلقاً والعبرة للشھوة عند المس والنظر لا بعدھما وحدھا فیھما تحرک آلته او زیادته به یفتی وفی امرأة ونحو شیخ کبیر تحرک قلبه او زیادته وفی الجوھرة لا یشترط فی النظر للفرج تحریک آلته به یفتی ھذا اذا لم ینزل فلو انزل مع مس او نظر فلا حرمة به یفتی الخ۔ ولا فرق فیما ذکر بین اللمس والنظر بشھوة بین عمد ونسیان وخطأ واکراه (درمختار علی ھامش شامی صفحه ۱۰۷ تا ۱۱۲ جلد ۴)

بیوی شوہر پر کن وجوہات سے حرام ہو جاتی ہے

(۱) اگر کسی مرد نے (نعوذ باللہ منہ) اپنی بیٹی سے زنا کیا۔ یا شہوت کے ساتھ چھوا اگر چہ بھولکر انجانے میں چھوا ہو مثلاً کسی شخص نے اندھیرے میں اپنی بیوی کو نیند سے اٹھانا چاہا مگر غلطی سے اس کا ہاتھ لڑکی پر پڑ گیا اور پھر یہ سمجھ کر کہ یہی میری بیوی ہے شہوت کے ساتھ اس کو چٹکی لی اور وہ لڑکی بھی جوان قابل شہوت تھی تو اس صورت میں اس مرد کی بیوی یعنی اس لڑکی کی ماں اس مرد پر ہمیشہ ہمیش کیلئے حرام ہوگئی اب مرد کو چاہئے کہ اپنی بیوی کو علیحدہ کردے ورنہ پوری زندگی گناہ میں مبتلا رہے گا۔[۱]

(۲) اگر کسی شخص نے اپنی ساس سے زنا کیا یا شہوت کیساتھ چھوا یا اندرونِ فرج کو شہوت کیساتھ دیکھا تو اس کی بیوی اس پر ہمیشہ ہمیش کے لئے حرام ہو جائے گی بیوی کو علیحدہ کردے ورنہ ہمیشہ گناہ میں مبتلا رہیگا۔[۲]

مذاقاً بھی ساس سے جماع کا اقرار کرنے پر حرمت ثابت ہو جائیگی

اگر کسی شخص سے پوچھا گیا کہ تو نے اپنی ساس سے کیا کیا اس نے کہا کہ میں نے جماع کیا تو اس سے بھی حرمت ثابت ہو کر بیوی حرام ہو جائے گی۔ اگر چہ پوچھنے والے نے بعد میں کہا کہ میں نے مذاق میں پوچھا تھا اور مرد نے بھی کہا کہ میں نے مذاق میں اس طرح کا جواب دیا تھا تو بھی اس کا اعتبار نہ کیا جائے گا بیوی اس پر ہمیشہ کیلئے حرام ہو جائے گی۔[۳]

---

[۱] فلو ایقظ زوجتہ او ایقظتہ هی لجماعها فمست یدہ بنتها المشتهاة او یدها ابنہ حرمت الام ابدا فتح (درمختار حاشیہ شامی صفحہ ۱۱۲ جلد ۴ زکریا)

[۲] لذا فجر الرجل بامرأۃ ثم تاب یکون محرما لابنتها لانہ حرم علیہ نکاح ابنتها علی التابید وهذا دلیل ان المحرمیۃ تثبت بالوطی الحرام وبما تثبت حرمۃ المصاهرۃ (بحر الرائق صفحہ ۱۷۹ جلد۳) [۳] قیل لرجل ما فعلت بام امرأتك قال جامعتها قال تثبت حرمۃ المصاهرۃ قیل ان کان السائل والمسئول هازلین قال لا یتفاوت ولا یصدق انہ کذب کذا فی المحیط (عالمگیری صفحہ ۲۷۶ جلد ۱ زکریا)

سوتیلی ماں کے ساتھ غلط حرکت سے حرمت

اگر کسی نے اپنے باپ کی منکوحہ یعنی سوتیلی ماں سے زنا کیا یا شہوت کیساتھ اندرونِ فرج کو دیکھا یا شہوت کیساتھ چھوا تو وہ عورت اپنے شوہر یعنی اس لڑکے کے باپ پر ہمیشہ ہمیش کے لئے حرام ہو جائے گی جبکہ زنا کا ثبوت شہادت شرعی سے ہو چکا ہو اگرچہ لڑکا شہوت کے ساتھ دیکھنے یا چھونے کا انکار کرے تو بھی اس کے قول کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔[1]

بہو یعنی لڑکے کی بیوی کے ساتھ غلط حرکت سے حرمت

اگر کسی شخص نے اپنے بیٹے کی بیوی (بہو) کو شہوت کیساتھ چھوا یا فرجِ داخل کو شہوت کیساتھ دیکھا یا (نعوذ باللہ) بہو سے زنا کا ارتکاب کر لیا تو وہ عورت اپنے شوہر پر ہمیشہ ہمیش کے لئے حرام ہو جائے گی اب شوہر کو چاہئے کہ اپنی بیوی کو علیحدہ کر دے ورنہ پوری زندگی گناہ میں مبتلا رہے گا ہاں اگر شوہر نے اس بات کی تصدیق نہیں کی تو پھر حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

مسئلہ: کسی شخص نے اپنے بیٹے کی بیوی یعنی بہو کا زبردستی بوسا لیا یا شہوت کیساتھ فرجِ داخل کو دیکھا یا زنا کا ارتکاب کر لیا اور اس بات کو صرف عورت بیان کرتی ہے باپ انکار کرتا ہے تو حرمت ثابت نہیں ہوگی اور اگر بہو اور خسر دونوں اقرار کر لے مگر شوہر اس کو تسلیم نہ کرے تو بھی حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوگی عورت اپنے شوہر کی زوجیت میں باقی رہے گی ہاں اگر شوہر نے زنا کو یا اس مس کو شہوت کیساتھ ہونے کو تسلیم بھی کر لیا تو بیوی شوہر پر ہمیشہ کیلئے حرام ہو جائے گی اور عورت باپ بیٹا کسی کیلئے

---

[1] لراد بحرمته المصاهرة الحرمات الاربع حرمة المرأة على اصول الزاني وفروعه (شامی صفحه ۱۰۷ جلد ٤) وان ادعت الشهوة في تقبيله او تقبيلها ابنه وانكره الرجل فهو مصدق (درمختار) فهو مصدق لانه ينكر ثبوت الحرمة والقول للمنكر (شامی ۱۱۰ جلد ٤ زكريا)

حلال نہیں رہے گی۔[1]

باپ کی حرکت کی وجہ سے بیوی حرام ہوئی تو اس کا مہر باپ پر ہے

جیسا کہ گزر چکا کہ بہو کو شہوت کیساتھ چھونے سے بیوی اپنے شوہر پر حرام ہو جاتی ہے مگر وہ اپنے شوہر سے مہر کی حقدار ہوگی اور شوہر وہ رقم جو اس نے مہر میں ادا کی تھی اپنے باپ سے وصول کرے گا۔ بشرطیکہ باپ نے فتنہ پھیلانے کیلئے یہ حرکت کی ہو اگر فتنہ پھیلانے کی غرض سے نہیں چھوا ہے تو پھر کچھ بھی وصول نہیں کریگا مگر زنا کیوجہ سے حرمت جو ہوئی ہے اس سے شوہر کی دی ہوئی رقم واپس نہیں مل سکتی کیونکہ زنا کی وجہ سے باپ پر حد جاری کرنے کا حکم دیا جائے گا اور شریعت نے شرعی حد کے ساتھ کوئی مالی جرمانہ عائد نہیں کیا ہے۔

مسئلہ حرمت رضاعت یا مصاہرت سے نکاح باطل نہیں ہوتا ہے اس لئے شوہر طلاق دیدے یا متارکت کے الفاظ (میں نے تمہیں چھوڑ دیا، علیحدہ کر دیا وغیرہ) کہدے ورنہ قضاءِ قاضی کے ذریعہ نکاح فسخ ہوگا۔[2]

حرمت مصاہرت کیلئے کتنے مرد کی گواہی ضروری ہے

حرمت مصاہرت دو مرد یا ایک مرد اور دو عورت کی گواہی سے ثابت

---

[1] وحرم ایضا بالصهرية لصل مزنية... واصل ممسوسة بشهوة... واصل ماسته الخ وفروعهن مطلقاً والعبرة للشهوة (درمختار) قوله مطلقا يرجع الى الاصول والفروع اى وان علون وان سفلن (شامي صفحه ۱۰۸ جلد ٤ زكريا) وثبوت الحرمة بلمسها مشروط بان يصدقها ويقع في اكبر رائه صدقها اوعلي هذا ينبغي ان يقال في مسه ايلها لاتحرم علي ابيه وابنه الا ان يصدقها او يغلب علي ظنه صدقها (بحرالرائق صفحه ۱۷۷ جلد ۲ فصل فی المحرمات)

[2] وبحرمة المصاهرة لا يرتفع النكاح حتى لايحل لها التزوج بلخر الا بعد المتاركة وانقضاء العدة (درمختار) (قوله الا بعد المتاركة) اى وان مضى عليها سنون كما في البزازية وعبارة الحاوى الا بعد تفريق القاضي او بعد المتاركة. وقد علمت ان النكاح لا يرتفع بل يفسد وقد صرحوا في النكاح الفاسد ان المتاركة لا تتحقق الا بالقول ان كانت مدخولا بها كتركتك او خليت سبيلك (شامي ۱۱٤ ج ٤

ہوتی ہے۔[1]

نسبی اور صہری رشتے کی مذکورہ عورتوں سے اجتناب کرنا احوط ہے

جوان بیٹی اور بہو اسی طرح ساس اور سوتیلی ماں وغیرہ اگرچہ محرمات میں سے ہیں ان کے سامنے ہونا باتیں کرنا وغیرہ اگرچہ جائز ہے کیونکہ ان سے پردہ نہیں ہے مگر احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے ساتھ اختلاط سے پرہیز کیا جائے اپنی بیوی کے بستر ہ سے ان کا بستر بالکل الگ تھلگ ہو کہیں انجانے میں شہوت کیساتھ ہاتھ نہ پڑ جائے۔

اسی طرح جوان بیٹی، بہو، ساس، سوتیلی ماں وغیرہ سے جسمانی خدمت بھی نہ لی جائے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ خدمت کرتے وقت دونوں میں سے کسی ایک کے اندر شہوت پیدا ہو جائے اور شہوت کیساتھ مس پایا گیا تو حرمت مصاہرت ثابت ہو کر بیوی حرام ہو جائے گی۔ اسی طرح بیٹے کیلئے بہو بھی ناجائز ہو جائے گی اور غفلت میں اس کی پرواہ کئے بغیر پوری زندگی گناہ میں خود مبتلا رہے گا اور دوسرے کو گناہ میں مبتلا کر کے اپنی آخرت کو برباد کرنے کا خود ذریعہ بنے گا۔

اللہ ہم سبھوں کی حفاظت فرمائے۔ آمین

محرمات رضاعیہ

رضاعت کے معنی دودھ پلانے کے آتے ہیں:

دودھ پلانے والی عورت کو مرضعہ اور دودھ پینے والے بچہ کو رضیع اور بچی کو رضیعہ کہتے ہیں دودھ پینے اور پلانے کی وجہ سے وہی رشتے قائم ہوتے ہیں جو نسب کی وجہ سے قائم ہوتے ہیں اور رضاعت سے بھی وہی حرمت ثابت ہوتی ہے جو نسب اور مصاہرت کی وجہ سے ثابت ہوتی ہے چنانچہ ارشاد باری ہے:

---

[1] ونصابها للزنا اربعة رجال ولو علق عتقه بالزنا وقع برجلين ولا حد الخ ولغيرها من الحقوق سواء كان الحق مالا او غيره كنكاح وطلاق ووكالة الخ رجلان او رجل وامرأتان (الدر المختار على هامش رد المختار ص ۵۱۴ تا ۵۱۵ جلد ۴ كتاب الشهادة)

وَاُمَّھٰتُکُمُ الّٰتِیْ اَرْضَعْنَکُمْ کہ حرام کی گئی ہیں تم پر تمہاری مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے اور وَاَخَوَاتُکُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ ۔[1] تمہاری دودھ شریک بہنیں بھی تم پر حرام ہیں

چنانچہ جس عورت کا دودھ لڑکا لڑکی نے پی لیا تو وہ عورت اس لڑکا لڑکی کی ماں اور اس عورت کا شوہر جس کے جماع کی وجہ سے دودھ اترا ہے وہ اس کا باپ ہوگیا اب رضاعی ماں باپ کے اصول یعنی باپ، نانا، دادا اوپر تک اس رضیع رضیعہ کو دادا، پردادا، نانا، پرنانا ہوں گے اور رضاعی ماں باپ کی ماں، نانی، دادی بھی اس رضیع رضیعہ کو دادی، پردادی، نانی، پرنانی ہونگی اور اس رضاعی ماں باپ کے لڑکے رضیع اور رضیعہ کے لئے بھائی اور اس بھائی کی اولاد بھتیجا اور بھتیجی ہیں خواہ رضاعی ماں کا یہ لڑکا موجودہ شوہر سے ہو یا دوسرے شوہر سے اور رضاعی ماں باپ کی لڑکی اس رضیع رضیعہ کی بہن اور اس رضاعی بہن کی اولاد رضیع رضیعہ کے بھانجے اور بھانجیاں ہیں اور رضاعی ماں کے بھائی بہن رضیع رضیعہ کے لئے ماموں اور خالہ ہیں اسی طرح رضاعی باپ کے بھائی رضیع رضیعہ کا چچا اور رضاعی باپ کی بہن پھوپھی ہیں جس طرح نسبی رشتے میں ان سب سے نکاح حرام ہے اسی طرح رضاعی رشتے میں بھی یہ سب رشتہ دار رضیع اور رضیعہ کے لئے حرام ہیں اور رضیع اور رضیعہ ان سب رشتہ داروں کے لئے حرام ہیں۔ نیز جس طرح رضاعت میں نسبی رشتوں کی حرمت ثابت ہوتی ہے اسی طرح سسرالی رشتوں کی حرمت بھی ثابت ہوتی ہے چنانچہ رضاعی باپ کی بیوی رضیع پر اور رضیع کی بیوی رضاعی باپ پر حرام ہے۔

مسئلہ:- اگر بڑی بہن نے چھوٹی بہن کو مدت شیر خوارگی میں دودھ پلایا تو اب ان دونوں بہنوں کی اولاد میں نکاح نہیں ہوسکتا۔

مسئلہ:- اسی طرح دو اجنبی لڑکا لڑکی نے کسی ایک عورت کا دودھ پی لیا تو یہ آپس میں بھائی بہن ہوگئے مثلاً زید کی لڑکی خالدہ اور عمرو کا لڑکا حامد نے ہندہ کا دودھ

[1] سورۃ النساء پارہ ۴ آیت ۲۳

پیا تو اب خالدہ اور حامد آپس میں رضاعی بھائی بہن ہو گئے دونوں کا آپس میں نکاح نہیں ہو سکتا خواہ دونوں نے ایک زمانہ میں ہندہ کا دودھ پیا ہو یا الگ الگ زمانے میں ایک دو برس کا فاصلہ ہو دونوں کا حکم ایک ہے۔[1]

حرمت سے کچھ رشتے مستثنیٰ ہیں

رضاعت سے وہی رشتے حرام ہوتے ہیں جو نسب سے حرام ہیں مگر رضاعت میں کچھ رشتے مستثنیٰ ہیں جس سے نکاح کرنا جائز ہے۔

(۱) رضاعی بھائی کے حقیقی بھائی بہن سے نکاح جائز ہے۔ (۲) رضاعی بیٹے کی بہن سے نکاح جائز ہے۔ جیسے خالد، حامد، حمیدہ، تینوں حقیقی بھائی بہن ہیں۔ اور خالد نے عظیمہ کا دودھ پیا تو اب خالد سے عظیمہ اور عظیمہ کے تمام بال بچوں کا نکاح حرام ہے کیونکہ یہ رضاعی بھائی بہن ہیں مگر خالد کے دوسرے بھائی حامد اور اس کی بہن حمیدہ کا نکاح عظیمہ کے بیٹے بیٹیوں سے ہو سکتا ہے۔ اسی طرح عظیمہ کا نکاح حمیدہ کے باپ سے ہو سکتا ہے یا عظیمہ کے شوہر کا نکاح خالد کی بہن حمیدہ سے ہو سکتا ہے۔ (۳) رضاعی بھائی کی رضاعی ماں سے نکاح جائز ہے۔ (۴) رضاعی بیٹے کی رضاعی بہن سے نکاح جائز ہے۔ جیسے ساجد کے دو سوتیلے یا رضاعی بھائی بہن ہیں اور ساجد نے اسماء کا دودھ پیا ہے تو اب ساجد کا نہ اسماء سے اور نہ اسماء کی لڑکیوں سے نکاح ہو سکتا ہے مگر ساجد کے جو سوتیلے یا رضاعی بھائی بہن ہیں ان سے اسماء کا خود اور اسماء کے شوہر کا اور اسماء کے لڑکوں اور لڑکیوں کا نکاح ہو سکتا ہے۔[2]

[1] حرم بسبب الرضاع ما حرم بسبب النسب قرابة وصهرية فی هذه المدة ولوكان الرضاع قليلاً لحديث الصحيحين المشهور يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب (بحر الرائق صفحه ۲۸۸ جلد ۳) [2] قال ويحرم من الرضاع ما يحرم من النسب الحديث الذی روينا الاام اخته من الرضاع فانه يجوز ان يتزوجها ولا يجوز ان يتزوج ام اخت من النسب ... ويجوز تزوج اخت ابنه من الرضاع ولا يجوز ذلك من النسب الخ ويجوز ان يتزوج الرجل بلخت اخيه من الرضاع لانه يجوز ان يتزوج بلخت اخيه من النسب وذلك مثل الاخ من الاب اذا كانت له اخت من امه جاز لاخيه من ابيه ان يتزوجها (هداية صفحه ۳۵۱ جلد ۲)

اسی طرح رضاعی بھائی رضاعی چچا، رضاعی ماموں، رضاعی پھوپھی، رضاعی خالہ کی مائیں بھی محرمات سے نہیں ہیں اسی طرح اپنی رضاعی پوتی کی ماں سے نکاح کرنا جائز ہے ایسے ہی اپنے رضاعی بیٹے کی دادی اور نانی سے بھی نکاح جائز ہے نیز رضاعی بیٹے کی پھوپھی اس کی بہن کی ماں اس کی بھانجی اور اس کی پھوپھی کی بیٹی سے نکاح جائز ہے اور اسی طرح عورت کو اپنے رضاعی بہن کے باپ اپنے رضاعی بیٹے کے بھائی اپنے رضاعی پوتے کے باپ اور رضاعی بیٹے کے دادا اور ماموں سے نکاح کرنا جائز ہے جبکہ نسبی رشتے میں یہ سب محرمات ہیں جن سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔[1]

مسئلہ:- کسی شخص نے اپنی ایسی بیوی کو طلاق دیدی جس کو دودھ اترا ہوا تھا پھر مطلقہ نے عدت گزار کر دوسرے شخص سے نکاح کرلیا اور اس دوسرے شوہر نے بھی جماع کیا اور بچہ دوسرے خاوند کے نطفے سے پیدا ہوا پھر اس عورت نے کسی بچے کو دودھ پلادیا تو پہلے شوہر کے ساتھ دوسرے شوہر سے بھی حرمت ثابت ہوگی ہاں اگر دوسرے شوہر سے حاملہ نہیں ہوئی تو اب حرمت صرف پہلے سے ہوگی۔

حرمت رضاعت بسبب زنا

ایک شخص نے زنا کیا اس کے نتیجے میں زانیہ سے بچہ پیدا ہوا پھر زانیہ نے کسی بچی کو دودھ پلایا تو حرمت زانی سے ثابت ہوجائے گی زنا کرنے والے اور اس کا باپ، دادا اور زانی کی اولاد یعنی بیٹے پوتے وغیرہ اس بچی سے نکاح نہیں کرسکتے ہاں زنا کرنے والے کا چچا اور ماموں اس لڑکی سے نکاح کرسکتا ہے۔[2]

---

[1] وتحل لم اخیه وام عمه وعمته وام خاله وخالته من الرضاع... وكذا يجوز له ان يتزوج بلم حفدته وبجدة ولده من الرضاع ولا يحل ذالك من النسب ... وكذا يجوز له ان يتزوج بعمة ولده من الرضاع... وكذا ام اخت ابنه وبنت اخت ولده وبنت ... عمة ولده وكذا المرأة يجوزلها ان تتزوج بابي اختها او باخي ابنها وبابي حفدتها وبجده ولدها وبخال ولدها من الرضاع ولا يجوز ذالك كله من النسب (علم گیری صفحہ ۳۴۳ جلد ۱ زکریا)

[2] اذا طلق الرجل امرأته ولها لبن فتزوجت بزوج أخر بعد انقضت عدتها وطئها الثاني اجمعوا انها اذا ولدت من الثاني فاللبن من الثاني وينقطع من الاول واجمعوا على انها اذا لم تحمل من الثاني فاللبن من الاول۔ رجل زنى بامرأة فولدت منه فارضعت بهذا اللبن صغيرة لا يجوز لهذا الزاني ولا لاحد من آبائه واولاده نكاح هذه الصبية... ولعم الزاني وخاله ان يتزوج بهذا الولد كالمولود من الزنا (علم گیری صفحہ ۳۴۳ جلد ۱ زکریا)

حرمت رضاعت کے شرائط

(۱) سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ دودھ پلانے والی عورت ۔ اولاد پیدا کرنے کی عمر میں ہو یعنی بالغہ ہو اور بلوغ کی کم سے کم مدت نو سال ہے اگر نو سال سے کم عمر میں دودھ اتر آیا اور اس نے کسی بچہ کو دودھ پلا دیا تو حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی ۔

مسئلہ: اگر کنواری لڑکی کو زرد رنگ کا پانی آ گیا اور اس نے کسی بچہ کو پلا دیا تو حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی ۔ (مسئلہ) اگر کنواری لڑکی کو دودھ نکل آیا تو پھر حرمت رضاعت ثابت ہو جائیگی ۔ (مسئلہ) اگر کسی عورت کی چھاتی سے زرد رنگ کی بہنے والی چیز بچہ کے منہ میں پہنچ گئی تو حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی اور یہ کہا جائے گا کہ اصل میں دودھ تھا لیکن اس کا رنگ متغیر ہو گیا ہے ۔ (مسئلہ) اگر کسی مرد کی چھاتی سے نکلا ہوا دودھ کسی بچہ نے پی لیا تو حرمت ثابت نہیں ہوگی ۔ (مسئلہ) اگر دو بچے نے کسی ایک جانور کا دودھ پی لیا تو بھی حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی ۔ (مسئلہ) حرمت رضاعت ثابت ہونے کے لئے زندہ اور مردہ کا دودھ برابر ہے لہٰذا کسی بچے نے مردہ عورت کا دودھ پی لیا تو بھی حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی ۔[1]

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ دودھ پینے والا بچہ مدت رضاعت (یعنی دودھ پینے کی عمر) میں دودھ پیا ہو اگر بڑا ہو کر پیا تو حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی ۔

---

[1] ولو ان صبية لم تبلغ تسع سنين نزل لها اللبن فارضعت به صبيا لم يتعلق به تحريم وانما يتعلق التحريم به اذا حصل من بنت تسع سنين فصاعداً ...... وكذا لو نزل للبكر ماء اصفر لا يثبت من ارضاعه تحريم ...... دخل في فم الصبي من الثدي مائع لو نه اصفر تثبت حرمت الرضاع لانه لبن تغير لونه ...... اذا نزل للرجل لبن فارضع به صبيا لا تثبت به حرمة الرضاع ...... ولبن الحية والميتة سواء في التحريم ...... واذا ارتضع الصبيان من لبن بهيمة لا يثبت به الرضاع (عالم گیری صفحہ ۳۴۴ جلد ۱)

(مسئلہ) اگر کسی بالغ مرد نے کسی بالغہ عورت کا دودھ پی لیا، یا بے اختیار شوہر کے منھ میں بیوی کا دودھ چلا گیا تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی مگر بالغ مرد یا شوہر کو عورت کا دودھ پینا حرام ہے البتہ نکاح نہیں ٹوٹے گا۔ (مسئلہ) اگر شوہر بچہ ہے اور بیوی بڑی ہے اور پھر نابالغ شوہر نے مدت رضاعت میں بیوی کا دودھ پی لیا تو حرمت ثابت ہو کر بیوی حرام ہو جائیگی [۱]

رضاعت کی مدت اور اس کا حکم

(بچے کو دودھ پلانے کی) مدت رضاعت دو سال ہے چاہے بچہ کی ماں دودھ پلائے یا کوئی دوسری عورت پلائے دو سال کے بعد بچے کو دودھ پلانا حرام ہے دو سال کے اندر کسی عورت نے کسی بچہ یا بچی کو دودھ پلا دیا تو حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ خواہ دو سال مسلسل پلایا، یا کبھی کبھی چند قطرے بھی اس کے حلق میں چلے گئے ہوں مدت رضاعت کو قرآن میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ [۲]	اور بچے والی عورتیں اپنے بچوں کو دو برس دودھ پلائیں اس شخص کیلئے جو مدت رضاعت کو مکمل کرنا چاہے۔

فائدہ اوپر جو دو سال مدت رضاعت قرآن میں بیان کیا گیا ہے وہ صاحبین یعنی امام ابو یوسف اور امام محمدؒ کا مذہب ہے۔ ورنہ امام ابو حنیفہؒ کا قول

---

[۱] قليل الرضاع وكثيره لذا حصل في مدة الرضاع تعلق به التحريم الخ وإذا مضت مدة الرضاع لم يتعلق بالرضاع تحريم (عالمگیری صفحہ ۳۴۲ تا ۳۴۳ جلد ۱) مص رجل ثدي زوجته لم تحرم (درمختار) (مص رجل) قيد به احترازاً عما إذا كان الزوج صغيراً في مدة الرضاع فإنها تحرم عليه (شامی صفحہ ۴۲۱ جلد ۴)

[۲] سورہ بقرہ آیت ۲۳۳

ڈھائی سال کا ہے۔[1]

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی قدس سرہ حاشیہ ترجمہ شیخ الہند پر تحریر فرماتے ہیں کہ اس آیت سے تو اتنا معلوم ہوتا ہے کہ دودھ کی مدت جس کو ماں یا کوئی عورت پلائے اور اجرت باپ سے لینا چاہے تو اس کی انتہائی مدت دو برس ہے۔ مگر یہ معلوم نہیں کہ علی العموم دو برس سے زیادہ دودھ پلانے کی مدت نہیں ہے۔[2]

مگر فتاوی دار العلوم میں حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی دیوبندی قدس سرہ احوط قول بتاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ چونکہ دونوں قول مفتیٰ بہ ہیں اس لئے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ فطام (مدت رضاعت) میں صاحبین کے قول پر عمل کیا جائے کہ دو سال کے بعد بچہ کو دودھ نہ پلائے اور حرمت رضاعت میں امام ابو حنیفہؒ کے قول پر عمل کیا جائے کہ (اگر ڈھائی سال کے اندر بھی دودھ پی لے تو حرمت ثابت ہو جائے)۔[3]

(۳) حرمت رضاعت کی تیسری شرط یہ ہے کہ دودھ اپنی اصلی حالت میں منہ اور ناک کے ذریعہ سے معدہ میں پہنچے اگر چہ پستان کو منہ میں لگا کر نہ پلایا جائے بلکہ دودھ کو باہر برتن وغیرہ میں نکال کر پلایا جائے تب بھی حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی لہٰذا اگر منہ اور ناک کے علاوہ کسی اور طریقہ سے دودھ پہنچایا گیا۔ مثلاً کان میں ٹپکا دیا گیا یا عضو مخصوص کے سراخ میں ڈال دیا گیا یا حقنہ کے ذریعہ استعمال کرایا گیا یا مقعد میں یا دماغ میں یا پیٹ کے زخم میں ڈال دیا گیا یا انجکشن کے ذریعہ سے عورت کا دودھ معدہ میں یا دماغ میں پہنچا دیا گیا تو ان تمام

---

[1] حولان ونصف عنده وحولان فقط عندهما وهو الاصح فتح وبه يفتى كما فى الصحيح القدورى عن العون لكن فى الجوهرة انه فى الحولين ونصف ولو بعد الفطام محرم وعليه الفتوى (درمختار) قوله لكن الخ استدراك على قوله به يفتى وحاصله انهما قولان افتى بكل منهما (شامى صفحه ۳۹۵ جلد۴ زكريا) [2] (تفسير شيخ الهند صفحه ۴۷ حاشيه ۲ پ ۲)

[3] (فتاوى دار العلوم ديوبند صفحه ۴۳۴ جلد ۷)

صورتوں میں حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔ [۱]

دودھ کو کسی سیال چیز میں ملا کر پلانے کا حکم

اگر عورت کا دودھ پانی یا دوا یا جانور کے دودھ میں یا کسی پتلی سیال چیز میں مل گیا اور وہ کسی بچے کو پلا دیا گیا تو غالب کا اعتبار ہوگا اگر عورت کا دودھ ان چیزوں سے زیادہ ہے تو حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ اور اگر دودھ کی مقدار کم ہے تو حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔ غالب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا رنگ، بو اور ذائقہ تینوں چیزیں یا ان میں سے کوئی ایک چیز محسوس و معلوم ہو اگر دودھ اور ملی ہوئی سیال چیزیں برابر ہیں تو بھی حرمت ثابت ہونا ضروری ہے کیونکہ دودھ مغلوب نہیں ہوا۔ [۲]

دو عورت کا دودھ باہم مل جائے

اگر دو عورت کا دودھ باہم مل گیا تو حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس عورت سے حرمت ثابت ہوگی جس کا دودھ زیادہ ہو لیکن امام محمدؒ کے نزدیک مطلقاً دونوں عورتوں سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی یہی قول صحیح اور اقرب الی الاحتیاط ہے۔ اگر دونوں عورتوں کا دودھ برابر ہے تو بالاتفاق دونوں سے حرمت ثابت ہوگی۔ [۳]

دودھ کو جامدات میں ملا کر پلائے

اوپر تو بہنے والی چیزوں کے ساتھ ملنے کا حکم بیان کیا گیا ہے اب مسئلہ یہ ہے

---

[۱] ویثبت به... وان قل ان علم وصوله لجوفه من فمه او انفه لاغير (درمختار) لا غیر یأتی محترزه فی قول المصنف والاحتقان والاقطار فی اذن وجائفة وآمة (شامی صفحه ۴۰۱ جلد ۴ زکریا) [۲] ومخلوط بماء او دواء او لبن اخرى او لبن شاة اذا غلب لبن المرأة وكذا اذا استويا اجماعاً لعدم الاولوية (درمختار) تعتبر الغلبة بالاجزاء فی الجنس وفی غیره بتغير طعم او لون او ريح كما روى عن ابی یوسفؒ (شامی صفحه ۴۱۱ جلد۴)

[۳] وعلق محمد الحرمة بالمرأتين مطلقاً قيل وهو الاصح (درمختار) ولو استويا تعلق بهما (شامی صفحه ۴۱۲ جلد۴)

کہ اگر دودھ جمی ہوئی چیز۔ مثلاً روٹی، ستو، بسکٹ وغیرہ میں ملایا گیا اور روٹی وغیرہ نے دودھ کو جذب کر لیا پھر وہی کھانا بچہ کو کھلایا گیا اور اس میں دودھ کا ذائقہ موجود ہے تو حرمت ثابت ہو جائے گی بشرطیکہ لقمہ لقمہ کر کے کھلایا گیا ہو اور اگر گھونٹ گھونٹ کر کے پلایا گیا ہو تو اس میں ذائقہ کا موجود ہونا شرط نہیں مطلقاً حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی...... اگر ان چیزوں کو دودھ میں ملا کر پکایا گیا تو کسی حال میں حرمت ثابت نہیں ہوگی خواہ دودھ غالب ہو یا مغلوب کیونکہ دودھ کی حقیقت بدل گئی۔ [1]

دودھ کا دہی اور پنیر وغیرہ بنا کر کھلانے کا حکم

اگر کسی عورت نے اپنے دودھ کی چھاچھ یا دہی یا پنیر یا ماوا وغیرہ بنا کر اسے کسی بچے کو کھلا دیا تو حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی کیونکہ ان چیزوں پر دودھ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ [2]

حرمت رضاعت کے ثبوت کے لئے گواہ شرط ہے

رضاعت (یعنی دودھ پلانے) کے ثبوت کیلئے ضروری ہے کہ دو مرد گواہی دیں کہ فلاں عورت نے فلاں بچہ کو دودھ پلایا ہے اگر دو مرد نہیں ہیں تو کم سے کم ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی اس شرط کیساتھ ضروری ہے کہ وہ عادل ہوں اگر صرف ایک عورت یہ اقرار کرتی ہے کہ میں نے فلاں بچہ کو دودھ پلایا ہے اور اس کے علاوہ کوئی گواہ نہیں ہے تو صرف اس عورت کے دعویٰ اور اقرار کی وجہ سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔ [3]

---

[1] وقال ان كان غالبا يحرم والخلاف مقيد بالذى لم تمسه النار فلذا طبخ فلا تحريم مطلقا اتفاقا الخ (وان حسماه حسوا) تثبت الحرمة في قولهم جميعاً (شامی صفحه ۴۱۲ جلد۴)

[2] قال في البحر ولو جعل اللبن مخيضا او رائبا او شيرازا او جبنا او اقطا او مصلا فتناوله الصبي لا تثبت به الحرمة لان اسم الرضاع لايقع عليه (شامی صفحه ۴۱۳ جلد۴)

[3] ولا تقبل في الرضاع شهادة النساء منفردات وانما يثبت بشهادة رجلين او رجل وامرأتين (قدوری صفحه ۱۷۰)

احتیاط کا تقاضا

محض ایک عورت کے کہنے سے یا صرف ایک مرد کے کہنے سے یا صرف چار عورتوں کی گواہی سے شرعاً تو حرمت ثابت نہیں ہوگی لیکن اگر شک ہوگیا کہ ہوسکتا ہے کہ عورت نے دودھ پلایا ہوتو احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اس عورت اور اس کے بال بچوں سے رشتۂ نکاح قائم نہ کرے اگر بیوی کے متعلق یہی شک ہوجائے کہ رضاعی بہن ہے تو چھوڑ دے۔

کسی عورت نے دو چھوٹی بچیوں کو جو آپس میں سوکن ہیں دودھ پلا دیا

اگر کسی شخص نے دو شیرخوار بچیوں سے نکاح کیا اس کے بعد کسی اجنبی عورت نے آکر دونوں کو ایک ساتھ یا یکے بعد دیگرے دودھ پلا دیا تو دونوں شوہر پر حرام ہوجائیں گی پھر دونوں میں سے ایک سے جس کو پسند کرے اس سے نکاح کرلے یہی حکم تین بچیوں میں بھی ہوگا کہ تین سوکن ہیں تینوں کو کسی نے دودھ پلا دیا تو تینوں حرام ہوجائیں گی بشرطیکہ تینوں کو ایک ساتھ پلایا ہو اور اگر یکے بعد دیگرے دودھ پلایا تو پہلی دو حرام تیسری زوجیت میں رہے گی اور اگر پہلے دو کو پلایا پھر تیسری کو پلایا تو بھی یہی حکم ہے کہ تینوں حرام ہوجائیں گی اور اگر پہلے ایک لڑکی کو پلایا بعد میں دو کو تو پھر تینوں حرام ہوجائیں گی۔ پھر ان میں سے ہر ایک بچی کیلئے شوہر پر نصف مہر واجب ہوگا شوہر اس مہر کو دودھ پلانے والی عورت سے وصول کرلے گا جبکہ عورت نے شرارت کی نیت سے پلایا ہو۔ اگر شرارت کی نیت سے نہیں بلکہ دونوں یا تینوں بچیاں بھوک سے بلک رہی تھیں جان جانے کا خطرہ تھا عورت نے جان بچانے کے مقصد سے پلا دیا تو حرمت ثابت تو ہو ہی جائے گی مگر شوہر عورت سے مہر وصول نہیں کریگا۔[1]

[1] ولو تزوج صغیرتین رضعتین فجاءت امرأۃ اجنبیۃ فارضعتهما معا او علی التعاقب حرمتا علیه ویجوز ان یتزوج احداهما ایتهما شاء فان کن ثلاثا فارضعتهن جمیعا حرمن علیه وله ان یتزوج واحدۃ منهن ایتهن شاء وان ارضعتهن علی التعاقب واحدۃ بعد واحدۃ حرمت علیه الاولیان وکانت الثالثۃ امرأته وکذا اذا ارضعت الثنتین معا ثم الثالثۃ حرمتا والثالثۃ امرأته ولو ارضعت الاولی ثم الثنتین معا حرمن جمیعا (عالمگیری صفحہ ۳۴۵ جلد ۱) زکریا

بغیر شوہر کی اجازت کے کسی بچہ کو دودھ نہ پلائے

کوئی بھی عورت کسی دوسرے کے بچہ کو بغیر اپنے شوہر کی اجازت کے دودھ نہ پلائے ہاں اگر اس بچہ کی ماں وہاں نہیں ہے یا اسکی ماں کو دودھ نہیں ہو رہا ہے اور بچہ بھوک سے تڑپ رہا ہے تو بغیر شوہر کی اجازت کے بھی دودھ پلا سکتی ہے[۱]

تفریق قضاءِ قاضی کے ذریعہ ہو سکتی ہے

جب دو گواہوں نے دودھ پینے کی گواہی دیدی تو اب میاں بیوی کے درمیان جدائی ہو جائیگی مگر یہ تفریق قاضی کے حکم اور فیصلے سے ہو سکتی ہے قاضی نے تفریق کردی تو عورت کو کچھ نہیں ملے گا بشرطیکہ جماع نہ ہوا ہو اگر جماع کرلیا ہے تو پھر مہر مثل یا مہر متعین جسکی مقدار مہر مثل سے کم ہوگی وہ شوہر پر واجب ہوگا اور نفقہ وسکنیٰ وغیرہ کچھ نہیں ملے گا[۲]

خون چڑھانے سے حرمت کا مسئلہ

آج کل ایک جدید مسئلہ پیش آگیا ہے کہ ایک انسان کا خون دوسرے انسان کے بدن میں پہنچایا جاتا ہے تو کیا اس سے حرمت ثابت ہوگی اسکے متعلق حضرت مولنا مفتی ظفیر الدین صاحب مدظلہ مفتی دارالعلوم دیوبند نے تحریر فرمایا ہے کہ اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی اسلئے کہ رضاعت سے حرمت ثابت ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ عورت کا دودھ بچہ دو ڈھائی سال کی عمر کے اندر پیئے لہٰذا اگر دو ڈھائی سال کی عمر کے بعد یہ خون ایک جسم سے دوسرے جسم کی طرف منتقل کیا گیا ہے یا خون عورت کا نہیں مرد کا ہے تو بظاہر اس شرط مذکور کی بنیاد پر حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ البتہ صرف ایک صورت زیر بحث رہ جاتی ہے وہ یہ کہ عورت کا خون دو ڈھائی سال یا اس سے کم عمر بچہ کے جسم

---

[۱] ویکرہ للمرأۃ ان ترضع صبیا بلا اذن زوجھا الااذا خافت ھلاکہ (شامی صفحہ ۴۰۲ جلد ۱)

[۲] وھی شھادۃ عدلین او عدل و عدلتین لکن تقع الفرقۃ الا بتفریق القاضی (درمختار علی ھامش شامی صفحہ ۴۲۰ جلد ۴ زکریا)

میں منتقل کیا جائے تو اس میں حرمت اسلئے ثابت نہیں ہوگی کہ اولاً رضاعت کی حرمت کتاب و سنت میں صراحۃً موجود ہے پھر یہ بھی دیکھا جائے کہ ظاہری طور پر دودھ پلانے میں حال یہ ہوتا ہے کہ دودھ پلانے والی عورت بچہ کو گود میں اٹھاتی ہے پیار کرتی ہے چھاتی سے چمٹاتی ہے اور اپنی محبت اس پر نچھاور کرتی ہے اور بچہ بھی اسکا اثر قبول کرتا ہے مگر خون منتقل کرنے میں ان باتوں میں سے کوئی بات نہیں پائی جاتی ہے۔[1]

حرمت موقتہ کے کئی اسباب ہیں

کل محرمات نو قسم کی ہیں ان نو کو اولاً دو قسم پر تقسیم کیا گیا ہے۔ مؤبدہ (ہمیشہ کے لئے حرام ہو) اسکے تین اسباب ہیں۔ نسبیہ، صہریہ، رضاعیہ۔ انکا بیان ہو چکا۔ اب دوسری قسم۔ موقتہ ہے (مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ ہمیش کیلئے حرام نہ ہو بلکہ کسی عارض کی وجہ سے حرام ہوئی عارض ختم ہونے کے بعد حلال ہو جاتی ہے) اسکے چھ اسباب ہیں (۱) مالک ہونا (۲) مملوک ہونا (۳) تعلق مع الغیر یعنی کسی کی منکوحہ ہونا (۴) اختلاف مذہب (۵) مطلقۂ ثلاثہ (۶) جمع کرنا۔ قدرے تفصیل کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) مالک ہونا

یعنی عورت کسی غلام کی مالکہ ہے تو وہ اپنے مملوک غلام کے لئے حرام ہے اسی طرح اس غلام سے بھی نکاح جائز نہیں جو اس عورت اور دوسرے کے درمیان مشترک ہے۔ اگر میاں بیوی میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کے کل یا جز کا مالک ہو جائے تو نکاح باطل ہو جائیگا۔[2]

[1] پیش لفظ فتاوی دارالعلوم ص ۳۲ جلد ۸)۔

[2] لایجوز للمرأۃ ان تتزوج عبدھا ولاالعبد المشترک بینھا وبین غیرھا واذا اعترض ملک الیمین علی النکاح یبطل النکاح بان ملک احد الزوجین صاحبہ او شقصامنہ کذافی البدائع۔ (عالم گیری صفحہ ۲۸۲ جلد ۱ زکریا)۔

(۲) مملوکہ ہونا

حرمت غیر مؤبدہ کا دوسرا سبب مملوکہ ہونا ہے۔ یعنی پہلے سے جب آزاد عورت نکاح میں موجود ہو تو باندی سے نکاح کرنا حرام ہے اسی طرح آزاد اور باندی سے ایک ساتھ بھی نکاح حرام ہے۔ مدبرہ اور ام ولد کا بھی یہی حکم ہے۔ اگر کسی نے ایک عقد میں آزاد اور باندی دونوں سے نکاح کیا تو آزاد کا نکاح صحیح ہوگا۔ باندی کا نکاح باطل ہو جائیگا (مگر شرط یہ ہے کہ آزاد عورت محرمات میں سے نہ ہو یا کسی وجہ سے اس سے نکاح حرام نہ ہو) اگر کسی نے پہلے باندی سے نکاح کیا پھر آزاد عورت سے تو دونوں کا نکاح درست ہو جائیگا۔[۱]

(۳) تعلق مع الغیر یعنی کسی کی منکوحہ و معتدہ ہو

یعنی ان عورتوں کے ساتھ بھی نکاح حرام ہے جنکے ساتھ کسی دوسرے مرد کا حق متعلق ہو مثلاً وہ عورت کسی کے نکاح میں ہو تو اس سے نکاح کرنا حرام ہے (لقولہ تعالی والمحصنات من النساء[۲]) یعنی وہ عورتیں حرام کی گئی ہیں تم پر جو شادی شدہ ہوں۔

اسی طرح اس عورت سے بھی نکاح حرام ہے جو کسی کی عدت میں ہو اب وہ عدت خواہ طلاق کی ہو یا موت کی یا ایسے نکاح فاسد اور شبہ نکاح کی جس میں جماع کر لیا گیا ہو۔[۳]

---

[۱] لا یجوز نکاح الامة علی الحرة ولا معها کذافی محیط السرخسی وکذا المدبرة وام الولد... ولو جمع بین الامه والحرة فی عقدة واحدة صح نکاح الحرة وبطل نکاح الامة وهذا اذا کان یصح نکاح الحرة وحدها فان لم یصح لضمها الی الامة لایوجب بطلان نکاح الامة کذا فی الخلاصة ولونکح الامة ثم الحرة صح نکاحهما (علم گیری صفحہ ۲۷۹ جلد ۱ زکریا)۔

[۲] سورة النساء آیت ۲۴

[۳] لا یجوز للرجل ان یتزوج زوجة غیره وکذلك المعتدة ... سواء کانت العدة عن طلاق او وفاة او دخول فی نکاح فاسد او شبهة نکاح (علم گیری صفحہ ۲۸۰ جلد ۱ زکریا)۔

مسئلہ: اگر کسی نے عدت میں ہی نکاح کر کے جماع بھی کر لیا اور اسکے نتیجے میں بچہ پیدا ہوا تو اس بچہ کا نسب عدت میں شادی کرنے والے سے ثابت ہوگا۔

اگر غیر کی منکوحہ سے نکاح کرلیا

اگر کسی شخص نے انجانے میں کسی دوسرے کی بیوی سے نکاح کر لیا اور پھر اسکے ساتھ جماع بھی کر چکا تو وہ دونوں کے درمیان جدائی کے بعد عورت پر عدت واجب ہوگی اور اگر بچہ پیدا ہو جائے تو نسب بھی ثابت ہوگا۔ اگر وہ شخص جانتا تھا کہ یہ دوسرے کی بیوی ہے اور پھر اس سے شادی کر لیا تو جدائی کے بعد اس عورت پر عدت واجب نہیں ہوگی اور اسکے خاوند کے لئے اس سے جماع کرنا جائز ہوگا۔[1]

(۴) اختلاف مذہب۔ یعنی غیر مسلم سے نکاح

نکاح کیلئے زوجین کا ہم مذہب ہونا شرط ہے لہٰذا کافرہ اور مشرکہ عورتوں سے نکاح حرام ہے اسی طرح بت پرست، آتش پرست وغیرہ عورت ومرد سے رشتۂ نکاح قائم کرنا ناجائز ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ الخ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا

کہ اے مسلمانوں تم مشرک عورتوں سے ہرگز نکاح نہ کرو۔ جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں اور نہ اپنی عورتوں کا نکاح مشرک مردوں سے کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔

(فائدہ) کافر ومشرک مردوں اور عورتوں سے نکاح اس لئے ناجائز ہے کہ ازدواجی رشتہ آپسی محبت ومودت کا متقاضی ہے زوجین ایک دوسرے کو اپنی طبیعت وفطرت کی طرف کھینچتے ہیں اس کے بغیر اصل مقصد پورا نہیں ہوتا اور مشرکین کیساتھ اس

[1] ولوتزوج بمنكوحة الغير وهو لايعلم انها منكوحة الغير فوطئها تجب العدة وان كان يعلم انها منكوحة الغير لاتجب حتى يحرم على الزوج وطؤها (عالم گری صفحہ ۲۸۰ جلد ۱)

قسم کے تعلقات قریبہ اور محبت ومودت کا لازمی اثر یہ ہوگا کہ ان میں بھی کفر وشرک کی طرف میلان پیدا ہو یا کم از کم کفر وشرک سے نفرت ان کے دلوں سے نکل جائے اور اس کا انجام یہ ہوگا کہ یہ بھی کفر وشرک میں مبتلا ہو جائیں گے اور اس کا نتیجہ جہنم ہے۔ اسی کو اللہ رب العزت نے یوں بیان کیا ہے۔

اُولٰئِکَ یَدْعُوْنَ اِلَی النَّارِ وَاللّٰہُ یَدْعُوْ اِلَی الْجَنَّۃِ وَالْمَغْفِرَۃِ بِاِذْنِہٖ[۱] کہ یہ لوگ جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں اور اللہ اپنے حکم سے انسان کو جنت ومغفرت کی دعوت دیتا ہے۔

اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ سے نکاح

مسلمان مرد کا نکاح کتابیہ یعنی یہودی اور عیسائی کی عورتوں سے جو دار الحرب میں رہتی ہیں یا دار الاسلام میں خراج وٹیکس دیکر رہتی ہیں جائز ہے اس کے برخلاف مسلمان عورتوں کا کتابی مرد سے نکاح جائز نہیں کیونکہ عورت فطرۃً ضعیف ہے شوہر کے عقائد ونظریات سے متاثر ہو کر اس کے اپنے دین کو بدل دینے کا خطرہ ہے اس کے برخلاف مرد پر عورت کے خیالات کا اثر پڑنا مستبعد ہے اسی کو قرآن کریم میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبَاتُ الخ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوْا الْکِتَابَ مِنْ قَبْلِکُمْ[۲] کہ آج تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کردی گئی ہیں اور پارسا عورتیں جو مسلمان ہوں اور پاکدامن عورتیں ان لوگوں میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے۔ (یعنی ان سے نکاح کر سکتے ہو)۔

(فائدہ) کتابیہ عورتوں سے نکاح کے جواز کا مطلب صرف اتنا ہے کہ ایسی

---

[۱] سورہ بقرہ آیت ۲۲۱ [۲] سورہ مائدہ آیت ۵

کتابیہ سے جو اپنے دین عیسائیت و یہودیت میں خالص ہو نکاح کرلیا تو نکاح صحیح ہو جائے گا اور اولاد ثابت النسب ہوگی لیکن روایات حدیث اس پر شاہد ہیں کہ یہ نکاح بھی پسندیدہ نہیں ہے آپؐ نے فرمایا کہ مسلمان کو اپنے نکاح کیلئے دیندار صالح عورت تلاش کرنا چاہئے چنانچہ کعب بن مالکؓ نے ایک کتابیہ سے نکاح کرنا چاہا تو حضور ﷺ نے یہ کہہ کر منع فرمادیا تھا کہ (انها لاتحصنک) یہی وجہ ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ کو جب خبر پہنچی کہ عراق وشام کے مسلمانوں میں ایسے ازدواج کی کثرت ہونے لگی ہے تو بذریعہ فرمان ان کو اس سے روک دیا اور اس پر توجہ دلائی کہ یہ ازدواجی تعلق دیانۃً بھی مسلم گھرانوں کے لئے خرابی کا سبب ہے اور سیاسۃً بھی آج کے غیر مسلم اہل کتاب کے سیاسی مکروفریب اور سیاسی شادیوں کے مقاصد مسلم گھرانوں میں داخل ہوکر ان کو اپنی طرف مائل کرنا ان کے راز حاصل کرنا وغیرہ عیاں ہے۔ فاروق اعظم کی دور بین نگاہیں ان واقعات کو دیکھ رہی تھیں۔ خصوصاً اس زمانہ کے یورپ کے اکثر عیسائی یا یہودی مردم شماری کے رجسٹروں میں اپنی قومیت عیسائی یا یہودی لکھتے ہیں مگر ان کو دین عیسائیت و یہودیت سے کوئی تعلق نہیں وہ بالکل ملحد اور بے دین ہیں نہ عیسیٰؑ کو مانتے ہیں اور نہ انجیل کو نہ موسیٰؑ پر ایمان رکھتے ہیں نہ تورات پر نہ خدا پر نہ آخرت پر۔ ظاہر ہے کہ حلت نکاح کا قرآنی حکم ایسے اہل کتاب کو شامل نہیں ان کی عورتوں سے نکاح قطعاً حرام ہے ایسے لوگ آیت قرآنی والمحصنت من الذین اوتوا الکتاب کے استثناء میں داخل نہیں ہیں۔[1]

ان فرقوں سے نکاح جن کی تکفیر کی گئی ہے

وہ فرقے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں مگر علماء اہل سنت نے ان کی تکفیر کی ہیں ان سے رشتۂ نکاح جائز نہیں ہے جیسے مرزائی، قادیانی، چکڑالوی شیعہ غالی روافض

[1] معارف القرآن صفحہ ۴۸۶ ج ۱

غالی وغیرہ اور وہ فرقے جن کی تکفیر تو نہیں کی گئی ہے مگر وہ قرآن وحدیث کی رو سے مبتدع اور فاسق ہیں ان سے نکاح کرنا جائز تو ہے مگر احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے فرقے سے بھی نکاح نہ کیا جائے[1]

(۵) مطلقہ ثلاثہ

یعنی وہ عورت بھی محرمات میں سے ہے جسکو شوہر نے تین طلاقیں دیدیں اور اگر باندی ہے تو دو طلاق کے بعد مغلظہ ہو جائیگی تو اس عورت سے اسکا شوہر نکاح نہیں کرسکتا ہاں اگر وہ عورت عدت گزار کر کسی دوسرے مرد سے نکاح کر چکے بعد اس سے صحبت بھی کرالی اور پھر اسکو شوہر ثانی نے بھی طلاق دیدی تو عدت گزار کر پہلے شوہر کی طرف لوٹ سکتی ہے اسکے بغیر لوٹنے کی کوئی صورت نہیں ہے جیسا کہ قرآن میں بھی اسکو بیان کیا گیا ہے (فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ[2]) یعنی اگر شوہر نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی تو وہ اس کے لئے اسوقت تک حلال نہیں ہوسکتی جب تک کہ دوسرے سے نکاح اور اس کے بعد مجامعت وغیرہ بھی نہ پائی جائے[3]

(۶) عورتوں کو جمع کرنا

محرمات کی ایک قسم کچھ عورتوں کو جمع کرنا بھی ہے اسکی دو قسمیں ہیں (۱)

---

[1] لا یجوز نکاح المجوسیات ولا الوثنیات وسواء فی ذالک الحرائر منهن والاماء... ویدخل فی عبدة الاوثان عبدة الشمس والنجوم والصورالتی استحسنوها والمعطله والزنادقة والباطنیة والا باحیة وکل مذهب یکفر به معتقده الخ. ویجوز للمسلم نکاح الکتابیة الحربیة والذمیة حرة کانت اوامة ... والاولی ان لا یفعل (عالم گیری صفحه ۲۸۱ جلد۱ زکریا)

[2] سورہ البقرہ آیت ۲۳۰

[3] لا یحل للرجل ان تتزوج حرة طلقها ثلاثا قبل اصابة الزوج الثانی ولا امة طلقها ثنتین الخ حتی تتزوج غیره و یطأها و یطلقها و تنقضی عدتها (عالم گیری صفحه ۲۸۲ جلد ۱)

ذوات الارحام کو جمع کرنا (۲) اجنبیہ عورتوں کو جمع کرنا۔

ذوات الارحام کو جمع کرنا

ایسی دو عورتوں کو نکاح اور ملکیت میں جمع کر کے ان سے وطی کرنا حرام ہے جو آپس میں ذی رحم اور نسبی رشتہ دار ہوں جیسے دو بہنوں کو جمع کرنا خواہ حقیقی بہنیں ہوں یا رضاعی اسکے متعلق قرآن میں صراحۃً ممانعت وارد ہوئی ہے (وان تجمعوا بین الاختین) یعنی یہ بھی تم پر حرام کیا گیا ہے کہ تم اپنے نکاح میں دو بہنوں کو جمع کرو... (بہنوں ہی کے حکم میں تمام ذی رحم ہیں) اسکے لئے فقہاء نے ایک ضابطہ بتلایا ہے کہ ایسی دو عورتوں کو جمع کرنا حرام ہے کہ ان دونوں میں سے ایک کو مرد فرض کرلیا جائے تو انکا آپس میں نکاح کرنا حرام ہو جائے۔ جیسے دو بہن ہیں ایک بہن کو مرد فرض کرلیا تو ایک بھائی اور ایک بہن ہو گئے جنکا آپس میں نکاح جائز نہیں اسی طرح ایک بھتیجی اور دوسری پھوپھی ہے ان میں سے ایک مثلاً پھوپھی کو مرد فرض کرلیا جائے تو وہ بھتیجی کا چچا ہو جائیگی جن دونوں کا آپس میں نکاح جائز نہیں۔ اسی طرح کسی لڑکی کے ساتھ اسکی حقیقی خالہ یا رضاعی خالہ یا اس قسم کی اور رشتہ دار عورتوں کو جمع کرنا جائز نہیں جسمیں ایک کو مرد فرض کرلینے سے نکاح جائز نہ ہو۔ حضور ﷺ کی حدیث ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ لایجمع بین المرأۃ وعمتھا ولا یجمع بین المرأۃ وخالتھا[1]

حضرت ابو ہریرہؓ نقل کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ عورت اور اسکی پھوپھی یا اسکی خالہ کو ایک نکاح میں جمع نہ کرو)۔

اسی طرح ہدایہ میں ہے:

---

[1] (بخاری) صفحہ ۷۶۶ جلد ۲)

ولا یجمع بین امرأتین لو کانت احداهما رجلا لم یجز له ان یتزوج بالاخری [۱]

ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع نہ کیا جائے کہ اگر ان دو عورتوں میں سے ایک کو مرد فرض کرلیا جائے تو انکا آپس میں نکاح جائز نہ ہو۔

ایک بہن کی عدت میں بھی دوسری بہن سے نکاح جائز نہیں

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی یا طلاق بائن یا طلاق مغلظہ دیدی یا نکاح فاسد ہونیکی وجہ سے نکاح فسخ ہوگیا مگر اس سے جماع کرلیا یا شبہ میں مبتلا ہو کر کسی عورت سے وطی کرلیا غرض ان میں سے کسی بھی صورت کے پیدا ہونے کی شکل میں اگر وہ عورت عدت گزار رہی ہو تو اس کی عدت میں اس کی بہن سے یا ان کی ذوات الارحام میں سے کسی سے نکاح کرنا اسی طرح حرام ہے جس طرح بیک وقت دونوں کا نکاح میں رہنا حرام ہے۔[۲]

اگر دو بہنوں سے نکاح کرلیا تو کیا کیا جائے

اگر کسی شخص نے ایک ہی عقد میں دو بہنوں سے نکاح کرلیا تو دونوں سے نکاح باطل ہوگا اور ان دونوں کو ان کے شوہر سے جدا کردیا جائے گا اگر یہ جدائی دخول سے قبل ہوئی ہے تو مہر کے طور پر ان دونوں کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔ اور اگر دخول کے بعد جدائی ہوئی ہے تو مہر مثل یا مہر متعینہ میں سے جسکی مقدار کم ہو وہ دونوں میں سے ہر ایک کو ملے گا اور عدت بھی واجب ہوگی۔[۳]

---

[۱] ہدایة صفحہ ۳۰۹ جلد ۲ [۲] وحرم الجمع بین المحارم نکاحا ای عقداً صحیحاً وعدة ولو من طلاق بائن (درمختار علی ہامش شامی صفحہ ۱۱۵ تا ۱۱۶ جلد ۴ زکریا)

[۳] وان تزوجهما معاً ای الاختین الخ فرق القاضی بینه وبینهما...... لذا الحکم فی تزوجها معا البطلان وعدم وجوب المهر الا بالوطء (درمختار) اما فی مسألة تزوجهما معا فی عقد واحد فالبطلان نکاح کل منهما یقینا فلذا کان التفریق قبل الدخول فلا مهر لهما ولا عدة علیهما وان دخل بهما وجب لکل الأقل من المسمی ومن مهر المثل کما هو حکم النکاح الفاسد وعلیهما العدة (شامی صفحہ ۱۲۰ جلد ۴)

اور اگر دو بہنوں سے دو عقد میں یکے بعد دیگرے نکاح کیا تو جو نکاح بعد میں ہوگا وہ فاسد ہوگا اور شوہر کیلئے ضروری ہوگا کہ وہ اس سے خود علیحدگی اختیار کرلے ورنہ قاضی کو معلوم ہونے کے بعد قاضی جبراً علیحدہ کردے پھر یہ علیحدگی جماع سے قبل ہوئی ہے تو علیحدگی کے احکام (مہر عدت وغیرہ میں سے) کوئی حکم نافذ نہیں ہوگا اور اگر دخول کے بعد علیحدگی ہوئی ہے تو مہر مثل یا مہر متعینہ میں سے جس کی مقدار کم ہے وہ ملے گا اور اس پر عدت بھی واجب ہوگی اور بچہ پیدا ہوجائے تو اس (مرد) سے نسب بھی ثابت ہوگا اور اس شخص کو اپنی بیوی یعنی پہلی منکوحہ سے اس وقت تک علیحدہ رہنا ہوگا جب تک کہ اس کی بہن کی عدت پوری نہ ہوجائے [۱]

اجنبیہ عورتوں کو جمع کرنے کا طریقہ

اجنبیہ کو جمع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ شریعت میں ایک آزاد مرد کیلئے بیک وقت چار سے زائد اور غلام کے لئے دو سے زیادہ عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں بلکہ حرام ہے۔ ہاں بیک وقت آزاد مرد چار عورتوں سے نکاح کرسکتا ہے قرآن نے اس کی اجازت دی ہے۔

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ [۲]

اور حلال عورتوں میں سے جو تمہیں اچھی لگے نکاح کرلو دو دو، تین تین، چار چار عورتوں سے بیک وقت۔

توأم یعنی دو جڑی ہوئی عورت سے نکاح

ایسی عورت جو پیدائشی طور پر جڑی ہوئی ہو اس کو کسی ایک ہی شخص کے نکاح میں دینا جائز ہے یا نہیں تو سمجھئے کہ ایسی عورت کی اولاً تین صورتیں ہیں (۱) اول یہ کہ

[۱] وان تزوجهما فى عقدتين فنكاح الاخيرة فاسد ويجب عليه ان يفارقها ولو علم القاضى بذلك يفرق بينهما فان فارقها قبل الدخول لا يثبت شئ من الاحكام وان فارقها بعد الدخول فلها المهر ويجب الاقل من المسمى ومن مهر المثل وعليها العدة ويثبت النسب ويعتزل عن امرأته حتى تنقضى عدة اختها (عالم گیری صفحہ ۲۷۷ تا ۲۷۸ جلد ۱ زکریا)

[۲] سورۃ النساء پارہ ۴ آیت ۳ رکوع ۱۲

اس کے تمام اعضاء جوڑے جوڑے نہ ہوں بلکہ بعض اعضاء جوڑے ہوں مگر جسم کا اہم حصہ ایک ہو مثلاً کمر سے سر تک پورا دھڑ اور پیشاب پاخانہ وغیرہ کا راستہ ایک اور باقی ہاتھ پیر چار چار ہوں تو خلقۃً یہ ایک ہے ایسی عورت کا نکاح کسی ایک ہی شخص سے کرنے میں کوئی اشکال نہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اس کا بدن دو اور تمام اعضاء جوڑے جوڑے ہوں صرف کسی ایک جانب اس قدر جڑا ہوا ہے کہ جان اور صحت کو بغیر خطرہ میں ڈالے ہوئے آپریشن وغیرہ کے ذریعہ علیحدہ کرنا ممکن ہو تو پھر کسی ایک ہی شخص کے نکاح میں اس کو دینا جمع بین الاختین کی صورت ہے جو نص قرآنی سے حرام ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ جسم خلقی طور سے اس قدر جڑے ہوئے ہیں کہ آپریشن وغیرہ کے ذریعہ بھی جدا کرنا ممکن نہ ہو بڑے بڑے ماہر سرجن اور ڈاکٹر اس سے عاجز ہوں تو پھر ایسی عورت کے نکاح کے سلسلے میں علماء کی مختلف آراء ہیں حضرت تھانوی نے عدم جواز کا فتوی دیا ہے[1]

جبکہ جناب مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی کا خیال یہ ہے کہ عورت بغیر نکاح کے اپنی عصمت کی حفاظت نہیں کر سکتی گناہ میں پڑ جانے کا قوی اندیشہ ہے تو پھر استثناءً واستحساناً نکاح جائز ہونا چاہئے[2]

راقم الحروف کو انہیں کی رائے پسند ہے۔ کیونکہ اس ترقی یافتہ سائنسی اور فن طب کی وسعت کے دور میں جان اور صحت کو بغیر خطرہ میں ڈالے علیحدہ کرنے سے جب ایسے ماہر فن تجربہ کار ڈاکٹر اور سرجن عاجز ہوں تو بظاہر یہ توأم خلقۃً ایک ہے۔ اس لئے ایسی عورت کا نکاح کسی ایک ہی شخص سے کر دینے میں انشاء اللہ کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

[1] (امداد الفتاوی صفحہ ۲۳۸ جلد ۲) [2] (جدید فقہی مسائل صفحہ ۱۶۱ جلد ۱)

حاملہ سے نکاح کرنا

عورت کا حمل اگر شوہر سے ہے اور شوہر نے اس کو طلاق دیدیا یا اس عورت کو چھوڑ کر وفات پا گیا تو ایسی حاملہ عورت سے نکاح اس وقت تک جائز نہیں ہوگا جب تک کہ وضع حمل نہ ہو جائے۔ کیونکہ حاملہ کی عدت حمل سے فراغت ہے اور درمیان عدت نکاح درست نہیں۔

اور اگر حمل زنا کی وجہ سے ہے تو پھر ایسی عورت سے نکاح درست ہے مگر وضع حمل تک ہمبستری ناجائز ہے۔ البتہ اگر نکاح کرنے والا خود زانی ہے تو اس کے لئے فوراً وطی کرنا بھی جائز ہے۔[1]

بعض حلال عورتیں جن سے نکاح کرنے میں غلط شبہ پایا جاتا ہے

مذکورہ محرمات کے علاوہ تمام عورتیں نکاح کے لئے حلال ہیں کیونکہ قرآن نے محرمات کو بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے (وَاُحِلَّ لَکُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ [2]) کہ ان کے علاوہ تمام عورتیں تمہارے لئے حلال کردی گئی ہیں مگر بعض عورتیں ایسی ہیں کہ شرعاً ان سے نکاح جائز ہے مگر جہالت یا سماج میں کثرت سے ان عورتوں کیساتھ رشتہ نکاح نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کو شبہ ہو گیا ہے کہ وہ بھی محرمات میں سے ہیں ہم یہاں چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔

(۱) چچا خواہ حقیقی ہو یا علاتی یا اخیافی ان کی بیویاں محرمات میں سے نہیں ہیں چچا کے طلاق دینے یا ان کی وفات کے بعد ان کی بیویوں سے عدت کے بعد نکاح درست ہے۔ (۲) اسی طرح ماموں کی طلاق یا اس کی وفات کے بعد اس کی بیویوں سے عدت گزر جانے پر نکاح درست ہے۔ (۳) بھائی خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ان کی بیوی

---

[1] صح نکاح حبلی من زنی لاحبلی من غیرہ ..... ولن حرم وطؤها ودواعیه حتی تضع ... لونکحها الزانی حل له وطؤها اتفاقا (درمختار) قوله حبلی من غیر الخ شمل الحبلی من نکاح صحیح او فاسد او وطء شبهة (شامی صفحه ۱٤۱ جلد٤)

[2] سورة النساء آیت ۲٤ پاره ٥ رکوع ۱

(یعنی بھابی اور بھاوج) سے بھائی کے طلاق دیئے یا بھائی کی وفات کے بعد نکاح درست ہے۔(۴) بھتیجہ اور بھانجہ کی مطلقہ ومتوفی عنہا زوجہا سے بھی عدت کے بعد نکاح جائز ہے۔(۵) بھابی اور بھاوج کی اس لڑکی سے جوان کے بھائی کے علاوہ پہلے خاوند سے ہے نکاح صحیح ہے۔(۶) چچازاد، ماموں زاد، خالہ زاد بھائی بہن کی لڑکیوں سے بھی رشتہ نکاح جائز ہے۔(۷) سوتیلی ماں کی ماں اور اس کی حقیقی بہن اور اس کی اس لڑکی سے جو پہلے شوہر سے ہے نکاح جائز ہے نیز سوتیلی ماں کے لڑکے (جو پہلے شوہر سے ہے) کی لڑکی سے نکاح جائز ہے(۸) سوتیلے باپ کی لڑکی (جو اس کی ماں کے بطن سے نہیں) سے نکاح جائز ہے(۹) بیٹے کی بیوی کی ماں اور بیٹی کے شوہر کی ماں (یعنی سمدھن) سے نکاح جائز ہے(۱۰) بیوی کی سوتیلی ماں اور اس کی اس لڑکی سے جو پہلے شوہر سے ہے اپنا یا اپنے اس لڑکے کا جو پہلی بیوی سے ہے نکاح کرسکتا ہے۔(۱۱) عورت اور اس کی سوتیلی ماں کو نکاح میں جمع کرنا جائز ہے۔(۱۲) بیوی کی حقیقی بہن یا ان کی بھتیجی اور بھانجی سے بیوی کو طلاق دینے یا اس کی وفات کے بعد نکاح درست ہے۔(۱۳) ایک بہن کی موجودگی میں دوسری بہن سے نکاح حرام ہے پہلی کی اولاد ثابت النسب اور دوسری کی اولاد ثابت النسب نہیں ہے مگر ان دونوں کی اولاد کا آپس میں نکاح جائز ہوگا کیونکہ یہ دونوں بھائی بہن نہیں ہیں مگر احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ نہ کیا جائے اور اگر دونوں بہنوں سے ایک ہی ساتھ نکاح کیا تو پھر دونوں کی اولاد ثابت النسب ہے ان اولاد کا آپس میں رشتہ نکاح جائز نہیں ہوگا۔(۱۴) بیوی کو وطی سے قبل طلاق دیدیا تو اس کی اس بیٹی سے نکاح جائز ہے جو پہلے شوہر سے ہے اگر طلاق سے قبل بیوی سے وطی کرلیا تو پھر اس کی بیٹی سے نکاح درست نہیں۔(۱۵) بیوی کے پہلے شوہر کی لڑکی (جو اس کے بطن سے نہیں ہے) سے علی الاطلاق نکاح جائز ہے خواہ اس بیوی سے وطی کیا ہو یا نہ کیا ہو۔(۱۶) بیوی کی حقیقی ماں سے نکاح مطلقاً جائز نہیں خواہ بیوی سے جماع کیا ہو یا نہ کیا ہو(۱۷) اسی طرح باپ کی منکوحہ سے مطلقاً نکاح درست

نہیں خواہ باپ نے اس عورت سے جماع کیا ہو یا نہ کیا ہو (۱۸) بہنوئی کی بیٹی (جو اس کی بہن کے بطن سے نہیں ہے) سے نکاح جائز ہے (۱۹) مخطوبہ (یعنی جس سے صرف منگنی ہوئی ہے) کی ماں بیٹی وغیرہ سے نکاح جائز ہے (۲۰) زانی سے زانیہ کا نکاح درست ہے (۲۱) زانی کی اولاد (جو اس کی منکوحہ سے ہے) کا نکاح مزنیہ کی اولاد (جو اس زانی کے نطفہ سے نہیں ہے) سے جائز ہے[1]

ہر مذہب میں چند بیویاں رکھنے کی عام اجازت

ایک مرد کیلئے چند بیویاں مذہب اسلام ہی میں نہیں بلکہ تقریباً تمام ادیان وملل میں روا ہے حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام بھی اس دستور پر عمل پیرا ہیں چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کی دو دو بیویاں تھیں اور حضرت اسحاقؑ وحضرت موسیٰؑ کی بھی کئی بیویاں منقول ہیں حضرت سلیمانؑ کی بیسوں بیویاں تھیں حضرت داؤدؑ کو تو سو ازواج بیک وقت موجود تھیں ان کے علاوہ توریت انجیل اور دیگر صحف انبیاء میں حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متعدد ازواج کا تذکرہ ملتا ہے کہیں بھی تعدد ازدواج کی ممانعت کا ادنیٰ سا اشارہ بھی نہیں یہی وجہ ہے کہ عرب، ہندوستان، ایران، مصر، بابل وغیرہ ممالک کی ہر قوم میں کثرت ازدواج کی رسم جاری تھی۔ اسی طرح پادری نکسن اور جان ملٹن وغیرہ نے پرزور الفاظ میں اس کی تائید کی ہے۔

اور ویدک تعلیم میں غیر محدود دس دس، تیرہ تیرہ اور ستائیس تک بیویوں کی اجازت دی ہے چنانچہ کرشن جو ہندوؤں میں واجب التعظیم، اوتار مانے جاتے ہیں ان کی سینکڑوں بیویاں تھیں لہٰذا جو مذہب اور قانون عفت وعصمت کو باقی اور اپنے آپ کو زنا وغیرہ جیسے مہلک اور گھناؤنے معاشرے سے پاک رکھنا چاہے گا تو اس کے لئے تعدد ازدواج کی اجازت دیئے بغیر کوئی چارہ نہیں کیونکہ جس قوم اور جس ملک میں تعدد

[1] یہ تمام مسائل فتاوی شامی، فتاوی عالم گیری، امداد الفتاوی، فتاوی دار العلوم، فتاوی محمودیہ فتاوی رحیمیہ وغیرہ کتب فقہ وفتاوی کے متفرق اوراق منتشر جزئیات کا خلاصہ ہے۔

ازدواج پر پابندی ہے وہاں کا مشاہدہ ہے کہ کھلے طور سے بے محابہ زنا کا صدور کثرت سے وہیں ہو رہا ہے اس کے علاوہ بہت سارے نقصانات کا سامنا کرکے انہیں شرمندہ ہونا پڑ رہا ہے جبکہ چند بیویوں کی اجازت دینے میں ان تمام فتنہ وفساد کے انسداد کیساتھ بہت سارے فوائداور مصلحتیں ہیں۔

تعدد ازدواج کی حکمتیں وفوائد

یہ بات ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اللہ رب العزت کے تمام احکام وقوانین کی حکمتوں اور مصلحتوں کا پتہ لگالینا عقل انسانی کی دسترس سے باہر ہے اسی وجہ سے انسان کو حکمتیں اور مصلحتیں معلوم کئے بغیر احکامات پر عمل کرنے کا مکلف بنایا گیا ہے یہی ایمان اور بندگی تام کا تقاضا ہے لیکن سلف اور خلف سے احکام کے مصالح بیان کرنے کا کم وبیش معمول چلا آرہا ہے اس لئے چند مصلحتیں اور فوائد کے بیان کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں مگر کوئی ضروری نہیں ہے کہ جو حکمتیں بیان کی جائیں وہی اس حکم کے مشروع ہونے کے اسباب ہوں۔(وہ چند فوائد یہ ہیں)

پہلا فائدہ اور حکمت

تحصین فرج اور حفاظت نظر تعدد ازدواج کا سب سے بڑا فائدہ ہے۔اس لئے کہ قدرت نے بعض آدمی کو ایسا قوی، تندرست ہونے کے ساتھ مالی اعتبار سے اتنا خوشحال اور فارغ البال بنایا ہے کہ ان کے لئے ایک بیوی کافی نہیں ہوسکتی ہے کبھی اتفاقی طور سے کسی شادی شدہ مرد کو کسی غیر منکوحہ عورت سے بہت زیادہ تعلق پیدا ہوجاتا ہے اور عورت کی طرف سے بھی مثبت ردعمل ظاہر ہوتا ہے اب اگر اس خواہش کی تکمیل کیلئے نکاح ثانی کی اجازت نہ دی جائے تو زنا جیسے شرمناک جرم میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے یہ اس شخص کے حق میں ظلم ہوگا جو طاقت وقدرت کیساتھ مالی اعتبار سے بھی چند بیویوں کے حقوق ادا کرسکتا ہو۔اور ان کی ہر خواہش کو پوری کرسکتا ہو بلکہ ایسے قوی اور

تو اتنا اور لاکھوں اور کروڑوں روپے کی مالیت کے مالک شخص کا اپنے یا غیر خاندان کی چار غریب عورتوں سے جو تنگدستی اور فقر وافلاس اور محتاجگی کی زندگی بسر کررہی ہیں نکاح کر کے ان کو خوشحالی میں تبدیل کرنا حقیقت میں مرجھائی ہوئی زندگی کو دوبالا کرنا ہے کیونکہ جب اتنے مزدور پرورش پاتے ہوں تو یہ بیچاری بھی ان کی زوجیت میں آکر اپنے دامن عفت کو محفوظ کر کے ہمیشہ ہمیش کی عزت کی زندگی بسر کرے تو یقیناً یہ نکاح عبادت اور اعلیٰ ترین ہمدردی کا ثبوت ہوگا۔

دوسرا فائدہ اور حکمت

اسی طرح عورت کی عمر ہر وقت اس قابل نہیں رہتی کہ خاوند سے ہم بستر ہوسکے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہر ماہ کم سے کم تین روز اور زیادہ سے زیادہ دس روز حیض کے ایام میں لازمی طور سے شوہر کو پرہیز کرنا پڑتا ہے۔ تیسرے یہ کہ ایام حمل میں بھی جماع سے پرہیز عین حکمت ہے تاکہ جنین (پیٹ کے اندر کا بچہ) کی صحت پر کوئی اثر نہ پڑے۔ چوتھے یہ کہ بعض عورت امراض جسمانی اور توالد وتناسل کی تکلیف میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اس قابل نہیں رہتی کہ اس سے جماع کیا جائے اور اس سے فائدہ اٹھایا جائے تو ایسی صورت حال میں مرد کے زنا سے محفوظ رہنے کی عقلاً اس سے بہتر کیا صورت ہوگی کہ اس کو نکاح ثانی کی اجازت دیدی جائے ورنہ مرد خواہشات کی تکمیل کیلئے ناجائز ذرائع استعمال کرنے پر مجبور ہوگا۔

تیسرا فائدہ اور حکمت

مشاہدہ اور مردم شماری کے نقوش سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد کی بنسبت عورتوں کی تعداد زیادہ ہے اور قیامت کے قریب عورتوں کی کثرت بلکہ اکثریت کی حدیث میں پیش گوئی جلد ہی صادق ہوتی نظر آرہی ہے کہ مرد کم اور عورتیں زیادہ پیدا ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ لاکھوں مرد لڑائیوں میں مارے بھی جاتے ہیں ہزاروں مرد گاڑیوں میں

ایکسیڈینٹ کا شکار ہو کر ختم ہو رہے ہیں تو عورتیں پیدا زیادہ ہو رہی ہیں اور مرتی کم ہیں تو ان کی تعداد مرد کے مقابلے میں کیوں نہ زیادہ ہو خصوصاً یورپ میں تو عورتوں کی تعداد مرد سے کئی گنا زیادہ ہے چنانچہ برطانیہ کلاں میں بوئروں کی جنگ سے پہلے بارہ لاکھ انہتر ہزار تین سو پچاس ۱۲۶۹۳۵۰ عورتیں ایسی تھیں کہ ایک بیوی والے قاعدے کے تحت کوئی مرد ان کے یہاں نہیں تھا کہ جس سے ان عورتوں کا نکاح ہو سکے اسی طرح فرانس میں ۱۹۰۰ء کی مردم شماری میں عورتوں کی تعداد مرد کے مقابلے میں چار لاکھ تیس ہزار سات سو نو ۴۳۲۷۰۹ زیادہ تھی۔ جرمنی میں ۱۹۰۰ء کی مردم شماری میں ہر ہزار مرد کیلئے ایک ہزار بتیس ۱۰۳۲ عورتیں موجود تھیں گویا کل آبادی میں آٹھ لاکھ ستاسی ہزار چھ سو اڑتالیس ۸۸۷۶۴۸ عورتیں ایسی تھیں جن سے شادی کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ سویڈان میں ۱۹۰۱ء کی مردم شماری میں ایک لاکھ بائیس ہزار آٹھ سو ستر۔ ۱۲۲۸۷۰ اور ہسپانیہ میں ۱۸۹۰ء کی مردم شماری میں چھ لاکھ چوالیس ہزار سات سو چھیانوے ۶۴۴۷۹۶ عورتیں مردوں سے زیادہ تھیں یہ ان ممالک کی بات ہے جہاں بہت پہلے سے ہم دو ہمارے دو کا نعرہ ہے۔ اور آج بھی کسی کو شک ہے تو عورتوں کی تعداد کو سرکاری کاغذات مردم شماری ہندو بیرون ہند میں ملاحظہ کرلے کہ عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلے میں لاکھوں زیادہ ہے کہ نہیں اب ہم سوال کرتے ہیں کہ کم از کم چالیس پچاس لاکھ عورتوں کیلئے کونسا قانون تجویز کیا جائے یورپ میں تو ایک بیوی کے قانون کی رو سے خاوند نہیں مل سکتا تو اب ان لاکھوں عورتوں کو یوں کہنا چاہئے کہ وہ اپنی فطرت کے خلاف چلیں اور ان کے دلوں میں مردوں کی کبھی خواہش ہی پیدا نہ ہو مگر یہ امر ناممکن ہے اب اگر متعدد شادیوں کی اجازت نہ دی جائے تو یہ زائد عورتیں معطل ہو کر رہ جائیں گی اسلام میں مرد کو متعدد شادیوں کی اجازت دینا بے کس عورتوں کا سہارا ہے اور ان کی عصمت کی حفاظت کا واحد ذریعہ ہے۔ عورتوں پر اسلام کے اس احسان کا شکر واجب ہے کہ تم کو خداوند قدوس نے تکلیف سے بچایا اور ٹھکانا دیکر راحت پہنچائی۔

چوتھا فائدہ اور حکمت

بیوہ، مطلقہ اور بدصورت ناچار اور اسی طرح کی وہ عورتیں جن کا عقد موجودہ زمانہ میں ایک مشکل مسئلہ بن گیا ہے ان عورتوں کو کوئی کنوارا لڑکا اٹھانا نہیں چاہتا تو ان کی شادی ایسے مردوں سے ہو جانا نسبتاً آسان ہے جن کے یہاں پہلے سے بیوی ہو کیونکہ عقد ثانی کے وقت مرد وہ شرط اور مانگ نہیں کرتا جو عقد اوّل کے وقت کرتا ہے اور عقد ثانی کے وقت اس کا عورتوں کو پسند کرنیکا معیار پہلے کی بنسبت پست ہو جاتا ہے کسی معقول وجہ سے وہ عقد ثانی کا خواہاں اور ضرورت مند ہوتا ہے اس طرح ایک اہم اور مشکل معاملہ کا حل عقد ثانی کی صورت میں نکلتا ہے۔

پانچواں فائدہ اور حکمت

اسی طرح بسا اوقات عورت مستقل بیماری یا عقیم (بانجھ) ہونے کی وجہ سے بچے جننے کی قدرت نہیں رکھتی اور مرد کو بقاء نسل اور اولاد کی ضرورت ورغبت ہے تو ایسی صورت میں اس عورت کو بلاوجہ طلاق دیکر علیحدہ کر دینے یا کوئی الزام تھوپ کر برطرف کر دینے سے بہتر یہ ہے کہ اسکو زوجیت میں باقی رکھتے ہوئے شوہر اپنی نسل کی ضرورت کیلئے دوسرا نکاح کرلے یا اسی طرح ایک مرد کو کثرت اولاد کی ضرورت اور اپنی تعداد بڑھانی مقصود ہو تو اس کے لئے یہی صورت ہے کہ کئی کئی بیویاں کرے۔

چھٹا فائدہ اور حکمت

بسا اوقات زوجین کے مابین تعلقات ناخوشگوار ہو جاتے ہیں اور صحیح طور سے نباہ نہیں ہو پاتا دونوں کا مزاج نہیں ملتا اور خاندانی دباؤ یا لوگوں میں بدنامی کی وجہ سے یا کسی اور مصلحت سے مرد اپنی بیوی کو طلاق بھی نہیں دیتا اور عورت بھی طلاق کو ناگوار سمجھتی ہے اور شوہر اس عورت سے اپنی خواہش اور زوجیت کا عملی تعلق قائم کرنے پر آمادہ نہیں تو اس طرح پیچیدہ صورت میں شوہر کیلئے نکاح ثانی کے علاوہ کوئی صورت

خواہش کی تکمیل اور اپنی زندگی خوشگوار بنا نیکی نہیں ہو سکتی۔

چند بیویوں کی اجازت پر کی جانے والی تنقیدات کا دفاع

مگر افسوس کہ اس جائز اور سراپا مصلحت آمیز اور بے شمار فوائد پر مشتمل تعدد ازدواج پر یورپ اور اہل مغرب کی طرف سے عیش پسندی کا الزام ہے اور وہ اس قانون کو ظالمانہ قانون کا نام دیتے بھی نہیں شرماتے اور ہمارے بعض مسلم افراد کی شخصی غلطی بھی طعنہ زنی کا موقع دے رہی ہے۔

چند بیویاں رکھنے کو تو ایک طرف ہدف ملامت اور خلاف تہذیب سمجھا جا رہا ہے مگر دوسری طرف بلا نکاح کے لاتعداد آشنائی اور میل ملاپ و زنا، بدکاری جو تمام انبیاءؑ و مرسلینؑ کی شریعت اور ہر مذہب وقوم میں حرام ہے اسکو مدعیان تہذیب خلاف تہذیب نہیں سمجھتے۔ جو تعدد ازدواج کے منکر ہیں وہ اپنے دامن میں جھانک کر دیکھیں تو ذرا کہ وہ زبانی طور سے پاک اور عملی طور سے ناپاک عمل زنا کاری وغیرہ میں مبتلا ہیں کہ نہیں ان کی خواہشوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ فطرت میں تعدد اور تنوع کی آرزو موجود ہے۔ ان کو سوچنا چاہئے کہ خداوند علیم و حکیم نے انسانوں کی وسیع خواہشوں اور اندرونی میلانوں کی رعایت فرما کر ان کے لئے ایسا قانون تجویز فرمایا ہے کہ مختلف جذبات اور دلی طبائع کو بھی عفت اور تقوی و طہارت کے دائرے میں محدود رکھ سکے۔

تعدد ازدواج میں شرعی پابندیاں

عام طور سے ناواقف لوگوں میں پروپگنڈہ کرنے والوں نے یہ بھی مشہور کر رکھا ہے کہ مسلمانوں کے مذہب میں کئی بیویاں کرنا ہر ایک کیلئے ضروری اور لازمی ہے کم سے کم بہت ہی ثواب کی چیز ہے حالانکہ شرعی قوانین سے تھوڑی سی مناسبت رکھنے والا طالب علم بھی یہ بات جانتا ہے کہ شریعت نے صرف تعدد ازدواج کی اجازت دی ہے یا زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ بعض مفسرین نے آیت کے سیاق سے صرف دو کا

استحباب اور چار کا جواز بیان کیا ہے اسکے ساتھ یہ بھی پابندی لگادی ہے کہ۔ چار عورتوں سے زیادہ عورتوں کو ایک ساتھ نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ چنانچہ قرآن صاف لفظوں میں کہتا ہے:

فَانْكِحُوْا مَاطَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّاتَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً لـ

اور حلال عورتوں میں سے جو تمہیں اچھی لگے نکاح کرلو دو دو، تین تین، چار چار عورتوں سے پھر اگر تم ڈرو کہ ان میں انصاف نہ کرسکو گے تو ایک پر بس کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی مصلحت کی وجہ سے چار عورتوں سے بیک وقت نکاح کیا جاسکتا ہے مگر ان تمام بیویوں کے درمیان عدل وانصاف اور مساوات وبرابری کا معاملہ کرنا واجب ہے حتی کہ رات گزارنے میں بھی باری مقرر کرنیکا حکم دیا گیا ہے۔ اگر عدل ومساوات کی طاقت نہیں ہے تو پھر ایک ہی نکاح پر بس کرو بغیر عدل وبرابری کے ایک بیوی کی طرف جھک پڑنا گناہ اور قابل مواخذہ گردانا گیا ہے۔ حدیث میں حضور علیہ ﷺ نے فرمایا:

(اذا کانت عندالرجل امرأتان فلم یعدل بینهما جاء یوم القیامة و شقه ساقط) ع

کہ قیامت کے دن دو بیویوں کے درمیان عدل نہ کرنے والا اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو لٹکا ہوا ہوگا (یعنی زبان حال سے ظلم کی داستان سنا رہا ہوگا اور اس شخص کی رسوائی وذلت کا تماشہ ہر ایک دیکھ رہا ہوگا)

اس سے معلوم ہوا کہ تمام بیویوں کے درمیان برابری کرنا فرض ہے اور اس میں کنواری شوہر رسیدہ بوڑھی جوان قدیمہ جدیدہ غرض ہر طرح کی بیویاں برابر ہیں تو برتاؤ بھی سب کیساتھ برابر ہونا چاہئے اگر کسی سے تعلق قطع رکھے گا تو شرعاً مجرم ہوگا۔

لـ سورۃ النساء آیت ۳ ع (ترمذی صفحہ ۲۱۷ جلد ۱)

مظلوم بیوی کو علیحدگی کا اختیار دیا گیا ہے

بیویوں کے درمیان صرف ضروری مساوات ہی نہیں رکھی گئی بلکہ کسی ایک پر ظلم کیا تو مظلوم بیوی کو شریعت نے یہ حق دیا ہے کہ وہ شوہر سے چھٹکارا کیلئے اپنا معاملہ قاضی شریعت کے پاس پیش کردے قاضی معاملات کی تحقیق کرنے کے بعد نکاح کو منسوخ کردیگا۔

اگر بیوی زوجیت میں رہتے ہوئے اپنا حق معاف کردے

اگر کوئی شخص دوسری شادی کرتے وقت یا شادی کے بعد بیوی سے یہ فیصلہ کرلیتا ہے کہ میں تمہارے حقوق ادا کرنے سے قاصر ہوں اگر تم چاہو تو میں تم کو طلاق دیدوں یا نہیں تو زوجیت میں رہتے ہوئے اپنا حق معاف کردو اگر بیوی اس پر راضی ہوگئی تو شوہر کیلئے جائز ہوگا کہ صرف نان ونفقہ ادا کرنے کے سوا ان کے ساتھ شب باشی نہ کرے تو کوئی گناہ نہیں ہوگا مگر پھر بھی جہاں تک ممکن ہوسکے اس کے حقوق زوجیت ادا کرنے کی کوشش کرے اگر چہ اس نے معاف کردیا کیونکہ دوسری بیوی کے پاس جاتے ہوئے اس کے دل کو ٹھیس پہنچے گی۔[1]

ایک بیوی پر اکتفا کرنے میں عافیت ہے

عورت میں قساوت قلبی اور لڑائی جھگڑا کا مادّہ زیادہ ہوتا ہے اور عورتوں کی طبیعت کمزور ہوتی ہے اور گھریلو جھگڑا لڑائی سے آدمی کی زندگی اجیرن بن کر رہ جاتی ہے اس لئے عافیت اسی میں ہے کہ دوسری شادی حتی الوسع نہ کی جائے۔[2]

عورتوں کو چند شوہر کرنے کی اجازت نہ دینا عین حکمت ہے

اہل یورپ کی یہ بھی مضحکہ خیز دلیل ہے کہ جب عورت کو تعدد نکاح کی

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل صفحہ ۱۸۲ جلد ۵ [2] آپ کے مسائل اور ان کا حل صفحہ ۱۴۱ جلد ۵)

اجازت نہیں تو مرد کو بھی اجازت نہیں ہونی چاہئے مرد کو کئی بیویاں کرنے کی اجازت دینا اور عورتوں کو اس سے منع کرنا مساوات کے خلاف ہے حالانکہ کوئی بھی عقل سلیم رکھنے والا انسان اس کا فیصلہ خود کر سکتا ہے کہ جس عورت کے چند شوہر ہوں تو وہ عورت کس کی راز دار اور کس کی اہلیہ بن سکے گی کون شوہر اس اشتراک کی صورت میں اس کے نان ونفقہ اور اس کے بچے کی پرورش کا ذمہ دار ہوگا اگر سب تیار ہو جائیں تو وجوہ ترجیح کیا ہوگی اگر کسی ایک کو ترجیح دیدی تو پھر آپس میں فساد برپا ہوگا۔

علامہ ابن قیمؒ نے اپنے ایک بیان میں بہت اچھے انداز میں فرمایا کہ اللہ تعالی نے مرد کیلئے چار عورتوں سے نکاح جائز رکھا ہے عورت کیلئے چار مردوں سے نہیں اس میں پروردگار عالم کی بہت ساری حکمتیں ہیں۔ اگر عورتوں کو دو یا زیادہ شوہر کے پاس بیک وقت رہنے کی اجازت دیدی جاتی تو عالم میں فساد برپا ہوتا اور نسب تو ضائع ہو کر ہی رہ جاتا بلکہ دونوں شوہر آپس میں لڑتے یہاں تک کہ قتل وغارت گری تک کی نوبت آتی اور ایسی عورت کہ جس کے کئی برابر کے شریک حقدار ہوں کیسے سکھ سے رہ سکتی اور وہ شرکاء بھی کب چین سے زندگی گزار سکتے اگر یہ کہا جائے کہ مرد کی خواہشات کا احترام تو کیا گیا کہ اسے ایک سے زائد عورتوں سے لطف اندوز ہونے کی اجازت دیدی گئی مگر عورت کو نہیں دی گئی حالانکہ دونوں میں خواہش اور جذبہ یکساں ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ عورت کا مزاج نسبۃً سرد ہوتا ہے اسلئے اس کی ظاہری وباطنی حرکات بھی مرد کے مقابلہ میں کم ہوتی ہیں اس کے برخلاف مرد میں قوت اور حرارت دونوں زیادہ ہوتی ہیں اس لئے اس کو چند بیویاں رکھنے کی اجازت دی گئی عورتوں کو چند کیساتھ رہنے کی اجازت نہ دی گئی اور اسی قوت وصلاحیت کی بناء پر مردوں کو عورتوں پر نگراں اور متکفل بھی بنایا گیا چنانچہ وہ اپنی بیویوں کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے بسا اوقات خطرات

تک مول لے لیتا ہے اور بڑی بڑی مشقتیں برداشت کرتا ہے اس لئے حلیم وشکور خدا نے اسکو یہ رعایت دی ہے تاکہ اس کی محنت ومشقت کا صلہ کچھ تو زائد ملے رہا کسی کا یہ کہنا کہ عورت میں مرد کے بالمقابل زیادہ خواہش ہوتی ہے وہ خلاف واقعہ ہے بھلا مردوں اور عورتوں کا کیا مقابلہ ہاں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ عورتیں فارغ ہونے اور نفقہ کی ذمہ داری نہ ہونے کی وجہ سے یا بعض دوسری کمزوریوں کی وجہ سے جذبات کا شکار ہو جاتی ہیں اور اپنے نفس پر قابو نہیں رکھ پاتی ہیں اس لئے سطحی نظر رکھنے والے غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔(۱)

آپ ﷺ کے متعدد نکاح کی حکمتیں

پہلی حکمت:

اصل حکمت حضور ﷺ کے متعدد نکاح کرنے کی یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کا مقصد پوری انسانیت کیلئے ہدایت ہے اور آپ نے دنیا میں تشریف لا کر دین متین کو مکمل فرمایا اور ایک مکمل قانون اور دستور العمل یعنی قرآن لیکر آئے جس میں مکمل نظام عمل ہے اس کے بعد کسی قانون کی ضرورت نہیں لیکن محض قانون لوگوں کی اصلاح کیلئے کافی نہیں ہوسکتا ہے جب تک کوئی عملی نمونہ لوگوں کے سامنے نہ ہو کہ لوگ اس نمونہ کو دیکھ کر ویسا ہی عمل کر سکیں اسی لئے خود قرآن نے اس نمونہ کیطرف رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا کہ نمونہ کسی اور جگہ تلاش کرنے کی ضرورت نہیں (لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ) خود رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں تمہارے لئے ایک بہترین نمونہ عمل موجود ہے اسی کی پیروی کرو اسی میں کامیابی ہے۔

اب دیکھا جاتا ہے تو حضور ﷺ کی مبارک زندگی کے دو پہلو ہیں (۱) ایک

(۱) (اعلام الموقعین) صفحہ ۵-۱۰۴ جلد ۲ ماخوذ معاشرتی مسائل

باہر کی زندگی (۲) دوسرے گھر کے اندر کی عائلی زندگی حضور علیہ کے عملی حالات کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے ضروری تھا کہ آپ کے دونوں رخوں کے حالات لوگوں کے سامنے ظاہر کئے جائیں تا کہ پورے طور سے امت عمل پیرا ہو سکے۔ تو بیرونی زندگی کے حالات کو حضرات صحابہ کرامؓ کی جماعت نے اس کمال و دیانت کے ساتھ کما حقہ دنیا کو پہونچایا کہ اس کی نظیر کسی ملت و مذہب میں نہیں مل سکتی۔ کسی امت نے اپنے نبی علیہ السلام کی زندگی کے حالات کو اس تفصیل و تحقیق و تدقیق کیساتھ تو کیا اس کا عشر عشیر بھی پیش نہیں کیا۔ اور دوسری خانگی زندگی جس میں آپ کی عبادت تہجد شب بیداری اور فقیری و درویشی، اخلاقی و عملی کردار کے عام حالات پوشیدہ راز رات کی تاریکیوں میں عبادت کا ذوق و شوق، سونا اور جاگنا اور اہل و عیال کیساتھ رہنے کا طریقہ، حسن سلوک، خدا ترسی اور راست بازی وغیرہ اتنے بڑے خزانہ علم کی کما حقہ حفاظت اور پھر اس کی روایات کیلئے ایک کثیر جماعت کی ضرورت تھی کثیر جماعت کی روایت کے بعد کسی قسم کے شبہ کی گنجائش نہیں رہتی لیکن وہ عام لوگوں کا کام نہیں تھا بلکہ ایسی جماعت کی ضرورت تھی جو اندرونی حالات سے بالکل واقف اور صاحب حالات کے رازداں ہوں وہ بیویوں کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا کیونکہ رات کی تاریکیوں میں جبکہ عالم الغیب کے علاوہ کوئی دوسرا حالات کا معائنہ نہیں کرسکتا سوائے بیویوں کے کہ وہ اس وقت کی بھی رازداں ہوتی ہیں اس لئے حضورؐ نے متعدد نکاح کیا تا کہ آپ علیہ کی پوری خانگی اور گھریلو حالات نہایت وثوق و اعتماد کے ساتھ دنیا کے سامنے آجائیں، بہت سارے شرعی وہ احکام جو عورتوں سے متعلق تھے مردوں سے بیان کرنے میں حیا و حجاب معلوم ہوتا تھا ان احکام شرعیہ کی تبلیغ ازواج مطہرات ہی کے ذریعہ ہوسکتی تھی بس یہی مقصد تھا حضورؐ کے تعدد ازدواج کا ورنہ اسکے علاوہ (نعوذ باللہ) کوئی حظ نفس اور خواہشات کے ہیجان میں مبتلا ہو کر زیادہ عورتوں کو جمع نہیں فرمایا یہی تو وجہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کے

علاوہ آپ کی بقیہ تمام ازواج مطہراتؓ پہلے سے بیوہ یا مطلقہ تھیں جو نہ اپنے حسن و جمال اور مال و دولت کی وجہ سے مشہور تھیں اور نہ آپؐ کے یہاں عیش وعشرت کا کوئی سامان تھا اگر لذات وخواہشات پر عمل کرتے تو صرف نو ۹ بیویوں پر اکتفا نہ فرماتے۔ کیونکہ روایت میں آتا ہے کہ صحابہ نے آپؐ کے اندر تیس ۳۰ مردوں اور بعض روایت میں ہے کہ چالیس ۴۰ مردوں کی قوت کا اندازہ کیا جب ایک مرد کے اندر چار عورت کی قوت کی وجہ سے چار عورتوں سے نکاح کی اجازت دی گئی ہے تو پھر اس اعتبار سے آپؐ کے اندر ایک سو بیس یا ایک سو چالیس عورت کی قوت تھی بلکہ اس سے بھی آگے ابونعیم نے شرح شفا میں نقل کیا ہے کہ چالیس ۴۰ جنتی مردوں کی قوت آپؐ کے اندر موجود تھی اور ایک جنتی مرد کو دنیا کے سو مردوں کے برابر طاقت ہوگی تو اس اعتبار سے آپؐ کے اندر چار ہزار مردوں کی قوت بیک وقت موجود تھی اسکے باوجود صرف نو بیویوں پر اکتفا خواہش نفس نہیں بلکہ کمال صبر اور کمال زہد تھا پچیس سال کی عمر میں چالیس سالہ بیوہ اور بڑھیا عورت سے بھلا کون کنوارا جوان نکاح کرسکتا ہے بس جناب آقا ﷺ کا مقصد پوری امت مسلمہ کو ازواج مطہراتؓ کے ذریعہ سے دین پہنچانا تھا درحقیقت امہات المومنینؓ کے مکانات مسلمانوں کی ماؤں اور بہنوں کیلئے گویا درس گاہیں تھیں جن سے تمام صحابیاتؓ فیض یاب ہوئی ہیں بسا اوقات صحابہؓ کو بھی کوئی مشکل مسئلہ درپیش ہوتا تو وہ بھی ازواج مطہراتؓ کی طرف رجوع کرتے تھے بہت سی روایات وآثار اس پر شاہد ہیں۔[۱]

دوسری حکمت:

دوسری حکمت حضورؐ کے نکاح میں یہ تھی کہ امت چند بیویوں کے درمیان برتاؤ کرنے کا طریقہ سیکھے اگر آپؐ متعدد نکاح نہ کرتے اور صرف حقوق ادا کرنے اور بیویوں کے مابین مساوات قائم کرنے کی تعلیم دینے پر اکتفا فرماتے تو لوگوں پر اتنا اثر نہیں پڑتا

[۱] مستفاد فتاوی رحیمیہ واشرف الجواب

بلکہ کسی کو شبہ ہوسکتا تھا کہ حضور علیہ السلام تو خود متعدد نکاح کئے نہیں اور عورتوں کے اتنے حقوق اور مساوات کی اتنی رعایت جو باریک سے باریک تر ہے بیان کردینے پر اکتفا فرماکر چلے گئے اگر آپ علیہ السلام بھی خود متعدد نکاح کرتے تو معاذ اللہ اس پر عمل پیرا نہیں ہوسکتے۔ مگر اب کسی کو اشکال کرنے کا حق نہیں رہا کیونکہ حضور علیہ السلام نے امت سے زیادہ بیویاں کرکے ان تمام کے حقوق کو اس خوبی کیساتھ ادا فرما گئے کہ کوئی نظیر نہیں پیش کرسکتا۔

تیسری حکمت:

یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ حضور علیہ السلام نے چند نکاح کرکے امت کو یہ بتلا دیا کہ جن کے پاس چند بیویاں ہوں اور ان میں سے کسی ایک کی طرف غیر اختیاری طور سے میلان زیادہ ہو تو بھی اپنی طرف سے کوئی بات ایسی نہ کرے جس سے ایک کی ترجیح دوسرے پر ظاہر ہورہی ہو بلکہ امور اختیاریہ میں برابری اور عدل کا خیال پورا رکھے اور آپ نے صرف زبانی طور پر نہیں فرمایا بلکہ عملاً کرکے دکھلا دیا کہ حضرت عائشہؓ کی طرف دلی میلان زیادہ تھا مگر تمام ازواجؓ کے مابین عدل اور مساوات میں فرق نہیں آنے دیا اور حضرت عائشہؓ کی طرف دلی میلان کی وجہ سے اللہ کی طرف عذر و معذرت کرکے فرمایا:

اللھم ھذہ قسمتی فیما املک فلا تلمنی فیما تملک ولا املک [۱]

کہ اے اللہ رب العزت جتنا میرے بس میں تھا میں نے مساوات برتا بس مجھے اس بات میں مؤاخذہ نہ کرنا جس پر مجھے قدرت نہیں ہے۔

حضرت عائشہؓ کی طرف قلبی میلان کی وجوہ

پہلی وجہ:

دلی میلان کا عائشہؓ کی طرف ہونا یہ قدرتی فیصلہ تھا کیونکہ خداوند قدوس بھی

---

[۱] (ترمذی شریف صفحہ ۲۱۷ جلد۱)

حضرت عائشہؓ سے محبت کرتے ہیں اسلئے حضور علیہ کے دل کو بھی مائل کر دیا تھا تا کہ آپ علیہ بھی ان سے محبت کرنے لگیں یہی وجہ تھی کہ عائشہؓ کے نکاح سے قبل حضرت عائشہؓ کی تصویر کو فرشتے کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ایک حریر میں بند کر کے آپؐ کے پاس بھیج دیا تھا آپؐ نے جب اس کو کھولا تو عائشہؓ کی تصویر تھی یہ معاملہ کسی اور بیوی کیساتھ نہیں کیا گیا۔[۱]

دوسری وجہ:

یہ تھی کہ کسی بیوی کے بستر اور کپڑے میں سوتے ہوئے وحی نہیں اترتی تھی سوائے حضرت عائشہؓ کے کہ ان کے ساتھ آپ علیہ لحاف میں بھی ہوتے تھے تو بلا تکلف وحی کا سلسلہ جاری ہو جاتا تھا۔[۲]

تیسری وجہ:

ان وجوہات کیساتھ سونے پر سہاگہ یہ تھا کہ عائشہؓ کو قدرتی طور سے وہ ذہانت و فقاہت اور حسن سیرت حاصل تھی جو تمام بیویوں سے برتر تھی انہیں وجوہات کی بناء پر حضورؐ کو حضرت عائشہؓ سے فطری محبت زیادہ تھی۔ مگر سوائے قلبی محبت کے ظاہری برتاؤ سب کیساتھ برابر تھا۔

آنحضرت علیہ کی خوشگوار زندگی کے اپنی بیویوں کیساتھ چند واقعے

آنحضرت علیہ اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ ایک پر مسرت اور خوشگوار زندگی گزارتے تھے اور اپنی بیویوں کے حق میں انتہائی مہربان اور ہنس مکھ تھے اور ان کے مزاج اور عمر کا لحاظ فرما کر ان کے تقاضے کو پورا کرتے تھے چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ حضرت عائشہؓ سے نکاح کے وقت آپ کی عمر پچاس سال سے زیادہ تھی اور عائشہؓ نو

[۱] مسلم شریف صفحہ ۲۸۵ جلد ۲ [۲] بخاری شریف صفحہ ۵۳۲ جلد ۱ باب فضل عائشہ

سال کی بچی تھیں میاں بیوی کی عمر میں بظاہر کوئی جوڑ نہیں تھا مگر حضور ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے برتاؤ ایسا ہی کیا جیسا کہ ان کی عمر کا تقاضا تھا یہاں چند واقعے بطور نمونہ کے نقل کئے جاتے ہیں۔[1]

پہلا واقعہ:

ایک مرتبہ مسجد کے قریب عید کے دن حبشی لڑکے خوشی میں کھیل کود رہے تھے اور جنگ کے لئے ورزش کرر ہے تھے۔(حضورؐ نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ حبشیوں کا کھیل دیکھوگی انہوں نے خواہش کا اظہار کیا) تو حسن اخلاق کے پیکر رحمت عالمؐ نے پردہ کر کے عائشہؓ کو اس وقت تک کھیل دکھلایا جب تک کہ عائشہؓ نے خود منع نہ کردیا آپ خود اندازہ کیجئے کہ بچپن میں کھیل دیکھنے کا شوق کتنی دیر تک ہوتا ہے اتنی دیر کھڑے ہوکر آپؐ کھیل دکھلاتے رہے۔[2]

دوسرا واقعہ:

حضرت عائشہؓ خود واقعہ بیان کرتی ہیں کہ (جب میں چھوٹی تھی اور نئی نئی بیاہی گئی تھی) تو میں حضور ﷺ کے گھر گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی اور میری ہم جولیاں بھی میرے ساتھ کھیلتی تھیں پھر جب حضور ﷺ (گھر میں) تشریف لاتے تو میری سہیلیاں (شرم کی وجہ سے) آپ ﷺ سے چھپ جاتیں اور متفرق ہو جاتیں مگر حضور ﷺ (ان کو جمع کر کے) پھر میرے پاس بھیج دیتے (اور کہتے آؤ بھاگتی کیوں ہو جس طرح کھیلتی تھیں اسی طرح کھیلتی رہو) پھر وہ میرے ساتھ کھیلنے لگتی تھیں۔[3]

فائدہ:

عائشہؓ کے ساتھ جو گڑیاں تھیں ان میں ایسی صورت بنی ہوئی نہیں تھی جو حرام

---

[1] ماخوذ اشرف الجواب ص ۵۷ تا ۵۸ حصہ ۱ [2] بخاری شریف ص ۲۸۰ ج ۱
[3] مشکوٰۃ ص ۲۸۰ ج ۲

ہے بلکہ کپڑوں اور چیتھڑوں کو لپیٹ کر بغیر صورت کے یوں ہی (کنیا پتلا) بنائی گئی تھیں جو کہ جائز ہے۔

تیسرا واقعہ:

حضرت عائشہؓ ایک سفر میں حضور ﷺ کے ساتھ تھیں وہ بیان کرتی ہیں کہ دوران سفر میں نے حضور ﷺ کے ساتھ دوڑنے میں مقابلہ کیا تا کہ دیکھیں کہ کون آگے نکلتا ہے (اس وقت عائشہؓ کم سن ہونے کی وجہ سے) ہلکی پھلکی تھیں آگے نکل گئیں کچھ عرصہ کے بعد آپ کا پھر ہم سے دوڑنے میں مقابلہ ہوا مگر اس وقت میں فربہ تھی (یعنی میرا بدن بھاری ہو چکا تھا) اس لئے حضور ﷺ آگے نکل گئے (مگر حضور ﷺ نے اس مرتبہ میری تسلی کیلئے فرمایا (ھذہ بتلک السبقۃ) یعنی پہلی مرتبہ تم جیتی تھی اس مرتبہ میں جیت گیا لہٰذا دونوں برابر سرابر ہو گئے۔[1]

(فائدہ) حضور ﷺ کے یہ واقعے ہمارے لئے سبق آموز ہیں بھلا کوئی بوڑھا آدمی کنواری بچی کی اتنی دلداری کر سکتا ہے بلکہ بوڑھا تو درکنار جوان اور ہم عمر بھی اتنا نہیں کر سکتا جتنا جناب آقا نے عائشہؓ اور دیگر ازواجؓ کے ساتھ کر کے دکھلا گئے۔ آج لوگ وقار کا پوٹلہ لئے پھرتے ہیں اگر وقار جمانا ہو تو کہیں اور جمالو اپنی بیویوں، بچوں کیساتھ تو گھل مل کر رہنا ہی حسن معاشرت ہے اپنی بیوی کے ساتھ ہنسی خوشی اور باہمی پیار و محبت کیساتھ رہنا ہی سنت نبوی ہے حضور ﷺ کی حدیث ہے قال رسول اللہ ﷺ خیر کم خیر کم لاھلہ وانا خیر کم لاھلی کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے اچھا اور بہتر وہ شخص ہے جو اپنے اہل و عیال کے حق میں بہتر ہو اور میں تو اپنے گھر والوں کیلئے تم میں ہر ایک سے اچھا ہوں۔[2]

---

[1] (مشکوۃ) صفحہ ۲۸۱ جلد ۲ [2] (مشکوۃ) شریف صفحہ ۲۸۱ جلد ۲

عورت کی غلطیوں پر چشم پوشی کرنے کی وصیت

میاں بیوی دونوں کو ایک دوسرے کے حقیقی ہمدرد اور غمگسار بن کر رہنا چاہئے خاص طور سے مردوں کو ہدایت ہے کہ عورت کے نازک جذبات اور ضعفِ خلقت وطبیعت کی بہت زیادہ رعایت کریں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری حج حجۃ الوداع کے موقع پر عورتوں سے متعلق ہدایت کرتے ہوئے بلیغ انداز میں فرمایا۔

واستوصوا بالنساء خیرا فانھن خلقن من ضلع وان اعوج شیٔ فی الضلع اعلاہ فان ذھبت تقیمہ کسرتہ وان ترکتہ لم یزل اعوج فاستوصوا بالنساء خیرا [۱]

اے لوگو! عورتوں سے متعلق بھلائی کی وصیت قبول کرلو کیونکہ وہ ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئی ہیں اور سب سے زیادہ ٹیڑھا پن اس پسلی میں ہے جو اوپر کی ہے لہٰذا اگر تم اس ٹیڑھی پسلی کو سیدھی کرنے کی کوشش کروگے تو اس کو توڑ دوگے (یعنی طلاق دیدوگے) اگر اس کو اپنی حالت پر چھوڑ دوگے تو ٹیڑھی ہی رہے گی لہٰذا عورتوں کے متعلق بھلائی کی وصیت قبول کرلو۔

ایک حدیث میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی غلطیوں کو نظر انداز کرکے خوبی ہی کو سامنے رکھنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

لا یفرک مومن مؤمنۃ ان کرہ منھا خلقا رضی منھا آخر [۲]

کہ کوئی مسلمان مرد کسی مسلمان عورت سے بغض رکھ کر اس کو علیحدہ نہ کردے اگر اس کی نظر میں اس عورت کی کوئی عادت ناگوار بھی ہوگی تو دوسری عادت اسی عورت کی خوشگوار اور اچھی بھی ہوگی۔

[۱] (بخاری شریف ص ۷۷۹ ج ۲) [۲] مشکوۃ ص ۲۸۰ ج ۲)

(فائدہ) اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کوئی یار دوست اور کوئی بیوی یا شوہر اپنے مزاج کے بالکل مطابق نہیں مل سکتا کیونکہ کوئی بھی انسان خامیوں اور عیوب سے بالکل پاک نہیں ہے انسان تو خوبی اور خامی دونوں کا مجموعہ ہے اسلئے بری خصلتوں اور عادتوں سے چشم پوشی کر کے اچھی عادتوں کو خاطر میں لانا چاہئے اور ان کے ساتھ خوشگوار زندگی گزارنے کی کوششیں کرنی چاہئے۔

عورتوں کو مارنے کا کیا حکم ہے

عورتوں کی فطرت میں ہی ٹیڑھا پن ہے اسلئے اسکو نظر انداز کرتے رہنے کا حکم دیا گیا ہے انکی غلطیوں پر مارنا پیٹنا انتہائی غیر انسانی اور غیر مہذب حرکت ہے چنانچہ عبداللہ ابن زمعہؓ نے حضورؐ کی ایک مرفوع حدیث نقل کی ہے آپؐ فرماتے ہیں:

لایجلد احد کم امراته جلد العبد ثم یجامعها فی آخر الیوم [1] کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو غلام کی طرح بے دردی سے نہ مارے اور پھر دن کے آخری حصہ میں اس سے جماع کرے۔

(فائدہ) اس حدیث میں ایک فطری اور طبعی نقطہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے جنسی لذت حاصل کرتا ہے اور اپنی خواہشات کی تکمیل اسی سے کرتا ہے اور صرف ضرورت پوری کرنے تک محدود نہیں بلکہ ایک جان دو جسم میں گویا تقسیم ہے ایک دوسرے کے رازدار اور رفیق حیات بن کر ساتھ رہنے کا وعدہ ہے تو ایک طرف تو اسکے ساتھ ایسا پر کیف معاملہ ہو اور دوسری طرف اسکے ساتھ اتنا وحشیانہ اور بے دردانہ سلوک کہ اسکو جانوروں اور غلاموں کی طرح مارے اور کوڑے برسائے جسکے ساتھ اتنی گہری محبت اسکے ساتھ ایسا ظالمانہ برتاؤ بھلا اس نازک طبیعت پر کیا گزریگا۔

[1] بخاری شریف ۷۸۴ ج ۲

کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ جس سے زیادہ محبت ہوتی ہے اسکی جانب سے تھوڑی بے رخی بھی بہت تکلیف دہ ہوتی ہے چہ جائے کہ اس کے ساتھ ایسا معاندانہ برتاؤ ہو لیکن اگر عورت اتنی شیر ہو جائے کہ اپنے شوہر کے حکم کی پابندی نہ کرے اور شوہر کے کہنے سننے کا اس پر کوئی اثر نہ ہوتا ہو اور شوہر کو یہ یقین ہو جائے کہ اب بغیر سختی کے راہ راست پر نہیں آسکتی تو پھر ایسی عورت کو معمولی مار مارنیکی قرآن وحدیث میں اجازت تو ہے مگر اصلاح کے دو طریقے کے بعد تیسرے درجے میں اجازت دی گئی ہے۔ چنانچہ قرآن کی آیت ہے۔

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ[1]

اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم کو انکی بد دماغی (یعنی نافرمانی) کا احتمال ہو تو ان کو (پہلے) زبانی نصیحت کرو (پھر بھی نہ مانے) تو ان کو انکے لیٹنے کی جگہ میں تنہا چھوڑ دو (یعنی انکے بستر سے علیحدگی اختیار کر کے تھوڑی بے رخی کرو اسکے بعد بھی اصلاح نہ ہو تو مجبوری کے درجے میں) اعتدال سے ان کو مارو اعتدال سے مارنیکا مطلب یہ ہے کہ ہاتھ سے یا چھوٹی ہلکی لکڑی سے ایسی مار مارے کہ بدن پر اثر (چھوٹ) اور زخم اور نشان بھی نہ لگے اور ہڈی ٹوٹنے اور زخم لگنے تک نوبت نہ آئے اور چہرہ پر تو مارنے کی مطلقاً ممانعت ہے چنانچہ مشکوٰۃ کی ایک حدیث ہے کہ آپؐ نے فرمایا (لاتضرب بالوجہ) کہ اسکے چہرے پر مت مارا کرو۔

بیویوں کو چند ہی غلطیوں پر معمولی مار مارنیکی اجازت ہے

علماء نے بیان کیا ہے کہ انکی ہر غلطی پر مارنے کی اجازت نہیں ہے ہاں قاضی خاں کے بیان کے مطابق چار کوتاہیوں پر عورتوں کی پٹائی کی جاسکتی ہے۔

[1] سورۃ النساء آیت ۳۴

للزوج الخ وله ان يضربها على اربعة منها ترک الزينة اذا ارادالزوج الزينة. والثانية ترک الا جابة اذا اراد الجماع وهي طاهرة والثالثة ترک الصلوة... وترک الغسل عن الجنابة والحيض بمنزلة ترک الصلاة. والرابعة الخروج عن منزله بغير اذنه [۱]

یعنی شوہر کو یہ حق ہے کہ عورتوں کو چار غلطیوں پر مارے (۱) شوہر کی خواہش اور اسکے حکم کے باوجود زینت وآرائش ترک کر دے (۲) شوہر جماع کا خواہش مند ہو مگر بیوی بغیر کسی عذر (یعنی حیض وغیرہ سے) پاک ہونے کی صورت میں بھی جماع سے انکار کر دے (۳) اسلامی فرائض جیسے نماز پڑھنا چھوڑ دے اسی طرح جنابت وناپاکی اور حیض وغیرہ سے فراغت پر غسل نہ کرنا بھی ترک فرائض کے حکم میں ہے (یعنی عورت کے ان چیزوں کے بعد غسل نہ کرنے اور انکار کرنے پر مار سکتا ہے) (۴) چوتھی وجہ یہ ہے کہ بیوی اپنے شوہر کی اجازت ورضامندی کے بغیر گھر سے باہر جاتی ہو تو مار سکتا ہے۔

بہر حال ان چار چیزوں کی وجہ سے فقہاء نے قرآن وحدیث کی رو سے مارنے کی اجازت بدرجہ مجبوری دی ہے ورنہ دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا (ولن یضرب خیارکم) یعنی جو اچھے اور شریف لوگ ہیں وہ بیویوں کو ہرگز نہیں ماریں گے اسی وجہ سے انبیاء علیہم السلام سے کہیں ایسا منقول نہیں ہے کہ انہوں نے اپنی بیویوں کو مارا ہو۔ لہذا یہ مار پیٹ کی سزا تنبیہ کیلئے تو روا ہے مگر یہ غیر شریفانہ طریقہ ہے شریفانہ تنبیہ تو اپنے ہی مکان میں اپنے بستر کو انکے بستر سے الگ کر لینا ہے۔ [۲]

مرد عورتوں کا ذمہ دار اور حاکم ہے

اوپر مرد کو تعلیم دی گئی ہے کہ عورتوں کے معاملے میں نرمی کرے اور ان کی خامیوں کو نظر انداز کر کے خوشگوار زندگی گزارے مگر جب عورت سے ایسی نازیبا حرکت

---

[۱] (فتاوی قاضی خان علی هامش عالم گیری ص ۴۴۲ جلد ۱).
[۲] (اقتباس معارف القرآن و مظاهر حق).

کا صدور ہونے لگے جو حدود شریعت سے باہر ہو تو اسکی پکڑ اور خبر گیری اور مکمل نگرانی کرنے والا مرد کو بنایا گیا ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے (اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ ۱) یعنی مرد حاکم ہے عورتوں پر اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو (یعنی مردوں کو) بعض (یعنی عورتوں) پر فضیلت دی ہے۔

چوں کہ دنیا کے ہر اجتماعی نظام کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ اسکا ایک ذمہ دار اور امیر ہو جس کی امارت اور نگرانی میں رہ کر دوسرے تمام افراد کام کر سکیں ورنہ انتظام میں بگاڑ کا ہونا عین ممکن ہے اسی طرح رشتہ نکاح کے ذریعہ مرد اور عورت کے خاندانوں کو جوڑ دیا جاتا ہے اور ایک نئے خاندان کی شروعات کے ساتھ میاں بیوی کے درمیان ایک عجیب جوڑ اور تعلق پیدا ہو جاتا ہے اب اگر اس میں کسی کو ذمہ دار قرار نہ دیا جاتا تو گھریلو زندگی میں بدنظمی کا پیدا ہونے کا احتمال تھا۔ جو نکاح کے مقصد کے خلاف ہے اسلئے اس عائلی نظام یعنی امور خانہ داری کا ذمہ دار مرد کو منتخب کیا گیا کیونکہ اس کی علمی اور عملی قوتیں بہ نسبت عورتوں اور بچوں کے زیادہ ہوتی ہیں یہ معاملہ روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ مگر مرد کو عورتوں پر امتیاز دینے کا مطلب ہرگز ایسا نہیں کہ عورت ایک لونڈی اور مرد آقا کی طرح رہے۔ بلکہ تفوق اور مرتبہ قوامیت کا مستحق مرد کو بعض ایسی صلاحیت و اہلیت کے پیش نظر قرار دیا گیا ہے جو مرد کے اندر پائی جاتی ہے عورت میں نہیں اور یہ چیزیں صرف وہبی ہیں کسی کے عمل کو اس میں دخل نہیں اسی حقیقت کو قرآن نے اس طرح بیان کیا ہے (بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ) ورنہ تو بنیادی حقوق میں دونوں برابر ہیں جیسا کہ قرآن میں بیان کر دیا گیا ہے۔

(وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ ۲)

یعنی شرعی ضابطہ کے مطابق عورتوں کا حق مردوں پر اسی طرح ہے جس طرح مردوں کا حق عورتوں پر ہے ہاں البتہ مردوں کا کچھ مرتبہ عورتوں سے زیادہ ہے۔ عورتوں کے غم کو

---

۱ سورۃ النساء آیت ۳۴ ۲ سورہ البقرۃ آیت ۲۲۸

اور ہلکا کرنے کے لئے قرآن نے مردوں کو ہدایت دی (عَنْ تَرَاضٍ بَیْنَهُمَا وَتَشَاوُرٍ) کہ امور خانہ داری میں مرد بیوی کے مشورہ سے کام کرے۔ ایک کو دوسرے کے حقوق کی رعایت کا حکم دیا گیا لیکن حقوق کی برابری کا مطلب یہ نہیں کہ دونوں کے حقوق صورتاً مماثل ہوں بلکہ عورت پر ایک قسم کی ذمہ داری عائد ہے تو مردوں کو دوسری قسم کی ذمہ داری دی گئی ہے۔

عورتوں پر امور خانہ داری یعنی بال بچوں کی تربیت وحفاظت، مرد کی خدمت واطاعت اور گھر کے مال کو اسراف سے بچا کر اعتدال کے ساتھ خرچ کرنا وغیرہ ذمہ داریاں ہیں تو مردوں پر بیوی بچے کیلئے کسبِ معاش بیوی کا مہر، نفقہ اور تمام ضروری اخراجات کے انتظام وغیرہ کی ذمہ داریاں ڈالدی گئیں۔ جس کے اندر جو صلاحیت تھی اس کا بار اس پر ڈالدیا گیا مگر اس کا مطلب پھر بھی یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ عورت کو اپنے نفقات میں مرد کا محتاج بنا کر اس کا مرتبہ کم کردیا گیا ہے بلکہ کام کے اصول اور کارندہ کی اہلیت کے اعتبار سے ڈیوٹیاں تقسیم کردی گئی ہیں جس کے ذمہ جتنا بڑا کام آتا ہے اس کا نام اور عہدہ بھی اتنا ہی بڑا ہوتا ہے مرد کے ذمہ مشکل کام سونپے گئے اس لئے اس کو حاکمیت کا عہدہ دیا گیا مگر اس سے عورت کا درجہ کم نہیں ہوا اس کی مثال تو ایسی ہی ہے جیسے انسان کا سر اس کے ہاتھ سے اور انسان کا دل اس کے معدے سے افضل ہے مگر سر کا افضل ہونا ہاتھ کے مقام اور اس کی ضرورت واہمیت کو کم نہیں کرتا اسی طرح مرد کے حاکم ہونے سے عورت کا مرتبہ نہیں گھٹتا بلکہ (اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ) میں قرآن کریم کی حکیمانہ حکمت کا اظہار ہے کہ مردوں کی یہ فضیلت وتفوق خود عورتوں کی مصلحت اور فائدہ کے عین مطابق ہے کہ مرد کو جب حاکم بنادیا گیا تو عورتوں اور بچوں کے اخراجات کا بار بھی اسی پر ڈالدیا گیا گویا مرد محنت کرتا ہے اور عورت آرام سے رہتی ہے۔

مرد وعورت کے مابین مساوات کا نعرہ

اسلام ایک مہذب اور فطرۃ پر حکمت مذہب ہے جس میں ہر ایک کا ایک درجہ ہے اسی درجہ پر ان کو اتارا جاتا ہے۔ مگر اقوام متحدہ چارٹر آئیڈیل ملکوں یورپ وغیرہ میں مرد وزن کی مساوات کا دعوی ہے اور اس کی کوششیں کی جارہی ہیں کہ مساوات ثابت ہو جائے لیکن اسلامی قانون کی رو سے یہ غیر فطری کوشش ہے اور یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ جس قوم نے بھی قانون اسلام کے خلاف الگ نظریہ قائم کیا وہ اس پر مکمل طور پر ایک دن بھی عمل نہ کر سکی اسی نظریہ میں سے ایک مساوات کا نظریہ ہے کیونکہ عورت کی طبیعت اور مخصوص جبلت اس کے اس قانون اور نظریہ کو عملی میدان میں اتارنے سے مانع ہے۔ اخیر میں مجبور ہوکر اپنے قانون کے بل کو توڑ مروڑ کرنے کے در پے ہوتے ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ قانون کے ردو بدل کرنے میں فائدہ کے بجائے بڑا نقصان ہوتا ہے۔ ان قوانینِ مساوات کو عملی جامہ پہنانے سے وہ قاصر ہیں اور ان کو وہ تسلیم بھی کر رہے ہیں کیونکہ آئیڈیل ملکوں یورپ وغیرہ سے جب سوال ہوتا ہے کہ اعلی عہدوں پر فائز ہونے میں کیا تناسب رہا کتنی عورتیں وزیر اعظم کتنی عورتیں فوج کی اعلی عہدہ دار کتنی عورتیں کمانڈر انچیف کتنی پائلٹ بڑے عہدے تو درکنار معمولی عہدہ پر بھی کتنی عورتیں فائز کی گئیں تو جواب میں یہ ہی ملتا ہے کہ ایک بھی نہیں۔ اس لئے کھلے طور سے کہا جاسکتا کہ مرد وعورت کے خلقی تفاوت اور مرد وزن کے تضاد کو سامنے رکھتے ہوئے مساوات کا نعرہ جذباتیت اور ناعاقبت اندیشی کے سواء اور کچھ نہیں ہے جن قوموں نے مساوات کی رٹ میں عورتوں کو پردہ سے نکالکر بازاروں، میدانوں اور پارکوں اور سڑکوں اور اس کے علاوہ دفاتر اور سیاست میں لاکر کھڑا کر کے بے پردہ کیا اس کا جو غلط نتیجہ سامنے آیا اور آرہا ہے وہ ظاہر ہے خود ان کو اس کا اعتراف کر کے شرمندہ ہونا پڑ رہا ہے ایک مشہور امریکی پروفیسر نے اس کو اس طرح بیان کیا ہے کہ اب تو ہم کھانا ہوٹلوں

اور ریسٹوران میں کھاتے ہیں ہماری روٹی بیکری سے آتی ہے کپڑے لانڈری میں دھلتے ہیں پہلے تفریح کیلئے لوگ خاندانوں کی طرف رجوع کرتے تھے لیکن اب اس کے لئے سینماؤں تھیٹروں اور کلبوں کا رخ کیا جاتا ہے پہلے خاندان ہماری دلچسپی کا مرکز تھا اور خاندانی زندگی ہی میں سکون وآسائش تلاش کی جاتی تھی مگر اب خاندان کے افراد بکھر گئے اگر گنے چنے ایک جگہ رہتے بھی ہیں تو وہ مقصد حاصل نہیں ہوتا جو ایک ساتھ رہنے میں ہونا چاہئے ہمارے گھر آرام اور راحت کی جگہ نہ رہے جہاں چاہتے ہیں رات گزارتے ہیں [1]

مسز جونی انج ایک امریکی خاتون ہے جو نفسیات وجنسیات کی ماہر ہے انہوں نے دہلی کی ایک کانفرنس میں کھلے طور پر کہا۔ امریکی سوسائٹی سیاسی اقتصادی اور جنسی اعتبار سے اب تیزی کیساتھ ماضی کی روایات کی طرف لوٹ رہی ہے مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ دن دور نہیں جب کہ امریکی عورتیں اپنی قدیم روایات کے مطابق گھر کی چہار دیواری میں ہی بند ہو کر خود کو بچوں اور گھر کی دیکھ بھال تک محدود کرلیں گی بہرحال بہت سارے مغربی سمجھدار انسان مرد وزن کی فطرت کو سمجھ کر مساوات کے جذبات سے توبہ کر رہے ہیں۔[2]

حقوق زوجہ

مرد عورت کا قوام اور ذمہ دار ہے اس لئے مردوں پر کچھ فرائض اور ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان کو حقوق زوجہ کہا جاتا ہے جن کا ادا کرنا مرد پر لازم ہے وہ حقوق دو طرح کے ہیں۔ ا۔ کچھ مالی ۲۔ کچھ غیر مالی۔ حقوق مالی چند ہیں ان میں سے ایک حق مہر ہے یہ سب سے پہلا فریضہ ہے مہر کی ادائیگی کے بغیر کوئی چارہ نہیں اس لئے مہر کے احکام ومسائل کو قدرے تفصیل کیساتھ بیان کیا جاتا ہے۔

---

[1] (ترجمان القرآن۔ اپریل ۱۹۵۷ء) [2] سہ روزہ دعوت ۱۳ نومبر ۱۹۸۵ء

مہر کی تعریف

مہر شریعت میں ان رقوم یا جنس کو کہتے ہیں جو مرد پر عورت کیلئے بوجہ عقد نکاح اور عورت سے جنسی منافع حاصل کرنے اور اس سے لطف اندوز ہونے کی وجہ سے واجب ہوتا ہے۔[۱]

مہر کی شرعی اہمیت

مہر عورت کا ایسا حق ہے جو اس کی مرضی کے بغیر شوہر کے ذمہ سے ساقط نہیں ہوسکتا حتی کہ اگر زوجین باہمی رضامندی سے بھی ساقط کرنا چاہیں (مثلاً دونوں باہم رضامندی سے نکاح ہی کے وقت ساقط کرتے ہوئے کہیں کہ نہ ہم لیں گے اور نہ دیں گے) تو بھی ساقط نہیں کر سکتے کیونکہ یہ شریعت کا حکم ہے اس پر عمل ضروری ہے صاحب بدایۃ المجتہد فرماتے ہیں۔

من جهة انه لايجوز التواضي على اسقاطه يشبه العبادة [۲] — کہ اس طرح مہر کے ساقط کرنے پر زوجین کا رضامند ہوجانا جائز نہیں کیونکہ مہر عبادت کے مشابہ ہے اور عبادت کو اپنی مرضی سے ساقط نہیں کر سکتے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔

المهر واجب شرعا ابانة لشرف المحل [۳] — کہ مہر شرعاً واجب ہے تا کہ محل نکاح کے شرف کا اظہار ہو۔ مہر ایک لازمی ہدیہ ہے محبت کی کلید، نکاح کی عظمت، عورت کے شرف کا اظہار ہے مہر کا نکاح میں طے کرنا اور اس کی ادائیگی کو ضروری سمجھنا قانون شریعت کا ایک شعار ہے۔

---

[۱] ثم عرف المهر فی العناية بلنه اسم للمال الذی يجب فی عقد النكاح على الزوج فی مقابلة البضع اما بالتسمية او بالعقد واعترض بعد شموله للواجب وبالوطء بشبهة ومن ثم عرفه بعضهم بأنه اسم لما تستحقه المرأة بعقد النكاح او الوطء (شلبی صفحه ۲۳۰ جلد ۴)

[۲] (بداية المجتهد ۱۶ جلد ۲) [۳] (هداية صفحه ۳۲۳ جلد ۲)

مہر کے اقسام

مہر کی اولاً دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ مہر معجّل۔ ۲۔ مہر موَجل۔ پھر ان میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ مہر مسمّی۔ ۲۔ مہر مثل۔

مہر معجّل کی تعریف:

معجّل تعجیل سے بنا ہے بمعنی جلدی کرنا، اصطلاح فقہاء میں مہر معجّل اس مہر کو کہتے ہیں جو بوقت عقد نکاح دیا جائے یا بوقت عقد فی الحال دینا قرار پائے۔

مہر معجّل کا حکم:

پورا یا نصف یا جو کچھ مہر معجّل ہے اس کا مطالبہ عورت فی الحال کر سکتی ہے یہ اس کا حق ہے اگر چاہے تو طے شدہ نقد مہر کے وصول کئے بغیر شوہر کو وطی اور مباشرت وغیرہ سے روک سکتی ہے۔[۱]

مہر موَجل کی تعریف:

موَجل اجل سے بنا ہے بمعنی مدت مقرر کرنا، اصطلاح فقہاء میں مہر موَجل اس مہر کو کہتے ہیں جس کی ادائیگی کیلئے کچھ مدت مقرر کی گئی ہو خواہ وہ مدت قریب ہو یا بعید۔ یا لاعلی التعیین ادھار چھوڑ دیا گیا ہو اور مطلق مہر باندھ کر عقد نکاح کر دیا گیا ہو۔

مہر موَجل کا حکم:

مہر موَجل کا مطالبہ زوجہ شوہر سے مدت مقررہ سے پہلے نہیں کر سکتی اگر مدت متعین نہیں تو پھر اس کی انتہائی مدت عرف ورواج پر یا مفارقت (یعنی طلاق، خلع، فسخ نکاح وغیرہ) پر ہے یا زوجین میں سے کسی کی وفات پر ہے۔ اس سے قبل عورت کو

---

[۱] ولها منعه من الوطء ودواعية الخ لاخذ ما بين تعجيله من المهر كله او بعضه او لاخذ قدر ما يعجل لمثلها عرفا به يفتى لان المعروف كالمشروط (درمختار) اى ان لم يبين تعجيله او تعجيل بعضه فلها المنع لاخذ ما يعجل لها منه عرفا (شامى صفحه ۲۹۱ جلد ۴)

مطالبہ کا حق حاصل نہیں ہوگا نیز طلاق رجعی سے بھی مطالبہ کا حق حاصل ہو جائے گا اگر چہ شوہر نے رجوع کرلیا ہو۔[1]

(فائدہ) مہر مؤجل غیر متعینہ مدت کی انتہائی مدت اگر چہ طلاق یا موت ہے مگر شوہر کیلئے مناسب یہ ہے کہ اپنی زندگی میں جلد سے جلد ادا کرنے کی کوشش کرے کیونکہ مہر شوہر کے ذمہ ایک قسم کا قرض ہے اور انسانی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں اچانک کس وقت چل بسے اور یہ قرض اس کے ذمہ باقی رہ جائے۔ اس کی کوئی خبر نہیں دراصل مہر کی اہمیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کے اندر اصل مہر میں تعجیل ہے اس لئے کہ مہر استحلال فرج کیلئے مشروع ہوا ہے اور مہر مؤجل تو صرف ایک رعایت ہے یہی وجہ ہے کہ مہر مؤجل طے پانے کی صورت میں بھی بیوی کو پہلی ملاقات میں نقد روپے، پیسے، ہدیہ، تحفہ وغیرہ کچھ نہ کچھ دینا ضروری ہے بغیر کچھ دیئے بیوی سے فائدہ اٹھانا شرعاً غیر مناسب ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے اسی سلسلے کی ایک روایت منقول ہے۔

ان عليا رضى الله عنه لما تزوج	کہ حضرت علیؓ نے جب حضور ﷺ کی
فاطمة بنت رسول الله صلى الله	صاحبزادی حضرت فاطمہؓ سے شادی
عليه وسلم رضى الله عنها اراد ان	کی تو ان کے ساتھ دخول کا ارادہ کیا
يدخل بها فمنعه رسول الله صلى	مگر حضور ﷺ نے بغیر کچھ دیئے
الله عليه وسلم حتى يعطيها شيأ	حضرت علیؓ کو فاطمہؓ سے فائدہ اٹھانے
فقال يا رسول الله ليس	سے منع فرمادیا۔ اس پر حضرت علیؓ نے

[1] لاخلاف لاحد ان تاجيل المهر الى غاية معلومة نحو شهر او سنة صحيح وان كان لا الى غاية معلومة فقد اختلف المشائخ فيه قال بعضهم يصح وهو الصحيح وهذا لان الغاية معلومة فى نفسها وهو الطلاق او الموت الخ وبالطلاق الرجعى يتعجل المؤجل ولوراجعها لا يتأجل (عالمگیری صفحہ ۳۱۸ جلد۱)

لی شئ فقال له النبی صلی الله علیه وسلم اعطها درعک فاعطاها درعه ثم دخل بها. ۱

حضور ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے کہ دوں حضور ﷺ نے فرمایا کہ اپنی زرہ ہی دیدو چنانچہ اس کے بعد حضرت علیؓ نے اپنی زرہ دیکر حضرت فاطمہؓ کے ساتھ شب زفاف منائی۔

نیز حضرت جابرؓ سے ایک اور حدیث منقول ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

من اعطی فی صداق امرأة ملأ کفیه سویقا او تمرا فقد استحل. ۲

جس شخص نے اپنی بیوی کے مہر میں سے (کچھ حصہ بطور مہر معجل کے دیدیا اگرچہ) دونوں ہاتھ بھر کر ستو یا کھجور ہی کیوں نہ ہو تو اس نے اپنی عورت کو اپنے لئے حلال کرلیا۔

(نوٹ) پہلی ملاقات میں اس طرح شوہر کے کچھ دینے سے مہر ذمہ سے ساقط نہیں ہوگا مہر مؤجل جو طے پایا ہے وہ بہر حال ادا کرنا ہوگا۔

مہر مسمی کی تعریف:

مسمی تسمیہ سے بنا ہے بمعنی معین، اصطلاح فقہاء میں مہر مسمی وہ مہر ہے جو بوقت عقد نکاح متعین کیا گیا ہو یا نکاح کے بعد زوجین نے باہمی رضامندی سے طے کرلیا ہو یا قاضی نے نکاح کے بعد مقرر کیا ہو۔ ۳

مہر مثل کا مطلب:

مہر مثل وہ مہر ہے جو بیاہی جانے والی عورت کے باپ کی خاندانی عورت کا ہو

۱ (ابوداؤد کتاب النکاح صفحہ ۲۸۹ تا ۲۹۰ جلد ۱)

۲ ابو داؤد شریف صفحہ ۲۸۷ جلد ۱

۳ سمی لها مهرا اولا فللمطلقات اربع وما فرض بتراضیهما او بفرض قاض مهر المثل بعد العقد الخالی عن المهر (در مختار علی هامش شامی صفحہ ۲۴۶ جلد ۴)

جواس بیاہی جانے والی عورت کے مثل ہے۔یعنی یہ کم عمر ہے تو وہ خاندانی عورت بھی نکاح کے وقت کم عمر تھی۔ اسی طرح مال، جمال، شہر، زمانہ، عقل، دینداری، بکارت، ثیوبت (یعنی نکاح کے وقت یہ باکرہ ہے تو وہ بھی باکرہ یا یہ ثیبہ تھی) نیز علم وادب، اخلاق وعادات، غرض جس وقت ان خاندانی عورتوں کا نکاح ہوا تھا اس وقت ان باتوں میں وہ بھی اسی کے مثل تھیں جس کا اب نکاح ہو رہا ہے۔تو جو پہلی والی کا مہر مقرر ہوا تھا وہی اس بعد والی کا مہر مثل ہے۔

خاندانی عورت سے مراد ددھیالی ہی لڑکیاں مراد ہیں نہ کہ ننہالی۔ جیسے بہن پھوپھیاں چچازاد بہنیں وغیرہ۔مہر مثل میں ماں کے مہر کا اعتبار نہیں۔ ہاں اگر ماں بھی باپ کے خاندان ہی کی ہے تو اس کا مہر بھی مہر مثل ہوگا۔[1]

کن کن عورتوں کو کتنا اور کس قسم کا مہر ملے گا

مطلقہ اور متوفی عنہا زوجہا عورتیں جن کو اب تک مہر نہیں ملا ہے اس کی چار قسمیں ہیں اور ہر ایک کو مہر ملنے کی صورتیں مختلف ہیں جس کو قدرے تفصیل کیساتھ بیان کیا جارہا ہے۔

(۱) پورا مہر مسمی لینے والی وہ عورت ہے جس کو دخول یا خلوت صحیحہ کے بعد طلاق ہوئی اور اس سے قبل اس کا مہر بھی متعین ہو چکا تھا تو اس کو پورا مہر اور عدت کا خرچہ بھی ملے گا۔ نیز زوجین میں سے کوئی مرجائے اور اس کا مہر بھی پہلے سے متعین تھا تو اس کو بھی پورا مہر ملے گا۔ اگر چہ موت، وطی اور خلوت سے پہلے ہوئی ہو۔[2]

(۲) پورا مہر مثل لینے والی وہ عورت ہے جس کو وطی یا خلوت صحیحہ کے بعد

---

[1] والحرة مهر مثلها الشرعي مهر مثلها اللغوي اى مهر لمرأة تماثلها من قوم ابيها لا امها ان لم تكن من قومه كبنت عمه وفي الخلاصه يعتبر باخواتها وعماتها الخ وتعتبر المماثلة فى الاوصاف وقت العقد سنا وجمالا ومالا وبلدا وعصرا وعقلا ودينا وبكارة وثيوبة وعفة وعلما وادبا وكما خلق (درمختار على هامش شامى صفحه ۲۸۱ تا ۲۸۲ جلد ۴)

[2] ومن سمى مهراً عشرة فمازاد فعليه المسمى ان دخل بها او مات عنها (هداية صفحه ۳۲۴ جلد۲)

طلاق ہوئی اور اس سے قبل اس کا مہر متعین نہیں ہوا تھا تو اس کو پورا مہر مثل ملے گا۔ (اور عدت کے خرچے کی بھی مستحق ہوگی) نیز اسی طرح زوجین میں سے کوئی وفات پا جائے اور اس کا مہر متعین نہیں تھا تو اس کو بھی پورا مہر مثل ملے گا اگرچہ وطی یا خلوت صحیحہ سے قبل ہی موت ہوئی ہو۔ نیز زوجین خواہ عدم بلوغ کی ہی حالت میں انتقال کر جائیں [۱]

اس سلسلے میں ایک حدیث بھی ملتی ہے جو مذکورہ مسئلہ کی دلیل ہے۔

عن علقمة عن ابن مسعود انه سئل عن رجل تزوج امرأة ولم يفرض لها شياءً ولم يدخل بها حتى مات فقال ابن مسعود لها مثل صداق نسائها ولا وكس ولا شطط وعليها العدة ولها الميراث فقام معقل ابن سنان الاشجعي فقال قضى (رسول الله صلى الله عليه وسلم) في بروع بنت واشق امرأة منا بمثل ما قضيت ففرح بها ابن مسعود [۲]

حضرت علقمہؒ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے متعلق نقل کرتے ہیں کہ ان سے ایک ایسے شخص کے سلسلے میں سوال کیا گیا جس نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس کا کچھ مہر بھی مقرر نہیں کیا تھا اور پھر اس نے ابھی اپنی بیوی سے دخول بھی نہیں کیا تھا (یعنی نہ تو جماع کیا تھا اور نہ خلوت صحیحہ ہوئی تھی) کہ اس شخص کا انتقال ہوگیا۔ (حضرت ابن مسعودؓ نے ایک مہینہ تک اس مسئلہ پر غور و فکر کرنے کے بعد اپنے اجتہاد سے) فرمایا کہ اس عورت کو دوسری خاندانی عورت کا مہر مثل ملے گا نہ اس میں کوئی کمی ہوگی نہ زیادتی نیز اس عورت پر (شوہر کی وفات کی)

[۱] والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة، الدخول، والخلوة الصحيحة، وموت احد الزوجين سواء كان مسمى او مهر المثل الخ وان تزوجها ولم يسم لها مهرا او تزوجها على ان لا مهر لها فلها مهر مثلها ان دخل بها او مات عنها وكذا اذا ماتت هي (عالم گيرى ۳۰۲ تا ۳۰۴ جلد ۱)

[۲] (مشكوة صفحه ۲۷۷ جلد۲)

عدت بھی واجب ہوگی اور اس کو میراث بھی ملے گی یہ سنکر حضرت معقل ابن سنان اشجعیؓ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے خاندان کی ایک عورت بروع بنت واشقؓ کے بارے میں یہی حکم دیا تھا جو اس وقت آپ نے بیان کیا حضرت ابن مسعودؓ اس پر خوش ہوئے (کہ حق تعالی نے میری رہبری فرمائی اور میرا یہ فیصلہ آنحضرت ﷺ کے حکم کے مطابق ہوا)۔

(۳) متعینہ مہر کا نصف پانے والی: وہ عورت ہے جس کو وطی اور خلوت صحیحہ سے قبل طلاق دی گئی ہو اور اس سے پہلے اس کا مہر بھی متعین ہو چکا تھا تو اس کو مہر مسمی کا نصف ملے گا۔[1] اور اسکو عدت بھی گزارنی ہوگی۔ قرآن میں بھی اس کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ:

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ [2]	اگر تم نے عورتوں کو طلاق دیدی ہے ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے اور تم نے انکا مہر بھی اس سے قبل مقرر کر دیا تھا تو اس صورت میں نصف مہر دینا ہوگا یہ اور بات ہے کہ عورت نرمی برتے (اور معاف کردے) یا وہ مرد جس کے اختیار میں عقد نکاح ہے نرمی سے کام لے (اور پورا مہر دیدے

اور تم کو نرمی ہی سے کام لینا چاہئے (کہ پورا مہر دیدو) کیونکہ یہ تقوی کے زیادہ مناسب ہے اور آپسی معاملات میں فیاضی کو نہ بھولو تمہارے اعمال کو اللہ تعالی دیکھ رہا ہے۔

(۴) متعہ پانے والی وہ عورت ہے جس کو وطی اور خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق

---

[1] ویجب نصفه بطلاق قبل وطی او خلوة (درمختار) (ویجب نصفه) ای نصف المهر المذکور وهو العشرة ان سماها او دونها او الاکثر منها ان سماه (شامی صفحه ۲۳۵ جلد ۴)

[2] سوره بقره پاره ۲ آیت ۲۳۷

دیدی گئی اور اس سے قبل اس کا مہر بھی متعین نہیں ہوا تھا تو اس کو مہر نہیں ملے گا کیونکہ اس کا مہر تو متعین تھا نہیں اور خلوت صحیحہ نہ ہونے کی وجہ سے مہر مؤکد بھی نہیں ہوا تو یہ خالی کی خالی رہ گئی، مگر نکاح ہونے کے بعد نکاح توڑ دینے سے عورت کا کچھ نہ کچھ نقصان تو ضرور ہوا اس لئے اس کی تلافی کیلئے اللہ کی جانب سے اس عورت کو متعہ دینے کا حکم ہوا ہے چنانچہ ارشاد باری ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَالَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً وَّمَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ[۱]

اور تم پر کوئی مواخذہ نہیں اگر بیویوں کو ایسی حالت میں طلاق دیدو کہ نہ تو ان کو تم نے ہاتھ لگایا ہے اور نہ ان کیلئے کچھ مہر مقرر کیا ہے تو ان کو فائدہ پہنچاؤ (کچھ نہ کچھ دیکر) صاحب وسعت کے ذمہ اس کی حیثیت کے موافق ہے اور تنگدست کے ذمہ اس کی حیثیت کے موافق۔ ایک خاص قسم کا فائدہ پہنچانا ہے قاعدہ کے موافق واجب ہے خوش معاملہ لوگوں پر۔

نیز متعہ پانے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اگر زوجین نے اپنی رضامندی سے یا قاضی کے ذریعہ نکاح کے بعد مہر مقرر کیا اور وطی یا خلوت صحیحہ سے قبل طلاق یا تفریق ہوگئی تو اس کو بھی مہر کے بجائے متعہ ملے گا۔

البتہ وطی اور خلوت صحیحہ کے بعد طلاق اور تفریق ہوئی ہے تو پھر پورا مقرر کردہ مہر ملے گا۔[۲]

---

[۱] سورہ بقرہ آیت ۲۳٦

[۲] ولو فرض القاضی لها مهرا او فرض الزوج بعد العقد ففی حال التاکید یتاکد کما یتأکد مهر المثل وان طلقها قبل الدخول تجب المتعة ولا ینتصف المفروض (عالم گیری صفحہ ۳۰۴ جلد۱)

متعہ کی وضاحت

متعہ کے معنی لغت میں تحفہ، زاد قلیل، نفع رسانی کے ہیں کہ عارضی اور وقتی فائدہ اٹھایا جاسکے اصطلاح شرع میں متعہ تین کپڑے کا ایک جوڑا (کرتا، اوڑھنی، ایک ایسی چادر جو سر سے پاؤں تک لپیٹی جاسکے) کا نام ہے جو مطلقہ عورت کو دیا جائے۔ اگر کپڑے نہیں تو اس معیار کی دوسری چیزیں جو اس علاقے میں رائج ہوں یا اس کی قیمت اس طور پر دی جائے کہ مہر مثل کے نصف سے زیادہ نہ ہو۔ عورت کو اس کے قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

متعہ کا حکم اور اس کا معیار

متعہ دینا شوہر پر واجب ہے نہ دینے پر گنہ گار ہوگا۔ متعہ شوہر کی حیثیت کے مطابق دیا جائے گا شوہر اگر غریب ہے تو سوتی کپڑا وغیرہ دیگا جو پانچ درہم سے کم کا نہ ہو اور اگر مالدار ہے تو اعلی معیار مثلاً ریشم وغیرہ کے کپڑے دیگا جو مہر مثل کے نصف سے زیادہ نہ ہوں اگر متوسط ہے تو متوسط درجے کے کپڑے دے گا۔[۱]

متعہ مستحب

مذکورہ بالا جن عورتوں کو کچھ مہر نہیں ملتا ان کو متعہ دینا واجب ہے البتہ ان کے علاوہ باقی عورتوں کو جن کو پورا یا کچھ نہ کچھ مہر ملتا ہے متعہ دینا مستحب ہے کہ رخصت کرتے وقت کپڑے وغیرہ دیکر خوشی کیساتھ رخصت کرے۔[۲]

۱؎ وتجب متعة لمفوضة وهي من زوجت بلا مهر طلقت قبل الوطء وهي درع وخمار وملحفة لا تزيد علي نصفه اي نصف مهر المثل لو الزوج غنيا ولا تنقص عن خمسة دراهم لو فقيرا وتعتبر المتعة بحالها كا لنفقة به يفتي (درمختار) (وتعتبر المتعة بحالهما) اى فأن كانا غنيين فلها الا على من الثياب اوفقيرين فالادني او مختلفين فالوسط وما ذكره قول الخصاف وفي الفتح انه الاشبه بالفقه والكرخي اعتبر حالها واختاره القدوري والامام السرخسي اعتبر حاله وصححه في الهداية (شامي صفحه ۲۴۵ جلد ۴)

۲؎ وتستحب المتعة لمن سواها اى المفوضة (درمختار علی هامش شامي صفحه ۲۴۵ جلد ۴)

نکاح فاسد میں وطی اور خلوت صحیحہ سے قبل فرقت ہوگئی تو مہر ومتعہ کچھ بھی نہیں ملے گا

پانچویں قسم ان عورتوں کی ہے جن کو نہ مہر ملے گا نہ متعہ اس کی صورت یہ ہے کہ نکاح کے ارکان صحیح طور سے نہ پائے جانے کی وجہ سے نکاح منعقد ہی نہیں ہوا بلکہ باطل ہو گیا یا شرائط نکاح کا لحاظ نہ کرنے کی وجہ سے نکاح فاسد ہوا مثلاً بغیر گواہ کے خفیہ نکاح ہوا یا ایسے بہرے گواہ کی موجودگی میں نکاح ہوا جو ایجاب وقبول کو نہ سن سکے یا اپنی محرمات میں سے کسی سے نکاح کیا یا زوجین ہم مذہب نہیں ہیں یا کسی عورت سے عدت میں نکاح کیا یا خنثیٰ مشکل سے نکاح کیا یا انسان کے بجائے جنات وغیرہ سے نکاح کیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ تو ان تمام صورتوں میں اگر مرد نے وطی نہیں کی اور فرقت واقع ہوگئی تو عورت کو نہ مہر ملے گا اور نہ متعہ البتہ اگر عورت سے جماع کر چکا ہے تو پھر مرد پر مہر لازم ہوگا۔ اگر متعینہ مہر مہر مثل سے کم ہے تو متعینہ، ورنہ مہر مثل دیا جائے گا۔

نوٹ: یہاں پر خلوت صحیحہ وطی کے حکم میں نہیں ہوگی بلکہ مہر کے لزوم کیلئے وطی شرط ہے۔[1]

نیز اسی طرح وطی اور خلوت صحیحہ سے قبل زوجین کے مابین ایسی فرقت واقع ہو جائے جو طلاق کے حکم میں نہیں ہے جیسے خیار بلوغ کیوجہ سے وطی اور خلوت صحیحہ سے قبل فرقت ہوگئی تو ان صورتوں میں پورا مہر ساقط ہو جائے گا خواہ یہ فرقت عورت کی طرف سے ہوئی ہو یا اس کا سبب مرد کی طرف سے ہو۔[2]

---

[1] ویجب مہر المثل فی نکاح فاسد وہو الذی فقد شرطا من شرائط الصحۃ کشہود بالوطء فی القبل لا بغیرہ کالخلوۃ لحرمۃ وطئہا ولم یزد مہر المثل علی المسمی لرضاہا بالحط ولو کان دون المسمی لزم مہر المثل لفساد التسمیۃ بفساد العقد (درمختار علی ہامش شامی صفحہ ۲۷۴ تا ۲۷۵ جلد۴)

[2] (فصل) اما بیان ما یسقط بہ کل المہر فالمہر کلہ یسقط باسباب اربعۃ منہا الفرقۃ بغیر طلاق قبل الدخول بالمرأۃ وقبل الخلوۃ بہا فکل فرقۃ حصلت بغیر طلاق قبل الدخول وقبل الخلوۃ تسقط جمیع المہر سواء کانت من قبل المرأۃ او من قبل الزوج وانما کان کذلک لان الفرقۃ بغیر طلاق تکون فسخا للعقد وفسخ العقد قبل الدخول یوجب سقوط کل المہر لان فسخ العقد رفعہ من الاصل وجعلہ کان لم یکن (بدائع الصنائع صفحہ ۵۹۰ جلد۲)

وطی بالشبہ سے بھی مہر مثل لازم ہوگا

اگر کسی نے ایسی خاتون سے وطی کی جس کی حلت میں شبہ ہو (یعنی مرد یہ سمجھ رہا ہو کہ یہ میری بیوی ہے حالانکہ وہ اس کی بیوی نہیں) تو ایسی عورت کو مہر مثل دینا پڑیگا اور عورت عدت بھی گزارے گی بغیر عدت گزارے نہ دوسرا نکاح کرسکتی ہے اور نہ اپنے شوہر کے پاس رہ سکتی ہے۔ مگر یہ زنا بھی نہیں کہلایگا اس سے بچہ جو پیدا ہوگا اسی سے اس کا نسب ثابت ہوگا۔

وطی بالشبہ کی قسمیں

وطی بالشبہ کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) **وطی بشبهة المحل**۔ اسکو **وطی بشبهة الملک** اور **بشبهة حکمیة** بھی کہتے ہیں۔ یعنی ایسی عورت سے جماع کیا کہ دلائل سے اس کی حلت میں شبہ ہو اگرچہ قوی دلیل سے حلت ثابت نہ ہو۔ جیسے کسی نے اپنی اس معتدہ سے وطی کرلی جس کو الفاظ کنائی سے طلاق دی ہے اور پھر وہ اس طلاق کی عدت میں ہو۔ یا اپنی اس بیوی سے وطی کی جو مصاہرت یا ارتداد کی وجہ سے حرام ہوگئی ہو۔ (۲) **وطی بشبهة الفعل** جسے **وطی بشبهة الاشتباه** بھی کہتے ہیں۔ یعنی ایسی خاتون سے وطی کیا کہ دلائل سے تو اس کی حلت میں شبہ نہ ہوتا ہو مگر وطی کرنے والے نے غیر دلیل کو دلیل سمجھ کر وطی کو جائز گمان کرلیا ہو۔ جیسے کسی نے لفظ صریح سے تین طلاق والی مطلقہ سے یا خلع یا طلاق بالمال والی بائنہ سے یا ایسی خاتون سے وطی کی جس کو عورتوں نے اس کے پاس بیوی کہہ کر بھیج دیا ہو تو ان تمام صورتوں میں حرمت ثابت ہے مگر کچھ چیزیں ایسی ہیں کہ ان سے حلت کا شبہ ہوتا ہے۔

(۳) وطی بشبہۃ العقد۔ یعنی ایسی خاتون سے وطی کی کہ صورتاً اس کے ساتھ عقد نکاح کا ایجاب وقبول ہوا لیکن شرعاً نکاح متحقق نہ ہوا ہو۔ جیسے محرمات ابدیہ، یا غیر کی منکوحہ یا معتدہ یا اپنی مطلقہ ثلاثہ سے (حلالہ کے بغیر) نکاح کے بعد وطی کی یا پانچ عورتوں یا دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں جمع کرکے وطی کی یا ایک بہن کے نکاح میں

رہتے ہوئے دوسری بہنوں سے نکاح کے بعد وطی کی یا نکاح فاسد کے بعد وطی کی۔تو ان تمام صورتوں میں اگرچہ صورتاً نکاح کا ایجاب وقبول ہوا ہے لیکن حقیقۃً وشرعاً نکاح نہیں ہوا اس لئے ایسے نکاح کے بعد وطی کرنے کو وطی بشبہۃ العقد کہا جاتا ہے۔

وطی بالشبہہ کی ان تینوں قسموں میں وطی کرنے والے پر موطوءہ کیلئے مہر مثل واجب ہوگا۔[1]

مہر مسمی میں شوہر نے نکاح کے بعد اضافہ کردیا

بوقت عقد نکاح زوجین کی رضامندی سے دونوں کی حیثیت کے مطابق مہر طے ہوا مگر نکاح کے بعد متعینہ مہر میں شوہر نے اپنی خوشی سے اضافہ کردیا تو یہ زیادتی سمیت پورا مہر شوہر پر واجب ہوگا نہ ادا کرنے پر گنہ گار ہوگا بشرطیکہ طلاق یا فرقت وطی اور خلوت صحیحہ کے بعد ہوئی ہو یا دونوں میں سے کسی کی موت ہوگئی ہو خواہ وطی اور خلوت صحیحہ نہ پائی گئی ہو لیکن اگر وطی اور خلوت صحیحہ سے قبل طلاق واقع ہوگئی تو پھر اضافہ شدہ مہر ساقط ہوکر صرف مہر مسمی کا نصف ملے گا۔[2]

اسی طرح عورت اپنی مرضی سے مہر میں کمی کرسکتی ہے کیونکہ مہر اس کا حق ہے

---

[1] الشبهة ما يشبه الثابت وليس بثابت في نفس الأمر وهي ثلاثة انواع شبهة حكمية في المحل وشبة اشتباه في الفعل وشبة في العقدالخ لأحد بلازم بشبهة المحل أي الملك وتسمى شبهة حكمية... وان ظن حرمته كوطء ... معتدة الكنايات ولو خلفا خلاعن مال وان نوى بها ثلاثاً نهر لقول عمر رضي الله عنه الكنايات رواجع... ووط ... زوجة حرمت بردتها او مطاوعتها لابنه أو جماعه لأمها أو بنتها لأن من الائمة من لم يحرم به... ولأحد ايضا بشبهة الفعل وتسمى شبهة اشتباه أي شبهة في حق من حصل له لشتباه ان ظن حله ... كوطئ ... معتدة الثلاث ولو جملة... ومعتدة الطلاق على مال وكذا المختلعه على الصحيح بدائع كوطئ ... و ... وط امرأة زفت اليه وقال النساء هي زوجتك ولم تكن كذلك معتمدا ... جيرهن ... ولأحد ايضا بشبهة العقد اى عقد النكاح عنده اى الامام كوط محرم نكحها : او وط في نكاح بغير شهود (درمختار على هامش شامي صفحه ٢٦ تا ٣٤ جلد٦ ومستفاد مجموعه قوانى اسلامي ١٠٩ تا ١١٠)

[2] او زيد على ما سمى فلنها تلزمه (درمختار) اى الزيادة ان وطئ او مات عنها وهذا التفريع مستفاد من مفهوم قوله لا ينصف اى بالطلاق قبل الدخول فيفيد لزومه وتأكده بالدخول ومثله الموت (شامي صفحه ٢٤٦ جلد٤)

اس لئے وہ اپنا حق ساقط کرسکتی ہے۔

مہر کی شرعی مقدار

شریعت میں زیادہ مہر کی کوئی حد مقرر نہیں ہے مگر کم سے کم مہر کی حد متعین ہے اس سے کم باندھنے کا کوئی اعتبار نہیں وہ دس درہم یا اس کی قیمت ہے[1] دس درہم کا وزن ساڑھے اکتیس (31½) ماشہ چاندی اور تولہ کے حساب سے دو تولہ ساڑھے سات (7½) ماشہ چاندی ہے، گرام کے حساب سے تیس (30) گرام (618 ملی گرام) چاندی ہوتی ہے آج یعنی ۲۰۰۱ء میں تقریباً تین سو (300) روپے اس کی قیمت ہوتی ہے۔[2]

کونسی چیز مہر بن سکتی ہے

ہر وہ چیز مہر بن سکتی ہے جس سے فائدہ اٹھانا جائز ہو اور وہ چیز معلوم اور متعین ہو اور انسان کو اس کی ادائیگی پر قدرت بھی ہو جیسے سونا، چاندی، یا ان سے ڈھلے ہوئے سکے، یا اس کے مثل رائج کرنسی (نوٹ پیسے)، کیلی وموزونی اشیاء (جیسے غلہ پھل فروٹ دودھ گھی شہد) یا دیگر سامان تجارت یا کسی چیز کی منفعت جیسے غلام، نوکر، مزدوران کے علاوہ مہر میں مکان، زمین، جانور وغیرہ کو بھی مقرر کرسکتے ہیں۔

لیکن ایسی چیز جس سے فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں اور وہ معلوم ومتعین بھی نہ ہو اور نہ اس کی ادائیگی پر قدرت ہو تو اس کو مہر قرار دینا درست نہیں اگر مہر قرار دیدیا تو نکاح منعقد تو ہو جائیگا مگر مہر مثل واجب ہوگا جیسے مہر میں حرام چیزیں خون، شراب، خنزیر

---

[1] باب المهر (واقله عشرة دراهم) اى اقل المهر شرعا للحديث لا مهر اقل من عشرة دراهم الخ ومراد المصنف ان اقله عشرة او مايقوم مقامها بالقيمة (بحر الرائق صفحه ۲۴۹ تا ۲۵۰ جلد۳)

[2] اوزان شرعيه از حضرت مولانا مفتى محمد شفيع صاحبؒ بحواله جواهر الفقه ص ۴۰۷ تا ۴۲۹ جلد۱۔

یا دوسرے کی ملکیت کی کسی چیز کو مہر قرار دینا درست نہیں اگر قرار دیدیا تو اسکے عوض مہر مثل لازم ہوگا۔[۱]

مہر فاطمی کی مقدار

حضرت فاطمہؓ کا مہر جس کو عرف عام میں مہر فاطمی کہتے ہیں چار سو (۴۰۰) مثقال چاندی تھی[۲] جو اٹھارہ سو (۱۸۰۰) ماشہ چاندی اور تولہ کے حساب سے ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ چاندی ہوتی ہے آج کے موجودہ گرام کے حساب سے ایک کیلو چھ سو پینتیس گرام چاندی ہوتی ہے چاندی کی قیمت چونکہ گھٹتی بڑھتی رہتی ہے اس لئے ادا کرتے وقت بازار سے معلوم کرکے اس کی قیمت ادا کی جائے۔

مہر فاطمی سنت اور موجب برکت ضرور ہے جس کو قدرت ہو اس کو اس سنت پر عمل کرنا بہتر ہے مگر مہر فاطمی باندھنے پر اصرار نہیں کہ باندھنا ہی چاہئے بلکہ اگر اس مقدار میں مہر ادا کرنے کی قدرت نہ ہو تو پھر اپنی استطاعت کے بقدر ہی باندھنا چاہئے تاکہ سہولت سے ادا ہو سکے۔[۳]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور صاحبزادیوں کا مہر

ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ اور آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کے علاوہ

---

[۱] وغير الدراهم يقوم مقامها باعتبار القيمة وقت العقد في ظاهر الرواية حتى لو تزوجها على ثوب او مكيل او موزون وقيمته يوم العقد عشرة فصارت يوم القبض اقل ليس لها الرد وفي العكس لها ما نقص كذا في النهر الفائق ...... المهر انما يصح بكل ما هو مال متقوم والمنافع تصلح مهرا غير ان الزوج اذا كان حرا وقد تزوجها على خدمته اياها جاز النكاح ويقضي لها بمهر المثل عند ابي حنيفة وابي يوسف رحمهما الله تعالى هكذا في الظهيرية ... وكذا لو تزوج المسلم المسلمة على ميتة او دم او خمر او خنزير لم تصح التسمية ولو تزوجها على منافع سائر الاعيان من سكنى داره وركوب دابته والحمل عليها وزراعة ارضه ونحو ذلك من منافع الاعيان مدة معلومة صحة التسمية (عالمگیری ۳۰۲ ۔ ۳۰۰۲ جلد۱)

[۲] قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله تعالى امرني ان ازوج فاطمة من عليؓ وقد زوجته على اربع مائة ومثقال فضة (تاريخ الخميس صفحه ۳۶۲ جلد ۱ ماخوذ حاشيه بهشتي زيور صفحه ۴۲ حصه۶ [۳] (مستفاد فتاوى محموديه واحسن الفتاوىٰ مظاهر حق)

تمام صاحبزادیوں اور ازواج مطہرات کا مہر حضورﷺ نے پانچ سو درہم چاندی مقرر فرمایا تھا۔[1] پانچ سو درہم چاندی کی مقدار پانچ سو پچہتر (۵۷۵) ماشہ تقریباً ایک سو اکتیس (۱۳۱) تولہ چاندی ہے ہمارے یہاں کے حساب سے ایک کیلو پانچ سو تیس (۵۳۰) گرام چاندی ہوتی ہے۔

حضرت ام حبیبہؓ کا مہر چار ہزار چار سو (۴۴۰۰) دینار تھا اس کا وزن بارہ ہزار چھ سو (۱۲۶۰۰) ماشہ چاندی ہے ہمارے ہندوستانی وزن کے حساب سے بارہ کیلو دو سو سینتالیس (۲۴۷-۱۲) گرام چاندی ہوتی ہے۔ جو حضورﷺ نے خود ادا نہیں کیا تھا بلکہ اصحمہ نجاشی شاہ حبش نے حضورﷺ کی طرف سے ادا کیا تھا۔[2]

زیادہ مہر باندھنے کے سلسلے میں غلط معاشرہ

مہر کی ادائیگی لازمی اور ضروری ہے اس لئے مہر اتنا ہی مقرر کیا جائے کہ شوہر اپنی استطاعت اور حیثیت کے مطابق سہولت سے ادا کر سکے مگر آج لمبا چوڑا مہر باندھنے کا ایسا عام رواج ہو چکا ہے کہ لوگ اس کو فخر سمجھتے ہیں لڑکے والوں کا امتحان اور لڑکی کی شان وشوکت کا اظہار زیادہ مہر باندھ کر کیا جاتا ہے زبانی جمع خرچ کے طور پر مہر مؤجل (ادھار مہر) باندھ دیا جاتا ہے جس کی ادائیگی کی نیت بالکل نہیں ہوتی۔ ڈھیر سے ڈھیر مہر باندھنے کا ایک عذر یہ بھی پیش کیا جاتا ہے کہ شوہر مہر کے بوجھ کی وجہ سے بیوی کو چھوڑ نہ سکے۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ یہ عذر لغو ہے اول تو جن کو چھوڑنا ہوتا ہے چھوڑ ہی دیتے ہیں پھر کچھ بھی ہو اور جو مہر کے تقاضے کے خوف سے نہیں چھوڑتے وہ چھوڑنے سے بدتر کر دیتے ہیں یعنی نہ طلاق دیتے ہیں اور نہ پاس رکھتے

[1] عن عمر بن الخطاب قال ... ما علمت رسول الله صلى الله عليه وسلم نكح شيئا من نسائه ولا انكح شيئا من بناته على اكثر من اثنتى عشرة اوقية (مشكوة شريف صفحه ۲۷۷ جلد ۲

[2] (مشكوة شريف صفحه ۲۷۷ جلد۲)

ہیں بیچ میں معلق رکھتے ہیں نہ ادھر کی نہ ادھر کی ان کا کوئی کیا کر لیتا ہے یہ سب فضول عذر ہے اصل میں یہ افتخار اور شان وشوکت کیلئے ایسا کیا جاتا ہے۔[۱]

حضور ﷺ کا ارشاد ہے (ان اعظم النکاح برکۃ ایسرہ مؤنۃ[۲]) کہ سب سے بابرکت اور مسعود نکاح وہ ہے جس میں مالی بار (مہر) کم سے کم ہوتا کہ دشواریوں میں مبتلا نہ ہونا پڑے حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے ایک خطبہ میں زیادتی مہر سے منع کرتے ہوئے بلیغ انداز میں فرمایا تھا کہ:

الا لا تغالوا بصدق النساء فانها لوكانت مكرمة في الدنيا او تقوى عندالله كان اولا كم بها النبي ﷺ[۳]	خبردار عورتوں کا مہر زیادہ باندھکر غلو مت کیا کرو اگر زیادہ مہر دنیا میں عزت کی بات ہوتی یا اللہ کے نزدیک تقوی اور پسندیدہ چیز ہوتی تو اللہ کے نبی ﷺ اس کے زیادہ مستحق تھے کہ وہ اپنا مہر زیادہ باندھتے۔

بہت کم مہر باندھنا بھی غیر مناسب ہے

جس طرح بہت زیادہ مہر طے کرنا شریعت میں مطلوب نہیں اسی طرح بہت کم اور معمولی مہر مقرر کرنا بھی خلاف سنت ہے بعض علاقے اور بعض برادریوں میں اتنا کم مہر مقرر کیا جاتا ہے کہ ہنسی آجاتی ہے اس سے صرف عورتوں کی ناقدری اور بے وقعتی ہی نہیں بلکہ شریعت کے ایک حکم کی توہین بھی سمجھی جاتی ہے اس سلسلے میں اعتدال کی راہ اختیار کرنی چاہئے شریعت میں زیادہ مہر کی حد اس لئے مقرر نہیں کی گئی ہے کہ شوہر اپنی استطاعت کے مطابق مقرر کرے اور سہولت سے ادا کر سکے۔

---

[۱] (بہشتی زیور صفحہ ٤١ حصہ ٦)

[۲] (مشكوة ٢٦٨ جلد ٢)

[۳] ابوداؤد شریف صفحہ ٢٨٧ جلد ١

مہر نہ ادا کرنے پر وعید

مہر بیوی کا حق ہے شوہر پر ایک قسم کا قرض ہے ادا نہ کرنے پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں اسی سلسلے میں حضورﷺ کی ایک حدیث ہے کہ جناب آقاﷺ نے فرمایا ہے۔

من تزوج امراة بصداق ینوی ان لا یودیه فهو زان ومن ادان دینا ینوی ان لا یقضیه فهو سارق [1]	کہ جس نے مال مہر کے عوض کسی عورت سے نکاح کیا اور نیت یہ رکھی کہ اس مہر کو ادا نہ کریگا تو وہ دراصل زانی ہے اور جس

نے قرض لیا اور نیت یہ کی کہ قرض ادا نہ کریگا تو دراصل وہ چور ہے۔

(فائدہ) جب مہر بھی ایک طرح کا قرض ہے تو اس کا ادا نہ کرنا اور دنیا سے چلا جانا آخرت میں مواخذہ کا سبب ہے حدیث میں آتا ہے کہ حضورﷺ نے ایسے شخص کی نماز جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیا تھا جس نے قرض ادا نہیں کیا تھا۔

مہر معاف کرانے کا رواج اور اس کا شرعی حکم

یہ رواج بھی عام طور سے رائج ہے کہ مہر مؤجل (ادھار مہر) خوب زیادہ مقرر کر کے پھر اس کو معاف کرالیا جاتا ہے اب اس معافی کی دو صورتیں ہیں (۱) اول یہ کہ عورت کے مرض الوفات میں شوہر معاف کرائے تو اس کا حکم یہ ہے کہ یہ معافی شرعاً معتبر نہیں کیونکہ اب مہر میں عورت کی ملکیت ختم ہو کر اس کے ورثاء کی ملکیت ثابت ہو چکی ہے اور در مختار میں ہے کہ مرض الموت کا ہبہ وغیرہ بحکم وصیت کے ہے اور وارث کیلئے وصیت جائز نہیں (لا وصیة لوارث) حدیث کی وجہ سے (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ عورت اپنی زندگی میں معاف کرتی ہے خواہ شوہر کے

[1] مسند امام احمد بن حنبل

مرنے کے وقت معاف کرے تو یہ اس کا حق ہے معاف کرسکتی ہے۔[1]

قرآن میں بھی اس کو بیان کیا گیا ہے۔

وَآتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحۡلَةً فَاِنۡ طِبۡنَ لَكُمۡ عَنۡ شَيۡءٍ مِّنۡهُ نَفۡسًا فَكُلُوۡهُ هَنِيۡـئًا مَّرِيۡـئًا [2]

کہ تم لوگ اپنی بیویوں کو مہر خوش دلی سے دیدیا کرو ہاں اگر وہ خوش دلی سے چھوڑ دیں اس مہر میں سے کچھ (یا کل)

تو تم اس کو مزیدار اور خوشگوار سمجھ کر کھاؤ اب ہم کو اپنے معاشرے میں ذرا غور کرنا چاہئے کہ کیا یہ معافی خوش دلی سے ہو رہی ہے ہرگز نہیں خوش دلی سے معافی پر اس کو اس وقت محمول کرسکتے ہیں جبکہ اِکا دُکا کبھی کبھار کوئی شخص مہر کی ادائیگی سے عاجز ولاچار ہو جائے اور پھر عورت اس پر رحم کھا کر محبت میں آ کر معاف کر دے۔ مگر موجودہ دور کا حال ایسا نہیں ہے معاف کرانے کا ایسا رواج ہو گیا ہے کہ شوہر خواہ کتنا ہی مالدار اور صاحب استطاعت کیوں نہ ہو پھر بھی معاف کرانے کے سواء مہر کی ادائیگی کو ضروری نہیں سمجھتا اور عورت بھی رسم ورواج کے دباؤ میں آ کر محض بدنامی کے ڈر سے مجبوراً معاف کر دیتی ہے حضرت تھانویؒ آیت مذکورہ کی تفسیر کرتے ہوئے بیان القرآن میں تحریر فرماتے ہیں کہ جو کسی جبر سے معاف کرے وہ عند اللہ معاف نہیں ہوتا۔[3]

مہر سے چھٹکارے کیلئے حیلہ

اگر بیوی سے مہر کی معافی کے ایسے کلمات کہلائے جن کو وہ سمجھ بھی نہیں پا رہی ہے اور شوہر بیوی کو اس سے آگاہ بھی نہیں کرتا ہے تو اس سے مہر معاف نہیں ہوگا مہر سے سبکدوشی کی دو ہی صورت ہے یا تو اس کو ادا کر دے یا خود عورت خوش دلی سے معاف

---

[1] وصح حطها لكله او بعضه عنه (درمختار) وان لا تكون مريضة مرض الموت ... ولو وهبته في مرضها فمات قبلها فلا دعوىٰ لها بل لورثتها بعد موتها (شامی ۲۴۸ جلد ۴)

[2] سورة النساء آیت ۴ [3] بیان القرآن

کردے اس کے علاوہ مہر سے چھٹکارے کی کوئی صورت اور کوئی حیلہ نہیں ہے۔[1]

مہر معاف کراتے وقت گواہ کا موجود ہونا

مواخذۂ اخروی سے بچنے اور دیانۃً معاف ہونے کے لئے گواہوں کا موجود ہونا بوقت معافی ضروری نہیں ہے مگر جب عورت مہر کی معافی سے انکار کردے کہ میں نے معاف نہیں کیا ہے تو پھر قاضی کے سامنے ایسے دو شرعی گواہ کا پیش کرنا شوہر پر واجب ہوگا جو معافی کے وقت موجود تھے بغیر گواہ پیش کئے شوہر کے معافی کا دعوی قضاءً معتبر نہیں ہوگا۔[2]

مہر معاف کرنے کے بعد مطالبہ کا حق نہیں

بغیر جبر و اکراہ کے جب عورت نے مہر معاف کردیا تو پھر دوبارہ مطالبہ کرنا صحیح نہیں ہے۔ اگرچہ بعد میں میاں بیوی کے مابین رشتۂ نکاح ختم ہوگیا ہو۔[3]

مہر کے سلسلے میں زوجین کے اختلاف کے وقت شوہر کے قول کا اعتبار ہوگا

شوہر نے کوئی چیز دی تھی بعد میں عورت کہتی ہے کہ تم نے یہ چیز مجھے بطور ہدیہ یا تحفہ دی تھی اور شوہر دعوی کرتا ہے کہ نہیں میں نے یہ چیز بطور مہر دی تھی تو اس اختلاف کی صورت میں قسم کیساتھ شوہر کے قول کا اعتبار ہوگا البتہ کھانے پینے کی کوئی چیز شوہر نے دی تھی تو اس کو مہر میں محسوب نہیں کیا جائے گا اور شوہر کے قول کا اعتبار نہ ہوگا قسم کے ساتھ عورت کے قول کا اعتبار ہوگا۔[4]

---

[1] (فتاوی دار العلوم صفحہ ۲۵۶ جلد ۸)

[2] (فتاوی دار العلوم صفحہ ۲۵۷ جلد ۸ صفحہ ۳۰۵ جلد ۸)

[3] اذا وهب احد الزوجين لصاحبه لا يرجع في الهبة وان انقطع النكاح بينهما (فتاوی قاضیخان علی هامش عالمگیری صفحہ ۲۷۴ جلد ۳ فصل فی الرجوع فی الهبة)

[4] ولو بعث الى امرأته شيئاً ولم يذكر جهة عند الدفع غير جهة المهر... فقالت هو اى المبعوث هدية وقال هو من المهر... فالقول له بيمينه ... في غير المهيأ للاكل ... والقول لها بيمينها في المهيأ له كخبز ولحم مشوى لان الظاهر يكذبه (درمختار علی هامش شامی صفحہ ۲۰۱ تا ۳۰۲ جلد ۲)

(مسئلہ) شوہر نے کچھ رقم مہر کے عوض دی تو اتنی رقم ادا ہو جائے گی اگرچہ عورت کو اس کی اطلاع نہ دی ہو۔

مہر کی مقدار میں اختلاف ہو جائے

نکاح کے بعد زوجین کے مابین مقدار مہر میں اختلاف ہو جائے بایں طور کے شوہر کم اور عورت زیادہ کی دعویدار ہو تو اس کی تین صورتیں ہیں۔ (۱) اگر میاں بیوی دونوں ہی شہادت پیش کریں تو جس کا دعوی مہر کے خلاف اور بعید ہوگا اسی کا قول معتبر ہوگا (۲) اگر صرف ایک فریق نے اپنے دعوی پر شہادت پیش کی تو ہر حال میں اسی کا دعوی معتبر ہوگا خواہ اس کا دعوی مہر مثل کے موافق ہو یا مخالف (۳) اگر دونوں ہی اپنے دعوی پر بینہ قائم کرنے سے عاجز رہیں تو قسم کے ساتھ اس فریق کی بات مانی جائے گی جس کا دعوی مہر مثل سے زیادہ قریب ہے[۱]

مہر قسط وار ادا کرنا طے پایا

اگر مہر تھوڑا تھوڑا قسط وار ادا کرنا طے پائے تو جائز ہے سہولت جس طرح ادا کرنے میں ہو ادا کر سکتے ہیں پورا مہر ایک ہی مرتبہ ادا کرنا ضروری نہیں ہے[۲]

کسی برادری میں مہر کی کوئی خاص مقدار مقرر کرنا

کسی فرد یا کسی جماعت کو یہ حق نہیں ہے کہ مہر کی کوئی خاص مقدار مقرر کر دے کہ اس سے کمی و زیادتی کی اجازت نہ ہو ہر شخص خواہ مخواہ اس مقدار پر مجبور ہو جائے کیونکہ جب شریعت نے اس کی کوئی خاص مقدار متعین نہیں کی تو دوسرا کون ہوتا ہے

---

[۱] وان اختلفا فی قدره حال قیام النکاح فالقول لمن شهد له مهر المثل بیمینه وای أقام بینة قبلت سواء شهد مهر المثل له أولها اولا ولا وان اقاما البینة فبینتها مقدمة ان شهد مهر المثل له وبینته مقدمة ان شهد مهر المثل لها لان البینات لا ثبات خلاف الظاهر (درمختار علی هامش شامی ۲۹۷ جلد۲)

[۲] (امداد الفتاوی صفحه ۲۹٤ جلد۲)

متعین کرنے والا البتہ شریعت نے کم سے کم مقدار تو متعین کردی ہے کہ دس درہم سے کم جائز نہیں اور اس سے زیادہ کی کوئی حد نہیں ![1]

طلاق کے بعد پھر دوبارہ اسی شوہر سے نکاح ہوا تو دوہرا مہر واجب ہوگا

وطی یا خلوت صحیحہ کے بعد طلاق دی گئی خواہ طلاق بائن، یا طلاق رجعی کی صورت میں عدت گزار کر بائن ہوئی تو پورا مہر شوہر پر لازم ہو چکا: اب پھر دوبارہ اسی شوہر سے نکاح کیا تو پھر اس نکاح کا علیحدہ مہر واجب ہوگا مہر اول ادا نہیں کیا ہے تو مہر اول مہر ثانی دونوں ادا کرنا ضروری ہے۔[2]

فاحشہ عورت کا مہر

اگر عورت نے زنا کروایا یا کوئی اور فحش کام کیا تو اس کا گناہ اس کے سر ہے مگر مہر اس کا ساقط نہیں ہوگا۔[3]

نابالغ کی بیوی کا مہر کس پر ہے

مہر کے وجوب کے لئے بلوغ شرط نہیں اگر عدم بلوغ کی حالت میں نکاح ہوا ہے تو نابالغ بچہ ہی پر مہر لازم ہوگا البتہ اگر باپ ذمہ داری لے لیتا ہے تو پھر بیوی اپنے خسر سے وصول کرے گی۔ اور باپ اپنے نابالغ بچے کے مال میں سے مہر کے بقدر لے لے گا۔[4]

---

[1] فتاوی محمودیہ صفحہ ۲۴۶ جلد ۱۳)

[2] فتاوی دار العلوم صفحہ ۳۱۸ جلد ۸

[3] ویتاکد عند وطء او خلوة صحت (درمختار) (ویتاکد) ای الواجب من العشرة او الاکثر وافاد ان المهر وجب بنفس العقد (شامی صفحہ ۲۳۳ جلد ۴)

[4] وان زوج الاب ابنه الصغير امرأة وضمن عنه المهر ان كان في صحة الاب جاز وان اخذت المرأة المهر من الاب في القياس يرجع الاب على الصغير في ماله (فتاوی قاضی خاں علی هامش عالم گیری صفحہ ۳۵۸ جلد ۱)

زوجہ کے مرنے کے بعد مہر وارث کا ہے

اگر عورت مر جائے تو اس کا مہر اس کے وارثوں کے درمیان قاعدۂ شرعیہ کے مطابق تقسیم ہوگا۔ پھر اس مہر میں سے شوہر کو بھی حصہ ملے گا جس طرح میراث کے قاعدہ کے موافق بیوی کے دوسرے مال میں سے ملتا ہے۔[1]

مہر کب واجب اور مؤکد ہوتا ہے

مسئلہ گزر چکا ہے کہ مہر صرف صحیح عقد نکاح سے واجب ہوتا ہے مگر کبھی ساقط بھی ہو جاتا ہے جیسے خلوت صحیحہ سے قبل عورت کے کرتوت کی وجہ سے نکاح ٹوٹ گیا اور تفریق ہوگئی یا کسی اور سبب سے تفریق ہوئی جس کا باعث خود عورت ہے تو واجب شدہ مہر ساقط ہو جائے گا۔ البتہ اگر خلوت صحیحہ کے بعد تفریق ہوئی تو مہر مؤکد ہو جائے گا اگرچہ اس کا باعث خود عورت ہو یا زوجین میں سے کسی کی موت ہوگئی تو بھی واجب شدہ مہر ساقط نہ ہوگا خلاصہ یہ ہے کہ خلوت صحیحہ اور زوجین میں سے کسی کی موت سے مہر مؤکد ہو جاتا ہے۔[2]

خلوت صحیحہ کی تعریف

خلوت صحیحہ کا حاصل یہ ہے کہ نکاح صحیح کے بعد میاں بیوی دونوں ایسی جگہ جمع ہو جائیں جہاں باطمینان ہمبستری کرنے میں کوئی چیز مانع نہ ہو، نہ مانع حسی، نہ طبعی، نہ

[1] (فتاوی دار العلوم صفحہ ۲۴۷ جلد ۸)

[2] وتجب العشرة ان سماها او دونها ويجب الاكثر منها ان سمى الاكثر ويتأكد عند وطء او خلوت صحت من الزوج او موت احدهما (درمختار) (قوله ويتأكد) اى الواجب من العشرة او الاكثر وافاد ان المهر وجب بنفس العقد لكن مع احتمال سقوطه بردتها او تقبيلها ابنه او تنصفه بطلاقها قبل الدخول وانما يتأكد لزوم تمامه بالوطء نحوه... واذا تأكد المهر بما ذكر لا يسقط بعد ذلك وان كانت الفرقة من قبلها لان البدل بعد تأكده لا يحتمل السقوط الا بالابراء كالثمن اذا تأكد بقبض المبيع (شامی ۲۳۳ جلد ۴)

شرعی۔ (مانع حسی) یہ ہے کہ دونوں اس قدر بیمار ہیں کہ جماع پر قدرت نہیں یا تو دونوں بالکل چھوٹے بچے ہیں یا بیوی کی شرمگاہ میں ایسی بڑھی ہوئی ہڈی ہے جو جماع کیلئے مانع ہے۔ (مانع طبعی) یہ ہے کہ زوجین کے علاوہ کوئی تیسرا عقلمند آدمی موجود ہو یا تنہائی نہ ہو بلکہ کھلی جگہ یا کھلا مکان ہو۔ (مانع شرعی) یہ ہے کہ شرعاً بیوی سے جماع کرنا جائز نہ ہو جیسے عورت کا حیض کی حالت میں ہونا یا زوجین یا دونوں میں سے کسی ایک کا حج کے احرام میں ہونا۔ یا رمضان کے روزہ کی حالت میں ہونا یا فرض نماز میں مشغول ہونا وغیرہ وغیرہ۔

(نوٹ) ان میں سے بعض مثال بیک وقت تینوں کی مثال ہو سکتی ہے اور بعض دو کی اور بعض صرف ایک کی، علامہ شامی نے اس پر سیر حاصل کلام کیا ہے۔[1]

زوجہ کا نفقہ

بیوی کا دوسرا حق شوہر پر نفقہ ہے اس سلسلے میں بہتر یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو ہم پیالہ وہم نوالہ بنائے دونوں ایک ساتھ رہیں حیثیت کے مطابق جو کچھ بھی میسر ہو اس میں دونوں گزارہ کریں جیسا کہ شریف گھرانے کا طریقہ ہے کہ شوہر کسب معاش کر کے جنسی سامان گھر میں مہیا کرتا ہے اور بیوی اپنی سلیقہ مندی اور ہوشیاری سے شوہر کے اس کمائے ہوئے مال کو ضائع ہونے سے بچاتی اور اس کی حفاظت کرتی ہے اور پورے گھرانے اور متعلقین کی ضروریات پوری کرتی ہے اس سلسلے میں حضور ﷺ کی ایک حدیث ہے ایک صحابی حضرت معاویہ قشیریؓ فرماتے ہیں۔

---

[1] والخلوة ... كالوطء بلا مانع حسي كمرض لاحدهما يمنع الوطء وطبعي كوجود ثالث عاقل... وشرعي كاحرام لفرض او نفل ومن الحسي رتق... وقرن... وعفل... وصغر ولو بزوج لايطلق معه الجماع الخ (درمختار على هامش شامی ۲۴۹ تا ۲۵۰ جلد ۴)

قلت یا رسول اللہ ما حق زوجۃ احدنا علیہ قال ان تطعمھا اذا طعمت وتکسوھا اذا کتسیت ولا تضرب الوجہ ولا تقبح ولا تھجر الا فی البیت (رواہ احمد)[۱]

کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے اوپر ہماری بیوی کا کیا حق ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم کھاؤ تو اس کو بھی کھلاؤ اور جب تم پہنو تو اس کو بھی پہناؤ (یعنی کھانا کپڑا دونوں کا ایک جیسا ہو) اور اس کے چہرے پر مت مارو اور نہ اس کو برا کہو (اور نہ یہ کہو کہ اللہ تیرا برا کرے) اور اس سے صرف گھر کے اندر ہی علیحدگی اختیار کرو۔

آدمی پر جتنے حقوق ہیں ان میں سب سے پہلے اپنی بیوی اور گھر والے کا حق ہے حدیث میں ہے:

اذا اعطی اللہ احدکم خیراً فلیبدأ بنفسہ و اھل بیتہ[۲]

کہ جب اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کو مال و دولت عطا کرے تو اس کو چاہئے کہ پہلے اپنے نفس اور اپنی ذات سے اور اپنے اہل وعیال سے شروع کرے اور اس پر خرچ کرے پھر اس کے بعد دوسرے متعلقین اور فقراء ومساکین وغیرہ پر خرچ کرے۔

نفقہ کی مدت جو طے ہو

عورت کی درخواست پر حاکم یا قاضی نے شوہر پر ماہانہ نفقہ متعین کر دیا تو وہ مقررہ مقدار شوہر پر لازم ہوگی کہ ہر ماہ ادا کرے اگر ماہانہ مقرر نہیں کیا گیا بلکہ عورت روزانہ مطالبہ کرتی ہے تو شوہر پر روزانہ شام کے وقت اس کی ادائیگی ضروری ہوگی۔[۳]

---

[۱] (مشکوۃ صفحہ ۲۸۱ جلد۲)

[۲] مشکوۃ شریف صفحہ ۲۹۰ جلد۲

[۳] ولو فرضت لها النفقة مشاهرة يدفع اليها كل شهر فان لم يدفع وطلبت كل يوم كان لها ان تطالب عند المساء (عالم گیری صفحہ ۵۴۷ جلد۱ زکریا)

نفقہ کا معیار

نفقہ عورت کا حق ہے اس لئے اتنی مقدار کا لحاظ کرنا شوہر پر ضروری ہے جن کے ذریعہ بغیر کسی اسراف وتنگی کے عورت اپنا گزارہ کرلے، رہا معیار کا مسئلہ تو چونکہ نفقہ کا ذمہ دار مرد ہوتا ہے اس لئے اس کی حیثیت اور آمدنی کے لحاظ سے اس پر واجب ہوگا مگر عورتوں کا لحاظ بھی کرنا پڑے گا قرآن میں ہے (علی الموسع قدرہ وعلی المقتر قدرہ) خوش حال پر اس کی وسعت کے مطابق نفقہ ہے اور مفلس پر اس کی استطاعت کے مطابق ایسے فقہاء نے خوش حالی وتنگ دستی کے اعتبار سے اس کی چار صورتیں بیان کی ہیں ہر ایک کا حکم بھی الگ الگ ہے۔ (۱) اگر میاں بیوی دونوں کی مالی حالت اچھی ہے تو شوہر پر اچھی حیثیت کا نفقہ واجب ہوگا۔ (۲) اگر دونوں تنگ دست ہیں تو تنگ دستی والا ہی نفقہ واجب ہوگا۔[۱] (۳) اگر شوہر خوشحال اور بیوی تنگ دست ہو تو صحیح بات یہ ہے کہ درمیانی درجہ کا نفقہ واجب ہوگا ایسا نہیں کہ شوہر بخل کی وجہ سے عورت کی غربت سے فائدہ اٹھا کر اس کو غربت اور تکلیف میں رکھے بلکہ عورت کو قانوناً اپنے شوہر سے زائد نفقہ کے مطالبہ کا حق ہوگا۔[۲]

بہتر اور مستحب یہ ہے کہ جب مرد مالدار اور عورت غریب ہے تو اس کو اپنے ساتھ ہی کھلائے پلائے۔[۳]

(۴) چوتھی صورت یہ ہے کہ مرد تنگ دست غریب اور عورت مالدار اور خوشحال گھرانے کی ہے تو اس وقت شوہر اپنی حیثیت کے مطابق تنگدستی والا ہی نفقہ ادا کرے گا مگر عورت کی خوشحالی کے اعتبار سے باقی نفقہ شوہر کے ذمہ قرض رہے گا لیکن

---

[۱] حتی کان لها نفقة اليسار ان كان موسرين ونفقة العسار ان كان معسرين (علم گیری صفحہ ۵۴۷ تا ۵۴۸ جلد۱۔ زکریا)

[۲] وان كانت المرأة معسرة والزوج موسرا فنفقتها دون نفقة الموسرات وفوق نفقة المعسرات (عمدة الرعاية علي شرح الوقايه صفحہ ۱۵۰ جلد۲ حاشیہ ۶)

[۳] والمستحب للزوج اذا كان موسرا مفرط اليسار والمرأة فقيرة ان يأكل معها ما يأكل بنفسه (علم گیری صفحہ ۵۴۸ جلد۱)

عورت کا اخلاقی فریضہ ہے کہ شوہر سے زیادہ نفقہ کا مطالبہ نہ کرے ورنہ مرد حرام ذریعۂ آمدنی تلاش کرنے پر مجبور ہوگا یا شوہر تنگ ہوکر بیوی کو بوجھ محسوس کرے گا پھر دونوں کی زندگی بے مزہ اور تعلقات میں تلخی آجائے گی اور شادی کا جو مقصد ہے وہ فوت ہوکر رہ جائے گا۔[۱]

خوشحالی اور تنگ دستی میں اختلاف ہوتو

اگر شوہر اور بیوی کے درمیان تنگ دستی اور خوشحالی کی بابت اختلاف ہوجائے شوہر کہے کہ میں تنگ دست ہوں اس لئے تنگ دستی والا ہی نفقہ دونگا اور عورت کہے کہ نہیں تم خوشحال ہو اس لئے خوشحالی والا نفقہ ہی دینا پڑے گا اور معاملہ قاضی کی عدالت میں پہونچے اور بیوی اپنے دعوی پر گواہ پیش کردے تو بیوی کے قول کا اعتبار ہوگا اگر عورت دعوی پر گواہ پیش نہ کرسکے تو پھر شوہر کے قول کا اعتبار کر کے تنگ دستی والا ہی نفقہ واجب کیا جائے گا اور اگر دونوں نے گواہ پیش کردیا تو عورت کی گواہی کا اعتبار ہوگا۔

نیز اگر حاکم اور قاضی نے شوہر کی تنگدستی کیوجہ سے تنگدستی والا نفقہ مقرر کردیا پھر شوہر خوشحال ہوگیا اور بیوی نے اس کے بعد خوشحالی کے نفقہ کا مطالبہ کیا تو شوہر پر خوشحالی کا نفقہ مقرر کیا جائے گا اگر شوہر کی خوشحالی کی وجہ سے خوشحالی کا نفقہ مقرر کیا گیا تھا مگر بعد میں تنگ دست ہوگیا تو تنگ دستی والا نفقہ ہی بعد میں متعین کیا جائے گا۔[۲]

[۱] اذا كان معسرا وهي موسرة سلم لها قدر نفقة المعسرات في الحال والزوائد يبقى دينا في ذمته كذا في التبيين (عالم گیری صفحہ ۵۴۸ جلد ۱۔ زکریا)

[۲] وان قال انا معسر وعلى نفقة المعسرين كان القول قوله الا ان تقيم المرأة البينة على يساره فان اقامت المرأة البينة انه موسر قضي عليه بنفقة الموسرين وان اقاما البينة كانت البينة المرأة الخ واذا قضى القاضي بنفقة الاعسار ثم ايسر فخاصمته تمم لها نفقة الموسر كذا في الكافي (عالم گیری صفحہ ۵۴۸ جلد ۱۔ زکریا)

عورت کی خادمہ کا نفقہ

اگر عورت کے ساتھ خادم یا خادمہ ہے اور شوہر خوشحال اور عورت کمزور ہے تو شوہر پر خادم اور خادمہ کا نفقہ بھی واجب ہوگا اور اگر مرد خوشحال نہیں تنگ دست ہے یا عورت مالی اعتبار سے کمزور نہیں ہے تو پھر عورت کے خادم اور خادمہ کا نفقہ اس پر واجب نہیں ہوگا۔[1]

عسر اور یسر کا معیار

عسر اور یسر یعنی خوشحالی اور تنگ حالی کا معیار یہ نہیں ہے کہ وہ زکوۃ کے نصاب کا مالک ہو تو غنی اور خوشحال۔ اور مالک نصاب نہیں تو تنگ حال ہے بلکہ خوشحالی اور تنگ حالی کا معیار صدقۂ فطر اور قربانی کا وجوب و عدم وجوب ہے یعنی اگر اس پر صدقۂ فطر اور قربانی واجب ہے تو خوشحال شمار ہوگا یعنی ضرورت اصلیہ سے زائد اتنا مال ہو کہ ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونے کے برابر ہو جاتا ہو اگرچہ اس پر سال نہ گزرا ہو تو اس پر صدقۃ الفطر اور قربانی واجب ہوتی ہے اسی کو خوشحال سمجھا جائے گا۔[2]

نفقہ کی مقدار

جیسا کہ اوپر آچکا ہے کہ میاں بیوی کی خوشحالی اور مفلسی کے لحاظ سے نفقہ واجب ہوتا ہے اس لئے نفقہ کی کوئی مقدار شرعاً متعین نہیں ہے باہمی مصالحت اور مسلمانوں کی جماعت کے مشورہ سے اتنی مقدار نفقہ کی طے کی جائے جس پر اچھی

---

[1] اذا کان زوج المرأۃ موسرا ولها خادم فرض علیه نفقة الخادم الخ ولو کان الزوج معسرا لا تجب علیه نفقة خادمها (علم گیری صفحہ ۵۴۷ جلد ۱۔ زکریا)

[2] والغنی الذی تجب به صدقة الفطر والاضحیة وتحرم به علی صاحبه اخذ الصدقة هو ان یملك ما یساوی مأتی درهم فاضلا عن حاجته (عمدہ الرعایة علی شرح الوقایه ص ۱۵۱ جلد ۲) حاشیه ۱۱

طرح بیوی کا گزر ہو سکے اور اس مقدار کو شوہر تسلیم بھی کر لے تو وہی مقدار نفقہ کی ہوگی۔

مسئلہ: بنا بریں قاضی نے مہنگائی کے وقت کا نفقہ طے کیا مگر بعد میں ارزانی کا زمانہ آگیا تو جو زیادتی ہے وہ ساقط ہو جائے گی مگر قاضی کا فیصلہ باطل نہیں ہوگا اسی طرح اس کے برعکس قاضی نے ارزانی کے زمانہ کا نفقہ طے کیا بعد میں مہنگائی ہوگئی تو عورت زیادتی کا مطالبہ کر سکتی ہے اسی طرح کوئی متعین چیز دی کہ اسی سے اپنی سب ضروریات پوری کرو تو مہنگائی کی وجہ سے شوہر کمی پوری کرے اور ارزانی کی وجہ سے باقی ماندہ واپس لے لے[1]

آرائش وزیبائش کی چیزوں کا حکم

کھانے کپڑے مثلاً ماکولات آٹا، چاول، پانی، نمک، لکڑی، تیل، سالن وغیرہ تو واجب ہے ہی مگر اس کے علاوہ آرائش وزیبائش کی وہ چیزیں جو عورتوں کی صحت اور اس کی صفائی ستھرائی کیلئے ضروری ہوتی ہیں وہ بھی نفقہ میں داخل ہیں مرد کو اس کا انتظام کرنا ضروری ہے مثلاً صابن، وضو اور غسل کا پانی کپڑا دھونے اور کھانا پکانے کا پانی اسی طرح سر میں لگانے والا تیل کنگھی وغیرہ۔

جس سے صرف آرائش مقصود ہے

البتہ وہ سامان جو صرف آرائش وزیبائش کا ہو اور اس کے بغیر بھی کام چل سکتا ہو اور صحت وغیرہ کو اس میں کوئی دخل نہ ہو تو اس کا پورا کرنا مرد پر ضروری نہیں مثلاً پان تمباکو، پاؤڈر، لپسٹک، سرمہ، خضاب، عطر وغیرہ اس کا انتظام مرد پر واجب نہیں ہاں اگر

[1] ویقدرها بقدر الغلاء والرخص (درمختار) ای یراعی کل وقت او مکان بما یناسبه وفی البزازیه اذا فرض القاضی النفقة ثم رخص تسقط الزیادة ولا یبطل القضاء ، وبالعکس لها طلب الزیادة وکذا لو صالحته علی شیٔ معلوم ثم غلا السعر او رخص کما سیذکر المصنف والشارح قوله ولا تقدر بدراهم ودنانیر ای لا تقدر بشیٔ معین بحیث لا تزید ولا تنقص فی کل مکان وزمان... وانما علی القاضی فی زماننا اعتبار الکفایة بالمعروف (شامی صفحه ۲۹۶ تا ۲۹۷ جلد ۵)

مرد عورت سے زیب وزینت کا مطالبہ کرے اور یہ سامان لاکر دے بھی دے تو عورت پر اس کا استعمال کرنا لازم ہوگا۔

دھوبی کا خرچ

مردوں کے ذمہ کپڑا دھونے کیلئے صابن اور پانی کا انتظام کردینا ہے اب عورت اپنے ہاتھ سے کپڑا دھوکر پہنے دھوبی کی تنخواہ اور استری وغیرہ کا خرچ مرد پر نہیں ہے۔

علاج کا خرچہ

اسی طرح شوہر پر زوجہ مریضہ کی دوا اور علاج کرانا فصد اور حجامت وغیرہ کی اجرت واجب نہیں اگر شوہر علاج کرادیتا ہے تو اس کا احسان ہے ورنہ عورت خود اپنے خرچ سے دوا وغیرہ لے۔

دائی جنائی کی مزدوری

بچہ پیدا ہونے کے وقت جو دائی آتی ہے اس کی مزدوری اور فیس اس پر واجب ہے جو بلائے اگر مرد نے بلوایا ہے تو مرد پر واجب ہے اور اگر عورت نے بلوایا ہے تو اسی پر واجب ہوگی شوہر پر واجب نہیں ہوگی ہاں اگر بغیر بلائے ہوئے خود سے آجائے تو اس کی اجرت مرد پر واجب ہے۔[1]

---

[1] والنفقة والواجبة المأكول والملبوس والسكنى اما المأكول فالدقيق والماء والملح والحطب والدهن كذا فی التتارخانية وكما يفرض لها قدر الكفاية من الطعام كذالك من الادام كذا فی فتح القدير ويجب لها ما تنظف به وتزيل الوسخ كالمشط والدهن وما تغسل به الرأس من السدر والخطمي وما تزيل به الدرن كالاشنان والصابون على عادة اهل البلد واما ما يقصد به التلذذ والا ستمتاع مثل الخضاب والكحل فلا يلزمه بل هو على اختياره ان شاء هيأه لها وان شاء تركه فاذا هيأه لها فعليها استعماله واما الطيب فلا يجب عليه منه الا ما يقطع به السهوكة لا غير الخ ولا يجب الدواء للمرض ولا اجرة الطبيب ولا الفصد ولا الحجامة كذا فی السراج الوهاج وعليه من الماء ما تغسل به ثيابها وبدنها من الوسخ... ثمن ماء الاغتسال على الزوج وكذا ماء وضوئها عليه غنية كانت او فقيرة الخ واجرة القابلة عليها ان استاجرتها ولو استاجرها الزوج فعليه وان حضرت بلا اجارة فللقائل ان يقول على الزوج لانه مؤنة الوطء (عالمگیری صفحہ ۵۴۹ جلد۱۔ زکریا)

بیماری کے زمانے کا نفقہ

علاج کا خرچ شوہر پر تو واجب نہیں مگر بیماری کے زمانے کا نفقہ شوہر پر لازم ہے وہ لے سکتی ہے چاہے مرد کے گھر بیماری کا زمانہ گزارے یا اپنے میکے سے بیمار ہو کر آئی ہو لیکن اگر بیماری کی حالت میں شوہر نے میکے سے اپنے گھر بلایا اور کسی طرح شوہر کے گھر جانے پر قدرت کے باوجود نہیں آئی تو نفقہ کی مستحق نہیں ہوگی البتہ شوہر کے یہاں جانا کسی طرح ممکن نہیں تو معذور ہے اس صورت میں نفقہ سے محروم نہیں ہوگی۔[۱]

بعد کے علماء کی نئی تحقیق

علماء متقدمین و محققین نے فیصلہ صادر فرمایا ہے کہ کپڑے کی دھلائی یعنی دھوبی کا صرفہ اور مرض کی وجہ سے علاج کا صرفہ اسی طرح بچہ جننے کے وقت اگر دائی کو عورت نے بلایا ہے تو اسکی مزدوری وغیرہ شوہر پر نہیں اگر شوہر دیدے تو اس کا تبرع واحسان ہے۔

مگر بعد کے علماء نے کہا ہے کہ ان تمام چیزوں کی ذمہ داری بھی مرد پر ڈالنی چاہئے اور عورت کیلئے اس کا استحقاق ہونا چاہئے کیونکہ جب عورت کی کمزوری اور اسکی حیثیت اور مرد کی خوشحالی کا لحاظ کر کے ایک خادم مل سکتا ہے تو کپڑے کی دھلائی کیوں نہیں مل سکتی اسی طرح بالغ لڑکے کا نفقہ باپ پر واجب نہیں ہے مگر لڑکا بیمار ہو جائے تو اس کا علاج کرانا باپ پر واجب ہوتا ہے، یہ تو لڑکے کا مسئلہ ہے اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ جب مضارب بیمار ہو جائے تو اس کو علاج کا خرچہ فقہاء نے دلوایا ہے کیونکہ بغیر اس کے کام نہیں چل سکتا تو اسی طرح عورت سے مرد کو جو فائدہ ہے اس کا لحاظ کر کے اس کا بار مرد پر کیوں نہ ڈالا جائے جبکہ علاج کی اہمیت حدیث میں کثرت سے وارد ہے اسی طرح بچہ کے دودھ پلانے کی اجرت اور نفقہ شوہر پر واجب ہے تو

---

[۱] لو مرضت فی بیت الزوج فان لها النفقة (درمختار) والا لای وان امکن نقلها الی بیت الزوج بمحفة ونحوها فلم تنتقل لانفقة لها کما فی البحر لمنعهانفسها عن النقلة مع القدرة بخلاف ما اذا لم تقدر اصلا (شامی ص ۲۸۵ ج ۵ . زکریا

پھر ولادت کے تمام اخراجات مرد پر کیوں واجب نہیں ہونگے جبکہ یہ مرحلہ بہت نازک ہوتا ہے ذراسی بے احتیاطی سے عورت اور بچہ کی جان خطرہ میں پڑ جانیکا اندیشہ ہے بیوی کے علاج اور اس کی صحت کا لحاظ کرنے کیلئے سارا نظم ونسق کا فائدہ عورت ہی کو نہیں بلکہ شوہر اور تمام گھر والوں کو پہنچتا ہے تو اس کو علاج وغیرہ کے بغیر بے سہارا ہی چھوڑ دینا یا ماں باپ پر بارڈالدینا یہ کونسا مناسب طریقہ ہے اس لیے یہ چیزیں شوہر پر لازم ہونی چاہئے فقہاء متقدمین کی وہ باتیں جب تھیں جبکہ پیچیدہ امراض اور کمزور جسم نہیں تھے مگر اب حالات بدل گئے آئے دن نت نئی بیماریاں وجود میں آرہی ہیں اس فقہاء متقدمین کے وہ فیصلے اب نافذ نہیں ہوں گے یہ مسئلہ علامہ شامی کے اس جزئیہ سے ثابت ہوسکتا ہے (اظهر لی ترجیح الاول لان نفع القابلة معظمة یعود الی الولد فیکون علی ابیہ)[۱]

شوہر پر مالدار بیوی کا بھی نفقہ واجب ہے

شوہر پر اپنی بیوی کا نفقہ، کسوہ اور سکنی ہر حال میں واجب ہے چاہے عورت خود غنی اور مالدار کیوں نہ ہو اسی وجہ سے قرآن میں فرمایا گیا ہے (عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ[۲]) یعنی مالداروں پر اس کی استطاعت کے مطابق اور مفلس پر اس کی استطاعت کے موافق بیوی کا نفقہ لازم ہے آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر بلیغ انداز میں عورتوں کے حقوق کو لازم کرتے ہوئے فرمایا (لھن علیکم رزقھن و کسوتھن بالمعروف[۳]) حسب ضابطہ عورتوں کا کھانا، لباس تم پر واجب ہے۔ ہاں البتہ اگر عورت خوشدلی سے اپنا حق معاف کردے تو شوہر سبکدوش ہوجائے گا قرآن میں ہے (الا ان یعفون) یعنی تم اس کا نفقہ ادا کرتے رہو الا یہ کہ وہ خود معاف کردے۔

۱۔ شامی صفحہ ۸۹۲ جلد ۱
۲۔ سورۃ بقرہ آیت ۲۳۶
۳۔ مسلم شریف ۳۹۷ جلد ۱

ملازمت وغیرہ کرنے والی خواتین کا نفقہ

اوپر کے بیان کردہ قاعدہ سے یہ مسئلہ زیر بحث آتا ہے کہ اگر کوئی خاتون ملازمت کرے یا کوئی صنعت وحرفت میں اپنے آپ کو مشغول رکھے تو ایسی عورت کا نفقہ شوہر پر واجب ہوگا یا نہیں تو اس کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) پہلی صورت تو یہ ہے کہ اس کام کاج اور صنعت وحرفت کیلئے عورت باہر نہیں نکلتی گھر ہی میں سوت کات کر کپڑا سوئٹر ٹوپی وغیرہ سامان بنا کر فروخت کرتی ہے جس کی وجہ سے شوہر سے متعلق ذمہ داریاں اچھی طرح پوری کرتی ہے کمی نہیں کرتی جس وقت اس کو طلب کرے حاضر ہو جاتی ہے تو ایسی عورت نفقہ کی مستحق ہوگی۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ عورت ملازمت کرنے باہر جاتی ہے مثلاً کسی اسکول میں پڑھاتی ہے یا کسی اسپتال میں نرس یا ڈاکٹر ہے یا کہیں مزدوری کرتی ہے یا کھیت میں کام کاج وغیرہ کرتی ہے ان ملازمتوں اور کام کاج کے سبب دن بھر مشغول رہتی ہے صرف رات میں آتی ہے یا رات کو ڈیوٹی دیتی ہو اور دن میں گھر رہتی ہو تو ان تمام صورتوں میں چونکہ شوہر سے متعلقہ ذمہ داریاں اچھی طرح ادا نہیں کر پاتی اور اپنے آپ کو مکمل طور پر اس کے سپرد نہیں کرتی ناقص تسلیم ہے اور یہ کام بغیر شوہر کی اجازت اور رضامندی سے کرتی ہے تو ایسی عورت کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں ہاں اگر شوہر کی اجازت اور رضامندی سے یہ سب کام کاج کر رہی ہے اور شوہر نے اس ناقص سپردگی کو تسلیم کرلیا ہے تو اس وقت عورت کا نفقہ ان ملازمتوں کے باوجود بھی شوہر پر واجب رہے گا۔

مگر ایک بات ملحوظ رہے کہ یہ اجازت دائمی نہ ہوگی یعنی اگر شوہر نے شروع میں اجازت دیدی تھی پھر بعد میں ملازمت وغیرہ سے روکنا چاہے تو روک سکتا ہے اگر روکنے کے بعد بھی وہ نہیں مانتی ملازمت مزدوری وغیرہ میں مشغول رہتی ہے تو پھر نفقہ کی

مستحق نہیں ہوگی۔

اگر کسی شخص نے یہ جان کر کہ اس کی ہونے والی بیوی ملازمت کرتی ہے پھر اس سے نکاح کرلیا تو سمجھا جائے گا کہ شوہر اس کی ملازمت پر راضی ہے اس لئے عورت کا نفقہ برقرار رہے گا پھر اگر بعد میں شوہر نے اس ملازمت سے روک دیا اور عورت رک گئی تو ٹھیک ورنہ بصورت عدم تعمیل حکم مستحق نفقہ نہیں ہوگی ہاں پہلے کی مدت میں ملازمت شوہر کی اجازت سے کی تھی تو پہلی مدت کا بقیہ نفقہ ملے گا بعد والی مدت کا نفقہ نہیں ملے گا۔[1]

ملازمت وغیرہ کرنے کیلئے بدرجہ مجبوری پردہ کے ساتھ باہر نکل سکتی ہے پردہ کا بھرپور اہتمام شرط ہے بے پردگی کے ساتھ باہر نکلنا جس سے غیر محرم مرد کا اسکی طرف میلان ہو اور گناہ میں مبتلا ہونے کا داعیہ پیدا ہو تو پھر قطعاً باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے اس وقت باہر نکلنا حرام ہوگا قرآن میں بھی ہے (وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلاَ تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الأُوْلٰى [2]) کہ تم اپنے گھروں میں (یعنی پردہ کیساتھ) رہو جاہلیت اولیٰ کی طرح بن سنور کر نہ پھرو۔

نفقہ عورت کے قبضہ میں آنے کے بعد اس کی ملکیت ہو جاتی ہے

جب مرد نے عورت کو ایک ماہ کا نفقہ دیکر مالک بنا دیا تو وہ عورت کی ملکیت میں آگیا اب اگر عورت کے خرچ کرنے کے بعد اس میں سے کچھ بچ گیا یا عورت نے جان کر بچا لیا تو یہ بچا ہوا مال عورت کا ہے اس کو مرد واپس نہیں لے سکتا اور نہ آئندہ نفقہ میں شامل کرکے اس کے بقدر وضع کر سکتا ہے لیکن اگر عورت نے خرچ کرنے میں اتنی بخالت کی کہ اس کی صحت پر اثر پڑ گیا دبلی ہوگئی یا اس کا رنگ روپ خراب ہوگیا تو شوہر کا قانونی حق ہے کہ بخل سے منع کرے کیونکہ عورت کا حسن و جمال شوہر کا ضروری حق ہے

[1] (بحث ونظر مجلہ اکتوبر نومبر دسمبر ۱۹۹۰ء) [2] سورۃ الاحزاب آیت ۳۳

اس کو وہ قصداً ضائع نہیں کرسکتی۔[۱]

مدت سے قبل نفقہ ضائع کردے

اگر شوہر نے ایک ماہ کا نفقہ دیدیا اور اس نے بیس ہی روز میں ختم کر دیا اسی طرح کپڑا سال بھر کا دیدیا اس نے چھ ماہ میں ہی پھاڑ دیا یا نفقہ اور کسوہ لاپرواہی کی وجہ سے چوری ہوگیا تو شوہر اس کا ذمہ دار نہیں اور نہ عورت کو دوبارہ مطالبہ کا حق ہوگا۔[۲]

جان بوجھ کر شوہر کا نفقہ ادا نہ کرنا

اگر شوہر قصداً نفقہ ادا نہیں کرتا اور عورت مجبور ہورہی ہے اپنا اور اپنے بچوں کی ضروریات کا کوئی ذریعہ نہیں پاتی تو حاکم کے پاس شکایت کردے حاکم نالش کر کے شوہر سے نفقہ مقرر کرائے یا تو طلاق دلوادے۔[۳]

غائب شوہر کے مال سے عورت نفقہ لے سکتی ہے

شوہر اپنے بیوی بچے کے نفقہ میں بخل سے کام لیتا ہے ضرورت کے مطابق نہیں دیتا یا اسی طرح اگر کوئی شوہر نفقہ دیئے بغیر باہر چلا گیا اس کے بیوی بچے کے اخراجات کا کوئی انتظام نہیں ہے تو اس صورت میں شوہر کی ملکیت سے (کوئی ایسی چیز جس کو فروخت کئے بغیر صرف کیا جاسکتا ہے جیسے روپیہ اناج کپڑا وغیرہ) شوہر کی اجازت کے بغیر عورت خرچ کرسکتی ہے اس سلسلے میں حضرت عائشہؓ سے ایک حدیث

---

[۱] وفیہ لو قترت علی نفسھا فلہ ان یرفعھا للقاضی لتأکل مما فرض لھا خوفا علیھا من الھزال فانہ یضرہ کما لہ ان یرفعھا للقاضی للبس الثوب لان الزینۃ حقہ (درمختار علی ھامش شامی صفحہ ۲۹۷ جلد ٥)

[۲] ولو ضاعت الکسوۃ او النفقۃ او سرقت لم یجدد غیرھا حتی یمضی الفصل (عالم گیری صفحہ ٥٥٦ جلد ۱)

[۳] فتجب للزوجۃ بنکاح صحیح علی زوجھا (درمختار علی ھامش شامی صفحہ ۲۷۸ جلد ٥) ویجب لوقات الامساک بالمعروف (درمختار علی ھامش شامی صفحہ ٤۲۸ تا ٤۲۹ جلد٤)

بھی منقول ہے کہ ابوسفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ نے حضور ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ۔

یا رسول الله ان ابا سفیان رجل شحیح ولیس یعطینی ما یکفینی وولدی الا ما اخذت منه وھو لایعلم فقال خذی ما یکفیک وولدک بالمعروف[1]

یا رسول اللہ ﷺ میرا شوہر ابوسفیان بہت بخیل اور حریص ہے وہ مجھے اتنا خرچ نہیں دیتا جو مجھے اور میری اولاد کی ضرورت کیلئے کافی ہو البتہ اگر میں اس کے مال سے خود کچھ نکال لوں کہ اس کو خبر نہ ہو تو ہماری ضرورت پوری ہو جاتی ہے تو آپ نے فرمایا تمہاری اور تمہاری اولاد کی ضرورت جتنے مال سے پوری ہوتی ہو اتنا لے لو جو شریعت کے مطابق (یعنی اوسط درجہ کا) ہو۔[2]

اور اگر شوہر کی ملکیت میں ایسی چیز ہے کہ جسے فروخت کئے بغیر خرچ نہیں کیا جا سکتا (جیسے زمین مکان یا دیگر سامان) تو بیوی اپنے مصارف کیلئے بیچ نہیں سکتی ایسی صورت میں وہ حاکم کے پاس درخواست پیش کرے اور غائب کے ساتھ اپنا نکاح شہادت شرعیہ سے ثابت کرے اور اس پر قسم اٹھائے کہ اس کے شوہر نے نفقہ کا کوئی انتظام نہیں کیا ہے پھر حاکم اس کی ضمانت لے تاکہ شوہر کا نفقہ دینا ثابت ہو جائے اور بعد میں شوہر ضامن سے رجوع کر سکے اس کے بعد حاکم بیوی کو حکم دے کہ قرض لیکر مصارف کا انتظام کرے۔ اس قرض کی واپسی شوہر کے ذمہ ہوگی۔ اور مصارف کے مقدار کی تعیین بھی حاکم کریگا۔

(نوٹ) یہ حکم تو بیوی بچے کے نفقہ کا ہے کہ بغیر قضاء قاضی کے بھی وہ مال لے

[1] (مشکوۃ صفحہ ۲۹۰ جلد۲)

[2] فی کل موضع کان القاضی ان یقضی لها بالنفقة فی مال الزوج فلها ان تأخذ من مال الزوج ما یکفیها بالمعروف بغیر قضاء (عالمگیری صفحہ ۵۵۰ جلد۱)

سکتے ہیں مگر دوسرے رشتہ دار ذی رحم محرم کا حکم آگے آئے گا کہ وہ بغیر قضاء قاضی کے مطلقاً مال نہیں لے سکتے خواہ ایسا سامان ہی کیوں نہ ہو جو بغیر فروخت کئے ہوئے بھی صرف کیا جاسکتا ہو۔[1]

اگر حاکم سے اجازت لینی مشکل ہو تو شرعی پنچایت حاکم کے قائم مقام ہوسکتی ہے اور اگر کوئی صورت بھی نہ بن سکے مثلاً کوئی قرض دینے پر راضی نہ ہو تو کلام فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ سے عورت کو شوہر کا مال و جائداد فروخت کرنے کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔[2]

گزشتہ نفقہ لینے کا حکم

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو بغیر نفقہ دیئے کہیں چلا گیا پھر کئی سال کے بعد واپس آیا تو کیا گزشتہ دنوں کا نفقہ شوہر پر واجب ہے کہ وہ اس نفقہ کو ادا کرے تو اس کا حکم کتب فقہ میں یوں ہے کہ پچھلا نفقہ قاضی کے متعین کئے بغیر یا زوجین کی رضامندی کے بغیر کوئی متعین مقدار شوہر پر واجب نہیں ہوتا ہے اس لئے بغیر قضاء قاضی اور بغیر رضاء شوہر کے گزشتہ وقت کا نفقہ طلب کرنے کا حق عورت کو نہیں ہوسکتا کیونکہ ایک ماہ یا

---

[1] (قوله فلا تفرض لمملوكه ولخيه) المراد به كل ذي رحم محرم مما سوى قرابة الولاد لان نفقتهم لا تجب قبل القضاء ولهذا ليس لهم ان ياخذوا من ماله شيئا قبل القضاء لذا ظفروا به فكان القضاء في حقهم ابتداء ايجاب ولا يجوز ذالك على الغائب بخلاف الزوجة وقرابة الولاد لان لهم الاخذ قبل القضاء بلا رضاه فيكون القضاء في حقهم اعانة وفتوى عن القاضي كما في الدرر وقال تحت (قوله عند او على الخ) وقيد بكون المال عند شخص اذ لو كان في بيته وعلم القاضي بالنكاح فرض لها فيه لانه ايفا لحقها لا قضاء على الزوج بالنفقة كما لو اقر بدين ثم غاب وله من جنسه مال في بيته يقضي لصاحب الدين فيه بحر (رد المحتار صفحه ۷۲۳ جلد۲ ملخوذ احسن الفتاوى ص ٤٦٨ ج٥)

[2] كما في حظر شرح التنوير ليس لذي الحق ان يأخذ غير جنس حقه وجوزه الشافعي رحمه الله تعالى وهو الاوسع وفي الشاميه (قول وجوزه الشافعي) قد منا في كتاب الحجر ان عدم الجواز كان في زمانهم اما اليوم فالفتوى على الجواز (رد المحتار صفحه ۳۰۰ جلد٥ ملخوذ احسن الفتاوى صفحه ٤٦٨تا ٤٦٩ جلد٥)

اس سے زائد دن گزر جانے سے بیوی کا گزشتہ نفقہ ساقط ہو جائے گا ہاں اگر قاضی نے نفقہ کی مقدار متعین کر دی یا زوجین نے باتفاق رائے کوئی مقدار متعین کر لی تو نفقہ ساقط نہیں ہوگا۔[1]

کونسی عورت نفقہ کی مستحق ہے اور کونسی نہیں

مرد پر اپنی بیوی کا نفقہ یعنی کھانا، پانی، لباس وغیرہ کا خرچ دینا واجب ہے چاہے بیوی مسلمان ہو یا کتابیہ، غریب ہو یا مالدار خواہ اس عورت سے دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو بیوی شوہر سے عمر میں چھوٹی ہو یا بڑی مثلاً شوہر تو نابالغ ہے مگر بیوی بالغہ ہے اگر چہ بالغہ لڑکی شوہر کے گھر نہ آتی ہو میکے ہی میں ہو۔ اسی طرح لڑکی نابالغہ ہے مگر اتنی بڑی ہے کہ اس کے مثل لڑکی سے جماع کیا جا سکتا ہے یا اسی طرح بیوی آزاد ہو یا مکاتبہ تو ان تمام صورتوں میں ان عورتوں کو نفقہ ملے گا۔ مگر نفقہ کے واجب ہونے کی شرط یہ ہے کہ بیوی اپنے آپ کو شوہر کے حوالے کر دے یا شوہر کے گھر لیجانے پر چلی جائے یا سپرد کرنے کے قابل تو ہے مگر اپنے آپ کو اس کے سپرد نہیں کر رہی ہے کہ اس کا کوئی حق ہے جس کو شوہر پورا نہیں کر رہا ہے مثلاً عورت کا مہر شوہر کے ذمہ باقی ہے عورت مطالبہ کرتی ہے شوہر نہیں دیتا تو ایسی عورت نفقہ کی مستحق ہوگی خواہ والدین کے گھر ہی کیوں نہ ہو اسی طرح عورت کے میکے میں رہتے ہوئے بھی نفقہ شوہر پر واجب ہوگا جبکہ لڑکی بڑی ہو اور شوہر خود سپرد کرنے کا مطالبہ نہ کرتا ہو اور اگر مہر مؤجل (ادھار) ہے یا اس نے خود مہر معاف کر دیا یا ہبہ کر دیا تو اب اس کو کوئی عذر نہیں ہے کہ وہ سپردگی سے انکار کر دے (بشرطیکہ وہ بڑی بھی ہو) ایسی صورت میں اگر عورت بلا کسی وجہ کے اپنے آپ کو شوہر

---

[1] (وقد علم من هذا) انها بعد القضاء لا تسقط بمضي المدة سواء كانت شهراً او اكثر او اقل نعم تسقط نفقتها بمضي المدة قبل القضاء ان كانت شهراً فاكثر كما قد مناه عند قول المصنف والنفقة لا تصير دينا الا بالقضاء والحاصل ان نفقة الزوجة قبل القضاء كنفقة الاقارب بعد القضاء في انها تسقط بمضي المدة الطويلة (رد المحتار ص ٧٤٥ ج٢ ملخوذ احسن الفتاوى ص ٤٦٣ ج ٥)

کے حوالہ کرنے سے انکار کرے اور اس کے گھر نہ جائے تو یہ ناشزہ ہے نفقہ کی مستحق نہیں ہوگی اسی طرح لڑکی نابالغہ ہے کہ جماع اس سے نہیں کیا جا سکتا ہے اور وہ ابھی میکے میں ہے تو پھر اس کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں اگر اخلاقاً دیدیا تو احسان ہے البتہ اگر شوہر نے دل بہلانے یا کسی ضرورت کی وجہ سے اس نابالغہ کو اپنے گھر بلالیا تو پھر شوہر پر نفقہ واجب ہوگا اگرچہ لڑکی جماع کے لائق نہ ہو۔

(نوٹ) جو لڑکی قابل جماع نہیں اس کی عمر نو سال سے کم ہے اگر نو سال ہوگئے تو پھر کبیرہ میں شمار ہو کر نفقہ واجب ہو جائے گا مگر صحیح قول یہ ہے کہ جتنی عمر میں جماع پر قدرت ہو یا جماع کا احتمال پیدا ہو جائے کبیرہ شمار ہوگی[1]

رخصتی سے قبل بھی نفقہ کی مستحق ہوگی

اگر بالغہ لڑکی کا نکاح ہو چکا مگر رخصتی نہیں ہوئی ہے تو بھی نفقہ پانے کی مستحق ہوگی البتہ اگر شوہر نے رخصتی کرانا چاہا پھر بھی رخصت نہ ہوئی تو یہ ناشزہ ہوگی اور نفقہ پانے کی مستحق نہیں ہوگی ہاں اگر شوہر نے رخصتی کرا کر لایا اور پھر میکے اپنی رضامندی سے بھیج دیا یا عورت خود شوہر کی اجازت اور رضامندی سے چلی گئی تو اس وقت میکے میں

---

[1] تجب على الرجل نفقة امرأته المسلمة والذمية والفقيرة والغنية دخل بها ولم يدخل كبيرة كانت المرأة او صغيرة يجامع مثلها كذا في فتاوى قاضيخان سواء كانت حرة او مكاتبة... تكلموا في تفسير البلوغ مبلغ الجماع والمختار انها مالم تبلغ تسعا لم تبلغ مبلغ الجماع وعليه الفتوى... والصحيح انه لاعبرة للسن وانما العبرة للاحتمال والقدرة كذا في الكافي.المرأة ان كانت صغيرة مثلها لايوطأ ولا يصلح للجماع فلا نفقة لها عندنا حتى تصير الى الحالة التي تطيق الجماع سواء كانت في بيت الزوج او في بيت الاب هكذا في المحيط الكبيرة اذا طلبت النفقة وهي لم تزف الى بيت الزوج فلها ذلك اذا لم يطالبها الزوج بالنقلة ومن مشائخ بلخ رحمهم الله تعالى من قال لا تستحقها اذا لم تزف الى بيته والفتوى على الاول...... فان كان الزوج قد طالبها بالنقلة فان لم تمتنع عن الانتقال الى بيت الزوج فلها النفقة فاما اذا امتنعت عن الانتقال فان كان الامتناع بحق بان امتنعت لتستوفي مهرها فلها النفقة واما اذا كان الامتناع بغير حق بان كان اوفاها المهر او كان المهر مؤجلا او وهبته منه فلانفقة لها كذا في المحيط (عالمگیری صفحہ ٥٤٤ تا ٥٤٥ جلد١ ۔زکریا)

رہتے ہوئے بھی نفقہ کی مستحق ہوگی۔[1]

نفقہ سے محروم ہونے کی صورتیں

وہ عورتیں جو منکوحہ ہونے کے باوجود اپنے شوہر سے نفقہ نہیں لے سکتیں گیارہ ہیں۔(۱) مرتدہ (۲) اپنے سوتیلے بیٹے سے ناجائز تعلق کرنے والی (۳) عدت وفات گزارنے والی (۴) وہ عورت جس کا نکاح نکاح فاسد ہوا (۵) وہ منکوحہ جو کسی کی باندی ہو (۶) ایسی نابالغہ جس سے جماع نہ کیا جاسکتا ہو (۷) ناشزہ (نافرمان) (۸) وہ عورت جو قید کرلی گئی ہو (۹) اپنے میکے میں اس قدر بیمار ہوگئی کہ جماع کے قابل نہ رہی (۱۰) جس عورت کو کسی نے غصب کرلیا (۱۱) بغیر شوہر کے حج کرنے والی۔

صاحب درمختار نے ان گیارہ عورتوں کو یکجا بیان کیا ہے ہم اس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔[2]

(۱) مرتدہ یعنی دین سے پھر جانے والی

اگر عورت اپنے دین سے پھر جائے تو نفقہ سے محروم ہوجائے گی خواہ یہ ارتداد طلاق ثلاثہ یا بائنہ کے بعد ہی ہوا ہو۔ ہاں مرتد ہونے کے بعد پھر دوبارہ ایمان میں لوٹ آئی تو نفقہ کی مستحق ہوگی بشرطیکہ یہ ارتداد طلاق سے قبل نکاح کی حالت میں ہوا ہو۔ اگر طلاق کے بعد مرتد ہوئی تھی تو پھر دوبارہ ایمان لانے کے بعد بھی نفقہ نہیں ملے گا۔

---

[1] ولو هی فی بیت ابیها اذا لم یطالبها الزوج بالنقلة به یفتی وکذا اذا طالبها ولم تمتنع الخ فان لها النفقة (درمختار علی هامش شامی صفحه ۲۸٤ تا ۲۸۵ جلد ۵)

[2] لانفقة لاحد عشر مرتده ومقبلة ابنه ومعتده موت ومنکوحة فاسد وعدته وامة لم تبوأ وصغیرة لا توطا وخارجة من بیته بغیر حق وهی الناشزة الخ ومحبوسه... ومریضة لم تزف ...... ومغصوبه کرها وحاجة ولو نفلا لامعه ولو بمحرم (درمختار علی هامش شامی ۲۸۵ تا ۲۹۰ جلد ۵)

اسی طرح مرتد ہو کر دار الحرب چلی گئی پھر ایمان کی حالت لوٹ آئی تو بھی نفقہ نہیں ملے گا خواہ ارتداد نکاح کی حالت میں ہوا ہو یا طلاق کے بعد۔

اسی طرح شوہر نے ایمان قبول کرلیا اور عورت نے ایمان سے انکار کردیا تو نفقہ سے محروم رہے گی البتہ اس کے برعکس عورت نے ایمان قبول کرلیا اور شوہر انکار کرتا ہو تو پھر عورت نفقہ کی مستحق ہوگی۔

(۲) اپنے سوتیلے بیٹے سے ناجائز تعلق کرنے والی

دوسری صورت نفقہ سے محروم ہونے کی یہ ہے کہ عورت اپنے سوتیلے بیٹے سے ناجائز تعلق قائم کرلے مثلاً اس نے اس کو جماع پر قدرت دیدی یا شہوت کیساتھ چھولیا یا اس کے علاوہ عورت کے فعل معصیت کیوجہ سے نکاح ٹوٹ گیا تو ایسی عورت نفقہ سے محروم ہو جائے گی بشرطیکہ سوتیلے بیٹے کو جماع پر قدرت دینا یا شہوت کے ساتھ چھونا وغیرہ نکاح کی حالت میں ہوا ہو اگر طلاق کے بعد یہ چیزیں پائی گئیں تو عورت نفقہ سے محروم نہیں ہوگی۔ نیز نفقہ سے محروم ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ فرقت عورت کے فعل معصیت کی وجہ سے ہوئی ہو اگر عورت کے فعل مباح کی وجہ سے فرقت ہوئی ہے جیسے خیار بلوغ، عدم کفو وغیرہ کی وجہ سے نکاح کو فسخ کیا گیا ہو تو نفقہ سے محروم نہیں ہوگی نیز اگر لعان یا ایلاء کی وجہ سے فرقت ہوئی ہے تو بھی نفقہ کی مستحق ہوگی۔[1]

(۳) عدت وفات گزارنے والی

شوہر کے مرنے کی وجہ سے عورت عدت وفات گزار رہی ہے تو عدت کے ایام میں نفقہ کی مستحق نہیں ہوگی۔ البتہ اگر طلاق کی وجہ سے عدت میں ہے تو نفقہ پائیگی

---

[1] ولو وقعت الفرقة بينهما باللعان او الايلاء او العنة او الجب فلها النفقة لان الفرقة بهذه الاشياء مضافة الى الزوج وكذا اذا وقعت الفرقة بينهما بخيار البلوغ (باقی اگلے صفحہ پر)

خواہ طلاق ثلاثہ کی عدت ہو یا طلاق بائن یا رجعیہ کی۔ لے

(۴) وہ عورت جسکا نکاح نکاح فاسد ہوا

کسی عورت کا نکاح اس طور سے ہوا کہ شرائط نکاح نہ پائے جانے کی وجہ سے نکاح فاسد ہو گیا تو ایسی عورت نہ نکاح کے اندر نفقہ کی مستحق ہوگی نہ فسخ نکاح کے بعد عدت میں اور اگر قاضی نے اس نکاحِ فاسد کو صحیح سمجھ کر نفقہ مقرر کر دیا اور عورت نے کچھ دنوں کا نفقہ بھی مرد سے وصول کر لیا، پھر نکاح کا فساد ظاہر ہوا کہ یہ عورت تو مرد کی رضاعی بہن ہے اس پر قاضی نے دونوں کے مابین تفریق کر دی تو مرد عورت کو جو کچھ بطور نفقہ کے دے چکا ہے وہ واپس لے سکتا ہے۔

اور اگر مرد نے بغیر قاضی کے مقرر کئے ہوئے خود سے یہ سمجھ کر خرچ کیا کہ اس کیلئے نفقہ ہے حالانکہ شرعاً اس کیلئے نفقہ نہیں تو اب مرد نے جو کچھ خرچ کیا ہے وہ واپس نہیں لے سکتا۔

اگر بغیر گواہ کے نکاح ہوا تو یہ نکاح بھی فاسد ہے مگر اس صورت میں یہ عورت

(بچھلی صفحہ کا باقی) لو العتق او عدم الكفاءة ولو اسلمت المرأة وابى الزوج ان يسلم فلها النفقة لان الفرقة بالاباء وهو منه بخلاف ما اذا اسلم الزوج وابت هي حيث لا يجب لها النفقة لان الامتناع جاء من قبلها ولهذا يسقط به مهرها كله اذا كان قبل الدخول قال رحمه الله وردتها بعد البت تسقط نفقتها لاتمكين ابنه اى اذا طلقها ثلاثاً او واحدة بائنة ثم ارتدت والعياذ بالله سقطت نفقتها ولو مكنت ابن الزوج بعد ما طلقها ثلاثا او واحدة بائنة لا تسقط لان الحرمة تثبت بالطلاق البائن ولا تاثير للردة فيها ولا للتمكين غير ان المرتدة تحبس ولا نفقة للمحبوسة لما بينا والممكنة لا تحبس فافترقا حتىٰ لو اسلمت المرتدة وعادت الى بيت الزوج وجبت لها النفقة لزوال المانع فصارت كالناشزة اذا رجعت الى منزله بخلاف ما اذا وقعت الفرقة بالردة بأن ارتدت قبل الطلاق حيث لاتجب لها النفقة وان اسلمت وعادت الى منزله لانها بالردة فوتت عليه ملك النكاح وهو لايعود بعودها الى منزل الزوج ولو لحقت بدار الحرب مرتدة ثم عادت مسلمة فلا نفقة كيفما كان لان عدة تسقط باللحاق حكماً لتباين الدار لانه بمنزلة الموت فانعدم السبب الموجب (تبين الحقائق صفحه ۲۲۴ تا ۲۲۵ جلد ۳)

لے واذا طلق الرجل امرأته فلها النفقة وسكنى فى عدتها رجعيا كان او بائنا الخ ولا نفقة للمتوفى عنها زوجها (هدايه صفحه ۴۴۲ ج ۲)

نفقہ کی مستحق ہوگی۔

اگر کسی نے اپنی بیوی کی بہن یا پھوپھی یا خالہ وغیرہ سے نکاح کرلیا اور اس سے دخول کے وقت تک معلوم نہ ہوسکا کہ یہ بیوی کی بہن یا کوئی اور رشتہ دار محرمات میں سے ہے بعد میں معلوم ہوا تو تفریق کے بعد مرد اپنی پہلی بیوی سے بھی عدت کے درمیان علیحدہ رہے گا۔ عدت کے زمانہ کا نفقہ بیوی کو تو ملے گا مگر اس کی بہن کو نہیں۔ البتہ عدت اس پر بھی واجب ہے۔ اگر شبہ کے طور پر کسی عورت سے وطی کرلی تو اس موطوءہ پر عدت ہے مگر اس کے لئے نفقہ نہیں ہے [1]

(۵) وہ منکوحہ جو کسی کی باندی ہو

نفقہ سے محروم پانچویں عورت وہ بیوی ہے جو کسی کی باندی ہو یہ عورت شوہر کے پاس رہنے کے ساتھ اپنے آقا کی بھی خدمت کرتی ہے تو ایسی عورت کا نفقہ شوہر پر نہیں ہے البتہ اگر اپنے آقا کی خدمت نہیں کرتی صرف شوہر ہی کے پاس اس کا قیام رہتا ہے تو پھر شوہر پر نفقہ واجب ہے۔ [2]

(۶) ایسی نابالغہ جس سے جماع نہ کیا جاسکتا ہو

نابالغہ بیوی کہ اس سے جماع نہیں کیا جاسکتا اور وہ اپنے میکے میں ہے تو ایسی

[1] کل من وطئت بشبهة فلا نفقة لها كذا في الخلاصة قال ولا نفقة في النكاح الفاسد ولا في العدة منه ولو كان النكاح صحيحا من حيث الظاهر ففرض القاضي لها النفقة واخذت ذلك شهرا ثم ظهر فساد النكاح بان شهد الشهود انها اخته من الرضاعة وفرق القاضي بينهما رجع الزوج على المرأة بما اخذت واما اذا انفق الزوج عليها مسامحة من غير فرض القاضي لها النفقة لم يرجع عليها بشيء كذا ذكر الصدر الشهيد رحمه الله تعالى في شرح ادب القاضي... واجمعوا ان في النكاح بغير شهود تستحق النفقة... ولو تزوج اخت امرأته وعمتها او خالتها ولم يعلم بذلك حين دخل بها وفرق بينهما ووجب عليه ان يعتزل عنها مدة عدة اختها فلامرأته النفقة ولا نفقة لاختها وان وجبت عليها العدة (عالم گیری صفحہ ۵۴۷ جلد ۱)

[2] المنكوحة اذا كانت امة ان بوأها المولى بيتا فلها النفقة والا فلا وكذا المدبرة وام الولد والتبوئة ان يخلي بينها بين زوجها لا يستخدمها المولى الخ ولا نفقة على الزوج مدة الاستخدام ولو بوأها بيت الزوج (عالم گیری صفحہ ۵۵۵ جلد ۱)

عورت کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں ہے[1]

(۷) ناشزہ (نافرمان بیوی)

ساتویں عورت جو نفقہ سے محروم ہوتی ہے وہ ناشزہ ہے جب تک نشوز باقی رہے نفقہ نہیں ملے گا۔

ناشزہ کا مطلب

ناشزہ ایسی عورت کو کہتے ہیں جو شوہر کی نافرمان ہو اور اس کے جائز حقوق ادا کرنے سے انکار کرے۔ ناشزہ کی تعریف وتصریح حضرت مولانا وقاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ نے مبسوط للسرخسی کے حوالہ سے تحریر کی ہے وہ پیش نظر ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب عورت اپنے شوہر کے گھر سے غائب ہو جائے یا اس کے ساتھ اس کے گھر جانے سے انکار کردے یا جس شہر یا جس بستی میں وہ لیجانا چاہے وہاں وہ نہ جائے حالانکہ اسے اس کا مہر معجل ادا کر چکا ہو تو ایسی عورت کے لئے نفقہ نہیں اس لئے کہ وہ ناشزہ ہے اور ناشزہ کیلئے نفقہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ناشزہ کے بارے میں حکم فرمایا ہے۔

واللتی تخافون نشوزھن فعظوھن واھجروھن فی المضاجع[2]	یعنی عورتوں کی طرف سے اگر نافرمانی کا خوف کرو تو (اصلاح کا پہلا طریقہ یہ ہے کہ) اس کو نرمی سے سمجھاؤ (اور اگر سمجھانے سے بھی نہ مانے) تو پھر اس کو اپنے بستر ہ سے الگ کردو۔

بس جب ناشزہ عورت حق صحبت کیساتھ رہنے کی مستحق نہیں ہوتی تو نفقہ سے بدرجہ اولیٰ محروم ہو جائے گی اس لئے کہ نفقہ کی حقدار وہی عورت ہو سکتی ہے جو اپنے آپ

---

[1] والمرأة ان کانت صغیرة مثلها لایوطأ ولا یصلح للجماع فلا نفقة لها عندنا حتی تصیر الی الحالة التی تطیق الجماع (عالمگیری صفحہ ۵۴۰ جلد۱)

[2] (پارہ ۵ رکوع ۳ آیت ۳۴)

کو شوہر کے حوالے کر دے اور اس کے مصالح کیلئے اپنے آپ کو فارغ رکھے پس اگر وہ اس ذمہ داری سے گریز کرے تو ظالمہ قرار پائے گی اور جس وجہ سے وہ نفقہ کی حقدار تھی وہ وجہ بھی نہیں پائی گئی تو نفقہ کا استحقاق کیسے ہوگا۔[1]

اس کے بعد قاضی صاحب نے علامہ ابن ہمام کی فتح القدیر سے ناشزہ کی اور تفصیل نقل کی ہے فرماتے ہیں کہ نشوز جس کی وجہ سے نفقہ ساقط ہو جاتا ہے وہ ان تمام صورتوں کو شامل ہے جن میں عورت اپنے شوہر کے گھر آنے پر راضی نہ ہو۔

(الف) وہ شوہر کے گھر سے نکل کر پھر واپس آنے کو تیار نہ ہو۔ (ب) یا مہر معجل پا لینے کے بعد عورت ابتداءً ہی شوہر کے گھر جانے سے انکار کر دے۔ (ج) یا اگر میاں بیوی جس گھر میں رہتے ہوں وہ بیوی کی ملک ہو اور پھر بیوی قبل اس کے کہ اپنے شوہر سے یہ کہے کہ اسے وہ اپنے گھر لے جائے یا اس کے لئے کوئی کرایہ کا مکان حاصل کرے اچانک شوہر کو اپنے ذاتی مکان میں آنے سے روک دے تو یہ عورت ناشزہ ہونے کی وجہ سے نفقہ کی حقدار نہیں ہوگی۔ وہ صورتیں مندرجہ ذیل ہیں۔

مگر بعض صورتیں ایسی ہیں کہ ان میں اگر اپنے گھر میں آنے سے روک دے تو نفقہ سے محروم نہیں ہوگی۔

(۱) اگر عورت اپنے ذاتی مکان سے آمدنی حاصل کرنا چاہے یا کسی اور مصرف میں استعمال کرنا چاہے اور شوہر سے کہے کہ وہ اسے اپنے گھر رخصت کرا کر لے جائے یا اس کیلئے رہائش کا کوئی نظم کرے اس اطلاع کے بعد اب عورت شوہر کو اپنے ذاتی مکان میں آنے سے منع کر دے تو وہ ناشزہ نہیں مستحق نفقہ رہے گی۔

(۲) اسی طرح اگر بیوی شوہر کے مقبوضہ مکان میں جانے سے اس لئے انکار کرے کہ وہ مکان غصب کیا ہوا ہے تو بھی نفقہ کی مستحق ہوگی کیونکہ نہ جانے کا عذر عورت کا معقول ہے۔

---

[1] (المبسوط للسرخسی صفحہ ۱۷۶ جلد ۳ ملخوذ بحث ونظر)

(۳) اسی طرح اگر بیوی کو وطن سے لانے کیلئے مثلاً نجف سے شوہر اپنے وطن سمرقند لانے کیلئے شوہر کسی غیر محرم کو بھیج دے اور بیوی اس غیر محرم کیساتھ سفر کرنے سے انکار کرے تو یہ ناشزہ نہیں اس کا حق نفقہ ساقط نہیں ہوگا۔[۱]

شوہر کے ساتھ سفر سے انکار کرنا نشوز ہے

شوہر عورت کو سفر میں لیجانا چاہتا ہے مگر عورت اس سے انکار کرتی ہے تو کیا یہ عورت ناشزہ ہوگی یا نہیں تو حضرت قاضی صاحب قاسمیؒ بحر الرائق کے حوالہ سے علامہ ابن نجیم مصری کا قول نقل کرتے ہیں۔

واذا طلبت ان یسافر بھا من بلدھا وامتنعت فانہ لانفقہ لھا علی ظاھر الروایۃ[۲]

یعنی شوہر بیوی کو شہر سے باہر لیجانا چاہے اور عورت اس سے انکار کرے تو ایسی عورت ظاہر الروایت کے مطابق نفقہ کی حقدار نہیں کیونکہ شوہر کو حق ہے کہ وہ عورت کو سفر میں لیجائے۔

اور متاخرین کا قول مجمع الانہر میں نقل کیا ہے کہ

واما علی المفتی بہ فانھا لاتکون ناشزۃ[۳]

مفتی بہ قول کے اعتبار سے عورت کا سفر سے انکار کرنا نشوز نہیں ہے۔ اور فتاوی قاضی خاں میں ہے کہ شوہر کے مہر ادا نہ کرنے کی صورت میں انکار کرسکتی ہے ہاں اگر شوہر نے مہر ادا کردیا تو پھر شوہر کو حق ہے کہ وہ اپنی بیوی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرلے اور علامہ ابن عابدین شامی کا قول تنقیح الفتاوی الحامدیہ (صفحہ ۲۳ جلد ۱) میں اسی کے موافق منقول ہے اور جامع الفصولین میں اسی قول پر فتوی دیا ہے۔ مگر ابو القاسم الصغار اور فقیہ ابواللیث نے تحریر کیا ہے کہ فساد زمانہ کیوجہ سے عورت کی

---

[۱] (فتح القدیر ملخوذ بحث ونظر اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۹ء)

[۲] (بحر الرائق صفحہ ۱۷۹ جلد ۳) بحوالہ بحث ونظر

[۳] (مجمع الانہر صفحہ ۴۸۹ جلد ۱) بحوالہ بحث ونظر

رضامندی کے بغیر شوہر کو سفر میں لیجانے کا حق نہیں اور در مختار میں فتوی اسی قول پر دیا ہے۔

حضرت قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ ان تمام اقوال کو نقل کر کے فیصلہ کن بات تحریر کرتے ہیں کہ ظاہر الروایت اور متاخرین علماء کے مابین اختلاف اور اس مسئلہ کے مختلف زمانہ اور حالات وعرف اور طور طریقہ پر مبنی ہونے کی وجہ سے بنیادی امر یہ قرار پایا ہے کہ قاضی اور مفتی کو مصالح شرعی پر نظر رکھنی چاہئے ہر مقدمہ اور ہر قضیہ کو اس کے خاص پس منظر میں دیکھنا چاہئے۔ معمولی سفر اور دیہات آنا جانا عام حالات میں باعث ضرر نہیں اور دور دراز کی منتقلی عام حالات میں عورت کو فتنہ میں ڈال سکتی ہے فساد کا اندیشہ ہے وہ کسی بھی پشت پناہی سے محروم ہو کر مرد کے ظلم کا نشانہ بھی ہو سکتی ہے لیکن ان تمام حالات سے قطع نظر کبھی اس کے برعکس ایسا بھی ہوتا ہے کہ شہر کے ایک محلہ سے دوسرے محلہ میں شوہر عورت کو ضرر پہونچانے کی نیت سے لے جا سکتا ہے اور کبھی دور دراز لیجاتا ہے اس لئے کہ اس کی تجارت یا ملازمت اور مشغولیت دوسرے شہر میں ہے اور حکم الٰہی ہے کہ:

اَسۡکِنُوۡهُنَّ مِنۡ حَيۡثُ سَكَنۡتُمۡ مِنۡ وَّجۡدِكُمۡ [1] یعنی اپنی بیوی کو وہیں رکھو جہاں تم رہتے ہو۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اپنی بیوی کو ساتھ رکھنا چاہئے یہی حسن معاشرت کا تقاضا ہے جہاں مقصد ضرر رسانی نہیں وہاں عورت کو مرد کے ساتھ رہنا چاہئے اسی میں فائدہ ہے۔ جیسے ایک عالم دین ہے جو کسی دور دراز علاقہ میں دینی خدمات انجام دے رہا ہے۔ اسی طرح ایک ڈاکٹر اور سلیم الطبع انسان ہے جو اپنے وطن سے دور ملازمت کرتا ہے اپنے بیوی بال بچوں کو لیجانا چاہتا ہے تو ظاہر بات ہے کہ

۱۔ سورۃ الطلاق آیت ٦

مقصد اسکا حسن معاشرت ہے نہ کہ نقصان پہنچانا بلکہ دونوں کوضرر اور تنگی سے بچانا ہے اس وقت عورت انکار کرتی ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا انکار کرنا مناسب نہیں ہاں اگر ضرر کا اندیشہ ہو خواہ سفر کتنا ہی قریب کا کیوں نہ ہو تو عورت کو مجبور نہیں کر سکتے۔ جیسے ادھر کئی واقعات پیش آچکے ہیں کہ کبھی عرب ممالک کے لوگ ہندوستان آکر کم عمر لڑکیوں سے نکاح کر لیتے ہیں مگر یہاں سے لیجانے کے بعد دوسرا برتاؤ ہوتا ہے، بسا اوقات ایجنسی کے ذریعہ نکاح ہوتا ہے اور لڑکیاں مال تجارت بنادی جاتی ہیں، یوپی کے بعض علاقوں سے گروپ کے گروپ لوگ آکر فاقہ کش مسلمانوں کی لڑکیاں بیاہ کر کے لے گئے اور پھر انہیں فروخت کر دیا، اگر ایسی شادیوں میں لڑکیاں شوہر کے ساتھ دور دراز کا سفر نہ کریں تو انکے انکار کو تسلیم کیا جائیگا، اور ظاہر الروایت پر عمل نہ کر کے اسکو ناشزہ قرار نہیں دیا جائے گا۔[1]

موجودہ عرف اور قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ کی رائے

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ نکاح کے بعد رخصتی سے پہلے یا رخصتی کے بعد زوجین یا ان کے اولیاء کے درمیان جھگڑا پیدا ہو جاتا ہے بہت چھوٹی چھوٹی باتوں پر پیدا ہو جانے والے اس جھگڑے کے نتیجہ میں جانبین سے ضد پیدا ہو جاتی ہے اب لڑکی والے بعد میں رخصت کرنے پر راضی ہو جائیں۔ یا خود لڑکی بھی شوہر کے گھر جانے پر راضی ہو جاتی ہے۔ مگر شوہر اکثر یہ اصرار کرتا ہے کہ وہ خود آجائیں نہ میں لانے جاؤں گا اور نہ کسی کو لانے بھیجونگا اس مسئلہ کو وقار کا مسئلہ بنا کر اچھی خاصی زندگیوں کو تباہ کر ڈالتے ہیں اس حقیر کی رائے میں عرف اور دستور و معاشرہ میں رائج طور طریقہ ایسے معاملات میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے موجودہ عرف میں لڑکی کا خود چلا جانا یا اس کے ماں باپ کا سسرال پہونچا دینا خاص کر جبکہ باہمی

[1] (اقتباس بحث ونظر اکتوبر نومبر دسمبر ۱۹۹۰ء)

اختلاف ایک حجاب بھی درمیان میں پیدا ہو چکا ہے عورت کیلئے موجب عار ہے اور پھر سسرال جاکر ساس نند اور محلہ کی عورتوں کی طرف سے طرح طرح کے طعن و تشنیع کا سامنا بھی کرنا پڑیگا۔ دستور اور رواج یہ بھی ہے کہ شوہر عزت و اکرام کیساتھ اپنی بیوی کو اپنے گھر رخصت کراکر لائے اس لئے اگر کسی وجہ سے ابتداءً رخصت ہوکر جانے سے انکار بیوی کی طرف سے ہوگیا یا باہمی چپقلش کی وجہ سے رخصتی رک گئی ہو اس کے بعد عورت بخوشی رخصت ہوکر جانے کو آمادہ ہو تو ایسی صورت میں شوہر کا فرض ہے کہ وہ زوجہ کو رخصت کراکر خود لائے۔ لہٰذا اگر واضح طور پر یہ ثابت ہو جائے کہ عورت نے شوہر کے گھر رہنے کی رضامندی دیدی ہے اور مرد خواہ مخواہ اسے اپنی عزت کا مسئلہ بنا کر اسے رخصت کراکر نہیں لاتا بلکہ اصرار کرتا ہے کہ عورت عرف و رواج کے خلاف خود شوہر کے گھر چلی آئے اور اس کی وجہ سے رخصتی رکی رہتی ہے تو اس حقیر کی رائے میں عورت ناشزہ نہیں اور اس مدت میں وہ مستحق نفقہ ہوگی [1]۔

ناشزہ توبہ کرلے تو نفقہ ملے گا

اگر کوئی عورت شوہر کے گھر بلا وجہ نہ جائے یا شوہر کے گھر سے بھاگ جائے تو وہ ناشزہ قرار پاتی ہے مگر جب اس نے اپنی اس حرکت سے شرمندہ ہوکر توبہ کرلی اور اس کے بعد وہ اپنے شوہر کے گھر آگئی یا آنے کو تیار ہوگئی تو اب ناشزہ نہیں جب سے وہ گھر لوٹ کر آئی ہے اس وقت سے نفقہ کی مستحق ہوگی [2]۔

جان کے خوف کی وجہ سے شوہر کے گھر نہ جائے تو بھی نفقہ ملے گا

اگر عورت کو اپنے شوہر کے گھر جانے میں اپنی جان اور اپنے دین کے ضائع

---

[1] (بحث ونظر اکتوبر نومبر دسمبر ۱۹۹۰ء)

[2] (واذا ترکت النشوز فلها النفقة (عالم گیری صفحه ٥٤٠ جلد۱) وخارجة من بيته بغير حق وهي الناشزة حتى تعود ولو بعد سفره (درمختار) اي لوعادت الى بيت الزوج بعد ما سافر خرجت عن كونها ناشزه بحر عن الخلاصة اى فتستحق النفقة (شامي صفحه ٢٨٦ جلده زكريا)

ہونے کا یا کسی اور طرح کا خوف وخطرہ ہو تو پھر شوہر کے گھر جائے بغیر اپنے میکے میں بھی نفقہ کی مستحق ہوگی۔[1]

نافرمان بدچلن بیوی جب شوہر کے گھر ہے تو نفقہ ملے گا

اگر عورت شوہر کے پاس رہتی ہے انکار نہیں کرتی تو نفقہ کی حقدار ہوگی اگرچہ رہتے ہوئے شوہر کی نافرمانی کرتی ہو یا صوم، صلوٰۃ کی پابندی نہیں کرتی اسی طرح غیر محرم سے بات چیت کرتی ہے یا بدچلن ہے یا کوئی اور گناہ کا کام کرتی ہے تو ان سب وجوہات کی وجہ سے اس کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا۔ البتہ گھر سے نکل جائے تو پھر نفقہ نہیں ملے گا۔[2]

شرط کے مطابق شوہر پر نفقہ واجب ہے

اگر بوقت عقد نکاح زوجین کے مابین یہ شرط قرار پائی کہ اگر شوہر بیوی کو تکلیف دیگا یا شوہر کے گھر پہ عورت کو کوئی تکلیف ہوئی تو بیوی اپنے میکے میں رہ سکتی ہے اس کو وہیں نفقہ ملے گا لہٰذا اگر رخصتی کے بعد صحیح معنی میں تکلیف ہوئی تو بیوی میکے میں رہ کر نفقہ حاصل کرسکتی ہے کیونکہ صحیحین کی حدیث ہے۔ (احق الشروط ان توفوا به بما استحللتم به الفروج[3]) یعنی اور شرط کے مقابلہ میں نکاح والی شرط پوری کرنے کے سب سے زیادہ حقدار ہے۔[4]

(۸) (محبوسہ) وہ عورت جو قید کرلی گئی

یعنی کوئی عورت قید کرلی گئی چاہے ظلماً قید کرلی گئی ہو۔ خواہ کسی نے قید کیا ہو یا حکومت

---

[1] وسألت عن امرأة اسكنها زوجها فی بلاد الدروز ملحدین لم امتنعت وطلبت منه المسکنی فی بلاد الاسلام خوفاً علی دینها ویظهر لی ان لها تلك لان بلاد الدروز فی زماننا شبیهة بدار الحرب قوله او السفر معه ای بناء علی المفتی به من انه لیس لها السفر بها لفساد الزمان فلمتناعها بحق (شامی صفحه ۲۸۷ جلد ۵ زکریا)

[2] النفقة واجبة للزوجة علی زوجها الخ اذا سلمت نفسها الی منزله (هدایة صفحه ۴۳۷ جلد ۲)

[3] مسلم شریف صفحه ۴۵۵ جلد ۱ [4] مستفاد فتاوی دار العلوم صفحه ۱۴۸ جلد ۱۱)

اور بادشاہ کے قید خانہ میں ہو اگر چہ ظلماً ہی قید کر لی گئی ہو تو ایسی عورت کا نفقہ نہیں ہے۔ [1]

(۹) اپنے میکے میں اس قدر بیمار ہوگئی کہ جماع کے لائق نہیں

مریضہ عورت کی کئی صورتیں ہیں۔ (۱) پہلی صورت یہ ہے کہ عورت شوہر کے گھر جانے سے قبل اس طرح بیمار ہوگئی کہ جماع پر قدرت نہ رہی پھر بھی شوہر کے گھر چلی گئی تو شوہر کے گھر آنے سے قبل کا نفقہ اور گھر آنے کے بعد کا نفقہ بھی ملے گا۔ (۲) اسی طرح زوجہ نے نفقہ کا مطالبہ کیا مگر شوہر نے اس کو اپنے گھر نہیں لایا اور وہ شوہر کے گھر آنے سے انکار بھی نہیں کرتی تو بھی نفقہ کی حقدار ہوگی۔ (۳) ہاں اگر شوہر نے اس کو اپنے گھر بلایا مگر عورت نے منع کر دیا تو پھر نفقہ کی مستحق نہیں ہوگی۔ (۴) عورت شوہر کے گھر صحت کی حالت میں آئی تھی مگر شوہر کے گھر آ کر اس قدر بیمار ہوگئی کہ جماع پر قدرت نہ رہ سکی تو بھی اس کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا۔ (۵) اور اگر شوہر کے گھر دخول کے بعد بیمار ہوئی اور پھر اپنے باپ کے گھر چلی گئی اب پھر اس عورت کا پردہ میں سوار ہو کر یا ڈولی وغیرہ میں بیٹھ کر اپنے شوہر کے گھر آنا ممکن ہے اور پھر بھی نہیں آتی ہے تو یہ نفقہ کی مستحق نہیں۔ ہاں اگر کسی طرح آنا ممکن نہیں ہے تو اب اس کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا۔ [2]

---

[1] ومحبوسة ولو ظلماً الخ صيرفيه كحبسه مطلقا لكن في الصحيح القدوري لو حبس في سجن السلطان فالصحيح سقوطها (درمختار على هامش شامی صفحه ۲۸۸ تا ۲۸۹ جلد ۵)

[2] ولو كانت المرأة مريضة قبل النقلة مرضا يمنع من الجماع فنقلت وهي مريضة فلها النفقة بعد النقلة وقبلها ايضاً اذا طلبت النفقة فلم ينقلها الزوج وهي لا تمتنع من النقلة لو طالبها الزوج وان كانت تمتنع فلا نفقة لها كالصحيحة كذا ذكر في ظاهر الرواية وان نقلت وهي صحيحه ثم مرضت في بيت الزوج مرضا لا تستطيع معه الجماع لم تبطل نفقتها بلا خلاف كذا في البدائع ولو مرضت المرأة في بيت زوجها بعد الدخول فانتقلت الى دار ابيها قالوا ان كانت بحال يمكنها النقل الى بيت الزوج في محفة او نحوها فلم تنتقل لا نفقة لها وان كان لا يمكن نقلها فلها النفقة كذا في فتاوى قاضي خان (عالم گیری صفحه ۵۴۶ جلد ۱)

(۱۰) ایسی عورت جس کو کسی نے غصب کرلیا

یعنی کسی عورت کو کسی نے غصب کرلیا یا لیکر بھاگ گیا اور یہ معاملہ جبراً کیا گیا ہو یا عورت کی رضامندی سے دونوں صورتوں میں فتویٰ یہی ہے کہ ایسی عورت کو نفقہ نہیں ملے گا۔[۱]

(۱۱) بغیر شوہر کے حج کرنے والی

آخری صورت نفقہ سے محروم ہونے کی عورت کا حج کو جانا ہے اس کی چند صورتیں ہیں۔ اگر حج فرض ادا کر رہی ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) رخصتی سے قبل (۲) یا رخصتی کے بعد (۱) اگر رخصتی سے قبل ہے اور اس سفر میں شوہر نہیں ہے خواہ محرم باپ بھائی وغیرہ ساتھ ہوں یا ساتھ نہ ہوں بغیر محرم ہی کے سفر کر رہی ہے بہر صورت وہ نفقہ کی مستحق نہیں ہوگی۔ (۲) اگر رخصتی کے بعد کسی محرم کے ساتھ حج کو جارہی ہے مگر شوہر نہیں ہے تو امام محمدؒ کے نزدیک اس کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں ہوگا اور امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ نفقہ واجب ہوگا عالم گیری میں امام محمدؒ کے ہی قول کو ظاہر الروایت کہا گیا ہے۔ (۳) اور اگر یہ حج فرض شوہر کے ساتھ ادا کرنے جارہی ہے تو بہر صورت نفقہ کی مستحق ہوگی۔ (۴) اور اگر حج فرض نہیں نفل حج ادا کرنے جارہی ہے اور شوہر بھی ساتھ نہیں تو نفقہ شوہر پر واجب نہیں ہوگا۔ (۵) اور اگر نفل حج شوہر کے ساتھ ادا کرنے جارہی ہے تو نفقہ کی مستحق ہوگی۔

نوٹ:- جس صورت میں وہ نفقہ کی مستحق ہوگی وہ نفقۂ حضر ہے نہ کہ نفقۂ سفر

---

[۱] ومغصوبة ای من اخذها رجل وذهب بها هذا ظاهر الرواية وعن ابی يوسف لها النفقة والفتوی علی الاول لان فوات الاحتباس ليس منه ليجعل باقيا تقديراً هدايه وقيد بقوله کرها لانه لو ذهب بها علی صورة الغصب لکن برضاها فلا خلاف فيها انها لاشك فی انها ناشزة فافهم (شامی صفحه ۲۹۰ جلده زکريا)

نیز سفر کا خرچہ کرایہ وغیرہ بھی شوہر پر واجب نہیں ہے۔[۱]

عنین کے ذمہ بیوی کا نفقہ واجب ہے

اگر کوئی شخص عنین یعنی نامرد ہے اس نے کسی عورت سے نکاح کیا تو بیوی کا نفقہ اس کے اوپر واجب ہوگیا اگرچہ خلوت کے بعد صحبت نہ کرسکا ہو۔[۲]

مرد کے باپ یا کسی اور نے عقد کے وقت نفقہ کی ضمانت لی

اگر کسی بچہ کے نکاح کے وقت باپ نے نفقہ اور مہر کی ضمانت لے لی یا کسی آدمی نے کسی لڑکے کے نکاح کے وقت اس کے نفقہ وغیرہ کی ذمہ داری لے لی ہے تو بعد میں شوہر اگر نفقہ اور مہر ادا نہ کرے تو عورت ضامن سے نفقہ اور مہر کا مطالبہ شرعاً کرسکتی ہے۔[۳]

کسوہ یعنی عورت کا کپڑا

بیوی کے نفقہ کی طرح کپڑا بھی شوہر پر واجب ہے اتنا کپڑا دینا ضروری ہے جو ضرورت

---

[۱] ولو حجت المرأة حجة فريضة فان كان ذلك قبل النقلة فان حجت بلا محرم ولا زوج فهي ناشزة وان حجت مع محرم لها دون الزوج فلا نفقة لها في قولهما جميعا وان كانت انتقلت الى منزل الزوج فقد قال ابو يوسف رحمه الله تعالى لها النفقة وقال محمد رحمه الله تعالى لا نفقة لها كذا في البدائع وهو الا ظهر كذا في السراج الوهاج ولما اذا حج الزوج معها فلها النفقة اجماعا وتجب عليه نفقة الحضر دون السفر ولا يجب الكراء اما اذا حجت للتطوع فلا نفقة لها اجماعا اذا لم يكن الزوج معها... وان حجت مع زوجها حجة نفلا كانت لها نفقة الحضر لا نفقة السفر (عالم گیری صفحہ ٥٤٦ جلد ١)

[۲] فتجب للزوجة بنكاح صحيح على زوجها لانها جزاء الاحتباس (درمختار على هامش شامي صفحه ٢٧٨ تا ٢٨١ جلد ٥ زكريا)

[۳] ولا يطالب الاب بمهر ابنه الصغير الفقير الخ الا اذا ضمنه على المعتمد كما في النفقة (درمختار على هامش شامي ٢٨٧ تا ٢٨٨ جلد ٤) وصح ضمان الولي مهرها الخ واما ضمان الولي الكبير منهما فظاهر لانه كالاجنبي (شامي ص ٢٨٦ ج ٤ باب المهر)

پوری ہونے کے ساتھ عرف ورواج کے لحاظ سے بھی کافی ہو۔ نیز گرمی اور سردی کا کپڑا بھی دینا مرد پر ضروری ہے جیسے شال، سوئٹر، چادر، کوٹ، لحاف، جبہ وغیرہ جہاں کا جیسا رواج ہو اسی حساب سے دیا جائے گا۔ لحاف، بستر ہ، وغیرہ تو ایسی چیزیں ہیں کہ میاں بیوی دونوں کیلئے ایک ہی کافی ہے مگر صاحب درمختار کے قول کے مطابق لحاف، بستر ہ، عورت کیلئے علیحدہ ہونا ضروری ہے کیونکہ عورت حیض کی حالت میں یا مرض کی وجہ سے کبھی اپنے شوہر سے الگ سوتی ہے۔[1]

کپڑا سال میں دو عدد واجب ہے

مذکورہ کپڑے ایک سال میں دو مرتبہ دینا مقرر ہوگا اور یہ ہر چھ ماہ پر عورت کے حوالہ کر دیئے جائیں گے اگر چھ ماہ مقرر ہو گئے تو پھر چھ ماہ سے قبل عورت کو مطالبہ کا حق نہیں ہے اگر عورت نے خلاف عادت کپڑے کو اس طرح استعمال کیا کہ چھ مہینہ سے پہلے پہلے پھاڑ ڈالا تو پھر چھ ماہ سے قبل کپڑا دینا واجب نہیں ہوگا۔ البتہ عورت نے اگر عادت کے مطابق ہی استعمال کیا پھر بھی کپڑا پھٹ گیا تو یہ عورت کا قصور نہیں ہے اس لئے چھ ماہ سے قبل بھی عورت کو کپڑا دینا ضروری ہے۔

اور اگر کپڑا چھ ماہ گزرنے کے بعد بھی باقی رہا اور اس کے باقی رہنے کا سبب یہ ہے کہ کپڑا استعمال ہی نہیں کیا یا اس کپڑے کیساتھ دوسرا کپڑا بھی استعمال کیا تو ایسی صورت میں عورت دوسرا کپڑا لے سکتی ہے البتہ ان وجوہات کے علاوہ کپڑے کے باقی رہنے کی کوئی وجہ نہیں تو پھر شوہر پر دوبارہ کپڑا دینا ضروری نہیں ہے یہی سمجھا جائے گا کہ کپڑا مضبوط ہے۔

---

[1] ولحافا وفراشا وحدها لانها ربما تعتزل عنه ایام حیضها ومرضها (درمختار) وتزاد فی الشتاء الخ ای تزاد علی ما قدره محمد فی الکسوة بدرعین وخمارین وملحفة فی کل سنة قال فی الظهیریة ان هذا فی عرفهم اما فی عرفنا فیجب السراویل والجبة والفراش واللحاف وما تدفع به اذی الحر والبرد فی الشتاء درع خزرجیه قزو خمار ابریسم وفی الذخیره ما ذکره محمد علی عادتهم وذلك یختلف باختلاف الاماکن حرا وبردا والعادات فعلی القاضی اعتبار الکفایة بالمعروف فی کل وقت ومکان (شامی صفحه ۲۹۷ جلد ۵)

اگر عورت نے نفقہ وکسوہ کو قصداً ضائع کردیا یا اس کی بے احتیاطی سے ضائع ہوگیا یا چوری ہوگئی تو پھر شوہر پر دوبارہ نفقہ اور کسوہ کی ادائیگی ضروری نہیں ہے[۱]

سکنیٰ یعنی عورت کی رہائش

سکنیٰ کا لفظ سکون سے لیا گیا ہے یعنی رہنے کا گھر کیونکہ آدمی کہیں سے آکر گھر ہی پر سکون محسوس کرتا ہے اس لئے اس کو سکون کی جگہ کہتے ہیں۔ بہر کیف مرد پر عورت کے نفقہ اور کسوہ کی طرح سکنیٰ بھی واجب ہے۔ چنانچہ قرآن میں اسی کا حکم ہے (اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُّجْدِكُمْ[۲]) کہ اپنی کوشش کے مطابق بیوی کو وہیں رکھو جہاں تم رہتے ہو

بیوی کا حق سکنیٰ کیا ہے

اولاً تو بیوی کا اخلاقی تقاضا یہ ہے کہ وہ سب کے ساتھ ملکر رہے الگ گھر کا مطالبہ نہ کرے کہ شوہر کو مستقل علیحدہ مکان خریدنا پڑے۔ شوہر اور اس کے رشتہ دار کا بھی اخلاقی فریضہ ہے کہ وہ عورت کیلئے گھر کا ایک مخصوص کمرہ خاص کردے تاکہ وہ اپنا ضروری سامان رکھ سکے اور میاں بیوی بے تکلف رہ سکیں گھر کے دوسرے لوگوں کو آنے کی نوبت نہ آئے۔

لیکن اگر عورت سب کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی مستقل علیحدہ ایسے مکان کا

---

[۱] وانما تفرض الكسوة في السنة مرتين في كل ستة اشهر مرة كذا في المبسوط ولو فرض لها الكسوة مدة ستة اشهر ليس لها غيرها حتى تمضي المدة فان تخرقت قبل مضيها ان كانت بحيث لو لبستها لبسا معتاداً لم تتخرق لم يجب عليه والا وجب وان بقي الثوب بعد المدة ان كان بقاؤه لعدم اللبس او للبس ثوب غيره او لللبسه يوما دون يوم فلنه يفرض لها كسوة اخرى والا فلا كذا في الجوهرة النيرة ولو ضاعت الكسوة او النفقة او سرقت لم يجدد غيرها حتى يمضي الفصل بخلاف المحارم كذا في غاية السروجي (عالم گیری ص۵۵۵ تا ۵۵۶ جلد۱) [۲] سورۃ الطلاق آیت ۶

مطالبہ کرتی ہے جو خالص اسی کیلئے ہو اس میں کسی کو نہ آنے دے تو شوہر پر اس کا پورا کرنا ضروری ہے کیونکہ سب کے ساتھ رہنے میں اس کا نقصان ہے وہ اپنے ذاتی سامان کی حفاظت پر مامون نہیں اور نہ وہ بے تکلف اپنے شوہر کے ساتھ رہ سکتی ہے۔[1]

البتہ گھر میں کئی کمرے ہوں ان میں سے ایک کمرہ بیوی کیلئے خاص کر دے کہ وہ اپنا مال واسباب حفاظت سے رکھ سکے اور بلا تکلف رہ سکے اور کنجی اپنے پاس رکھے کسی کا اس میں دخل نہ ہو تو یہ مکان کافی ہے عورت کو پورے گھر کے مطالبہ کا حق نہیں ہے۔[2]

شوہر کے ذمہ صرف علیحدہ گھر یا اس کا صرف ایک کمرہ دینا لازم ہے اس کے علاوہ باورچی خانہ، غسل خانہ، بیت الخلاء تمام پریوار سے علیحدہ دینا ضروری نہیں ہے مگر یہ حکم معمولی حیثیت کے خاوند کا ہے اگر شوہر مالدار ہے تو اس کے ذمہ ایسا علیحدہ گھر دینا لازم ہوگا جس میں باورچی خانہ، غسل خانہ، بیت الخلاء وغیرہ ضروریات کی تمام چیزیں مہیا ہوں۔[3]

---

[1] وكذا تجب لها السكنى في بيت خال عن اهله سوى طفله الذي لا يفهم الجماع الخ واهلها ولو ولدها من غيره بقدر حالهما كطعام وكسوة وبيت منفرد من دار له غلق (درمختار) وقوله خال عن اهله الخ لانها تتضرر بمشاركة غيرها فيه لانها لا تأمن على متاعها ويمنعها ذلك من المباشرة مع زوجها ومن الاستمتاع الا ان تختار ذلك لانها رضيت بانتقاص حقها (شامي جلد ۳۲۰ جلد۵)

[2] فان كانت دار فيها بيوت واعطى لها بيتا يغلق ويفتح لم يكن لها ان تطلب بيتا اخر اذا لم يكن ثمه احد من احماء الزوج يؤذيها (شامي صفحه ۳۲۱ جلد۵)

[3] ومطبخ اى بيت الخلاء وموضع الطبخ بان يكونا داخل البيت او في الدار لا يشاركها فيها احد من اهل الدار قلت وينبغي ان يكون هذا في غير الفقراء الذين يسكنون في الربوع والاحواش بحيث يكون لكل واحد بيت يخصه وبعض المرافق مشتركة كالخلاء والتنور وبئر الماء ويأتي تمامه قريبا قوله لحصول المقصود وهو انها على متاعها وعدم ما يمنعها من المعاشرة مع زوجها والاستمتاع (شامي صفحه ۳۲۱ جلد۵)

مرد اپنے مخصوص گھر میں عورتوں کے رشتہ داروں کو بھی آنے سے روک سکتا ہے

جس طرح عورت اپنے مخصوص گھر اور مخصوص کمرے میں خاوند کے دوسرے رشتہ داروں کو روک سکتی ہے اسی طرح شوہر بھی اپنے اس مخصوص کمرے میں عورت کے رشتہ دار (خواہ اس کے والدین ہی کیوں نہ ہوں یا پہلے خاوند سے اس کی اولاد) کو آنے سے منع کر سکتا ہے۔ البتہ زوجہ کے والدین کو ہفتہ میں ایک روز مثلاً جمعہ کو اپنی بیٹی سے ملاقات کرنے کا حق ہے شوہر اس سے منع نہیں کر سکتا مگر اس مخصوص کمرے میں ٹھہرنے سے منع کر سکتا ہے نیز اسی طرح والدین کے علاوہ دیگر محرم رشتہ داروں کو سال میں ایک مرتبہ ملنے کا حق ہے۔ ہاں اگر یہ رشتہ دار سال میں اور والدین ہفتہ میں ایک مرتبہ سے زائد ملنے آویں تو پھر شوہر کو روکنے کا حق ہے۔[1]

عورت کو والدین اور دیگر رشتہ داروں کے یہاں جانے کا حکم

عورت کو اپنے والدین کے یہاں ہفتہ میں اور دیگر رشتہ دار کے یہاں سال میں ایک مرتبہ جانے کا حق ہے شوہر اس سے روک نہیں سکتا البتہ اگر وہ رشتہ دار عورت ہی کے گھر آکر ٹھہرنے لگیں تو پھر شوہر منع کر سکتا ہے۔

اگر والدین کو دیکھ بھال کرنے والا اس عورت کے علاوہ کوئی نہیں تو وہ اپنے والدین کے پاس بقدر ضرورت بار بار بھی جا سکتی ہے اگرچہ شوہر منع کرے لیکن شوہر

---

[1] واذا اراد الزوج ان یمنع اباھا او امھا او احدا من اھلھا من الدخول علیھا فی منزلہ اختلفوا فی ذلک قال بعضھم لایمنع الابوین من الدخول علیھا للزیارۃ فی کل جمعہ وانما یمنعھم عن الکینونۃ عندھا وبہ اخذ مشایخنا رحمھم اللہ تعالٰی (وعلیہ الفتوی) کذا فی فتاوی قاضی خان الخ وھل یمنع غیر الابوین من الزیارۃ قال بعضھم لا یمنع المحرم عن الزیارۃ فی کل شھر وقال مشائخ بلخ فی کل سنۃ (وعلیہ الفتوی) (عالمگیری صفحہ ۵۵۶ تا ۵۵۷ جلد ۱)

کے منع کرنے کی صورت میں جانے پر نفقہ کی مستحق نہیں ہوگی۔[1]

شادی کے بعد چولہے کا الگ ہونا ہی بہتر ہے

آج کے دور میں میاں بیوی کا علیحدہ رہنا معیوب سمجھا جاتا ہے شوہر جب اپنی بیوی کو لیکر رشتہ داروں سے الگ رہتا ہے تو اعزہ واقارب ناخوش ہوتے ہیں اور ناک منھ چڑھاتے ہیں لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگتی ہیں کہ دیکھا فلاں لڑکا کتنا جورو پرست نکلا کہ شادی کے بعد فوراً الگ ہوگیا، دیکھا فلانی عورت سال بھر بھی اپنی بہو کو نہ نبھا سکی، دیکھا فلاں کی بیٹی اپنی ساس کے ساتھ نہ رہ سکی ارے کیا رہے گی کبھی اس کی ماں نے ساس سسر کا خیال نہیں کیا تو بیٹی کیا کریگی اس کا تو خاندان ہی ایسا ہے وغیرہ وغیرہ، چبھتے ہوئے جملے کسے جاتے ہیں لیکن علیحدہ رہنے میں بیحد مصالح اور فوائد ہیں یہ صورت بہت سے گھریلو نزاع واختلاف کا سد باب ہے۔ کیونکہ جہاں ساس سسر، نند، بھاوج اور سب بھائی اور ان سب کی بیویاں ساتھ رہتے ہیں ایک ہی ہانڈی میں کھانا پکتا ہے تو روزانہ جھگڑے ہوتے رہتے ہیں سب کی بیویاں ایک دوسرے سے حسد، کینہ اور بغض رکھتی ہیں غیبت اور ایک دوسرے کی چغل خوری اور اپنے اپنے شوہروں کے پاس ایک دوسرے کی شکایتیں کرتی رہتی ہیں جن کی وجہ سے بھائیوں کے مابین عداوت دشمنی اور ساس بہو میں روزانہ کی کائیں کائیں کچ کچ ہوتی رہتی ہے ایک دوسرے سے خوش نہیں ناک منھ چڑھا کر باتیں ہوتی رہتی ہیں اور یہ صرف اسی ایک گھر تک محدود نہیں بلکہ عورتیں اپنے اپنے میکے میں اس کی خبریں پہنچاتی ہیں پھر ان کے جراثیم مختلف خاندانوں میں پہنچ جاتے ہیں پھر عورتوں اور ان کے رشتہ دار کی طرف سے طلاق وخلع کا

---

[1] ولایمنعها من الخروج الی الوالدین فی کل جمعه الخ ولو ابوها زمنا مثلا فلحتاجها فعلیها تعاهده ولو کافرا وان ابی الزوج (درمختار) قوله فعلیها تعاهده ای بقدر احتیاجه الیها وهذا اذا لم یکن له من یقوم علیه کما قیده فی الخانیه الخ (قوله وان ابی الزوج) لرجحان حق الوالد وهل لها النفقة؟ الظاهر لا (شامی صفحه ۲۲۴ جلد۵)

مطالبہ ہوتا ہے۔ پھر معاملہ اتنا سنگین ہوجاتا ہے کہ دونوں کے درمیان جھگڑے فساد، کیس مقدمے کی نوبت آجاتی ہے یہ شادی خانہ آبادی کے بجائے بربادی کا سبب ہوجاتی ہے اس کے برخلاف الگ رہنے میں نہ کوئی جھگڑا نہ فتنہ فساد ہے سب اپنے اپنے کام سے مطلب رکھتے ہیں اپنی اپنی محنت کے بقدر جو میسر ہوا پنی زندگی گزار لیتے ہیں اس سے صرف میاں بیوی کے درمیان ہی نہیں بلکہ ماں بیٹا، بہو، ساس، نند، بھاوج اور سب بھائیوں اور ان کی بیویوں کے درمیان تعلق ومحبت قائم رہتی ہے ایک دوسرے کی عزت اور قدر بھی کرتے ہیں آپس میں لین دین اچھی طرح ہوتا ہے کسی کے یہاں کوئی اچھی چیز پکی تو دوسرے کے گھر پہنچادی جاتی ہے بیوی ساس سسر کی بھی اچھی خدمت کرتی ہے اس سے شادی کا مقصد پوری طرح حاصل ہوتا ہے اور ہر ایک کی زندگی خوشگوار گزرتی ہے۔ اسی وجہ سے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ چولہا تو ضرور ہی علیحدہ ہونا چاہئے زیادہ تر آگ اسی چولہے سے بھڑکتی ہے۔ بعض لوگ یہ سوچتے ہیں کہ ہر آدمی کی اتنی استطاعت کہاں ہے کہ الگ رہ سکے یا والد شادی کے بعد فوراً مکان دلوا سکے۔ لہٰذا اس کے لئے آسان حل یہ ہے کہ کرایہ کا مکان لے لیں اور اگر اس کی بھی گنجائش نہیں تو اسی بڑے مکان میں باورچی خانہ الگ کرلیں۔ آج کل طبیعتوں اور واقعات کا مقتضی تو یہ ہے کہ اگر عورت ساتھ میں رہنے پر راضی بھی ہو اور علیحدہ رہنے سے سب اعزہ اور رشتہ دار ناخوش بھی ہوں تب بھی مصلحت یہ ہے کہ جدا ہی رکھے اس سے ہزاروں مفاسد اور ہزاروں خرابیوں کا دروازہ بند ہوجاتا ہے۔[1]

والدین واولاد اور دوسرے اعزہ کے حقوق

شوہر کے فرائض تفصیل سے آچکے کچھ مزید باتیں جملہ معترضہ کے طور پر یہاں بیوی کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں کے حقوق سے متعلق بیان کردینا موقع کے

[1] (اصلاح انقلاب امت ۱۸۸)

مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اولاد کا نفقہ

نابالغ اولاد جن کی ملکیت میں کچھ بھی مال نہیں ان کے اخراجات ان کے باپ کے ذمہ ہیں۔ اگرچہ باپ خود تنگ دست اور مفلس ہو کوئی دوسرا اس ذمہ داری میں شریک نہیں ہے[۱]

اگر بالغ لڑکا اپاہج، لنجا یا کسی اور مرض کی وجہ سے معذور یا کام بھی کرتا ہو مگر اچھی طرح نہیں کرپاتا یا طالب علمی کا زمانہ گزار رہا ہو یا کسی شرافت کی وجہ سے کام کرنے سے شرماتا ہو یا اس کو کوئی مزدور رکھنا نہیں چاہتا تو اس کا نفقہ بھی باپ ہی کے ذمہ ہے اور اگر صحیح کام کرسکتا ہے کوئی عذر بھی نہیں تو اس کا نفقہ باپ کے ذمہ نہیں ہے۔

وہ بالغ لڑکیاں جن کے پاس مال نہیں ہے تو ان کا نفقہ مطلقاً باپ ہی کے ذمہ ہے جب تک کہ اس کی شادی نہ ہوجائے۔ اور بیٹے کی بیوی یعنی بہو کا نفقہ خسر کے ذمہ اس وقت تک ہوتا ہے جب تک کہ اس کا بیٹا نابالغ ہے۔ یا لنجا اور اپاہج ہے لیکن خسر کو بہو کے نفقہ پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔[۲]

پوتا پوتی کا نفقہ

اگر چھوٹے بچے کا باپ لنجا اور اپاہج ہے اور اس بچے کے پاس مال بھی نہیں ہے تو اس کا نفقہ دادا پر واجب ہوگا۔ اور دادا کسی سے اس کا مطالبہ بھی نہیں کرسکتا۔[۳]

اگر کوئی باپ مرگیا اور اس نے اپنے پیچھے چھوٹے بچے بھی چھوڑے

---

[۱] نفقة الاولاد الصغار علی الاب لایشارکه فیها احد (عالم گیری صفحه ۵۶۰ جلد۱)

[۲] قال الامام الحلوانی اذا کان الابن من ابناء الکرام ولا یستاجره الناس فهو عاجز وکذا طلبة العلم اذا کانوا عاجزین عن الکسب الخ ونفقة الاناث واجبة مطلقاً علی الاباء مالم یتزوجن اذا لم یکن لهن مال الخ ولا یجب علی الاب نفقة الذکور الکبار الا ان یکون الولد عاجز عن الکسب لزمانة او مرض ومن یقدر علی العمل لکن لا یحسن العمل فهو بمنزلة العاجز الخ ونفقة زوجة الابن علی ابیه ان کان صغیراً فقیراً وزمنا لانه من کفایة الصغیر وذکر فی المبسوط لایجبر الاب علی نفقة زوجة الابن (عالم گیری صفحه ۵۶۳ جلد۱)

[۳] وان کان الاب زمنا ولیس للصغیر مال یقضی بالنفقة علی الجد ولا یرجع الجد بذلک علی احد (عالم گیری صفحه ۵۶۲ جلد۱)

ہیں اور کچھ مال بھی چھوڑا ہے تو اولاد کا کھانا خرچہ اس مال میں سے اس کے حصہ کے بقدر ہی ہوگا باقی ورثہ کے مال میں سے اس کا نفقہ نہیں ملے گا۔ اسی طرح باقی ورثہ کا خرچہ بھی ان کے حصہ کے بقدر ہی ہوگا۔[1]

والدین کے نفقہ کا حکم

والدین (اور یہی حکم اصول باپ دادا ماں نانی وغیرہ کا بھی ہے) اگر محتاج اور تنگ دست ہو جائیں کمانے پر قادر ہوں یا نہ ہوں ان کے اخراجات کی ذمہ داری خوش حال اولاد پر ہے (یعنی ایسی اولاد کہ ان کو زکوۃ، صدقہ وغیرہ کا مال دینا جائز نہ ہو) اگر خوشحال اولاد بیٹا بیٹی دونوں ہوں تو نفقہ کی ذمہ داری دونوں پر برابر ہوگی اولاد، والدین کے نفقہ کی ذمہ داری لینے میں کسی اور کو شریک نہیں کرے گی۔[2]

ذی رحم محرم یعنی دوسرے رشتہ دار کا نفقہ

ہر مال دار شخص پر اس کے ذی رحم محرم (یعنی بھائی، بہن، چچا، ماموں وغیرہ) رشتہ داروں کا نفقہ واجب ہے بشرطیکہ وہ ذی رحم محرم محتاج یا نابالغ یا مفلس عورت یا اپاہج ومعذور ہو یا طالب علم ہو یا بے وقوف ہو یا کسی اور وجہ سے کمانے پر قادر نہ ہو اگر مالدار شخص ان رشتہ داروں پر خرچہ نہ کرے تو ان کو خرچہ کرنے پر مجبور کیا جائے گا ان رشتہ داروں کا خرچہ میراث کے اعتبار سے واجب ہوگا یعنی جو مفلس ذی رحم محرم اپنے مالدار رشتہ دار سے نفقہ لے رہا ہے اگر وہ مرجائے تو اس کے مال میں سے شرعی نقطہ نظر سے جس کو جتنا حصہ ملے گا اسی حساب سے اس وقت جبکہ وہ تنگ دست ہے وہ لوگ جو

---

[1] وان کان الاب قدمات وترک اموالاً وترک اولاداً صغاراً کانت نفقة الاولاد من انصبائهم وکذا کل من یکون وارثا فنفقته فی نصیبه (عالم گیری صفحه ٥٦٤ جلد١)

[2] قال ویجبر الولد الموسر علی نفقة الابوین المعسرین مسلمین او ذمیین قدرا علی الکسب اولم یقدر الخ ولا یشارک الولد الموسر احداً فی نفقة ابویه المعسرین الخ الیسار مقدر بالنصاب فیما روی عن ابی یوسف رحمة الله تعالی (علیه الفتوی) والنصاب نصاب حرمان الصدقة الخ واذا اختلف الذکور والاناث فنفقة الابوین علیهما علی السویه (عالم گیری صفحه ٥٦٤ جلد١)

مالدار ہیں ان پر خرچ کریں۔[1]

بیوی ان قریبی رشتہ داروں کے حقوق کیلئے مانع نہ بنے

جب شوہر اپنے والدین اور رشتہ داروں کو کچھ دیتا اور ان پر کچھ خرچ کرتا ہے اور ان کے حقوق کی ادائیگی کرنا چاہتا ہے تو بیوی جل بھن جاتی ہے ناک منھ چڑھا کر شوہر سے جھگڑتی ہے یہ ان کی کم ظرفی اور بے دینی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ ایک بڑے پائے کے محدث فقیہ بزرگ ہیں وہ فرماتے ہیں کہ عورتوں کا وہ فتنہ جس سے آپ ﷺ نے امت کو ڈرایا ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنے شوہروں کیلئے قطع رحمی کا سبب بنتی ہیں اور ان کو معمولی ورذیل اور گھٹیا کاموں پر مجبور کرتی ہیں۔ اس لئے جب شوہر بیوی کا نان نفقہ اور دوسرے حقوق ادا کر رہا ہو تو بیوی کیلئے قطعاً جائز نہیں ہے کہ وہ شوہر کو ان کے والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے اور مالی خدمات سے روکے۔[2]

شوہر اپنی بیوی سے کتنے دن تک جدا رہ سکتا ہے

شوہر پر جس طرح بیوی کے خانگی حقوق روٹی کپڑے وغیرہ ہیں اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ ہی اس کے مادی اور جنسی حقوق کا پورا کرنا خاوند پر واجب ہے بہت سارے لوگ ظاہری دین کی صورت بنا کر ہر وقت نماز روزے میں مشغول رہتے ہیں اور بیوی کی طرف سے ان کی توجہ ہٹ جاتی ہے یہ ثواب نہیں بلکہ بیوی کی حق تلفی کی وجہ سے الٹا گناہ ہے۔ ایک بڑے ممتاز صحابی حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ ہر وقت عبادت میں لگے رہتے تھے اور بیوی بچوں کی طرف توجہ نہیں تھی تو حضور ﷺ نے بطور تنبیہ کے فرمایا (وان لزوجک علیک حقاً) کہ تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔ اسلئے عورت کی خواہش کا پورا کرنا مرد پر ضروری ہے۔ مرد کی خواہش کی طرح عورت کی

---

[1] والنفقة لكل ذی رحم محرم اذا كان صغيراً فقيراً او كانت امرأة بالغة فقيرة او كان ذكراً فقيراً زمناً او اعمى ويجب ذلك على قدر الميراث ويجبر عليه (عالمگیری ص ۵۶۵ تا ۵۶۶ ج ۱)

[2] مستفاد آپ کے مسائل اور ان کا حل ص ۴۲۷ ج ۵)

بھی خواہش ہوتی ہے بلکہ مرد کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے اس بات کو غنیۃ الطالبین میں بڑے واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

فان لم تشتق نفسه الى الجماع لا يجوز له تركه لان لها حقا في ذلك وعليها مضرة في تركه لان شهوتها اعظم من شهوته وقد روى ابوهريرة رضى الله تعالى عنه ان النبي صلى الله عليه وسلم قال فضلت شهوة النساء على الرجل بتسعة وتسعين الا ان الله تعالى القى عليهن الحياء وقيل الشهوة عشرة اجزاء تسعة منها للنساء وواحدة للرجال والقدر الذى لا يجوز ان يؤخر الوطى عنه اربعة اشهر الا ان يكون له عذر[۲]

مرد کو جماع کی خواہش نہ ہو تب بھی جماع کا ترک کر دینا جائز نہیں ہے اس لئے کہ اس سلسلے میں مرد پر عورت کا حق ہے کہ اس سے مجامعت کرے ورنہ بھی ترک جماع میں عورت کو نقصان ہوتا ہے کیونکہ عورت کی شہوت زیادہ ہے مرد کی شہوت سے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ عورتوں کو مردوں کے مقابلہ میں ننانوے درجہ زیادہ خواہش ہوتی ہے مگر حق تعالی نے ان پر شرم وحیاء کا پردہ ڈال دیا ہے (اس لئے وہ زبان سے اس کا اظہار نہیں کرتیں) اور بعض لوگوں کا قول ہے کہ شہوت کے دس حصے ہیں ان میں سے نو حصہ عورت کو اور ایک حصہ مرد کو ملا ہے۔ اور جائز نہیں ہے کہ مرد عورت سے بلا عذر کے چار ماہ سے زیادہ الگ رہے۔

تنبیہ: اس سے قبل ص ۱۶۷ اور ۱۶۸ پر علامہ ابن قیم کی رائے اس کے خلاف گزر چکی ہے وہ فرماتے ہیں کہ مرد وعورت دونوں میں خواہش یکساں ہوتی ہے بلکہ علامہ پرزور انداز میں عورت کے اندر زیادتی شہوت کے قول کی تردید کر رہے ہیں۔ مگر صاحب غنیہ کی بات وزن دار معلوم ہوتی ہے کیونکہ وہ اپنی بات کو حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع حدیث سے ثابت کر رہے ہیں۔

[۱] بخاری شریف ۷۸۳ ج ۲ [۲] (غنیة الطالبین ص ۳۲ ج۱ ماخوذ فتاوی رحیمیه ص ۱۲۴ ج ۳)

علامہ شامی نے امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کا یہ معمول تھا کہ راتوں کو گلی کوچوں میں گشت لگاتے تھے ایک رات گشت لگاتے ہوئے انھوں نے ایک مکان سے جوان عورت کو شعر پڑھتے سنا کہ وہ شوہر کے فراق میں گا رہی تھی۔

فو الله لولاالله تخشى عواقبه لزحزح من هذا السرير جوانبه

یعنی قسم خدا کی اگر مجھے آخرت کے بارے میں اللہ کا خوف نہ ہوتا تو آج چار پائی کی چولیں ہلتی ہوئی ہوتیں۔ حضرت امیر المومنین نے وجہ دریافت کی تو اس (بے سہارا بندیٔ خدا) نے جواب دیا کہ کافی عرصہ ہوا میرا شوہر جہاد میں گیا ہے اس کی جدائی کے غم کو ہلکا کرنے کیلئے یہ شعر پڑھ رہی تھی۔ (حضرت عمر فاروقؓ بہت زیادہ غمزدہ ہوئے اور گھر واپس آکر) اپنی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہؓ سے دریافت کیا کہ عورت بغیر شوہر کے کتنے دن صبر کر سکتی ہے تو حضرت حفصہؓ نے جواب دیا کہ چار ماہ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے مجاہدین کے سربراہ کے پاس یہ فرمان جاری کیا کہ شادی شدہ فوجی چار ماہ سے زیادہ باہر نہ رہے۔ چار ماہ پورا ہونے پر اس کو گھر آنے کی اجازت دیدی جائے۔ کیونکہ یہ مدت اگر عورت کیلئے زیادہ نقصان دہ نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اتنی مدت کو ایلاء کی مدت کیلئے مشروع قرار نہ دیتے [۱]

چنانچہ آج بھی اسی پر علماء کا فتوی ہے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں۔

(ویجب ان لا یبلغ به مدة الایلاء الا برضاها وطیب نفسها به) [۲] کہ بغیر بیوی کی رضامندی کے چار ماہ سے زیادہ باہر رہنا شوہر کیلئے جائز نہیں ہے۔

---

[۱] ثم قوله وهو اربعة اشهر يفيد ان المراد ايلاء الحرة ويؤيد ذلك ان عمر رضي الله تعالى عنه لما سمع في الليل امرأة تقول

فوالله لولا الله تخشى عواقبه لزحزح من هذا السرير جوانبه

فسأل عنها فاذا زوجها في الجهاد فسأل بنته حفصة كم تصبر المرأة عن الرجل فقالت اربعة اشهر فامر امراء الاجناد ان لا يتخلف المتزوج عن اهله اكثر منها ولو لم يكن في هذه المدة زيادة مضارة بها لما شرع الله تعالى الفراق بالايلاء فيها (شامی صفحہ ۳۸۰ جلد ۴)

[۲] شامی ۳۷۹ جلد ۴

عورت کا حق مجامعت

شریعت میں کسی عورت کا جماع سے متعلق اس کے شوہر پر جو حق ہوتا ہے وہ ایک بار جماع کرنے سے ساقط ہو جاتا ہے جماع کرنے کے بارے میں شوہر خود مختار ہے جب چاہے کرے۔ مگر کبھی کبھی جماع کر لینا اس پر دیانۃً واجب ہے قضاءً واجب نہیں چار ماہ یعنی مدت ایلاء تک شوہر کیلئے جماع نہ کرنا مناسب نہیں۔ خاص کر اتنی مدت تک جماع ترک نہ کرے جو عورت کے برداشت سے باہر ہو کہ خدا نہ خواستہ کہیں زنا میں مبتلا نہ ہو جائے۔

علامہ شامی نے امام ابو حنیفہؒ کا مسلک بیان کیا ہے کہ چار دن میں ایک دن اور ایک رات بیوی کا حق ہے کہ اس سے جماع کرے اور باقی تین دن شوہر کے لئے اختیار ہے۔ اسی کو امام طحاویؒ نے اختیار کیا ہے مگر ظاہر مذہب یہ ہے کہ بلا کسی قید کے شوہر کو حکم دیا جائے گا کہ کبھی کبھی اس کے ساتھ رات گزار لے اور اس سے مجامعت کرلے جتنی شہوت اور خواہش ہو عمل کرے۔ بیوی کے مزاج اور طبیعت کا اندازہ لگا کر اس سے مباشرت کیا کرے ورنہ دونوں میں محبت اور الفت پیدا ہونے کے بجائے نااتفاقی اور نفرت پیدا ہونا ممکن ہے۔[۱]

میاں بیوی کا باہمی حسن سلوک

اوپر تو شرعی قانون کے دائرے میں ان کے جتنے حقوق تھے ان کا تذکرہ کیا گیا ہے ورنہ میاں بیوی کے درمیان کے تعلق کا تقاضا تو یہ ہے کہ دونوں ہم پیالہ وہم نوالہ ہوں ایک دوسرے کے غم خوار ایک دوسرے کے دکھ درد اور خوشی و مسرت میں اس طرح

۱؎ فلما اذا لم یکن له الا امرأة واحدة فتشاغل عنها بالعبادة او السراری اختار الطحاوی روایة الحسن عن ابی حنیفة ان لها یوماً ولیلة من کل اربع لیال وباقیها له الخ وظاهر المذهب ان لایتعین مقدار الخ بل یؤمر ان یبیت معها ویصحبها احیانا من غیر توقیت (شامی صفحه ۳۸۰ جلد۴)

شریک ہوں کہ اگر شوہر کی کچھ مجبوری ہو تو عورت خوشی سے برداشت کرلے ایسا نہیں کہ عورت قانوناً اپنے حقوق کی فہرست بغیر شوہر کی مجبوریوں کا لحاظ کیے شوہر کے سامنے پیش کرے اور انکی عدم ادائیگی کی صورت میں حاکم اور قاضی کے پاس مقدمہ دائر کرے اور ایک اجنبی شخص کی طرح بغیر کسی تعلق ورشتہ داری کا پاس ولحاظ کیے جبراً وقہراً حقوق کا مطالبہ کرے اور نہ شوہر اس بات کا پابند ہو کہ ہر چیز ناپ تول کر بیوی کو دے اور ایک بوجھ سمجھ کر محض رسمی طور پر اس کے حقوق ادا کرے بلکہ بیوی کی ضرورت کو اپنی ضرورت سمجھ کر اس کے ہر تقاضے کو پورا کرنے کی کوشش کرے ان کی ہر اعتبار سے قدر کرے۔ آمدنی کی زیادتی کے مطابق اس کے کھانے کپڑے اور دوسری چیزوں میں کشادگی وفراخی کا معاملہ کرے اس کے ساتھ محبت و پیار وشفقت و بے تکلفی کا اس طرح برتاؤ کرے کہ اس کے ساتھ رہنے سہنے میں کچھ شگوفے کچھ لطیفے خوشی کا اظہار ہنسنے ہنسانے کا موڈ اس کی آرائش وزیبائش اور بناؤ سنگار پر داد تحسین پیش کرے اور اس کے کھانے پکانے اور سلیقہ مندی خوش ذائقہ کی تعریف اور اس کے حسن صورت اور سیرت کو اس طرح سراہے کہ دنیا کی تمام عورتوں سے زیادہ حسین اور سب سے زیادہ خوش مزاج اور عمدہ اخلاق والی سمجھے اور یہ خیال کرے کہ اللہ تعالی کے یہاں جو جوڑا مقدر ہو چکا تھا اسی میں خیر اور بھلائی ہے۔

مرضی مولی از ہمہ اولی   جس میں مالک راضی اس میں ہم راضی

اس کی غلطی اور کوتاہی کو نظر انداز کر کے اس کی ہر خامی کو خوبی پر محمول کرے اس کے ہر کڑوے کھٹے کو برداشت کر کے الفت ومحبت پر محمول کرے۔

الفت میں برابر ہے وفا ہو کہ جفا ہو   ہر چیز میں لذت ہے اگر دل میں مزہ ہو

اس طرح کا معاملہ دونوں طرف سے ہو تو کیا خوشگوار زندگی ہوگی آپ کی طبیعت چاہے یا نہ چاہے ہمارے کہنے سے ایک مرتبہ تجربہ کر کے دیکھئے کیونکہ آپ اس

سے تھوڑی سی محبت کا اظہار کریں گے تو وہ آپ سے دوگنی محبت کا اظہار کریگی کیونکہ یہ عورت کی طبیعت ہے اور میاں بیوی کی اس خوشی کا اثر بال بچے پر بھی پڑے گا اور وہ بھی خوش وخرم رہیں گے اور پھر پورے گھر کے اس خوشگوار ماحول سے گھر میں برکت پیدا ہوگی مصیبتیں دور ہونگی اور یہ چیزیں صرف دنیوی اعتبار سے نفع بخش نہیں بلکہ آخرت میں بھی اس کے ہر عمل پر اس اجر وثواب سے نوازا جائیگا کہ جس کو پاکر وہاں اس حسن معاشرت کی قدر معلوم ہوگی۔

حضور ﷺ کی حدیث ہے:

عن ابی هريرةؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اكمل المؤمنين ايماناً احسنهم خلقاً وخياركم خياركم لنسائهم [1]	حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مومنین میں کامل ترین ایمان اس شخص کا ہے جو سب سے زیادہ خوش اخلاق ہو اور تم لوگوں میں سب

سے بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں کے حق میں بہتر ہوں۔

بیوی کے دین کا خیال رکھنا دوسرے حقوق سے زیادہ اہم ہے

بعض لوگ بیوی کے نان نفقہ اور گھریلو ضروریات کو پورا کر کے اپنے آپ کو بری الذمہ سمجھ لیتے ہیں کہ میرا جو حق تھا میں نے ادا کر دیا حالانکہ شریعت مطہرہ نے جس طرح شوہر پر بیوی کے نان نفقہ اور اس کی دنیوی ضروریات کو پورا کرنے کی ذمہ داری ڈالی ہے۔ اس سے کہیں زیادہ شوہر کو اس بات کا مکلف بنایا ہے کہ بیوی بچے میں کوئی قابل اصلاح چیز نظر آئے تو اس کی اصلاح کی فکر کرے اور اسی طرح عقائد عبادات اور اخلاق وعادات کو آہستہ آہستہ درست کرے صحابہ اور بزرگوں کے گھرانے کی عورتیں

[1] (ترمذی شریف صفحہ ۲۱۹ جلد ۱)

اور اولیاء اللہ کی ماؤں کے واقعات سنائے تو انشاء اللہ عورت ضرور راہ راست پر آجائیں گی کیونکہ عورت کا دل نرم ہوتا ہے نرمی سے سمجھانے پر وہ بات کو مان لیتی ہے نیز اس کی دینی اور اخلاقی تربیت کا قرآن نے بھی حکم دیا ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا ۱؎ اے ایمان والو خود اپنے کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔

اس اہمیت کی وجہ سے حضور ﷺ کو عام تبلیغ سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں میں تبلیغ کا حکم دیا گیا تھا۔

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ ۲؎ یعنی اپنے خاندان والوں اور قریب کے لوگوں کو (جہنم اور انجام کار) سے ڈرائیے۔

اسی لئے حضور ﷺ عام لوگوں کے ساتھ ازواج مطہرات کو بھی دین کی باتیں بتاتے اور دین سیکھنے کے متعلق آگاہ فرماتے رہتے تھے۔ چنانچہ سورۂ احزاب میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ازواج مطہرات کو مخاطب کر کے فرمایا۔

وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِکُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ وَالْحِکْمَۃِ ۳؎ یعنی تمہارے گھروں میں اللہ کی جانب سے نازل شدہ آیات اور علم وحکمت کی باتیں سنائی جاتی ہیں ان کو یاد رکھ کر ان پر عمل کرو۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جو انسان کو مکلف بنایا گیا اس کا تقاضہ یہ ہے کہ باہر کی فکر سے پہلے انسان اپنے گھر کی فکر کرے۔ ورنہ اللہ کے یہاں اس سلسلے میں سوال کیا جائے گا۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا ہے۔

۱؎ پارہ ۲۸ سورہ تحریم آیت ۶
۲؎ سورۃ الشعراء آیت ۲۱۴
۳؎ سورہ احزاب آیت ۳۴

الا کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ[1] کہ خبردار تم سب اپنے ماتحتوں کے ذمہ دار اور نگراں ہو اسلئے قیامت میں ہر ایک سے اس کے ماتحتوں کے متعلق پوچھ ہوگی۔

مگر اصلاح وتربیت میں اس حکم کو سامنے رکھے جس کو قرآن نے بیان کیا ہے۔

اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَالۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ[2] یعنی آپ اپنے رب کی راہ کی طرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ سے بلائیے۔

عورت کی کجی اور ٹیڑھا پن کو ملحوظ رکھے ورنہ درست ہونے کے بجائے ٹوٹ جائیگی اس لئے اس کا بہترین راستہ یہ ہے کہ خود ہی دین کی باتیں روزانہ زبانی اور تعلیمی طریقہ سے سنائے اور جہاں جہاں مستورات کے اجتماعات اور مجلسیں ہوں وہاں کسی محرم یا کسی دیندار عورت کے ساتھ بھیجا کرے نماز، روزہ نہ آتا ہو تو اس کو سکھائے اس کی فضیلت کو بتائے انشاء اللہ العزیز بہت جلد سدھار پیدا ہو جائیگا کیونکہ عورت نرمی کے انداز سے زیادہ قریب آتی ہے۔

عورتوں پر مردوں کے حقوق

اس سے پہلے مردوں کے فرائض اور عورتوں کے حقوق بیان کئے گئے ہیں اب یہاں سے عورتوں کے فرائض اور ان پر مردوں کے کیا کیا حقوق ہیں اُن کو بیان کیا جارہا ہے چنانچہ بیوی پر پانچ چیزیں فرض ہیں۔ (۱) خاوند کی اطاعت (۲) اپنی عصمت اور عزت کی حفاظت، شوہر کے مال کی حفاظت اور ضروری اخراجات میں اعتدال اختیار کرنا (۳) احسان شناسی (۴) اولاد کو دودھ پلانا (۵) حضانت یعنی بچے کی پرورش اور

[1] (مشکوۃ صفحہ ۳۲۰ جلد۲) [2] سورۃ النحل آیت ۱۲۵

اس کی تربیت۔

خاوند کی اطاعت

عورت کے اوپر سب سے پہلا فرض یہ عائد ہوتا ہے کہ اپنے خاوند کی ہر چیز میں اطاعت کرے چنانچہ نیک اور صالح عورت کی سب سے پہلے قرآن نے جو صفت بیان کی ہے وہ یہ ہے:

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ [1] یعنی نیک عورتیں وہ ہیں جو مرد کی قوامیت اور حاکمیت کو تسلیم کر کے ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتی ہیں۔

عورت کے لئے اللہ کے بعد کسی کی اطاعت ضروری ہے تو وہ شوہر کی ہے چنانچہ ابو ہریرہؓ کی روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لو کنت اٰمر احداً ان یسجد لاحد لامرت المرأة ان تسجد لزوجها [2] یعنی اگر میں کسی کو بالفرض حکم کرتا کہ وہ (غیر اللہ) کو سجدہ کرے تو میں یقیناً عورت کو حکم کرتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔

کیونکہ ایک تو رب حقیقی رب العالمین ہے کہ جس نے ہر طرح کی نعمتوں سے نوازا ہے اس کیلئے عبادت ہے اور شوہر بھی ایک رب مجازی ہے کیونکہ محنت و مشقت کر کے اس کی ہر ضرورت کو پوری کرتا ہے ہر طرح کی صعوبتیں اس کے لئے اٹھاتا ہے جس کا شکر عورت صحیح طور پر ادا نہیں کر سکتی اس کے اس احسان کا بدلہ عورت چکانے سے عاجز ہے تو شریعت نے اس کا بدل اس پر اطاعت واجب کی ہے یہی وجہ ہے کہ باپ کی صرف تعظیم و توقیر کو ملحوظ رکھتے ہوئے جہاں تک ہو سکے ان کے مقابلے میں شوہر کی اطاعت کو ترجیح دینے کا حکم ہے والدین اور شوہر کا بیک وقت خوش رکھنا محال اور مشکل ہو تو شریعت کا تقاضا یہ ہے کہ والدین کو چھوڑ کر شوہر کو خوش رکھے۔ یہی دانش مندی ہے

---

[1] سورة النساء آیت ۳۴ [2] ترمذی شریف صفحہ ۲۱۹ جلد ۱

کیونکہ والدین کے گھر کو چھوڑ کر شوہر کا پلہ پکڑ چکی ہے اگر اس کو چھوڑ دے گی تو نہ ادھر کی رہے گی نہ ادھر کی (نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم) شوہر کی اطاعت کرنے کی حدیث میں بڑی فضیلت اور ثواب منقول ہے ایک حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عورت اپنے شوہر کی تابعدار و مطیع ہو تو اس کیلئے پرندے ہوا میں اور مچھلیاں دریا میں اور فرشتے آسمانوں میں اور درندے جنگلوں میں دعاءِ استغفار کرتے ہیں [1]

اسی طرح حضرت ام سلمہؓ سے منقول ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔

ایما امرأة باتت وزوجها عنها راض دخلت الجنة [2] یعنی جو عورت اس حال میں رات گزارے کہ اس کا شوہر اس سے راضی اور خوش ہے تو وہ جنت میں داخل ہوگی۔

شوہر کی اطاعت ہر حال میں لازم اور ضروری ہے چاہے کسی چیز کا نقصان ہی کیوں نہ ہو جائے شوہر کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اس کے پاس پہنچ جائے۔ حضرت طلق بن علیؓ کی روایت ہے حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔

اذا الرجل دعا زوجته لحاجته فلتاته وان كانت على التنور [3] کہ جب مرد اپنی بیوی کو اپنی کسی ضرورت (جماع وغیرہ) کیلئے بلائے تو بیوی کو شوہر کے پاس پہنچ جانا چاہئے اگر چہ وہ چولہے کے پاس ہو۔

شوہر کی اطاعت میں اس امر کا لحاظ بھی کیا جائے کہ فرائض وواجبات کے علاوہ کوئی نفلی عبادت یعنی نفلی روزہ اور نماز بھی شوہر کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر نہیں پڑھنی چاہئے۔ مشکوٰۃ میں ہے حضرت صفوان ابن معطل کی بیوی نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے شوہر کے متعلق شکایت کی کہ میرے شوہر مجھے نماز پڑھنے پر مارتے ہیں۔ روزہ رکھتی ہوں تو تڑوا دیتے ہیں۔ اور خود فجر کی نماز میں سوتے

---

[1] بحر محیط ملخوذ معارف القرآن [2] ترمذی شریف ص ۲۱۹ ج
[3] ترمذی شریف ص ۲۱۹ ج ۱

رہتے ہیں۔ سورج نکلنے پر پڑھتے ہیں۔ اتفاق سے صفوانؓ بھی حضور ﷺ کے پاس اسی وقت حاضر ہوگئے۔ حضور ﷺ نے حقیقت حال ان سے دریافت کی تو بولے کہ میں اس لئے مارتا ہوں کہ میرے منع کرنے کے بعد بھی دو لمبی سورتیں ایک رکعت میں پڑھتی ہے مانتی ہی نہیں آپ ﷺ نے عورت سے فرمایا کہ ایک چھوٹی سی سورت یا آیت پڑھنے سے بھی نماز ہوجاتی ہے۔ صفوان نے کہا میں روزہ اس لئے توڑوا دیتا ہوں کہ یہ جب نفلی روزہ رکھتی ہے تو رکھتی ہی چلی جاتی ہے اور میں جوان آدمی ہوں قابو نہیں پاتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔

لاتصوم امرأة الا باذن زوجها[1] (کوئی عورت نفلی روزہ بغیر شوہر کی اجازت کے نہ رکھے) اور فجر تاخیر سے پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ ہم لوگ رات گئے تک مزدوری کرتے ہیں۔

شوہر کی نافرمانی کرنے کے سلسلے میں حدیث میں وعیدیں بھی بہت ہیں۔

عن ابی هريرةؓ قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم اذا دعا الرجل امرأته الى فراشه فابت فبات غضبان لعنتها الملائكة حتى تصبح (متفق عليه وفي رواية لهما) قال والذي نفسي بيده ما من رجل يدعو امرأته الى فراشه فتابى عليه الا كان الذي في السماء ساخطا عليها حتى يرضى عنها[2]

حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر کوئی آدمی اپنی عورت کو ہم بستر ہونے کے لئے بلائے اور وہ عورت انکار کردے اور شوہر انکار کی وجہ سے رات بھر غصہ کی حالت میں رہے تو فرشتے اس عورت پر صبح تک لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس پاک ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو شخص اپنی عورت کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ انکار کردے

[1] (مشکوۃ شریف صفحہ ۲۸۲ جلد ۲) [2] (مشکوۃ شریف صفحہ ۲۸۰ جلد ۲)

تو وہ ذات جو آسمان میں ہے (اللہ تعالیٰ) اس عورت سے اس وقت تک ناراض رہتا ہے جب تک اس کا شوہر اس سے راضی نہ ہو جائے۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے جو معاذؓ سے منقول ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

لاتؤذی امرأة زوجها فی الدنیا الا قالت زوجته من الحور العین لاتؤذیه قاتلک الله فانما هو عندک دخیل یوشک ان یفارقک الینا[۱]	جب کوئی عورت دنیا میں اپنے شوہر کو تکلیف پہنچاتی ہے تو اس کی جنت والی بیوی یعنی بڑی آنکھوں والی حور کہتی ہے کہ تجھ پر اللہ کی مار پڑے (یعنی اللہ تجھے جنت اور اپنی رحمت سے دور رکھے) اپنے شوہر کو تکلیف نہ پہنچا کیونکہ وہ دنیا میں تیرا مہمان ہے جو جلد ہی تیرے پاس سے جدا ہو کر ہمارے پاس جنت میں آجائے گا۔

معصیت میں اطاعت نہیں

مگر یہ وعیدیں جب ہیں جب کہ وہ جائز کام کا حکم کرے۔ لیکن اگر شوہر برے کام کا حکم کرے مثلاً بے پردہ رہنے اور سینما دیکھنے اور دوستوں اور غیر محرم سے ملنے اور دیگر بے حیائی پر مجبور کرے اور اسی طرح نماز روزہ اور دیگر عبادتوں سے روکے تو پھر اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی اور اس میں اس کی نافرمانی پر کوئی وعید نہیں ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا:

لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق[۲]	خدا کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں کرنی چاہئے۔

---

[۱] (ترمذی شریف صفحہ ۲۲۲ جلد ۱)

[۲] مشکوۃ شریف صفحہ ۳۲۱ جلد ۲

(۲) اپنی عصمت وعزت اور شوہر کے مال کی حفاظت

بیوی پر دوسرا فرض جو عائد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنی عصمت وعزت اور شوہر کے مال وجائیداد کی پوری طرح حفاظت کرے چنانچہ قرآن نے نیک عورت کی دوسری صفت اس طرح بیان کی ہے۔

حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ [۱] یعنی نیک عورتیں وہ ہیں جو اپنے شوہر کی غیر موجودگی میں بھی اپنی عزت وآبرو اور ان کی ہر چیز کی حفاظت کرتی ہیں

اسی طرح حضور ﷺ سے سوال کیا گیا کہ (ای النساء خیر) کونسی بیوی نیک اور بہتر ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

التی تسرہ اذا نظر وتطیعہ اذا امر ولاتخالفہ فی نفسھا ولا فی مالھا بما یکرہ [۲] یعنی نیک اور صالح عورت تو وہ ہے کہ جب اس کا شوہر اس کی طرف دیکھے تو اس کو خوش کردے اور جب شوہر اس کو کسی چیز کا حکم کرے تو اس کو بجالائے (بشرطیکہ وہ حکم شریعت کے خلاف نہ ہو) اور اپنی ذات اور اپنے مال میں کوئی ایسی بات نہ کرے جس کو شوہر پسند نہ کرتا ہو۔

ایسی عورت کے متعلق حدیث میں بشارت آئی ہے۔ چنانچہ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

المرأۃ اذا صلت خمسھا وصامت شھرھا واحصنت فرجھا واطاعت بعلھا فلتدخل من ای ابواب الجنۃ شاءت [۳] یعنی جو عورت پانچوں نماز کی پابندی کرے رمضان کے روزے رکھے اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے اور اپنے خاوند کی اطاعت وفرمانبرداری کرے تو اس عورت کیلئے خوشخبری ہے کہ وہ جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہوجائے۔

لہٰذا عورت کے اوپر واجب ہے کہ وہ اپنی عزت وآبرو کی حفاظت کیلئے تمام

---

[۱] سورۃ النساء آیت ۳۴ [۲] (مشکوۃ شریف صفحہ ۲۸۳ جلد ۲)
[۳] (مشکوۃ شریف صفحہ ۲۸۱ جلد ۲)

تر کوشش کو صرف کرے اور ایسی چیز کا بھی ارتکاب نہ کرے جس سے خود اسکی اور اس کے شوہر کی عزت ووقار پر حرف آتا ہو۔ مثلاً وہ کسی غیر محرم کے سامنے نہ جائے اور نہ اس سے بلاضرورت بات کرے حتیٰ کہ شوہر کے علاوہ کسی محرم کے سامنے بھی احتیاط برتے بغیر نہ آئے۔ اور نہ شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر قدم رکھے۔ اسی طرح اس کے مال کو بلاوجہ برباد نہ کرے اور بڑی بے دردی سے خرچ نہ کرے شوہر کی اجازت کے بغیر دوسرے کو سامان دینا تو درکنار صدقہ کرنا بھی جائز نہیں ہے اگر صدقہ کر دیا تو شوہر کو واپس لینے کا حق ہوگا۔

عورت کا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے شوہر کی آمدنی اور مالیت کا خیال کرتے ہوئے اپنی ضروریات کو پورا کرے فضول خرچی کا مطالبہ نہ کرے یہی وجہ ہے کہ ازواج مطہرات نے جب زیادتی نفقہ کا حضور ﷺ سے سوال کیا تو اس پر سخت تنبیہ کی گئی حالانکہ ازواج مطہرات کا مطالبہ کوئی تعیش اور زیب وزینت کے لئے نہیں بلکہ ضروریات زندگی کی کفایت کیلئے تھا۔

اسی وجہ سے عورت کو بلاضرورت تزئین وآرائش سے منع کیا گیا ہے چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ:

لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الواصلة والمستوصلة والواشمه والمستوشمة

یعنی حضور ﷺ نے بال جوڑنے اور جڑوانے والی اور گدنا گودنے اور گدوانے والی پر لعنت کی ہے۔

اسی طرح ایک اور روایت میں ہے

لعن الله الواشمات والمستوشمات والمتمصات والمتفلجات للحسن المغيرات خلق الله[1]

یعنی اللہ تعالیٰ نے گدنا گودنے والیوں اور گدوانے والیوں اور اپنے چہرے پر سے روئیں اکھاڑنے (حد سے زیادہ تراش خراش کیلئے) والیوں اور اسی طرح

[1] (ابوداؤد شریف صفحه ۵۷۴ جلد۲)

دانتوں کے بیچ میں خلا پیدا کرنے والیوں اور اللہ کی خلقت کو بدلنے والیوں پر لعنت کی ہے۔

اس لئے کہ ان سب چیزوں میں ایک قسم کے فریب کے ساتھ بلا وجہ فضول خرچی ہے حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اعظم النکاح برکۃ ایسرہ مؤنۃ [1] یعنی بلاشبہ بہت زیادہ برکت والا نکاح وہ ہے جو محنت کے لحاظ سے آسان ہو۔

علامہ قطب الدین شارح مشکوۃ فرماتے ہیں کہ (ایسرہ مؤنۃ) سے مراد وہ نکاح ہے جس میں بیوی کا مہر کم ہو اور عورت مال و اسباب اور حیثیت سے زیادہ ضروریات زندگی (یعنی روٹی کپڑا) طلب کر کے مرد کو پریشان نہ کرے بلکہ شوہر کی طرف سے جو کچھ اور جیسا بھی مل جائے برضاء و رغبت اسی پر قانع ہو۔[2]

عورت شوہر کو اپنی مرضی پر نہ چلائے شوہر جو لا کر دیدے اور جو حکم فرمادے اسپر سر تسلیم خم کر دے اپنی رائے کو اس کی رائے پر ترجیح نہ دے اپنے خلاف بھی ہو تو سننے کی عادت ڈالے ایسا نہ ہو کہ جب خاوند نے مزاج کے خلاف کوئی بات کہی یا کوئی کام بھولے سے غلط کر ڈالا تو اب اس کی ناک چڑھ گئی آنکھ سرخ اور پیلی کر کے شوہر کو کڑوی کسیلی سنانا شروع کر دیا کہ تم نے یہ کام کیا تو مجھ سے پوچھ کر کیا تھا میں گھر کی کوئی نہیں ہوتی یوں ہی گھر کو برباد کر ڈالو گے گویا مرد کے بجائے یہ ہی حاکم اور قوام اور نگراں بن بیٹھی ہے۔

(۳) شوہر کا احسان مند رہنا

عورت کا ایک فرض یہ بھی بنتا ہے کہ احسان شناس بنے شوہر کی محنت پر اس کا شکر ادا کرے مگر حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے اندر شکر گزاری کے بجائے ناشکری زیادہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ عورتوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

---

[1] (مشکوۃ شریف صفحہ ۲۶۸ جلد ۲) [2] (مظاہر حق صفحہ ۱۷ جلد ٤)

یا معشر النساء تصدقن فانی اریتکن اکثر اهل النار۱ یعنی اے عورتوں کی جماعت صدقہ کثرت سے کیا کرو اسلئے کہ جہنم میں میں نے زیادہ تر عورتوں کو دیکھا ہے۔

ایک عورت کھڑی ہوئی اور اس نے کہا (بم یارسول اللہ) آخر ہم زیادہ تر جہنمی کیوں ہیں یارسو اللہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دو وجہیں ارشاد فرمائیں۔ کہ تم میں دو بیماریاں ہیں۔ تکثرن اللعن ایک تو یہ ہے کہ تم لعن طعن زیادہ کرتی ہو بس جہاں ایک جگہ بیٹھی دوسرے پر تبصرے غیبت اور دوسرے کی برائی کو اچھالنا اور اپنی صفائی بیان کرنا دوسرے کو طعنہ دینا چھوٹی چھوٹی باتوں پر گالیاں اور لعنت ملامت کرنا شروع کردیتی ہے۔ اور دوسرا مرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (تکفرن العشیر) کہ تم زیادہ تر جہنمی اس لئے ہو کہ شوہر کی ناقدری اور ناشکری کرتی ہو۔ خود حضور ﷺ کی ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ شوہر عمر بھر اس کے ساتھ اچھا سلوک کرتا رہتا ہے جب زیور مانگے تو زیور بھی لا کر دے۔ جوتے چپل مانگے وہ بھی دے کپڑے مانگے کپڑے دے۔ جس چیز کی خواہش کرتی ہے شوہر جہاں سے ہو محنت مزدوری کر کے یا چوری ڈکیتی کر کے اس کی ضروریات کا سامان فراہم کرنے کی کوشش کرتا ہے مگر تھوڑی سی کبھی شوہر سے یا اس کے گھر والوں سے کوئی بات ہوگئی تو کیا کہے گی (ما رأیت منک خیرا قط) کہ میں نے اس اجڑے گھر میں آکر کبھی خیر دیکھی ہی نہیں۔ بس ڈولے میں آئی تھی کھٹولے میں نکل جاؤنگی بیچ میں یہ ساری مصیبت تو میری ہی قسمت میں لکھی تھی بجز گر جائے۔ ہمارے باپ بھائی پر کہ انہوں نے ایسے بھیک منگے گھر میں شادی کردی۔ حضرت مولانا عبدالرب صاحب مرحوم کا قول قاری طیب صاحب" نقل کرتے ہیں کہ اگر خاوند اس سے پوچھے کہ تمہارے پاس کپڑے ہیں تو کہے گی کہاں سے آئے تھے کپڑے وہ چار چیتھڑے پڑے ہوئے ہیں کونسا میرے لئے لباس بنایا تھا۔ اگر کہے کہ تمہارے پاس جوتے (چپل) ہیں تو کہے گی کہاں سے آئے

---

۱ (مشکوۃ شریف صفحہ ۱۳ جلد ۱)

تھے جوتے وہ دولتھڑے پڑے ہوئے ہیں لاکر دیئے تھے جوتے اور پوچھے کہ برتن بھی ہیں گھر میں تو کہے گی وہی چار ٹھیکرے پڑے ہوئے ہیں خود باپ کے گھر سے لیکر آئی تھی وہ کام میں آرہے ہیں ورنہ تم نے کونسے لاکے دے دیئے تھے۔ غریب بیچارہ شوہر ٹک ٹک منھ دیکھ رہا ہے ہائے غریب کے سارے کئے کرائے پر پانی پھیر دیا۔ اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ شوہر کی اتنی ناقدری کرتی ہے کہ عمر بھر کا بدلہ دو لفظ میں چکا دیتی ہے۔ اس لئے تمہاری اکثریت جہنمی ہے۔[۱]

اس لئے میری مائیں اور بہنیں اس حدیث پر غور کرو اور اس طرح زبان درازی کر کے جہنم کومت خریدو۔ شوہر کی ہر اعتبار سے قدرداں بننے کی کوشش کرو اسی میں تمہاری زندگی کی خوشی اور راحت ہے۔

(۴) (رضاعت) اولاد کو دودھ پلانا

ایک فرض عورتوں پر یہ بھی عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو ماں ہونے کے ناطے دودھ پلائے قرآن میں عورتوں کو حکم ہے (وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ[۲]) یعنی ماؤں پر لازم ہے کہ وہ اپنے بچوں کو مکمل دو سال دودھ پلائیں حاشیہ جلالین میں محشی نے فرمایا۔

قوله والوالدات ولو مطلقات فان الارضاع من خصائص الزوجية ولهذا ورد في الحديث انها احق بها مالم تزوج[۳]	یعنی بچے کی ماں بچے کو دودھ پلائے اگر چہ بچے کے باپ نے اس کو طلاق دیدی ہو اور وہ عدت میں ہو اسلئے کہ حضور ﷺ کی حدیث میں وارد ہے کہ

ماں اپنے بچے کو دودھ پلانے کا زیادہ حقدار ہے جب تک کہ دوسری شادی نہ کر لے۔

مگر ماں کے ذمہ دودھ پلانا مطلقاً واجب نہیں ہے بلکہ فقہاء نے کچھ صورتیں

---

[۱] (خطبات حکیم الاسلام صفحہ ٤٩٩ جلد۲) [۲] سورۃ البقرہ آیت ۲۳۳
[۳] (حاشیہ جلالین ۳۵ حاشیہ ۱٦ سورہ بقرہ)

متعین کی ہیں بعض صورتوں میں واجب ہے اور بعض میں واجب نہیں۔

کن صورتوں میں دودھ پلانا واجب ہے

(۱) خود بچہ اور باپ تنگ دست ہے دودھ پلانے کی اجرت دینے سے قاصر ہے اور ماں کو کوئی عذر بھی نہیں ہے (یعنی مرض اور کمزوری بھی ایسی نہیں کہ دودھ پلانے سے اس کو نقصان ہو) تو ماں کے ذمہ اپنے بچے کو دودھ پلانا واجب ہے۔[۱]

(۲) دودھ پلانے والی کوئی عورت نہیں ملتی ہے یا اگر ملتی ہے تو بچے کو اس کا دودھ موافق نہیں آتا تو اس حالت میں بھی ماں پر واجب ہے کہ وہ اپنے بچے کو دودھ پلائے۔

(۳) اسی طرح بچہ ماں کے علاوہ کسی دوسری عورت یا جانور اور ڈبا وغیرہ کا دودھ پیتا ہی نہیں تو اس وقت ماں پر واجب ہے کہ اپنے بچے کو دودھ پلائے۔

بہر حال تینوں صورتوں میں ماں کو اپنے بچے کو دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے گا اگر بلا وجہ نہیں پلائے گی تو گناہ گار ہوگی اس لئے کہ ماں کے دودھ نہ پلانے کی وجہ سے باپ کو خواہ مخواہ ایک قسم کی تکلیف ہوگی حالانکہ قرآن میں ہے کہ (**ولا مولود له بولده**) یعنی کسی باپ کو اس کے بچے کیوجہ سے تکلیف میں نہ ڈالا جائے۔

کن صورتوں میں ماں کے ذمہ دودھ پلانا واجب نہیں صرف مستحب ہے

(۱) بچہ خود مالدار ہے کہ اسکے مال میں سے انّا (دودھ پلانے والی) کی اجرت دی جاسکتی ہے یا باپ خود صاحب استطاعت ہے اجرت دینے پر اس کو قدرت ہے۔

(۲) باپ کے صاحب استطاعت ہونے کے ساتھ کوئی دودھ پلانے والی

---

[۱] وان لم یکن للاب ولا للولد مال تجبر الام علی ارضاعه عندالکل (شامی صفحه ۳۴۷ جلد ۵)

عورت اجرت پر مل جاتی ہے۔

(۳) بچہ کسی عورت یا جانور وغیرہ کا دودھ قبول کرلیتا ہے تو ان تینوں صورتوں میں ماں کے ذمہ دودھ پلانا واجب نہیں ہے اس کو مجبور نہیں کیا جائے گا۔ مگر ماں کیلئے مستحب ہے کہ اپنے بچے کو دودھ پلائے ورنہ شوہر اور بچے کی مالداری سے فائدہ اٹھا کر اپنے بچے کو دودھ پلانے سے انکار کرنا یہ بڑی بے مروتی کی بات ہے۔[1]

کب ماں کو دودھ پلانا نہ واجب ہے نہ مستحب

اگر ماں بیمار ہے یا کمزور ہے یا اس کے علاوہ کوئی ایسا عذر ہے کہ اگر وہ اپنے بچے کو دودھ پلائے گی تو اس کو نقصان پہونچے گا تو اس صورت میں عورت پر بچے کو دودھ پلانا نہ واجب ہے اور نہ مستحب ایسی عورت کو مجبور بھی نہیں کیا جائے گا قرآن میں اس سے منع کیا گیا ہے (لَاتُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا[2]) اپنے بچے کیوجہ سے ماں کسی مشقت میں نہیں ڈالی جاسکتی۔

بلا وجہ ماں کو دودھ پلانے سے منع کرنا

ماں رضامندی سے اپنے بچے کو دودھ پلانے پر تیار ہے اور اس کا دودھ بچے کو نقصان بھی نہیں کرتا تو باپ کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ اپنی کسی رنجش کی بناء پر ماں کو منع کرکے دوسری انا سے دودھ پلوائے آیت کریمہ (لا تضار والدة بولدها) میں یہ بھی داخل ہے۔[3]

[1] یرضعن آہ ای فالایة خبر بمعنی الامر وهذ الامر للندب وللوجوب فالاول عند استجماع ثلاثة شروط قدرة الاب علی الاستجار ووجود غیر الام وقبول الولد لبن الغیر وللوجوب عند فقد واحد منها (حاشیہ جلالین صفحہ ۳۵ جلد۱ حاشیہ ۱۷ سورہ بقرہ)

[2] سورة البقرہ آیت ۲۳۳

[3] بیان القرآن ص۱۳۸ ج۱

جب ماں کا دودھ نقصان دہ ہو

ماں اپنے بچے کو دودھ پلانے پر راضی ہے مگر ماں کا دودھ بچے کی صحت کے لئے مضر ہے یا ماں کی اپنی اخلاقی حالت ٹھیک نہیں ہے جس کی وجہ سے اس کا دودھ پینے سے بچے کے دین اور اخلاق پر غلط اثر پڑنے کا خطرہ ہے تو باپ کے لئے جائز ہے کہ بچے کی ماں کو منع کر کے کسی انا سے دودھ پلوائے (وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ [۱]) یعنی اگر تم چاہو کہ اپنے بچوں کو کسی مصلحت سے ماں کے بجائے کسی انا کا دودھ پلواؤ تو اس میں کوئی گناہ نہیں۔[۲]

ماں باپ دونوں کے باہمی مشورے سے کسی انا سے دودھ پلوانا

اگر ماں باپ دونوں مل کر بچے کی کسی مصلحت کیوجہ سے ماں کے بجائے کسی اور عورت سے دودھ پلائیں تو بھی کوئی حرج نہیں ہے (وان اردتم ان تسترضعوا اولادکم) میں یہ بھی داخل ہے۔

عورت اپنے بچے کو دودھ پلائے تو اس کی اجرت کا مسئلہ

جب عورت اپنے شوہر کے نکاح میں ہے یا شوہر کے طلاق کے بعد عدت میں ہے تو اس کا نفقہ جو شوہر کے ذمہ ہے وہی کافی ہے۔ الگ سے بچے کو دودھ پلانے کی اجرت کا مطالبہ نہیں کر سکتی اور نہ شوہر پر اس کی اجرت واجب ہے قضاءً اس کو بلا اجرت دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے گا مگر عورت نے طلاق کی عدت گزار لی ہے تو اب شوہر پر اس کا نفقہ واجب نہیں رہا اب اگر وہ اپنے بچے کو دودھ پلاتی ہے تو اجرت کا مطالبہ کر سکتی ہے باپ پر اس اجرت کی ادائیگی واجب ہے اب بلا اجرت کے دودھ پلانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔[۳]

---

۱ سورۃ البقرہ آیت ۲۳۳

۲ بیان القرآن ص ۱۳۸ ج ۱

۳ (بیان القرآن ص ۱۳۸ ج ۱)

اجنبی عورت کے دودھ پلانے کی اجرت کا مسئلہ

اگر بچے کو ماں کے علاوہ کوئی اجنبی عورت دودھ پلاتی ہے تو اس کی اجرت باپ پر ہے اگر باپ نہیں تو دوسرے ورثہ کے ذمہ واجب ہے کہ اس انا کی اجرت نقد دے کر اس سے دودھ پلوائیں قرآن میں ہے (وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَا اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۱) یعنی اگر تم لوگ چاہو کہ اپنے بچوں کو (کسی مصلحت کی وجہ سے) ماں کے بجائے انا کا دودھ پلواؤ تو اس میں بھی کوئی گناہ نہیں ہے بشرطیکہ دودھ پلانے والی کی جو اجرت مقرر کی گئی تھی وہ پوری کی پوری ادا کر دیں۔

مسئلہ: صرف کھانے اور کپڑے کے لئے کسی کو نوکر رکھنا درست نہیں لیکن دودھ پلائی کیلئے نوکرانی رکھنا درست ہے۔ لیکن پھر بھی کھانے کپڑے کی حیثیت اچھی طرح کھول کر ٹھہرا لے اور حیثیت کی تصریح نہ کرنے میں اوسط درجے کا واجب ہوگا۔ اور اگر نقد ٹھہرا ہے تو اس کی مقدار اور آگے پیچھے دینے کی شرط خوب صاف بیان کر دے بالمعروف کا یہی مطلب ہے۔ ۲

ماں اور اجنبیہ دونوں اجرت پر دودھ پلائے تو کون مقدم ہوگی

اگر عورت طلاق کی عدت گزار چکی اور پھر اپنے بچے کو اتنے ہی اجرت پر دودھ پلانا چاہتی ہے جتنی اجرت پر دوسری عورت دودھ پلاتی ہے تو ماں کا حق مقدم ہے باپ کیلئے دوسری انا سے دودھ پلانا جائز نہیں ہے (لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ) میں یہ بھی داخل ہے۔

ہاں اگر ماں کے علاوہ دوسری عورت مفت میں پلاتی ہے یا ماں جتنی اجرت مانگتی ہے اس سے کم میں پلانے کو دوسری عورت تیار ہے تو پھر ماں کا حق مقدم نہیں باپ

۱ سورۃ البقرہ آیت ۲۳۳ ۲ (بیان القرآن ص ۱۳۸ ج ۱)

کیلئے جائز ہے کہ وہ دوسری عورت سے پلائے (وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ) میں یہ بھی داخل ہے۔[۱]

مدت رضاعت

دودھ پلانے کی مدت قرآن میں اس طرح بیان کی گئی ہے (وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ) یعنی مائیں اپنے بچوں کو مکمل دو سال دودھ پلائیں یہ ہی مذہب صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) کا ہے اسی پر فتوی ہے لیکن حضرت امام صاحب کے نزدیک تیس ماہ یعنی ڈھائی سال ہے لہٰذا اگر بچے کی کمزوری وغیرہ کی وجہ سے ڈھائی سال تک بھی پلاوے تو کوئی گناہ نہیں لیکن ڈھائی سال کے بعد بچے کو دودھ پلانا بالاتفاق حرام ہے۔

نوٹ: دودھ پلانے کی اجرت دو ہی سال تک واجب ہے اس لئے اگر مطلقہ ماں دو سال کے بعد کی مدت کی اجرت کا بھی مطالبہ کرے تو باپ کو دو سال کے بعد کی اجرت دینا واجب نہیں باپ کو مجبور نہیں کیا جائے گا۔[۲]

مدت رضاعت سے قبل دودھ چھڑانے کا حکم

بچے کی کسی بیماری کی وجہ سے یا ماں کے معذور ہونے کی وجہ سے ماں باپ دونوں ملکر باہمی مشورے سے دو سال سے کم ہی مدت میں بچے کا دودھ چھڑا دیں تو بھی کوئی گناہ نہیں ہے اس کو قرآن میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا[۳]	ماں باپ دودھ چھڑانا چاہیں باہمی رضامندی اور مشورہ سے تو ان دونوں پر کسی قسم کا گناہ نہیں ہے۔

---

[۱] (بیان القرآن صفحہ ۱۳۸ جلد ۱) [۲] ووقت الرضاع فی قول ابی حنیفة رحمه الله تعالی مقدره بثلاثين شهرا وقالا مقدر بحولين هكذا فی فتاوی قاضی خان الخ واجمعوا على ان مدة الرضاع فی استحقاق اجرة الرضاع مقدر بحولين حتى ان المطلقة اذا طالبته بعد الحولين باجرة الرضاع فابى الاب ان يعطى لا يجبر ويجبر فی الحولين (عالم گیری صفحہ ۳۴۲ تا ۳۴۳ جلد ۱) [۳] سورة البقرہ آیت ۲۳۳

یہاں پر (عن تراض منهما) کی قید سے معلوم ہوا کہ آپس کی رضامندی سے بچے کی مصلحت پیش نظر ہونی چاہئے کہیں آپس کی لڑائی جھگڑے میں پڑ کر بچہ کو تختۂ مشق نہ بنالیں۔

بغیر شوہر کی اجازت کے دودھ پلانے کا حکم

کوئی عورت اپنے شوہر کی اجازت اور مرضی کے بغیر کسی بچے کو دودھ نہ پلائے البتہ اگر کوئی بچہ بھوک کی وجہ سے مر رہا ہو تو اس کی جان بچانے کے لئے بغیر شوہر کی اجازت کے بھی پلاسکتی ہے[1]

رضاعی ماں کی تعظیم وتکریم

دودھ پلانے والی عورت بچہ کی ماں ہوتی ہے اس کا احترام واکرام بھی کرنا حضور علیہ السلام سے ثابت ہے۔

عن ابی الطفیل الغنوی قال کنت جالساً مع النبی ﷺ اذ اقبلت امرأة فبسط النبی صلی الله علیه وسلم ردائه حتی قعدت علیه فلما ذهبت قیل هذه ارضعت النبی صلی الله علیه وسلم[2]	حضرت ابوطفیل غنویؓ کہتے ہیں کہ ایک دن میں نبی ﷺ کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ اچانک ایک عورت (دائی حلیمہ) آئی حضور ﷺ نے اس کی تعظیم کی غرض سے اپنی چادر بچھادی اس پر وہ عورت بیٹھ گئی جب وہ چلی گئی تو (ان صحابہ کو جو متعجب تھے) بتایا گیا کہ یہ وہ خاتون ہے جس نے حضور ﷺ کو دودھ پلایا ہے۔

اسی طرح اس کی مالی خدمت بھی کرتے رہنا چاہئے۔

(۵) (حضانت) یعنی چھوٹے بچے کی پرورش کا بیان

بیوی کے فرائض میں سے ایک فرض چھوٹے بچے کی پرورش بھی ہے اگر چہ

[1] یکره للمرأة ان ترضع صبیا بلا اذن زوجها الا لذا خافت هلاکه (شامی صفحه ۴۰۲ جلد۴) [2] (مشکوة شریف صفحه ۲۷۴ جلد ۲)

باپ کو اس سے بری نہ ہونا چاہئے بلکہ دونوں کو مل کر یہ کام کرنا چاہئے چنانچہ قرآن کے حکم کے مطابق ماں کو چاہئے کہ بچے کے پیدا ہوتے ہی دودھ پلانا شروع کر دے اگر کوئی مانع موجود ہو تو الگ بات ہے اور دودھ کی مدت پوری ہونے کے بعد بھی اس کی پرورش کا سب سے زیادہ حق ماں کو ہے خواہ ماں بچے کے باپ کے نکاح میں ہو یا مطلقہ ہوگئی ہو لیکن اگر ماں طلاق کے بعد پرورش کرنے سے انکار کر دے اور کوئی دوسرا ذی رحم محرم اس کی پرورش کرنے والا نہ ہو تو بچہ کو ضائع ہونے سے بچانے کیلئے ماں کو مجبور کیا جائے گا۔

کن صورتوں میں ماں کا حقِ تقدم ختم ہو جاتا ہے

ماں بچے کی پرورش کی زیادہ حقدار ہے مگر چند صورتیں ایسی ہیں کہ اس کا حق تقدم ختم ہو جاتا ہے (۱) ماں اگر مرتد ہو جائے (۲) یا بدکار فاسقہ ہو جس سے امن کی امید نہ ہو (۳) یا بچے کے باپ کی وفات یا طلاق کے بعد اس بچے کے غیر محرم سے شادی کر لی تو ان صورتوں میں ماں کو سب سے زیادہ حق نہیں ہوگا۔ اگر ماں نے بچے کے محرم رشتہ دار مثلاً بچے کے چچا سے نکاح کیا تو اس صورت میں اس کا حق ساقط نہیں ہوگا۔

اسی طرح ماں نے پہلے غیر محرم سے نکاح کیا پھر بعد میں اسکے مرنے کے بعد یا طلاق کے بعد بچے کے محرم سے نکاح کر لیا تو اس کا حقِ تقدم لوٹ آئے گا۔ یہاں پر محرم سے مراد بچے کا نسبی رشتہ دار ہے رضائی رشتہ دغیرہ اجنبی کے حکم میں ہے۔

اسی طرح ماں مرتد ہوگئی تھی بعد میں اس نے توبہ کر لی اور ایمان میں لوٹ آئی تو اسکا حقِ تقدم لوٹ آئیگا اور دوسرے گناہوں سے توبہ کرنیکی صورت میں بھی یہی حکم ہے۔[۱]

---

[۱] احق الناس بحضانة الصغير حال قيام النكاح او بعد الفرقة اللام الا أن تكون مرتده او فجره غير مامونه كذا في الكافي سواء لحقت المرتده بدار الحرب ام لا فان تابت فهي احق به كذا في البحر الرائق وكذا لو كانت سارقه او مغنيه او نائحه فلا حق لهاهكذا في النهر الفائق ولا تجبر عليها في الصحيح لاحتمال عجزها الا ان يكون له ذو رحم محرم غيرها فحينئذ تجبر علي حضانته كيلا يضيع الخ او متزوجة بغير محرم (عالم گیری صفحه ۵۴۱ جلد ۱) بغير محرم اى من جهة الرحم فلو كان محرما غير رحم كالعم رضاعاً او رحما من النسب محرماً من الرضاع كابن عمه نسبا هو عمه رضاعاً فهو كالاجنبي (شامی صفحه ۲۰۰ جلد ۵) وتعود الحضانة بالفرقة البائنة لزوال المانع (درمختار على هامش شامی ۲۶۷ جلد ۵)

ماں کے بعد پرورش کا حق کس کو ہے

ماں اگر مرگئی یا مذکورہ موانع پیش آگئے یا پرورش کو اس نے قبول نہیں کیا جس کی وجہ سے حقِ تقدم کی اہل نہ رہی جیسے مرتد ہوگئی یا فاسقہ ہوگئی یا غیر محرم سے نکاح کرلیا تو پھر اس بچے کی پرورش کا زیادہ حق نانی کو ہوگا پھر پر نانی کو اوپر تک اگر نانیاں نہ ہوں تو پھر دادی کو پھر پر دادی کو اوپر تک اگر دادیاں بھی نہ ہوں تو پھر بچے کی حقیقی بہن کو حق ہوگا اس کے بعد اخیافی بہن یعنی صرف ماں شریک بہن کو اس کے بعد سوتیلی یعنی صرف باپ شریک بہن کو حق ہوگا اگر یہ سب بہنیں بھی نہ ہوں یا موجود ہوں مگر اہلیت نہیں رکھتیں تو اس کے بعد خالہ کو حق ہوگا اس کے بعد پھوپھی کو اور بھانجیاں بھتیجیوں سے مقدم ہونگی اسیطرح بھتیجیاں پھوپھیوں سے مقدم ہوں گی اگر ایسی کوئی عورت نہیں ہے جس کو پرورش کا حق پہونچتا ہے تو پھر اس کی پرورش کا حق عصبات کو ہوگا اسی ترتیب سے جو میراث میں ہوتی ہے مگر لڑکی کسی ایسے عصبہ کی پرورش میں نہ دی جائے جو غیر محرم ہو جیسے چچا کا لڑکا یا ایسا عصبہ جو فاسق اور لاپرواہ ہو۔ بلکہ قاضی کسی اچھی عورت کو جو امانت دار ہے حوالہ کردیگا۔[1]

پرورش کی مدت

لڑکے کی پرورش کا حق اس وقت تک باقی رہے گا جب تک کہ عورتوں کی خدمت سے وہ بے نیاز نہ ہوجائے یعنی بچہ خود تنہا کھانے پینے لگے کپڑے پہننے لگے اور خود استنجاء کرنے لگے تو اس کے بعد زبردستی بچے کو اس کا باپ اپنی تحویل میں لے سکتا

---

[1] ثم ای بعد الام بان ماتت او لم تقبل او اسقطت حقها او تزوجت بلجنبی ام الام وان علت عند عدم أهلية القربى ثم ام الاب وان علت الخ ثم الاخت لاب وام ثم لام الخ ثم الاخت لاب ثم بنت الاخت لابوين ثم للام ثم للاب ثم الخالات كذالك الخ ثم العمات كذالك ...... ثم العصبات بترتيب الارث (درمختار) ثم العصبات ای ان لم يكن للصغير لحد من محارمه النسك الخ سوی فاسق استثناء من قوله ثم العصبات الخ مطلب لو كانت الاخوة او الاعمام غير مأمونين لاتسلم المحضونة اليهم... ينظر القاضي لمرأة ثقة عدلة امينة فيسلمها اليها الى ان تبلغ (شامی صفحہ ۲۶۳ تا ۲۶٤ جلد ٥)

ہے اس کی نگہداشت کرسکتا ہے اس کی مدت حضرت خصافؒ نے سات سال مقرر کی ہے صاحب درمختار اسی قول کو مفتیٰ بہ قرار دیا ہے ہیں اسلئے کہ عادۃً اتنی عمر تک بچہ خود کھانے پینے پہننے لگتا ہے اور اپنا کام انجام دینے لگتا ہے اسی وجہ سے تو حضور ﷺ نے فرمایا (**مروا اولادکم بالصلوة وهم ابناء سبع سنين** [۱]) کہ جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اس کو نماز کا حکم دو۔

اور لڑکی کی صورت میں ماں نانی اور دادی اس وقت تک پرورش کی مستحق رہے گی جب تک کہ اس کو حیض نہ آجائے یعنی بالغہ نہ ہو جائے اور ماں نانی دادی کے علاوہ دوسری عورتوں کے استحقاق کے بارے میں شرط یہ ہے کہ جب لڑکی قابل شہوت یعنی مرد کے قابل ہو جائے تو اس کی پرورش سے نکل جائے گی اور اس کی مدت صاحب درمختار نے نو سال مقرر کی ہے اور یہی مفتیٰ بہ قول ہے۔[۲]

پرورش کے خرچ کی ذمہ داری باپ پر ہے

بچے کی پرورش اگرچہ ماں کرے گی اور ماں کی عدم موجودگی میں دوسری عورتیں کریں گی مگر خرچ باپ ہی کو دینا ہوگا جبکہ بچے کی ملکیت میں کوئی مال نہ ہو اگر بچے کی ملکیت میں کوئی مال و جائیداد ہے تو اسی مال میں سے خرچ دیا جائے گا باپ پر ذمہ داری عائد نہیں ہوگی اس کے متعلق پوری تفصیل نفقۃ الاولاد کے تحت گزر چکی ہے لیکن اگر بچہ اور بچی کا باپ نہیں ہے اور اس کی جائیداد میں کوئی مال بھی نہیں ہے تو پھر اس کے نفقہ کے ذمہ دار وہ قریبی رشتہ دار ہونگے جو اس کے وارث ہو سکتے ہیں اور خرچ

[۱] ابوداؤد شریف ص ۷۱ جلد ۱

[۲] والحضانة ... احق به ای بالغلام حتى يستغنى عن النساء وقدره بسبع وبه يفتى لانه الغالب ولو اختلفا في سنه فان اكل وشرب ولبس واستنجى وحده دفع اليه ولو جبرا والا لا والام والجدة لام او لاب احق بها بالصغيرة حتى تحيض اى تبلغ فى ظاهر الرواية الخ وغيرهما احق بها حتى تشتهى وقدر بتسع وبه يفتى وبنت احدى عشرة مشتهاة اتفاقا (درمختار على هامش شامى ۲۶۷ تا ۲۶۸ جلد ۵)

کی ذمہ داری میراث کے اعتبار سے ہوگی۔[۱]

بچہ کی دینی واخلاقی تربیت

بچے کی جسمانی پرورش کیساتھ اس کی دینی اور اخلاقی تربیت بھی سب سے پہلے ماں اوراس کے بعد باپ کے ذمہ ہے جس ماں نے اپنے بچے کی دینی واخلاقی تربیت نہیں کی تو صرف اس نے حقوق تربیت ہی میں کوتاہی نہیں کی بلکہ پورے معاشرے میں بگاڑ کا سبب پیدا کیا ہے کیونکہ جس بچے کی شروع سے تربیت نہیں کی جائے تو وہ اپنے اہل وعیال اور پورے معاشرے کے دین واخلاق کے لئے مفید نہیں مضر ثابت ہوگا اگراس کی تربیت اچھی ہوگی تو وہ گھریلو اور معاشرتی اور عالمی اعتبار سے مفید ثابت ہوگا اسی لئے تو حضو ﷺ نے ولد صالح کو بھی صدقہ جاریہ قرار دیا ہے ماں باپ کی یہ ذمہ داری ہے کہ بچے کی شروع سے ہی اصلاح کریں۔

چنانچہ حضو ﷺ کی ایک اور حدیث ہے:

الاکلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته فالامام الذی علی الناس راع وهو مسئول عن رعیته والرجل راع عن اهل بیته وهو مسئول عن رعیته والمراة راعیة عن بیت زوجها وولده وهی مسئولة عنهم الی آخر الحدیث [۲]

یعنی حضو ﷺ نے فرمایا کہ خبردار تم میں ہر شخص اپنی رعیت کا نگہبان ہے اور قیامت کے دن تم میں سے ہر شخص سے اسکی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا لہٰذا امام یعنی سربراہ مملکت وحکومت (عام) لوگوں کا نگہبان ہے اس کو اپنی رعیت کے بارے میں جوابدہی کرنی ہوگی اورمرد اپنے گھر والوں کا ذمہ دار

---

[۱] ونفقة الصغیر واجبة علی ابیه وان خالفه فی دینه (هدایة ٤٤٥ جلد٢) وانما تجب النفقة علی الاب اذا لم یکن للصغیر مال اما اذا کان فالاصل ان نفقة الانسان فی مال نفسه صغیرا کان او کبیرا (هدایه ٤٤٥ جلد ٢) والنفقة لکل ذی رحم محرم اذا کان صغیرا فقیرا الخ ویجب ذلك علی مقدار المیراث ویجبر علیه (هدایه ٤٤٦ تا ٤٤٧ جلد ٢)

[۲] (مشکوة شریف صفحه ٣٢٠ جلد ٢)

ہے اس سے اس کے گھر والوں کے متعلق سوال ہوگا اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچے کی نگراں ہے اس سے اس کے حقوق کے بارے میں جوابدہی کرنی ہوگی ۔

بچوں کی تعلیم وتربیت کے سلسلے میں کثرت سے احادیث وارد ہوئی ہیں چنانچہ حضور علیہ ﷺ کی ایک حدیث ہے۔

ما نحل والد ولدا من نحل افضل من ادب حسن [1]

کسی باپ کا اپنے بچے کیلئے اس سے بہتر کوئی عطیہ نہیں ہے کہ وہ اسکو اچھا ادب سکھائے

اور حضور علیہ ﷺ نے صرف سرسری طور پر یہ ہدایت اور ادب سکھانے کی تعلیم نہیں دی بلکہ فرمایا کہ ضرورت ہو تو اس کو سخت تنبیہ بھی کرو صاحب مشکوٰۃ ایک حدیث نقل فرماتے ہیں کہ حضور علیہ ﷺ نے فرمایا:

مروا اولادکم بالصلاۃ وھم ابناء سبع سنین واضربوھم علیھا وھم ابناء عشر سنین وفرقوا بینھم فی المضاجع [2]

یعنی بچہ جب سات سال کا ہو جائے تو اس کو نماز کا حکم دو اور جب دس سال کا ہو جائے تو نماز چھوڑنے پر مارو اور ان کی خواب گاہیں الگ کردو۔

خواب گاہ علیحدہ کرنے کا حکم ایک حکمت پر مبنی ہے جو اس کی اخلاقی اصلاح کے لئے ضروری ہے حضرت تھانویؒ نے عورتوں کو ہدایت کرتے ہوئے فرمایا کہ اپنی اولاد کو نماز سکھلاؤ اور نماز نہ پڑھنے پر تنبیہ وتاکید کرو علم کی رغبت دلاؤ یہ تو قول کی تعلیم ہوئی مگر اس کے ساتھ فعل سے بھی تعلیم کرو اور تم خود بھی اپنی حالت کو درست کرو والدین کے افعال دیکھ دیکھ کر بچہ وہی کام کرنے لگتا

[1] (ترمذی شریف صفحہ ۱۶ جلد ۲)
[2] (مشکوۃ صفحہ ۵۸ جلد ۱)

ہے جوان کو کرتے دیکھتا ہے بلکہ ایک بات تجربہ کی بتلاتا ہوں کہ اگر بچہ پیدا ہونے سے پہلے والدین اپنی حالت درست کرلیں تو بچہ نیک پیدا ہوگا بچے کی پیدائش سے پہلے بھی جو افعال واحوال والدین پر گزرتے ہیں ان کا بھی اثر اس میں آتا ہے چنانچہ ایک بزرگ کا بچہ بڑا شریر تھا کسی نے ان سے کہا کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ آپ تو ایسے بزرگ اور آپ کا بچہ ایسا شریر تو فرمایا کہ ایک دن میں نے ایک امیر کے گھر کھانا کھالیا تھا اس سے نفس میں ہیجان ہوا اس وقت میں اس کی ماں کے پاس گیا اور حمل قرار پاگیا تو یہ بچہ اس مشتبہ غذا کا ثمرہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ حمل قرار پانے کے وقت والدین کی جو حالت ہوگی اچھی یا بری اس کا بھی اثر بچہ میں آئے گا بعض کتابوں میں ایک حکایت لکھی ہے کہ دو میاں بیوی نے آپس میں یہ صلاح کی کہ آؤ ہم دونوں سب گناہوں سے توبہ کرلیں اور آئندہ کوئی گناہ نہ کریں تاکہ بچہ نیک پیدا ہو چنانچہ اس کا اہتمام کیا گیا اسی حالت میں حمل قرار پایا اور بچہ پیدا ہوا تو وہ بہت صالح اور سعید پیدا ہوا ایک روز اس بچہ نے کسی دوکان پر سے ایک بیر چرایا مرد نے بیوی سے کہا کہ بتلاؤ یہ اثر کہاں سے آیا اس نے بیان کیا کہ پڑوس کے گھر میں جو بیری کا درخت کھڑا ہے اس کی ایک شاخ ہمارے گھر میں ہے اس میں سے ایک بیر لٹک رہا تھا میں نے وہ توڑ لیا تھا مرد نے کہا بس اسی کا اثر ہے جو آج ظاہر ہوا۔

اولاد کے نیک ہونے کیلئے اول درجہ تو یہ ہے کہ والدین خود نیک بنیں دوسرا درجہ یہ ہے کہ پیدا ہونے کے بعد اس کے سامنے بھی کوئی بیجا حرکت نہ کریں اگرچہ وہ بالکل ناسمجھ بچہ ہو کیونکہ حکماء نے کہا ہے کہ بچے کے دماغ کی مثال پریس جیسی ہے جو چیز اس کے سامنے آتی ہے وہ دماغ میں منقش ہوجاتی ہے جب اس کو ہوش آتا ہے تو

وہی نقوش اس کے سامنے آجاتے ہیں اور وہ ایسے ہی کام کرنے لگتا ہے جو اس کے دماغ میں پہلے سے منقش ہیں تیسرا درجہ یہ ہے کہ جب بچہ بڑا ہو جائے تو اس کو علم دین سکھاؤ اور خلافِ شریعت کاموں سے بچاؤ اور نیک لوگوں کی صحبت میں رکھو برے لوگوں کی صحبت سے بچاؤ غرض جس طرح بزرگوں نے لکھا ہے اسی طرح بچوں کی تعلیم کا اہتمام کر دے[1]

بچے کے پیدا ہونے کے بعد کیا کرنا چاہئے

(۱) ولادت کے بعد کوشش یہ ہو کہ کسی اللہ والے نیک تر ولی سے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کے کلمات کہلوائے جائیں۔ (۲) کسی نیک آدمی سے تحنیک کرائی جائے یعنی کوئی میٹھی چیز کھجور وغیرہ چبا کر بچے کے منھ میں تالو کیطرف چپٹا دیا جائے۔ (۳) اس کا اچھا نام رکھا جائے۔ (۴) ساتویں دن بچہ کا عقیقہ کر دیا جائے یا اس کی قیمت غریبوں میں تقسیم کر دی جائے۔

میاں بیوی کا خوشگوار معاشرہ

یہ تو قانونی فرائض اور حقوق کی بات تھی ورنہ ہمارے دین فطرت کے حسن سلوک کی بات تو یہ ہے کہ میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کے دکھ درد اور خوشی و مسرت کا خیال رکھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے درمیان تقسیم کار تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ باہر کے کام انجام دیتے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اندر کا انتظام چلاتی یہی نبی کریم ﷺ کی سنت ہے جو ہمارے لئے لائق عمل ہے قانون کی باریکیوں میں ہر وقت پڑنے سے زندگی خوشگوار ہونے کے بجائے آپسی کھنچاؤ اور کشیدگی پیدا ہو کر رہ جائے گی۔ قانونی مسئلہ اور ہے حسن معاشرت اور چیز ہے

[1] ملخوذ خطبات حکیم الامت صفحہ ۵۵ تا ۵۶ جلد ۴

حسن سلوک پر عمل کرنے سے ازدواجی زندگی خوشگوار ہوتی ہے۔

اپنے شوہر کی دینداری کا خیال رکھنا

جس طرح عورتوں کے اوپر اپنے شوہروں کے دنیوی حقوق ہیں اس طرح بیویوں کا فرض بنتا ہے کہ اپنے شوہروں کے دین کا بہت خیال رکھیں کہ وہ ہمارے واسطے حلال مال کما کر لاتے ہیں یا حرام، رشوت اور سود وغیرہ کی آمدنی پر سمجھائیں اور ایسی آمدنی لینے سے اجتناب کریں دوسرے کے حقوق کو ادا کرنے کی ترغیب دیں اسی طرح نماز روزہ دیگر عبادتوں کے چھوڑنے پر اس کو نرمی سے سمجھائیں اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ خود اس پر عمل کریں پھر شوہر کو کہنے سے انشاء اللہ اس کا فائدہ ہوگا۔

اس کے علاوہ بیوی پر اور کیا خدمات ہیں

عورتوں کے اوپر شوہروں کے مذکورہ بالا فرائض اور حقوق کے علاوہ قانونی اعتبار سے اور کوئی ذمہ داری نہیں لہٰذا شوہر کا کھانا پکانا اس کا کپڑا صاف کرنا اس کے گھر میں جھاڑو لگانا بدنی خدمات وغیرہ کرنا بیوی پر واجب نہیں ہے کر دے تو احسان ہے جبر نہیں کیا جائے گا۔[1]

ساس سسر وغیرہ کی خدمات

جب یہ معلوم ہو گیا کہ عورت پر شوہر اور اس کی اولاد کا کھانا پکانا تک واجب نہیں تو شوہر کے ماں، باپ، بھائی، بہن وغیرہ کی خدمات بطریق اولیٰ واجب نہیں۔ شوہر کے ماں، باپ اور دوسرے رشتہ دار اس کو اپنی خدمات پر مجبور نہیں کر سکتے۔ مگر آج ہمارے یہاں کا دستور چل پڑا ہے کہ ساس سسر بیٹے کی خدمت سے پہلے اپنا حق سمجھتے

---

[1] ولیس علیہا ان تعمل بیدھا شیئا لزوجہا قضاءً من الخبز والطبخ وکنس البیت وغیر ذالک (قاضی خاں علی ھامش عالمگیری صفحہ ۴۴۳ جلد۱)

ہیں کہ وہ میری خدمت کرے اور پھر اس بہو سے اپنی خدمات سے متعلق تھوڑی بہت کوتاہی ہو جاتی ہے تو ساس، نند وغیرہ جھگڑتی ہیں کیونکہ جن حقوق وحدود کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے ان سے وہ ناواقف ہیں شرعاً شوہر کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی بیوی کو اپنے ماں باپ اور دوسرے رشتہ دار کی خدمات پر مجبور کرے لیکن بہو اگر خوشی اور رضامندی سے اپنے شوہر اور اس کے والدین کی جتنی خدمت کرے گی اس کا عند اللہ بہت بڑا درجہ ملے گا اور ایسا کرنے سے گھر کی فضا خوشگوار ہو گی۔[1]

بہو کی خدمت کی قدر کی جائے

ساس سسر کی خدمت بہو پر واجب نہیں اگر وہ خدمت انجام دے رہی ہے تو اس کا احسان ہے اس کی قدر کرنا ساس سسر پر ضروری ہے اس کا بدلہ دینے کی کوشش کریں اس کی خدمت کی تعریف کریں اس کے ساتھ اپنی بیٹی جیسا برتاؤ کریں۔

حضور علیہ السلام کی حدیث ہے:

من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ[2]

جس نے (اپنے محسن) انسان کا شکر ادا نہیں کیا اس نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا۔

زوجین میں سے کسی کے انتقال پر ازدواجی تعلق ختم ہو جاتا ہے

میاں بیوی میں سے کسی ایک کے انتقال کر جانے سے دنیاوی احکام کے لحاظ سے رشتہ زوجیت ختم ہو جاتا ہے خصوصاً بیوی کی وفات سے فوراً یہ رشتہ ٹوٹ جاتا ہے شوہر کی حیثیت ایک اجنبی مرد جیسی ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ زوجہ کے مرنے کے بعد شوہر اس کی بہن یا اس کی دیگر محرمات رشتہ دار عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے۔ اگر رشتہ نکاح باقی رہتا تو پھر بیوی کی بہن وغیرہ سے نکاح کرنے میں جمع بین الاختین لازم آتا جو ناجائز ہے لہٰذا بیوی کے انتقال کے بعد شوہر نہ تو اس کو ہاتھ لگا سکتا ہے، نہ غسل دے

[1] مستفاد آپ کے مسائل اور ان کا حل ۱۷۵ جلد ۵ [2] ترمذی شریف ۱۷ جلد ۲

سکتا ہے اور نہ قبر میں اتار سکتا ہے قبر میں اتارنے کے لئے اس کے محرم رشتہ دار باپ، بیٹا، بھائی وغیرہ ہونے چاہئیں اگر کوئی محرم نہیں تو بدرجہ مجبوری دیگر اجنبی مرد کیساتھ شوہر بھی شریک ہو سکتا ہے۔

نیز عورت کی نماز جنازہ کے سلسلے میں بھی شوہر کو ولایت حاصل نہیں ولایت کا حق سب سے پہلے بیٹا کو ہوگا پھر پوتا کو پھر باپ کو پھر دادا پرداد کو پھر بھائی بھتیجہ اور اس کی اولاد کو اگر عورت کے اولیاء عصبات میں سے کوئی نہ ہو تو پھر دیگر اجنبی کے مقابلہ میں شوہر کو حق ہوگا۔

البتہ عورت کے انتقال کے بعد شوہر اس کا منہ دیکھ سکتا ہے اسی طرح جنازہ کو کندھا لگانا اور نماز جنازہ میں شرکت کرنا جائز ہے۔

ہاں شوہر کے انتقال کے بعد نکاح کے آثار عدت تک باقی رہتے ہیں خواہ شوہر نے اس سے وطی کی ہو یا نہ کی ہو بغیر عدت وفات گذارے دوسرے مرد سے نکاح بھی نہیں کر سکتی کیونکہ وہ ابھی منکوحۃ الغیر کے حکم میں ہے لہٰذا بیوی کے لئے شوہر کے مرنے کے بعد اس کو ہاتھ لگانا، غسل دینا وغیرہ درست ہے۔ البتہ اگر شوہر کی حیات ہی میں میاں بیوی کے درمیان بینونت واقع ہوگئی بایں طور کے شوہر نے طلاق بائن یا طلاق مغلظہ دیکر انتقال کیا تو اب عورت اپنے شوہر کو غسل بھی نہیں دے سکتی ہے!

لے ویمنع زوجها من غسلها ومسها لامن النظر اليها على الاصح (درمختار) (وهي لاتمنع من ذلك) اى من تغسيل زوجها دخل بها اولا... قلت اى لانها تلزمها عدة الوفاة ولولم يدخل بها وفي البدائع المرأة تغسل زوجها لان اباحة الغسل مستفادة بالنكاح فتبقى ما بقي النكاح والنكاح بعد الموت باق الى ان تنقضي العدة بخلاف ما اذا ماتت فلا يغسلها لانتهاء ملك النكاح لعدم المحل فصار اجنبيا وهذا اذا لم تثبت البينونة بينهما في حال حياة الزوج فان تثبت بان طلقها بائنا او ثلاثا ثم مات لاتغسله لارتفاع الملك بالابانة الخ (شامي صفحه ۹۰ تا ۹۱ جلد ۲) ثم الولي بترتيب عصوبة الانكاح الا الاب فيقدم على الابن اتفاقاً (درمختار) فلا ولاية للنساء ولا للزوج الا انه احق من الاجنبي (شامي صفحه ۱۲۱ جلد ۲

ایک شبہ کا ازالہ

اس مسئلہ میں عام طور پر لوگوں کے ذہن میں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت فاطمہؓ کو ان کے انتقال کے بعد خود غسل دیا تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ کو غسل دینے اور نہ دینے کے سلسلے میں روایات مختلف ہیں ایک روایت میں ہے کہ حضرت فاطمہ نے انتقال سے قبل غسل فرمایا اور نئے کپڑے زیب تن کیا اور فرمایا کہ میں رخصت ہورہی ہوں میں نے غسل بھی کرلیا ہے اور کفن بھی پہن لیا ہے مرنے کے بعد میرے کپڑے نہ ہٹائے جائیں۔ یہ کہہ کر قبلہ رو لیٹ گئیں اور روح پرواز کرگئی انکی وصیت کے مطابق ان کو غسل نہیں دیا گیا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ اسماء بنت عمیسؓ نے غسل دیا تھا۔[1]

تیسری روایت علامہ شامی نے نقل کی ہے کہ حضرت فاطمہ کو ام ایمنؓ نے غسل دیا تھا اور حضرت علیؓ نے اس غسل کا انتظام کیا تھا اس لئے غسل کی نسبت ان کی طرف کردی گئی۔ اگر حضرت علیؓ کے غسل دینے کی روایت کو تسلیم بھی کرلیا جائے تو یہ حضرت علیؓ اور فاطمہؓ کی خصوصیت تھی یعنی وفات کے بعد بھی ان کی زوجیت قائم رہنے پر محمول ہے کیونکہ آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے (**ان فاطمه زوجتک فی الدنیا والآخرة**) کہ اے علی فاطمہ تمہاری زوجہ دنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی نیز حضورؐ کی دوسری حدیث ہے (**کل سبب ونسب ینقطع بالموت الا سببی ونسبی**) ہر سبب ونسب موت سے منقطع ہوجاتا ہے مگر میری قرابت سببی اور قرابت نسبی موت سے منقطع نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ یہ کہ حضرت علی کے غسل دینے پر بعض صحابہ جیسے

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل صفحہ ۱۰۷ جلد ۳

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے اعتراض کیا تھا۔ [1]

بیوی کی تجہیز وتکفین کا خرچ شوہر کے ذمہ ہے

بیوی کے انتقال پر اس کی تجہیز وتکفین کا صرفہ شوہر پر ہوگا۔ مثلاً عورت کے مسنون پانچ کپڑے کفن کی خوشبو، کافور، صابن وغیرہ کی قیمت نہانے اور قبر کھودنے کی اجرت پٹاؤ کی لاگت سب شوہر کے ذمہ ہے خواہ عورت کا مال ہو یا نہ ہو۔ اور اگر شوہر کا انتقال ہو جائے اور اس نے کوئی مال بھی نہیں چھوڑا تو اس کا کفن عورت پر نہیں ہے اگرچہ عورت خوشحال ہو۔ مگر دیدے تو بہتر اور احسان ہے۔ [2]

رشتہ زوجیت جنت میں باقی رہے گا

دنیاوی احکام کے لحاظ سے اگرچہ رشتہ زوجیت موت سے منقطع ہو جاتا ہے مگر جنت میں یہ رشتہ نکاح باقی رہے گا جنت کی حوروں کیساتھ شوہر کے نکاح میں دنیا

---

[1] وقالت الائمة الثلاثة يجوز لان عليا غسل فاطمة رضی لله عنهما قلنا هذا محمول على بقاء الزوجية لقوله عليه الصلاة والسلام كل سبب ونسب ينقطع بالموت الا سببي ونسبي مع ان بعض الصحابة انكر عليه (درمختار) (قلنا الخ) قال في شرح المجمع لمصنفه فاطمة رضي الله تعالى عنها غسلتها ام ايمن حاضنته صلى الله عليه وسلم ورضي عنها فتحمل رواية الغسل لعلي رضي الله تعالى عنه على معنى التهيئة والقيام التام باسبابه ولئن ثبتت الرواية فهو مختص به الا ترى ان ابن مسعود رضي الله عنه لما اعترض عليه بذلك اجابه بقوله اما علمت ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ان فاطمة زوجتك في الدنيا والآخرة فادعاؤه الخصوصية دليل على ان المذهب عندهم عدم الجواز (شامی صفحه ٩٠ جلد ٢ زكريا)

[2] ومن لم يكن له مال فالكفن على من تجب عليه النفقة الا الزوج في قول محمد رحمه الله تعالى وعلى قول ابي يوسف رحمه الله تعالى يجب الكفن على الزوج وان تركت مالا وعليه الفتوى هكذا في فتاوى قاضيخان ولو مات الزوج ولم يترك مالا وله امرأة موسرة فليس عليها كفنه بالاجماع (عالم گیری صفحه ١٦١ ج ١)

کی بیوی بھی ہوگی بلکہ ایک روایت میں آیا ہے کہ دنیا کی بیوی حورعین کی سردار ہوگی۔ چنانچہ حافظ منذری نے الترغیب والترہیب میں ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا سے ایک لمبی حدیث ذکر کی ہے جس میں یہ بھی ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے آپؐ سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (جنت میں) دنیا والی (مومنہ) عورتیں افضل ہونگی یا حورعین۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دنیا والی (مومنہ) بیویاں حورعین سے اس قدر افضل ہونگی جیسے (لحاف) کا اوپر کا کپڑا اس کے اندر والے استر سے بہتر ہوتا ہے۔ حضرت ام سلمہ نے عرض کیا کہ یا رسول ﷺ کس وجہ سے آپ نے فرمایا اس لئے کہ دنیا والی عورتیں نمازیں پڑھتی ہیں، روزے رکھتی ہیں اللہ عزوجل کی عبادت کرتی ہیں۔ حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض مرتبہ ایک عورت دنیا میں یکے بعد دیگرے دو یا تین یا چار مردوں سے نکاح کر لیتی ہے پھر اسے موت آجاتی ہے وہ جنت میں داخل ہوگی اور اس کے شوہر بھی اس کے ساتھ جنت میں ہونگے تو اس صورت میں ان میں سے اس کا شوہر کون ہوگا آپ نے جواب دیا اے ام سلمہ اس کو اختیار دیدیا جائے گا جس کے ساتھ چاہے رہے۔ لہٰذا وہ اس کو اختیار کرلے گی جو اخلاق کے اعتبار سے سب سے اچھا تھا اور کہے گی اے رب دنیا کے اندر یہ ان سب سے زیادہ میرے ساتھ با اخلاق تھا اسی کو میرا جوڑا بنا دیجئے یہ فرما کر آپ نے فرمایا اے ام سلمہ خوش خلقی دنیا و آخرت کی بھلائی لے اڑی۔

ایک دوسری روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ جس عورت نے پہلے شوہر کے بعد نکاح کرلیا وہ جنت میں آخری شوہر کو ملے گی۔ بہرحال جو بھی ہو اس پر ایمان کا مدار نہیں ہے جنت میں دنیا کی بیوی شوہر کو ملے گی۔ یہ حدیث سے ثابت ہے۔

نکاح کے غلط رسومات کا شرعی جائزہ

یہ مسلمانوں کی بڑی بدقسمتی ہے کہ نکاح جیسا پاکیزہ اور نہایت ہی اہم اور ضروری معاملہ بھی غیر قوم کے طریقے اور ہندوانہ رسومات اور ملکی رواجوں سے محفوظ نہیں رہ سکا غیر شرعی رسمیں اس کثرت کیساتھ مسلمانوں کے شادی بیاہ میں داخل ہوچکی ہیں کہ اس کی وجہ سے اس ضرورت کا پورا کرنا بڑا دشوار ہوگیا ہے بہت سی غریب بچیوں کا نکاح ایک مشکل مسئلہ ہوگیا ہے بعض مرتبہ نکاح ہوکر بھی وہ برکت حاصل نہیں ہوتی جو اللہ تعالیٰ نے اس میں رکھی ہے بسا اوقات یہ شادی خانہ آبادی کے بجائے کنبہ بربادی کا سبب بن جاتی ہے اس وقت جس قدر رسمیں رائج ہیں ان سب کا احاطہ کرنا تو مشکل ہے تاہم کچھ رسومات و بدعات اور ان کے شرعی احکام کا تذکرہ کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ ان سے بچنے کی کوشش کی جائے۔

منگنی کے وقت مخصوص اشیاء کا لین دین

نکاح سے قبل لڑکی والوں کے یہاں لڑکے والے مٹھائی وغیرہ لیکر آتے ہیں اگر یہ بطور شرط اور مجبور ہوکر دیتے ہیں تو یہ رشوت ہے جو کہ ناجائز ہے اور اگر بطور شرط اور بمجبوری نہیں دیتے بطیب خاطر ہی دیتے ہیں مگر رواج کا پابند ہوکر دینا پڑتا ہے تو بھی ناجائز ہے (المعروف کالمشروط) ہاں اگر کہیں عرف نہ ہو اور بلا طلب اور بلا شرط بطیب خاطر یوں ہی دیدے تو یہ ہدیہ ہوگا اس کا لینا جائز اور درست ہوگا۔[1]

---

[1] قال فی الوسیلة الاحمدیة شرح الطریقة المحمدیة ولعن رسول الله صلی الله علیه وسلم الراشی والمرتشی ومن الرشوة ما اخذه ولی المرأة قبل النکاح اذا کان بالسوال او کان اعطاه الزوج بناء علی عدم رضائه علی تقدیر عدمه اما اذا کان بلا سوال ولا عن عدم رضائه فیکون هدیه فیجوز (مجموعة الفتاوی صفحه ۲۱٦ جلد۲ ماخوذ فتاوی محمودیه صفحه ۳۲۰ جلد۵)

ڈالی مقرری کا رسم

ایک رسم ڈالی مقرری ہے اس کی صورت یہ ہوتی ہے جب جانبین سے لڑکا لڑکی والے راضی ہوجاتے ہیں تو ایک دن مقرر کیا جاتا ہے پھر اس دن لڑکے والے چند اشخاص کیساتھ کچھ مٹھائی وغیرہ اور لڑکی کیلئے کپڑے، پان، چھالیاں لیکر لڑکی والے کے یہاں پہنچتے ہیں اور وہاں لڑکی والے کے برادری وغیرہ کے لوگ جمع ہوتے ہیں سب سے پہلے ایک ڈالی میں کچھ پان چھالیاں اور کچھ نقد روپے رکھ کر لڑکی کی والدہ یا دادی وغیرہ کے پاس بھیجی جاتی ہیں وہ سب چیزیں لے لیتی ہیں اور چند پان و چند چھالیاں تقسیم کردیئے جاتے ہیں اور بعض جگہ کا یہ بھی رواج ہے کہ اس ڈالی کو لیکر مسجد میں بھی عورتیں جاتی ہیں اور کہیں کہیں تو مزارات اور ہندوؤں کے معبد میں سلام وغیرہ کرنے کو جاتی ہیں۔

تو جواب اس کا یہ ہے کہ اس ڈالی میں دو امر قابل غور ہیں اوّل ان اشیاء کا حکم (کہ ان کا لینا کیسا ہے) تو اس کا حکم وہی ہے جو پہلے مخصوص اشیاء کا لین دین کے تحت گزر چکا دوم اس ہیئت مخصوصہ کا حکم یہ ہے کہ یہ شرعاً بے اصل محض رسم ہے جس کا التزام کر رکھا ہے اور التزام مالا یلزم ناجائز ہے نیز اس میں فخر اور ریا ہے اسی وجہ سے یہ رسم کی جاتی ہے لہٰذا شرعاً ممنوع ہے (خصوصاً ہندوؤں کے معبد وغیرہ پر لے جانا تو بڑی خطرناک بات ہے) اصلاح رسوم میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔[1]

شادی کے موقع پر نیوتہ پوری کرنے کی رسم

شادی کے موقع پر ایک رسم نیوتہ لینا دینا ہے مثلاً جب ایک نے دوسرے کو دعوت دی تو شادی کے موقع پر کپڑا چاول دودھ روپے وغیرہ لے جاتے ہیں اس کو

[1] مستفاد فتاویٰ محمودیہ صفحہ ۳۲۰ جلد ۵)

لوگ قرض حسنہ سمجھتے ہیں کہ بھائی بھائی کی مدد کرتا ہے یہ اعانت ہے حالانکہ اس سے مدد اور تعاون مقصود نہیں ہوتا بلکہ صرف رسم ورواج پورا کرنا مقصود ہوتا ہے اگر ایک بھائی کی مدد ہی کرنی ہوتی ہے تو وہی بھائی جب بیمار ہو جاتا ہے یا کوئی اور مصیبت اس پر پڑتی ہے تو کیوں مدد نہیں کرتے شادی کے موقع پر تو اس کی پابندی کی جاتی ہے کہ یہ قضا نہ ہونے پائے ورنہ ناک کٹ جائے گی لوگ کیا کہیں گے کہ کچھ لیکر نہیں آئے اس لئے اپنے پاس نہیں ہوتا تو قرض بھی لے لیا جاتا ہے حضرت تھانویؒ نے اشرف الجواب میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ رسم سب رسموں میں گندی ہے وہ یہ ہے کہ یہ امر سب کو مسلم ہے کوئی اس سے منکر نہیں کہ نیوتہ قرض ہے (۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ قرض واجب الاداء ہوتا ہے (۳) تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ قرض خواہ (قرض دینے والے) کی موت کے بعد اس کا کل ترکہ اس کے ورثاء کی ملک ہوتا ہے خواہ وہ ترکہ عین مال ہو یا دین (یعنی وہ رقوم جو قرض کے طور پر چھوڑ کر مرا ہو) اب تینوں مسئلہ کو سامنے رکھ کر یوں سمجھئے کہ اگر کوئی شخص نیوتہ پورنے کیلئے گیا اور اس کو سو روپے دیدیئے پھر اس کے بعد اس کی موت ہوگئی تو اس سو روپے میں میت کے تمام ورثاء کا حصہ ہے نیوتہ واپس کرنے والے کیلئے ضروری ہے کہ وہ تمام ورثاء کو دے مگر ایسا نہیں ہوتا اگر بڑی اولاد کی شادی ہوئی اس نے نیوتہ واپس کرنے والے کو دعوت دی تو وہ سو روپے اسی کو لا کر دیتے ہیں بڑا لڑکا تنہا لے لیتا ہے دوسرے یتیم کا حق مارتے ہیں حالانکہ قرآن میں اس کے متعلق وعید ہے (اِنَّمَا يَأْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۱) یعنی وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں دوسرا گناہ نیوتہ واپس کرنے والے کو ہوا کہ اس نے تمام ورثاء کا مال ایک کو دیدیا اور یہ سمجھ لیا کہ ہم قرض کی ادائیگی سے فارغ ہوگئے حالانکہ دوسرے ورثاء کا قرضہ اس کے ذمہ باقی ہے درمختار میں ایک روایت لکھی ہے کہ اگر

۱ سورۃ النساء آیت ۱۰

کسی کے ذمہ کسی کے تین پیسے رہ جائیں گے تو قیامت کے دن اس کی سات سو نمازیں قرض خواہ کو دلائی جائیں گی اس خطرناک رسم کا علاج تو یہ ہے کہ پچھلے قرض کی تحقیق کر کے واپس کیا جائے اور آئندہ کیلئے اس رسم سے توبہ کرلی جائے [۱]

رسم برات کی ابتداء کس طرح ہوئی

شادی میں برات کی رسم اتنی بری رسم ہے جو بہت سارے خرافات کو شامل ہے جو سنت و شریعت کے بالکل خلاف ہے حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ برات بھی شادی کا بہت بڑا رکن سمجھا جاتا ہے اس کے لئے کبھی دولہا اور کبھی دولہن والے بڑے بڑے اصرار اور تکرار کرتے ہیں اصل غرض اس سے محض ناموری وتفاخر ہے (اور ریا کاری وتفاخر کے لیے کوئی بھی عمل کرنا حرام ہے) برات کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ جب راستوں میں امن وامان نہیں تھا اکثر ڈاکوؤں سے دوچار ہونا پڑتا تھا دولہا دولہن کے اسباب زیور وغیرہ کی حفاظت کے لئے یہ رسم ایجاد ہوئی اس لئے گھر پیچھے ایک آدمی ضرور جاتا تھا مگر اب تو نہ وہ ضرورت باقی رہی اور نہ کوئی مصلحت صرف افتخار واشتہار باقی رہ گیا ہے پھر اس میں ایسا بھی کرتے ہیں کہ بلائے پچاس اشخاص اور جا پہونچے سو اشخاص اوّل تو بے بلائے اس طرح کسی کے گھر جانا حرام ہے حدیث میں ہے جو شخص دعوت میں بے بلائے جائے وہ گیا چور ہو کر اور نکلا وہاں سے لٹیرا ہو کر یعنی ایسا گناہ ہوتا ہے کہ جیسے چوری اور لوٹ مار کا پھر دوسرے شخص کی بے آبروئی بھی ہو جاتی ہے کسی کو رسوا کرنا یہ دوسرا گناہ پھر ان باتوں کی وجہ سے اکثر جانبین سے ایسی ضد اضدی اور ناچاقی ہوتی ہے کہ عمر بھر اس کا اثر دلوں میں باقی رہتا ہے چونکہ نااتفاقی حرام ہے اس لئے جن باتوں سے نااتفاقی پیدا ہو وہ بھی حرام ہونگی لہٰذا یہ فضول رسم ہرگز جائز نہیں [۲]

---

[۱] مستفاد ملخص اشرف الجواب ص ۵۴ تا ۵۵ ج ۲

[۲] مستفاد بہشتی زیور ص ۲۶ حصہ ۶

برادری کے لوگوں کو دعوت (بھوج) نہ کھلانے پر لڑکی والوں کو طعنہ دینا

شادی کے موقع پر لڑکے کی طرف سے دعوت ولیمہ مسنون و مشروع ہے لڑکی والوں کی طرف سے دعوت کھانے اور کھلانے کا رواج بعد کی رسم ہے صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں نہیں تھی اس لئے یہ طریقہ خلاف سنت ہے اور گاؤں برادری کو بھوج نہ دینے پر لڑکی یا لڑکی کے باپ کو طعنہ دینا ناجائز اور گناہ کبیرہ ہے اگر لڑکی والے دباؤ میں آکر یا رسم ورواج کا پابند ہوکر کھلا بھی دیا یا شہرت وتفاخر کے طور سے کھلاتا ہے تو اس کا کھانا حرام ہے حضورﷺ کی حدیث ہے (لایحل مال امرئ الابطیب نفس منه) کسی کا مال بغیر اس کی رضا اور خوشی کے استعمال کرنا حلال نہیں دوسری حدیث ہے:[1]

عن ابی هریرةؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم المتباریان لا یجابان ولا یأکل طعامهما قال الامام احمد یعنی المتعارضین بالضیافة فخر او ریاء[2]	ابو ہریرہؓ حضورﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپﷺ نے فرمایا کہ ایک دوسرے پر فخر کرنے کیلئے کھلانے والوں کی دعوت قبول نہ کی جائے ان کا کھانا نہ کھایا جاوے

اسلئے لڑکی والوں کی طرف سے دعوت کا التزام کرنا اور مطالبہ کرنا درست نہیں دعوت کھانے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا حالانکہ معاملہ آج ایسا ہوگیا کہ زیادہ تر لڑکی والوں کی طرف سے ہی اس کا التزام کیا جارہا ہے اس لئے یہ چیزیں واجب الترک ہیں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا فتوی ہے کہ لڑکی والوں کی طرف سے براتیوں کو یا برادری کو کھانا دینا لازم یا مسنون اور مستحب نہیں ہے اگر بغیر التزام کے وہ اپنی مرضی سے کھانا دیدیں تو مباح ہے نہ دیں تو کوئی الزام نہیں۔[3]

---

[1] مشکوۃ شریف صفحہ ۲۰۰ جلد ۱ باب الغصب والعاریۃ

[2] (مشکوۃ شریف ۲۷۹ جلد۲) [3] مستفاد کفایۃ المفتی صفحہ ۱۶۱ جلد۵)

شریعت میں جہیز کا حکم

جہیز ان تحائف اور سامان کا نام ہے جو والدین اپنی بچی کو رخصت کرتے وقت دیتے ہیں اس میں کوئی شرعی واخلاقی خرابی نہیں ہے بلکہ یہ رحمت ومحبت کی علامت ہے کہ ایک باپ اپنی بیٹی کو رخصت کرتے وقت اپنے دل کے تقاضے سے اپنی وسعت کے مطابق ایسی چیزوں کا تحفہ پیش کرے جو اس کے لئے آئندہ زندگی میں کارگر ہو خود حضور اقدس ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کو شادی کے موقع پر کچھ جہیز عطا کیا تھا امام نسائی حضرت علیؓ کی ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ:

عن علیؓ قال جهز رسول الله صلى الله عليه وسلم فاطمة فی خميل وقربة ووسادة حشوها اذخر[1]

حضرت علیؓ فرماتے ہیں رسول ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کو بطور جہیز جو چیزیں دی تھیں وہ یہ تھیں (۱) چادر (۲) مشکیزہ پانی بھرنے کا (۳) ایک تکیہ جس میں اذخر نامی گھاس بھری ہوئی تھی۔

حضرت تھانوی نے اصلاح الرسوم میں لکھا ہے کہ حضرت فاطمہؓ کا جہیز یہ تھا، دو چادر یمانی، دو نہالی جس میں چھال بھری ہوئی تھی اور چار گدے، دو باز و بند چاندی کے اور ایک کملی اور ایک تکیہ، ایک پیالہ، ایک چکی، ایک مشکیزہ اور پانی رکھنے کا برتن گھڑا اور بعض روایتوں میں ایک پلنگ بھی آیا ہے اس کے بعد حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے تین باتیں ثابت ہوتی ہیں (۱) اوّل بلا تکلف مختصر اور تھوڑا دیدیا جائے گنجائش سے زیادہ ترددنہ کرے (۲) دوم جن چیزوں کی فوری ضرورت ہونے والی ہو وہ دینا چاہئے (۳) سوم اس کا اعلان اور دوسرے سے اظہار نہ ہو کیونکہ یہ تو اپنی اولاد

---

[1] نسائی شریف صفحہ ۷۷ جلد ۲

کے ساتھ صلہ رحمی ہے دوسروں کو دکھلانے کی کیا ضرورت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے جو اس روایت میں مذکور ہے تینوں امر ثابت ہیں ہے[۱]

جہیز فاطمی کے سلسلے میں ایک تحقیق

اس حدیث کی تشریح کرتے حضور ے ت مولانا منظور صاحب نعمانیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے ملک کے اکثر اہل علم لفظ جہیز سے عرفی جہیز مراد لیتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سامان یعنی چادر مشکیزہ وغیرہ دیا تھا وہ بطور جہیز کے دیا تھا لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ یہاں جہیز سے عرفی جہیز مراد نہیں بلکہ ضروریات کا انتظام اور بندوبست کرنا تھا کیونکہ اس زمانہ میں نکاح شادی کے موقع پر جہیز کے طور پر کچھ سامان دینے کا تصور بھی نہیں تھا سیدہ حضرت فاطمہؓ کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صاجزادیوں کے نکاح میں جہیز کا ذکر نہیں ملتا ہے اور حضرت فاطمہؓ کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چیزوں کا انتظام حضرت علیؓ کے سرپرست ہونے کی حیثیت سے انہی کی طرف سے انہی کے پیسوں سے کیا تھا کیونکہ ضرورت کی چیزیں ان کے گھر نہیں تھیں۔[۲]

حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ کی شادی کے سلسلہ کی تمام روایتوں کو سامنے رکھنے کے بعد نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنی زرہ مہر میں دیدی تھی گھر میں کوئی سامان نہیں تھا خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے وہ سامان نہیں کرسکتے تھے اس لئے آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ مہر والی زرہ فروخت کردو اور اس سے جو رقم آئے اس سے ضروری سامان خرید لو خود حضرت علی کا بیان ہے کہ:

---

[۱] مستفاد اصلاح الرسوم
[۲] مستفاد معارف الحدیث صفحہ ۲۹ جلد ۷)

فبعتها من عثمان بن عفان باربعمائه وثمانين درهما ثم ان عثمان رد بالدرع الى على فجاء بالدرع والدراهم الى المصطفى صلى الله عليه وسلم فدعا لعثمان رضى الله عنه بدعوات كما فى رواية زرقانى فى شرح مواهب لدنيه صفحه ۳ جلد۲

میں نے اس زرہ کو عثمان بن عفانؓ کو چار سو اسّی درہم میں فروخت کردیا مگر حضرت عثمانؓ نے زرہ حضرت علیؓ کو واپس کردی حضرت علیؓ زرہ اور درہم لیکر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضورﷺ نے حضرت عثمانؓ کے لئے دعا کی[1]

(فائدہ) اگر عزت وعظمت کا تعلق جہیز سے ہوتا تو حضورﷺ اس کے زیادہ مستحق تھے کہ اس پر عمل کرتے اور اپنی گوشہائے جگر سیدۃ النساء حضرت فاطمہؓ، حضرت رقیہؓ، حضرت ام کلثوم، کو زرو جواہر کے ڈھیر جہیز میں دیتے حقیقت میں سیم وزر دنیاوی مال ومتاع کے بجائے حسن معاشرہ پیدا کرنا آپ کا مقصد حیات تھا اس لئے نکاح جیسی عام ضرورتوں کے متعلق صاف اعلان کردیا (ان اعظم النكاح بركة ايسره مؤنة) یعنی بہترین نکاح جس میں خیر وبرکت ہوتی ہے وہ نکاح ہے جس میں زیادہ خرچہ اور لاگت نہ ہو۔

موجودہ رسم جہیز کی حقیقت

ہندو قانون کی کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جہیز کا رواج اصل میں ہندو مذہب کے اونچے طبقہ میں تھا کیونکہ ہندو پرسنل لاء کے مطابق وراثت میں عورتوں کا کوئی حق نہیں ہوتا اس لئے شادی کے وقت ہی اچھی خاصی رقوم اور اشیاء ضروریہ کے ساتھ رخصت کردیا جاتا ہے خصوصاً ان کے مذہب میں بڑا مبارک بیاہ برہما کہلاتا ہے جس میں لڑکی کا باپ اپنی لڑکی کو بالکل ہبہ کردیتا ہے کہ اب اس لڑکی کا اس خاندان سے

[1] (مستفاد فتاوی دار العلوم صفحہ ۳۶۲ جلد۸)

کوئی تعلق باقی نہیں رہا اب وہ باپ کے گھر واپس نہیں آسکتی چاہے سسرال والے کتنا ہی اس کے اوپر ظلم کریں باپ کی وراثت میں حصہ نہیں لے سکتی شوہر کے مرنے کے بعد دوسری شادی بھی نہیں کرسکتی شوہر کے ساتھ چاہے جل کر مرجائے چاہے بیوہ کی طرح زندگی گزارے اس لئے ایسی بے کس بے سہارا کو خاندان سے جدا کرتے وقت باپ اپنی حیثیت کے مطابق سامان جہیز اور زیورات وغیرہ دیکر اپنی لخت جگر کا دل خوش کرتا ہے اس سے صاف ظاہر ہوگیا کہ بیٹی کو جہیز دینا ہندوانہ رسم ہے۔ جسے برصغیر کے مسلمانوں نے بھی اپنالیا ہے برصغیر کے علاوہ دنیا کے اکثر خطے میں مسلمانوں میں جہیز کا کوئی تصور بھی نہیں ہے صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں کہیں بھی اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ انہوں نے لڑکی والوں سے جہیز کی فرمائش کی ہو یا بغیر مطالبہ کے لڑکی والوں نے اپنا فرض سمجھ کر ادا کیا ہو نہ ادا کرنے پر لڑکی کو طعنے دیئے گئے ہوں۔

رسم جہیز کی تباہ کاریاں

جہیز کے سلسلے میں جو غلط رواج پھیلے ہوئے ہیں اور اسلامی معاشرہ کو مجروح کر رہے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(ا) آج کے معاشرہ میں جہیز کو لڑکی کے نکاح کا یک لازی شرط سمجھا جارہا ہے اس لئے مہمانداری میں لڑکے والے لڑکی والوں سے مول تول پکی کرتے ہیں لینے دینے کی ساری باتیں پہلے ہی طے ہوجاتی ہیں تب رشتہ کی بات طے کی جاتی ہے گویا شادی کے بجائے ایک اچھی خاصی تجارت ہے لڑکا آج ایک طرح کا بکاؤ مال ہے جس کو ضرورت ہو بازار سے خرید لائے ہر شخص اپنے کو نیلام کررہا ہے جہاں زیادہ بول بولا جاتا ہے وہاں اپنے لڑکے کو فروخت کیا جاتا ہے یہ اخلاقی و معاشرتی لحاظ سے ایک گھناؤنا فعل ہی نہیں بلکہ مردانگی کا سودا ہے جو شرعی اعتبار سے ناجائز اور حرام ہے، اور ایک قسم کا سماجی جرم ہے جو قابل مذمت ہے۔

(۲) جہیز کی مانگ اور اس کی لازمی اشیاء کی فہرست میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے صرف لڑکی کی ضروریات ہی نہیں بلکہ داماد کی ضرورت مثلاً اس کے کپڑے جوتے گھڑی سواری کیلئے سائیکل موٹر سائیکل نقدر روپے کے علاوہ وہ تمام سامان جو اس کے گھر کو مزین کر سکے لازمی اور ضروری قرار دئے جارہے ہیں لڑکی کا باپ چاہے نہ چاہے مگر اس پر تمام لوازمات جھک مار کر پوری کرنی ضروری ہے چاہے جہاں سے پوری کرے اپنے پاس استطاعت نہیں تو جائیداد بیچ کر پوری کرے جائیداد کی گنجائش نہیں تو قرض کے شکنجے میں جکڑ جائے ورنہ پھر رشوت، جعلسازی، دھوکہ، فریب اور دیگر ناجائز ذرائع اختیار کرنے پر مجبور ہوتا ہے جس کی وجہ سے سراسر خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق بنتا ہے۔

(۳) آج جہیز باپ کی طرف سے بیٹی کے دل کو خوش کرنے والا صرف تحفہ ہی نہیں رہا بلکہ ایسا جہیز ہونا ضروری ہے جو برات سرات اور ہر دیکھنے والے کا دل خوش کرے ہر ایک کی زبان سے واہ واہ کے کلمات سنائی دیں حالانکہ یہ ناجائز ہے حضرت مولانا یوسف صاحب لدھیانویؒ لکھتے ہیں کہ لڑکی کو دیے جانے والے جہیز کا برسر عام دکھانا جاہلی رسم ہے جس کا منشا محض نمود و نمائش ہے اور مستورات کے زیور اور کپڑے وغیرہ مردوں کو دکھانا تو اور بھی زیادہ بری رسم ہے شرفاء کو اس سے بہت غیرت آتی ہے۔[1]

(۴) جہیز کے غیر معقول رواج نے آج معاشرہ کی ناک میں دم کر رکھا ہے اس کی وجہ سے کتنی لڑکیاں بغیر شادی کے زندگی گزار رہی ہیں کیونکہ باپ کے پاس اتنی وسعت نہیں کہ داماد کے مطالبات کو پورا کر سکے اگر کسی طرح غریب باپ نے قرض وغیرہ لیکر بیاہ کر بھی دیا تو توقع کے مطابق سامان جہیز نہ ملنے پر شوہر یا شوہر کے گھر

[1] (آپ کے مسائل اور انکا حل صفحہ ۱۳۸ جلد ۵)

والے لڑکی کو طعنے دیتے دیتے دق کر دیتے ہیں ایسی بے بس لڑکی کا جینا دوبھر ہو جاتا ہے آخر میں وہ گھٹ گھٹ کر مرجانا پسند کرتی ہے اس جنجال سے ہمیشہ کیلئے راحت پانے کی غرض سے پھندا ڈال کر یا زہر کھا کر یا ٹرین کے نیچے کٹ کر اس عذاب سے نکل جانا چاہتی ہے اس طرح آئے دن نوخیز۔ دولہنوں کی خودکشیوں کے واقعات میں اضافے ہو رہے ہیں جہیز کی حریصانہ رسم نے معاشرہ کو انتہائی خوفناک بنادیا ہے جہیز کے لالچی انسان اپنی نئی نویلی دولہنوں کو جلا کر انہیں ناکردہ گناہوں کی سزا دے رہے ہیں ہر سال ہزاروں عورتیں جہیز کے منحوس دیوتا کی بھینٹ چڑھائی جارہی ہیں جہیز کی یہ منحوس رسم پورے معاشرے کو جنگل کی آگ کی طرح اپنی لپیٹ میں لے چکی ہے نمائشی جہیز آج معاشرے کی تباہی کی علامت بن چکی ہے۔ اس وقت کے حالات کے اعتبار سے علماء اور اسلام کے نام لیوا ذمہ داروں خصوصاً ہمارے نوجوان طبقے کا فریضہ ہے کہ اس میدان میں آگے بڑھ کر اصلاحی اقدام کریں ہر علاقہ اور گاؤں میں نوجوانوں کی ایک جمعیت ہو سب کی ایک آواز ہو کہ فرمائشی جہیز یا جوڑے گھوڑے کی رقم نہ تو ہم کسی سے لیں گے اور نہ کسی کو لینے دیں گے اس قسم کا اقدام نہ صرف خدا اور رسول کی خوشنودی کا باعث ہوگا بلکہ ایک اچھے اور مثالی معاشرے کی تشکیل نو کی راہ میں معاون و مددگار ثابت ہوگا۔

سامان جہیز کس کی ملکیت ہے

جو سامان جہیز میں دیا گیا ہے وہ سب لڑکی کی ملک ہے باپ کو دوبارہ واپس لینے کا حق نہیں اور نہ شوہر اور نہ سسر وغیرہ کی ملکیت اس میں ثابت ہوتی ہے اور داماد کو جو کپڑا اور سامان گھڑی سائیکل اور نقد روپے دیا گیا ہے وہ لڑکے کی ملکیت ہے لڑکی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔[1]

---

[1] (مستفاد فتاوی دارالعلوم صفحہ ۳۶۰ جلد ۸)

زیور کا مالک کون ہے

جو زیورات عورت کے والدین نے دیئے ہیں وہ سب عورت کی ملکیت ہیں عورت کے والدین یا سسرال والے اس کے مالک نہیں ہو سکتے اور جو زیورات ساس خسر وغیرہ نے چڑھائے ہیں وہ اصل رواج کے اوپر موقوف ہے یا ساس خسر کے قول پر بعض جگہ عورت کو مالک بنا دیتے ہیں جو زیور کپڑا یا کوئی سامان سسرال کی طرف سے لڑکی کو ملتا ہے اس کے متعلق طے ہوتا ہے کہ لڑکی کو بطور ہبہ ہے تو اسی وقت عورت مالک ہو جائے گی کسی کو واپس لینے کا حق نہیں اور بعض جگہ لڑکی کی ملکیت میں نہیں دیا جاتا اس کو مستعار سمجھا جاتا ہے تو لڑکی کی ملک نہیں ہوتی ہے اس وقت ساس سسر وغیرہ کو واپس لینے کا حق ہوتا ہے[1]

جہیز کا سامان استعمال سے خراب ہو جائے تو کون ذمہ دار ہوگا

جہیز کی جو چیزیں جس حالت میں ہیں وہ عورت کا حق ہے لیکن استعمال سے جو نقصان ہو جائے وہ شوہر یا سسرال والے سے وصول نہیں کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ استعمال عورت کی اجازت یا رضامندی سے ہوا ہوگا[2]

نکاح میں دف اور باجوں کا حکم

دف کو اکثر علماء ومفتیان کرام نے بقدر ضرورت اور بغرض اعلان جائز قرار دیا ہے مگر حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاوی میں اخبار فقیہہ سے ایک مضمون نقل

---

[1] جهز ابنته بجهاز وسلمها ذلك ليس له الاسترداد منها ولا لورثته بعده ان سلمها ذلك فی صحته بل تختص به وبه یفتی (درمختار علی هامش شامی صفحه ۳۰۶ تا ۳۰۷ جلد ٤) ولو بعث الی امرأته شیئا ولم یذکر جهة عند الدفع غیر جهة المهر الخ فقالت هو ای المبعوث هدیة وقال هو من المهر او من الکسوة او عاریة فالقول له بیمینه والبینة لها فان حلف والمبعوث قائم فلها ان ترده وترجع بها بباقی المهر (درمختار علی هامش شامی ۳۰۱ جلد ٤)

[2] (مستفاد آپ کے مسائل اور ان کا حل صفحه ۱۲۸ جلد ۵)

کیا ہے جس سے باجوں کے جواز پر ایک زبردست چوٹ ہے افادۂ عام کے لئے اس کا خلاصہ پیش کیا جارہا ہے۔

مذہب احناف کی تحقیق

مذہب حنفی میں تمام باجے حرام ہیں جیسا کہ ہدایہ میں ہے کہ (ان الملاحی کلها حرام حتی التغنی بضرب القصب) اسیطرح بزازیہ اور درمختار کی عبارت (استماع صوت الملاهی کضرب قصب ونحوه حرام) سے حرمت ثابت ہے دف بھی چونکہ ایک قسم کا باجا ہے اس لئے یہ بھی حرام ہے چنانچہ شامی میں ہے (استماع ضرب الدف والمزمار وغیرذالک حرام) اسی طرح شرح نقایہ ابوالکارم اور مجموعہ فتاوی عزیزی کی کئی عبارتوں سے حرمت معلوم ہورہی ہے۔

مذہب شافعی کی تحقیق

اس کے برخلاف مذہب شافعیہ میں شادی اور ختنہ کے موقع پر چند شرائط کے ساتھ مباح قرار دیا ہے جس کو علامہ ابن حجر مکی شافعی اپنے رسالہ کف الرعاع عن بحرمات اللهو والسماع میں تفصیل سے بیان کیا ہے اس کا خلاصہ درج ہے (آگے معلوم ہوگا کہ ان شرائط کا لحاظ کرنا حنفیہ کو بھی ضروری ہے)۔

(۱) شرط اوّل یہ ہے کہ دف بجانے والی خاص عورتیں اور لڑکیاں ہوں کیونکہ دف کے بجانے میں جسقدر روایت وآثار ثابت ہیں وہ سب عورتوں سے متعلق ہیں اس لئے مرد کا بجانا جائز نہیں تشبہ بالنساء کی وجہ سے ملعون ہوگا۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ جھانجھ نہ ہو اور بجانے میں کوئی تکلف وتصنع نہ کیا جاوے طرب یعنی خوش آوازی معلوم نہ ہو بلکہ سادگی کیساتھ ہاتھوں سے پیٹا جاوے انگلیوں کے سروں سے نہ بجایا جاوے کیونکہ اس میں ایک طرح کی صنعت طرب ہے۔

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ وقت نکاح یا وقت زفاف یا اس کے بعد تھوڑی دیر تک عورتیں دف بشرائط مذکورہ بجاویں۔ علامہ ابن حجر نے ماوردی کا قول نقل کیا ہے کہ (واما فی زماننا قال فیکرہ فیہ لانہ ادی الی السخف والسفاھۃ) یعنی اب ہمارے زمانے میں دف استعمال کرنا مکروہ ہے کیونکہ بے وقوفی اور سفاہت پائی جاتی ہے اس کے بعد علامہ ابن حجر مکی تحریر فرماتے ہیں کہ ہمارے اور ماوردی کے زمانہ میں پانچ سو برس کا فاصلہ ہے اب تو اس سے زیادہ خرابی آ گئی اور میں کہتا ہوں کہ علامہ ابن حجر کو بھی گزرے ہوئے قریب چار سو برس ہوئے اب تو شر وفساد کے سواء خیر واصلاح کا نام نہیں اب تو بالکل ترک کر دیا جاوے۔

حنفیہ کا اصل مذہب

اوپر کی عبارت سے معلوم ہوا کہ اصل مذہب حنفیہ میں عموماً باجا اور خصوصاً دف بھی حرام ہے اور حنفیہ کی جس کتاب میں اعلان نکاح کے واسطے دف کے جواز پر جو عبارت ہے وہ ظاہر الروایت کے خلاف ہے ہوسکتا ہے کہ علماء احناف کو روایات شافعیہ سے دھوکا ہو گیا ہو اس کے نظائر وامثال کتب حنفیہ میں کثرت سے ملتے ہیں کہ کسی ایک کتاب میں دوسرے مذہب کا کوئی قول کسی مصنف نے لکھا تو دیکھا دیکھی اعتماد کر کے دوسرے مصنف نے بھی اپنی تصنیف میں درج کر دیا اور یہ خلاف مذہب قول نقل در نقل ہوتا چلا آیا اب کسی کو شبہ بھی نہیں ہوتا ہے کہ یہ مذہب حنفی کا مسئلہ نہیں ہے مگر تحقیق کے وقت معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول خلاف مذہب ہے چنانچہ علامہ ابن ہمام فتح القدیر باب نکاح الرقیق میں تحریر کرتے ہیں (فھذا ھو الوجہ وکثیر اما یقلد الساھون الساھین) یعنی ایسا بہت ہوتا ہے کہ بھولنے والے بھولنے والوں کی پیروی کر لیتے ہیں اسی طرح کی عبارت بحر الرائق میں بھی منقول ہے۔

لہٰذا کتب حنفیہ میں دف کے جواز پر جو قول منقول ہے وہ غلط نقل ہے جس کا اصل مذہب میں پتہ نہیں اس لئے یہ منشاء تقلید نہیں اسی وجہ سے علامہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ دف اکثر مشائخ کے نزدیک حرام ہے اور حدیث (اعلنوا هذا النكاح واجعلوه في المساجد ا) جس میں اعلان نکاح کیواسطے دف بجانے کا ذکر آیا ہے اس سے مراد اکثر مشائخ کے نزدیک اعلان نکاح ہے۔ نہ کہ حقیقۃً دف کا بجانا چنانچہ شرح نقایہ میں ہے کہ (قال التورپشتي انه حرام علي قول اكثر المشائخ وما ورد من ضرب الدف في العرس كناية عن الاعلان)

جب دف سے مراد اعلان نکاح ہے تو پھر متاخرین حنفیہ کا جائز کہنا اور اس حدیث کو استدلال میں پیش کرنا صحیح نہیں ہے اور اعلان وتشہیر کے مراد ہونے پر سب سے بڑا قرینہ یہ ہے کہ اب تک کسی ضعیف روایت سے بھی ثابت نہ ہوا کہ زمانہ رسالت میں کسی صحابی نے اعلان نکاح کیلئے دف بجا کر اس حدیث کی تکمیل کی ہو حالانکہ صحابہ کرام کو اتباع سنت میں جو شغف تھا وہ علماء پر مخفی نہیں اور اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ خود حضور علیہ نے متعدد نکاح اپنا اور اپنی صاحبزادیوں کا کیا مگر کبھی کسی نکاح میں آپؐ نے دف بجانے کا حکم نہیں دیا زیادہ سے زیادہ بخاری کی حدیث ربیع بنت معوذ سے ثابت ہوتا ہے کہ چند نابالغ لڑکیوں نے بعد زفاف دف بجایا تھا جو غیر مکلف تھیں۔ اس سے بالغہ عورتوں کا بجانا کہاں ثابت ہوتا ہے اگر کسی روایت سے بالغہ عورتوں کا بجانا ثابت بھی ہو جائے تو اس کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث کافی ہے (ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن ضرب الدف ولعب الصنج وضرب الزمارة) اس حدیث کی رو سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے

ا ترمذی شریف ملخوذ فتاوی شامی صفحہ ٦٦ جلد ٤ کتاب النکاح

اجازت دی ہوگی پھر منع فرمادیا جس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ظاہر فرمادیا۔ نیز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضور ﷺ کے سامنے دف کو مزمار الشیطان کہا تو حضور ﷺ نے سکوت فرمایا۔

غور کیجیے اگر حضرت صدیق اکبر کا دف کو مزمار الشیطان فرمانا صحیح نہ ہوتا تو حضور ضرور منع کرتے لہٰذا جب دف مزامار شیطان ٹھہرا تو یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ صحابہ کرام اس کو بجا کر نکاح کا اعلان کرتے پس اکثر مشائخ حنفیہ کا حدیث ضرب دف سے اعلان اور تشہیر مراد لینا صحیح ہے کیونکہ عربی اور فارسی میں ضرب دف بول کر اعلان اور تشہیر مراد ہوا کرتی ہے عربی کا حال تو ابھی علماء محققین کے قول سے معلوم ہو چکا۔ اور فارسی میں حضرت شیخ سعدی نے گلستاں کے ایک مصرعہ میں فرمایا (بدف برزوندش دیوانگی) یعنی اس کی دیوانگی کا دف بجایا اس کو دیوانہ مشہور کیا پس جس طرح یہاں مشہور کرنا مراد ہے اسی طرح حدیث میں دف سے مراد نکاح کا اعلانیہ اور شہرت کیساتھ کرنا مراد ہے۔

دف کا جواز اگر ہو بھی تو چند شرائط کیساتھ

اگر تنزل کے درجے میں متاخرین احناف کا استدلال مان بھی لیا جائے تو دف کا بجانا مباح ہے مگر چند شرائط کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔

(۱) جھانجھ نہ ہو (۲) تضریب نہ ہو جیسا کہ شامی وغیرہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے (هذا اذا لم يكن له جلاجل لم يضرب على هيئة التضريب) (۳) تیسری شرط یہ ہے کہ تھوڑی دیر تک بجایا جائے لمعات میں ہے (دل الحديث على اباحة مقدار اليسير)

آج کا مروجہ طریقہ خلاف شرع ہے

آج کل جو متعدد دف برات کیساتھ لیکر چلتے ہیں بجانے والے بھی کاریگر ہوتے ہیں اور اس میں بسا اوقات بے پردہ عورتیں بھی ساتھ ہوتی ہیں اسکے علاوہ بہت ساری خرافات پر مشتمل مجمع ہوتا ہے جو محتاج بیان نہیں تو یہ طریقہ کیونکر جائز ہوسکتا ہے جواز کی صورت جن علماء نے بیان کی ہے اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ نکاح کے بعد چند مرتبہ ہاتھ سے دف پیٹ دیا جائے تاکہ معلوم ہو جائے کہ نکاح ہو چکا اس کے علاوہ اور کچھ نہیں اس لئے مروجہ طریقہ کے مطابق دف جائز نہیں ہوگا۔

خلاصہ تحریر اور مذہب حنفی

ان تمام بیانوں کا خلاصہ یہ نکلا کہ دف وغیرہ کل باجے حرام ہیں شادی اور غیر شادی کسی وقت میں جائز نہیں ہاں مذہب شافعیہ میں چند قیود کیساتھ جائز ہے مگر ترک کر دینا ان کے یہاں بھی اولیٰ اور بہتر ہے۔ جن علماء احناف نے خلاف مذہب چند قیود کیساتھ جائز لکھا ہے وہ تو اولاً غلط نقل کی اتباع ہے دوسری بات یہ ہے کہ اس کی وجہ سے مروجہ طریقہ جائز نہیں ہوگا حرام ہی ہوگا پس مقلدین امام ابوحنیفہ کیلئے خیریت اسی میں ہے کہ ہرگز اس کو اختیار نہ کریں ورنہ سخت خطرہ میں مبتلا ہوں گے۔[1]

گولہ اور پٹاخا کے ذریعہ اعلان

نکاح میں مروجہ طریقہ سے گولہ اور پٹاخا پھوڑنا اور آتش بازی کرنا وغیرہ ہندوانہ رسم ہے نیز اضاعت مال ہونے کی وجہ سے ناجائز اور واجب الترک ہے۔[2]

---

[1] ملخص امداد الفتاوی ص ۲۷۹ تا ۲۸۶ ج ۲

[2] فتاوی محمودیہ ص ۳۹۵ ج ۷

شادی کے موقع پر عورتوں کا اشعار اور گیت گانا

بہت سارے مقامات میں شادی کے موقع پر عورتیں اور بالغ لڑکیاں غلط اور برے برے اشعار وگیت گا گا کر اچھلتی کودتی ہیں بعض لوگ اس کو جائز کہتے ہیں کیونکہ سفر ہجرت کے موقع پر یا اس کے قریب تر جب حضرت عائشہؓ کی رخصتی کا موقع تھا تو کچھ بچیوں نے یہ اشعار پڑھے تھے۔

طلع البدر علينا من ثنيات الوداع وفينا نبی يعلم ما فی غد

قائلین جواز اس سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ استدلال کرنا اس سے اس لئے غلط ہے کہ اولاً تو وہ بچیاں تھیں جو غیر مکلف تھیں آج تو دوشیزائیں بے پردہ ہو جاتی ہیں جن کی آواز بھی باعث فتنہ ہے دوسری بات یہ ہے کہ یہ اعمال باب تربیت کے قبیل سے ہیں شریعت مطہرہ میں احکام تربیت عموماً تدریجاً اور آہستہ آہستہ مکمل ہوتے ہیں خود نماز میں بھی کلام الناس اور لوگوں کے سلام کا جواب دینا وغیرہ کی ممانعت بعد میں ہوئی شروع میں سب کچھ نماز کے اندر جائز تھا اسی طرح شراب کی حرمت تین مرحلوں میں مکمل ہوئی وغیرہ ذالک۔ اسی طرح گانا بجانے والا معاملہ بھی باب تربیت کے قبیل سے ہے رفتہ رفتہ تربیت کے انداز میں مکمل ہو کر آخری حکم یہ ہوا:

کل لهو المسلم حرام الا ثلثة ملاعبته باهله ومسابقته بفرسه ومناضلته بقوسه او كما قال عليه الصلوة والسلام رواه الصحاح بلفظه	کہ مسلمان کا لہو ولعب اور بیکار چیزوں میں مشغول رہنا حرام ہے مگر تین چیزوں میں کھیل جائز ہے ایک تو اپنی بیوی کیساتھ کھیلنا (یعنی بے تکلفی سے رہنا) دوسرے گھوڑے کا مسابقہ میں دوڑانا

تیسرے تیر اندازی کرنا لہٰذا گانے بجانے کو بھی حضور ﷺ نے دھیرے دھیرے ختم فرمادیا اسلئے حضرت عائشہؓ کی شادی میں گانے بجانے اور ابتداءً اسلام کے محض ان واقعے سے دلیل پکڑنا صحیح نہیں کیونکہ وہ شروع کی بات تھی اب منسوخ ہو کر گانا بجانا

وغیرہ حرام ہوگیا۔[1]

مرد کا مہندی لگانا

مرد کے لئے صرف سر اور ڈاڑھی میں خضاب کے مقصد سے مہندی لگانے کی اجازت ہے ہاتھ وغیرہ میں مہندی لگانا مرد کیلئے جائز نہیں حرام ہے خواہ شادی کا موقع ہو یا غیر شادی کا۔

عورتوں کے لئے ہاتھ وغیرہ پر مہندی لگانا مستحب ہے

عورتوں کو ہاتھوں میں مہندی لگانیکا حدیث میں حکم آیا ہے نہ لگانے پر تنبیہ فرمائی گئی ہے۔

وعن عائشة ان هندا بنت عتبة قالت يا نبي الله بايعني فقال لا ابايعك حتى تغيرى كفيك فكانهما كفا سبع [2]

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ عتبہ کی بیٹی ہندہؓ نے جب یہ کہا کہ اے اللہ کے نبیؐ مجھ کو بیعت کر لیجئے تو آپ نے فرمایا کہ جب تک تم اپنے دونوں ہاتھوں کو مہندی لگا کر ان کی رنگت کو) متغیر نہ کرلوگی میں تم سے زبانی بیعت نہیں لونگا تمہارے ہاتھ مہندی کے بغیر ایسے ہیں جیسے درندے کے ہاتھ ہوں۔

دوسری حدیث میں ہے:

وعن عائشةؓ قالت اومت امرأة من وراء ستر بيدها كتاب الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقبض النبي صلى الله عليه وسلم يده فقال ما ادرى أيد رجل ام يد امرأة قالت بل يد امرأة قال لو كنت امرأة لغيرت اظفارك يعني بالحناء الخ [3]

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک دن ایک عورت نے پردے کے پیچھے سے اپنے ہاتھ کے ذریعہ اشارہ کیا جس میں ایک پرچہ تھا جو کسی شخص نے رسول کریم ﷺ کو بھیجا تھا (یعنی حضور ﷺ کو اس عورت نے پرچہ دینا چاہا) لیکن حضور ﷺ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا کہ مجھے نہیں معلوم کہ یہ

[1] نظام الفتاوی صفحہ ۲۵۰ جلد ۱) [2] (مشکوۃ شریف صفحہ ۳۸۲ جلد ۲)
[3] مشکوۃ شریف ۳۸۳ جلد ۲ باب الترجل

ہاتھ مرد کا ہے یا عورت کا اس عورت نے کہا یہ ہاتھ عورت کا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تو عورت ہوتی تو اپنے ناخنوں کو مہندی کے ذریعہ ضرور تبدیل کرتی۔

صاحب مظاہر حق فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو مہندی لگانا مستحب ہے اور اس کو ترک کرنا مکروہ ہے یہ کراہت مردوں کی مشابہت اختیار کرنے کی وجہ سے ہے (کیونکہ مرد مہندی نہیں لگا سکتا)۔[1]

ابٹن لگانا

بعض علاقے میں شادی سے قبل عورتیں جو جوار ہلدی وغیرہ ملا کر ابٹن بناتی ہیں اس کے بنانے کا اہتمام عورتوں کے اجتماع کیساتھ ہوتا ہے اپنے گھر ابٹن نہیں پیستیں دوسرے کے گھر جا کر پیستیں ہیں اور راستے میں گیت گانے وغیرہ گاتے جاتی ہیں نیز اس کے بھوننے کیلئے عام چولہا نہیں ایک نیا چولہا بنایا جاتا ہے اور ابٹن کے سامان کو کسی لڑکی کے سر پر دیکر ڈھانپ دیا جاتا ہے اور پھر اس کو پیس کر دولہا دولہن کو لگایا جاتا ہے غیر محرم عورتیں بھابھی وغیرہ اکثر دولہا کو لگایا کرتی ہیں اور ایک مرتبہ نہیں سات سات مرتبہ کئی مجلسوں میں لگاتی ہیں لگاتے وقت پورے بدن کا کپڑا ہٹا دیا جاتا ہے غیر محرم کا ہاتھ اس کے بدن پر پڑتا ہے اس کے علاوہ اور بھی خرافات رسمیں پائی جاتی ہیں یہ بالکل حرام اور ناجائز ہے حدیث وقرآن میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے حضرت مفتی محمود صاحب نے بھی فتاوی محمودیہ میں اس کو واجب الترک لکھا ہے۔ اسلئے دولہا دولہن کو خاص طور سے دولہا کو تو بالکل نہیں لگانا چاہئے کیونکہ اس میں رنگ ہوتا ہے میل وغیرہ دور کرنے کا تو صرف بہانا ہوتا ہے اصل مقصد نمائش کرنا اور رسم کو پورا کرنا ہوتا ہے اس لئے یہ چیزیں جائز نہیں ہیں۔

---

[1] مظاہر حق صفحہ ۲۲۲ جلد ۵

نکاح میں سہرا و گجرا وغیرہ باندھنا

نکاح کے موقع پر دولہا کو پھول یا کاغذ اور روپے وغیرہ کا ہار مالا گلے میں باندھنا اور سہرا سر پر باندھنا اور ہاتھ و گلے میں گجرے پہنانا ہتھیلی یا جوڑ بند باندھنا وغیرہ یہ سب ہندوانہ رسومات ہیں ان رسومات کا ادا کرنا غیر کیساتھ مشابہت ہے جس سے حضور نے منع فرمایا ہے۔ حضور علیہ السلام کی حدیث ہے (من تشبہ بقوم فھو منھم) جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ انہیں میں سے ہے۔ اس حدیث کیوجہ سے معلوم ہوا کہ غیر کے طریقے کو اپنانا بہت بڑا گناہ ہے اکثر علماء و مفتیان کرام نے اس کو واجب الترک بتلایا ہے۔[۱]

لڑکی سے اجازت لینے کا غلط طریقہ

نکاح سے کچھ دیر پہلے لڑکی عورتوں کے مجمع میں بیٹھتی ہے پھر تین اجنبی مرد ایک وکیل اور دو گواہ اس بھرے مجمع میں پہنچ کر اجازت لیتے ہیں اب بھلا سوچئے ایسے موقع پر کون بے شرم لڑکی ہوگی جو قولاً و فعلاً انکار کرے گی اور ناراضگی ظاہر کرے گی حالانکہ اجازت لینے کا مقصد عورتوں کی رضامندی معلوم کرنی ہوتی ہے اور یہ بات اس وقت ہوگی جبکہ کہیں سے نکاح کا مناسب پیغام آئے تب اسی وقت لڑکی سے آزادانہ ماحول میں اجازت لی جائے اجنبی مرد اجازت لینے ہرگز نہ جائیں اور نہ اجازت کے وقت گواہ کی ضرورت ہے۔ شریعت اسلامیہ نے اجازت لینے کا حق ولی (باپ دادا بھائی چچا وغیرہ) کو دیا ہے حدیث میں ہے (یستأذنھا ابوھا) کہ لڑکی کا باپ اجازت لے اور اسی حدیث میں آگے ہے۔ (اذنھا صماتھا) کہ لڑکی کا خاموش رہنا اجازت

---

[۱] نظام الفتاویٰ صفحہ ۲۹۰ جلد ۱۔ فتاویٰ محمودیہ صفحہ ۲۱۸ جلد ۱۰

ہے جبراً منھ سے کہلوانا غیر مہذب طریقہ ہے۔ لیکن اگر غیر ولی اجازت لینے جائے تو پھر خاموش رہنا اجازت نہیں سمجھا جائے گا۔[۱]

نکاح کے وقت جھک کر چلنا

جب دولہا کو نکاح کی مجلس میں لایا جاتا ہے تو دولہا کو اندھا ہو کر چلنے اور اسی طرح آہستہ آہستہ جھک کر چلنے کو کہا جاتا ہے اگر کوئی اپنی روش پر چلے تو اس کو بے ادب کہا جاتا ہے یہ سب رسومات ناجائز ہیں اور تکلف بارد ہے اس طرح چلنے اور کسی کے سامنے ادباً جھکنے کی حدیث شریف میں ممانعت آئی ہے چنانچہ حضرت انسؓ سے منقول ہے ایک شخص نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔

یارسول اللہ الرجل منا یلقی اخاہ او صدیقہ اینحنی لہ قال لا[۲] کہ ہم میں سے کوئی اپنے کسی بھائی یا دوست سے ملاقات کرتا ہے تو کیا اس کے سامنے جھک سکتا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔

لہٰذا یہ رسم واجب الترک ہے، اپنے وقار کے ساتھ مجلس نکاح میں آ جائے۔[۳]

نکاح کے وقت سلام کرنا

لوگ عقد نکاح کے بعد مجلس ہی میں فوراً کھڑے ہو کر دولہا کے سلام کرنے کو لازم سمجھتے ہیں اگر کوئی ایسا نہ کرے تو برا سمجھا جاتا ہے سلام تو پہلی ملاقات پر کیا جاتا ہے یا رخصت ہوتے وقت، بیچ میں سلام کرنے کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے لہٰذا اس رسم کے ترک پر ملامت کرنا ناجائز ہے۔[۴]

---

[۱] مستفاد بہشتی زیور [۲] مشکوۃ شریف ۴۰۱ جلد ۲

[۳] مستفاد فتاوی محمودیہ ۳۱۶ جلد ۳ [۴] مستفاد فتاوی محمودیہ صفحہ ۳۱۶ جلد ۳

نکاح کے بعد مصافحہ

اسی طرح یہ رواج ہے کہ نکاح پڑھانے کے بعد دولہا حاضرین مجلس سے مصافحہ کرتا ہے اس مصافحہ کا شرعاً کوئی ثبوت نہیں ہے بے اصل اور بدعت ہے مصافحہ نہ کرنے والے کو برا کہنا کسی طرح درست نہیں ہے اس سے اجتناب کرنا چاہئے مصافحہ بھی سلام کی طرح صرف شروع ملاقات یا رخصت کے وقت کیا جاتا ہے۔[۱]

نکاح کے بعد چھوہارے لٹانا

نکاح کے بعد چھوہارے کا لوٹنا اور لٹانا حضرت انس کی ایک حدیث سے اگر چہ ثابت ہوتا ہے مگر حدیث ضعیف ہے ایسے جزئی عمل کو کرنا کچھ ضروری نہیں ہے ایسے فعل سے اکثر چھینا جھپٹی ہو جاتی ہے اور لوگوں کو چوٹ بھی لگ جاتی ہے جو اذیت مسلم ہے اگر مسجد میں نکاح ہوا ہے تو مسجد کی بے حرمتی ہوتی ہے اس لئے چھوہارے پھینکنے کے بجائے ایک آدمی مجلس میں کھڑے ہو کر تقسیم کر دے اگر مسجد میں ہو تو مسجد سے باہر گیٹ پر کھڑے ہو کر اطمینان سے تقسیم کر دے تو مناسب طریقہ ہے[۲] حضرت تھانوی نے بھی اصلاح الرسوم میں تقسیم پر کفایت کرنے کو لکھا ہے۔

دولہا والے سے مسجد یا مدرسہ کا جبراً چندہ لینا

ایک دستور یہ بھی ہے کہ شادی کے موقع پر گاؤں والے یا مسجد والے دولہا والے سے جبراً چندہ لیتے ہیں یہ طریقہ خلاف شریعت ہے کسی مسلمان کا مال بغیر اس کی رضا مندی اور خوش دلی کے لینا جائز نہیں ہے ایسی رقم جو رسم و رواج کیوجہ سے دی جاوے مسجد و مدرسہ میں اس کا استعمال کرنا بھی زیادہ برا ہے حدیث پاک میں ہے (ان اللہ طیب لا یقبل الا الطیب) کہ اللہ پاک ہے اور پاک ہی مال کو پسند کرتا ہے۔[۳]

---

۱ (مستفاد فتاوی محمودیہ صفحہ ۳۱٦ جلد۳

۲ فتاوی رشیدیہ صفحہ ٥٦٧ جلد۱) ۳ اصلاح الرسوم

دولہا سے دربانی وغیرہ کا روپیہ لینا

آج کل یہ بھی رسم ہے کہ دولہا سے دربانی کا روپیہ لیا جاتا ہے اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ دولہا جس راستے سے جاتا ہے وہاں ایک شخص کھڑا ہو جاتا ہے اور روپیہ نہ دے تو روک لیا جاتا ہے اور برا بھلا کہا جاتا ہے (اسی طرح کبھی دولہا کا جوتا چرالیا جاتا ہے یا اور بھی کئی طریقے سے لوگ روپیہ حاصل کرنا چاہتے ہیں) یہ سب رسم بد ہے اگر دولہا شرم کے مارے یا جبراً دیدے تو اس کی واپسی ضروری ہے نہ دینے پر برا کہنا سخت گناہ ہے[1]

نکاح کے بعد دولہن کا منہ دکھلانا

بعض جگہ تو نکاح کے فوراً بعد دولہن کا منہ دکھلاتے ہیں اسی طرح دولہا کے گھر آنے کے بعد آدمی دولہن کا منہ دیکھنا ضروری سمجھتے ہیں اور اس پر روپے پیسے دینے کا بھی التزام ہوتا ہے یہ سب رسم بد ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے خاص طور سے غیر محرم مردوں کو تو دکھنا اور دیکھنا حرام ہے اس سے اجتناب ضروری ہے[2]

شب زفاف کی رسم

شب زفاف کی رسموں میں سے ایک بہت ہی خراب اور گھناؤنی رسم یہ ہوتی ہے کہ دولہا اور دولہن کو یکجا گھر میں کر کے دروازہ یا کھڑکی وغیرہ سے بعض لڑکیاں اور عورتیں جھانکتی اور تاکتی ہیں یہ بیحد گھناؤنا طریقہ حدیث کی رو سے ایسی لڑکیاں لعنت میں داخل ہوتی ہیں[3]

ایک حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا:

---

[1] فتاوی محمودیہ صفحہ ۳۱۶ جلد ۲

[2] مستفاد فتاوی محمودیہ صفحہ ۳۱۶ جلد ۲

[3] بہشتی زیور صفحہ ۳۵ حصہ ۶

من کشف سترا فادخل بصره فی البیت قبل ان یؤذن له فرأی عورة اهله فقد اتی حدا لایحل له ان یاتیه ولو انه حین ادخل بصره فاستقبله رجل ففقأ عینه ما عیرت علیه [1]

کہ اگر کسی شخص نے کسی کے گھر کا پردہ کھولا اور اسکے گھر میں اپنی نظر ڈالی اس کی اجازت دینے سے قبل اور اس کے گھر والے کے ستر کو دیکھا (تو اس نے ایسے جرم کا ارتکاب کیا ہے) جس کی وجہ سے وہ مستحق سزا ہوگا اس کیلئے ہرگز جائز نہیں کہ وہ بلا اجازت کسی کے گھر میں آئے اور اس کے گھر میں جھانکے اگر اسنے گھر میں جھانکر دیکھا اور گھر والوں میں سے کوئی شخص سامنے آگیا اور اس نے اس جھانکنے والے کی آنکھ پھوڑ ڈالی تو میں اس آنکھ پھوڑنے والے کو کوئی سرزنش نہیں کرونگا اور نہ (بطور تاوان) اس پر کوئی چیز واجب کرونگا۔

شب زفاف گزارنے کا صحیح طریقہ

نکاح سے قبل میاں بیوی کے درمیان غیر موانست اور اجنبیت تھی کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں تھا اور ہونا بھی نہیں چاہئے نکاح کے بعد ایک دم عجیب تعلق پیدا ہوگیا ہے کہ دونوں کو یکجا ہونے اور خلوت گزینی کا موقع مل رہا ہے جو ایک عجیب، پرکیف مرحلہ ہوتا ہے اسلئے اس کے کچھ آداب بتلادینا مناسب ہے۔

(۱) دونوں کی ملاقات کے وقت طبیعت میں انبساط اور شگفتگی اور بدن میں تازگی ہو اور دل ودماغ فرحاں اور شاداں ہو ذہن میں کسی قسم کا انتشار اور بدن میں کسی طرح کی کوئی سستی نہ ہو۔ اس لئے شب زفاف سے پہلے والے دن میں موقع نکال کر کچھ آرام کرلینا چاہئے اور طبیعت کے کھلنے کے کچھ اسباب مثلاً پھل فروٹ خوشبو وغیرہ کا انتظام کرلینا چاہئے۔ (۲) اگر مہر نقد ہو تو اس کا پہلے انتظام کرکے رکھ لیا جائے اگر مہر

[1] مشکوۃ ۳۰۶ کتاب النکاح

معجل نہیں ادھار ہے تو کوئی بھی چیز مہر کے علاوہ زوجہ کے مزاج کے موافق بطور ہدیہ پیش کردینی چاہئے جیسا کہ مہر کے بیان میں گزرچکا ہے کہ حضورﷺ نے حضرت علیؓ کو فاطمہؓ کے پاس جانے سے اس وقت تک منع کردیا تھا جب تک کہ اُن کو کچھ پیش نہ کردے۔(۳) پہلی ملاقات میں کلام سے قبل سلام کرے اور پھر دولہن کی پیشانی اور اس کے بالوں پر ہاتھ رکھ کر یہ دعاء پڑھے۔

اللھم انی اسئلک من خیرھا وخیر ما جبلت علیہ واعوذبک من شرھا وشر ما جبلت علیہ[۱]	اے اللہ میں تجھ سے اس عورت کی بھلائی اور اسکے عادات واخلاق کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں اور اس کے شر اور اس کے اخلاق وعادات کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

(۴) ملاقات ہونے کے بعد دونوں وضو کرے پھر دو رکعت صلوۃ الحاجہ پڑھ کر خیر وبرکت اور محبت وموافقت اور خوشگواری کیساتھ رشتہ نکاح کے نبھاؤ اور دوام وبقاء نیز صالح اولاد کے حصول کیلئے دعاء کرے۔ دولہن کے سامنے دینی انداز میں بات چیت کرتے ہوئے مال ودولت اور دنیا کی بے وقعتی کا تذکرہ کرے۔(۵) جماع اور صحبت میں جلد بازی نہ کرے اس کے لئے تو پوری زندگی پڑی ہے اس لئے شروع میں دل لگی اور خوش طبعی کی باتیں ہوں رات کا اکثر حصہ تو اس کے ساتھ محبت اور تعلقات کی باتیں ہوں آہستہ آہستہ مانوس کرکے اپنی طرف مائل کرے جب وہ پورے طور پر مائل ہوجائے اور کھل کر ابھر کر سامنے آجائے تو پھر صحبت کرے۔(۶) فقیہ ابواللیث نے بستان میں لکھا ہے کہ جماع کا بہتر وقت آخری شب ہے کیونکہ اول وقت میں پیٹ بھرا رہتا ہے اس حالت میں جماع کرنے سے معدہ خراب اور بدہضمی ہونے کا اندیشہ ہے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت منقول ہے کہ حضورﷺ جب آخری شب

---

[۱] ابن ماجہ شریف ۱۳۸

میں وتر پڑھ چکے ہوتے اور آپ کو اپنی بیویوں سے ملنے کی خواہش ہوتی تو حاجت پوری فرماتے ورنہ لیٹ جاتے یہاں تک کہ حضرت بلالؓ فجر کیلئے نماز کی اطلاع دیتے ویسے اول شب میں بھی آپؐ سے جماع کرنا ثابت ہے اسلئے جس وقت چاہے جماع کرسکتا ہے۔

ہم بستری کرنے کے آداب

(۱) مباشرت اور جماع دن اور رات ہر وقت کرسکتے ہیں مگر زیادہ بہتر رات کا وقت ہے کیونکہ اکثر حضور ﷺ سے رات ہی میں مباشرت ثابت ہے۔ (۲) مباشرت بالکل خلوت میں ہو ایسی جگہ اور ایسے مکان میں ہو جہاں چھت بھی ہو اور کسی کے آنے جانے کا اندیشہ بھی نہ ہو اگر چھوٹا بچہ بھی ہو تو بیدار نہ ہو حتیٰ کہ جانور بھی نہ ہو۔ (۳) مباشرت کرتے وقت بالکل ننگا ہونا اچھا نہیں ہے کوئی چادر وغیرہ اوپر سے ڈال لینا چاہئے حضور ﷺ تو مباشرت کے وقت اپنا سر مبارک بھی کپڑے سے چھپا لیتے تھے اور آواز کو ہلکی فرما لیتے تھے اور بیوی سے فرماتے کہ اطمینان وسکون سے رہو۔ (۴) دخول سے قبل عورت کو خوب آمادہ کرلیا جائے اور اس کے جذبات کو جوان کرلیا جائے ورنہ مرد جلد فارغ ہو جائے گا اور عورت کی خواہش ناتمام رہے گی کیونکہ مرد کا مزاج گرم اور عورت کا مزاج اکثر سرد ہوتا ہے عورت کو ابھارنے کے طریقے ہر شخص سمجھ سکتا ہے مثلاً چومنا، بھینچنا، پیار ومحبت کی باتیں کرنا تو عمومی چیزیں ہیں عورت کے پستان کی گھنڈی یعنی گول حصہ کو آہستہ آہستہ سہلانے اور شرمگاہ کے اوپر کے چھوٹے ابھرتے ہوئے ٹنا کو گدگدانے سے جذبات بہت جلد ابھر جاتے ہیں مگر مرد اس وقت دھیان کو ہٹا کر خواہش کو دبائے رکھے ورنہ پہلے انزال ہو جانے کا خطرہ ہے۔ (۵) خواہشات کے ابھر جانے کے بعد جماع کرے مگر اس سے قبل یہ دعاء پڑھ لے جو صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

بسم الله اللهم جنبنی الشیطان — اللہ پاک کے نام سے شروع کرتا ہوں
وجنب الشیطان مارزقتنا[1] — اے اللہ ہم کو شیطان سے بچا اور اس
سے جو اولاد تو عطا کرے اس کو بھی شیطان سے محفوظ فرما۔

(نوٹ) بغیر دعاء اور بغیر بسم اللہ کے ہمبستری کرنے سے مرد کے نطفے کیساتھ شیطان کا نطفہ بھی اندر شرمگاہ میں چلا جاتا ہے جس سے اولاد میں شیطانی اثرات آجاتے ہیں۔

(۶) جماع ہر طرح سے کرنا جائز ہے مگر بہتر طریقہ یہ ہے کہ عورت کو چت لٹا دے اور اس کے دونوں گھٹنوں کو موڑ کر اس کی پستان سے لگا دے اس کے بعد مرد اس کو پورے طور پر ڈھانپ لے جیسا کہ قرآن میں ہے (فَلَمَّا تَغَشّٰهَا)[2] یعنی جب شوہر نے اپنی بیوی کو ڈھانپ لیا اور حدیث میں ہے کہ:

اذا جلس احدکم بین شعبها — یعنی جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے
الاربع ثم جهدها فقد وجب — چار پائے (یعنی دونوں ہاتھ اور پیروں)
الغسل[3] — کے بیچ میں بیٹھا اور پھر کوشش
کی (یعنی جماع کیا) تو اس کے اوپر غسل واجب ہو جائیگا۔

(۷) مجامعت کرتے ہوئے مرد کو اتنی کوشش کرنی چاہئے کہ عورت کی بھی خواہش پوری ہو جائے اور منی نکل جائے یہ بڑی بے مروتی کی بات ہے کہ خود تو تسکین حاصل کرلے اور عورت کو یوں ہی تڑپتی چھوڑ دے ایسا کرنے سے آپسی محبت کے بجائے نفرت وعداوت پیدا ہو جاتی ہے (۸) جماع کے بعد حدیث میں آتا ہے کہ استنجا کرلے اور آلہ تناسل دھو کر وضو کر کے سوئے اس سے پاکیزگی زیادہ حاصل ہوتی ہے۔

[1] بخاری شریف ۷۷۶ جلد ۲ [2] سورۃ الاعراف آیت ۱۸۹ [3] مشکوۃ شریف ص ۴۷ ج ۱

(تنبیہ) یہ باتیں بظاہر حیا سوز ہیں مگر بے تکلف لکھدی گئی ہیں تا کہ ہمارا ہر کام شریعت اور سنت کے مطابق ہو یہ شریعت اسلامیہ کا کمال ہے کہ اسمیں کسی چیز کے متعلق تشنگی نہیں ہے بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی چیزوں کا بھی طریقہ بتلایا گیا ہے۔

صحبت کا غلط طریقہ

اپنی بیوی سے حیض کی حالت میں جماع کرنا حرام ہے اسی طرح عورت کے پیچھے کے مقام دبر میں وطی کرنا بھی ناجائز اور حرام ہے قرآن میں ہے:

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْمَحِیْضِ قُلْ ھُوَ اَذیً فَاعْتَزِلُوْا النِّسَآءَ فِیْ الْمَحِیْضِ وَلاَ تَقْرَبُوْھُنَّ حَتّٰی یَطْھُرْنَ فَاِذَا تَطَھَّرْنَ فَاْتُوْھُنَّ مِنْ حَیْثُ اَمَرَکُمُ اللّٰہُ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَ نِسَاؤُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ فَاْتُوْا حَرْثَکُمْ اَنّٰی شِئْتُمْ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ وَاتَّقُوْاللّٰہَ وَاعْلَمُوْا اَنَّکُمْ مُّلٰقُوْہُ وَبَشِّرِالْمُؤْمِنِیْنَ[1]

کہ لوگ آپ سے حیض کی حالت میں (اپنی بیوی سے صحبت وغیرہ) کا حکم پوچھتے ہیں تو آپ فرمادیجئے کہ حیض گندی چیز ہے (تو حالت حیض میں تم عورتوں سے صحبت کرنے سے پرہیز کرو اور ان کے قریب بھی مت جاؤ جب تک کہ وہ پاک نہ ہوجائیں ہاں جب وہ اچھی طرح پاک ہوجائیں تو پھر ان کے پاس آؤ اس جگہ سے جہاں سے اللہ نے تمہیں اجازت دی ہے (یعنی آگے کے مقام میں صحبت کرو) بیشک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے اور پاک صاف رہنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور تمہاری بیویاں تمہارے لئے (بمنزلہ) کھیت کے ہیں (جس میں نطفہ بیج اور بچہ کی پیداوار ہے) سو اپنے کھیت میں جسطرف سے چاہو آؤ (مگر آگے ہی کیطرف سے نہ کہ پیچھے کے مقام میں کیونکہ اس سے بچہ پیدا نہیں ہوسکتا

[1] سورہ بقرہ پ ۲ رکوع ۱۲ آیت ۲۲۲ و ۲۲۳

ہے) اور آئندہ کیلئے بھی اپنے لئے کچھ اعمال صالحہ کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو (ایسا نہ ہو کہ خواہشات میں مشغول ہو کر خدا کو بھول جاؤ) جان لو کہ اللہ کے سامنے پیش ہونے والے ہو اور اے محمدؐ ایمانداروں (یعنی جو خدا سے ڈر ڈر کر کام کریں) اُن کو جنت کی خوشخبری سنا دیجئے۔

اور پیچھے کے مقام میں صحبت کرنے والے کے متعلق حضور ﷺ کی حدیث ہے۔

ملعون من اتی امرأته فی دبرها ۱؎	یعنی جو شخص اپنی بیوی کے پیچھے کے مقام میں وطی کرے وہ شخص عنداللہ ملعون ہے۔

مسئلہ: حالت حیض میں ناف سے گھٹنے تک عورت کے بدن کو دیکھنا اور ہاتھ لگانا بھی درست ہے۔

مسئلہ اگر غلبہ شہوت سے حالت حیض میں صحبت ہوگئی تو خوب توبہ کرنا واجب ہے اور اگر کچھ خیرات وصدقہ بھی دیدے تو زیادہ بہتر ہے ۲؎

ہم بستری اور خلوت کے راز کو بیان کرنا

میاں بیوی اپنی خلوت اور تنہائی کی باتیں دوسرے سے بیان نہ کریں نہ شوہر اپنے دوستوں سے نہ بیوی اپنی سہیلیوں سے حدیث میں ہے کہ (ان اعظم الامانة عندالله یوم القیامة) یعنی میاں بیوی کے بوس وکنار اور ہمبستری سے متعلق حرکات وسکنات ایک بہت بڑی امانت ہے ایک حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا

(ان من اشر الناس عندالله منزلة یوم القیامة الرجل یفضی الی امرأته وتفضی الیه ثم ینشر سرها) ۳؎	قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرتبہ اور مقام کے اعتبار سے سب سے بدتر اور شریر وہ شخص ہوگا جو اپنی بیوی سے ہمبستر ہو اور اس کی بیوی اس کے

۱؎ مشکوۃ شریف صفحہ ۲۷۶ جلد۲ ۲؎ بیان القرآن صفحہ ۱۲۹ جلد۱
۳؎ مشکوۃ شریف صفحہ ۲۷۶ جلد۲

اسکے ہم آغوش ہو اور پھر اسکی پوشیدہ باتیں ظاہر کرتا پھرے۔
اسکی قباحت کو حضور ﷺ نے مزید مثال دیکر یوں بیان کیا ہے کہ:

فلاتفعلوا فانما ذلک مثل الشیطان لقی الشیطانۃ فی طریق فغشیھا والناس ینظرون [1]	ہمبستری کی باتیں دوسرے کے سامنے ظاہر نہ کرو کیونکہ اسکی مثال ایسی ہے جیسے شیطان شیطانہ سے عام راستے پر صحبت

کرے اور لوگ اسکے تماشے دیکھ رہے ہوں۔
بہرحال یہ بڑی گھناؤنی اور اخلاق سے گری ہوئی بات ہے کہ اپنی عزت وشرافت کو دوسرے کے سامنے کھولے۔ اللہ تعالی حفاظت فرمائے۔

غسل جنابت

اگر رات میں جماع کیا تو صبح ہوتے ہی فجر سے قبل فوراً غسل کر لینا چاہئے اگر غسل نہ کیا تو نماز قضاء ہونے کا گناہ تو الگ اسکے علاوہ حدیث میں آتا ہے کہ جنابت کے غسل میں بہت تاخیر کرنے اور سستی سے ناپاک پڑے رہنے سے رحمت کے فرشتے گھر میں نہیں آتے مگر اس سے مراد بہت تاخیر ہے رات کا تھوڑا حصہ بغیر غسل کے صرف وضو کر کے سو جائے تو اس حدیث کے تحت وہ داخل نہیں ہوگا۔

چوتھاری نہانے کی رسم بد

ایک رسم نکاح کے موقع پر نہایت ہی خطرناک اور خلاف شریعت پائی جاتی ہے جسکو چوتھاری نہانا کہتے ہیں اسکی صورت یہ ہوتی ہے کہ دولہن تین چار روز کے بعد چوتھاری نہان نہاتی ہے اس سے قبل اسکو غسل کی اجازت نہیں حالانکہ اس سے پہلے وہ ہمبستر ہونے کی وجہ سے جنابت کی حالت میں رہتی ہے نماز تو تین چار روز کی جو ضائع اور قضاء ہوگئی اس کا گناہ تو الگ ہے اسکے ساتھ ساتھ جنابت کی حالت میں زیادہ دیر

[1] مسند احمد

رہنے کی وجہ سے نحوست اور بے برکتی میں خود مبتلا رہی اور پورے گھر والوں کو مبتلا رکھا حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا **لاتدخل الملائکۃ بیتاً فیہ صورۃ ولاکلب ولاجنب** [۱] یعنی رحمت کے فرشتے اس گھر میں نہیں آتے جس میں تصویر اور کتے اور جنبی رہتے ہوں۔ اس لئے یہ رسم واجب الترک ہے ورنہ اس میں جتنے لوگ شریک ہیں وہ سب اپنے گھر والوں کے ساتھ گناہ میں مبتلا ہوں گے **(اللھم احفظنا منھم)** آمین۔

بیمار یا بوڑھی اور نابالغہ سے جماع

بیوی سے پوری عمر جماع کر سکتے ہیں اسکے لئے عمر کی کوئی قید نہیں البتہ عمر کے زیادہ یا کم ہونے کی وجہ سے بوڑھی اور نابالغہ بیوی جماع کی متحمل نہیں یا کسی مرض کی وجہ سے جماع پر اسکو قدرت نہیں یا جماع کرنے سے کسی ضرر کا اندیشہ ہو تو پھر جماع کرنا درست نہیں۔ [۲]

بیوی سے حالت حمل میں وطی کرنا

بیوی سے حالت حمل میں بھی وطی کرنا جائز ہے البتہ اگر وطی سے بچہ یا عورت کو ضرر اور نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہو تو پھر وطی کرنا مناسب نہیں، ماہر ڈاکٹر اور حکیم حاذق سے معلوم کر لیا جائے کہ کب جماع نقصان دہ ہوتا ہے۔ [۳]

---

[۱] مشکوۃ شریف صفحہ ۵۰ جلد ۱

[۲] وفی الاشباہ من لحکلم غیبوبۃ الحشفۃ فیما یحرم علی الزوج وطأ زوجتہ مع بقاء النکاح قال وفیما اذا کانت لا تحتملہ لصغر او مرض اوسمنہ فعلم من ھذا کلہ انہ لا یحل لہ توطؤ ھا لما یؤدی الی اضرارھا (شامی نعمانیہ صفحہ ۵۴۹ جلد ۲ ماخوذ فتاوی محمودیہ صفحہ ۳۱۸ جلد ۱۲)

[۳] (فتاوی محمودیہ صفحہ ۳۱۸ جلد ۱۲)

دودھ پلانے کی مدت میں جماع

دودھ پلانے کی مدت میں بیوی سے جماع کرنا بلا کراہت جائز ہے البتہ دودھ پینے والے بچے کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہو تو جماع سے پرہیز کرنا چاہئے۔ کیونکہ صحبت کرنے سے دوسرا حمل شروع ہونے کا امکان ہے جو دودھ کے بند ہو جانے کا سبب ہوتا ہے۔ نیز حمل کی وجہ سے کبھی دودھ میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے چنانچہ حضور ﷺ کی اس سلسلہ میں ایک حدیث منقول ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

لقد هممت ان انهى عن الغيلة فنظرت في الروم وفارس فاذاهم يغيلون اولادهم فلا يضروا اولادهم ذالك شيأ[۱]

کہ میں چاہتا تھا کہ دودھ پلانے والی عورت سے جماع کرنے کو منع کردوں لیکن پھر میں نے دیکھا کہ روم اور فارس کے لوگ اپنی اولاد کی موجودگی میں جماع کرتے ہیں مگر اسکی وجہ سے ان کے بچوں کو نقصان نہیں پہنچتا (تو میں نے یہ ارادہ ترک کردیا)

(فائدہ) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدت رضاعت میں بیوی سے جماع کرنا جائز ہے مگر نقصان پہنچنے کی صورت میں احتیاط کرنا بہتر ہے۔

عزل اور نرودھ کا استعمال

جماع کرتے وقت عزل کی صورت یہ ہوتی ہے کہ انزال کے وقت اپنے آلۂ تناسل کو باہر نکالکر مادۂ منویہ کا اخراج باہر کیا جائے۔ اسی کے مشابہ نرودھ ہے کہ فرنچ لیدر (ربڑ کی تھیلی) اپنے عضو مخصوص پر چڑھالیا جاتا ہے تاکہ منی کا قطرہ اسی تھیلی میں رہے عورت کی فرج میں نہ پہنچے۔ تو اس کے جواز اور عدم جواز کے سلسلے میں روایات مختلف ہیں۔ چنانچہ ایک روایت میں آپ ﷺ نے سختی سے منع کرتے ہوئے فرمایا

[۱] (مشکوۃ شریف) صفحہ ۲۷٦ جلد ۲

(ذالک الوأد الخفی ۱) کہ عزل کرنا گویا بچہ کو زندہ درگور کرنا ہے۔ اس کے برخلاف ایک دوسری روایت میں حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ (کنا نعزل والقرآن ینزل ۲) ہم لوگ حضورﷺ کے زمانہ میں عزل کرتے تھے اور قرآن نازل ہورہا تھا یعنی نزول شریعت کے وقت ہم یہ کام کررہے تھے مگر اس کی ممانعت نازل نہیں ہوئی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جائز ہے۔

بہرحال حدیث کے مختلف ہونے کی وجہ سے علماء کی آراء بھی مختلف ہیں مگر صحیح قول یہ ہے کہ بیوی کی اجازت کیساتھ جائز ہے کیونکہ انزال کیوجہ سے جنسی لذت حاصل ہوتی ہے جو بیوی کا حق ہے اس لئے بغیر اس کی اجازت کے عزل کرنا یا نرودھ کا استعمال مکروہ ہے۔ ۳

ضبط تولید (برتھ کنٹرول) کا شرعی جائزہ

ضبط تولید یعنی برتھ کنٹرول اور مانع حمل دواؤں کے استعمال کی اولاً دو صورتیں ہیں وقتی اور دوائی پھر وقتی کی بھی دو صورتیں ہیں ضرورۃً، بلاضرورت ہر ایک کا حکم علیحدہ ہے وقتی ضبط تولید بعض اعذار شدیدہ کیوجہ سے جائز ہے مثلاً ماں بچے کی پرورش کے لائق نہ ہو، حمل اور ولادت کیوجہ سے عورت کی ہلاکت کا خطرہ ہو۔ یا اس کی جسمانی ودماغی صحت کے خراب ہونے اور کمزوری لاحق ہونے یا کسی اور شدید مرض میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو یا بچہ کے ناقص لاغر اور کمزور ہوتے کا امکان ہو، یا دو بچوں میں مناسب فاصلہ رکھنا مقصود ہو (وغیرہ ذلک) تو ان مجبوریوں کیوجہ سے چند ماہ جب تک

---

۱ مشکوٰۃ شریف ص ۲۷۶ ج ۲

۲ مشکوٰۃ شریف ص ۲۷۵ ج ۲

۳ والاذن فی العزل وھو الانزال خارج الفرج (درمختار) وفی الفتح وفی بعض اجوبة المشائخ الکراھة وفی بعض عدمھا نھر وعنھما ان الاذن لھا وفی القھستانی ان للسید العزل عن امته بلا خلاف وکذا الزوج الحرۃ باذنھا (شامی صفحه ۳۳۵ جلد۴)

عذر باقی رہے حمل کو روکنے کیلئے تدابیر و معالجہ کرانا جائز ہے اس کے علاوہ بلا عذر شرعی مثلاً عورت کے حسن و جمال سے حسن آرائی اور مستی نکالنے کی غرض سے عورت کو جوان رکھنا، یا چھوٹا گھرانہ، چھوٹا خاندان اور سماجی دلچسپی کیلئے اولاد کے سلسلے کو منقطع کرنا یا اقتصادی و معیشت کی تنگی کے خوف سے قطع نسل کی تدبیریں کرنا یا سرکاری ملازمت ختم ہونے یا اس میں فرق پڑنے کے ڈر سے قانونی دباؤ میں آکر ضبط تولید اور مرد و عورت کا آپریشن وغیرہ کے ذریعہ ہمیشہ کیلئے اولاد سے محرومی کی کوشش کرنا حرام اور زمانہ جاہلیت کے مشابہ رسم بد اور گناہ کبیرہ ہے اللہ رب العزت خود ارشاد فرماتا ہے کہ:

وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ[1] (اے لوگو!) اپنی اولاد کو مفلسی اور ناداری کے خوف سے قتل مت کرو ہم انہیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی۔

دوسری جگہ ارشاد باری ہے

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ[2] یعنی جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے تمام مشکلات سے نجات کی راہ پیدا کر دیتا ہے اور ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جس کے متعلق اسکو وہم و گمان تک نہیں ہوتا اور جو خدا پر بھروسہ رکھے گا اس کے لئے خداوند تعالیٰ مشکلات دور کرنے کے لئے کافی ہے۔

کثرت اولاد بہت بڑی نعمت ہے اس کو ختم کرنا کفران نعمت خداوندی ہے حضور ﷺ نے بھی ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا۔

تزوجوا الودود الولود فانی مکاثر بکم الامم[3] کہ ایسی عورت سے نکاح کرو جو بہت زیادہ محبت کرنے والی اور زیادہ اولاد جنے

[1] سورہ بنی اسرائیل پارہ ۱۵ آیت ۳۱ [2] سورہ طلاق پارہ ۲۸ آیت ۳
[3] مشکوۃ شریف صفحہ ۲۶۷ جلد ۲

والی ہو۔ کیونکہ قیامت کے دن میں تمہاری کثرت کیوجہ سے دوسری امتوں پر فخر کرونگا۔

چنانچہ حضور ﷺ کے زمانے میں بعض صحابہ نے اپنے اوقات کو عبادت کیلئے یکسو کرنے کی غرض سے خصی کرانے کی حضور ﷺ سے اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے منع کیا اسی وجہ سے فقہاء نے لکھا ہے (واما خصاء الآدمی فحرام) انسان کا خصی ہو جانا اور نسل انسانی کو بالکل ختم کر دینا حرام ہے۔[1]

اسقاط حمل

اسقاط حمل کی دو صورتیں ہیں حمل کو گرانا بچہ میں جان پیدا ہونے کے بعد یا جان پیدا ہونے سے قبل ہر ایک کا حکم علیحدہ ہے۔

اسقاط الحمل بعد نفخ الروح

استقرار حمل کے چار ماہ یعنی ایک سو بیس (۱۲۰) دن کے بعد حمل میں روح پیدا ہو جاتی ہے اتنے دنوں میں بچہ کے ہاتھ، پیر، انگلیاں اور بال وغیرہ تمام اعضاء مکمل ہو جاتے ہیں گویا یہ بھی عام انسانوں کی طرح ایک انسان ہے فرق صرف اتنا ہے کہ ایک زندہ نفس تو اس دنیائے آب وگل میں آچکا ہے اور وہ رحم مادر میں پڑا ہے اس کا اسقاط خواہ آپریشن کے ذریعہ آلۂ دھاردار سے کاٹ کر نکالنے کی شکل میں ہو یا دواؤں اور گولیوں کے زور سے گلا سڑا کر نکالنا ہو یہ سب قتل نفس اور نفس کشی میں داخل ہے اور آیت کریمہ (لاتقتلوا اولادکم خشیہ املاق الخ) میں یہ بھی داخل ہے۔ اسی لئے فقہاء نے بالاتفاق اس صورت میں اسقاط حمل کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے۔[2]

البتہ بچہ پیٹ میں مر گیا اور ماں زندہ ہے، مردہ بچہ کے پیٹ میں رہنے سے

---

[1] درمختار مع الشامی صفحہ ۵۵۷ جلد ۹

[2] وفی الذخیرہ لو ارادت إلقاء الماء بعد وصوله الی الرحم قالوا إن مضت مدة ينفخ فيه الروح لا يباح لها وقبله اختلف المشايخ فيه والنفخ مقدر بمائة وعشرين يوما بالحديث (شامی صفحہ ۵۳۷ جلد ۹)

ماں کی زندگی خطرہ میں ہے تو پھر بچہ کو کاٹ کر نکالنا جائز ہے یا اس کے برعکس حاملہ عورت مرگئی اور بچہ پیٹ میں زندہ ہے تو اس صورت میں عورت کے پیٹ کے بائیں جانب چیر کر بچے کو نکالا جائے۔

اگر بچہ پیٹ میں زندہ ہے اور ولادت نہ ہونے کی وجہ سے حاملہ پریشان ہے تو علامہ شامی کا فتویٰ یہ ہے کہ اس صورت میں بھی بچے کو کاٹ کر نکالنا درست نہیں ہوگا کیونکہ بچے کیوجہ سے ماں کی موت یقینی نہیں احتمالی ہے لہٰذا شک کی بنا پر ایک زندہ نفس کا قتل کرنا درست نہیں ہوسکتا۔[۱] اس لئے آپریشن وغیرہ کے ذریعہ دونوں کی زندگی بچانے کی کوشش کی جائے۔ ہاں ولادت کی عام مدت نو ماہ پورے ہونے میں کافی دیر ہے حمل کیوجہ سے عورت بیحد پریشان ہے، بچہ کے اسقاط کئے بغیر آپریشن وغیرہ کے ذریعہ کسی بھی طرح دونوں کی زندگی بچانا ممکن نہ ہو تو مسلمان حاذق طبیب، ماہر ڈاکٹر یہ تشخیص کرے کہ اسقاط سے ماں کی زندگی بچ سکتی ہے تو استحساناً اسقاط کی اجازت ہوجائے گی کیونکہ ماں کی زندگی موجود و مشاہد ہے اور بچہ کی زندگی مظنون ہے نیز بچہ کی موت کے مقابل ماں کی موت کا ضرر بڑھا ہوا ہے۔

اسقاط الحمل قبل نفخ الروح

نفخ روح سے قبل یعنی استقرار حمل کے بعد چار ماہ سے قبل اسقاط کے متعلق علماء کی آراء مختلف ہیں بعض علماء نے مطلقاً جائز قرار دیا ہے مگر بعض حنفیہ نے مطلقاً نہیں بلکہ اعذار شدیدہ کیوجہ سے ہی جائز قرار دیا ہے مثلاً حاملہ کی جان کا خطرہ ہو، دماغی وجسمانی صحت کے متاثر ہونے کا اندیشہ ہو یا اسقدر معذور ہو کہ بچہ کی پرورش کرنے کی

---

[۱] حامل ماتت وولدها حيّ يضطرب شق بطنها من الايسر ويخرج ولدها ولو بالعكس وخيف على الام قطع واخرج لوميتا والا لاكما في كراهية الاختيار (درمختار) اى لوكان حيا لا يجوز تقطيعه لان موت الام به موهوم فلا يجوز قتل آدمي حي لأمر موهوم .)شامى صفحه ۱۴۵ جلد ۳ باب صلوة الجنائز)

اہل نہ ہو یا زنا بالجبر سے حاملہ ہوگئی ہو اسی طرح جنین کے خلقی نقص، جسمانی اعتبار سے عدم اعتدال یا خطرناک موروثی امراض وغیرہ کا خطرہ ہو تو اسقاط جائز ہوگا۔ ورنہ اقتصادی ومعاشی تنگی کے خوف سے یا عورت کے حسن وجمال سے حسن آرائی ومستی نکالنے کی غرض سے ولادت کو نہ چاہنا اور اسقاط کرانا جائز نہیں ہوگا۔[1]

شادی کی دیگر رسومات

نکاح میں مذکورہ رسومات کے علاوہ اور بھی بے شمار خرافات ہیں حضرت تھانوی نے تو ایک رسالہ اسی سلسلے میں اصلاح الرسوم کے نام سے تالیف فرمایا ہے۔ ان رسومات کو معلوم کر کے بچنا ضروری ہے مثلاً ناچ، گانا، قوالی، کٹھ پتلیوں کے کھیل، غیر معمولی اسراف، دیواروں کو کپڑوں سے ڈھانکنا، گھوڑے پر دولہا کو سوار کرنا، بارات لیکر بلاضرورت شہروں میں پھرنا، دولہا کا شہر اور آبادی کے مزارات پر جانا، وہاں کچھ نقد چڑھانا لڑکیوں اور جوان عورتوں کا بارات میں شامل ہونا، مردوں کے سامنے عورتوں کا جلوہ آرائی کرنا، دولہا کو ریشمی مسند پر بٹھانا، دولہا کی پگڑی کو ڈوری سے ناپنا پھر اس ڈوری کو ٹوٹکا کرنے والے ساحروں کو دیدینا تاکہ زوجین کی محبت میں کوئی ٹوٹکا نہ کرے۔ براتیوں اور دولہا کے رشتہ داروں کی حد سے زیادہ تعریف وتوصیف کرنا اور بے جا خوشامد وچاپلوسی اور ایسی باتیں جو بالکل جھوٹی ہوں کہنا، دولہا کے سر سے پگڑی اتار کر دولہن کے سر پر رکھدینا، دولہا اور دولہن کو سب کے سامنے برابر کر کے اونچ نیچ دیکھنا، دولہا اور اس کے خادم (لوکنیہ) کے پاس اجنبی عورتوں کا آنا اس کو ہاتھ لگانا اس کی ناک اور اس کا کان پکڑنا، اور اس کے ساتھ بے حیائی کی باتیں کرنا، دولہا سے سپاری اور مٹی کا برتن ایک چوٹ میں توڑوانا، نہ توڑ سکے تو اس کا مذاق اڑانا، دولہا اور دولہن کو گھیرے رہنا، دولہا اور دولہن کو ایک ساتھ بیٹھا کر چومانا اور پوجنے کی شکل اختیار کرنا،

[1] مستفاد حلال وحرام صفحہ ۳۰۹ تا ۳۱۰

وغیرہ وغیرہ معلوم نہیں کتنے خرافات اور بدعات نے آج نکاح کو جکڑ رکھا ہے جو سراسر حرام ہیں شریعت اور سنت سے ان کا کوئی تعلق نہیں اس لئے اس سے اجتناب کرنا انتہائی ضروری اور واجب ہے۔[1]

غلط رسموں کے اختیار کرنے پر وعید

رسومات اور غیروں کے طور طریقے کو اپنانے پر حدیث میں بہت وعیدیں آئی ہیں چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

ابغض الناس الی اللہ ثلثۃ (وعدمنھا) مبتغ فی الاسلام سنۃ الجاھلیۃ[2]

کہ تین قسم کے لوگ اللہ کے نزدیک بڑے مبغوض اور ناپسندیدہ ہیں پھر آپؐ نے ان تینوں میں سے اس شخص کا ذکر کیا جو اسلام میں جاہلیت کا طریقہ اختیار کرے۔

اس حدیث سے غیروں کے طریقے اختیار کرنے والوں پر حق تعالیٰ کا سخت غصہ ہونا بیان کیا گیا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کے ادنیٰ غصہ کی تاب کوئی نہیں لاسکتا تو سخت غصہ کا کیا حال ہوگا خود اندازہ کرسکتے ہیں۔

جس شادی میں منکرات ہوں اس میں شرکت کرنے کا حکم

جس شادی میں گانا بجانا اور دیگر رسومات بدعیہ ہوں اس میں شرکت کرنا اور نکاح پڑھانا ممنوع اور معصیت ہے خاص کر علماء اور مقتداء حضرات کو تو بہت احتیاط کی ضرورت ہے تاکہ ان کی اتباع میں دوسرے لوگ بھی شریک نہ ہوں اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن میں غلط مجلس میں بیٹھنے کی ممانعت فرمائی ہے۔

---

[1] مستفاد مظاہر حق بہشتی زیور وغیرہ

[2] (مشکوۃ صفحہ ۲۷ جلد ۱)

فَلاَ تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۱ (کہ اگر تجھ کو شیطان بہکا دے) تو پھر یاد آنے کے بعد ایسے ظالم لوگوں کی مجلس میں مت بیٹھ (جو اللہ کے ذکر اور اس کی شریعت سے غافل ہوں)

تاہم اگر ان قبائح کے باوجود نکاح پڑھا دیا تو نکاح منعقد ہو جائیگا۔ ۲

نکاح شغار کی ممانعت

نکاح شغار کی صورت یہ ہے کہ دو آدمی ایک دوسرے کی بیٹی سے بغیر مہر کے نکاح کرے جیسے زید بکر سے اپنی بیٹی کا نکاح اس شرط پر کرے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح زید سے کر دیگا اور ان دونوں کے نکاح میں مہر کچھ بھی متعین نہ ہو بلکہ ان دونوں کے درمیان ایک دوسرے کی بیٹی کا تبادلہ ہی گویا مہر ہو (اسی طرح ایک شخص اپنی بہن کا نکاح کسی سے اس شرط پر کرے کہ دوسرا بھی اپنی بہن کا نکاح اس سے کر دے اور ان دونوں کے درمیان ایک دوسرے کی بہن کا تبادلہ ہی گویا مہر ہو اس طرح کا نکاح زمانۂ جاہلیت میں لوگ کیا کرتے تھے اسلام نے اس سے منع کیا ہے۔

عن ابن عمر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن الشغار والشغار ان يزوج الرجل ابنته على ان يزوجه الآخر ابنته ليس بينهما صداق ۳

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے منقول ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شغار سے منع کیا اور شغار یہ ہے کہ کوئی شخص (کسی دوسرے آدمی سے) اپنی بیٹی کا نکاح اس شرط پر کرے کہ اس دوسرے شخص کو اپنی بیٹی کا نکاح اس سے کرنا ہوگا اور دونوں میں مہر کچھ بھی نہ ہو۔

۱ سورہ انعام پ ۷ آیت ۶۸
۲ فتاوی محمودیہ صفحہ ۱۹٤ جلد ۱۳
۳ بخاری شریف صفحہ ۷٦٦ جلد ۲

ہمارا مذہب تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس طرح کا نکاح کرتا ہے تو نکاح صحیح ہو جائے گا مگر دونوں پر مہر مثل لازم ہوگا۔ لیکن شریعت کا حکم یہ ہے کہ اس طرح کے نکاح سے اجتناب کرنا چاہیے[۱]

نکاح متعہ کی ممانعت

کسی متعینہ مدت تک ایک متعینہ رقم یا کسی اور چیز کے عوض نکاح کرنے کو متعہ کہا جاتا ہے جیسے کوئی شخص کسی عورت کیساتھ یہ کہہ کر نکاح کرے کہ میں فلاں مدت (مثلاً دو سال تک کیلئے) اتنے روپے (مثلاً ایک ہزار روپے) یا دو جوڑے کپڑے کے عوض تم سے فائدہ اٹھاؤں گا نکاح کا یہ خاص طریقہ یعنی متعہ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں تو جائز تھا مگر بعد میں حرام قرار دیا گیا۔ تحقیقی بات یہ ہے کہ متعہ دو مرتبہ حلال ہو کر حرام قرار دیا گیا۔ (۱) پہلی مرتبہ تو جنگ خیبر سے پہلے کسی جہاد میں صحابہ تجرد کیوجہ سے سخت پریشان ہوئے یہاں تک کہ بعض لوگوں نے حضور ﷺ سے خصی کرانے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے انہیں وقتی طور سے نکاح متعہ کی اجازت مرحمت فرمادی پھر جنگ خیبر ۷ھ میں آپ ﷺ نے متعہ کو حرام قرار دیدیا۔ (۲) پھر اس کے بعد دوبارہ ۸ھ میں فتح مکہ کے سال غزوہ حنین میں جس کو اوطاس بھی کہتے ہیں وقتی طور سے متعہ کو جائز قرار دیا گیا پھر اسکے بعد ہمیشہ ہمیش کیلئے حرام قرار دیدیا گیا چنانچہ دونوں روایت کو صاحب مشکوۃ نے نقل کیا ہے ایک راویت حضرت علیؓ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

ان رسول اللہ ﷺ نھی عن متعۃ النساء یوم خیبر	کہ حضور ﷺ نے خیبر کے دن عورتوں کیساتھ نکاح متعہ کرنے سے منع فرمایا

اور دوسری روایت سلمہ ابن الاکوع سے منقول ہے فرماتے ہیں:

[۱] حاشیہ بخاری صفحہ ۷۶۶ جلد ۲ حاشیہ نمبر ۶

رخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام اوطاس فی المتعۃ ثلاثا ثم نھی عنھا (راوہ مسلم) ۱؎	کہ حضور ﷺ نے جنگ اوطاس کے سال تین یوم کیلئے متعہ کی اجازت دی تھی پھر اس کے بعد (ہمیشہ کیلئے) ممنوع قرار دیدیا۔

بہر حال اس کے بعد متعہ کی حرمت پر تمام فقہاء و محدثین بلکہ تمام اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے۔ اور متعہ کے طور سے جو بھی نکاح ہو وہ صحیح نہیں ہوگا وہ نکاح باطل ہے مگر فرقہ شیعہ اب تک نکاح متعہ کو جائز ہی نہیں کہتے بلکہ اس کے فضائل بھی بیان کرتے ہیں۔ ۲؎

نکاح کے غیر اسلامی طریقے

دین فطرت اور شریعت اسلامیہ نے انسانی جذبات کا لحاظ کرتے ہوئے شادی بیاہ کی اہمیت کو اس قدر اجاگر اور اس کے جائز و ناجائز طریقہ کو اس طرح ممتاز اور جدا کر کے واضح طور سے بیان کیا ہے کہ اس کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑا ہے اس کی نظیر کسی دوسرے مذہبی یا غیر مذہبی وضعی یا غیر وضعی قانون میں ملنی نہ صرف دشوار بلکہ ناممکن ہے اس لئے دین فطرت اور قانون شریعت سے باخبر ہونے کے بعد دیگر مذاہب وادیان میں نکاح کی حقیقت اور جنسی تقاضوں کی تکمیل کے طریقوں کو معلوم کرنا نامناسب اور بے محل نہ ہوگا بلکہ تقابلی مطالعہ سے مذہب اسلام کی حقانیت کا اعتراف کرتے ہوئے اسلامی مذہب پر شکر گزاری کی توفیق بھی ہوگی۔

زمانۂ جاہلیت کے ازدواجی رشتے

امام بخاری نے حضرت عائشہؓ کی ایک طویل حدیث ذکر کی ہے جس میں

۱؎ مشکوۃ شریف صفحہ ۲۷۲ جلد ۲ ۲؎ مظاہر حق صفحہ ٤٤ تا ٤٥ جلد ٤)

تفصیل سے جاہلیت کے نکاح کی اقسام اور موجودہ اسلامی نکاح کے علاوہ باقی نکاحوں کے ممنوع ہونے کا ذکر موجود ہے۔[1]

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جاہلیت کے زمانہ میں عرب لوگ چار طرح سے نکاح کرتے تھے (۱) ایک تو اسی طرح جیسے آج لوگ کرتے ہیں کہ ایک مرد دوسرے آدمی (یعنی عورتوں کے سرپرست) کے پاس پیغام بھیجتا ہے (وہ اپنی رشتہ دار عورت مثلاً بہن بھتیجی بھانجی وغیرہ) یا بیٹی کا مہر ٹھہرا کر نکاح کر دیتا ہے۔ (۲) دوسرے یہ کہ شوہر اپنی بیوی کو حیض سے پاک ہونے کے بعد کہتا کہ تو فلاں مرد کو بلا لے اور اس کے ساتھ لیٹ جا (جماع کرلے) جب عورت ایسا کر لیتی تو شوہر اس سے اس وقت تک جدا رہتا جب تک اس کا حمل اس غیر مرد سے نمایاں نہ ہو جاتا جب حمل نمایاں ہو جاتا تو اس کا خاوند بھی اگر چاہتا تو اس کے ساتھ ہم بستر ہوتا یہ کام شوہر عورت سے اسلئے کراتا کہ بچہ شریف اور عمدہ پیدا ہو اور فرضی باپ کی ناموری کا باعث ہو اس نکاح کا نام استبضاع تھا۔ (۳) تیسرا نکاح یہ تھا کہ دس سے کم آدمی کسی عورت کے پاس جاتے اور

---

[1] ان النکاح فی الجاھلیۃ کان علی اربعۃ انحاء فنکاح منھا نکاح الناس الیوم یخطب الرجل الی الرجل ولیتہ او ابنتہ فیصدقھا ثم ینکحھا و نکاح اخر کان الرجل یقول لامرأتہ اذا طھرت من طمثھا ارسلی الی فلان فاستبضعی منہ ویعتزلھا زوجھا ولا یمسھا ابدا حتی یتبین حملھا من ذلک الرجل الذی تستبضع منہ فاذا تبین حملھا اصابھا زوجھا اذا احب وانما یفعل ذلک رغبۃ فی نجابۃ الولد فکان ھذا النکاح نکاح الاستبضاع ونکاح اخر یجتمع الرھط مادون العشرۃ فیدخلون علی المرأۃ کلھم یصیبھا فاذا حملت ووضعت ومر علیھا لیال بعد ان تضع حملھا ارسلت الیھم فلم یستطع رجل منھم ان یمتنع حتی یجتمعوا عندھا تقول لھم قد عرفتم الذی کان من امرکم وقد ولدت فھو ابنک یا فلان تسمی من احبت باسمہ فیلحق بہ ولدھا ولا یستطیع ان یمتنع بہ الرجل ونکاح الرابع یجتمع الناس الکثیر فیدخلون علی المرأۃ لا تمتنع ممن جاءھا وھن البغایا کن ینصبن علی ابوابھن رایات تکون علما فمن اراد دخل علیھن فاذا حملت احداھن ووضعت حملھا جمعوا لھا ودعوا لھم القافۃ ثم الحقوا ولدھا بالذی یرون فالتاط بہ ودعی ابنہ لایمتنع من ذلک فلما بعث محمد صلی اللہ علیہ وسلم بالحق ھدم نکاح الجاھلیۃ کلہ الا نکاح الناس الیوم (بخاری کتاب النکاح صفحہ ۷۶۹ تا ۷۷۰ جلد۲)

سب صحبت کرتے اس کے نتیجے میں جب عورت امید سے ہو جاتی اور بچہ جننے کے بعد کی رات گزر جاتی تو یہ عورت ان سب مردوں کو بلا بھیجتی اور سب کو آنا پڑتا کسی کی مجال نہ تھی کہ نہ آئے۔ جب سب عورت کے پاس جمع ہو جاتے تو عورت ان سب کو یاد دلاتی کہ تم جانتے ہو جو تم نے کیا ہے اب میرا یہ بچہ پیدا ہوا ہے اور یہ تم میں سے فلاں شخص کا بچہ ہے جس شخص کے متعلق چاہتی بچہ کو اس کی طرف منسوب کر دیتی اور اس کا نام دھر دیتی وہ بچہ اس کا ہو جاتا اس مرد کو انکار کی مجال نہ ہوتی (کیونکہ قومی رسم یوں ہی تھی) (۴) چوتھا نکاح یہ تھا کہ ایک عورت کے پاس بہت سے آدمی آتے جاتے رہتے تھے وہ ہر ایک سے صحبت کراتی کسی سے انکار نہیں کرتی وہ عورت رنڈی ہوتی تھی اس کے دروازے پر پہچان کیلئے ایک جھنڈا (صلائے عام سائن بورڈ) لگا رہتا تھا جس مرد کا دل چاہتا اس سے صحبت کر لیتا اگر اس کو حمل رہ جاتا اور پھر وہ بچہ جنتی تو جتنے مرد اس کے پاس گئے تھے وہ ان سب کو بلا بھیجتی ساتھ ہی قیافہ شناس کو بلایا جاتا قیافہ شناس (اپنے علم کی رو سے) جس مرد کو اس بچہ کا باپ بتاتا وہ بچہ اسی کا بیٹا ہو جاتا اور اس کا باپ وہی مرد کہلاتا اس کو انکار کی مجال نہ ہوتی۔ حضرت عائشہؓ اس کے بعد فرماتی ہیں کہ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی بنا کر بھیجے گئے تو آپ نے موجودہ اسلامی طریقۂ نکاح کے علاوہ تمام نکاح کو ختم فرما دیا۔ بخاری کے مشہور شارح حافظ ابن حجر عسقلانی نے جاہلیت کے ان چار نکاح کے علاوہ مزید تین صورتیں اور نقل کی ہیں جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھیں [۱]

[۱] قال الداودی وغیرہ بقی علیها انحاء لم تذکرها الاول نکاح الخدن وهو فی قوله تعالی (ولا متخذات اخدان) کانوا یقولون ما استتر فلا بأس به وما ظهر فهو لوم الثانی نکاح المتعة وقد تقدم بیانه الثالث نکاح البدل وقد اخرج الدار قطنی عن حدیث ابی هریرة کان البدل فی الجاهلية ان یقول الرجل للرجل انزل لی عن امرأتك وانزل لك عن امراتی وازیدك ولكن اسناده ضعیف جدا (فتح الباری صفحه ۲۳۱ جلد ۱۰)

(۱) پہلی قسم نکاح الخذن ہے یعنی مرد اور عورت دونوں اپنی رضامندی سے چھپ کر تعلق قائم کر لیتے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن میں فرمایا (اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والی ہو) بہر حال زمانہ جاہلیت میں اس پوشیدہ تعلق کے متعلق لوگوں کا نظریہ یہ تھا کہ اگر یہ تعلق پوشیدہ ہی رہتا تو کوئی حرج اور عیب کی بات نہیں ظاہر ہونے پر عیب شمار کیا جاتا (آج بھی مختلف شکلیں موجود ہیں اس پر موڈرن لیبل لگایا جاتا ہے کہیں کال گرل اور کہیں گرل فرینڈس وغیرہ) (۲) دوسری قسم نکاح متعہ تھا جس کا بیان گذر چکا۔ (۳) تیسری قسم کا نکاح۔ نکاح البدل تھا۔ یعنی دو شخص کا آپس میں اپنی بیویوں کا تبادلہ کرنا۔ دار قطنی نے ابو ہریرہؓ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ نکاح البدل کی صورت زمانۂ جاہلیت میں یوں تھی کہ ایک شخص دوسرے سے یوں کہتا کہ تم مجھے اپنی بیوی دیدو تو میں تم کو اپنی بیوی دیدیتا ہوں اور اس کے ساتھ مزید کچھ رقم وغیرہ بھی دونگا۔ (مگر اس روایت کی سند بہت ہی ضعیف ہے)

مذہب یہودیت میں عورت

یہود جو اپنی پوری تاریخ میں اخلاقی انحطاط کیساتھ جس قدر بخیل شمار ہوتے چلے آرہے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں تو بھلا عورتوں کیساتھ وہ انصاف کیسے کر سکتے تھے یہودیوں کی نگاہ میں ہر عورت شیطان کی سواری اور بچھو ہے جو ضروری طور سے ہر انسان کو ڈنک مارنے کی فکر میں رہتا ہے انہوں نے عورتوں کی حقیقتوں کو اتنا ہی گرادیا کہ گویا وہ انسان نہیں بلکہ مردوں کی خدمت کیلئے انسان نما حیوان ہے اسی وجہ سے عورتیں یہودیوں کے یہاں مرد کے ہوتے ہوئے مال میں حصہ دار بھی نہیں ہوسکتیں تھیں اور نہ میراث کی حقدار ہوتی تھیں یہودیوں کی مستند جیوش انسائیکلوپیڈیا میں ہے کہ معصیت اول چونکہ بیوی ہی کی تحریک پر سرزد ہوتی ہے اس لئے اس کو شوہر کا محکوم رکھا

گیا اور شوہر اسکا حاکم اور مالک ہوتا ہے۔ طلاق کے بارے میں ان کے یہاں یہ شائستگی ہے کہ اگر کوئی مرد کسی عورت سے نکاح کرلیتا اور پھر کوئی پلید بات پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے عورت سے نفرت ہوجاتی ہے تو اسکا طلاق نامہ لکھ کر اس کے ہاتھ میں تھما دیا جاتا ہے اور پھر اس کو اپنے گھر سے باہر کردیا جاتا ہے باہر نکل کر پھر وہ بغیر کسی ضابطے کے دوسرے مرد کی ہو کر رہ جاتی ہے۔

مذہب عیسائیت میں نکاح

تعجب خیز بات ہے کہ دنیا کے ایک مشہور مذہب عیسائیت میں نکاح جیسی اہم ضرورت کے بارے میں کوئی واضح ہدایت نہیں ملتی خود ایک عیسائی محقق اخلاق مذہب کی انسائیکلوپیڈیا کا مقالہ نگار اسکا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ عہد نامہ جدید میں شادی کے بارے میں کوئی واضح ہدایت نہیں، انجیل میں دراصل شادی کے بارے میں کچھ نہیں کہا گیا آگے بڑھ کر اس نے یہ حقیقت بھی تسلیم کی ہے کہ عیسائیت میں شادی کی کوئی ایسی رسم نہیں جو قدیم رومی رسم ورواج میں نہ پائی جاتی ہو گیارہویں اور پندرہویں صدی کے بیچ (یعنی اسلام کے ظہور سے آٹھ نو سو سال بعد تک) میں انگلستان میں عام طور پر بیویاں فروخت کی جاتی تھیں گیارہویں صدی کے آخر میں عیسائی مذہبی عدالتوں نے ایک قانون کو رواج دیا جس میں شوہر کو حق دیا گیا کہ وہ اپنی بیوی کو کسی دوسرے شخص کو عاریۃً دے سکتا ہے چاہے جتنی مدت کیلئے ہو اور جس طرح چاہے۔[1]

اس سے بھی زیادہ شرمناک اور حیرت انگیز بات یہ تھی کہ روحانی پیشواؤں کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ کسانوں اور مزدوروں کی نئی نویلی دولہن کو چوبیس گھنٹے تک اپنے پاس رکھ کر اس سے لطف اندوز ہوسکیں۔[2]

---

[1] انسائیکلوپیڈیا ۴۳۳ جلد ۸ ماخوذ معاشرتی مسائل

[2] المرأۃ بین الفقہ والقانون۔ ماخوذ معاشرتی مسائل

ہندو دھرم میں شادی

ہندو دھرم میں تو شادی بیاہ کے بارے میں اگر چہ کچھ تفصیلی ہدایات ملتی ہیں مگر عورت کی عفت وعصمت محفوظ رہنے اور کسی ایک ہی مرد کیساتھ مخصوص رہنے کا اتنا صاف ستھرا تصور نہیں ملتا ہے کہ عورت میں شرکت کا امکان ختم ہو جائے شادی کے علاوہ جنسی تعلقات کی اور بھی صورتیں ان کے یہاں رواں ہیں۔ اس کے علاوہ اس مذہب میں ازدواجی تعلقات کو دائمی قرار دیکر نا قابل انقطاع مانا گیا ہے طلاق کی ضرورت کا کوئی حل نہیں پیش کیا گیا پھر شادی کی بھی اتنی ساری قسمیں ہیں کہ جنسی تعلقات وخواہشات کی تکمیل پر ناجائز ہونے کا اطلاق بہت محدود ہوتا ہے۔ اسی انسائیکلوپیڈیا کا مقالہ نگار لکھتا ہے کہ سمرتی میں آٹھ قسم کی شادیوں کو تسلیم کیا گیا ہے اسی طرح ہندو مذہب کی معتبر ومشہور کتاب منوسمرتی میں نکاح کے متعدد دفعات نقل کئے گئے ہیں چند قسموں کو یہاں بھی نقل کیا جاتا ہے۔

(۱) ان نکاحوں میں سے ایک کا نام اسوار (ASURA) ہے یعنی عورتوں کو خرید لینا ہی نکاح قرار دیدیا جاتا یہ طریقہ جنگجو اور اونچی ذات کے لوگوں میں رائج تھا۔ (۲) دوسری قسم کا نام راکش (RAKSASA) ہے یعنی عورتوں پر زبردستی قبضہ کر لینا ہی نکاح شمار ہو جاتا ہے۔ (۳) نکاح کی تیسری قسم یہ ہے کہ اگر عورت کو اپنے شوہر سے اولاد نہ ہو تو اپنے خاندان کے بزرگوں سے اجازت لیکر مالک (یعنی شوہر) کے کسی رشتہ دار مثلاً دیور وغیرہ سے جنسی تعلق قائم کر کے اولاد پیدا کر سکتی ہے۔

(نوٹ) ہندو مذہب میں شوہروں پر مالک کا اطلاق عام طور سے ہوتا ہے اس لئے شوہر کو مالک لکھا گیا ہے (۴) والد کا حکم پا کر بدن میں گھی لگا کر خاموش ہو کر بیوہ عورت سے لڑکا پیدا کرے سوائے ایک لڑکا کے دوسرا کبھی پیدا نہ کرے (۵) بہت سے اچارج

وید کے عالم بیوہ عورتوں میں دوسری اولاد کو بھی جائز اور دھرم کے موافق جانتے ہیں کیونکہ ایک سنتان (اولاد) بعض حالتوں میں نفی کے برابر ہوتی ہے۔ (۲) اسی طرح جس دختر کے بارے میں کسی کو زبان سے دینے کو کہہ دیا گیا اور وہ شخص جس کو دینا تھا شادی سے قبل ہی مرگیا تو اس کا برادر حقیقی اس دختر کی شادی مندرجہ ذیل طریقہ کے مطابق کرے۔ (۷) پاکی سے برات کرنے والی سفید کپڑے پہنے ہوئے کینا کا بواہ شاستری کی ریت (طریقہ) سے کرکے اس سے جو اولاد ہوگی وہ اس کی ہوگی جس کو وہ دختر زبانی اقرار سے پہلے دی گئی ہے۔ (۸) چھوٹا بھائی بڑے بھائی کی زوجہ سے بیٹا پیدا کرے تو اس بیٹے کیساتھ چاچا لوگ برابر تقسیم اور حصہ کریں۔

تنبیہ: ہندوانہ شادی کی اس غیر مہذب طریقہ کے علاوہ اور بھی بہت ساری قسمیں ہیں ان میں سے ایک شادی ہندوؤں میں اب بھی رائج ہے وہ نیوگ (عارضی نکاح) ہے دیانند سرسوتی نے اپنے لکچر میں بغیر کسی تردید کے اس کی اجازت دی ہے اور مزید تائید کیساتھ بیان کیا ہے، نیوگ کی صورت یہ ہوتی ہے کہ بیوی کا اپنے شوہر سے تعلق عمر بھر کیلئے نہیں ہوتا بلکہ صرف ایک یا دو اولاد پیدا ہونے تک رہتا ہے اسکے بعد یہ عورت آزاد ہوکر اس مرد کے علاوہ سے بھی نیوگ کرسکتی ہے۔ ہندوؤں اور غیر ہندوؤں میں ازدواجی رشتے کے اور بھی گھناؤنے طریقے رائج ہیں سب کو تفصیلی طور سے بیان کرنے کا موقع نہیں ہے صرف غیر مذہب کے ازدواجی قانون کی جھلکیاں دکھانا ہے جو ہمارے لئے باعث عبرت ہو اور ہم کو اس بات پر آمادہ کرے کہ ہم مذہب اسلام پر خدا کا شکر ادا کریں۔[1]

---

[1] (ملخص معاشرتی مسائل)

مسائل متعلقہ

غیر مسلم میاں بیوی ایک ساتھ ایمان قبول کرلیں

ہندو اور دیگر غیر مسلم کا نکاح اگرچہ ہماری شریعت کی رو سے صحیح نہیں ہوتا مگر جب وہ اپنے مذہبی ضابطے کے اعتبار سے صحیح نکاح کرلیں اور پھر بعد میں میاں بیوی دونوں ایمان قبول کرلیں تو تجدید نکاح کی ضرورت نہیں پہلا نکاح ان کا باقی رہے گا البتہ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد ان دونوں کا نکاح دوبارہ کردیا جائے۔

(نوٹ) کفر کے زمانہ کے نکاح کے باقی رہنے کی شرط یہ ہے کہ بیوی شوہر کی محرمات میں سے نہ ہو اگر بیوی شوہر کی محرمات میں سے ہو مثلاً اگر اس نے بہن یا پھوپھی سے نکاح کررکھا ہے یا رضاعی اور سسرالی رشتے کی محرمات میں سے کسی عورت سے رشتۂ نکاح قائم کررکھا ہو تو پھر قاضی یا حاکم دونوں کے مابین تفریق کرادے۔[1]

کافر کی بیوی جب مسلمان ہوجائے تو اس سے نکاح کا حکم

اگر کسی کافر شخص کی بیوی تنہا بغیر شوہر کے مسلمان ہوگئی تو شوہر پر اولاً اسلام پیش کیا جائے اگر اسلام قبول کرلے تو ٹھیک ورنہ انکار کرنے کی صورت میں تفریق کردی جائے پھر اس کے بعد عورت تین حیض یا حیض نہ آتا ہو تو تین ماہ گزار کرہی نکاح

[1] اسلم المتزوجان بلا سماع شهود او فى عدة كافر معتقدين ذلك اقرا عليه ...... ولو كانا اى المتزوجان اللذان اسلما محرمين او اسلم احد المحرمين...... فرق القاضى او الذى حكماه بينهما لعدم المحلية (درمختار على هامش شامى ۳۵۱ تا ۳۵۲)۔

ثانی کرسکتی ہے اس سے قبل نہیں۔ ہاں اگر اس کی عدت کے ایام گزرنے سے قبل شوہر بھی مسلمان ہوگیا تو اس کا نکاح برقرار رہے گا عورت دوسرا نکاح نہیں کرسکتی ہے[1]

کافرہ بیوی یا کافرہ مطلقہ عورت مسلمان ہوجائے تو اس کے نکاح کا حکم

اگر کافرہ کا شوہر عورت کے اسلام قبول کرنے سے اتنا عرصہ پہلے مرچکا ہے کہ عورت حالت کفر ہی میں اپنی عدت وفات گزار چکی ہے اسی طرح اگر عورت کو اسکے شوہر نے حالت کفر میں طلاق دے دیا اور عورت نے ایمان قبول کرنے سے قبل ہی عدت طلاق گزار لی ہے تو ان دونوں صورتوں میں ایمان قبول کرنے کے بعد فوراً دوسرا نکاح کرسکتی ہے الگ سے اس پر عدت واجب نہیں ہے[2]

زوجین میں سے کسی ایک کے مرتد ہوجانے سے نکاح ٹوٹ جائیگا

میاں بیوی میں سے کسی ایک کے (نعوذ باللہ من ذلک) مرتد ہوجانے سے ان دونوں کا نکاح ختم ہوجاتا ہے اگر دوبارہ اسلام قبول کرلے تو نکاح کا اعادہ کیا جائے گا بغیر تجدید نکاح کے ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ اگر عورت شوہر کیساتھ رہنے پر راضی نہیں اس لئے دوبارہ اس سے نکاح نہیں کرتی ہے تو دوسرا نکاح کرسکتی ہے لیکن اگر عورت شوہر سے پریشان اور عاجز آکر نکاح توڑنے اور خاوند سے علیحدگی کی ہی غرض سے مرتد ہوئی ہے تو اس میں حضرات فقہاء نے لکھا ہے کہ ایسی عورت کو جبراً مسلمان کرکے شوہر اول سے ہی کم مہر پر دوبارہ نکاح کردیا جائے مگر یہ جبر واکراہ اس وقت ہے

---

[1] واذا اسلم احد الزوجین المجوسیین او امرأۃ الکتابی عرض الاسلام علی الآخر فان اسلم فیها و الا بان ابی اوسکت فرق بینهما الخ ولو اسلم احدهما ای احد المجوسیین او امرأۃ الکتابی الخ لم تبن حتی تحیض ثلاثا او تمضی ثلثة اشهر قبل الاسلام الاخر اقامة لشرط الفرقة مقام السبب (درمختار) قوله اقامة لشرط الفرقة وهو مضی هذه المدة مقام السبب وهو الأباء (درمختار مع الشامی صفحه ۳۵۴ تا ۳۶۳ جلد ٤)

[2] (مستفاد فتاوی دارالعلوم صفحه ۳۸۵ جلد ۸)

جبکہ شوہر اس کا طالب ہو اگر خاموش ہے یا صراحۃً چھوڑ رکھا ہے تو پھر عورت دوسرے مرد سے نکاح کر سکتی ہے۔[1]

میاں بیوی دونوں ساتھ مرتد ہو جائیں

اگر میاں بیوی دونوں ایک ہی ساتھ مرتد ہو گئے اور پھر ایک ہی ساتھ ایمان کی طرف لوٹ آئے تو ان کا نکاح باقی رہے گا۔ البتہ اگر دونوں میں سے ایک پہلے اسلام کی طرف لوٹا پھر بعد میں دوسرا بھی لوٹتا ہے تو نکاح ٹوٹ جائے گا۔[2]

ارتداد کا نقصان عظیم

کسی دنیاوی مقصد کے حاصل کرنے کے لئے اپنے دین سے کھیلنا اور مرتد ہو کر وقتی غرض پوری کرنا بہت بڑے خطرے کی بات ہے اگرچہ اس صورت میں وقتی طور پر کچھ فائدے حاصل ہو جاتے ہوں مگر اپنی پوری زندگی کا سرمایہ اعمال خیر سب رائگاں اور بیکار ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ اگر کسی نے حج ادا کر لیا تو ارتداد سے وہ بھی ختم ہو جاتا ہے دوبارہ مسلمان ہونے کے بعد بشرط وسعت پھر سے حج فرض ادا کرنا ضروری ہوگا ارتداد سے پہلے کیے ہوئے اعمال نماز روزہ زکوٰۃ صدقات وغیرہ کا ثواب آخرت میں کچھ نہیں ملے گا۔ (نعوذ باللہ) اگر اسی ارتداد کی حالت میں موت آگئی تو ہمیشہ کیلئے جہنم رسید ہونا پڑے گا اللہ تبارک وتعالیٰ اسی کو قرآن میں اس طرح بیان کیا ہے۔

---

[1] وارتداد احدهما ای الزوجين فسخ فلا ينقص عدداً عاجل بلا قضاء الخ لو ارتدت لمجی الفرقة الخ تجبر علی الاسلام وعلی تجدید النکاح زجراً لها بمهر يسير كدينار وعليه الفتوى (درمختار) ولا يخفى ان محله ما اذا طلب الزوج ذلك اما لو سكت او تركه صريحا فانها لا تجبر وتزوج من غيره (شامی باب النکاح الکافر صفحه ۳۶۷ جلد ۴)

[2] وبقی النکاح ان ارتدا معا الخ ثم اسلما كذالك استحسانا وفسد ان اسلم احدهما قبل الآخر (درمختار علی هامش شامی صفحه ۳۶۹ تا ۲۷۰ جلد ۴)

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ[1]

اور جو شخص تم میں سے اپنے دین (اسلام) سے پھر جائے پھر کافر ہونے کی حالت ہی میں مرجائے تو ایسے لوگوں کے نیک اعمال دنیا اور آخرت میں سب غارت ہوجاتے ہیں اور ایسے لوگ جہنمی ہیں جو اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔

لہٰذا ہر وقت اور ہر لمحہ ایمان کی حفاظت ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سبھوں کو اسلام پر زندہ رکھے اور ایمان پر خاتمہ نصیب فرمائے آمین ثم آمین۔

والحمدلله الذی بنعمته تتم الصالحات

العبدالفقیر
محمد کوثر علی سبحانی ارریاوی

[1] (سورہ بقرہ پ ۲ رکوع ۲۱۷)

مراجع وماخذ

نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ
قرآن مجید		
حدیث		
صحیح البخاری	امام ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری	اصح المطابع، رشیدیہ دہلی
الصحیح لمسلم	ابوالحسین مسلم ابن الحجاج بن مسلم القشیری	اصح المطابع، رشیدیہ دہلی
جامع الترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی	اسلامی کتب دیوبند
سنن ابوداود	ابوداود سلیمان بن الاشعث السجستانی	اصح المطابع، نبراسکڈ پود
سنن نسائی	ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی	اصح المطابع
		مکتبہ ندیم اینڈ کمپنی دیوبند
سنن ابن ماجہ	ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ القزوینی	مطبع نظامی دہلی
مسند احمد	امام ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی	مطبع میمنہ مصری
مشکوٰۃ المصابیح	محی السنۃ محمد ابن مسعود البغوی (ولی الدین محمد الخطیب الترمذی)	اصح المطابع اینڈ کمپنی دہلی
تفسیر		
تفسیر مظہری	قاضی ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی	
حاشیہ جلالین	مولانا مولوی وصی علی بن حکیم محمد یوسف ملیح آبادی	اصح المطابع، اینڈ کمپنی دہلی
بیان القرآن	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ	تاج پبلشرز دہلی

نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ
معارف القرآن	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ پاکستانی	ربانی بک ڈپو لال کنواں دہلی
تفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی برحاشیہ ترجمہ شیخ الہند	حضرت مولانا محمد شبیر احمد عثمانی	شائع کردہ شاہ فہد ملک المملکۃ العربیۃ سعودیہ
شروح حدیث		
نووی شرح مسلم	محی الدین ابوزکریا یحیٰ بن شرف النووی	اصح المطابع رشیدیہ دہلی
فتح الباری (شرح صحیح البخاری)	حافظ احمد بن حجر العسقلانی	دار الفکر بیروت لبنان
عمدۃ القاری (شرح صحیح البخاری)	علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی	دار الطباعۃ العامرہ مصر
مرقاۃ المفاتیح (شرح مشکوٰۃ المصابیح)	ملا علی ابن السلطان القاری	بنگلہ اسلامک اکیڈمی دیوبند
مظاہر حق جدید (شرح مشکوٰۃ)	علامہ نواب قطب الدین خاں دہلوی	ادارۂ اسلامیات دیوبند
معارف الحدیث	حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی	الفرقان بک ڈپو نظیر آباد لکھنؤ
فقہ اسلامی		
ہدایہ	علامہ برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	کتب خانہ رشیدیہ دہلی
قدوری	ابوالحسن احمد بن ابوبکر محمد بغدادی	تاج کمپنی چوک بازار سہارنپور
فتح القدیر (شرح ہدایہ)	محقق کمال الدین ابن ہمام	دار احیاء التراث العربی بیروت
بدائع الصنائع	ملک العلماء علاء الدین الکاسانی	مطبع شرکات العلمیہ مصر
بحر الرائق (شرح کنز)	علامہ زین الدین ابن نجیم المصری	دار الکتاب دیوبند
الدر المختار (مطبوعہ برحاشیہ شامی)	علاء الدین الحصکفی	مکتبہ زکریا دیوبند
رد المحتار (معروف بہ شامی)	علامہ ابن عابدین الشامی	مکتبہ زکریا دیوبند

نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ
الفتاوی الہندیہ (عالم گیری)	شہنشاہ اورنگ زیب کے حکم سے مرتب کردہ فتاوی کا مجموعہ	مکتبہ زکریا دیوبند
شرح الوقایہ	علامہ عبید اللہ ابن مسعود ابن تاج الشریعہ	مکتبہ تھانوی دیوبند
عمدۃ الرعایہ (حاشیہ شرح وقایہ)	حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ	مکتبہ تھانوی دیوبند
تبیین الحقائق (شرح کنز)	الامام فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی الحنفی	دار الکتاب العلمیہ بیروت لبنان
طحطاوی علی مراقی الفلاح	العالم العلامہ احمد بن محمد بن اسماعیل الطحطاوی	دار الکتاب دیوبند
فتاوی قاضیخاں (برحاشیہ عالمگیری)	شیخ حافظ الدین محمد بن شہاب المعروف بابن البزار	مکتبہ زکریا
جواہر الفقہ	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی	مکتبہ سیرت النبی جامع مسجد دیوبند
بہشتی زیور	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ	فرید بکڈپو مٹیا محل دہلی
امداد الفتاوی	حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ	زکریا بک ڈپو دیوبند
فتاوی رشیدیہ	امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ	درسی کتب خانہ دہلی
کفایت المفتی	مفتی اعظم حضرت مولانا کفایت اللہ صاحبؒ	نعمانی پریس دہلی
فتاوی دار العلوم دیوبند	حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب مفتی اعظم دار العلوم دیوبند	زکریا بک ڈپو دیوبند
فتاوی محمودیہ	فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود الحسن مفتی اعظم ہند	زکریا بک ڈپو دیوبند
احسن الفتاوی	فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ	زکریا بک ڈپو دیوبند
فتاوی رحیمیہ	حضرت مولانا قاری مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری	مکتبہ رحیمیہ منشی اسٹریٹ راندیر سورت گجرات

نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ
نظام الفتاوی	حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب اعظمی دارالعلوم دیوبند	ساجدہ بک ڈپو دہلی
آپکے مسائل اور انکا حل	حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
قرآن اور فقہی احکام	حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب مفتی اعظم	ادارہ تحقیقات مسائل جدیدہ دیوبند
دیگر موضوعات		
اصلاح انقلاب امت	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ	تاج کمپنی دہلی
اصلاح الرسوم	حضرت حکیم الامت تھانویؒ	مطبع مجیدی واقع کانپور
اشرف الجواب	حضرت تھانویؒ	مکتبہ نعیمیہ دیوبند

ایک نظر

جامعۃ الفلاح دار العلوم الاسلامیہ

زیر اہتمام: الفلاح ایجوکیشن فاؤنڈیشن، فاربس گنج، ارریا بہار (الہند)

ہمارے ملک ہندوستان کا مسلم باشندگان ہندی ہے، پرانی شاہی مسجد، مقابر، مسافر خانے وقف کردہ بڑی بڑی اراضی اس پر شاہد ہیں۔ مسلمان بادشاہوں نے کئی کئی سو سال اس سرزمین پر حکومتیں کی ہیں۔ مگر مدارس و مکاتب اور تبلیغی ادارے کی طرف ان کی توجہ نہ ہونے کی وجہ سے جہالت بڑھتی گئی۔ مسلمان اپنے دین اور بانی دین حضرت محمدؐ کی لائی ہوئی شریعت بیضہ سے ناواقف ہو گئے ایسے موقع سے فائدہ اٹھا کر مختلف فتنہ نے مسلمانوں کو اپنے جال میں پھنسانا شروع کیا۔ لیکن بعد کے قائد الناس اور درویش صفت علماء نے امت مسلمہ کی ڈوبتی ہوئی نیا کو سہارا دیا۔ مسلمانوں کے دین وایمان کی حفاظت کے لئے محنتیں کیں۔ اور ملک کے جس خطہ میں ضرورت کا احساس ہوا مدارس ومکاتب قائم کئے۔ آج ہندوستان میں جو دینی ماحول کسی نہ کسی حد تک پایا جاتا ہے وہ انہیں سلف وخلف علماء کی جدوجہد اور انتھک محنتوں کا صدقہ ہے مگر بہار و نیپال کے سرحدی علاقے آج تک اسی ضلالت وجہالت کے دلدل میں پھنسا ہوا ہے۔ سرکاری اور غیر سرکاری ہر اعتبار سے اسے نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔ تعلیمی اور تبلیغی ادارے کا کوئی انتظام نہیں ہے بعض ادارے ٹمٹماتے چراغ کی شکل میں نظر بھی آرہے ہیں تو اسباب ووسائل نہ ہونے کی وجہ سے دم توڑ رہے ہیں۔ جاہل، غریب اور سادہ لوح مسلمان مختلف فرق ضالہ خصوصاً قادیانی فتنہ کی لپیٹ میں آرہے ہیں۔ اسی سرحدی علاقہ کے چند حساس اور قابل اعتماد علماء خصوصاً مفتی محمد کوثر علی سجانی کے توجہ دلانے پر ہم نے چند باا‌ثر علماء کرام کا ٹرسٹ بنا کر آل انڈیا الفلاح ایجوکیشن فاؤنڈیشن ادارہ رجسٹرڈ کرا کے مکاتب کا سلسلہ شروع کیا اور مشہور سرحدی شہر فاربس گنج میں ایک وسیع زمین خرید کر جامعۃ الفلاح دار العلوم الاسلامیہ اور الفلاح اسلامک اکیڈمی اسکول کا بھی آغاز کیا گیا ہے یہ سارے کام اس وقت چھپر اور کچے مکانات میں کئے گئے ہیں۔ پختہ تعمیری کام باقی ہے۔ نیز سیکڑوں مکاتب اور قائم کرنے کے سخت تقاضے ہیں یہ ادارہ ایک نہ ایک دن انشاء اللہ پورے ملک خصوصاً اس علاقہ کے مسلمانوں کے دین کی حفاظت کے لئے سنگ میل ثابت ہوگا۔

اس لئے جملہ قارئین اور اہل ثروت سے ہماری پرزور اپیل ہے کہ دعاء کے ساتھ خود بھی تعاون کا دست دراز فرما کر اپنے دوست واحباب کو اس کار خیر میں حصہ لینے کی ترغیب دیں۔ اللہ رب العزت آپ کو اس کا بہترین بدلہ دے گا۔

اپیل کنندہ (مولانا مفتی) محمد امتیاز میمن احمد آبادی

بانی وصدر الفلاح ایجوکیشن فاؤنڈیشن

مفتی بہ مسائل کا مدلل مجموعہ

خزینۃ الفقہ

فی مسائل الطلاق

جلد دوم

تالیف

مفتی محمد کوثر علی سبحانی مظاہری

شیخ الحدیث جامعہ اشرف العلوم الور

شائع کردہ

جامعۃ الفلاح دار العلوم الاسلامیہ

بائی پاس روڈ فاربس گنج، ارریہ (بہار) الہند

نام کتاب : خزینۃ الفقہ فی مسائل الطلاق

مصنف : مولانا مفتی محمد کوثر علی سبحانی

کمپیوٹر کتابت : بشری کمپوزنگ سینٹر، دہلی 09811389611

سن طباعت : ۲۰۰۵ء بمطابق ۱۴۲۶ھ

صفحات : ۳۵۱

قیمت : مبلغ ایک سو پچاس روپے

ناشر : جامعۃ الفلاح دار العلوم الاسلامیہ
بائی پاس روڈ، فاربس گنج ضلع ارریا بہار (الہند)

طباعت : جید پریس، بلیماران، دہلی

ملنے کے پتے

مدرسہ اشرف العلوم داؤ دپور الور، راجستھان فون: 0144-2371652

مدرسہ حمیدیہ انجمن حمایت ملت پانولی بھروچ گجرات، فون 02646-274151

مکتبہ رشیدیہ متصل مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

سنابل کتاب گھر، نزد چھتہ مسجد دیوبند

کتب خانہ عزیزیہ اردو بازار جامع مسجد دہلی

کتب خانہ رشیدیہ اردو بازار جامع مسجد دہلی

مکتبہ حجاز اردو بازار، جامع مسجد، دیوبند

کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند

فہرست خزینۃ الفقہ

مضامین	صفحہ

مضامین	صفحہ

مضامین	صفحہ
حالت حمل میں طلاق کا حکم	۱۲۸
غلط طریقے سے یا بلا ضرورت طلاق پر تعزیر کا حکم	۱۲۸
تعزیر یعنی سزا دینے کی حد	۱۲۹
مالی سزا کا دینا اب مشروع نہیں	۱۳۰
تعزیر عام مسلمانوں کا حق ہے یا نہیں	۱۳۰
ناحق طلاق دینے پر بائیکاٹ اور لڑکی نہ دینے کا دستور	۱۳۱
وقوع طلاق کے اعتبار سے طلاق کی قسمیں	۱۳۲
طلاق رجعی	۱۳۲
طلاق کے الفاظ صریحہ	۱۳۲
الفاظ کنائی کے ذریعہ طلاق رجعی	۱۳۳
طلاق رجعی کی مختلف صورتیں	۱۳۵
طلاق رجعی کا حکم	۱۳۸
رجعی کی حقیقت	۱۳۸
رجعت کے شرائط	۱۳۹
رجعت کی قسمیں اور اس کا طریقہ	۱۳۹
رجعت مستحبہ	۱۴۰
رجعت بدعیہ	۱۴۰
رجعت کے الفاظ صریحہ	۱۴۱
رجعت کے الفاظ کنایہ	۱۴۱
لفظ نکاح اور تزویج سے رجعت	۱۴۲
رجعت بالفعل	۱۴۲
دبر میں وطی کرنے سے رجعت	۱۴۲
مجبوری، غلطی، مذاق اور حالت جنون کی رجعت کا حکم	۱۴۳

صفحہ	مضامین

صفحہ	مضامین

مضامین	صفحہ

مضامین	صفحہ
مطلقہ حائضہ موطوءہ کی عدت	۳۱۱
مطلقہ حائضہ غیر موطوءہ کی عدت	۳۱۱
طلاق سے قبل وطی ہونے اور نہ ہونے میں اختلاف ہو	۳۱۱
حالت حیض میں طلاق کی عدت	۳۱۲
اس مطلقہ کی عدت جس کو حیض نہ آتا ہو	۳۱۲
نابالغہ کو درمیان عدت حیض آجائے	۳۱۳
حیض سے مایوس بڑھیا کو درمیان عدت حیض آجائے	۳۱۳
آئسہ عدت گزار کر نکاح کے بعد حیض کا خون دیکھے	۳۱۳
ممتدۃ الطہر کی عدت	۳۱۴
سن ایاس کی مدت	۳۱۵
حاملہ کی عدت	۳۱۵
اسقاط حمل کی صورت میں عدت	۳۱۶
حاملہ کا حمل خشک ہو جائے	۳۱۷
حمل کی مدت	۳۱۸
عدت وفات	۳۱۸
زمانہ جاہلیت میں عدت وفات گزارنے کا طریقہ	۳۱۸
شریعت اسلامیہ میں عدت وفات کی حد	۳۱۹
طلاق کی عدت میں شوہر وفات پا جائے	۳۲۰
نکاح فاسد کی عدت	۳۲۱
وطی بالشبہ کی وجہ سے عدت	۳۲۱
زنا کی وجہ سے عدت نہیں	۳۲۲
زنا کیوجہ سے حمل بھی ٹھہر جائے تو بھی اس کی عدت نہیں	۳۲۲
ایام عدت میں زنا کی وجہ سے حمل ٹھہر گیا تو اس کی عدت	۳۲۲

مضامین	صفحہ
نسب کا بیان	۳۳۵
نسب کے معنی	۳۳۵
نسب کی حقیقت	۳۳۶
ثبوت نسب کیلئے حمل کی مدت	۳۳۸
شادی کے بعد کتنی مدت میں بچہ پیدا ہونے سے نسب ثابت ہوگا	۳۳۸
وطی بالشبہ سے نسب	۳۳۹
طلاق رجعی کے بعد بچہ پیدا ہونے کی صورت میں نسب	۳۳۹
طلاق بائنہ یا مغلظہ کے بعد پیدائش کی صورت میں نسب	۳۴۰
طلاق کے بعد مراہقہ کے بطن سے پیدا ہونے والے بچہ کا نسب	۳۴۱
شوہر کے وفات کے بعد ولادت سے بچہ کا نسب	۳۴۱
عقد نکاح کے بعد رخصتی سے قبل ولادت سے نسب	۳۴۲
شوہر پردیس میں تھا کہ بچہ پیدا ہوگیا	۳۴۲
زنا سے بچہ پیدا ہوا تو اس کا نسب ثابت نہیں	۳۴۳
حاملہ زانیہ سے خود زانی نے نکاح کیا پھر بچہ پیدا ہوا	۳۴۳
منکوحہ غیر مطلقہ سے دوسرے مرد کا نکاح اور اس کی اولاد کا نسب	۳۴۳
مفقود کی بیوی سے نکاح کے بعد اولاد کا نسب	۳۴۴
نکاح باطل و فاسد کے نسب کے سلسلے میں فرق	۳۴۴
ٹیسٹ ٹیوب سے بچہ کی پیدائش سے نسب	۳۴۵
حضرت فاطمہؓ کے علاوہ سب کا نسب باپ سے ثابت ہوتا ہے۔	۳۴۷
مآخذ و مراجع	۳۴۸

تقریظ

فقیہ وقت حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی

صدر مفتی دارالعلوم دیوبند (ہند)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدلله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه اجمعين. امابعد!

نکاح اللہ تعالیٰ کی عجیب نعمت ہے۔اس کے ذریعہ میاں بیوی کے درمیان باہم الفت ومحبت قائم ہوتی ہے۔اور ایک دوسرے کو راحت نصیب ہوتی ہے۔اس کے برخلاف طلاق ایسی مذموم اور ناپسندیدہ چیز ہے کہ اس سے اللہ کی ناشکری ہوتی ہے طلاق کے ذریعہ ایک دوسرے کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔عداوت اور بغض کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔اور طلاق کی نحوست سے مدتوں کی محبت والی زندگی ہمیشہ کے لئے عداوت اور قطع تعلق کی شکل میں تبدیل ہوجاتی ہے۔

حدیث شریف میں طلاق کو سب سے زیادہ مبغوض اور سب سے زیادہ بری چیز بتایا گیا ہے۔ابوداؤد شریف اور ابن ماجہ میں حضرت ابن عمر سے مرفوعاً مروی ہے۔ أبغض الحلال الى الله الطلاق۔یعنی حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز اللہ کے نزدیک طلاق ہے۔

ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ابلیس روزانہ اپنے تخت کو پانی پر بچھاتا ہے پھر اپنے لشکروں کو لوگوں کے بہکانے کے لئے بھیجتا ہے جب وہ واپس آکر اپنی اپنی کارگذاری سناتے ہیں تو ان سے خوش نہیں ہوتا اور ہر ایک سے کہتا ہے کہ تم نے کوئی بڑا کام نہیں کیا۔لیکن جو کوئی یہ کارگذاری سناتا ہے کہ میں نے فلاں میاں بیوی کے درمیان تفریق کرادی اور طلاق دلوادی تو ابلیس اس شرارت پر اس درجہ خوش ہوتا ہے کہ اسے اپنے گلے لگالیتا ہے اور شاباشی دیتا ہے کہ تو نے بڑا کام کیا۔اور اسے اپنا مقرب بنالیتا ہے۔

آج کل جہالت کا یہ عالم ہے کہ ذرا ذرا سی بات پر شوہر اپنی بیوی کو طلاق دیدیتا ہے بلکہ بیوی کی طرف سے کوئی بات نہیں شوہر کی کسی اور سے لڑائی ہوئی بیوی سے لڑائی کا کوئی تعلق نہیں بلا وجہ اور بلا قصور بیوی کو طلاق دیدیتا ہے۔

ستم بالائے ستم یہ ہے کہ طلاق دیتے ہیں طلاق کے سنت طریقے سے واقف نہیں۔ کہ کس طرح۔ کس حالت میں اور کتنی مرتبہ طلاق دینی چاہئے۔ حیض کی حالت ہو۔ پاکی کی حالت ہو۔ ہر حال میں اندھا دھند ایک ہی مرتبہ تینوں طلاق دیدیتے ہیں۔ اور پھر یہ سوچتے ہیں کہ ہمارا گھر برباد ہوجائے گا۔ بچے ویران ہوجائیں گے۔ بیوی کی زندگی اجیرن ہوجائے گی۔ مولوی مفتی کے پاس دوڑتے ہیں اور کہتے ہیں۔ مولانا صاحب! کوئی صورت ایسی نکال دو جس سے ہمارا گھر آباد ہوجائے۔

پھر کتنے لوگ ایسے ہیں کہ اپنی جہالت و ناواقفیت میں تینوں طلاقیں دیکر اپنی بیوی کو اپنے ساتھ رکھے ہوئے ہیں اور بدکاری کے گناہ کماتے رہتے ہیں۔ کبھی خلاف واقعہ غلط سوال کر کے مفتی سے پوچھتے ہیں غرض مختلف تاویلیں اور تدبیریں اختیار کرتے ہیں جس سے طلاق واقع نہ ہو۔ غرض اس کی وجہ سے سوال کی نوعیت اور طلاق کی نوعیت بھی بدلتی رہتی ہے اور طلاق کے احکام اور مسائل بھی بدل جاتے ہیں۔

عزیزم محترم مولانا مفتی کوثر علی صاحب کو اللہ تعالیٰ بہت بہت جزائے خیر عطا فرمائے کہ انھوں نے طلاق کے مسائل کو نہایت مفصل طریقے پر یکجا تحریر فرمادیا ہے اور بڑی خوبی کی بات یہ ہے کہ ہر مسئلہ کی سند میں فقہ و فتاویٰ کی عربی عبارات معہ صفحات و جلد کے لکھ دی ہیں۔ جس سے کتاب کی ثقاہت دوبالا ہوگئی اور اس کی افادیت دوچند ہوگئی۔ اتنے مفصل اور مدلل انداز میں آج تک کسی نے بھی طلاق کے مسائل کو یکجا نہیں کیا۔ اللہ سے دعاء ہے کہ وہ مفتی کوثر علی صاحب کی کاوشوں اور محنتوں کو قبول فرمائے۔ اس کتاب کو اہل علم اور عوام ہر دو کے لئے مفید بنائے اور مؤلف کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے آمین۔

حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ
مفتی دارالعلوم دیوبند
۵/ذی الحجہ ۱۴۲۵ھ

تقریظ

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مدظلہ العالی

مرتب فتاوی دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده ونصلی علی رسوله الكريم

آج سے پہلے مصنف نے خزینۃ الفقہ کی پہلی جلد کتاب النکاح کے احکام ومسائل پر لکھی تھی، الحمدللہ وہ چھپ کر شائع ہوگئی۔ اب مولانا مفتی محمد کوثر علی سبحانی مظاہری نے کتاب الطلاق کے احکام ومسائل پر یہ دوسری جلد لکھی ہے ماشاء اللہ اس جلد پر بھی موصوف نے کافی محنت کی ہے، کوشش کی ہے کہ قابل ذکر کوئی مسئلہ رہنے نہ پائے۔ اور جو کچھ لکھا ہے مستند کتابوں کے حوالہ جات سے لکھا ہے۔

امید ہے کہ اہل علم اس حصہ کو بھی پڑھ کر دلی مسرت محسوس کریں گے اور خواص وعوام برابر استفادہ کریں گے۔ دعا ہے کہ رب العالمین مولانا محترم کی یہ علمی محنت قبول فرمائے اور ان کے لئے زاد آخرت بنائے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

طالب دعاء

محمد ظفیر الدین مفتی دارالعلوم دیوبند

یکم رجب ۱۴۲۵ھ

تقریظ

محدث عصر حضرت مولانا انظر شاہ صاحب مسعودی کشمیری دامت برکاتہم
شیخ الحدیث دارالعلوم وقف دیوبند

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم اما بعد!

حق جل مجدہ نے (نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَهُ لَحَافِظُوۡنَ) نازل فرما کر اس دین متین اور شریعت محمد یہ کی صیانت کا وعدہ فرمایا ہے اور ہر زمانہ میں ایسے افراد پیدا فرماتے رہے ہیں جو اس کی بقاواشاعت کے لئے ہر ممکن کوششیں کیں اور کر رہے ہیں، اکابر کے بعد اصاغر اس کی جگہ لے لیتے ہیں امت مسلمہ کے کارندہ افراد میں سے ابھرتے ہوئے ہمارے نوجوان عزیز محترم مفتی محمد کوثر علی سبحانی مظاہری کی اسم بامسمیٰ کتاب خزینۃ الفقہ کو دیکھ کر بایں معنیٰ خوشی ہوئی کہ یہ مجموعہ قرآن وحدیث سے مدلل وفقہی عبارتوں سے مستند اور معتبر علماء کرام ومفتیان عظام کی توثیقات سے مؤید علم کا انمول خزانہ ہے۔

مطالعہ کے دوران محسوس ہوا کہ یقیناً مولانا سبحانی نے کثیر وضخیم کتابوں کی تہہ میں پہنچ کر اس موضوع سے متعلق تمام تر مفتیٰ بہ مسائل کو ضبط تحریر میں لایا ہے اپنی صلاحیت کے بقدر خوب محنت کی ہے۔ میری دلی دعاء ہے کہ اللہ رب العزت مؤلف کی عمر میں برکت تحقیقی وتخلیقی خدمات کی توفیق اور خوب خوب مواقع وسہولتیں عطا فرمائے اور اس کتاب کو امت مسلمہ کے لئے نفع بخش اور مؤلف کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین ثم آمین۔ وما توفیقی الا باللہ

وانا الاحقر الاواه محمد انظر شاه المسعودی الکشمیری

خادم التدریس بدارالعلوم وقف دیوبند

۲ر محرم الحرام ۱۴۲۶ھ

تقریظ

بقیۃ السلف حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہ العالی

صدر مفتی جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈھابیل گجرات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محب مکرم ومحترم جناب مولانا مفتی محمد کوثر علی صاحب مظاہری مدت فیوضہم نے اپنی تازہ تصنیف خزینۃ الفقہ ازراہ محبت احقر کو بطور ہدیہ عنایت فرما کر اس کے تعلق سے چند سطریں لکھنے کی فرمائش کی۔ مجھے اپنی مشغولیتوں اور عوارض کی بنا پر اتنا وقت نہیں ملا کہ کتاب کا مکمل مطالعہ کرسکوں، سرسری طور پر ابتدائی چند صفحات پر نظر ڈالنے کا موقعہ ملا، یہ دیکھ کر بہت مسرت ہوئی کہ مولانا موصوف نے بڑی جانفشانی اور محنت سے مسائل کا یہ مجموعہ تیار فرمایا ہے اور اس موضوع پر لکھے گئے علمی ذخیرہ میں ایک گراں قدر مجموعہ کا اضافہ فرمایا ہے، اللہ تعالی مولانا موصوف کی اس مبارک سعی کو حسن قبول عطا فرما کر اہل علم اور مستفیدین کو اس کتاب سے بیش از بیش استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔ فقط

والسلام

املاہ: احمد خانپوری

۱۴؍جمادی الاولی ۱۴۲۵ھ

مکتوب گرامی القدر

فقیہ وقت حضرت مولانا مفتی مقصود احمد صاحب مدظلہ العالی

صدر مفتی جامعہ مظاہر علوم سہارنپور یوپی

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

محترمی مفتی محمد کوثر علی صاحب مظاہری زید احترامکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

شوال المکرم ۱۴۲۵ھ کے دوسرے عشرہ میں ارسال کردہ ہدیۂ مبارکہ یعنی آپ کی تالیف کردہ خزینۃ الفقہ نامی کتاب موصول ہوگئی جو نکاح اور اس سے متعلق بہت سی جزئیات پر مشتمل ہے، مہر، ولایت، کفاءت، رضاعت اور حضانت کے مفتی بہ مسائل کے ساتھ ساتھ زوجین میں سے ہر ایک کے دوسرے پر عائد ہونے والے حقوق مثلاً نفقہ وغیرہ کے مسائل حتی کہ جماع اور صحبت کرنے کے طریقہ سے متعلق بھی معلومات فراہم کی گئی ہیں، نکاح کے متعلق غلط رسومات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

دوسری جلد میں طلاق، ظہار، لعان، خلع، فسخ نکاح، عدت، نسب وغیرہ سے متعلق اصول وفروع پر سیر حاصل، مرتب اور مدلل بحث کی گئی ہے۔

الغرض خزینۃ الفقہ اپنے موضوع پر لکھی جانے والی بہت ہی جامع اور سہل تالیف ہے جس سے عوام کیلئے بھی استفادہ کرنا آسان ہے، اللہ پاک آپ کی اس محنت کو قبول فرمائے اور اس مجموعہ کو امت کے لئے مفید اور نافع فرمائے اور مزید دینی خدمت کے لئے آپ کو قبول فرمائے۔ آمین

والسلام

العبد مقصود انبھوری

خادم دارالافتاء مظاہر علوم سہارنپور

۲۹/۱۱/۱۴۲۵ھ

تقریظ

مفکرملت حضرت مولانا مفتی احمد دیولوی صاحب دامت برکاتہم

بانی ومہتمم جامعہ علوم القرآن جمبوسر وناظم مجلس تحفظ مدارس گجرات

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

نکاح ایمان کے بعد ایسی عبادت ہے، جو عہد آدم سے لے کر آج تک ہر امت میں مسلسل جاری ہے، جس کی اہمیت وافادیت جتانے کیلئے یہ ارشاد نبوی کافی ووافی ہے۔ أربع من سنن المرسلين الحياء والتعطر والسواك والنكاح. (جامع ترمذی ۲۹۸/۲ مطبوعہ بیروت)

چار چیزیں انبیاء ومرسلین کی سنت میں سے ہیں (۱) حیا کرنا (۲) عطر لگانا (۳) مسواک کرنا (۴) نکاح کرنا۔

شریعت اسلامیہ کا یہ دستور ہمیشہ رہا ہے کہ جو عبادت مہتم بالشان اور زیادہ اہمیت کی حامل ہو اس کے انجام دینے کے جملہ مناہج اور طور وطریق بوجہ احسن بیان کردیتی ہے، تاکہ مکلفین صحیح شرعی نہج کے مطابق اس کو انجام دے سکیں۔ نکاح بھی من جملہ ان عبادات کے ہے، لہٰذا اس سے متعلق مسائل واحکام قرآن وحدیث نے تفصیل سے بیان کردیے ہیں۔ اس کے بعد فقہاء امت نے اپنے اپنے زمانہ میں ان مسائل کو قابل اعتناء سمجھ کر اپنی تصنیفات کی زینت بنایا۔

زیر نظر کتاب ''خزینۃ الفقہ'' جو مفتی محمد کوثر علی سبحانی مظاہری (شیخ الحدیث جامعہ عربیہ اشرف العلوم الور، راجستھان) کی جدوجہد کا نتیجہ ہے، اسی روشن سلسلہ کی ایک کڑی ہے، جو تقریباً ۳۵۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں طلاق، عدت وغیرہ کے مسائل واحکام مستند کتب فقہیہ سے جمع کیے گئے ہیں، اس سے قبل اس کتاب کی پہلی جلد منظر عام پر آچکی ہے، جس میں مؤلف محترم نے بڑی تفصیل سے نکاح اور اس سے متعلق مسائل واحکام اور اصول وآداب کو بہ کمال خوبی جدید وقدیم فقہی مراجع سے مدلل، باحوالہ نقل فرمائے ہیں، جس پر ملک کے بعض نامور اکابر مفتیان کرام کی تصدیقات بھی موجود ہیں۔ امید ہے کہ جلد مذکور بھی سابقہ جلد کی طرح اکابرین کی تصدیقات سے آراستہ ہوگی۔ مؤلف اس علمی کاوش پر بصد تبریک کے مستحق ہیں۔

ہم بارگاہ ایزدی میں دعاگو ہیں کہ باری تعالیٰ مؤلف کی اس علمی سعی کو قبولیت سے نواز کر دارین میں ان کی سرخروئی کا ذریعہ بنائے۔ اور امت مسلمہ کو اس سے مزید سے مزید تر متمتع ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

العبد احمد دیولوی

جامعہ علوم القرآن جمبوسر ۲۷ ردسمبر ۲۰۰۴ء

رائے گرامی

حضرت مولانا انیس الرحمٰن صاحب قاسمی زید مجدہ

ناظم امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام انسانی زندگی کے مختلف شعبوں پر حاوی ہے اللہ نے عبادات، معاملات، اور معاشرت ومعیشت کے لئے اصول حیات کو منظم طریقے پر بیان کیا ہے۔ خاص کر عائلی زندگی میں پیش آنے والے مسائل ومعاملات کو مثالوں سے وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے اور ہمارے بزرگوں نے ان مسائل کو موجودہ حالات کے تناظر میں مختلف پیرائے اسلوب وزبان میں مرتب کر کے عام انسانوں تک پہونچایا۔ انہیں کتابوں میں ایک کتاب ''خزینۃ الفقہ'' بھی ہے جس کو ہمارے محترم مولانا مفتی محمد کوثر علی صاحب سبحانی مظاہری شیخ الحدیث جامعہ اشرف العلوم الور نے مستند کتب فقہ کی روشنی میں لکھا ہے اس کتاب میں طلاق وتفویض کے مسائل اور عدت ونسب کے شرعی احکام کو دلنشیں انداز میں بیان کیا ہے، میں نے سرسری طور پر کتاب کے مسودہ کو دیکھا اور محسوس کیا کہ فاضل مرتب صحیح سمت میں چل رہے ہیں، زبان وبیان عام فہم اور سادہ ہے مبتدی ومتوسط طلبہ کے علاوہ اصحاب علم وفضل اور مفتیان کرام بھی استفادہ کر سکتے ہیں۔ اللہ مصنف کو جزاء خیر دے اور ان کے اس علمی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے۔

ایں دعا از من وجملہ جہاں آمین باد

محتاج دعاء وکرم

انیس الرحمٰن قاسمی

ناظم امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ

کلمات تحسین

حضرت مولانا مفتی محمد اسماعیل صاحب بھڈکودروی مدظلہ العالی

صدر مفتی دار العلوم کنتھاریہ بھروچ وشیخ الحدیث جامعہ علوم القرآن جمبوسر گجرات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله الذی علّم بالقلم والصلوة والسلام علی محمد النبی بلّغ العلم وعمّم بالنعم وعلی آله وصحبه الذین حصلوا علم الفقه ومشوا به علی السبیل الاقوم.

امابعد! طبقۂ اہل علم سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ اصلاحِ عقائد کے بعد اصلاح اعمال کا درجہ ہے اور اس کے لئے علم فقہ کی شدید ضرورت ہے۔ قرآن وحدیث سے احکام فقہیہ فرعیہ حاصل کرنے کے لئے قرآن وحدیث کی نصوص احکام کے ناسخ ومنسوخ کی تعیین، نصوص متعارضہ ومتقابلہ میں تطبیق وترجیح، نصوص کے معانی محتملہ ومطالب متعددہ کی تعیین وتوضیح اور نصوص کی تعلیل جیسے امور میں مہارت ضروری ہے اور یہ ایسے امور ہیں کہ ہر مسلمان کا براہِ راست قرآن وحدیث سے تمام احکام عملیہ معلوم کرنا نہایت مشکل ومتعذر ہے۔ لہٰذا خیر القرون کے قرآن وحدیث کے متبحرین وماہرین حضرات فقہاء کرامؒ نے ان مذکورہ تمام مراحل کو طے کر کے علم فقہ کی تدوین فرمائی اور علم فقہ کے نام سے قرآن وحدیث کا خلاصہ اور لب لباب امت کے سامنے آگیا اور قرآن حدیث کے احکام عملیہ کی تدوین وترتیب سے امت مسلمہ کے لئے علم وعمل کا حصول اور دین پر چلنا آسان ہوگیا۔ (**فشکر الله تعالی سعیهم وجزاهم احسن الجزاء عن جمیع الامة**)۔

علم فقہ کی ترتیب، تسہیل وتفہیم کا سلسلہ عہد قدیم سے جاری اور باقی ہے اور اس کے نتیجہ میں اس فن کی بے شمار کتابیں مختلف زبانوں میں تالیف ہوئیں اور ہورہی ہیں اور اس کی ضرورت جیسے پہلے تھی آج بھی ہے، اسی مبارک ومسعود موضوع کی ایک کتاب یہ 'خزینۃ الفقہ' بھی ہے جس کو محترم مولانا مفتی محمد کوثر علی سبحانی مظاہری صاحب زیدت معالیہم نے تالیف فرمایا ہے، اس کی جلد اول پہلے شائع ہوچکی ہے اور جلد ثانی عنقریب شائع ہونے والی ہے، اس کتاب میں مؤلف محترم زید مجدہم نے خاص مصالح کی بناء پر نکاح اور اس کے

متعلقات اور طلاق، ظہار، لعان، خلع، فسخ نکاح، عدت، نسب سے متعلق مسائل کو حسن ترتیب کے ساتھ جمع فرمایا ہے، جس کو معاشرتی مسائل کہا جاتا ہے۔ مؤلف محترم نے تمام مسائل تفسیر، حدیث وفقہ کی مستند ومعتبر قدیم وجدید، کثیر وضخیم کتابوں کے مطالعہ کے بعد جمع فرمائے ہیں اور اس شعبہ کے مسائل کا مفتی بہ مجموعہ تیار کرنے کی سعی فرمائی ہے۔ حاصل یہ کہ محترم مفتی صاحب نے مشقت شدیدہ ومدیدہ سے یہ مجموعہ تیار فرمایا ہے جو قابل تحسین ومبارک باد ہے اور فن فقہ میں ایک اچھا اور مفید اضافہ ہے۔

اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کے لئے اس مجموعہ کو نافع بنائیں اور محترم مفتی محمد کوثر علی صاحب زید مجدہم کی مساعی جمیلہ کو قبول فرما کر ان کے حق میں صدقہ جاریہ فرمائیں اور دارین میں بہترین بدلہ عنایت فرمائیں۔ آمین یارب العالمین

والسلام

(محمد اسماعیل غفرلہ بھڈکودروی)
خادم حدیث جامعہ علوم القرآن، جمبوسر
خادم افتاء دار العلوم، کنتھاریہ بھروچ
۲۰ رجمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ
9/7/2004

کلمات تبریک

حضرت مولانا مفتی جمال الدین صاحب قاسمی مدت فیوضہم

مہتمم جامعہ اشرف العلوم الور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

حضرت مولانا مفتی محمد کوثر علی صاحب سبحانی مظاہری نے بڑی عمدہ اور جامع کتاب خزینۃ الفقہ تصنیف فرمائی ہے۔ پہلی جلد نکاح سے متعلق تمام مفتی بہ مسائل پر حاوی ہے نکاح کے ارکان وشرائط اور واجبات جن پر نکاح کے انعقاد اور جائز ونا جائز کا انحصار ہے نیز نکاح کی سنتیں، کفو، مہر، نفقہ، رسومات نکاح وغیرہ تمام مسائل کا احاطہ کیا گیا ہے۔ پھر پیرایہ بیان بڑا دلکش، سہل وآسان اور ایسا واضح ہے کہ متعلقہ مسائل کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں رہا، بڑی خوبی کی بات ہے کہ مسائل کو قرآن وحدیث کے دلائل اور کتب فقہ کے حوالہ جات سے بھی مرصع کیا گیا ہے گویا یہ معاشرتی مسائل کا ایک حسین مرقع ہے اس سے علماء کرام ومفتیان عظام کے علاوہ ہر طبقہ اہل علم استفادہ کرسکتا ہے یہ کتاب اپنے موضوع کے لحاظ سے بہترین رہنما ہے اس کا نکاح خواں حضرات کے مطالعہ میں رہنا بہت ضروری ہے کیونکہ یہ نکاح سے متعلق مسائل پر بڑی بصیرت کی حامل ہے۔

پہلی جلد طبع ہوکر منظر عام پر آچکی ہے جس کو علماء کرام نے بیحد قبول اور پسند کیا ہے اب دوسری جلد مرتب ومدون ہوکر طباعت کو جارہی ہے جس میں طلاق، ظہار، لعان، خلع، فسخ نکاح، عدت، نسب وغیرہ کے مسائل بڑے شرح وبسط سے بیان کئے گئے ہیں۔ یہ جلد بھی اپنی جامعیت کے اعتبار سے نادر، گرانقدر اور مایہ ناز تحفہ ہے جو انشاء اللہ جلد ہی زیر طبع سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آنے والی ہے۔

مفتی صاحب موصوف کی کاوش ومحنت کو اللہ تعالی شرف قبولیت سے نوازے۔ اور خدا کرے یہ نقش ضیا بخش بھی زیادہ نفع مند، مفید اور فیض رساں ثابت ہو۔ آمین

محمد جمال الدین قاسمی

خادم جامعہ اشرف العلوم الور

سخنہائے گفتنی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العالمين المنفرد بوضع الشرائع والاحكام والصلوة والسلام على محمد خير خلقه الذى بعثه الله حجة على الجاحدين وختم به باب النبوة على المرسلين وعلى آله الكرام واصحابه العظام وائمة الهدى خصوصاً على ابى حنيفة المبشر بحديث لو كان العلم بالثريا لتناوله رجال من ابناء فارس.

امابعد! ہم اپنے رب ذوالجلال حنان ومنان کے سامنے سجدہ ریز ہیں جس نے مجھ جیسے سطحی اور خام عقل والے کو (قرآن وحدیث کے بحر بیکراں کی تہہ سے نکالا ہوا انمول موتی اور خلاصۂ شریعت) علم فقہ کے چند ابواب پر قلم اٹھانے کی توفیق دی۔ دوران ترتیب یہ درماندۂ قلم جب اس کی پیچیدگی اور مشکلات کی دلدل میں پھنس جاتا تو بے چینی کے ساتھ قدیم وجدید، کثیر وضخیم کتابوں کی ورق گردانی کرتا ہوا گھنٹوں لگادیتا رات کا اکثر حصہ گزر جاتا مگر مجھ کوتاہ فہم سے بعض الجھا ہوا مسئلہ حل نہ ہوتا، ہمت ٹوٹ جاتی تو پھر قسام ازل کے حضور دست بدعا کرتے ہوئے عاجزی کرتا یارب کریم میرے اندر اہلیت نہیں، مگر تیرے دین کے لئے کچھ کرگزرنے کا جذبہ ہے اگر تیری رضا کے لئے یہ محنت ہے تو میری مدد فرما، اس پر میرے رب حلیم وشکور کی طرف سے روشنی ملتی اور مسئلہ حل ہوتا چلا جاتا۔

بہرکیف اللہ کے فضل اور اس کے توفیق سے مسلسل کوششوں اور پوری دیانت داری کے ساتھ فقہ وفتاوی کا یہ مجموعہ ہمدردان ملت کے سامنے پیش کیا جارہا ہے، پہلی جلد نکاح سے متعلق ہے نتیجہ وثمرہ کے اعتبار سے نکاح وطلاق کے مابین تضاد ہے نکاح دو اجنبی مرد وعورت اوران کے خاندانوں کے جڑنے اور آپسی محبت وموافقت اور موانست کا سبب ہے اور طلاق اس انقلابی تعلقات کے لئے سم قاتل ہے اس کی نحوست سے مدتوں کی موافقت اور دوستی والے تعلقات منٹوں میں عداوت ودشمنی میں تبدیل ہوجاتے ہیں اس دائمی محبت والی نعمت عظمیٰ کے خاتمہ کو شریعت حقہ نے پسند نہیں کیا اس لئے اس کو زائل ہونے سے بچاتے ہوئے بیحد مجبوری میں اجازت دینے کے بعد بھی فرمایا (ابغض الحلال الى الله عز وجل

الطلاق) کہ اللہ کے نزدیک تمام حلال چیزوں میں مبغوض اور خراب طلاق ہے۔

مگر المیہ یہ ہے کہ آج طلاق کا بہت زیادہ بیجا استعمال ہو رہا ہے اس وقت کے شرعی ادارے اور دارالافتاء میں آنے والے پچاس فیصد استفتائیں طلاق سے متعلق ہیں اس کا اصل سبب شرعی احکام ومسائل سے ناواقفیت ہے اس لئے ضرورت تھی کہ طلاق سے متعلق تمام کلیات اور اس کے تحت پیش آنے والی جزئیات کو قرآن وحدیث اور فقہ وفتاویٰ کی عبارتوں سے مستند کر کے واضح طور پر سہل انداز میں مرتب کیا جائے۔

چنانچہ زیر نظر کتاب خزینۃ الفقہ جلد ثانی کی ترتیب اسی غرض اور اسی نہج پر ہوئی ہے اس میں طلاق کی حقیقت، دیگر مذاہب سے اسلامی طریقہ طلاق کا موازنہ، طلاق کے ارکان وشرائط، طلاق سکران، اضافت طلاق اور طلاق کی قسمیں، ایک مجلس کی تین طلاقیں، حلالہ کی شرعی صورتیں، تحریری طلاق، تفویض طلاق، مشیت طلاق اور تعلیق طلاق کی مفصل بحثیں ان کے علاوہ خلع، ایلاء، ظہار، لعان، فسخ نکاح، قاضی شرعی وحاکم شرعی اور شرعی پنچایت کے ضروری شرائط وصفات اور عدت ونسب وغیرہ کے اصول وفروع کو نہایت ہی سلیقہ کے ساتھ پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ جگہ جگہ قرآن وحدیث سے طلاق سے متعلق وعیدیں وترھیبات کثرت طلاق کے اسباب اور اکثر مسائل کی حکمتیں ومصلحتیں، اسلام کے اصولی ہدایات اور شریعت کے عمومی مزاج ومذاق پر بھی کافی شرح وبسط کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔ غرض کتاب کو ہر اعتبار سے جامع بنانے کی کوشش کی گئی ہے، اس موضوع پر اردو زبان میں اور بھی کتابیں ہیں مگر اتنی مدلل ومفصل کتاب جو تمام گوشہ کو حاوی ہو مفقود ہے۔

حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی صدر مفتی دارالعلوم دیوبند نے اپنے توثیقی کلمات میں خود اس کا اعتراف کیا ہے۔

بس اللہ رب العزت سے دعاء ہے کہ میری اس حقیری محنت کو امت مسلمہ کیلئے نافع اور عبادت وخدمت سے عاری اس تہی دامن کے لئے آخرت کی ہلاکت وبربادی سے نجات اور دونوں جہان میں سعادت کا ذریعہ بنائے آمین یارب العالمین

ولا حول ولا قوۃ الا باللہ

العبد محمد کوثر علی سبحانی مظاہری

الحمدلله رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسوله الامین سیدنا محمد وآله وصحبه اجمعین ومن تبعهم باحسان الی یوم الدین اما بعد! اللهم انّی احمدك واستعینك علی هذا الجمع والتالیف

طلاق کے معنیٰ

طلاق (باب نصر سے) مصدر ہے اس کے لغوی معنیٰ ہیں قید اٹھانا، آزاد کر دینا، جدائی اختیار کر لینا، شرعی معنیٰ ہیں فی الحال نکاح کی بندش کا دور کرنا، حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی ہدایہ کے حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

فالطلاق فی اللغة عبارة عن رفع القید وفی عرف الفقهاء عبارة عن حکم شرعی یرفع القید النکاحی بالفاظ مخصوصة [1]

طلاق لغت میں قید کے اٹھا دینے کا نام ہے اور فقہاء کی اصطلاح میں نکاح کے ایک خاص عقد و معاہدہ کو (جو ایجاب و قبول کے ذریعہ زوجین کے مابین ہوا تھا) مخصوص الفاظ کے ذریعہ اٹھا دینے اور رشتہ نکاح کو ختم کر دینے کا نام طلاق ہے۔

طلاق کی حقیقت

طلاق حقیقت میں زوجین کے باہمی تعلق کا قاتل اور ایجاب وقبول کے صرف ایک کلمہ کے ذریعہ دو اجنبی مرد و عورت کے مابین جو یگانگت و الفت اور محبت کا ایک عظیم انقلاب پیدا ہوا تھا اس کا خاتمہ ہے۔ اس کے ذریعہ ایک جان دو قالب کی بہترین وخوبصورت تصویر و تعبیر کو پارہ پارہ کر دیا جاتا ہے، نکاح کے انقلابی تعلق کو ختم کرنے کا ذریعہ یہی طلاق ہے جو کسی نہ کسی درجہ میں ہر مذہب اور ہر قوم وملت میں رائج ہے۔ مگر ہماری شریعت اسلامیہ کا پاکیزہ نظام حیات

[1] هدایه صفحه ۳۵٤ جلد ۲ حاشیه ٦

اوروں سے ممتاز اور جداگانہ ہے۔ اسلام میں طلاق کا جو نظام و دستور مقرر ہے اس کی حکمتوں کا کسی قدر اندازہ دوسرے مذاہب وملل کے ساتھ موازنہ سے ہو سکتا ہے۔ اس لئے دستور اسلامی کے پیش کرنے سے قبل دیگر مذاہب کی جھلکیاں دکھادینا موقع کے مناسب ہے۔

طلاق دین یہود میں

طلاق حضرت موسیٰؑ کی شریعت (یعنی دین یہود) میں ایک مباح چیز تھی جس کی پوری اجازت شوہر کو حاصل تھی عورت کو اس سلسلے میں کچھ اختیار نہیں تھا اگر کوئی مرد کسی عورت سے نکاح کرتا اور اس عورت کے اندر کوئی خوبی نہ پاتا، یا کوئی عیب نظر آتا تو بلا کسی تامل کے ایک طلاق نامہ لکھ کر عورت کے ہاتھ میں تھمادیتا اور گھر سے باہر کردیتا پھر وہ عورت شوہر اول کے گھر سے نکل کر کسی دوسرے مرد کی ہوجاتی۔ اور یہ عورت اپنے شوہر اول کے پاس کسی صورت میں بھی نہیں لوٹ سکتی تھی (حلالہ کی بھی کوئی صورت نہیں تھی) نیز یہ طلاق ان کے یہاں صرف تحریراً ہی واقع ہوتی تھی ان کے یہاں شوہر پر طلاق دینے کی کوئی پابندی عائد نہیں تھی مگر بعد میں یہودیوں نے بہت ساری پابندیاں عائد کردیں۔[۱]

طلاق دین نصاریٰ میں

یہود کے برخلاف اصل عیسائی مذہب میں میاں بیوی میں سے کسی کو طلاق کا اختیار نہیں تھا طلاق دینا حرام اور سخت گناہ سمجھا جاتا تھا چنانچہ ایک مرتبہ علماء یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوکر سوال کیا کہ کیا کسی مرد کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی عورت کو کسی سبب سے طلاق دے تو حضرت عیسیٰؑ نے جواب میں فرمایا کہ کیا تم نے نہیں پڑھا ہے (ان الذی خلق من البدء خلقهما ذکرا

[۱] تکملہ فتح الملہم صفحہ ۱۳۰ جلد ۱

وانثی) یعنی اللہ تعالی نے انسان مرد و عورت دونوں کو جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے اور پھر فرمایا کہ اسی وجہ سے مرد اپنے والدین کو چھوڑ کر بیوی کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگتا ہے ان دونوں میں اسقدر محبت ہوتی ہے کہ دونوں ایک جسم کے مانند ہو جاتے ہیں لہذا جب اللہ تعالی نے دونوں کو جمع کیا ہے تو پھر انسان کیلئے جائز نہیں کہ وہ اس کو جدا کرے انہوں نے دوبارہ سوال کیا کہ پھر حضرت موسیٰؑ نے کیوں تحریری طلاق کی وصیت کی تھی تو اس کے جواب میں حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا کہ تمہاری قساوت قلبی کیوجہ سے موسیٰؑ نے یہ حکم دیا تھا کہ تم اپنی بیویوں کو طلاق دیدو مگر شروع میں یہ حکم نہیں تھا فتح الملہم میں انجیل کے حوالہ سے حضرت عیسیٰؑ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دیکر کسی عورت سے نکاح کیا تو اس نے زنا کیا اور کسی عورت نے اپنے شوہر کو طلاق دیکر دوسرے مرد سے نکاح کیا تو اس نے زنا کا ارتکاب کیا اور جس شخص نے کسی کی مطلقہ سے نکاح کیا تو اس نے بھی زنا کا ارتکاب کیا بہر حال طلاق دین نصاریٰ میں شجرۂ ممنوعہ تھی دوسری طرف تعدد ازدواج بھی ممنوع تھا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اگر دو ناموافق انسانوں میں نکاح کا رشتہ قائم ہو جاتا تو دونوں کی زندگی مستقل جہنم بنی رہتی تھی جس سے خلاصی کی کوئی صورت نہیں تھی، جب اسلام نے طلاق کی اجازت دی تو بعض نصاریٰ نے اس پر اعتراض کیا کہ یہ عورت پر ظلم ہے مگر یہ کب تک چلنے والی تھی کیونکہ طلاق کی اجازت نہ دینا غیر فطری حکم تھا جس پر خود نصاریٰ بھی عمل نہ کرپائے بعد میں رفتہ رفتہ طلاق پر عائد پابندیاں ڈھیلی ہونی شروع ہوگئیں اور زنا کے علاوہ دیگر خرابیوں کی بناء پر طلاق کی اجازت خود کلیسا نے دیدی پھر عوام کے دباؤ میں آکر کلیسا نے طلاق دینے کے اعذار جو تھوڑے تھے رفتہ رفتہ زیادہ کر دیا پھر بھی وہ اعذار محدود رہ گئے تھے اور طلاق دینے کا اختیار صرف کلیسا کی عدالتوں کو تھا، زوجین کو کچھ بھی اختیار نہیں تھا، لوگ ضرورت پڑنے پر کلیسا کی طرف رجوع کرتے تھے کلیسا تحقیق کرکے

اپنے صوابدید پر طلاق کا حکم جاری کرتا تھا۔ لیکن چونکہ کلیسا کی عدالتیں حتی الامکان بائبل کی ہدایات پر عمل کرتی تھیں اس لئے ان کی طرف سے طلاق کے فیصلے کم ہوتے تھے مگر یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے بعد عوامی تحریک پیدا ہوئی کہ طلاق کی ان ناروا پابندیوں کو اٹھادیا جائے بالآخر ایک انقلابی قدم اٹھایا گیا اور طلاق کا اختیار کلیسا کی عدالت سے ختم کر کے عام ملکی عدالتوں کی طرف منتقل کر دیا گیا اور طلاق کے اعذار کی فہرست انتہائی طویل بنادی گئی اور طرہ یہ ہوا کہ مرد کے علاوہ عورتوں کو بھی عدالت سے رجوع کر کے طلاق کا اختیار دیدیا گیا اور فریقین کیلئے محض ناپسندیدگی بھی طلاق کا قانونی جواز قرار پا گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب یورپ میں طلاق کی جتنی کثرت ہے اس کا مشرقی ممالک کے لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے اور رشتۂ نکاح ہر وقت علی شرف الزوال رہتا ہے۔ [۱]

طلاق دین ہنود میں

ہندو مذہب میں بھی طلاق ممنوع رہی ہے حتی کہ عورت زنا کا ارتکاب کرتی تو اس کو اپنے سے خارج شمار کیا جاتا تھا مگر طلاق کی کوئی صورت نہیں تھی لیکن جب ہندوؤں نے اس حکم میں تنگی محسوس کی تو بعض ہندو قوم نے اس بات کی اجازت دی کہ ضرورت پڑنے پر شوہر علماء ہنود یعنی اپنے پنڈت پروہت وغیرہ سے طلاق کیلئے رجوع کرسکتا ہے چنانچہ جنوبی ہندوستان میں اب اکثر ہندو فرقہ کے یہاں طلاق کا طریقہ یہی ہے لیکن شمالی ہند میں اب بھی ہندوؤں کی پسماندہ اقوام کے نزدیک طلاق کو ناجائز سمجھا جاتا ہے۔ [۲]

طلاق زمانۂ جاہلیت میں

اسلام سے قبل جاہلیت کا دستور تھا کہ مرد اپنی بیوی کو سو طلاق تک دیدیتا

---

[۱] تکملہ فتح الملہم صفحہ ۱۳۱۔۱۳۲ جلد ۱ [۲] تکملہ فتح الملہم صفحہ ۱۳۲ جلد ۱

اور پھر رجعت کر لیتا چنانچہ قاضی ثناء اللہ صاحبؒ پانی پتی نے تفسیر مظہری میں امام بغوی کے حوالہ سے حضرت عروۃ ابن زبیر کی ایک روایت نقل کی ہے کہ ابتداء اسلام میں لوگوں کی یہ حالت تھی کہ وہ بیحد و حساب طلاقیں دیدیتے تھے بعض لوگ اس طرح کرتے کہ بیوی کو طلاق دیدیتے اور جب اس کی عدت ختم ہونے پر آتی تو اس سے رجعت کر لیتے پھر اسی طرح طلاق دیدیتے اور اس کو پریشان کرنے کے ارادہ سے پھر رجعت کر لیتے (اس طرح عورتوں کو ذاتی رنجش کی وجہ سے بغیر نکاح اور طلاق کے معلق رکھا جاتا مگر اسلام نے اس ظلم کو ختم کر دیا) اور اس سلسلے میں قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی (اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ) کہ وہ طلاق جس کے بعد رجعت جائز ہے وہ کل دو ہے اور اگر کسی نے اس کے بعد تیسری طلاق دیدی تو (اب رجعت تو کیا) حلالہ کئے بغیر یہ عورت اس کیلئے نکاح کے ذریعہ بھی حلال نہیں ہو سکتی۔[1]

دین اسلام میں نکاح اور طلاق کا حکیمانہ نظام

اسلام نے نکاح اور طلاق کا جو عادلانہ و منصفانہ اور حکیمانہ نظام مقرر کیا ہے وہ اس افراط و تفریط سے پاک ہے جو دوسرے مذاہب میں پایا جاتا ہے، قانون شریعت نے طلاق کو نہ تو بالکل حرام قرار دیا ہے اور نہ بلاوجہ اس کی عام اجازت دی ہے بلکہ اجازت دیتے ہوئے صاف لفظوں میں (ابغض الحلال الی اللہ عزوجل الطلاق) فرمایا گیا ہے یعنی اللہ کے نزدیک تمام حلال چیزوں میں سے سب سے مبغوض اور خراب طلاق ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ سوچ سمجھ کر انتہائی مجبوری کی حالت میں قدم اٹھانا چاہئے کیونکہ طلاق اس عظیم انقلابی تعلق کا خاتمہ ہے جو نکاح کے ذریعہ وجود میں آتا ہے اسلئے نکاح جیسی نعمت کو یوں ہی ختم کر دینا کوئی معمولی بات نہیں کیونکہ نکاح دیگر معاملہ و معاہدہ کی طرح صرف ایک معاملہ

[1] التفسیر المظہری صفحہ ۳۰۰ جلد ۱

ومعاہدہ ہی نہیں بلکہ وہ شرعی عبادت اور سنت انبیاء ہونے کی بھی حیثیت رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ نکاح کے منعقد ہونے کے لئے جو شرائط ہیں وہ دیگر معاملات میں نہیں ہیں اس کے علاوہ ایک مستقل شرعی قانون یہ بھی ہے کہ بعض مردوں کا نکاح بعض عورتوں سے نہیں ہو سکتا دوسرے معاملات کے منعقد ہونے کے لئے گواہی شرط نہیں مگر نکاح کے انعقاد کیلئے گواہی شرط ہے، جب تک دو گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول نہ ہو تو وہ نکاح باطل اور کالعدم ہے اسی کے ساتھ بر سر عام نکاح کرنے کو سنت قرار دیا گیا ہے، نکاح چونکہ پوری زندگی کا ایک سودا ہے نیز یہ قدرت کا عجیب کرشمہ اور عظیم نشانی ہے کہ ایجاب وقبول کے دو بول کے بعد زوجین کے اندر ایک انقلاب عظیم پیدا ہو جاتا ہے اور اس پر طرہ یہ کہ دو خاندانوں کے جڑنے کا یہ واحد ذریعہ ہے، اس لئے اس تعلق کو شروع ہی سے پائیدار اور ٹھوس بنایا گیا ہے چنانچہ ازدواجی تعلق کو خوشگوار بنانے اور مضبوط کرنے کے لئے شروع ہی سے کئی ہدایتیں دی گئی ہیں اور متعدد مراحل پر اس کو زائل ہونے سے بچاتے ہوئے آخری مرحلہ میں طلاق کی اجازت دی گئی ہے۔

ازدواجی رشتے کو مستحکم رکھنے کے طریقے

میاں بیوی کے تعلقات کو ٹھوس اور مستحکم رکھنے کیلئے شریعت نے بہت سی ہدایتیں دی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں

پہلا مرحلہ: نکاح سے قبل کا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے حالات واطوار کا پتہ لگالیں، گھریلو ماحول اور لڑکا لڑکی کے مزاج کو پرکھ لیں پھر ایک دوسرے کو دیکھ کر اطمینان حاصل کرلیں اور باہمی مشورہ کے ساتھ استخارہ بھی کریں تاکہ بعد میں ناتفاقی اور کشیدگی کی نوبت نہ آئے۔

دوسرا مرحلہ: نکاح کے بعد کا ہے، کہ ایک طرف تو شوہر کو یہ تاکید کی گئی ہے۔

کہ اللہ رب العزت کے دست کرم سے جو رشتہ قائم ہو چکا اسی میں خیر اور بھلائی سمجھ کر بیوی کیساتھ خوشگوار معاملہ کرے اس کی خامی کو خوبی پر محمول کر کے اس کے ساتھ نرمی اور ملاطفت کا برتاؤ کرے چنانچہ ایک حدیث میں حضورؐ نے نہایت ہی مؤثر نفسیاتی ہدایت فرمائی ہے کہ (**لایفرك مؤمن مؤمنة ان کره منها خلقا رضي منها آخرا**) یعنی کوئی مؤمن اپنی بیوی سے دشمنی نہ رکھے کیونکہ اگر اس کو اس کی کوئی خصلت ناپسند ہے تو دوسری عادت پسند ہو گی لہٰذا نباہ کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی بری عادتوں کو نظر انداز کر کے اچھائی کو مدنظر رکھے۔ خود قرآن نے بھی اس کو بیان کیا ہے (**عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوا شَيْئاً وَيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْراً كَثِيْراً**) کہ پسندیدہ طریقہ سے بیویوں کیساتھ زندگی گزارو کیونکہ اگر وہ تمہیں کسی نازیبا بات کی وجہ سے ناپسند ہوں تو بہت ممکن ہے کہ جس چیز کو تم ناپسند کر رہے ہو اسی میں اللہ تعالیٰ خیر کثیر مقدر فرما دیے ہوں۔[۱]

اسی طرح عورتوں کو بھی شوہروں کی اطاعت کا بڑا تاکیدی حکم دیا گیا ہے۔ حضورؐ نے بڑے بلیغ انداز میں فرمایا ہے کہ (**لو کنت آمر احدا ان یسجد لاحد لامرت امرأة ان تسجد لزوجها من عظم حقه علیها**[۲]) یعنی اگر میں کسی کو بالفرض حکم کرتا کہ وہ غیر اللہ کو سجدہ کرے تو میں یقیناً عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے کیونکہ شوہر کا اس پر عظیم حق ہے اور قرآن نے بھی نیک اور صالح عورت کی تعریف میں سب سے پہلے اطاعت والی صفت کو بیان کیا ہے ارشاد ہے (**فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ**) یعنی نیک عورتیں وہ ہیں جو مردوں کی قوامیت اور حاکمیت کو تسلیم کر کے ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتی ہیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو عورت اپنے شوہر کی تابعدار اور مطیع ہو تو اس کیلئے پرندے ہوا میں اور مچھلیاں دریا میں اور فرشتے آسمانوں میں اور درندے جنگلوں میں استغفار کرتے ہیں۔[۳]

---

[۱] مشکوۃ صفحہ ۲۸۰ جلد ۲ [۲] تفسیر ابن کثیر ص ۶۴۲ ج ۱ [۳] بحر محیط بحوالہ معارف القرآن ص ۳۹۹ ج ۲

بہر حال زوجین کے ازدواجی تعلق سے متعلق قرآن وحدیث میں جو ہدایتیں مذکور ہیں ان سب کا حاصل یہی ہے کہ یہ رشتہ زیادہ سے زیادہ مستحکم ہوتا چلا جائے اور ہمیشہ برقرار رہے اسی لئے معمولی معمولی باتوں پر طلاق کو پسند نہیں کیا گیا ہے۔ اوپر رشتۂ نکاح کو قائم کرنے اور پھر اس کو باقی رکھنے کیلئے جو قانونی حقوق اور اخلاقی ہدایتیں دی گئیں ہیں اگر زوجین یا ان میں سے کوئی ایک ان کا لحاظ نہ کرے یا ان کو ادا کرنے میں کوتاہی کرے جس کی وجہ سے دونوں کے مابین ناچاقی اور کشیدگی پیدا ہو جائے تو شریعت نے دونوں کو باہمی صلح ومصالحت کے ذریعہ اپنے آپسی اختلاف کو ختم کرنے کا حکم دیا ہے اور قرآن میں اس کے چار طریقے بتلائے گئے ہیں جن میں سے تین طریقے تو مرد ہی کو بتلائے گئے۔ چنانچہ مرد کو خطاب ربانی ہے۔

وَاللَّاتِي تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا [۱]

یعنی عورتوں کی طرف سے نافرمانی کا صدور یا بدخوئی کا اندیشہ ہو تو پہلا درجہ اصلاح کا یہ ہے کہ نرمی سے ان کو سمجھاؤ اگر محض سمجھانے سے باز نہ آئے تو دوسرا درجہ یہ ہے کہ ان کا بستر اپنے سے علیحدہ کر دو تاکہ وہ اس علیحدگی سے شوہر کی ناراضگی کا احساس کر کے اپنے فعل پر نادم ہو جائے اور اگر یہ نفسیاتی تنبیہ بھی غیر مؤثر ثابت ہو اور اس شریفانہ سزا کے باوجود عورت اپنی بد دماغی اور کجروی سے باز نہ آئے تو پھر بدرجۂ مجبوری تیسرا طریقہ یہ بتلایا گیا ہے کہ بغرض اصلاح ایسی معمولی مار مارو کہ ہڈی نہ ٹوٹے اور نہ بدن پر اس کا نشان پڑے۔ اور چہرہ پر تو بالکل نہ مارو کیونکہ یہ مرکز محاسن ہے۔[۲] لیکن مارنے پیٹنے کی سزا آخری ہے

[۱] سورۃ النساء آیت ۳۴ [۲] قال الفقہا ھو ان یجرحھا ولا یکسرلھا عظما ولایؤثر شیئا ویجتنب الوجہ لانہ مجمع المحاسن ویکون مفرقا علی بدنھا ولا یوالی بہ فی موضع واحد لئلا یعظم ضررہ ومنھم من قال ینبغی ان یکون الضرب بمندیل ملفوف او بیدہ لا بسوط ولا عصا قال عطا ضرب بالسواک (تفسیر القاسمی المسمی محاسن التاویل ص ۲۸۷ ج ۵

سرسری اور معمولی قصور پر مارنا پیٹنا مناسب نہیں۔ بلا ضرورت یا ضرورت سے زائد مارنے والے کے متعلق حضورؐ نے فرمایا (لیس اولئك بخیار کم) کہ یہ لوگ تمہارے اچھے افراد نہیں ہیں۔ بہر حال اس آخری سرزنش کے بعد وہ راہ راست پر آجائے تو مقصد پورا ہو گیا اور تلخی معاملات کے بعد بھی خواہ مخواہ اس کے پیچھے پڑا رہنا درست نہیں۔ یہ وہ طریقے ہیں جن کو اختیار کرنے سے گھر کے جھگڑے گھر میں پر ختم ہو جاتے ہیں مگر بسا اوقات زوجین کی باہمی کشمکش اور نزاع اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اصلاح حال کی مذکورہ صورتیں کارگر نہیں ہوتیں۔ اس وقت گھر کی بات کا باہر نکلنا لازمی امر ہے جس سے فریقین مشتعل اور برانگیختہ ہو جاتے ہیں الزام تراشی کے راستے کھل جاتے ہیں تو اس وقت بھی قرآن کریم نے رشتۂ نکاح کو توڑنے کے بجائے اصلاح حال کا چوتھا طریقہ یہ بتلایا ہے۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ یُّرِیْدَا اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا [۱]

کہ اگر تم لوگوں کو ان دونوں میں شدید اختلاف اور نزاع کا خوف ہو (اور وہ اپنے باہمی نزاع کو خود نہ سلجھا سکیں تو اسکو ختم کرنے کی صورت یہ ہے کہ) ایک منصف پنچ کی حیثیت سے مرد کے متعلقین کی طرف سے اور ایک عورت کے عزیزوں میں سے (زوجین کے پاس) بھیجو اگر یہ دونوں پنچ میاں بیوی کے درمیان اصلاح کے ارادے سے کوشش کریں گے تو اللہ تعالیٰ (ان کے حسن نیت وسعی سے) دونوں میں ضرور اتفاق پیدا کر دیگا۔

فائدہ: قرآن کریم کا یہ ایسا پاکیزہ اور شریفانہ طریقۂ اصلاح ہے کہ جس سے کوچہ و بازار میں جھگڑا پھیلنے کے بجائے خاندان ہی میں یہ اختلاف ختم ہو کر رہ جاتا ہے اعزہ واقارب کے جذبۂ خیر خواہی سے مصالحت و موافقت کی صورت پیدا ہو جاتی

[۱] سورۃ النساء آیت ۳۵

ہے۔ بہر حال قرآن کریم کی اس آیت سے کئی فوائد معلوم ہوتے ہیں۔ (۱) قرآن نے دونوں کے رشتہ داروں کو حَکَم سے تعبیر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں میں جھگڑا سلجھانے اور فیصلہ کرنے کی صلاحیت موجود ہونی چاہئے اور یہ صلاحیت ظاہر ہے کہ اس شخص میں ہو سکتی ہے جو ذی علم اور دیندار بھی ہو۔ (۲) دوسری بات یہ معلوم ہو رہی ہے کہ دونوں حَکَم کو بھیجنے کا مقصد صرف میاں بیوی کے درمیان صلح کرانا ہے ہاں اگر میاں بیوی دونوں ملکر ان دونوں حکموں کو اپنا وکیل مختار یا ثالث بنالیں اور یہ تسلیم کرلیں کہ دونوں ملکر جو فیصلہ کریں گے ہمیں منظور ہے تو یہ دونوں کلی طور پر معاملہ کا فیصلہ کرنے میں مختار ہوں گے اگر وہ دونوں طلاق پر متفق ہو جائیں تو طلاق پڑ جائے گی اور اگر خلع وغیرہ کی صورت طے کرادیں تو زوجین کو ماننا پڑیگا۔ حسن بصریؒ اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کا یہی مذہب ہے۔

(۳) تیسری بات اس سے یہ معلوم ہوئی کہ اگر دونوں حَکَم نیک نیتی اور دل سے چاہیں گے کہ باہم صلح ہو جائے تو اللہ کی غیبی مدد شامل ہوگی اور انشاء اللہ مقصد میں کامیابی ہوگی۔ آیت کریمہ (اِنْ یُّرِیْدَا اِصْلَاحاً یُّوَفِّقِ اللّٰہُ بَیْنَھُمَا) میں اسی کی طرف اشارہ ہے اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ اگر دونوں میں مصالحت نہیں ہوئی تو دونوں حَکَم میں سے کسی کے اندر صلح کی کوشش میں اخلاص کی کمی ہے۔[1]

(۴) اصلاح کی یہ تمام تر کوششیں بار آور نہ ہو سکیں تو اسکا مطلب یہ ہے کہ دونوں کی طبیعتوں میں کافی تضاد ہے کہ عداوت بڑھتی جارہی ہے اور رشتۂ نکاح کے مطلوب ثمرات وفوائد حاصل ہونے کے بجائے زوجین کا ایک ساتھ رہنا عذاب کی صورت اختیار کر گیا ہے لہٰذا ایسی صورت میں رشتۂ نکاح کو ان پر مسلط رکھنا بھی ظلم ہے اس وقت ازدواجی تعلق کو ختم کردینا ہی میاں بیوی اور ان کے خاندان کیلئے راحت وسلامتی کی راہ ہے، کسی نے خوب کہا ہے۔

وہ افسانہ جسے انجام تک پہنچانا نہ ہو ممکن ÷ اسے ایک خوبصورت موڑ دیکر چھوڑنا اچھا

(۱) روح المعانی صفحہ ۳۹ تا ۴۱ جلد ۴

بہرحال ایسے سنگین مرحلہ پر پہنچنے کے بعد مرد کو طلاق کی اجازت دی گئی ہے مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہہ دیا گیا ہے کہ (ابغض الحلال الی اللہ عزوجل الطلاق) یعنی حلال چیزوں میں سے سب سے زیادہ خراب و مبغوض چیز اللہ کے نزدیک طلاق ہے۔[1]

بلا وجہ طلاق دینے پر وعیدیں اور اس کے غلط نتائج

اوپر کی ہدایتوں سے معلوم ہوا کہ شریعت اسلامیہ نے طلاق کی اجازت اس وقت دی ہے جبکہ ناقابل برداشت صورت حال سامنے آجائے اور زوجین کا باہمی نباہ بہت ہی مشکل ہو جائے ورنہ رشتۂ نکاح کا ٹوٹنا اللہ رب العزت کو بیحد ناپسند ہے اس لئے جہاں تک ہو سکے اس سے بچنا ہی چاہئے کیونکہ طلاق کے ذریعہ صرف بیوی کے شیشۂ دل کو توڑنا اور میاں بیوی کے وقار کو مجروح کرنا ہی نہیں بلکہ نسل واولاد کی تباہی وبربادی اور پورے نظام خانگی کو بکھیرنا ہے اس قدر قابل احترام تعلق کے ٹوٹنے کا اثر صرف زوجین پر ہی نہیں پڑتا بلکہ دونوں کے خاندانوں اور قبیلوں کے مابین فتنہ وفساد برپا ہونے کا سبب بھی ہوتا ہے اس کے جراثیم بڑھتے بڑھتے خون خرابا اور کیس مقدمات تک کی نوبت آجاتی ہے۔ اسی لئے جو اسباب وذرائع اس رشتہ کو منقطع کرنے کی بنیاد بن سکتے تھے شریعت اسلامیہ نے پرزور انداز میں اس پر لگام لگانے کا پورا انتظام کیا ہے اور بلا وجہ طلاق لینے اور دینے پر بڑی سخت وعیدیں بیان کی گئی ہیں چنانچہ چند احادیث پیش کی جاتی ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تزوجوا ولا تطلقوا فان الطلاق یھتز منه عرش الرحمن [2] کہ نکاح کرو اور طلاق نہ دو کیونکہ طلاق سے عرش رحمٰن ہل جاتا ہے۔

اسی طرح حضرت معاذؓ سے منقول ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا:

(۱) فی القھستانی عن شرح الطحاوی السنة اذا وقع بین الزوجین اختلاف ان یجتمع اھلھما لیصلحوا بینھما فان لم یصطلحا جاز الطلاق والخلع وھذا ھوا الحکم المذکور فی الآیة (شامی صفحہ ۸۷ جلد ۵) زکریا (۲) معارف القرآن صفحہ ۴۷۷ جلد ۸

یا معاذ ما خلق اللہ شیئا علی وجہ الارض احبّ الیہ من العتاق ولا خلق اللہ شیئا علی وجہ الارض ابغض الیہ من الطلاق[1]	کہ اے معاذؓ اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر کوئی چیز ایسی پیدا نہیں کی جو غلام اور باندیوں کو آزاد کرنے سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو محبوب وپسندیدہ ہو اور روئے زمین پر کوئی چیز ایسی پیدا نہیں

کی جو طلاق دینے سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو مبغوض اور ناپسند ہو۔

نیز حضرت ثوبانؓ سے منقول ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا:

ایما امرأۃ سألت زوجھا طلاقا فی غیر باس فحرام علیھا رائحۃ الجنۃ[2]	کہ جو عورت اپنے شوہر سے کسی سخت تکلیف کے بغیر طلاق کا مطالبہ کرے تو اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔

اسی طرح ایک اور حدیث حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے منقول ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا:

لا تطلقوا النساء الا من ریبۃ ان اللہ تعالی لا یحب الذوّاقین والذواقات[3]	کہ عورتوں کو طلاق نہیں دینی چاہئے الا یہ کہ ان کا چال چلن مشتبہ ہو اللہ تعالیٰ ان مردوں اور عورتوں کو پسند

نہیں کرتے (جو مرد اپنی پہلی بیوی کو چھوڑ کر دوسری بیوی سے اور جو عورت اپنے شوہر سے طلاق لیکر دوسرے مرد سے) ذائقہ چکھنے کے شوقین اور خوگر ہوں۔

کثرت طلاق کے اسباب

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ آج طلاق کا بہت زیادہ بیجا استعمال ہو رہا ہے اس ملک میں جو شرعی ادارے اور دارالافتاء قائم ہیں ان میں آنے والے پچاس فیصد استفتائیں طلاق سے متعلق ہوتے ہیں۔ اس قدر کثرت طلاق کے بہت سارے

(۱) دار قطنی بحوالہ معارف الحدیث (۲) ترمذی شریف ص ۲۲۶ ج ۱
(۳) بزار وطبرانی بحوالہ معارف الحدیث

اسباب ہیں جن میں سے چند پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) طلاق دینے کا سب سے بڑا سبب تو دین سے دوری، اسلامی آداب سے لاعلمی اور ازدواجی تعلق کی اہمیت اور اس کے حقوق و فرائض سے ناواقفیت ہے بالفاظ دیگر طلاق کی کثرت دینی، اخلاقی اور روحانی انحطاط کے باعث ہو رہی ہے اس لئے ہم مسلمانوں پر اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ دین سے نابلد لوگوں کو سمجھائیں اور ان کو ازدواجی تعلق کی اہمیت اور طلاق دینے کے نقصانات اور اس پر جو وعیدیں وارد ہیں ان سے روشناس کرائیں۔

(۲) دوسرا سبب: طلاق دینے والے کا ناتجربہ کار اور جذباتی ہونا ہے اسی طرح اس کا وقتی جوش اور غیض و غضب سے مغلوب العقل ہو جانا ہے۔ چنانچہ وہ بے سوچے سمجھے منہ سے فر فر طلاق طلاق بکتا چلا جاتا ہے اور بعد میں پچھتاتا اور افسوس کرتا ہے حالانکہ حضورؐ نے فرمایا ہے (لاطلاق ولا عتاق فی غلاق[۱]) کہ غصہ کی حالت میں طلاق نہیں یہ خبر بمعنی انشاء ہے یعنی اسی طرح حدیث میں غصہ کو دبانے کا حکم آیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا:

لیس الشدید بالصرعة انما الشدید الذی یملك نفسه عند الغضب[۲]

کہ زیادہ طاقتور اور پہلوان وہ شخص نہیں جو دوسرے کو پچھاڑ دے بلکہ طاقتور اور پہلوان وہ شخص ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو پچھاڑ دے (یعنی اپنے نفس کو قابو میں رکھے)۔

ایک حدیث میں غصہ کا سبب اور اس کا نفسیاتی علاج بتلاتے ہوئے آپؐ نے فرمایا:

ان الغضب من الشیطان وان الشیطان خلق من النار وانما یطفاء النار بالماء فاذا غضب احدکم فلیتوضا[۳]

کہ (ناحق غصہ) شیطانی اثر ہے، (کیونکہ انسان کو شیطان مشتعل کردیتا ہے) اور شیطان آگ سے پیدا ہوا ہے، اور آگ کو پانی سے بجھایا جاتا ہے

(۱) ابوداؤد ص ۲۹۸ ج۲ (۲) مشکوۃ شریف ص ۴۳۳ جلد ۲ (۳) مشکوۃ شریف ج ۴۳۴ جلد ۲

اس لئے اگر تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو چاہئے کہ فوراً وضو کرے۔

(۳) طلاق کا تیسرا سبب شراب نوشی ہے آج زیادہ تر طلاقیں شراب اور نشہ آور چیزوں کے استعمال سے حواس باختہ ہونے کی حالت میں دی جاتی ہیں طلاق کے سلسلہ میں جو استفتاءات آتے ہیں اکثر ان کا سبب شراب نوشی اور نشہ آور چیزوں کا استعمال ہوتا ہے اگر ہمارا مسلم معاشرہ صرف شراب نوشی سے پرہیز کر لے جس کے بے شمار دینی و دنیاوی نقصانات ہیں تو پچاس فی صد اصلاح صرف اس ترکیب سے ہو سکتی ہے۔

(۴) طلاق کا چوتھا سبب خانگی نزاع اور گھریلو جھگڑے ہیں۔ میاں بیوی کے علاوہ ساس خسر نند بھاوج کے مابین ناچاقی اور جھگڑے سے زیادہ فساد برپا ہوتا ہے اور یہ سارے فساد چولہے ایک ساتھ ہونے کی وجہ سے ہوتے ہیں خزینۃ الفقہ کی پہلی جلد میں اس پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے حضرت تھانویؒ کا مقولہ نقل کر دیا گیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ چولہا تو الگ ہونا ہی چاہئے کیونکہ ساری آگ اسی چولہے سے نکلتی ہے۔ بہرکیف والدین یا دیگر رشتہ دار عورت سے اپنی ذاتی عداوت کی بناء پر شوہر کو طلاق دینے پر مجبور کرے جبکہ مرد کو بیوی سے کوئی تکلیف نہیں تو شوہر پر طلاق دینا ضروری نہیں کسی کے کہنے پر بلاوجہ طلاق دینا خلاف شریعت ہے حدیث میں ہے (لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق) کہ گناہ کے کام میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے۔

بلاوجہ طلاق دینے کا حکم

اوپر طلاق کے نقصانات اور اس کے اسباب بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ طلاق حلال تو ہے مگر اچھی چیز نہیں محققین علماء نے بلاوجہ طلاق دینا ممنوع اور ناجائز قرار دیا ہے چنانچہ علامہ ابن ہمام تحریر فرماتے ہیں۔

ولایخفی أن کلامهم فیما سیأتی من التعالیل یصرح بأنه محظورلما فیه من کفران نعمة النکاح[1]

کہ فقہاء کے کلام سے صاف اور صریح طریقہ پر معلوم ہوتا ہے کہ (بلاوجہ) طلاق دینا ممنوع اور ناجائز ہے اس لئے کہ اس میں نعمت نکاح کی ناقدری اور ناشکری پائی جاتی ہے۔ نیز صاحب درمختار فرماتے ہیں۔

الاصح حظره ای منعه الالحاجة[2]

کہ طلاق بلاضرورت صحیح قول کے مطابق ممنوع ہے اور علامہ شامی نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے۔

لیکن علامہ عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں:

اتفقوا علی ان الطلاق مکروہ فی حالة استقامةالزوجین بل قال ابوحنیفة بتحریمه[3]

کہ تمام علماء شریعت اس پر متفق ہیں کہ میاں بیوی کی استقامت اور نباہ کے باوجود (بلاوجہ) طلاق دینا مکروہ ہے بلکہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ تو اس کو حرام کہتے ہیں۔

بددین، نافرمان اور بدکار عورت کو طلاق

اگر کوئی عورت غیر متبع شریعت ہو، اپنے اعمال واخلاق کو درست نہ کرتی ہو کفروشرک کی رسومات سے احتراز نہ کرتی ہو اور خرافات وبدعات میں مبتلا ہو اسی طرح شوہر کی اطاعت نہ کرتی ہو نماز روزہ کی پابندی نہ کرتی ہو تو ایسی عورت کو بھی طلاق دینا واجب نہیں بلکہ بہتر یہ ہے کہ اس کو سمجھائے۔ ہاں اگر نافرمانی حد سے زیادہ بڑھ جائے، شوہر اپنی بیوی سے جس قدر محبت کرتا ہے بیوی نہیں کرتی نفرت بڑھتی ہی جارہی ہے اور نباہ مشکل ہورہا ہے تو طلاق دے سکتا ہے (کمامر)

(۱) فتح القدیر ص ۳۲۷ جلد ۳ (۲) درمختار مع الشامی ص ۴۲۷ جلد ۴
(۳) المیزان للشعرانی ص ۱۳۵ ج ۲ ماخوذ معاشرتی مسائل

اسی طرح اگر عورت شوہر کے والدین کی عزت نہ کرتی ہو بلکہ بیحد پریشان کرتی ہو اور والدین شوہر کو مجبور کریں کہ تم اس کو طلاق دیدو تو ایسی حالت میں طلاق دیدینا مناسب ہے۔[۱]

اسی طرح اگر عورت بدکار ہے اور اس پر صرف شبہ ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ غیر مرد سے احتراز نہیں کرتی اور بے پرواہ غیر محرم سے اختلاط کر لیتی ہے تو اس کو طلاق دینا گناہ نہیں بلکہ غیرت کا تقاضہ یہ ہے کہ طلاق دیدی جائے، ہاں اگر عورت سے بہت ہی زیادہ محبت ہو طلاق پر دل گوارہ نہ کرتا ہو یا طلاق دینے سے بچوں کی پرورش اور نظم ونسق میں انتشار کا امکان ہو تو طلاق نہ دے عورت کو سمجھائے اور سدھار کی ہر ممکن کوشش کرے خود سے نہ ہو تو اس کے رشتہ داروں کے ذریعہ سمجھائے اور ازدواجی تعلق برقرار رکھے اس حال میں طلاق دینا واجب نہیں[۲]

چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے ایک حدیث منقول ہے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔

ان لی امرأۃ لاترد ید لا مس فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم طلقھا قال انی احبھا قال فامسکھا اذا[۳]	کہ میری بیوی کسی چھونے والے ہاتھ کو جھٹکتی نہیں (یعنی جو بھی شخص اس سے بدکاری کا ارادہ کرتا ہے اس کو وہ منع نہیں کرتی) تو آپؐ

نے فرمایا پھر اس کو طلاق دیدو اس نے عرض کیا (یہ ممکن نہیں) کیونکہ میں اس سے بہت محبت کرتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا پھر اس کی نگہبانی کرو تا کہ وہ بدکاری میں مبتلا نہ ہو سکے۔

(۱) الاصح حظرہ ای منعہ الالحاجۃ .... بل یستحب لو مؤذیہ او تارکۃ صلاۃ غایۃ ومفادہ ان لا اثم بمعاشرۃ من لاتصلی (درمختار) قولہ لو موذیہ اطلقہ فشمل الموذیہ لہ او لغیرہ بقولھا او بفعلھا (درمختار مع الشامی ص ۴۲۷، ۴۲۸ جلد ۴ زکریا

(۲) لایجب علی الزوج تطلیق الفاجرۃ (درمختار مع الشلبی ص ۱۴۳ ج ۴)

(۳) مشکوۃ شریف ص ۲۸۷ جلد ۲

طلاق دینے کا حق مرد ہی کو ہے

طلاق دینے کا اختیار شریعت نے مرد ہی کو دیا ہے عورت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ مرد کو طلاق دیدے اور شرعاً وہ طلاق واقع بھی ہو جائے یہ مسئلہ قیاسی اور اجتہادی نہیں بلکہ نص قطعی سے ہے اس کا ثبوت ہے اور تمام امت کا اس پر اجماع ہے۔ کیونکہ طلاق سے متعلق تمام آیتوں میں اس کا فاعل (یعنی طلاق دینے والا) مرد ہی کو قرار دیا گیا ہے۔ جیسے سورۂ بقرہ میں ہے کہ

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلاَّ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَ الَّذِىْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ [1]

(اے لوگو) اگر تم نے عورتوں کو ہاتھ لگانے سے پیشتر طلاق دیدی ہو لیکن (اس سے پہلے) تم نے ان کے لئے مہر مقرر کردی تھی تو اس صورت میں ان عورتوں کیلئے مقررہ مہر کا نصف ہوگا ہاں اگر عورت نرمی برتے اور مہر معاف کردے یا وہ مرد جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے احسان کر کے (پورا مہر دیدے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں)۔

(فائدہ) مذکورہ آیت میں اولاً طلقتموہن میں طلاق کی نسبت مرد ہی کی طرف کی گئی ہے بعدہ (بیدہ عقدۃ النکاح) کہہ کر بے غبار کردیا گیا ہے کہ نکاح کی گرہ اور بندھن مرد کے ہاتھ میں ہے چاہے تو طلاق دیکر اس گرہ کو کھول سکتا ہے ورنہ عورت بغیر طلاق کے آزاد نہیں ہو سکتی اس کے علاوہ متعدد مقامات پر طلاق کی نسبت مرد ہی کی طرف کی گئی ہے مثلاً:

اذا طلقتم النساء [2] فان طلقها [3] وان عزموا الطلاق [4] اس کے علاوہ کسی بھی آیت میں طلاق دینے کی نسبت عورت کی طرف نہیں کی گئی ہے۔

(۱) سورہ البقرہ آیت ۲۳۷ (۲) سورہ البقرۃ آیت ۲۲۳ (۳) سورۃ البقرہ آیت ۲۳۰
(۴) سورہ البقرہ آیت ۲۲۷

اسی طرح احادیث میں بھی طلاق کا اختیار مرد ہی کو دیا گیا ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ میں عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ ایک شخص نے حضورؐ سے اپنے آقا کی شکایت کی کہ میرے آقا نے اپنی باندی کا نکاح مجھ سے کردیا تھا اب وہ میری بیوی کو مجھ سے جدا کرنا چاہتا ہے اس پر آپؐ نے ممبر پر چڑھ کر ایک خطبہ ارشاد فرمایا:

یا ایھا الناس ما بال احدکم یزوج عبدہ امتہ ثم یرید ان یفرق بینھما انما الطلاق لمن اخذ بالساق (۱) کہ اے لوگو تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے غلام سے اپنی باندی کا نکاح کردیتا ہے اور پھر دونوں کو جدا کردینا چاہتا ہے (یاد رکھو ایسا کرنا صحیح نہیں کہ بغیر شوہر کے طلاق دیئے ہوئے اس کی بیوی کو اس سے جدا کرے) کیونکہ طلاق کا اختیار صرف مرد ہی کو ہے۔

عورتوں کو طلاق کا اختیار نہ دینے کی حکمتیں

شریعت مطہرہ نے طلاق کا اختیار عورتوں کے بجائے صرف مردوں کو دیا ہے اس میں بہت سی مصلحتیں اور حکمتیں مضمر ہیں (جن کا صحیح علم صرف خداوند قدوس کو ہے) مگر علماء نے اپنی بساط کے مطابق کچھ حکمتیں بیان کی ہیں منجملہ ان حکمتوں اور مصلحتوں کے ایک یہ ہے کہ رشتۂ نکاح کے بعد مرد عورت پر قوام اور حاکم ہوتا ہے اس لئے یہ اختیار اسی کو ملنا چاہئے کیونکہ مرد عورت کے مقابلہ میں زیادہ حقیقت پسند، معتدل مزاج اور ٹھنڈا دل ہوتا ہے، تفکر و تدبر کا مادہ اس کے اندر زیادہ ہوتا ہے، صبر و تحمل اور برداشت کرنے کی صلاحیت اس کے اندر عورتوں کے بالمقابل زیادہ ہوتی ہے۔ پھر خاندانی اور گھریلو امور کے ذمہ دار ہونے کی حیثیت سے اس کے سامنے خاندان اور گھر کا وسیع مفاد ہوتا ہے۔ وہ اپنی بیوی بچے اور مستقبل میں

(۱) ابن ماجہ ص ۱۵۱ جلد ۱

نسل کی فکر رکھتا ہے۔ وہ اپنی محنت کا بہت بڑا سرمایہ خرچ کر کے اور اپنی بہت بڑی رقم کا صرفہ برداشت کر کے شادی کرتا ہے اور اپنی بیوی کا مہر ادا کر کے اپنا گھر بساتا ہے اور اس رشتہ کے ٹوٹ جانے میں اس کا بھاری نقصان ہوتا ہے تو پھر وہ بغیر کسی وجہ اور سبب کے طلاق کی بات کیسے سوچ سکتا ہے اس کے برخلاف عورتیں غیر مستقل مزاج ذراسی ناگواری پیش آنے پر برانگیختہ ہونے والی اور بہت جلد طیش میں آکر آخری قدم اٹھا لینے والی فطرت وطبیعت رکھتی ہیں اسی بناء پر اس عقد نکاح کی بندش کو اتار پھینکنے کا شرعی حق عورت کو نہیں ملا ورنہ یہ مقدس رشتہ آئے دن ٹوٹتا رہتا اور بچوں کا کھیل بن کر رہ جاتا۔ چنانچہ اسی حقیقت کو کسی قدر وضاحت کے ساتھ مسلک حنفی کے مشہور امام علامہ ابن ہمام نے بیان کیا ہے۔

جعله بيد الرجال دون النساء لاختصاصهن بنقصان العقل وغلبة الهواء وعن ذلك ساء اختيارهن وسرع اغترارهن ونقصان الدين وعنه كان اكثر شغلهن بالدنيا وترتيب المكائد وافشاء سرالازواج وغير ذلك [1]	کہ طلاق کا اختیار مردوں کو دیا گیا ہے نہ کہ عورتوں کو اس کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ عورتیں ناقص العقل ہونے کے ساتھ خواہشات نفس پر زیادہ عمل کرنے والی ہوتی ہیں جس کی وجہ سے اپنے اختیارات کا غلط استعمال کرنے لگتی ہیں اور جلد فریب کا شکار ہو جاتی ہیں

اور دینی حیثیت سے کمزور ہونے کی وجہ سے دنیاوی مشغلہ (بناؤ سنگار فیشن بازی) میں زیادہ منہمک رہتی ہیں (دوسرے کو بہکانے کے ساتھ خود بھی مقصد حاصل کرنے کے لئے) طرح طرح کی تدبیریں کرنے لگتی ہیں اور شوہر کے رازوں کو بھی سہیلیوں کے درمیان فاش کردیتی ہیں۔

(۱) فتح القدیر ص ۳۲۷ جلد ۳

عورت کو طلاق کا اختیار نہ دینے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ شوہر کو بیوی کے نان ونفقہ اور دیگر اخراجات کے ساتھ اس کا مہر بھی ادا کرنا پڑتا ہے اور عام طور پر وہ ایک خطیر رقم ہوتی ہے۔ وقتی طور پر مرد جب اس کے ادا کرنے سے قاصر ہوتا ہے تو عورت سے مہلت مانگ لیتا ہے عورت بھی مہلت دیدیا کرتی ہے مگر طلاق کی صورت میں عورت سر چڑھ کر فوراً وصول کرنے پر آمادہ ہو جاتی ہے اس وجہ سے بھی مرد طلاق سے باز رہتا ہے، اس کے برخلاف اس میں عورت کے نفع کا پہلو سامنے ہونے کی وجہ سے وہ طلاق کو پسند کرسکتی تھی لہٰذا اگر طلاق کا اختیار عورت کو بھی دیدیا جاتا تو بعض عورت نکاح اور طلاق کو ایک پیشہ بنالیتی اور نکاح کرکے مہر وصول کرلیتی اور پھر طلاق دیکر چھٹکارا حاصل کرلیتی۔

بہر حال انہیں حکمتوں اور مصلحتوں کی وجہ سے اس عظیم انقلابی تعلق کے بندھن کو عورت کے حوالہ نہیں کیا گیا ورنہ اس کا بہت برا نتیجہ برآمد ہوتا اس کی صداقت مغربی ملکوں میں ہونے والے تماشوں سے عیاں ہے کہ جب سے انہوں نے عورتوں کو طلاق کا اختیار دیا ہے تب سے چالیس فی صد شادیاں طلاق پر منتہی ہوتی ہیں آج مغربی ممالک کی رپورٹ ہے کہ طلاق کی تعداد وہاں بڑھتی جارہی ہے جس کا اکثر وقوع عورت کی طرف سے ہو رہا ہے (دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو)

نکاح ختم کرانے میں عورت کا اختیار

شریعت نے عورت کو طلاق کا اختیار تو نہیں دیا ہے مگر اس کو یکسر محروم و مجبور بھی نہیں کیا ہے کہ وہ (کالمیت فی ید الغسال) ہو کر رہ جائے اور ہمیشہ شوہر کے ظلم وزیادتی کو سہتی رہے اور اس سے چھٹکارا کیلئے کچھ نہ کرسکے بلکہ شریعت نے اسے بھی یہ گنجائش دی ہے کہ وہ اپنی رہائی اور ظالم شوہر سے گلو خلاصی کیلئے مہر معاف کرکے خلع کرلے اگر اس پر بھی شوہر راضی نہ ہو تو وہ حاکم شرعی کی عدالت میں یا قاضی شریعت کے سامنے اپنا معاملہ پیش کرکے قانون کے مطابق طلاق

حاصل کر سکتی ہے اور نکاح کو فسخ کرا سکتی ہے۔

رکن طلاق

ایسے مخصوص الفاظ کا زبان سے ادا کرنا جن میں طلاق کا مفہوم پایا جاتا ہو یا ایسی چیز پر لفظ طلاق کا لکھ دینا جس پر تحریر واضح اور باقی رہتی ہو رکن طلاق ہے۔[1] (تحریری طلاق کی تفصیل آگے آئے گی)

لہٰذا اگر دل و دماغ میں طلاق کا خیال آیا یا طلاق کا وسوسہ پیدا ہوا یا طلاق دینے کا وہم پیدا ہوا یا دل ہی دل میں طلاق دیدیا اور زبان سے طلاق کے الفاظ استعمال نہ کئے گئے تو طلاق واقع نہیں ہوگی چنانچہ ابو ہریرہؓ سے ایک حدیث منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ تجاوز عن امتی ما وسوست بہ صدرھا مالم تعمل بہ او تتکلم (متفق علیہ)[2]

کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے قلبی خیالات اور وسوسے معاف فرمادئے ہیں جب تک ان پر عمل نہ ہو یا زبان سے ادا نہ ہو۔

وقوع طلاق کے شرائط

وقوع طلاق کی چھ شرطیں ہیں۔ طالق کا بالغ، عاقل، بیدار اور حالت ہوش میں ہونا، مطلقہ کا شرعاً منکوحہ ہونا اور ظاہراً یا دلالۃً طلاق کی نسبت اپنی منکوحہ کی طرف کرنا۔ اسی کو قدرے تفصیل کیساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

وقوع طلاق کی پہلی شرط بلوغ

طلاق دیتے وقت طلاق دینے والے کا بالغ ہونا شرط ہے۔ لہٰذا اگر نابالغ لڑکے

---

(۱) ورکنہ لفظ مخصوص خال عن الاستثناء (قولہ ورکنہ لفظ مخصوص) ھو ماجعل دلالۃ علی معنی الطلاق من صریح او کنایۃ (شامی ص ۴۳۱ جلد ۴) زکریا

(۲) مشکوۃ ص ۱۸ جلد ۱

نے اپنی بیوی کو طلاق دیدیا تو طلاق واقع نہیں ہو گی۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ کی ایک روایت ہے وہ فرماتے ہیں:

لایجوز طلاق الصبی[۱] کہ بچے کی طلاق جائز نہیں (یعنی واقع نہیں ہو گی)۔

کیونکہ طلاق کی اہلیت کے لئے ایسی عقل کا ہونا ضروری ہے جو اچھے اور برے میں فرق کر سکے وہ نابالغ اور مجنون میں مفقود ہے۔[۲]

مراہق کی طلاق

بالغ ہونے سے قبل مراہق کی طلاق بھی واقع نہیں ہوتی ہے اگرچہ مراہق کو خوب عقل وتمیز پیدا ہو گئی ہو اگر لڑکے کے اندر علامات بلوغ (انزال، احتلام، اس سے کسی عورت کا حاملہ ہونا میں سے کوئی علامت) نہ پائی جائے تو پورے پندرہ سال مکمل ہونے کے بعد بالغ شمار ہو گا اس سے قبل اس کی دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہو گی۔[۳]

نابالغ کے باپ یا کسی بھی ولی کو طلاق کا اختیار نہیں

نکاح کے اندر تو نابالغ کی طرف سے اس کے اولیاء ایجاب وقبول کر کے نکاح کرا سکتے ہیں مگر طلاق کے معاملہ میں اس کی نیابت کوئی نہیں کر سکتا لہٰذا نابالغ کی طرف سے اس کا باپ یا کوئی اور ولی اس کی بیوی کو طلاق دیدے تو طلاق واقع نہیں ہو گی طلاق دینے کا حق شریعت نے صرف شوہر کو ہی دیا ہے بشرطیکہ اس کے اندر اہلیت طلاق یعنی شرائط طلاق پائی جائیں ورنہ اہلیت یعنی بلوغ کا انتظار کیا

---

(۱) مصنف ابن شیبہ بحوالہ الدرایۃ فی تخریج احادیث ہدایہ علی ہامش ہدایہ ص ۳۵۸ جلد۲

(۲) لقولہ علیہ السلام کل طلاق جائز الا طلاق الصبی والمجنون ولان الاھلیۃ بالعقل الممیز وھما عدیم العقل. (ہدایہ ص ۳۵۸ جلد ۲)

(۳) لایقع طلاق المولی علی امرأۃ عبدہ الخ والصبی ولو مراھقا (درمختار علی ہامش شامی ص ۴۵۱ جلد ۴ زکریا)

جائے گا۔[1]

ہاں اگر بیحد مجبوری ہو کہ لڑکی جوان اور شوہر بچہ ہو اور لڑکی کے زنا میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو اور اسکی پاکدامنی اور عصمت پر بدنما دھبہ لگنے کا اندیشہ ہو تو ایسی حالت میں امام احمد علیہ الرحمہ کے مذہب پر عمل کر لینے کی گنجائش ہے ان کے نزدیک ممیّز کی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔[2] اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ لڑکی شرعی قاضی کے پاس معاملہ پیش کر کے نکاح کو فسخ کرالے۔ جس طرح مجبوب عنین وغیرہ کی بیویوں کو تفریق قاضی کے ذریعہ دوسرے نکاح کی اجازت ہوتی ہے اسی طرح یہاں بھی نابالغ کی بیوی کو تفریق قاضی کے ذریعہ دوسرے سے نکاح کی اجازت ہوگی۔

لڑکے کی عمر میں قمری تاریخ معتبر ہوگی یا عیسوی تاریخ

لڑکے کی عمر میں اولاً علامات بلوغ کا اعتبار ہے ان کے مفقود ہونے کی صورت میں پندرہ سال کی مدت بالغ ہونے کی ہے اگر قمری تاریخ پیدائش گھر میں محفوظ نہیں اور سرکاری دفتر میں انگریزی تاریخ کے حساب سے پندرہ سال ہونے میں کمی ہے تو اسی انگریزی تاریخ کو قمری تاریخوں سے ملا کر حساب لگایا جائے گا پھر اگر قمری تاریخ کا اعتبار کرنے میں پندرہ سال یا اس سے زیادہ ہو جاتا ہے تو اس میں قمری تاریخ کا اعتبار کر کے ایسے لڑکے کی طلاق کا اعتبار کر لیا جائے گا۔[3]

عدم بلوغ کی حالت میں دی ہوئی طلاق کا اقرار بلوغ کے بعد

عدم بلوغ کی حالت میں دی ہوئی طلاق کا اعتبار نہیں ہوتا اس لئے اگر لڑکا بالغ ہونے کے بعد اسی طلاق کو جائز قرار دیکر نافذ کرنا چاہے تو بھی وہ طلاق نافذ نہیں

(۱) ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل الخ ولا یقع طلاق الصبی ولو مراهقا لحدیث ابن ماجه الطلاق لمن اخذ بالساق (درمختار علی هامش شامی صفحه ۴۲۸ تا ۴۵۱ جلد ۵

(۲) کفایة المفتی صفحه ۳۴ جلد ۶ (۳) مستفاد فتاوی دار العلوم دیوبند ص ۷۱ جلد ۹

ہو گی ہاں اگر وہ اس طرح کہے کہ میں اسی عدم بلوغ کی حالت میں دی ہوئی طلاق کو واقع کر رہا ہوں تو اس سے طلاق واقع ہو جائے گی مگر یہ طلاق اسی وقت کے جملے سے واقع ہو گی جو فی الحال استعمال کر رہا ہے نہ کہ عدم بلوغ کی حالت میں استعمال کئے ہوئے جملہ سے گویا اس کی بات کا محمل یہ ہو گا کہ میں اس وقت طلاق کو واقع کر رہا ہوں۔

اور اگر وہ بالغ ہونے کے بعد یوں کہتا ہے کہ میں اسی طلاق کو واقع کر رہا ہوں جس کا میں نے عدم بلوغ کی حالت میں تلفظ کیا تھا تو پھر طلاق واقع نہیں ہو گی کیونکہ وہ اس وقت اس طلاق کی طرف اشارہ کر رہا ہے جس کے اوپر باطل ہونے کا حکم پہلے لگ چکا ہے۔[1]

بچے کی بیوی کو کوئی دوسرا طلاق دے پھر بچہ بالغ ہونے کے بعد اس کا اعتبار کرے

نابالغ بچے کی بیوی کو اس کے ولی یا کسی اور نے طلاق دیدی اور بچہ نے بالغ ہونے کے بعد اس کا اعتبار کر لیا تو یہ طلاق واقع ہو گی یا نہیں تو اس کی دو صورتیں ہیں اول یہ کہ بچہ بالغ ہونے کے بعد یوں کہتا ہو کہ میں نے اسی طلاق کو واقع کیا جس کو فلاں شخص نے واقع کیا تھا تو یہ طلاق واقع ہو جائے گی۔ دوم یہ کہ بچہ نے بالغ ہونے کے بعد یوں کہا کہ میں فلاں شخص کی دی ہوئی طلاق کو جائز مانتا ہوں تو اس کا اعتبار نہیں ہو گا اس سے اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہو گی۔[2]

---

(۱) لایقع طلاق المولی علی امراۃ عبدہ الخ والصبی ولو مراهقا او اجازہ بعد البلوغ اما لو قال اوقعتہ وقع لانہ ابتداء ایقاع (درمختار) (قولہ او اجاز بعد البلوغ) لانہ حین وقوعہ وقع باطلا والباطل لایجاز قولہ لانہ ابتداء ایقاع لان الضمیر فی اوقعتہ راجع الی جنس الطلاق ومثلہ مالو قال اوقعت ذلک الطلاق بخلاف قولہ اوقعت الذی تلفظتہ فانہ اشارۃ الی المعین الذی حکم ببطلانہ (شامی ص ۴۵۱ جلد ۴

(۲) ولو ان رجلا طلق امرأۃ الصبی فقال الصبی بعد بلوغہ او قعت الطلاق الذی اوقعہ فلان یقع ولو قال اجزت ذلک لایقع شی (عالم گیری ص ۳۵۲ جلد ۱

نابالغ بچہ کوکسی نے طلاق دینے کا وکیل بنایا

اگر کسی نے نابالغ بچہ کو وکیل بنایا کہ تم میری بیوی کو طلاق دیدو اور بچہ نے وکیل بالطلاق بن کر طلاق دیدی تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ [۱]

وقوع طلاق کی دوسری شرط عقل ہے

وقوع طلاق کے لئے طلاق دینے والے کا عقلمند ہونا شرط ہے لہٰذا پاگل کی طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ اس کے اندر کسی معاملہ میں تصرف کرنے کی اہلیت نہیں ہے۔ [۲]

جنون کی تعریف

جنون اس دماغی قوت کے خلل اور خراب ہو جانے کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ انسان اچھی اور بری چیزوں کے درمیان تمیز کرتا ہے اور اس قوت مدرکہ کے مفقود ہو جانے کی وجہ سے انسان کی نگاہ اپنے عمل کے نتائج پر نہیں رہتی۔ پھر اس کے اسباب مختلف ہوتے ہیں۔ کبھی تو انسان پیدائشی پاگل ہوتا ہے اور کبھی دماغی توازن کثرت اختلاط یا کسی مصیبت کی وجہ سے راہ اعتدال سے ہٹ جاتا ہے، یا کبھی شیطانی تسلط اور خیالات فاسدہ کے بار بار اس کے دل میں آنے کی وجہ سے وہ بلاوجہ کبھی ہنستا ہے اور کبھی گھبراتا ہے۔ [۳]

(۱) ولو كان الصبى وكيلا بالتطليق من قبل رجل فطلق الصبى صح (عالمگیری ص۳۰۳ ج٦

(۲) لقوله عليه السلام كل طلاق جائز الاطلاق الصبى والمجنون ولان الاهلية بالعقل المميز وهما عديما العقل (هدايه صفحه ۳۵۸ جلد ۲

(۳) المجنون قال فى التلويح الجنون اختلاط القوة المميز بين الامور الحسنة والقبيحة المدركة للعواقب بان لا تظهر اثارها وتتعطل افعالها اما لنقصان جبل عليه دماغه فى اصل الخلقة واما لخروج مزاج الدماغ عن الاعتدال بسبب خلط او افة واما لا ستيلاء ا الشيطان عليه والقاء الخيالات القاسده اليه بحيث يفرح ويفزع من غير ما يصلح سببا (شامى ص ۴۵۱ جلد ۲

معتوہ کی طلاق

عتاہت بھی جنون کی ایک قسم ہے اس سے بھی عقل مختل ہو جاتی ہے اور آدمی صحیح انداز فکر سے محروم ہو جاتا ہے ہوش وحواس قابو میں نہیں رہتے۔ ایسے شخص کی بھی دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ اس کا تصرف شعور سے خالی ہے البتہ اگر افاقہ کے بعد طلاق دیگا تو واقع ہو جائے گی۔ [1]

برسام میں مبتلا کی طلاق

برسام بھی جنون ہی کی ایک قسم ہے علامہ شامیؒ کتب طب سے نقل کرتے ہیں کہ برسام ایک قسم کا گرم پھوڑا ہوتا ہے جو جگر کے پاس اندرون پہلو میں نکلتا ہے پھر آہستہ آہستہ دماغ تک پہنچ کر عقل کو مختل کر دیتا ہے۔ لہٰذا ایسے شخص کی دی ہوئی طلاق بھی واقع نہیں ہوگی۔ [2]

حالت برسام میں دی ہوئی طلاق کا اظہار اس سے صحت کے بعد

مبتلائے برسام نے حالت برسام میں طلاق دی پھر صحت پاکر اس نے طلاق کا اظہار بایں طور کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی ہے پھر اس کے بعد یوں کہتا ہے کہ میں نے یہ اسلئے کہا کہ مجھے وہم ہو گیا ہے اس طلاق کے متعلق جو میں نے بحالت برسام دی تھی تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر یہ اظہار صرف حکایۃً اور نقلاً ہے تو اس کا اعتبار کر لیا جائے گا اور اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی اور اگر حکایت اظہار نہیں بلکہ اقرار ہے تو پھر طلاق واقع ہو جائے گی۔ [3]

(۱) ولا يقع طلاق الصبى الخ وكذلك المعتوه لايقع طلاقه ايضا وهذا اذا كان فى حالة العته اما فى حالة الافاقة فالصحيح انه واقع (عالمگیری ص ۳۵۲ جلد ۱)

(۲) لايقع طلاق المولى على امرأة عبده الخ والمبرسم (درمختار) وفى بعض كتب الطب انه ورم حار يعرض للحجاب الذى بين الكبد والامعاء ثم يتصل بالدماغ (شامی ص ۴۵۲ ج ۴

(۱) طلق المبرسم فلما صحا قال قد طلقت امرأتى ثم قال انما قلته لانى توهمت وقوع الطلاق الذى تكلمت به فى البرسام ان كان فى ذكره وحكايته صدق والا لا كذا فى الوجيز الكردى (عالمگیری ص ۳۵۲ جلد ۱

مجنون کسی وقت ہوش میں آکر طلاق دے

مجنون اگر کسی وقت ہوش میں آکر طلاق دیدے تو اس کا حکم ممیز لڑکے کی طرح ہے یعنی اس کے بعض تصرفات کو ولی جائز رکھے تو صحیح ورنہ نہیں یعنی اگر ولی نے اس مجنون کی طلاق کا اعتبار کر لیا تو طلاق واقع ہو جائے گی ورنہ نہیں مگر طلاق کی اجازت ولی بھی نہیں دے سکتا۔[1]

مجنون کی طرف سے کسی کو طلاق دینے کا حق نہیں

مجنون کی طرف سے باپ بھائی اور دیگر اولیاء وغیرہ کسی کو بھی طلاق دینے کا حق نہیں کیونکہ طلاق دینے کا حق صرف شوہر کا ہے (لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام الطلاق لمن اخذ بالساق) البتہ امام محمد کا یہ مذہب ہے کہ جنون کی حالت میں مجنون کو ایک سال کی مہلت دی جائے اگر اچھا نہ ہو تو قاضی تفریق کرا دے اسی پر فتویٰ ہے قاضی کا مسلمان ہونا شرط ہے۔[2] (باب التفریق میں اس کی تفصیل آرہی ہے)

وقوع طلاق کی تیسری شرط ہوش وحواس کا ہونا ہے

طلاق دینے والے کا ہوش وحواس میں ہونا بھی شرط ہے بیہوش کی طلاق واقع نہیں ہوتی خواہ بے ہوشی سرسام یا کسی بیماری یا دوا کے استعمال کرنے یا کسی اور وجہ سے ہو چنانچہ حضرت ابوہرہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:

---

(۱) وان ضار کالطلاق الخ لا وان اذن به ولیهما (الدرالمختار علی هامش ردالمختار کتاب الماذون صفحه ۱۵۰ جلد ٥) واما الذی یجن ویفیق فحکمه کممیز نها یه کتاب الحجر ۱۲۳ جلد ٦ بحواله فتاوی دارالعلوم دیوبند نعمانیه ص ۱۳۷ جلد ۹

(۲) ولا یقع طلاق المولی علی امرأة عبده الخ المجنون والصبی (درمختار علی هامش شامی صفحه ٤٥١ جلد ٤) ولا یتخیر احدهما ای الزوجین بعیب الاخر فاحشا کجنون وجذام وبرص ورتق وقرن وخالف الائمة الثلاث فی الخمسة لو بالزوج ولو قضی بالرد صح (درمختار) ومحمد فی الثلاثة الاول لو بالزوج کما یفهم من البحر (شامی ص ۱۷۵ جلد ٥

كل طلاق جائز الاطلاق کہ ہر طلاق جائز (اور واقع ہے) مگر المعتوه والمغلوب على عقله[1] بے ہوش آدمی کی طلاق اور جس کا دماغ خراب ہو گیا ہو (یعنی جس کے حواس قائم نہ ہوں اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

غشی کی تعریف اور ایسی حالت میں دی ہوئی طلاق کا حکم

غشی دل و دماغ میں ایسی دہشت اور خوف کی کیفیت کا سما جانا ہے جس سے عقل اور دماغ کی قوتیں معطل ہو جاتی ہیں اور قوت مدرکہ متحرکہ ماؤف ہو کر کام کرنے سے رک جاتی ہے اس لئے ایسی حالت میں دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوتی۔[2]

مدہوش اور خوف زدہ کی طلاق

دہشت، خوف یا خطرناک چیز کی وجہ سے عقل اس قدر مختل اور خراب ہو جائے کہ کسی چیز میں امتیاز نہ کر سکے مثلاً آسمان و زمین اور رات و دن وغیرہ، میں فرق نہ کر سکے تو ایسی کیفیت کو جنون ہی کی قسم میں شمار کیا گیا ہے اور علامہ شامی ایک سوال اور جواب کو نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کی دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔[3]

بڑھاپے یا بیماری یا کسی مصیبت کی وجہ سے عقل خراب ہو

اگر کوئی بڑھاپے یا شدت مرض یا دیگر مصائب میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اپنی دماغی قوت کھو بیٹھے تو ایسے شخص کو بھی مدہوش کہا جاتا ہے جب تک وہ اس میں مبتلا رہے اس وقت تک اس کے قول کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ اس لئے اس کی دی ہوئی طلاق بھی معتبر نہیں ہوگی۔[4]

---

(۱) مشكوة شريف ص ۲۸۴ جلد ۲ (۲) لايقع طلاق المولى على امرأة عبده الخ والمغمى عليه هو لغة المغشي (درمختار) قال في التحرير الاغماء آفة في القلب او الدماغ تعطل القوى المدركه والمحركه عن افعالها مع بقاء العقل مغلوبا (شامی ص ۴۵۲ ج ۴)

(۳) (والمدهوش) فانه في القاموس قال بعده او ذهب عقله حياء او خوفا وهذا هو المراد هنا ولذا جعله في البحر داخلا في المجنون الخ وسئل نظما... فاجاب نظما ايضا بان الدهش من اقسام الجنون فلا يقع (شامی ۴۵۲ ج ۴)

(۴) وكذا يقال فيمن اختل عقله لكبر او لمرض او لمصيبة فأجاته فما دام في حال غلبة الخلل في الاقوال والافعال لا تعتبر اقواله وان كان يعلمها ويريدها (شامی ۴۵۲ ج ۴)

بخار کی مدہوشی میں طلاق

بخار میں اس قدر مدہوش ہو کہ کانپ رہا ہو زبان سے کیا نکل رہا ہے اور کیا بول رہا ہے اس کو معلوم نہیں تو ایسے شخص کی طلاق واقع نہیں ہوگی مگر یہ حالت، شدید بخار کی حالت ہی میں ہو سکتی ہے ہلکا بخار جس میں آدمی کا شعور باقی رہتا ہے اس کی طلاق واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ طلاق کیلئے صحت شرط نہیں ہے۔[1]

سحر اور جادو کیوجہ سے بے ہوش اور حواس باختہ کی طلاق

اگر کسی پر اس قدر سحر اور جادو کر دیا گیا کہ اس کی عقل مختل ہو گئی جو جی میں آتا ہے بکتا رہتا ہے نتیجہ اور انجام پر غور نہیں کر پاتا کہ کیا ہوگا تو ایسے شخص کو بھی مدہوش کہا جائے گا جب تک اس کی یہ حالت ہے اس کے قول و فعل کا کوئی اعتبار نہیں بنا بریں اس کی دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔[2]

مجذوب کی طلاق

مجذوب کی ایسی حالت ہو کہ ہوش و حواس درست نہیں وہ کیا کرتا ہے اور کیا کہتا ہے نہ تو اس پر قابو رکھتا ہے اور نہ سمجھتا ہے تو ایسے مجذوب شخص کی بھی طلاق واقع نہیں ہوگی۔[3]

البتہ جذب کی حالت اگر صرف صوفیانہ ہے (جس کو فنافی اللہ کہا جاتا ہے) تو اس کی طلاق واقع ہو جائے گی۔

مرگی کی حالت میں طلاق

جس شخص کو مرگی کی بیماری ہوتی ہے اس کی دو حالتیں ہیں حالت مرض اور

---

(۱) لایقع طلاق المولی علی امرأة عبده الخ والمغمی علیه... والمدهوش (درمختار علی الشامی ص ۴۵۲ ج ۴ (۲) ایضا درمختار۔ وفتاوی محمودیه ص ۲۲۸ ج ۱۱

(۳) فتاوی محمودیه ص ۳۸۳ ج ۱۰

حالت صحت، مرض کے طاری ہونے کی صورت میں وہ بالکل مدہوش ہو جاتا ہے۔ اس کی اس وقت کی دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوگی اور حالت صحت میں وہ بالکل باشعور ہوتا ہے اس لئے اس وقت کی طلاق واقع ہو جائے گی۔[1]

کم عقل اور بیوقوف کی طلاق

ایک ایسا شخص جو بات چیت اچھی طرح کرتا ہے کپڑے وغیرہ بھی ٹھیک ٹھاک رکھتا ہے لیکن معاملات میں نقصان اٹھاتا ہے دس کی چیز پانچ ہی میں فروخت کر دیتا ہے کبھی روپے پیسے کی لالچ میں کچھ بھی کر لیتا ہے تو عجب نہیں کہ اگر کوئی روپے کی لالچ دے تو وہ بیوقوفی میں بیوی کو طلاق بھی دیدے۔ تو ایسے شخص کو مجنون نہیں کہیں گے یہ سفاہت اور کم عقلی ہے ایسے شخص کی طلاق واقع ہو جائے گی۔[2]

مرض الموت میں طلاق

اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ اگر مرض نے خطرناک صورت اختیار نہ کیا ہو بلکہ عقل وشعور باقی ہو، تو مریض کی دی ہوئی طلاق واقع ہوجاتی ہے، البتہ اگر مرض الموت میں طلاق دی جائے تو اس کے احکام ضرور بدل جاتے ہیں اس میں قدرے تفصیل ہے، یہ مسئلہ اگرچہ باب المیراث کا ہے مگر تھوڑی وضاحت ہم یہاں بھی کر دیتے ہیں۔ مسائل سے پہلے یہ سمجھتے چلیں کہ ایسے موقع پر طلاق دینے والے کو فار (بھاگنے والا) کہا جاتا ہے کیونکہ آخری وقت میں وہ طلاق دیکر عورت کو حق وراثت سے محروم کر کے فرار اختیار کرنا چاہتا ہے۔(کما فی الشامی ویقال له الفار لفراره من ارثها)

(۱) ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل الخ او مریضا (درمختار) ای لم یزل عقله بالمرض بدلیل التعلیل (درمختار مع الشامی ص ۴۳۸ تا ۴۴۹ جلد ۴)

(۲) ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو عبد الخ او هازلا... او سفیها خفیف العقل (درمختار) وشرحه السفه فی اللغة الخفة وفی اصطلاح الفقها خفة تبعث الانسان علی العمل فی ماله بخلاف مقتضی العقل (شامی ص ۴۴۴ ج ۴)

مگر فرار کا اطلاق اور اس پر حکم کا مرتب ہونا صرف طلاق بائن یا طلاق مغلظہ میں ہوتا ہے طلاق رجعی دینے والے کو فار نہیں کہیں گے۔[1]

نیز اگر مرد نے ایسے مرض میں طلاق دی جس میں چلنے پھرنے کی قدرت ہو اور موت کے آثار موجود نہ ہوں تو ایسے موقع پر طلاق دینے والے کو نہ فار کہیں گے اور نہ ایسے مرض کو مرض الوفات۔[2]

اب اصل مسئلہ کی طرف آیئے کہ ایسا مرض جس میں انسان زندگی سے بالکل ناامید ہو چکا ہو مرض الوفات کہتے ہیں ایسی حالت میں اگر کوئی اپنی بیوی کو طلاق دیدے اور عورت کی عدت گزارنے کے دوران اس کا انتقال ہو جائے تو یہ عورت اپنے شوہر کی وراثت سے محروم ہو جائے گی یا نہیں تو اس کی اصل میں دو صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ شوہر نے بیوی کو طلاق رجعی دی ہو تو اس صورت میں عورت وراثت سے محروم نہیں ہوگی خواہ طلاق عورت کے مطالبہ پر دی گئی ہو یا بغیر مطالبہ کے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ طلاق بائن دی ہے تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں، اول یہ کہ عورت کے مطالبہ پر اگر طلاق دی گئی ہے تو عورت وراثت سے محروم ہو جائے گی کیونکہ عورت نے خود طلاق کا مطالبہ کیا ہے اور خود کردہ را علاجے نیست۔ اور اگر بغیر عورت کے مطالبہ کے طلاق دی گئی ہے تو عورت وراثت سے محروم نہیں ہوگی۔

مسئلہ اگر عورت نے طلاق رجعی کا مطالبہ کیا یا مطلقاً طلاق کا مطالبہ کیا مثلاً یوں کہا کہ مجھے طلاق دیدو اس پر مرد نے طلاق بائن یا طلاق مغلظہ دیدی تو عورت زوجیت سے تو نکل جائے گی مگر مستحق وراثت ہوگی کیونکہ عورت کا مطالبہ طلاق رجعی کا تھا یا مطلقاً طلاق کا تھا جو رجعی ہی پر محمول ہوتا ہے اور شوہر نے اس کے

---

(١) البائن قید بہ لان حکم الفرار لا یثبت الا بہ بحر لان الرجعی لافرارفیہ (شامی ص ١٢ ج ٥
(٢) فلو قدر علی اقامة مصالحہ فی البیت کالوضوء والقیام الی الخلاء لایکون فارا (شامی ٤ ج ٥)

خلاف کیا ہے اس لئے بیوی وراثت سے محروم نہیں ہوگی۔[1]

طلاق رجعی کی عدت میں بیوی کا انتقال ہو جائے تو شوہر وارث ہوگا

جس طرح طلاق رجعی میں عورت بہر صورت وارث ہوتی ہے اسی طرح اگر طلاق رجعی کی عدت کے دوران بیوی کا ہی انتقال ہو جائے تو شوہر بھی اپنی بیوی کے مال کا وارث ہوگا، فتاوی عالم گیری میں قدرے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

الرجل اذا طلق امرأته طلاقا رجعيا في حال صحته او في حال مرضه برضاها او بغير رضاها ثم مات وهي في العدة فانهما يتوارثان بالاجماع[2]

شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی دی خواہ صحت کی حالت میں دی ہو یا مرض کی حالت میں عورت کے مطالبہ پر دی ہو یا بغیر مطالبہ کے پھر اسی عدت کے زمانہ میں شوہر کا انتقال ہوگیا ہو تو دونوں ایک دوسرے کے وارث ہونگے۔

غصہ کی حالت میں طلاق کا حکم

علماء نے غضب اور غصہ کے تین درجے بیان کئے ہیں اول درجہ غصہ کی ابتدائی حالت کا ہے کہ جس میں آدمی کی عقل خراب نہیں ہوتی بلکہ ہوش وشعور باقی رہتا ہے اور وہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے یا جو کچھ کہتا ہے اس کو جانتا اور سمجھتا ہے اس کا حکم تو ظاہر ہے کہ طلاق واقع ہو جائے گی۔ دوسرا درجہ منتہائے غضب کا ہے کہ آدمی غصہ سے اس قدر مبہوت ہو جائے کہ اس کو اپنے قول وفعل کا بالکل پتہ نہ رہے تو

(١) وكذا ترث طالبة رجعية (درمختار) اى فى مرضه كما هو الموضوع واحترز بالرجعية عما لو ابانها بأمرها كما يذكر قوله (او طلاق فقط) اى بان قالت له فى مرضه طلقنى فطلقها ثلاثا فمات في العدة ترثه اذ صار مبتدئا فلا يبطل حقها فى الارث كقولها طلقنى رجعية فابانها جامع الفصولين قول (لان الرجعى لايزيل النكاح) اى قبل انقضاء العدة اى فلم تكن راضية باسقاط حقها بخلاف مالو طلبت البائن (شامى ص ٩ ج ٥) زكريا

(٢) عالمگیری ص ٤٦٢ ج ١ دار الكتاب ديوبند)

اس کا حکم بھی عام علماء کے نزدیک ظاہر ہے کہ ایسے شخص کی طلاق واقع نہیں ہو گی۔

تیسرا درجہ درمیانی غصہ کا ہے کہ آدمی دوسری حالت کی طرح بالکل مدہوش و بے شعور تو نہ ہوا ہو مگر پہلی حالت کے مقابلہ میں غصہ میں تیزی آگئی ہو جس کی وجہ سے وہ آپے سے باہر ہو رہا ہو تو اس حالت کی طلاق محل نظر ہے علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ طلاق واقع نہیں ہو گی مگر غایہ کی عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ طلاق واقع ہو جانی چاہئے علامہ شامی فرماتے ہیں کہ یہی قول ہمارے موافق ہے یعنی احناف کے یہاں وقوع طلاق پر ہی فتویٰ ہے۔[1]

ضروری وضاحت

اوپر علامہ شامی کی پیش کردہ عبارت سے معلوم ہوا کہ انتہائی غضب کی حالت میں دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہو گی۔ اور بہت سے مفتیان کرام نے بھی اسی کے مطابق فتوی دیا ہے مگر یہ فتوی دیانۃً ہے قضاءً تو وقوع طلاق ہی کا فیصلہ کرنا چاہئے کیونکہ شامی میں باب التعلیق کی جو عبارت ہے وہ ہر حال میں وقوع طلاق کو چاہتی ہے۔ علماء محققین، صاحب فتح و خانیہ وغیرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور تمام تفریعات فقہیہ سے بھی طلاق غضبان کے وقوع کا ثبوت ملتا ہے اور حقیقت میں حنفیہ کا مذہب بھی یہی ہے اور علامہ شامی نے بھی باب فی طلاق المدہوش میں اسی بات کو اشکال کہہ کر بیان کیا ہے اگرچہ علامہ نے پھر اس کا جواب بھی دیا ہے مگر وہ جواب کافی نہیں ہے کیونکہ حرمت

(۱) قلت وللحافظ ابن القیم الحنبلی رسالۃ فی طلاق الغضبان قال فیها انه علی ثلاثة اقسام احدها ان یحصل له مبادی الغضب بحیث لا یتغیر عقله ویعلم ما یقول ویقصده وهذا لااشکال فیه، الثانی ان یبلغ النهایة فلا یعلم ما یقول ولا یریده فهذا لاریب انه لا ینفذ شی من اقواله، الثالث من توسط بین المرتبتین بحیث لم یصر کالمجنون فهذا محل النظر الادلة تدل علی عدم نفوذ اقواله ملخصا من شرح الغایة الحنبلیة لکن لشار فی الغایة الی مخالفته فی الثالث حیث قال ویقع طلاق من غضب خلافا لابن قیم وهذا الموافق عندنا لما مر فی المدهوش (شامی ص ۴۵۲ ج ۴)

فروج کے باب میں احتیاط تام لازم ہے۔ ا (شامی کی عبارت حاشیہ پر ملاحظہ ہو)

دیانۃً و قضاءً کا مطلب

مسائل طلاق میں بار بار دیانۃً اور قضاءً کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے بعض مسئلہ میں صرف دیانۃً وقوع طلاق کا حکم ہوتا ہے تو بعض میں صرف قضاءً اور بعض میں دونوں طرح طلاق معتبر ہوتی ہے۔ اس لئے اس کا مطلب اور دونوں کے مابین باہمی فرق واضح کردینا مناسب ہے۔ دیانۃً کا مطلب یہ ہے کہ طلاق کے وقوع و عدم وقوع اور غلط و صحیح ہونے کا سارا مدار طلاق دینے والے کی نیت پر ہے کہ وہ جانے اور اس کا خدا جانے اسی کو فیما بینہ وبین اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور قضاءً کا مطلب یہ ہے کہ اس کی نیت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ قرینہ اور ظاہر حال کے اعتبار سے فیصلہ ہوگا۔ چاہے اس کی نیت کچھ بھی ہو۔ کیونکہ قاضی ہر شخص کے ظاہر حالت کا ذمہ دار ہے ظاہر حال جو تقاضا کریگا اسی کے اعتبار سے فیصلہ ہوگا۔ اس کے برخلاف مفتی سائل کے سوال کے مطابق جواب دیتا ہے اگر سائل کی نیت طلاق کی نہ تھی اور اس کا اظہار کررہا ہے تو مفتی عدم وقوع ہی کا فتویٰ دیگا۔ جیسے انتہائی غضب کی حالت میں وہ مدہوش ہونے کا دعوی کرتا ہے تو دیانۃً عدم وقوع طلاق ہی کا فیصلہ کیا جائے گا اسی طرح کسی نے تین مرتبہ لفظ طلاق استعمال کرکے کہا کہ میری نیت پہلے کلمہ کی تاکید تھی مزید طلاق دینے کا ارادہ نہیں تھا تو مفتی اس کا اعتبار کرکے ایک طلاق رجعی کا فتویٰ دیگا، مگر قاضی تین طلاق مغلظہ ہی کا فیصلہ کریگا۔ چنانچہ علامہ شامیؒ اسی کی وضاحت فرمارہے ہیں۔

(۱) نعم یشکل علیہ ما سیأتی فی التعلیق عن البحر وصرح بہ فی الفتح والخانیۃ وغیرھما وھو لوطلق فشھد عندہ اثنان انک استثنیت و ھو غیر ذاکر ان کان بحیث اذا غضب لایدری ما یقول وسعہ الاخذ بشھادتھما والا لا فان مقتضاہ انہ اذا کان لایدری ما یقول یقع طلاقہ والا فلا حاجۃ الی الاخذ بقولھما انک استثنیت وھذا مشکل جداً الا ان یجاب الخ (شامی ص ۴۵۳ ج ۴

ای تصح نیته فیما بینه وبین ربه تعالی الخ فیفتیه المفتی بعدم الوقوع اما القاضی فلا یصدقه ویقضی علیه بالوقوع لانه خلاف الظاهر بلاقرینة[1]

پس اس کی نیت اس کے اور اس کے رب کے درمیان صحیح ہوگی۔ لہٰذا مفتی اس کی نیت کا اعتبار کرتے ہوئے عدم وقوع طلاق کا فتوی دیگا مگر قاضی اس کی نیت کی تصدیق نہ کر کے وقوع طلاق ہی کا فیصلہ کریگا اس لئے کہ یہ ظاہر کے خلاف ہے اور اس کے خلاف کوئی قرینہ بھی نہیں ہے۔

(نوٹ) مگر اس بے راہ روی کے دور میں مفتی کو بھی عدم تاکید کا اعتبار کرتے ہوئے طلاق ثلاثہ ہی کا فتوی دینا چاہئے (تاکید کے ذیل میں اس کی تفصیل آئے گی)

طلاق سکران کی بحث

نشہ کی حقیقت

دماغ پر سرور و مستی کا اس قدر غالب آجانا کہ انسان آسمان و زمین اور مرد و عورت کے مابین فرق نہ کر سکے یا بے معنی گفتگو کرنے لگے اور ہیجان میں آکر اول فول بکنے لگے تو ایسی کیفیت کا نام نشہ ہے۔[2]

نشہ کی حالت میں طلاق کا حکم

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ مجنون و مدہوش کی طرح سکران بھی فاتر العقل

(۱) شامی ص ۴۶۲ ج ۴ (۲) (اوسکران) السکر سرور یزیل العقل فلا یعرف به السماء من الارض وقالا بل یغلب علی العقل فیهذی فی کلامه (شامی ص ۴۴۴ ج۴) وقوله (بأن زال عقله) بیان لحد السکر فعند ابی حنیفة السکران من النبیذ الذی یحدهوا الذی لایعقل منطقا قلیلا ولا کثیرا ولا یعقل الرجل من المرأة ولا الارض من السماء وقال هوالذی یهذی ویختلط کلامه غالبا (بحرالرائق ص ۴۶ جلد۵

ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ مجنون ومدہوش کی طرح اس کی طلاق بھی واقع نہ ہو مگر مقدمۂ طلاق میں فقہاء احناف نے اس سکر کو از راہ زجر و توبیخ نا قابل اعتبار قرار دے کر اس کی دی ہوئی طلاق کو معتبر مانا ہے۔ کیونکہ اسلام میں نشہ کے استعمال کی سخت ممانعت ہے اور اس نے شراب یا اس جیسی نشہ آور چیز استعمال کر کے ایک جرم عظیم کا ارتکاب کیا ہے اس لئے سکران کو لزوم احکام میں بمنزلہ ہوشیار اور حکم میں بمرتبۂ عاقل قرار دیکر اس کی طلاق کا اعتبار کر لیا گیا ہے۔[1]

حالت نشہ میں وقوع طلاق کی حکمت

اللہ کی بے شمار نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت حضرت انسان کیلئے عقل ہے اسی نعمت عظمٰی کیوجہ سے وہ تمام مخلوقات سے ممتاز ہے وہ اللہ کی اس نعمت کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہے اسی عقلمندی کیوجہ سے وہ تمام مخلوق پر حکومت کرتا ہے مگر تمام چیزوں کا مالک مختار صرف اللہ ہے انسان اپنی جان تو کیا ایک عضو کا بھی مالک نہیں کہ اس کو کاٹ کر علیحدہ کردے اور کسی کو دیدے ایک انگلی کو بھی اگر بلاوجہ خود سے تلف کرتا ہے تو شریعت کی نگاہ میں بڑا مجرم اور گستاخ گردانا جاتا ہے۔ تو بھلا شراب جیسی مہلک وممنوع اور حرام چیز کو استعمال کر کے عقل جیسی عظیم نعمت کو زائل کر دینا کیوں کر ظلم عظیم نہیں ہوگا پھر اس کے بعد طلاق جیسے قبیح فعل کا بھی ارتکاب کرے اور اس کو نظر انداز کر دیا جائے ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا ایسا شخص تو شریعت کی نگاہ میں قابل مواخذہ اور سخت سے سخت سزا کا سزاوار ہے۔

المناک بات یہ ہے کہ ہمارے ملک کے غیر مقلدین علماء جو خود کو اہل حدیث کہتے ہیں اس مسئلہ میں عدم وقوع طلاق کے قائل ہیں اور ہمارے بعض حنفی

---

(۱) ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو تقدیرا بدائع لیدخل السکران الخ فان طلاقه صحیح (درمختار) فلنه فی حکم العاقل زجرا له فلا منافاة بین قوله عاقل وقوله الاتی او سکران (شامی ص ۴۳۸ ج ۴)

بزرگوں کا میلان بھی اسی بات کی طرف ہے مگر ان کا قول مفتی بہ نہیں بلکہ فتویٰ اس قول پر ہے جس کو اہل الترجیح نے راجح قرار دیا ہے کیونکہ طلاق سکران کا معتبر اور نافذ ہونا جمہور کا مسلک ہے چنانچہ صاحب بدائع اس کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

واما السکران اذا طلق امرأته فان کان سکره بسبب محظور بان شرب الخمر او النبیذ طوعا حتی سکر وزال عقله فطلاقه واقع عند عامة العلماء وعامة الصحابه رضی الله عنهم[1]

کہ بہر حال نشہ سے بدمست نے اگر اپنی بیوی کو طلاق دیدیا اور اس کے نشہ کا سبب کوئی ناجائز چیز مثلاً شراب یا نبیذ (وغیرہ) کا خوشی اور اپنی مرضی سے استعمال کرنا ہو اور نشہ بھی اسقدر ہو کہ اس کی وجہ سے اس کی عقل خراب ہوگئی ہو تو جمہور صحابہ اور جمہور علماء کے نزدیک اس کی طلاق واقع ہو جائے گی۔

پھر جمہور کے بالمقابل حضرت عثمانؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے آثار سے عدم وقوع کو ثابت کرنا اور حنفیہ میں سے امام طحاویؒ اور امام کرخیؒ کے مرجوح اور غیر مفتی بہ قول کو اختیار کرنا اور درمختار و کفایہ کی بعض ناقابل اعتماد عبارت کی وجہ سے جمہور صحابہؓ کے قول اور فقہاء احناف کی قابل اعتماد عبارت کو چھوڑ کر غیر مفتی بہ قول کو راجح قرار دینا ترجیح بلا مرجح عمل بالمرجوح لازم آتا ہے جو غیر مناسب ہے۔
بعض حضرات فرماتے ہیں کہ شراب نوشی کے جرم میں متعینہ اسی کوڑے پر مزید وقوع طلاق کا فیصلہ ایک سزا کا اضافہ ہے مگر بندہ کو ناچیز کو ان سے اتفاق نہیں۔
مزید سزا کا اضافہ تو جب ہوتا کہ وقوع طلاق کا حکم مطلقاً لگایا جاتا خواہ نشہ کی حالت میں طلاق کا لفظ استعمال کیا ہو یا نہ کیا ہو مگر یہاں تو صرف اس شراب نوش کی طلاق

(۱) بدائع الصنائع ص ۱۵۸ ج ۳

کے واقع ہونیکا فیصلہ ہے جو نشہ کی حالت میں طلاق دے۔ کیا نشہ کی حالت میں طلاق کے علاوہ دوسرے جرائم پر حدیں جاری نہیں ہوتیں کیا نشہ کی حالت میں نماز روزہ اور دیگر فرائض کے چھوٹ جانے سے ان کی قضاء کا حکم نہیں دیا جاتا۔

شراب اور نشہ آور چیزوں پر ہندوستان میں پابندی نہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم بھی شرعی مسائل میں سست پڑ جائیں اور عدم وقوع طلاق کا حکم لگا کر شراب نوشی کیلئے مزید راستہ ہموار کریں بلکہ ہمارے لئے تو اور بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم اس قدر احتیاط سے کام لیں کہ جس سے نشہ کے استعمال میں کمی ہو اور آئندہ کیلئے ایسے جرائم کا سد باب ہو جائے اسی حکمت و مصلحت کیوجہ سے تو شریعت مطہرہ نے ابتداءً شراب کی حرمت کے بعد شراب کے برتنوں کے استعمال کو بھی ممنوع قرار دیا تھا تاکہ اس سے بالکلیہ اجتناب ہو جائے لوگوں کے دلوں میں اس کی قباحت بیٹھ جائے اور لوگ اس سے نفرت کرنے لگیں۔ بنا بریں نشہ سے بدمست کی طلاق کے وقوع کا فیصلہ شریعت کا حکیمانہ فیصلہ ہے تاکہ دوسرے کو بھی اس سے سبق ملے اور شراب نوشی سے باز آ جائے۔

بعض ایسے نشے جن میں طلاق واقع نہیں ہوتی

وہ نشہ جو ایسی چیز کے استعمال سے پیدا ہوا ہو جس کا کھانا پینا حلال ہے مگر اس کا استعمال بے اعتدالی سے اس طرح کیا گیا کہ نشہ چڑھ گیا جیسے پان تمباکو تو حلال ہے مگر بغیر عادت کے کھالیا یا عام مقدار سے زیادہ استعمال کر لیا جس کی وجہ سے نشہ چڑھ گیا یا پیٹ بھر کر کھانا کھانے سے نشہ میں مبتلا ہو گیا یا بعض ایسی دواؤں کے استعمال سے نشہ چڑھ گیا جو نشہ آور ہوتی ہیں تو ایسے نشوں کی حالت میں طلاق دینے سے طلاق کا وقوع نہیں ہوگا۔[1]

(۱) نعم لوزال عقلہ بالصداع او بمباح لم یقع (درمختار علی ھامش شامی ص ۴۴۷ ج ۴

نیز شراب، بھنگ، تاڑی اور بعض دیگر نشہ آور اشیاء جن کا استعمال شرعاً حرام ہے ان سے بھی نشہ کی کچھ ایسی صورتیں ہیں جن میں طلاق واقع نہیں ہوگی۔ (الف) اگر کسی نے کوئی ایسی چیز استعمال کیا جس کے نشہ آور ہونے سے ناواقف تھا مگر سوءِ اتفاق کہ وہ نشہ آور نکلی تو ایسی حالت میں دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوگی (کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم رفع عن امتی الخطأ والنسیان) (ب) اگر کسی کو شراب یا اس جیسی نشہ آور چیزیں جبراً و قہراً پلائی گئیں کہ اگر استعمال نہ کرتا تو جان کے خطرے میں پڑ جانے یا ناقابل برداشت نقصان کا غالب گمان تھا تو ایسے نشہ کی حالت میں بھی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ (ج) کوئی شخص بھوک کی وجہ سے حالت اضطرار کو پہنچ گیا اور نشہ آور چیزوں کے علاوہ کوئی حلال چیز موجود نہیں تھی جس کو کھا کر جان بچاتا تو ایسی حالت میں حرام چیز کے استعمال کی بھی شریعت نے اجازت دی ہے لہٰذا ایسی حالت میں اگر نشہ آور چیز استعمال کر کے بھوک کو ختم کیا مگر نشہ آ گیا اور پھر اپنی بیوی کو طلاق دیدیا تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ (د) نشہ آور چیزوں کو دواءً استعمال کیا تو ایسے نشہ کی حالت میں بھی طلاق واقع نہیں ہوگی۔[1]

خواب آور گولی کی وجہ سے نشہ میں طلاق

خواب آور گولیاں اجزاء محذورات و سمیات سے مرکب ہوتی ہیں جن کی وجہ سے دماغ پر فوراً ایک اثر پڑتا ہے اور نشہ آ جاتا ہے۔ اگر ماہر اور معتمد علیہ دیندار ڈاکٹر مرض کی تشخیص کر کے ایسی دواؤں کے استعمال کی اجازت دے تو درست

---

(۱) واختلف التصحیح فیمن سکر مکرها او مضطرا (درمختار) فصحح فی التحفة وغیرها عدم الوقوع وجزم فی الخلاصة بالوقوع قال فی الفتح والاول احسن لان موجب الوقوع عند زوال العقل لیس الا التسبب فی زواله بسبب محضور وهو منتف وفی النهر عن تصحیح القدوری انه التحقیق الخ وکذا لو سکر ببنج او افیون تناوله لا علی وجه المعصیة بل للتداوی (شامی ص ۴۴۷ ج ۴ زکریا)

ہے ورنہ درست نہیں بہر حال اگر ڈاکٹر کی تجویز پر گولیاں استعمال کی گئیں پھر ان کی وجہ سے نشہ آگیا اور طلاق دیدی تو وقوع طلاق کا فتویٰ دیا جائے گا۔ [1]

نشہ میں طلاق کا خیال مرد کو ہونا ضروری نہیں

کسی نے نشہ کی مستی میں اپنی بیوی کو طلاق دی مگر ہوش آنے کے بعد اُس کو علم نہیں کہ اُس نے کیا کہا تھا صرف عورت یا کسی اور کو اس کا علم ہے تو بھی طلاق واقع ہو جائے گی۔

حالت اکراہ میں طلاق کا حکم

اکراہ کی حالت میں اکثر احکام بدل جاتے ہیں اور اس پر کوئی حکم مرتب نہیں ہوتا جیسا کہ ابھی گذرا کہ جبراً نشہ آور اشیاء کے استعمال سے طلاق واقع نہیں ہوتی مگر بعض اکراہ کی صورت میں واقع ہونے والے عمل کا اعتبار کر کے اس پر فیصلہ کر دیا جاتا ہے اسی میں سے طلاق کا بھی مسئلہ ہے۔

مثلاً کسی شخص نے کسی کو دھمکی دی اور ڈرایا کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دیدو ورنہ جان سے مار ڈالونگا یا بڑی سخت سزا دونگا اس پر اس نے مارے ڈر کے صراحۃً لفظ طلاق کے ذریعہ زوجہ کو طلاق دیدیا تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر صریح لفظ کے بجائے لفظ کنایہ سے طلاق دی مگر طلاق کی نیت نہیں کی تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ [2]

نیز اگر شوہر کو طلاق پر تو مجبور نہ کیا گیا بلکہ توکیل بالطلاق پر مجبور کیا گیا کہ

(۱) ذکر فی شرح الکرخی قالوا ان شرب البنج یجوز للتداوی فاذا زال العقل لم یجز (الی قوله) وذکر فی الذخیرہ ذکر عبدالعزیز الترمذی قال سألت ابا حنیفة وسفیان الثوری عن رجل شرب البنج فارتفع الی رأسه فطلق امرأته قال ان کان حین یشرب یعلم ما هی فهی طالق وان کان حین یشرب لایعلم انه ما هو لا یطلق (نصاب الاحتساب ص ۷۴، ۷۵ بحوالہ فتاوی رحیمیه ص ۳۲۱ ج ۵

(۲) ویقع طلاق کل زوج الخ ولو عبدا ومکرها فان الطلاق صحیح (درمختار علی هامش شامی ص ۴۳۸ ج ۴)

فلاں شخص کواپنی بیوی پر طلاق واقع کرنے کا حق دیدو اس نے مجبوراً طلاق کا وکیل بنادیا پھر وکیل نے اس کی بیوی کو طلاق دیدی تو بھی طلاق واقع ہو جائے گی۔[1]

تحریری طلاق یا طلاق نامہ پر دستخط کرنے پر اکراہ

کسی شخص کو طلاق لکھنے یا طلاق نامہ پر دستخط کرنے یا انگوٹھا نشان لگانے کیلئے مجبور کیا گیا اس پر اس نے صرف طلاق لکھدیا یا طلاق نامہ پر صرف دستخط یا انگوٹھا نشان لگادیا اور زبان سے کچھ نہیں کہا تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ چنانچہ علامہ شامیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

ان المراد الاکراہ علی التلفظ بالطلاق فلواکرہ علی ان یکتب طلاق امرأتہ فکتب لا تطلق لان الکتابۃ اقیمت مقام العبارۃ باعتبار الحاجۃ ولاحاجۃ ھنا[2]	اکراہ کی حالت میں طلاق واقع ہونے سے مراد یہ ہے کہ طلاق کا تلفظ کرے لہذا اگر شوہر کو طلاق لکھنے پر مجبور کیا گیا اس پر شوہر نے طلاق لکھدیا تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

اس لئے کہ تحریر کو کسی وقت مافی الضمیر کے اظہار کا بدرجۂ مجبوی ذریعہ بناتے ہیں اور یہاں پر اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ (اس لئے مجبوراً کتابت بالطلاق سے طلاق نہ ہوگی)۔

بیوی کی خودکشی کے خوف سے طلاق نامہ لکھنا

اگر عورت نے شوہر کو طلاق دینے پر مجبور کیا کہ تم مجھ کو طلاق دیدو یا طلاق نامہ لکھ دو ورنہ میں خودکشی کرلونگی اس پر شوہر نے مجبوراً طلاق کہدیا یا لکھ دیا تو طلاق واقع ہو جائے گی اگرچہ صرف عورت کے بہلانے اور صبر دلانے کیلئے کہا ہو۔ لقولہ علیہ السلام ثلاث جدھن جد وھز لھن جدالنکاح

(۱) وشمل ما اذا أکرہ علی التوکیل بالطلاق فوکل فطلق الوکیل فانہ یقع (شامی صفحہ ۴۳۸، ۴۳۹ جلد ۴

(۲) شامی صفحہ ۴۴۰ جلد ۴

والطلاق والرجعة [۱]

خوف کیوجہ سے نکاح کا انکار کرنا طلاق نہیں

کسی نے جان، مال یا عزت کے خوف سے یا کسی اور مقصد کو حاصل کرنے کے لئے نکاح سے انکار کیا مثلاً کسی نے پوچھا کیا تمہاری شادی ہو چکی ہے؟ یا کسی نے مجبور کیا کہ کہو میری شادی نہیں ہوئی ہے، اس پر اس نے کہا کہ ہاں میری کوئی شادی نہیں ہوئی ہے۔ تو اس سے طلاق نہیں ہوگی اور نہ نکاح ٹوٹے گا البتہ بلاوجہ اس طرح کہنا جھوٹ اور گناہ ہے۔ [۲]

ہنسی مذاق میں طلاق

مقدمۂ طلاق میں مذاق کو حقیقت پر محمول کر کے شرعاً معتبر مانا گیا ہے لہٰذا مذاقاً طلاق دینے سے بھی طلاق واقع ہو جائے گی چنانچہ ابوہریرہؓ کی ایک روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

ثلاث جدھن جد وھزلھن جد النکاح والطلاق والرجعة [۳]

کہ تین چیزوں کی حقیقت بھی حقیقت اور مذاق بھی حقیقت ہے وہ نکاح، طلاق اور رجعت ہے۔

اسی کو صاحب درمختار نے وضاحت سے بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

بخلاف الھازل واللاعب فانه یقع قضاءً ودیانة لان الشارع جعل ھزله به جدا [۴]

بخلاف مذاق اور کھیل میں طلاق دینے والے کے کہ قضاءً اور دیانۃً وقوع طلاق کا حکم لگایا جائے گا۔

---

(۱) ترمذی شریف صفحہ ۲۲۵ جلد ۱

(۲) او سئل الك امرأة فقال لا، تطلق اتفاقا وان نوی لان الیمین والسوال قرینتا ارادة النفی فیهما (درمختار) (قوله لا، تطلق اتفاقا وان نوی) ومثله قوله لم اتزوجك الخ والاصل ان نفی النکاح اصلا لا یکون طلاقا بل یکون جحودا (شامی صفحہ ۵۰۷ جلد ٤)

(۳) ترمذی شریف صفحہ ۲۲۵ جلد ۱ (٤) درمختار مع الشامی ص ٤٤٩ ج٤

کیونکہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مذاق میں دی جانے والی طلاق کو حقیقت کا درجہ دیا ہے۔ علامہ شامی نے اس کو مزید واضح کیا ہے فرماتے ہیں:

لانہ تکلم بالسبب قصدا فیلزمہ حکمہ وان لم یرض بہ[1] — اس لئے کہ اس نے سبب طلاق کا تکلم جان بوجھ کر کیا ہے لہٰذا اس پر اس کا حکم لازم ہوگا اگرچہ اس کے مزاج کے خلاف پڑے۔

غلطی سے لفظ طلاق کا نکلنا بھی طلاق ہے

جب شریعت نے طلاق کے باب میں مذاق پر بھی گرفت کر کے وقوع طلاق کا فیصلہ کیا ہے تو پھر غلطی سے لفظ طلاق کے بولنے سے بدرجہ اولیٰ وقوع طلاق کا فیصلہ کیا جائیگا لہٰذا اگر کسی نے بغیر ارادہ کے محض سبقت لسانی کے طور پر لفظ طلاق کا استعمال کیا مثلاً کوئی اپنی بیوی سے کہنا چاہتا تھا کہ تو حیض والی ہے۔ مگر غلطی سے نکل گیا کہ تو طلاق والی ہے تو اس پر ایک طلاق رجعی واقع ہو جائے گی اسی طرح کوئی سبحان اللہ کا ذکر کرنا چاہ رہا تھا مگر اسکی زبان پر (انت طالق) تو طلاق والی ہے جاری ہو گیا تو اس سے بھی طلاق ہو جائے گی۔ مگر سبقت لسانی خطاء کی صورت میں وقوع طلاق کا فیصلہ صرف قضاءً ہے نہ کہ دیانۃً اس کے برخلاف مذاقاً طلاق دینے سے قضاءً و دیانۃً دونوں طرح طلاق واقع ہو جائے گی۔[2]

طلاق کی چوتھی شرط بیداری ہے

طلاق کی چوتھی شرط یہ ہے کہ طلاق دینے والا بیدار ہو لہٰذا نیند اور خواب میں طلاق دینے سے طلاق واقع نہیں ہوگی چنانچہ اس سلسلے میں حضرت علیؓ کی ایک

(۱) شامی صفحہ ۴۴۹ جلد ۴ (۲) بان اراد التکلم بغیر الطلاق فجری علی لسانہ الطلاق او تلفظ بہ غیر عالم بمعناہ او غافلا او ساھیا او بالفاظ مصحفۃ یقع قضاء فقط بخلاف الھازل واللاعب فانہ یقع قضاءً ودیانۃ لان الشارع جعل ھزلہ بہ جدا (درمختار) بان اراد ان یقول سبحان اللہ فجری علی لسانہ انت طالق تطلق لانہ صریح لایحتاج الی النیۃ لکن فی القضاء (درمختار مع الشامی ص ۴۴۸ تا ۴۴۹ ج۴ زکریا)

روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتی یستیقظ وعن الصبی حتی یبلغ وعن المعتوہ حتی یعقل[1] تین قسم کے لوگوں سے ذمہ داری اٹھالی گئی ہے سونے والا جب تک کہ بیدار نہ ہو جائے بچہ جب تک کہ بالغ نہ ہو جائے اور بے ہوش جب تک کہ ہوش میں نہ آجائے۔

پانچویں شرط جس کو طلاق دی جائے وہ طلاق کی منکوحہ ہو

طلاق واقع ہونے کی پانچویں شرط یہ ہے کہ جس کو طلاق دی جارہی ہے وہ طلاق دینے والے کی فی الحال منکوحہ ہو، لہٰذا غیر کی منکوحہ کو طلاق دینے سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی نے کسی عورت سے صرف نکاح کا ارادہ کیا ہو اور نکاح سے قبل اس کو طلاق دیدی تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ چنانچہ حضرت علیؓ ہی سے ایک مرفوع روایت منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ:

لا طلاق قبل النکاح[2] نکاح سے قبل طلاق دینے کا کوئی اعتبار نہیں۔

یعنی طلاق قبل النکاح واقع نہیں ہوگی۔[3] (نوٹ مزید تفصیل طلاق معلق کے تحت آرہی ہے)۔

چھٹی شرط طلاق کی نسبت اپنی منکوحہ کی طرف کرے

وقوع طلاق کی آخری شرط یہ ہے کہ طلاق دینے والا طلاق کی نسبت (صراحۃً یا دلالۃً) اپنی منکوحہ کی طرف کرے بیوی کا سامنے ہونا ضروری نہیں ہے۔ لہٰذا طلاق کی نسبت اگر بیوی کی طرف نہیں کی بلکہ مطلقاً طلاق کا لفظ استعمال کیا یا اپنی منکوحہ

(۱) مشکوۃ صفحہ ۲۸۴ جلد ۲ باب الخلع والطلاق (۲) مشکوۃ صفحہ ۲۸۴ جلد ۲

(۳) ویقع طلاق کل زوج اذا کان عاقلا بالغا ولا یقع طلاق الصبی والمجنون والنائم (هدایه صفحه ۳۵۸ جلد ۲

کے علاوہ کسی دوسری عورت کی طرف نسبت کی تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ [1]

اضافت طلاق کی بحث

طلاق کی جملہ شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ طلاق کی نسبت واضافت بیوی کی طرف ہو اس کے بغیر وقوع طلاق مبہم رہتا ہے اور ابہام کے ساتھ طلاق معتبر نہیں پھر نسبت کی دو صورتیں ہیں۔ ١ نسبت حقیقی صریحی ٢ نسبت معنوی۔ اور وقوع طلاق کے لئے دونوں نسبتوں میں سے ایک بھی کافی ہے۔

نسبت صریحی کا مطلب یہ ہے کہ صاف اور صراحۃ طلاق دینے والا طلاق کی نسبت اپنی منکوحہ کی طرف کرے یا تو نام لیکر مثلاً زید کی بیوی کا نام ہندہ ہے تو زید کہے کہ میں نے ہندہ کو طلاق دی یا یوں کہے کہ میری بیوی کو طلاق ہے یا انگلی سے اشارہ کرے کہ اس عورت کو طلاق۔ یا وہ عورت طلاق والی ہے تو یہ تمام صورتیں نسبت صریحی ہیں ان میں تو منکوحہ کے علاوہ غیر عورت کا احتمال ہی نہیں اس لئے طلاق کا واقع ہونا ظاہر ہے۔

نسبت معنوی کا مطلب یہ ہے کہ طلاق کی نسبت صاف اور صراحۃ تو بیوی کی طرف نہ کی گئی ہو مگر کچھ ایسے اسباب وقرائن ہوں جن سے یہی سمجھا جارہا ہو کہ طلاق کی نسبت اس کی بیوی کی طرف ہے۔ مثلاً بیوی کا نام لئے بغیر اور ہاتھ سے اشارہ وغیرہ کئے بغیر صرف یوں کہا کہ (طالق) طلاق والی ہے یا یوں کہا کہ (طلقت) میں نے طلاق دی، یا یوں کہا کہ لو میں نے طلاق دیدی وغیرہ تو ان تمام صورتوں میں اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوجائے گی۔ کیونکہ آدمی اپنی بیوی ہی کو طلاق دے سکتا ہے غیر کو نہیں لہٰذا اس کی بیوی ہی مراد ہو کر طلاق واقع ہوجائے گی ہاں اگر اضافت معنوی بھی نہ ہو، بالکل مبہم ہو تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

علامہ شامی نے بھی اضافت معنوی کا اعتبار کرتے ہوئے وقوع طلاق کا فیصلہ کیا ہے۔

---

(١) ولکن لا بد فی وقوعه قضاء ودیانة من قصد اضافة لفظ الطلاق الیها عالما بمعناه (شامی صفحه ٤٦١ جلد ٤

لم یقع لترکہ الاضافۃ الیھا (درمختار) (لترکہ الاضافۃ) ای المعنویۃ فانھا الشرط والخطاب من الاضافۃ المعنویۃ وکذا الاشارۃ نحو ھذہ طالق وکذا نحو امرأتی طالق و زینب طالق[1]

اضافت معنوی کے ترک کرنے پر طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ اضافت طلاق وقوع طلاق کیلئے شرط ہے خطاب اور اشارہ بھی اضافت معنوی ہے مثلاً کوئی اپنی بیوی کی طرف اشارہ کرکے کہے کہ یہ عورت طلاق والی ہے یایوں کہے کہ میری بیوی زینب طلاق والی ہے۔

لہٰذا کم سے کم اضافت معنویہ کاپایا جانا ضروری ہے، اضافت معنویہ کی صورت میں اگرشوہر انکارکرے کہ اس سے میں نے اپنی بیوی مراد نہیں لی ہے تو قضاءً اس کی بات کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اور وقوع طلاق ہی کا فیصلہ ہوگا۔ اگرچہ اس نے صراحۃً اضافت نہیں کی، مگر اضافت معنوی موجود ہے، جو وقوع طلاق کیلئے کافی ہے۔[2]

اضافت معنویہ کی صورت میں طلاق صرف قضاءً ہوگی یا دیانۃً بھی؟

اضافت صریحہ کی صورت میں طلاق قضاءً ودیانۃً دونوں طرح واقع ہوجاتی ہے اور اضافت معنویہ میں تھوڑی سی تفصیل ہے کہ اگر شوہر مزاحم اور منکر نہیں توپھر دیانۃً وقضاءً دونوں طرح واقع ہوگی اور اگر شوہر منکر ہے اور حلفیہ بیان دیتا ہے کہ میں نے اس سے اپنی بیوی کی طلاق مراد نہیں لی ہے اور نہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے تو بوجہ احتمال دیانۃً طلاق نہیں ہوگی مگر بوجہ قرائن ودلالت حالیہ، قضاءً طلاق ہی کا فیصلہ ہوگا۔

البتہ جب قاضی یاحاکم نے اس طلاق کا اعتبار کرکے تفریق کردی تو دیانۃً بھی میاں بیوی میں بینونت واقع ہوکر بیوی شوہر پر حرام ہوجائے گی۔ عورت کو جب وقوع طلاق کا یقین ہوجائے توپھر اس کیلئے جائز نہیں ہوگا کہ وہ اس شوہر کیساتھ

(۱) شامی ۴۵۸ ج ۴ (۲) فاوقعوا بہ الطلاق مع انہ لیس فیہ اضافۃ الطلاق الیھا صریحا فھذا مؤید لما فیہ القنیۃ وظاھرہ انہ لا یصدق فی انہ لم یرد امرأتہ للعرف (شامی ص۴۵۹ ج۴)

بیوی کی طرح رہے۔[1]

فلاں عورت یا فلاں کی لڑکی یا فلاں کی بہن کو طلاق

اگر کسی نے بیوی کا نام لیکر کہا کہ فلاں عورت کو طلاق تو اس طلاق کے واقع ہونے میں کوئی شک نہیں کیونکہ نسبت صریحہ ہے اسی طرح اگر اس نے یوں کہا کہ فلاں کی بیٹی۔ یا فلاں کی بہن یا فلاں کی ماں کو طلاق تو بھی طلاق واقع ہو جائیگی، کیونکہ ان تمام جملوں میں اضافت الطلاق الی المرأة موجود ہے اگر شوہر انکار کرے کہ میں نے اس سے اپنی بیوی مراد نہیں لی ہے تو قضاءً اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔[2]

عمداً نام بدلنے سے طلاق نہیں ہوگی اگرچہ رشتہ داروں کی طرف نسبت صحیح ہو

کسی نے اپنی بیوی کی نسبت ماں باپ، بھائی، بہن، اولاد وغیرہ کی طرف تو ٹھیک کی مگر اصل عورت کا نام بدل کر طلاق دی تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ مثلاً زید کی بیوی خالدہ بنت بکر ہے اس نے طلاق دیتے ہوئے نام بدل کر یوں کہا کہ میں حامدہ بنت بکر کو طلاق دیتا ہوں، یا زید کی بیوی حلیمہ، حامد کی بہن ہے مگر طلاق دیتے وقت نام بدل کر یوں کہتا ہے کہ میں نے سلیمہ اخت حامد کو طلاق دی۔ تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ کتب فقہ میں تصریح موجود ہے کہ تغیر اسم کی صورت میں نسبت الی الاب وغیرہ کچھ مفید نہیں ہوگا۔ بلکہ عورت ایک اجنبیہ شمار ہوگی اور اس نسبت کو جھوٹ اور غلط پر محمول کیا جائے گا۔[3]

(۱) ولا یلزم کون الاضافة صریحه فی کلامه لما فی البحر الخ وقال صاحب التحفة لا تطلق دیانةً وما فی التحفة لا یخالف ما قبله لان المراد طلقت قضاءً فقط لما مر من انه لو اخبر بالطلاق کاذبا لایقع دیانة (شامی صفحه ٤٥٨ جلد ٤

(۲) لو ذکر اسمها او اسم ابیها او امها او ولدها فقال عمرة طالق او بنت فلان او بنت فلانه او ام فلان فقد صرحوا بانها تطلق وانه لو قال لم اعن امرأتی لا یصدق قضاءً اذا کانت امرأته کما وصف (شامی صفحه ٤٨٥ جلد ٤)

(۳) لو قال امرأته الحبشیة طالق وامرأته لیست بحبشیة لا یقع الخ وفی المحیط الاصل انه متی وجدت النسبة وغیر اسمها بغیره لایقع لان التعریف لایحصل بالتسمیة متی بدل اسمها لان بذلك الاسم تکون لمرأة اجنبیة (بحر الرائق صفحه ٤٤٣ جلد٣)

بیوی کے بجائے سالی کا نام لیکر طلاق

اگرکسی سے کہا گیا کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دیدو مرد نے حیلہ اختیار کرتے ہوئے بیوی کے بجائے سالی کا نام لیکر طلاق دی تو اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

نام بدل کر طلاق دینے کے سلسلے میں ایک ضابطہ

ایک شخص نے نام بدل کر طلاق دی دریافت کرنے پر اس نے کہا کہ میں نام نہیں جانتا تھا تو صاحب بحر الرائق کی تحقیق یہ ہے کہ نام بدل کر طلاق دینے کی دو صورتیں ہیں اول یہ کہ نام بدلدیا اور عورت کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ جب الفاظ ایقاع طلاق کا متحمل نہ ہوں تو صرف نیت سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ وقوع طلاق کا اصل مدار الفاظ پر ہوتا ہے الفاظ صریحہ اگرچہ نہ ہوں، صرف وقوع طلاق کی طرف اس لفظ سے کنایہ ہو تو بھی نیت سے طلاق واقع ہو جاتی ہے مگر یہاں الفاظ نہ صراحۃً اور نہ کنایۃً ہی طلاق کا متحمل ہیں تو صرف نیت سے طلاق نہیں ہوگی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ نام تو بدلدیا مگر اپنی منکوحہ کی طرف اشارہ کیا تو پھر طلاق واقع ہو جائے گی اس لئے کہ اگرچہ اس نے نام بدلدیا مگر اشارہ کے ذریعہ بیوی کو متعین کردیا اس لئے طلاق اس پر واقع ہوگی جو متعین ہو چکی۔[1]

سبقت لسانی سے نام بدل جائے تو طلاق کا حکم

اگر کسی نے اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہا مگر سبقت لسانی سے طلاق دیتے وقت کسی اور عورت کا نام زبان پر آگیا تو قضاءً اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی مگر دیانۃً کسی پر بھی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ چنانچہ علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں کہ:

---

(۱) الاصل انه متی وجدت النسبة وغير اسمها بغيره لايقع الخ لان بذلك الاسم تكون امرأة اجنبية ولو بدل اسمها واشار اليها يقع (بحرالرائق صفحه ۴۴۲ جلد ۲

سال عمن اراد ان یقول زینب طالق فجری علی لسانه عمرة علی ایهما یقع الطلاق فقال فی القضاء تطلق التی تسمی وفیما بینه وبین الله تعالی لا تطلق واحدة منهما [۱]

اگر کسی نے اپنی بیوی زینب کو طلاق دینے کا ارادہ کیا مگر اس کی زبان پر عمرہ آ گیا کہ عمرہ کو طلاق تو قضاءً طلاق واقع ہو جائے گی مگر فیما بینہ وبین اللہ یعنی دیانۃً کسی کو طلاق نہیں ہو گی۔

بیوی کے مشہور نام کے بجائے غیر مشہور نام سے طلاق

بیوی کا وہ مشہور نام جس پر نکاح ہوا تھا اس کو چھوڑ کر دوسرے نام سے اگر شوہر نے طلاق دیدی تو طلاق واقع ہو جائے گی جبکہ وہ اس نام سے پکاری جاتی ہو اور اس نام سے اس عورت کا ارادہ کیا جاتا ہو۔ اور اگر اس نام سے نہیں جانی پہچانی جاتی اور نہ اس نام سے اس کا کبھی قصد کیا جاتا ہے تو طلاق واقع نہیں ہو گی۔ [۲]

نام لئے بغیر طلاق دینے سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے

اگر مجلس میں بیوی کا تذکرہ ہو رہا تھا یا شوہر اس پر غصہ تھا یا کسی نے اس سے کہا کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دیدو اس پر مرد نے بغیر نام لئے کہا طلاق یا دو طلاق یا تین طلاق تو اس سے اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی۔ خواہ اس نے اپنی بیوی پر طلاق واقع کرنے کی نیت بھی نہ کی ہو کیونکہ صریح الفاظ میں طلاق دینے سے بغیر نیت کے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ [۳]

وقوع طلاق کیلئے عورت کا سامنے ہونا شرط نہیں

اگر کسی نے بیوی کی غیر موجودگی میں طلاق دی تو طلاق واقع ہو جائے گی

(۱) شامی صفحہ ۴۴۹ جلد ۴ (۲) رجل قال امرأته عمرة بنت صبیح طالق وامرأته عمرة بنت حفص ولانیة له لاتطلق امرأته، وان کان صبیح زوج ام امرأته وکانت تنسب الیه وهی فی حجره الخ الاصل انه متی وجدت النسبة وغیر اسمها بغیره لایقع لان التعریف لا یحصل بالتسمیة متی بدل اسمها لان بذلك الاسم تکون امرأة اجنبیة (بحر الرائق ص ۴۴۲،۴۴۲ جلد ۳)

(۳) ویقع بها ای بهذه الالفاظ وما بمعناها من الصریح الخ وان نوی خلافها... او لم ینو شیئا (درمختار علی حاشیه شامی صفحه ۴۵۸ تا ۴۶۱ جلد ۴)

کیونکہ وقوع طلاق کیلئے صرف محل یعنی منکوحہ ہونا شرط ہے عورت کا موجود اور سامنے ہونا شرط نہیں۔ بلکہ اندھیری رات میں جبکہ اس وقت کوئی موجود نہ ہو اور نہ کوئی سنتا ہو طلاق کا لفظ بغیر آواز کے بھی استعمال کیا اور بیوی کی طرف نسبت کر دی تو یہ طلاق معتبر اور نافذ ہو گی اس کے بعد انکار کا کوئی اعتبار نہیں ہو گا۔[1]

طلاق دینے میں بیوی کی ہم نام پڑوسن عورت مراد لینا

اگر کسی کی بیوی کا نام زینب ہے اور اس کے پڑوس میں کوئی دوسری عورت کا نام بھی زینب ہے۔ مرد نے کہا زینب کو طلاق اور پھر بعد میں کہا کہ میری مراد پڑوسن عورت تھی تو اسکے قول کا اعتبار نہیں ہو گا بلکہ اسکی بیوی زینب پر طلاق واقع ہو جائے گی۔[2]

نام میں تصحیف یعنی حرف بدل کر طلاق

اگر کسی کی بیوی کا نام اختری تھا اس نے اتری کہکر طلاق دی اسی طرح کسی کی بیوی کا نام عظیمہ تھا عطیمہ کہہ کر طلاق دی۔ اسی طرح بیوی کے نام میں ایسے حرف کو بدل کر طلاق دی جو قریب المخرج بھی نہیں اور نہ اس نام سے وہ عورت پکاری جاتی ہے اور نہ اس سے طلاق کی نیت کی ہے تو طلاق واقع نہیں ہو گی اس لئے کہ طلاق کیلئے اضافت ضروری ہے خواہ اضافت معنویہ ہی کیوں نہ ہو اور یہاں نام بدل جانے سے اضافت بالکل نہیں پائی گئی اس لئے طلاق واقع نہیں ہو گی۔

ہاں اگر شوہر نے یوں کہا کہ میں نے اپنی بیوی اتری کو طلاق دی تو پھر طلاق واقع ہو جائے گی اگرچہ نام بدلنے سے تصحیف واقع ہو گئی مگر اپنی بیوی کہہ کر طلاق کی نسبت اپنی منکوحہ کی طرف کر دی ہے۔[3]

---

(۱) (قوله لتركه الاضافة) اى المعنوية فلنها الشرط والخطاب من الاضافة المعنوية وكذا الاشارة الخ ولا يلزم كون الاضافة صريحة في كلامه الخ ظاهره انه لا يصدق فى انه لم يرد امرأته للعرف (شامي ٤٥٨ ـ ٤٥٩ جلد ٤

(۲) كما لو قال زينب طالق وامرأته زينب طلقت امرأته فان قال عنيت زينب اجنبية لا يصدق قضاءً (فتاوى قاضيخان على حامش عالمگيری صفحه ٤٥٨ جلد١)

(۳) قوله لتركه الاضافة اى المعنوية فلنها شرط والخطاب من الاضافة المعنوية وكذا الاشارة نحو هذه طالق وكذا نحو امرأتى طالق وزينب طالق (شامي صفحه ٤٥٨ جلد٤)

نام میں قریب المخرج مثلاً ظا کو جیم سے بدل کر طلاق

اگر کسی نے اپنی بیوی کے نام میں لفظی غلطی کر کے طلاق دی مثلاً کسی کی بیوی کا نام عظیمہ تھا اس نے ظا کے بجائے جیم استعمال کیا اور کہا عجیمہ کو طلاق یا زینب کو جینب کہہ کر طلاق دی۔ تو اس صورت میں طلاق واقع ہو جانی چاہئے کیونکہ اس وقت صحیح تلفظ کرنے والے لوگ کم ہیں اور علماء بھی اپنے اپنے محاورے میں بات چیت کرتے ہوئے پورے طور پر صحیح مخرج کی رعایت نہیں کرتے، نیز عورت بھی لوگوں میں اسی غلط مخرج والے لفظ کیساتھ مشہور ہے اور طلاق دیتے ہوئے اسی تصحیف شدہ لفظ کو استعمال کیا ہے اس لئے طلاق واقع ہو جائے گی اس لئے کہ اضافت معنویہ پائی گئی اور اس میں عالم و جاہل برابر ہے۔ کما فی البحر ولا فرق بین العالم والجاہل وعلیہ الفتوی

غیر زوجہ کو زوجہ سمجھ کر زوجہ کا نام لیکر طلاق

کسی نے بیٹھی ہوئی عورت کو اپنی بیوی سمجھ کر اشارہ کیساتھ کہا اے زینب تجھ کو طلاق (زینب اس کی بیوی کا نام تھا) بعد میں معلوم ہوا کہ جس عورت کی طرف اشارہ کیا گیا وہ کوئی دوسری عورت تھی تو اس کی بیوی زینب پر طلاق واقع ہو جائے گی اس لئے کہ نام کیوجہ سے بیوی متعین اور اشارہ باطل ہو گیا۔[۱]

اس اندھی کو طلاق

اگر کسی نے اپنی بیوی کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس اندھی کو طلاق حالانکہ اس کی بیوی اندھی نہیں ہے تو بھی اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ اشارہ کے ہوتے ہوئے غلط صفت کا اعتبار نہیں ہو گا۔[۲]

(۱) رجل رأى شخصا ظن انها عمرة فقال يا عمره انت طلق ولم يشر الى هذا الشخص فاذا الشخص غير عمرة وامرأته عمرة تطلق امرأته لان المعتبر عند عدم الاشارة هو الاسم وقد وجد (فتاوى قاضيخان على هامش عالم گيرى ص ٤٦٣ ج ١ (٢) (لوكان له امرأة بصيرة فقال امرأته هذه العمياء طالق واشار الى البصيرة تطلق البصيرة ولاتعتبر التسمية والصفة مع الاشارة (قاضى خاص على هامش عالميگيرى ص ٤٥٣ جلد١)

اس کتیہ کو طلاق

اسی طرح کسی نے اپنی بیوی کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس کتیہ کو طلاق تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ اس لئے کہ یہاں بھی اشارہ کی وجہ سے صفت کالعدم ہو کر اس کی زوجہ متعین ہو چکی ہے۔[1]

تجھ کو ائمہ اربعہ کے مذہب پر طلاق

اگر کسی نے کہا کہ تجھ کو ائمہ اربعہ کے قول پر طلاق تو بقول علامہ شامی بالاتفاق اس کی بیوی پر طلاق رجعی واقع ہو جائے گی۔[2]

فقہاء کے قول یا قرآن کے حکم یا فلاں قاضی یا فلاں مفتی کے قول پر طلاق

اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھ کو قرآن کے حکم کے مطابق طلاق یا فقہاء کے قول یا قاضی کے فیصلہ پر یا مسلمانوں کے قول پر یا فلاں مفتی کے فتویٰ پر طلاق۔ تو ان تمام صورتوں میں دیانۃً نیت کیساتھ طلاق واقع ہو جائے گی۔ نیت نہیں تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ ہاں اگر قاضی یا مفتی کے پاس فیصلہ پہنچ جائے تو وقوع طلاق کا ہی فیصلہ ہوگا۔ اور قضاءً ہر صورت میں طلاق واقع ہوگی خواہ نیت ہو یا نہ ہو۔[3]

مذہب یہود و نصاریٰ پر طلاق

اگر کسی نے کہا کہ تجھے مذہب یہود و نصاریٰ پر طلاق تو ایک طلاق رجعی کا حکم لگایا جائے گا۔[4]

---

(۱) قال لامرأته هذه كلبة طالق طلقت (درمختار) لما قالواء من انه لاتعتبر الصفة والتسمية مع الاشارة (شامی صفحه ۵۲۳ جلد ۱) (۲) ولا شبهة في كونه رجعيا لابائنا لاتفاق المذاهب كلها على وقوع الرجعي بانت طالق (شامی صفحه ۵۲۳ جلد ۴)

(۳) رجل قال لامرأته انت طالق في قول الفقهاء او في قول القضاة او في قول المسلمين او في القرآن او في قول فلان القاضي او فلان المفتي طلقت قضاءً ولا تطلق فيما بينه وبين الله تعالى مالم ينو (قاضی خان علی هامش عالمگیری صفحه ۴۶۲ جلد ۱) (۴) وكذا انت طالق على مذهب اليهود والنصرى كما افتى به الخير الرملي (شامی ص ۵۲۳ ج ۴)

بیوی کا نام ہی طالق ہو

اگر کسی کی بیوی کا نام ہی طالق (طلاق والی) ہو اور شوہر نے اس کو طالق کہہ کر پکارا تو اس میں نیت پر مدار ہوگا اگر اس پکارنے میں طلاق کی نیت کی ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی ورنہ نہیں ہوگی۔ طالق اگرچہ الفاظ صریح میں سے ہے جس میں نیت کی ضرورت نہیں پڑتی مگر نام ہونے کی وجہ سے نیت ضروری ہوگی۔[1]

کسی نے اپنی بیوی کا نام مطلقہ رکھا

اگر کسی نے اپنی بیوی کا نام مطلقہ رکھا اور بیوی سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں نے تمہارا نام مطلقہ رکھا ہے تو اس کا حکم بھی طالق نام رکھنے کے مانند ہے اگر نیت طلاق کی ہوگی تو طلاق ہوگی ورنہ نہیں اور عدم نیت کیوجہ سے عدم وقوع کا فیصلہ دیانۃً و قضاءً دونوں اعتبار سے ہوگا۔[2]

بیوی سے کہنا کہ تیرے بیٹے کو ہزار طلاق

عورت نے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کیا تو اس پر شوہر نے کہا کہ تیرے بیٹے کو ہزار طلاق یا تیری بیٹی کو ہزار طلاق وغیرہ تو اس سے اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔[3]

ایک کو طلاق کیلئے پکارا دوسری بیوی نے جواب دیا

اگر کسی شخص کی دو بیویاں تھیں ایک کا نام تھا زینب دوسری کا عمرہ اس نے زینب کو پکارا اے زینب اس پر عمرہ نے جواب دیا ہاں مرد نے کہا تجھ کو تین طلاق تو جواب دینے والی یعنی عمرہ پر طلاق واقع ہو جائے گی ہاں اگر عمرہ اس کی منکوحہ نہیں ہے تو

---

(۱) کان اسمها طالقا او حرة فنادامها ان نوی الطلاق او العتاق وقعا والا لا (درمختار مع الشامی صفحه ۵۲۱۔ ۵۲۲ جلد ٤) (۲) رجل سمی امرأته مطلقه فقال سمیتك مطلقه لا يقع الطلاق عليها الا فيما بينه وبين الله تعالى ولا فی القضاء (بزازیه علی هامش عالمگیری صفحه ٤٦٤ جلد ١) (٣) امرأة قالت لزوجها طلقنی ثلاثا فقال الزوج ابنك هزار طلاق لا تطلق امرأته لأنه کلام محتمل (فتاوی قاضیخان علی هامش عالم گیری ص ٤٦٥ جلد ١)

یہ جملہ باطل ہو جائیگا کسی پر طلاق واقع نہیں ہو گی۔ البتہ اگر شوہر نے کہا کہ میں نے زینب کی نیت کی تھی تو پھر زینب پر طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور اگر اس نے زینب سے کہا کہ اے زینب پھر کسی نے جواب نہیں دیا اس پر شوہر نے کہا (انت طالق) تو طلاق والی ہے تو زینب پر طلاق واقع ہو جائے گی۔ [1]

تجھ کو طلاق کہہ کر، تین انگلیوں سے یا تین لکیروں سے اشارہ کرنا

شوہر نے بیوی کو مخاطب کر کے کہا کہ تجھے طلاق اور تین انگلیوں سے اشارہ کیا یا تین لکیریں زمین پر کھینچ دیں اور کہا ان تین لکیروں سے مراد طلاق ہے تو بیوی پر تین طلاقیں پڑ جائیں گی بغیر حلالہ کے نکاح درست نہیں ہو گا۔ [2]

صرف لکیریں کھینچنے سے طلاق واقع نہیں ہو گی

اگر کسی نے طلاق کا لفظ استعمال کئے بغیر صرف لکیریں کھینچیں اور صاف لفظ میں طلاق نہیں دی تو طلاق واقع نہیں ہو گی۔ ہاں اگر کنایہ کے الفاظ استعمال کیا مثلاً تین لکیریں کھینچ کر یا تین کنکر پھینک کر یوں کہا کہ میں نے تجھ کو چھوڑ دیا تو نیت کرنے سے طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔ [3]

بیوی کے متعلق کہنا کہ طلاق ہی صحیح

بیوی سے جھڑپ ہو گئی شوہر غصہ میں آگیا اس پر کسی نے کہا طلاق دید و شوہر نے کہا طلاق ہی صحیح تو ایک طلاق رجعی واقع ہو جائے گی۔ [4]

(۱) رجل له امرأتان عمرة وزينب فقال يا زينب فاجابته عمرة فقال انت طالق ثلاثا وقع الطلاق على التي اجابت ان كانت امرأته وان لم تكن امرأته بطل لانه اخرج الطلاق جوابا بالكلام التي اجابت وان قال نويت زينب طلقت زينب ولو قال يا زينب انت طالق فلم يجبه احد طلقت زينب (فتاوى قاضيخان على هامش عالمگيری ص ٤٥٣ ج ١

(۲) انت طالق هكذا واشار بثلاثة اصابع فهی ثلاث (بحر الرائق صفحه ٤٩٨ جلد ٣)

(۳) صريحه مالم يستعمل الافيه (درمختار) فلا يقع بالقاء ثلاثة احجار اليها او بامرها بحلق شعرها وان اعتقد القاء والحلق طلاقا كما قد مناه لان ركن الطلاق اللفظ او ما يقوم مقامه مما ذكر (شامی صفحه ٤٥٧ جلد٤) (٤) ولو قيل له طلقت امرأتك فقال نعم او بلى بالهجاء طلقت بحر واحدة رجعية (درمختار على هامش شامی صفحه ٤٦٠ جلد٤)

کسی نے طلاق دیکر شوہر کو اطلاع دی شوہر نے کہا ٹھیک ہے یا کہا اچھا کیا تو نے

زید نے بکر کی بیوی کو طلاق دیکر بکر کو اطلاع دی کہ میں نے تیری بیوی کو طلاق دیدی ہے اس پر زید نے علی وجہ الانکار یوں کہا کہ تم نے اچھا کیا یا برا کیا تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

ہاں اگر شوہر نے یوں جواب دیا کہ اللہ تجھ پر رحم کرے کہ تم نے مجھے اس سے چھٹکارا دلادیا تو اس کو اجازت پر محمول کر کے طلاق واقع قرار دی جائے گی۔[۱]

طلاق کی خبر پر شوہر کی خاموشی رضامندی نہیں

جب کسی نے کسی کو تلقین کیا کہ اگر تمہاری بیوی ایسی ویسی ہے تو طلاق دیدو اور اس پر شوہر نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ سکوت اختیار کیا تو اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

اسی طرح کسی نے شوہر سے کہا کہ تم طلاق نہیں دیتے ہو تو جاؤ میں دیدیتا ہوں تمہاری بیوی کو تیری طرف سے تین طلاق اس پر بھی شوہر نے خاموشی اختیار کی تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

نیز اسی طرح کسی نے میاں بیوی کو مجلس میں بلایا اور شوہر سے کہا کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دیدو اور بیوی سے کہا کہ تمہارا شوہر تم کو طلاق دیتا ہے کیا تم راضی ہو عورت نے کہا کہ ہاں ہم راضی ہیں شوہر سب کی باتیں سنتا رہا نفی واثبات میں کوئی جواب نہیں دیا تو طلاق نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ طلاق دینے کا حق شوہر کو ہے جب وہ طلاق کے لفظ کا تکلم کریگا تب ہی طلاق ہوگی دوسرے کی مداخلت سے کچھ اثر نہیں پڑیگا۔ اور صرف شوہر کی خاموشی کو اس کی رضامندی پر محمول نہیں کیا

---

(۱) رجل قال لغیرہ طلقت امرأتك فقال احسنت او قال اسأت علی وجه الانكار لایكون اجازة ولو قال احسنت یرحمك الله حیث خلصتني... منها الخ كان اجازة (قاضیخاں علی هامش عالم گیری صفحه ٤٥٤ جلد۱)

جاسکتا۔اس لئے کہ طلاق کارکن لفظ طلاق یااس کے قائم مقام الفاظ کااستعمال کرنا ہے۔وہ یہاں موجودنہیں۔[1]

گونگے کی طلاق

گونگاچونکہ ہرکام اشارہ سے کرتاہے اس لئے شریعت میں گونگے کے بعض اعمال کواشارات متعارفہ کے ذریعہ معتبر قرار دیا گیاہے۔

بنابریں گونگے کے اشارات وکنایات کوبھی تکلم کے قائم مقام قرار دیکر مقدمہ طلاق میں معتبر قرار دیکر طلاق واقع کی جائے گی چنانچہ صاحب بحرالرائق فرماتے ہیں کہ

ولو کان الزوج اخرس فان الطلاق یقع باشارته لانها صارت مفهومة [2]	اگر شوہر گونگاہو تواس کی طلاق اشارہ سے واقع ہوگی اسلئے کہ اشارات لوگوں میں معروف ومتعارف ہوتے ہیں۔

اور صاحب درمختار فرماتے ہیں کہ

باشارته المعهودة فانها تکون کعبارة الناطق استحسانا [3]	اشارہ متعارفہ استحساناً بولنے والے کی بات کی طرح ہے۔

کونسے گونگے کااشارہ معتبر ہے

طلاق کے باب میں اس گونگے کے اشارہ کو معتبر سمجھا گیاہے جو مادرزاد گونگا ہویابعد میں کسی عارض، بیماری وغیرہ کیوجہ سے اتنے دنوں تک گونگارہاکہ لوگ اس کے اشارے کو سمجھنے لگے۔لہٰذا اگر کوئی وقتی طور سے گونگاہو گیایاگونگاہوئے ابھی اتنی تھوڑی مدت گذری کہ لوگ اس کے اشارات وکنایات کو نہیں سمجھ پاتے تو اس کے اشارے کو طلاق کے باب میں غیر معتبر قرار دیکر طلاق کے عدم وقوع کا

---

(۱) رکن الطلاق اللفظ الذی جعل دلالة علی معنی الطلاق لغة الخ او مایقوم مقام اللفظ (بحر الرائق صفحه ۴۱۰ جلد ۳) (۲) بحر الرائق صفحه ۴۳۲ جلد۳

(۳) درمختار علی هامش شامی صفحه ۴۴۸ جلد ۴

فیصلہ ہوگا۔[1]

گونگا اگر لکھنا جانتا ہو تو اس کی طلاق صرف لکھنے سے ہوگی

اشارہ سے اس گونگے کی طلاق معتبر قرار دی گئی ہے جو لکھنا نہیں جانتا اسلئے اگر کوئی گونگا لکھنا جانتا ہے تو پھر اشارہ دی ہوئی طلاق کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ طلاق لکھ کر دینا ضروری ہوگا کیونکہ اشارہ سے زیادہ وضاحت کتابت میں ہے۔ اشارہ کا اعتبار تو صرف مجبوری کیوجہ سے کیا گیا تھا اور جب لکھنا آتا ہے تو پھر اشارہ کی ضرورت نہیں رہی۔[2]

گونگے کی دی ہوئی طلاق کونسی طلاق ہوگی

گونگا نے اگر اشارہ میں طلاق دی ہے تو اس کو صریح کے قائم مقام قرار دیکر ایک اور دو طلاق کے اشارہ کو طلاق رجعی قرار دی جائے گی اور اگر تین طلاق کے متعلق انگلی وغیرہ سے اشارہ کیا ہے تو پھر طلاق مغلظہ پڑے گی۔[3]

اور اگر گونگے نے تحریری طلاق دی ہے تو اس کا حکم انسان ناطق کی طلاق کی مانند ہے اگر صریح الفاظ میں طلاق لکھ کر دی ہے تو ایک دو تک رجعی اور تین میں طلاق مغلظہ واقع ہوگی اور اگر کنائی الفاظ میں طلاق لکھ کر دی ہے تو نیت کیساتھ طلاق بائن واقع ہوگی۔

گونگا اگر تین کنکری پھینکے تو اس سے طلاق مراد نہ ہوگی

گونگے کی زوجہ نے طلاق حاصل کرنے کی غرض سے شوہر سے تین کنکری پھینکنے کو کہا اس پر گونگے نے تین کنکری پھینکی تو اس سے طلاق واقع نہ ہوگی۔[4]

---

(۱) یرید به الذی ولد وهو اخرس او طرأ علیه ذلك ودام حتی صارت اشارته مفهومة والا لم تعتبر (شامی صفحه ٤٤٨ جلد٤)

(۲) وقال بعض المشایخ ان كان یحسن الكتابة لایقع طلاقه بالاشارة لاندفاع الضرورة بما هو ادل علی المراد من الاشارة (بحر الرائق صفحه ٤٣٣ جلد٣

(۳) طلاقه المفهوم بالاشارة اذا كان دون الثلاث فهو رجعی (شامی ص ٤٤٨ ج٤)

(٤) واراد بـ "ما" اللفظ او مایقوم مقامه من الكتابة المستبینة او الاشارة المفهومة فلا یقع بالقاء ثلاثة احجار الیها (شامی صفحه ٤٥٧ جلد٤)

طلاق دیتے ہوئے طلاق کے معنی کا سمجھنا

طلاق کیلئے یہ بھی شرط اور ضروری ہے کہ طلاق دینے والا یہ سمجھ رہا ہو کہ میں طلاق دے رہا ہوں اس لفظ سے بیوی جدا ہو جاتی ہے نکاح ختم ہو جاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ طلاق کے معنی سے باخبر ہو۔ لہٰذا ایسا شخص جو طلاق کے معنی سے بالکل بے خبر ہو اس کو طلاق کے الفاظ رٹا دیئے جائیں اور وہ اس کا تلفظ کرے تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اگرچہ الفاظ صریحہ میں نیت کی ضرورت نہیں مگر وقوع طلاق کیلئے معنی کا جاننا بھی شرط اور ضروری ہے وہ یہاں مفقود ہے۔

اور اگر طلاق کے معنی کو جانتا ہے تو پھر بغیر قصد و ارادہ کے سبقت لسانی کے طور پر بھی لفظ طلاق نکل جائے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔[1] کمامر

طلاق کے ارادے سے طلاق کا لفظ استعمال کیا تو طلاق ہے اگرچہ معنی نہ جانتا ہو

اگر طلاق کا لفظ طلاق دینے کے ارادہ سے استعمال کیا تو طلاق واقع ہو جائے گی اگرچہ اس کے معنی سے واقف نہیں کیونکہ نیت پائے جانے کی صورت میں معنی سے واقفیت ضروری نہیں چنانچہ علامہ شامی نے اس کی ایک مثال دی ہے کہ اگر کسی عورت نے اپنے شوہر سے کہا کہ تم میرے سامنے یہ پڑھو (اعتدی انت طالق ثلاثا) یعنی اے عورت تم عدت گزار دو تم کو تین طلاق اور شوہر نے بیوی کے کہنے سے ایسا کر لیا تو قضاءً اس کی بیوی پر تین طلاق واقع ہو جائے گی۔ اگرچہ شوہر اس کے معنی سے واقف نہ تھا۔[2]

(۱) وعما لو لقنته لفظ الطلاق فتلفظ به غير عالم بمعناه فلا يقع أصلا على ما أفتى به مشايخ الخ وعما لو سبق لسانه من قول انت حائض مثلا الى انت طالق فان يقع قضاء فقط (شامی ص۴٦١ ج٤

(۲) او تلفظ به غير عالم بمعناه (درمختار) كما لو قالت لزوجها اقرأ على اعتدی انت طالق ثلاثا ففعل طلقت ثلاثا فی القضاء لا فيما بينه وبين الله تعالى اذا لم يعلم الزوج ولم ينو بحر عن الخلاصة (شامی صفحه ٤٤٩ جلد ٤)

مسائل طلاق کا بار بار تذکرہ سے طلاق

اگر کسی نے مسائل سمجھانے اور سمجھنے کی غرض سے بیوی کے سامنے طلاق کا بار بار تذکرہ کیا یا کسی کتاب کی عبارت کو نقل کرتے ہوئے کہا کہ میری عورت کو طلاق ہے یا بیوی کو مخاطب کر کے سمجھانے کیلئے کہا مثلاً یوں سمجھو کہ میں نے تم کو طلاق دیا۔ یا کسی مرد نے اپنی بیوی کو جس کیفیت کے ساتھ طلاق دی تھی اس کو اپنی بیوی کے سامنے دھرایا کہ اس نے اپنی بیوی سے یوں کہا تھا کہ میں نے تجھ کو طلاق دیا وغیر ذلک تو ان تمام صورتوں میں صرف افہام و تفہیم مقصود ہے نہ کہ طلاق دینا اس لئے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

ہاں اگر ان تمام صورتوں میں سے کسی ایک صورت میں بھی اپنی بیوی کو طلاق دینے کی نیت کرلی تو طلاق واقع ہو جائے گی۔[1]

طلاق کے ارادے سے طلاق نہیں ہوتی

اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے تجھے طلاق دینے کا ارادہ کر لیا ہے تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی وقوع طلاق کیلئے تلفظ بصیغہ ماضی یا حال ضروری ہے محض ارادہ کافی نہیں۔[2]

طلاق کی نسبت زمانہ کی طرف کرنا

طلاق تجزیہ کو قبول نہیں کرتی لہٰذا اگر کوئی طلاق کی نسبت کسی وقت کی طرف یا کسی زمانہ کی طرف کرے تو زمانہ اور وقت کے اول جزء ہی سے طلاق کا تحقق ہو جائے گا مثلاً کسی نے اپنی زوجہ سے یوں کہا کہ تجھ کو آئندہ کل طلاق یا پرسوں طلاق یا ایک ہفتہ کے بعد طلاق یا ایک مہینہ کے بعد طلاق تو جیسے ہی ان متعینہ دنوں

---

(۱) عما لو كرر مسائل الطلاق بحضرتها او كتب نافلا من كتاب امرأتي طالق مع التلفظ او حكى يمين غيره فانه لا يقع اصلا مالم يقصد زوجته (شامي صفحه ٤٦١ جلد٤)

(۲) ولو قال اردت طلاقك لا يقع (فتاوى بزازيه على هامش عالمگيری ص ٤٥٢ جلد١

کا تحقق ہو گا اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی۔ چنانچہ علامہ شامی اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

طلاق دینے والے نے طلاق کو پورے آئندہ کل کیساتھ جوڑ دیا ہے اس لئے آئندہ کل کا پہلا جز آتے ہی طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ پہلا جز متعین ہے اور اس کا کوئی مزاحم بھی نہیں ہے۔[1]

طلاق کو کسی مہینہ کیطرف منسوب کرتے ہوئے کسی خاص وقت کی تعیین کر دی

اگر کسی نے طلاق دیتے ہوئے کسی مہینہ کے خاص وقت کی تعیین کر دی مثلاً کسی نے اپنی بیوی سے یوں کہا کہ تجھ کو شعبان کے مہینہ کی شام کو طلاق۔ تو شعبان کا مہینہ شروع ہوتے ہی یعنی رجب کی آخری تاریخ کا سورج غائب ہوتے ہی طلاق واقع ہو جائے گی۔[2]

دو زمانہ کی طرف نسبت کر کے طلاق

اگر کسی نے دو زمانے کی طرف طلاق کو منسوب کرتے ہوئے یوں کہا کہ تجھ کو آج اور کل طلاق یا رات کو اور دن کو طلاق۔ یا یوں کہا کہ دن کی ابتداء میں اور رات کے شروع میں طلاق تو ان تمام صورتوں میں دو طلاق رجعی واقع ہو گی۔ اس لئے کہ طلاق کو دو زمانے کی طرف منسوب کیا گیا ہے لہٰذا پہلے وقت کے آتے ہی پہلی طلاق اور دوسرے وقت کے شروع ہوتے ہی دوسری طلاق ہو گی۔ علامہ شامی نے اس کی وجہ یوں بیان کی ہے کہ معطوف، معطوف علیہ کا غیر ہوتا ہے پس پہلے کو دوسرے میں اور دوسرے کو پہلے میں شمار کر کے ایک طلاق مراد لینے کی

---

(۱) انت طالق غدا او فی غد یقع عند طلوع الصبح (درمختار) ووجہ الوقوع عند طلوعہ انہ وصفھا بالطلاق فی جمیع الغد فیتعین الجزء الاول لعدم المزاحم (شامی ص ۴۸۱ ج ۴)

(۲) وصح فی الثانیۃ نیۃ العصر ای آخر النہار قضاءً و صدق فیہما دیانۃ ومثلہ انت طالق شعبان او فی شعبان (درمختار علی ہامش شامی صفحہ ۴۸۱ تا ۴۸۲ جلد۴)

کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ؎۱

تجھ کو رات تک یا مہینہ آنے تک، یا سال آنے تک طلاق

اگر کسی نے اپنی بیوی سے یوں کہا کہ تجھ کو رات آنے تک طلاق، یا مہینہ آنے تک طلاق، یا سال آنے تک طلاق۔ یا گرمی آنے تک طلاق۔ یا سردی آنے تک طلاق۔ تو ان جملوں سے طلاق واقع ہونے کی تین صورتیں ہیں۔ (۱) وقوع طلاق کی نیت وقت متعینہ گذر جانے کے بعد کی ہے تو وقت گذر جانے کے بعد طلاق واقع ہوگی مثلاً رات آنے تک طلاق۔ کی صورت میں رات گذرنے کے بعد طلاق ہوگی۔ (۲) اگر ان جملوں سے وقوع طلاق کی نیت تو کی ہے مگر وقت کو یوں ہی ذکر کیا ہے تو اسی وقت ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔ (۳) اگر کوئی نیت نہیں کی ہے تو اس صورت میں بھی وقت گذرنے کے بعد طلاق ہوگی۔ ؎۲

تجھ کو ہر روز طلاق

اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھ کو ہر روز طلاق تو اس سے صرف ایک طلاق واقع ہوگی خواہ کتنے ایام کیوں نہ گذر جائیں۔ ہاں اگر یوں کہا کہ تجھ کو ہر دن کے اندر ایک طلاق تو تین دن گذر جانے کے بعد عورت مطلقہ ثلاثہ ہو جائے گی اور اگر یوں کہا کہ ہر روز میں نے تجھے تین طلاقیں دیں تو ہر روز ایک پڑے گی۔ ؎۳

(۱) وفی انت طالق الیوم غدا او غدا الیوم اعتبر اللفظ الاول (درمختار) ولو عطف الخ قال فی التبیین لان المعطوف غیر المعطوف علیه غیر انه لاحاجة لنا الی ایقاع الاخری فی الاولی لامکان وصفها غدا بطلاق واقع علیها الیوم ولا یمکن ذلک فی الثانیة فیقعان (شامی صفحه ۴۸۲ جلد ۴) (۲) ولو قال انت طالق الی اللیل او الی الشهر او الی السنة او الی الصیف او الی الشتاء او الی الربیع او الی الخریف فهو علی ثلاثة اوجه اما ان ینوی الوقوع بعد الوقت المضاف الیه فیقع الطلاق بعد مضیه او ینوی الوقوع ویجعل الوقت للامتداد فیقع للحال او لاتکون له نیة اصلا فیقع بعد الوقت عندنا (شامی صفحه ۴۷۸ جلد ۴)

(۳) قال لها انت طالق کل یوم او کل جمعة اورأس کل شهر ولانیة له تقع واحدة فان نوی کل یوم او قال فی کل یوم اومع او عند او کلما مضی یوم یقع ثلاث فی ایام ثلاثة والاصل انه متی ترک کلمة الظرف اتحد والاتعدد (درمختار) ولو قال فی کل یوم طلقت ثلاثا فی کل یوم واحدة اجماعا (درمختار مع الشامی صفحه ۴۸۵ تا ۴۸۶ جلد ۴)

موت کے بعد طلاق

اگرکسی نے اپنی بیوی سے کہاکہ موت کے بعدطلاق یایوں کہاکہ میرے اور تیرے مرنے کے بعد طلاق، تو ایسی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی اسلئے کہ موت میں وقوع طلاق کی صلاحیت مفقود ہے اور بے صلاحیت طلاق واقع نہیں ہوتی۔[1]

طلاق کی نسبت کسی مکان کی طرف کرنا

اگر کسی نے طلاق کی نسبت کسی جگہ کی طرف کرتے ہوئے یوں کہاکہ تجھ کو مکہ میں طلاق یادلّی میں طلاق یا گھر میں طلاق یادھوپ میں طلاق یا سائے میں طلاق تو فی الفور طلاق رجعی واقع ہو جائے گی۔ مکہ دلّی یا کسی جگہ کا انتظار نہیں کیا جائے گا۔اور ہر جگہ اس کی طلاق کی دیانۃً تصدیق کی جائے گی قضاءً نہیں۔[2]

دنیاکی عورتوں کوطلاق

اگر کسی نے یوں کہاکہ دنیا کی عورتوں کو طلاق یاپورے عالم کی عورتوں کو طلاق تو اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اسی پر فتویٰ ہے اگرچہ دنیا کی عورتوں میں اس کی بیوی بھی شامل ہے۔ مگر طلاق میں شامل نہیں ہوگی۔[3]

ہندوستان کوطلاق

اگر کوئی پاکستانی شخص اپنی ہندوستانی بیوی سے کہے کہ ہندوستان کوطلاق اسی طرح ہندوستانی اپنی پاکستانی بیوی سے کہے کہ پاکستان کو طلاق تو اس سے اس کی

---

(۱) انت طالق واحدة او لا اومع موتی اور مع موتك لغو (درمختار) لان موته مناف لايقاع الطلاق منه وموتها مناف لوقوعه عليها (شامی صفحه ٤٨٣ جلد٤)

(۲) وانت طالق بمكة او فی مكة او فی الدار او الظل اوالشمس او ثوب كذا تنجيز يقع للحال الخ ويصدق فی الكل ديانة لاقضاءً (درمختار علی هامش شامی ص ٤٧٧، ٤٧٨ جلد٤)

(۳) رجل قال نساء العالم او نساء الدنيا طوالق لاتطلق امراته (فتاوی قاضيخاں مع عالم گيری صفحه ٤٦٢ جلد٤)

بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی بشرطیکہ دلالت حال اور مذاکرۂ طلاق نہ ہو۔(۱)
(دلالت حال اور مذاکرۂ طلاق کی تفصیل آگے آئے گی)

اس گاؤں یا اس شہر یا اس گھر کی عورت کو طلاق

عالم یا ملک کی طرف نسبت کر کے طلاق دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے البتہ گاؤں یا کسی شہر کی طرف نسبت کر کے کہا کہ اس گاؤں کی عورتوں کو طلاق یا اس شہر کی عورتوں کو طلاق حالانکہ اس گاؤں اور اس شہر میں اس کی بیوی بھی رہتی ہے تو اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی۔

اسی طرح کسی گھر کی طرف نسبت کر کے کہا کہ اس گھر کی عورتوں کو طلاق اور اس گھر میں اس کی بیوی بھی رہتی ہے۔ یا کسی گاڑی اور ٹرین کی طرف نسبت کر کے کہا کہ اس گاڑی کی عورتوں کو طلاق اور اس گاڑی میں اس کی بیوی بھی ہے تو ان صورتوں میں اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی۔(۲)

طلاق کی قسمیں

طلاق کی مختلف نوعیتیں ہیں پھر ہر ایک کی مختلف اقسام اور ہر تقسیم کی مختلف قسمیں ہیں اجمالاً تحریر کرنے کے بعد ہر ایک کی تفصیل اور اس کے متعلق جزئیات پیش کی جائیں گی۔

تو سمجھئے کہ طلاق کی دو حیثیت ہے۔ (۱) الطلاق من حیث الصفۃ (۲) الطلاق من حیث الایقاع۔ پھر صفت طلاق کی اولاً دو قسمیں ہیں۔ (۱) طلاق سنی۔ (۲) طلاق بدعی۔ پھر ان میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں (۱) سنی من حیث العدد (۲) سنی من حیث الوقت۔ پھر سنی من حیث العدد کی دو قسمیں

---

(۱) قال نساء الدنیا او نساء العالم طوالق لم تطلق امرأته (درمختار مع الشامی ۵۲۳ ج ۴)
(۲) نساء المحلة والدار والبیت طوالق (درمختار) نساء هذه البلد او هذه القریة طوالق وفیها امرأته طلقت (فتاوی قاضی خاں علی هامش عالم گیری صفحه ۴۶۲ جلد ۱)

ہیں۔(۱) طلاق احسن۔(۲) طلاق حسن۔ اسی طرح بدعی کی دو قسمیں ہیں۔ بدعی من حیث العدد، بدعی من حیث الوقت۔

اسی طرح وقوع طلاق کی اولاً دو قسمیں ہیں۔ طلاق رجعی۔ طلاق بائن۔ پھر بائن کی بھی دو قسمیں ہیں۔ طلاق بائن خفیفہ۔ طلاق بائن غلیظہ۔ اسی ترتیب سے تفصیل ملاحظہ کیجئے۔

طلاق سنی احسن

طلاق احسن کی صورت یہ ہے کہ حیض سے پاک ہونے کے بعد ایسے طہر میں جس میں عورت سے جماع نہ کیا ہو ایک طلاق رجعی دیدی جائے پھر اگر اس کے بعد یکجائی اور اتفاق کی صورت نکل جائے تو رجوع کرلے ورنہ اس کو (تین حیض یا حاملہ ہو تو جب تک ولادت نہ ہو جائے تب تک) عدت گذارنے دے بلاوجہ رجوع نہ کرے اور نہ دوبارہ طلاق دے ایک طلاق پر وہ عدت گذار کر بائنہ ہو جائے گی طلاق کی یہ قسم سب سے بہتر اور احسن ہے۔

ابرہیم نخعیؒ صحابہ کرامؓ کے متعلق فرماتے ہیں کہ

كانوا يستحبون ان يطلقها واحدة ثم يتركها حتى تحيض ثلث حيض [۱]	صحابہ کرامؓ اس بات کو پسند فرماتے تھے کہ عورت کو ایک طلاق دی جائے اور پھر اس کو (عدت گزارنے کیلئے) چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ تین حیض آجائے۔

(فائدہ) اس طریقہ کو سب سے بہتر اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ اس صورت میں آدمی کو تین حیض آنے تک تقریباً دو تین ماہ تو کم سے کم مل ہی جاتے ہیں جن کے درمیان وہ عورت کے طرز عمل اور اپنے کئے ہوئے فیصلے پر نظر ثانی کر سکے اگر موافقت کی صورت پیدا ہو گئی تو پشیمان ہونے کی ضرورت نہیں رجعت

(۱) مصنف ابن شیبہ بحوالہ حاشیہ ہدایہ حاشیہ نمبر ۸ صفحہ ۳۵٤ جلد۲

کر کے میاں بیوی والی زندگی بحال کر سکتے ہیں۔ اگر عدت گزار کر بائنہ ہو گئی تو بھی اتنی گنجائش باقی رہتی ہے کہ میاں بیوی اپنے اس رشتہ کے ختم ہونے پر نادم وشرمندہ ہو کر بغیر حلالہ کے فوراً تجدید نکاح کے ذریعہ ازدواجی تعلق قائم کر لیں چنانچہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ:

لانہ ابعد من الندامۃ واقل ضرر بالمرأۃ[1] (ایک طلاق دینے کی صورت میں) ندامت اور پشیمانی سے دوری اور اس کی تلافی کا موقع ملتا ہے عورت کو ضرر و تکلیف سے بچانے کی یہ ہی ایک صورت ہے۔

طلاق سنی حسن

طلاق حسن کی صورت یہ ہے کہ بالغہ عورت کو ایسے طہر میں جو خالی عن الجماع ہو ایک طلاق رجعی دے یعنی ایک طہر میں ایک طلاق کے بعد دوسرے حیض آنے اور پھر اس سے پاکی کا انتظار کر کے دوسری طلاق دے پھر تیسرے حیض کے بعد تیسرے طہر میں تیسری طلاق دے۔

یہ حکم تو اس عورت کا ہے جو مدخول بہا ہے اور اگر غیر مدخول بہا ہے تو اس کے لئے ایک ہی طلاق حسن ہے نیز غیر مدخول بہا کو حیض کی حالت میں بھی طلاق دی جا سکتی ہے۔

آئسہ، صغیرہ اور حاملہ عورتوں کے لئے طلاق حسن یہ ہے کہ ان کو تین مہینہ تک ہر مہینہ میں ایک طلاق دی جائے نیز ان عورتوں کو جماع کے بعد بھی طلاق دینا جائز ہے۔

بہر حال تیسری طلاق کے بعد عورت بالکلیہ حرام ہو جائے گی اس کے بعد رجعت یا صرف تجدید نکاح کے ذریعہ ازدواجی تعلقات بحال نہیں کئے جا سکتے جب

---

(۱) ھدایہ صفحہ ۳۵۴ جلد ۲

تک کہ حلالہ نہ کیا جائے۔[1]

(فائدہ) طلاق کی یہ دوسری صورت بھی بہتر ہے کیونکہ اس میں بھی زوجین کو دوماہ تک وقت ملتا ہے۔ کہ مرد غور وفکر کے بعد اپنا فیصلہ بدل کر رجعت کر سکتا ہے اور عورت بھی اس کے درمیان شوہر کو راضی کر کے رجعت پر تیار کر سکتی ہے۔

طلاق بدعی من حیث العدد

طلاق بدعیہ کی پہلی قسم طلاق کے عدد کے اعتبار سے ہے اس کی صورت یہ ہے کہ مدخول بہا کو ایک ہی طہر میں یا ایک ہی دفعہ تین طلاقیں دیدی جائیں یا ایسی طلاقیں دی جائیں جن میں رجعت کی گنجائش نہ ہو مثلاً یوں کہے کہ تجھے دو یا تین طلاقیں یا دو بار اس طرح کہے کہ تجھے طلاق ہے طلاق ہے یا تین بار کہے کہ تجھے طلاق دی۔ طلاق دی۔ طلاق دی، یا طلاق بائن دی۔طلاق کی یہ صورتیں بدعی ہیں۔ طلاق کا یہ طریقہ بہت ہی غلط ہے نیز اسی طرح نابالغہ اور آئسہ کو ایک مہینہ میں ایک سے زائد طلاق دینا بھی بدعت اور حرام ہے لیسے غلط طریقہ سے دیئے جانے کے باوجود بھی طلاق تو واقع ہو جائے گی مگر طلاق دینے والا شخص گناہ گار ہوگا۔[2]

بیک وقت تین طلاقیں دینا سخت گناہ ہے

بایں ہمہ اس میں شک نہیں کہ طلاق کی حد شریعت نے تین تک محدود کردی ہے مگر اس کا بہترین طریقہ یہ بتلایا کہ تین مرتبہ تین طہر میں الگ الگ طلاق دی جائے

(۱) والحسن هو طلاق السنة وهو ان يطلق المدخول بها ثلاثا فى ثلاثة اطهار الخ وغير المدخول بها يطلقها فى حالة الطهر والحيض الخ واذا كانت المرأة لاتحيض من صغر او كبر فاراد ان يطلقها ثلثا للسنة طلقها واحدة فاذا مضى شهر طلقها اخرى لان الشهر فى حقها قائم مقام الحيض قال الله تعالى واللائى يئسن من المحيض من نسلكم ان ارتبتم فعدتهن ثلثة اشهر (هداية صفحه ٣٥٤ . ٣٥٦ جلد٢)

(٢) وطلاق البدعة ان يطلقها ثلاثا بكلمة واحدة او ثلاثا فى طهر واحد فاذا فعل ذلك وقع الطلاق وبانت امرأته منه وكان عاصيا (المختصر القدورى ص ١٧٠)

بیک وقت تینوں طلاق کا استعمال سخت ناپسندیدہ اور فعل قبیح ہے متعدد احادیث میں اس کی شناعت بیان کی گئی ہے چنانچہ نسائی میں ایک حدیث بڑی سخت ترین ہے:

عن محمود بن لبید قال اخبر رسول الله صلی الله علیه وسلم عن رجل طلق امرأته ثلاث تطلیقات جمیعا فقام غضبانا ثم قال ایلعب بکتاب الله وانا بین اظهرکم حتی قام رجل فقال یا رسول الله الا اقتله[1]

محمود بن لبیدؓ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ کو ایک شخص کے متعلق اطلاع دی گئی کہ اس نے اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دیدی ہیں۔ اس پر آپ ﷺ اتنے ناراض ہوئے کہ غصہ کی حالت میں کھڑے ہوگئے اور پھر فرمایا کہ کتاب اللہ کیساتھ کھیل کیا جاتا ہے جبکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں اس پر ایک صحابیؓ نے کھڑے ہوکر حضور ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں اس آدمی کو قتل نہ کردوں جس نے ایسی شنیع حرکت کی ہے۔

فائدہ: بیک وقت تین طلاقیں دینے کو کتاب اللہ کیساتھ کھیل اور مذاق غالباً اس لئے فرمایا کہ قرآن نے طلاق کے متعلق ہدایت فرمائی ہے (الطلاق مرتان الی قوله فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره) کہ طلاقیں تو تین ہی ہیں مگر قرآن نے طلاق کے طریقہ اور قانون کی یوں وضاحت کی ہے کہ وہ یکے بعد دیگرے تین طہر میں دی جائیں اگر کوئی بیک وقت تینوں استعمال کرتا ہے تو یہ قرآن کے بتلائے ہوئے طریقے سے انحراف ہے اور یہ ایک طرح کا کھیل اور مذاق ہے۔

آج کا غلط معاشرہ

ہمارے اس دور اور اس ملک میں طلاق کے جو واقعات سامنے آتے ہیں ان

(۱) نسائی شریف صفحہ ۸۲ جلد ۲

میں تقریباً نوے فیصد طلاق ثلاثہ کا مسئلہ ہوتا ہے اکثریت لوگوں کی اس سے ناواقف ہے کہ طلاق دینے کا صحیح طریقہ کیا ہے۔ اگر بعض لوگ جانتے بھی ہیں تو وقتی جذبات اور غصہ میں آکر تینوں طلاقیں ایک ہی وقت بکتے چلے جاتے ہیں اور جب دماغ ٹھکانے لگتا ہے تو پھر بڑے شرمندہ ہوتے ہیں اور بیوی بچے کا بہانہ بنا کر صورت نکالنے کی فکر کرنے لگتے ہیں مگر اس کے بعد پچھتانے سے کچھ نہیں ہوتا۔ تین طلاق کے بعد تو نکاح کا مسئلہ پیچیدہ ہو ہی گیا بغیر حلالہ شرعی کے کوئی صورت نہیں اگر یہی طلاق سنی احسن یا حسن طریقہ سے دی جاتی تو پچھتانا نہیں پڑتا رجوع کے بعد یا عدت گذرنے پر بھی صرف تجدید نکاح سے بیوی لوٹ آتی حلالہ کی ضرورت نہیں پڑتی۔

طلاق ثلاثہ کے بعد مذہب بدل کر نکاح برقرار رکھنا

بعض جاہل اور دین و شریعت سے ناواقف شخص کبھی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیکر بھی رجعت کر لیتا ہے یا طلاق دیکر حلالہ کے ڈر سے طلاق کا انکار کر دیتا ہے اور زوجین باہمی رضامندی سے ناجائز زندگی گذارنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور کبھی تو صرف اسی غرض سے تقلید کو چھوڑ کر غیر مقلد کا مذہب اختیار کر لیتے ہیں اور بغیر حلالہ شرعی کے میاں بیوی پوری زندگی ازدواجی زندگی گذارتے رہتے ہیں حالانکہ وقوع طلاق کا معاملہ حق اللہ اور شریعت اسلامیہ اور قرآن کا ایک قانون ہے نہ تو میاں بیوی کی باہمی رضامندی سے حلت پیدا ہو سکتی ہے اور نہ کسی تاویل و تبدیل مذہب سے طلاق ثلاثہ رجعی بن سکتی ہے ایسا کرنا گناہ کبیرہ ہے قرآن و حدیث اور اجماع کی مخالفت ہے اس کو جائز کہنا ضلالت اور گمراہی ہے صرف اسی غرض سے تقلید کو چھوڑ کر حنفیت سے آزادی اختیار کرنا دین و مذہب کو کھلونا بنانا ہے جس کا انجام بڑا خطرناک ہے۔[1]

(۱) فتاوی رشیدیہ وفتاوی محمودیہ صفحہ ۲۴۱ جلد ۱۱

شوہر طلاق دیکر انکار کرے تو عورت کو کیا کرنا چاہئے

شوہر اگر طلاق دیکر انکار کردے حالانکہ اس طلاق کو عورت نے خود سنا۔ یا کسی معتبر آدمی نے اس کو بتلایا کہ تمہارے شوہر نے تمہیں طلاق دیدی ہے تو اب اس کیلئے جائز نہیں کہ وہ شوہر کی بات مانے اور اس کو اپنے اوپر قابو دے بلکہ عورت کیلئے لازم ہے کہ وہ اس شوہر سے علیحدہ رہے۔ شوہر اگر نہ مانے تو مہر معاف کردے یا کچھ دے دلا کر رہائی حاصل کرکے اپنے کو حرام کاری اور زنا سے بچائے۔[۱]

ایک مجلس کی تین طلاقیں

ایک مسئلہ جو بہت زیادہ اہم اور معرکۃ الآراء بنا ہوا ہے وہ ایک مجلس میں تین طلاق کے وقوع کا ہے۔ یعنی اگر کسی نے ایک کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں دیں یا ایک مجلس میں متفرق کلمے سے تین طلاق دی تو یہ طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں اور اگر واقع ہوتی ہے تو ایک ہوتی ہے یا تین اس سلسلے میں تین مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب ائمہ اربعہ امام اعظم حضرت امام ابو حنیفہ، حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کا ہے کہ اس طرح تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی اور عورت مطلقہ بائنہ مغلظہ ہوجائے گی بغیر حلالۂ شرعی کے شوہر سے دوبارہ نکاح نہیں ہوسکتا جمہور علماء سلف و خلف کا یہی مسلک ہے۔

دوسرا مذہب یہ ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے ایک بھی طلاق واقع نہ ہوگی شیعہ جعفریہ کا یہی مسلک ہے، حجاج بن ارطاۃ، محمد بن اسحاق اور ابن مقاتل کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی گئی ہے۔

تیسرا مذہب یہ ہے کہ اس طرح ایک کلمہ اور ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے صرف ایک طلاق واقع ہوگی اور شوہر کو رجعت کا اختیار ہوگا۔ بعض اہل

---

(۱) والمرأة كالقاضي اذا سمعته او اخبرها عدل لا يحل لها تمكينه والفتوى على انه لبس لها قتله ولا تقتل نفسها بل تفدى نفسها بمال او تهرب (شامی ص ٤٦٣ ج ٤)

ظاہر، علامہ ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم اور حضرت عکرمہ وغیرہ کا یہی مسلک ہے اور اس زمانہ کے غیر مقلدین بھی اسی پر مصر ہیں۔

كما حكاه النووی فی شرح مسلم وقد اختلف العلماء فيمن قال لامرأته انت طالق ثلاثا فقال الشافعي ومالك وابو حنيفة واحمد وجماهير العلماء من السلف والخلف يقع الثلاث وقال طاؤس وبعض اهل ظاهر لايقع بذلك الا واحدة وهو رواية عن الحجاج بن ارطاة ومحمد بن اسحاق والمشهور عن الحجاج بن ارطاة انه لايقع به شئ وهو قول ابن مقاتل ورواية عن محمد بن اسحق۔[1]

اور شیعہ کا مسلک خود شیعہ کے ایک عالم حلبی الشعی نے اپنی کتاب شرائع الاسلام میں تحریر کیا ہے۔[2]

دوسرے مذاہب کے ماننے والے آج بہت ہی کم ہیں اگر ہیں بھی تو ان سے اتنا چھیڑ چھاڑ نہیں جتنا کہ ایک طلاق کے وقوع کے قائلین سے ہے خصوصاً آج کے غیر مقلدین علماء تو اس مسئلہ کو بڑی شدومد کیساتھ اچھال رہے ہیں ماہنامہ رسائل اور اخباروں کے ذریعہ عام مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کررہے ہیں بر سر عام اعلان ہوتا ہے کہ ایک مجلس میں تین مرتبہ دی جانے والی طلاق کو تین طلاق قرار دینا باطل اور شریعت کے ساتھ کھلواڑ ہے۔ جبکہ تین طلاقوں کے وقوع پر اہل سنت کے ہر چہار امام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اتفاق ہے جیسا کہ اوپر علامہ نووی نے بیان کیا کہ جمہور سلف و خلف کا یہی مذہب ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ اجماعی اور منصوص علیہ ہے اجتہادی اور قیاسی نہیں۔ اس مسئلہ پر متعدد اہم کتابیں لکھی جاچکی ہیں شیخ احمد بن عبدالعزیز آل مبارک نے لزوم الطلاق الثلاث فی کلمۃ واحدۃ میں پوری تفصیل سے کلام فرمایا ہے ان کے علاوہ حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ نے فتاویٰ رحیمیہ جلد ۵ میں تفصیل سے بحث کی ہے

(۱) النووی فی شرح مسلم ص۴۷۸ ج۱ (۲) شرائع الاسلام صفحہ ۵۷ جلد۲

قرآن وحدیث اور اقوال صحابہ و تابعین کی روشنی میں طلاق ثلاثہ کو ثابت کیا ہے اس کے علاوہ ماہنامہ رسائل خصوصاً ماہنامہ دارالعلوم دیوبند وغیرہ میں، کئی مضامین علماء واکابر کے آچکے ہیں ان سب کے باوجود لمبی چوڑی تفصیل کی اس چھوٹی سی کتاب میں کوئی خاص ضرورت باقی نہیں رہتی تاہم کچھ خلاصہ کے طور پر پیش خدمت ہے۔

انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

ایک مجلس میں تین طلاق قرآنی آیات کی روشنی میں

قرآن مجید میں ہے (اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ) یعنی طلاق دو بار ہے اس کے بعد بیوی سے رجوع کر کے بھلے طریقہ سے روک لے۔ یا اچھے طریقہ سے چھوڑدے اور تفسیر مظہری میں بغوی کے حوالہ سے روح المعانی میں موطا امام مالک، مسند امام شافعی اور متن ترمذی میں عروہ وغیرہ کے حوالہ سے اس بات کو واضح کیا ہے کہ تمام مفسرین کے نزدیک اس آیت کی شان نزول یہ ہے کہ شروع اسلام میں لوگوں کی یہ حالت تھی کہ بے حد وحساب طلاقیں دیدیتے اور اس کی عدت پوری ہونے کے قریب آتی تو رجعت کر لیتے پھر دوسری طلاق دیدیتے پھر عدت کے قریب ستانے کی غرض سے رجعت کر لیتے۔ غرض اس طرح بار بار طلاقیں دے کر رجعت کرتے رہتے اس پر قرآن کی مذکورہ آیت نازل کر کے اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ طلاق رجعی دو ہی ہے اب اگر تیسری طلاق دیدی تو رجوع کا حق ختم ہو جائے گا آگے کی آیت (فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ) یعنی اگر دو کے بعد تیسری طلاق بھی دیدی تو اب عورت حلال ہو ہی نہیں سکتی تاوقتیکہ وہ کسی اور سے نکاح کر لے اب آیت میں مرتان بمعنی اثنان ہے یعنی طلاق رجعی دو ہیں چاہے الگ الگ طہر میں طلاقیں دی

جائیں، یا ایک طہر میں فصل کیسا تھ یا ایک ہی مجلس میں بغیر فصل کے یہی مطلب آیت کریمہ کا زیادہ لائق ہے۔ صاحب روح المعانی تحریر فرماتے ہیں وھذا یدل علی ان معنی (مرتان) اثنان الخ ولعله الیق بالنظم الخ واوفق بسبب النزول۔[1]

اور امام بخاری نے بھی اس آیت کا یہی مطلب مراد لیا ہے۔ اور یکبارگی طلاق ثلاثہ کے وقوع کے جائز ہونے پر مستقل باب قائم کیا ہے۔باب من اجاز طلاق الثلاث لقول الله تعالی الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسریح باحسان[2]

اور جو لوگ ایک مجلس میں تین طلاق کے وقوع کے قائل نہیں وہ مرتان کا معنی اثنان کرنے کے بجائے مرۃ بعد مرۃ کرتے ہیں۔ یعنی طلاق یکبارگی نہیں دے سکتے بلکہ یکے بعد دیگرے دینی پڑے گی۔ مگر ان کے دعوی ودلیل میں جوڑ نہیں، تضاد ہے کیونکہ ان کا دعوی تو یہ ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں پڑتی ہی نہیں۔ خواہ ایک جملہ میں دی گئی ہوں۔ یا الگ جملے میں۔ اور ان کے طرز استدلال سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یوں کہے کہ تجھ کو طلاق۔ تجھ کو طلاق۔ تجھ کو طلاق۔ تو تین طلاقیں ہوجانی چاہیے۔ اس لئے کہ دو طلاقیں یکبارگی نہیں دی گئیں علیحدہ علیحدہ دو طلاقوں کے بعد تیسری طلاق دی گئی ہے۔

چنانچہ ان کے مغالطے کو علامہ ابن حزم نے بھی بیان کیا ہے۔

واما قولهم معنی قوله الطلاق مرتان ان معناه مرّة بعد مرّة فخطأ بل هذه الآیة کقوله تعالی نوتها اجرها مرّتین ای مضاعفا معا الخ[3]

اور بہر حال وہ لوگ جو ایک مجلس کی تین طلاقوں کے قائل نہیں ہیں ان کا (الطلاق مرتان) کا معنی یکے بعد دیگر کرنا غلط ہے بلکہ اس آیت کا مطلب قرآن کی دوسری آیت

---

(۱) روح المعانی صفحه ۱۲۵ جلد۲ بحواله فتاوی رحیمیه صفحه ۳۳۷ جلد۵
(۲) بخاری شریف صفحه ۷۹۱ جلد۲
(۳) محلّی ابن حزم صفحه ۱۶۸ جلد۱۰ بحواله فتاوی رحیمیه صفحه ۳۳۸ جلد۵

(نو تھا اجرھا مرتین ای مضاعفا) یعنی زیادہ کر کے دونوں اجر کے ساتھ دینے کی مانند ہے۔ اسی طرح دونوں طلاقیں بھی ایک ساتھ واقع ہونگی۔

ایک مجلس کی تین طلاقوں کا ثبوت حدیث سے

جس طرح قرآن کی مذکورہ آیتوں سے طلاق ثلاثہ کے وقوع کا ثبوت ہے اسی طرح حضورؐ کی بہت ساری احادیث سے اس کا ثبوت ہے۔ چند احادیث بطور نمونہ کے پیش ہیں۔

چنانچہ محمود بن لبیدؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں۔

اخبر رسول الله صلی الله علیه وسلم عن رجل طلق امرأته ثلث تطلیقات جمیعا فقام غضبانا ثم قال ایلعب بکتاب الله وانا بین اظهرکم حتی قام رجل وقال یا رسول الله الا اقتله [1]

کہ حضورؐ کو خبر دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں اکٹھی دیدیں ہیں اس پر آپؐ نے غصہ میں کھڑے ہو کر فرمایا کہ کیا کتاب اللہ کے ساتھ کھیل کیا جارہا ہے حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں آپ کا غصہ دیکھ کر ایک صحابیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا اسے قتل نہ کردوں۔

قال قاضی ابوبکر ابن العربی فلم یردہ النبی ﷺ بل امضاہ کما فی حدیث عویمر العجلانی فی اللعان حیث امضی طلاقه الثلاث ولم یردہ [2]

قاضی ابوبکر ابن العربیؒ حدیث کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ آپ نے اس طلاق کو رد نہیں فرمایا تھا بلکہ نافذ فرمادیا تھا جبکہ عویمر عجلانیؓ کی اس حدیث میں جولعان کے بیان میں وارد ہوئی ہے کہ آپؐ نے ان کی تین طلاق کو رد کرنے کے بجائے نافذ فرمادیا تھا۔

(۱) نسائی شریف صفحہ ۸۲ جلد۲ (۲) سنن ابی داؤد ص۱۲۹ ج۲ بحوالہ معلوف القرآن ص۵۶۳ ج۱

(فائدہ) اگر تین طلاق نافذ نہ ہوتی تو حضورؐ غصہ نہ ہوتے بلکہ فرمادیتے کہ کوئی حرج نہیں رجوع کرلو جس طرح طلاق رجعی کی صورت میں فرمایا کرتے تھے۔ سنن دارقطنی و بیہقی میں ایک روایت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت حسن بن علیؓ نے ایک موقع پر اپنی بیوی عائشہ خثعمیہؓ سے فرمایا (انطلقی فانت طالق ثلاثا) تو چلی جا تجھ کو تین طلاق ہے اس پر عائشہؓ چلی گئیں بعد میں جب حضرت حسنؓ کو معلوم ہوا کہ عائشہؓ کو ہماری جدائی کا بہت غم ہے تو رو کر فرمایا اگر میں نے بائنہ طلاق نہ دی ہوتی تو رجوع کرلیتا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپؐ نے فرمایا ہے۔

ایما رجل طلق امرأته ثلاثا عند کل طهر تطليقة او عند راس کل شهر تطليقة او طلقها ثلاثا جميعا لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره[1] کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاق اس طرح دے کہ ہر طہر میں ایک طلاق دے یا ہر مہینہ کے شروع میں ایک طلاق دے یا تین طلاقیں ایک ساتھ دیدے تو جب تک وہ عورت دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے پہلے مرد کیلئے حلال نہیں ہوسکتی۔

لہٰذا اگر میں یہ فیصلہ سنا ہوا نہ ہوتا تو عائشہؓ سے رجوع کرلیتا۔

تیسری حدیث طلاق فی الحیض کی بحث میں آئیگی کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے حیض کی حالت میں اپنی بیوی کو ایک طلاق دیدی آپ کو جب اس کی اطلاع ملی تو آپؐ نے رجوع کا حکم فرمایا اس پر ابن عمرؓ نے رجوع کرلیا اور پھر حضورؐ سے سوال کیا کہ یارسول اللہ اگر میں تین طلاقیں دے چکا ہوتا تو بھی رجوع کرنا جائز ہوتا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ (کانت تبين منك وتكون معصية) نہیں اس صورت میں بیوی تم سے جدا ہو جاتی اور تمہارا یہ فعل یعنی ایک ساتھ تین طلاقیں دینا گناہ ہوتا۔[2]

مذکورہ احادیث کے علاوہ عویمر عجلانیؓ کا لعان سے فراغت پر اسی مجلس میں تین طلاق کا دینا بھی وقوع طلاق ثلاثہ کی دلیل ہے امام بخاریؒ بھی اس حدیث کو

(۱) بیہقی صفحہ ۳۳۶ جلد۷ بحوالہ فتاوی رحیمیہ صفحہ ۳۴۴ جلد۵

(۲) دار قطنی صفحہ ۴۳۸ جلد۲ بحوالہ فتاوی رحیمیہ صفحہ ۳۴۱ جلد۵

باب من اجاز طلاق الثلاث میں ذکر کر کے اس بات کا اظہار فرمارہے ہیں کہ طلاق ثلاثہ کے وہ بھی قائل ہیں۔ ل

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث طلاق ثلاثہ کے وقوع پر دال ہیں تفصیل کیلئے دوسری خالص اسی موضوع سے متعلق کتب کی طرف رجوع کیا جائے۔

تین طلاق سے متعلق آثار صحابہ

اثر ابن عمرؓ:- امام بخاری وامام مسلم دونوں نے روایت کیا ہے۔

كان ابن عمر اذا سئل عمن طلّق ثلثا قال لو طلقت مرّة او مرتين فان النبي ﷺ امرني بهذا فان طلقها ثلاثا حرمت حتي تنكح زوجا غيره ۲

کہ عبداللہ بن عمرؓ سے جب کسی ایسے شخص کے متعلق سوال کیا جاتا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدی ہوں تو وہ جواب میں فرماتے کہ اگر تم نے ایک مرتبہ یا دو مرتبہ طلاق دی ہوتی (تو رجعت کی اجازت ہوتی) کیونکہ حضورؐ نے مجھے اسی کا حکم دیا تھا۔ لیکن اگر تم نے تین طلاقیں دیدی ہیں تو وہ تم پر حرام ہوگئی جب تک کہ وہ دوسرے سے نکاح نہ کرلے تمہارے لئے حلال نہیں ہوسکتی۔

اثر عبداللہ بن مسعودؓ: موطا امام مالکؒ میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ (یعنی تین طلاقیں) دیدیں ہیں اس پر حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ وہ لوگ (یعنی صحابہ کرامؓ) کیا فرماتے ہیں اس شخص نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ تمہاری بیوی تم پر بائن ہوگئی حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ وہ لوگ سچ کہتے ہیں حکم شرعی ایسا ہی ہے جیسا کہ وہ لوگ کہتے ہیں۔ ۳ اور سنن سعید ابن منصور میں ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ننانوے طلاقیں دے ڈالیں اور پھر ابن مسعودؓ سے مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا:

(۱) بخاری شریف صفحہ ۷۹۱ جلد ۲ (۲) بخاری شریف صفحہ ۷۹۲ جلد۲
(۳) موطا امام مالك ص ۱۹۹

تبینها منك بثلاث وسائرها عدوان[1] کہ وہ تین طلاق سے بائن ہوگئی اور باقی طلاقیں تعدی اور زیادتی ثابت ہوئیں۔

اثر عبد اللہ ابن عمرو بن العاصؓ: اعلاء السنن میں ہے کہ ایک شخص نے عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے سوال کیا کہ کوئی اگر اپنی بیوی کو خلوت سے پہلے تین طلاق دیدے تو کیا حکم ہے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ نے فرمایا کہ اس کی عورت ایک طلاق سے بائنہ ہو جائے گی اور تین سے اس طرح حرام ہو جائے گی کہ جب تک دوسرے مرد سے نکاح نہ کرلے پہلے کے لئے حلال نہیں ہوسکتی۔[2]

سنن سعید ابن المنصور میں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص کے علاوہ ابوہریرہؓ اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ جو شخص غیر مدخولہ کو تین طلاقیں دیدے تو اس کے لئے وہ عورت بغیر حلالہ کے حلال نہیں ہوگی۔

اسی طرح دیگر کتب حدیث وفقہ میں حضرت عثمان غنی، حضرت عائشہ، حضرت علی، ابن عباس، ابن عمر، ابن مسعود وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بھی فتوے نقل کئے گئے ہے کہ وہ ایک کلمہ یا ایک مجلس میں دی گئی طلاق ثلاثہ کے وقوع کے قائل ہیں۔[3]

طلاق ثلاثہ کے وقوع پر صحابہ کرام کا اجماع

شرح معانی الآثار، فتح الباری، اعلان الموقعین وغیرہ میں مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں صحابہ کرام کے مجمع میں فرمایا کہ لوگوں کے واسطے طلاق کے معاملے میں بڑی گنجائش اور خاص مہلت تھی کہ ایک طہر میں ایک طلاق دیتے اس صورت میں ان کے لئے رجعت کا کافی موقع ملتا لیکن لوگوں نے جلد بازی کی اور ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دینے لگے لہٰذا ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور رجعت جائز نہیں ہوگی صحابہ کرام میں سے کسی نے مخالفت نہیں کی بلکہ سبھوں نے موافقت کی۔[4]

(۱) اعلان السنن ص۱۵۷ ج۱۱ (۲) اعلان السنن ص ۱۵۸ ج۱۱ (۳) شرح معانی الاثار ۳۴ ج۲ (٤) مستفاد ماهنامه دار العلوم دیوبند محرم الحرام ١٤١٤ھ ١٩٩٣ء

تین طلاق سے متعلق آثار تابعین

عبداللہ بن مغفل کا اثر:

عن ابن مغفل فی رجل طلق امرأته قبل ان یدخل بها قال لا تحل له حتی تنکح زوجا غیره [۱]

عبداللہ ابن مغفلؒ سے ایک ایسے شخص کے متعلق منقول ہے جو اپنی بیوی کو صحبت سے قبل (تین طلاقیں) دے چکا تھا تو عبداللہ ابن مغفل نے فرمایا کہ اب وہ عورت اس مرد کے لئے حلال نہیں جب تک کہ وہ عورت دوسرے مرد سے نکاح نہ کرلے۔

قاضی شریحؒ کا اثر۔ (شریح وہ شخص ہیں جو حضرت عمرؓ سے لیکر حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے عہد تک برابر قاضی رہے)

عن الشعبی انه قال قال رجل لشریح القاضی طلقت امرأتی مائة فقال شریح بانت منك بثلاث وسبع وتسعون اسراف ومعصية [۲]

شعبی سے منقول ہے کہ ایک شخص نے قاضی شریح سے پوچھا کہ میں نے اپنی عورت کو سو طلاقیں دیدیں ہیں شریحؒ نے کہا تین طلاق سے ہی وہ بائن ہو گئی اور ستانوے طلاق فضول و معصیت ہے۔

ابراہیم نخعیؒ کا فتویٰ

عن مغيرة عن ابراهيم فی الرجل يتزوج المرأة فيطلقها ثلاثا قبل ان يدخل بها قال ان كان (قال) طالق ثلاثا كلمة واحدة لم تحل له حتی تنكح زوجا غيره واذا طلقها طلاقا متصلا فهو كذلك [۳]

مغیرہ ابن شعبہؓ حضرت ابراہیم نخعیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نکاح کرے اور صحبت سے قبل ہی تین طلاق دیدے تو کیا حکم ہے تو آپ نے جواب دیا کہ اگر ایک جملہ میں تین طلاقیں دیں ہیں (مثلاً یوں کہا کہ تجھ کو تین طلاق تو عورت اس کے

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۲۳ جلد ۵ بحوالہ فتاوی رحیمیہ ۳۸۵ ج ۵ (۲) محلیٰ ص ۱۷۳ ج ۱۰ بحوالہ فتاوی رحیمیہ ص ۳۸۶ ج ۵ (۳) مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۲ ج ۵ بحوالہ فتاوی رحیمیہ ص ۳۸۶ ج ۵

لئے حلال نہیں یہاں تک کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح کرلے۔

حضرت سعید بن المسیبؒ، حضرت سعید بن جبیر، حضرت حمید بن عبدالرحمٰن کے فتوے

حدثنا ابوبکر قال نا عبدالاعلی عن سعید عن قتادۃ عن سعید بن المسیب وسعید بن جبیر وحمیدبن عبدالرحمن قالوا لاتحل له حتی تنکح زوجا غیرہ(۱)	ابوبکر روایت کرتے ہیں عبدالاعلی سے وہ سعید سے وہ قتادہ سے وہ مندرجہ ذیل تینوں حضرات سعید بن المسیبؒ، سعید بن جبیرؒ اور حمید بن عبدالرحمٰنؒ سے کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں

دیدیں تو عورت بغیر حلالہ کے حلال نہ ہوگی۔

ان کے علاوہ مصنف ابن شیبہ میں حضرت مکحول، امام شعبی، حضرت قتادہ، امام زہری، حضرت حسن بصری، حضرت مصعب ابن سعید، حضرت ابی ملک، عبداللہ بن شداد وغیرہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم سے منقول ہے کہ اگر ایک کلمہ سے تین طلاقیں دی گئیں تو تینوں واقع ہو جائیں گی۔

تین طلاق علماء محققین کے اقوال سے

علامہ زرقانیؒ موطا کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں:

والجمهور علی وقوع الثلث بل حکی ابن عبدالبر الاجماع قائلا ان خلافه شاذ لایلتفت الیه	کہ جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ تین طلاقیں واقع ہوں گی بلکہ علامہ ابن عبدالبر نے اس مسئلہ پر اجماع بیان کیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ اسکے خلاف

کچھ کہنا نادر الوقوع ہے جو نا قابل التفات ہے۔

حافظ ابن رجب حنبلیؒ اپنی مشہور کتاب مشکل الاحادیث الواردۃ فی ان

(۱) مصنف ابن ابی شیبه صفحه ۲۴ جلد ۵ بحواله فتاوی رحیمیه ص ۳۹۲ ج ۵

الطلاق الثلاث واحدۃ میں تحریر فرماتے ہیں:

اعلم انه لم يثبت عن احد من الصحابة ولا من التابعين ولا من ائمة السلف المعتمد بقولهم في الفتاوى في الحلال والحرام شئ صريح في ان الطلاق الثلاث بعد الدخول يحسب واحدة اذا سبق بلفظ واحد[1]

کہ جان لو کہ صحابہؓ تابعینؒ اور ائمہ سلف میں سے جن کے اقوال پر اعتماد کیا جاتا ہے کسی سے بھی صراحت کیساتھ منقول نہیں کہ صحبت کے بعد تین طلاقیں جب ایک لفظ سے دی جائیں تو ایک سمجھی جائیں گی (لہٰذا تینوں کا واقع ہونا اجماعی مسئلہ ہے)۔

امام ابو الولید الباجیؒ المنتقی میں تحریر فرماتے ہیں:

فمن اوقع الثلاث بلفظة واحدة لزمه ما اوقعه من الثلاث وبه قال جماعة الفقهاء والدليل على ما نقوله اجماع الصحابة لان هذا روى عن ابن عمر وعمران بن حصين وعبدالله بن مسعود وابن عباس وابى هريره وعائشة ولا يخالف لهم[2]

کہ جس شخص نے ایک کلمہ سے تین طلاقیں دیں تو اس کی دی ہوئی یہ تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی جماعت فقہاء کا یہی قول ہے ہمارے اس قول کی دلیل صحابہؓ کا اجماع ہے کیونکہ یہی فیصلہ عبداللہ ابن عمر، عمران بن حصینؓ، عبداللہ ابن مسعود، ابن عباس، ابوہریرہ اور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے مروی ہے اس بارے میں انکا کوئی مخالف نہیں ہے۔

---

(۱) مشكل الاحاديث الوار فى ان الطلاق الثلاث واحدة هكذا اعلاء السنن صفحه ۱۶۳ جلد ۱۱

(۲) المنتقى هكذا اعلاء السنن صفحه ۱۶۲ جلد ۱۱

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں رقم طراز ہیں:

وایقاع الثلاث للاجماع الذی انعقد فی عهد عمر علی ذلك ولا یحفظ ان احدا فی عهد عمر خالفه الخ فالمخالف بعد هذا الاجماع منا بذله والجمهور علی عدم اعتبار من احدث الاختلاف بعد الاتفاق [۱]

کہ تین اکٹھی طلاقوں کے وقوع پر حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں اجماع منعقد ہو چکا تھا ان کے زمانے میں کسی فرد واحد نے بھی اس کی مخالفت کی ہو۔ معلوم نہیں (اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں) اس اجماع کے بعد اس کی مخالفت کرنے والا اجماع سے انحراف کرنے والا ہے اور جمہور امت تو کسی مسئلہ پر پورا اتفاق ہونے کے بعد ان لوگوں کا قطعاً اعتبار نہیں کرتے جو اب اس میں اختلاف کریں۔

علامہ عینیؒ شرح بخاری میں تحریر فرماتے ہیں:

وقالوا من خالف فیه فهو شاذ لاهل السنة وانما تعلق به اهل البدع ومن لایلتفت الیه لشذوذه من الجماعة [۲]

کہ اس مسئلہ میں جن لوگوں نے اظہار اختلاف کیا ہے وہ اہل سنت کی رائے کے اعتبار سے نادر الوقوع ہے اور یہ رائے تو اہل بدعت اور ان لوگوں کی ہوسکتی ہے جو قابل التفات نہیں کیونکہ ان لوگوں نے جماعت سے علیحدگی اختیار کی ہے۔

علامہ ابن ہمامؒ اور علامہ ابن نجیم مصریؒ تحریر فرماتے ہیں:

ولاحاجة الی الاشتغال بالادلة علی رد قول من انکر وقوع

جو لوگ بیک وقت تین طلاق کے واقع ہوجانے سے انکار کرتے ہیں

(۱) فتح الباری صفحه ۴۵۹ جلد ۱۰
(۲) عمدة القاری

الثلاث جملة لانه مخالف للاجماع كما حكاه في المعراج ولذا قالوا لو حكم حاكم بان الثلاث يفم واحد واحدة لم ينفذ حكمه لانه لايسوغ فيه الاجتهاد لانه خلاف ولا اختلاف [۱]

ان کے رد میں دلائل پیش کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ بات اجماع کے خلاف ہے جیسا کہ (ایک کتاب) معراج میں ذکر کیا ہے کہ اسی وجہ سے فقہانے کہا کہ اگر کسی جج نے یہ فیصلہ دیا کہ ایک وقت میں دی جانے والی تینوں طلاقیں ایک ہی سمجھی جائیں گی تو اس کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا کیونکہ اس میں اجتہاد کی گنجائش نہیں ہے اور اس لئے بھی کہ اس کو اختلاف نہیں بلکہ مخالفت ہی کہا جاتا ہے۔

مشہور عالم علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں:

وذهب جمهور الصحابة والتابعين ومن بعدهم من ائمة المسلمين الى انه يقع ثلاث [۲]

کہ جمیع صحابہؓ و تابعینؒ اور ان کے بعد کے ائمۃ المسلمین اس بات پر متفق ہیں کہ تین اکٹھی طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔

فریق مخالف کے دلائل اور ان کے جوابات

طلاق ثلاثہ کے ثبوت پر دلائل نقل کرنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ غیر مقلدین جن دو حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں ان کو نقل کرنے کے بعد ان کے متعلق کچھ عرض کر دیا جائے اور ان کے استدلال کا صحیح جواب دیدیا جائے۔

ابو صہباؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا کہ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ عہد نبوی اور عہد صدیقی میں اور عہد فاروقی کی ابتداء میں تین طلاقیں ایک تھیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہاں لیکن جب لوگوں نے بکثرت طلاق دینا شروع کیا تو

(۱) بحر الرائق صفحه ۴۱۸ جلد۲ وكذا في الفتح صفحه ۳۳۰، ۳۳۱ جلد۳
(۲) شامی صفحه ۴۳۴ جلد۴ كتاب الطلاق

حضرت عمرؓ نے تینوں کو نافذ کر دیا۔

جواب:- اس حدیث کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں۔ پہلا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث امام ابوداؤدؒ نے بھی روایت کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا حکم عام نہیں ہے بلکہ یہ حدیث غیر مدخولہ کے سلسلے میں وارد ہوئی ہے چنانچہ حضورؐ کے زمانہ میں غیر مدخولہ کو الگ الگ لفظوں میں اس طرح طلاق دیتے تھے کہ تجھے طلاق ہے تجھے طلاق ہے تجھے طلاق ہے اور یہ بات عنقریب آئے گی کہ غیر مدخولہ کو اس طرح طلاق دینے سے پہلی ہی طلاق کے ذریعہ وہ مطلقہ بائنہ ہو کر نکاح سے نکل جاتی ہے، دوسری اور تیسری طلاق لغو اور بیکار ہوتی ہے۔ طلاق کا یہی طریقہ حضرت عمر فاروقؓ کے ابتدائی زمانہ خلافت تک رہا۔ پھر ان کے زمانہ میں لوگوں نے جلد بازی شروع کر دی اور ایک ہی لفظ میں تین طلاقیں (مثلاً تجھے تین طلاق) دینے لگے تو حضرت عمر فاروقؓ نے حکم نافذ کر دیا کہ اس طرح کہنے سے تین طلاقیں واقع ہوں گی کیونکہ ایک جملہ میں تینوں طلاقیں نکاح قائم ہونے کی صورت میں دی گئیں ہیں۔

یہ جواب اصل میں امام نسائیؒ سے ماخوذ ہے کہ انہوں نے اپنی سنن نسائی میں حضرت ابن عباسؓ کی اس حدیث پر ایک باب قائم کیا ہے (**باب طلاق الثلاث المتفرقة قبل الدخول بالزوجة**) اس میں امام نسائیؒ نے قبل الدخول بالزوجۃ کی قید لگائی ہے ظاہر بات ہے کہ اس سلسلے میں ان کے پاس کوئی حدیث ہوگی کیونکہ امام بخاریؒ اور امام نسائیؒ کا معروف طریقہ ہے کہ وہ جس حدیث کو اپنی شرائط کے مطابق نہیں پاتے تو اس حدیث کی طرف اپنے ترجمۃ الباب میں اشارہ فرما دیتے ہیں۔

دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص تین مرتبہ علیحدہ الفاظ سے طلاق استعمال کرے اور اس سے تاکید مراد لے بعد والے طلاق سے استیناف کی نیت نہ ہو تو ایک ہی طلاق ہوگی اور عہد ثلاثہ یعنی حضورؐ اور حضرت ابوبکر و عمرؓ کی ابتداء

خلافت میں لوگوں کے اندر تدین و تقویٰ اور خوف آخرت غالب تھا دنیاوی منافع کی خاطر دروغ بیانی کا خطرہ نہیں تھا اس لئے اس وقت لوگوں کی دیانت پر اعتماد کر کے ایک طلاق کا حکم لگایا جاتا تھا مگر جب عہد نبوی سے بُعد ہوتا گیا اور بکثرت عجمی لوگ بھی حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے ان میں تقویٰ اور خوف آخرت کا معیار کم ہونے لگا تو حضرت عمر فاروقؓ نے اس کو محسوس فرمایا کہ دیانت کا معیار روز بروز گھٹ رہا ہے اگر لوگوں کے بیانات کو قضاءً قبول کرنے کا یہ سلسلہ جاری رہا تو لوگ جھوٹ بول کر حرام کاری کا ارتکاب کرنے لگیں گے۔ اس لئے انہوں نے یہ اعلان فرمادیا کہ اب کوئی شخص تین مرتبہ الفاظ طلاق استعمال کریگا تو تاکید کا عذر قبول نہیں کیا جائے گا اور ظاہر الفاظ پر فیصلہ کرتے ہوئے تین طلاقیں شمار کی جائیں گی۔ اور حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ صحابہ کرام کی موجودگی میں ہوا اور کسی صحابی نے اس پر اعتراض نہیں کیا اور تمام صحابہ بالاتفاق اسی کے مطابق فیصلے کرنے لگے چنانچہ علامہ نوویؒ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ فاختلف العلماء فی جوابه وتاویله فالاصح ان معناه انه کان فی اول الامر اذا قال لها انت طالق انت طالق، انت طالق ولم ینوتاکیداً ولا استینافا یحکم بوقوع طلقة لقلة ارادتهم الاستیناف بذلك فحمل علی الغالب الذی هو ارادة التاکید فلما کان فی زمن عمر رضی الله عنه وکثر استعمال الناس بهذه الصیغة وغلب منهم ارادة الاستیناف بها حملت عند الاطلاق علی الثلاث عملا بالغالب السابق الی الفهم [1]

اور علامہ ابن ہمام حنفی فرماتے ہیں لم ینقل عن احد منهم انه خالف عمر حین امضی الثلاث وهی یکفی فی الاجماع [2]

---

(۱) نووی شرح مسلم صفحہ ٤٧٨ جلد۱
(۲) حاشیہ ابوداؤد شریف صفحہ ۲۹۹ جلد۱

حدیث رکانہ

اہل ظاہر، علامہ ابن تیمیہ اور غیر مقلدین کا دوسرا استدلال جس پر فریق مخالف کو بڑا ناز ہے۔ مسند احمد بن حنبلؒ میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

طلق رکانۃ بن عبد یزید اخوبنی مطلب امرأته ثلاثا فی مجلس واحد فحزن علیها حزنا شدیدا قال... فساله رسول الله صلی الله علیه وسلم کیف طلقتها ثلاثا قال فقال فی مجلس واحد قال نعم قال فانما تلك واحدة فارجعها ان شئت قال فرجعها[1]

کہ بنو مطلب کے بھائی رکانہ ابن عبد یزید نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دیدیں پھر بہت زیادہ اس سے غمزدہ ہوا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس پر حضورؐ نے ان سے پوچھا کہ تم نے تین طلاقیں کس طرح دی تھیں تو اس نے کہا کہ ایک ہی مجلس میں تینوں دیدی تھیں تو آپؐ نے فرمایا اچھا اس طرح تینوں ایک ہی مجلس میں دی ہیں تو یہ ایک طلاق ہوئی اگر چاہو تو رجعت کرلو چنانچہ انہوں نے رجوع کر لیا۔

جواب:-

اس حدیث کے بھی کئی جوابات نقل کیے جاتے ہیں:

پہلا جواب تو یہ ہے کہ حضرت رکانہ کے واقعہ طلاق کے بارے میں روایات مختلف ہیں بعض میں طلق امرأته ثلاثا آیا ہے کما فی الروایة المذکورة اور بعض میں طلق امرأته البتة کا لفظ ہے کما فی روایة ابی داؤد والترمذی وابن ماجه. چنانچہ ترمذی کی روایت ہے۔

(۱) مسند احمد بن حنبل صفحہ ۲۶۵ جلد ۱

عن عبدالله بن يزيد بن ركانة عن ابيه عن جده قال اتيت النبي صلى الله عليه وسلم فقلت يا رسول الله انی طلقت امرأتي البتة فقال ما اردت بها قلت واحدة قال والله قلت والله قال فهو ما اردت ۱؎	عبداللہ اپنے باپ یزید سے یزید اپنے باپ رکانہؓ سے نقل کرتے ہیں رکانہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دیدی ہے اور میں نے اس سے صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا ہے (آپؐ نے قسم کھلانے

کے لئے یوں فرمایا) واللہ۔ میں نے جواباً کہا واللہ تو آپؐ نے فرمایا ٹھیک ہے وہی طلاق واقع ہوئی جس کا تم نے ارادہ کیا ہے۔

ابوداؤد اور ابن ماجہ میں اسی مذکورہ سند کیساتھ یوں ہے۔

انه طلق امرأته البتة فاتی رسول الله صلى الله عليه وسلم فسأله فقال ما اردت بها قال واحدة قال والله ما اردت بها الا واحدة قال والله ما اردت بها الا واحدة قال فردها عليه ۲؎	کہ حضرت رکانہؓ اپنی بیوی کو طلاق بتہ دیکر خدمت نبیؐ میں حاضر ہوئے، حضورؐ نے سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم میں نے صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا ہے تو آپؐ نے فرمایا قسم کھا کر کہتے ہو کہ تم نے ایک ہی کا

ارادہ کیا تھا تو میں نے کہا خدا کی قسم میں نے ایک ہی کا ارادہ کیا تھا۔ اس پر آپؐ نے ان کی بیوی کو ان کی طرف لوٹا دیا۔

بتہ والی روایت کی وجوہ ترجیح

بہر حال اوپر معلوم ہو گیا کہ رکانہ کی طلاق کے سلسلے میں دونوں قسم کی روایات ہیں ثلاثاً اور بتۃً مگر جمہور علماء نے البتہ والی روایات کو راجح قرار دیا ہے

(۱) ترمذی شریف ص ۲۲۲ ج ۱ (۲) ابن ماجہ ص ۱۴۸ ج ۱ ابوداؤد ص ۲۹۸ ج ۱

چنانچہ امام ابوداوٗدؒ نے دو طرح سے ترجیح دی ہے۔

اول یہ کہ البتہ والی روایت رکانہؓ کے خاندان سے مروی ہے (وھم اعلم بہ)

دوسرے یہ کہ طلاق ثلاث والی روایات مضطرب ہیں کیونکہ بعض روایتوں میں طلاق دینے والے کا نام رکانہؓ ذکر کیا گیا ہے (کما فی روایۃ احمد) اور بعض میں ابورکانہؓ آیا ہے (کما فی روایۃ ابی داؤد) جبکہ البتہ والی روایت اس اضطراب سے خالی ہے اس میں صاحب واقعہ متعین طور سے حضرت رکانہؓ ہی کو قرار دیا گیا ہے۔

تیسری وجہ ترجیح یہ ہے کہ البتہ والی روایات کی امام ابوداؤد، ابن حبان، حاکم امام دار قطنی اور طنافسی نے تصحیح کی ہے اس کے برخلاف غیر مقلد کا مستدل طلاق ثلاث والی روایت مسند احمد کی ہے جو قابل استدلال نہیں ہے اس لئے کہ کسی محدث نے اس کی تصحیح و تحسین نہیں کی ہے بلکہ بہت سے محدثین نے اس کی تضعیف کی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ تلخیص میں اس حدیث کو ذکر فرماتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔ (ھو معلول ایضا) یہ حدیث بھی معلول ہے اور امام ذہبیؒ نے بھی اس کو داوٗد بن الحصین کے مناکیر میں شمار کیا ہے اور بلوغ المرام میں بھی اس حدیث کو مرجوح قرار دیا گیا ہے۔

بہر حال اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ رکانہؓ نے اپنی اہلیہ کو تین طلاقیں نہیں دی تھیں بلکہ انت طالق البتہ کہا تھا اور چونکہ قدیم محاورہ میں طلاق بتہ کا اطلاق تین طلاقوں پر بھی ہوتا تھا جبکہ تین کی نیت کرلے ورنہ بغیر نیت کے حنفیہ کے نزدیک ایک طلاق بائن پڑتی ہے۔ اور رکانہؓ کی نیت چونکہ ایک طلاق کی تھی اس لئے حضورؐ نے قسم لیکر تصدیق فرمائی چنانچہ علامہ نوویؒ شارح مسلم فرماتے ہیں کہ:

واما الرواية التى رواها المخالفون ان ركانة طلق ثلاثا فجعلها واحدة فرواية ضعيفة عن قوم مجهولين وانما الصحيح منها ما قدمنا وانه طلقها البتة ولفظ البتة محتمل للواحدة وللثلاث ولعل صاحب هذه الرواية الضعيفة اعتقدان لفظ لبتة يقتضى الثلاث فرواه بالمعنى الذى فهمه وغلط فى ذلك[1]	حضرت رکانہؓ نے تین طلاقیں دی تھیں اور حضورؐ نے ان کو ایک قرار دیا تو یہ روایت ضعیف ہے مجہول راویوں سے مروی ہونے کی وجہ سے صحیح روایت وہی ہے جس کو ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ انہوں لفظ البتہ سے طلاق دی تھی اور لفظ البتہ ایک اور تین دونوں کا احتمال رکھتا ہے (مدار نیت پر ہے) اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس ضعیف روایت کے راوی نے یہ سمجھا ہو کہ لفظ البتہ کا مقتضی تین

طلاقیں ہیں تو یہ سمجھ کر روایت بالمعنی کر کے یہ کہدیا کہ رکانہ نے تین طلاقیں دی تھیں۔ لیکن راوی کا تین سمجھ کر روایت بالمعنی کرنا غلط ہے۔

تین طلاق میں تاکید کا حکم

اگر کسی شخص نے تین کے عدد کیساتھ طلاق دی مثلاً یوں کہا کہ تجھے تین طلاق تو اس صورت میں سب کا اتفاق ہے کہ اس کو تاکید پر محمول نہیں کیا جائے گا بلکہ تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔[2]

اور اگر عدد ذکر کئے بغیر صرف تین مرتبہ لفظ طلاق ہی کو دہرایا مثلاً یوں کہا کہ تجھ کو طلاق ہے طلاق ہے طلاق یا یوں کہا کہ تجھ کو طلاق طلاق طلاق۔ تو اگر اس سے تین طلاقوں کی نیت نہیں کی ہے بلکہ اس سے صرف تاکید مقصود تھی تو دیانۃً

(۱) نووی شرح مسلم صفحہ ۴۷۸ جلد۱ (۲) والبدعی ثلاث متفرقه (درمختار) وكذا بكلمة واحدة بالاولى الخ وذهب جمهور الصحابة والتابعين ومن بعدهم من ائمة المسلمين الى انه يقع ثلاث (شامی صفحه ۴۳۴ جلد۴

یعنی فیمابینہ وبین اللہ ایک طلاق واقع ہو گی۔ لہٰذا اگر کوئی اس طرح طلاق دینے کے بعد اپنی نیت پر اعتماد کرے اور وہ اپنے قول میں سچا بھی ہو کہ اس نے تاکید کی نیت کی تھی تو رجعت کر لینے سے انشاء اللہ کوئی گناہ نہیں ہو گا۔ لیکن اگر قاضی اور مفتی کے پاس معاملہ پیش ہو تو پھر فیصلہ اور فتویٰ تین ہی طلاق کا ہو گا کما فی فتاوی الہندیہ۔[1]

مگر مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی نے جدید فقہی مسائل میں دار العلوم دیو بند کا فتوی نقل کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ۔ اس زمانے میں ہمارے ملک میں قریب قریب ہر جگہ عرف ہے کہ لوگ ناواقفیت کیوجہ سے تین بار طلاق بولنے سے طلاق واقع ہونا سمجھتے ہیں اس لئے قضاءً تکرار وتاکید پر محمول کر کے ایک طلاق رجعی مراد لی جائے۔ مزید یوں فرماتے ہیں کہ ملک کے دوسرے دار الافتاء اور اہل علم کو بھی اسی کے مطابق فتویٰ دینا چاہیے۔

لیکن بندہ کی ناقص رائے یہ ہے کہ اب معاملہ ایسا نہیں رہا ہر شہر بلکہ ہر گاؤں اور ہر قریہ میں علماء ومفتیان کرام اور اہل علم حضرات موجود ہیں جس کی وجہ سے الحمد للہ جہالت بہت حد تک دور ہو چکی ہے اگرچہ عام طور سے لوگ طلاق احسن وحسن اور بدعی سے ناواقف ہیں مگر اتنا تو ضرور جانتے ہیں کہ طلاق کا آخری درجہ تین تک ہے اور اس سے کم بھی طلاق دی جا سکتی ہے لہٰذا اس بے راہ روی اور غیر ذمہ دارانہ دور میں تاکید مان کر ایک طلاق رجعی کا فتویٰ دینے اور فیصلہ کرنے سے ایک قسم کا راستہ ہموار کرنا ہے پھر تو کتنے لوگ بہانہ بنا کر اور جھوٹ بول کر حرام کاری میں مبتلا ہو جائیں گے۔ نیز اس سے غیر مقلدین کا مذہب طلاق ثلاثہ کے عدم وقوع کو بھی بڑھاوا ملے گا۔

طلاق بدعی من حیث الوقت

پھر طلاق بدعی من حیث الوقت کی بھی دو صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ مدخول بہا

(۱) رجل قال لامرأته انت طالق انت طالق انت طالق فقال عنيت بالاولى الطلاق وبالثانية والثالثة افهامها صدق ديانة وفي القضاء طلقت ثلاثا (عالمگیری صفحه ۳۵۵۔ ۳۵۶ جلد ۱

بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بیوی کو ایسے طہر میں طلاق دی جائے جس میں جماع کر لیا گیا ہو۔ ۱؎ ہر ایک کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا جارہا ہے۔

حیض کی حالت میں طلاق نہ دینے کی ہدایت

شریعت مطہرہ نے ناگزیر حالت میں طلاق کا اختیار مرد کو ضرور دیا ہے مگر بلا قید نہیں بلکہ اس حق کو استعمال کرنے کے لئے بہت سی پابندیاں لگادی ہیں۔ تاکہ طلاق کا استعمال وقتی تاثر، ہنگامی جوش واشتعال اور غیظ وغضب کی وجہ سے نہ ہو چنانچہ حکم دیا گیا ہے کہ حیض کی حالت میں عورت کو چھیڑ چھاڑ نہ کرو اور ایسی حالت میں اس کو طلاق مت دیا کرو۔ عورت حیض میں مبتلا ہے تو طہر کا انتظار کیا جائے اور پاک ہونے کے بعد بغیر وطی کئے ہوئے طلاق دی جائے۔ چنانچہ اسی سلسلہ کی حدیث خود صاحب واقعہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے منقول ہے۔

انه طلق امرأة له وهي حائض فذكر عمر لرسول الله صلى الله عليه وسلم فتغيظ فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم قال ليراجعها ثم يمسكها حتى تطهر ثم تحيض فتطهر فان بدا له ان يطلقها فليطلقها طاهرا قبل ان يمسها فتلك العدة التي امر الله ان تطلق لها النساء ۲؎

کہ عبداللہ ابن عمر نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دیدی حضرت عمر فاروقؓ نے اس کا تذکرہ حضورؐ سے کیا تو اس سے آپؐ بہت غصہ میں آگئے اور فرمایا کہ (اس گناہ کا تدارک کرنے کے لئے) عبد اللہ ابن عمر کو چاہئے کہ وہ اس عورت سے رجوع کرے۔ پھر اس کو اپنے پاس رکھے یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائے اس کے بعد پھر دوبارہ جب

(۱) (والبدعی) من حیث الوقت ان یطلق المدخول بها وهی من ذوات الاقراء فی حالة الحیض او فی طهر جامعها فیه (عالمگیری ص ۳۴۹ ج ۱) (۲) مشکوۃ شریف ص ۲۸۳ ج ۲

حائضہ ہو کر پاک ہو جائے تو اس دوسری پاکی کی حالت میں اسے طلاق دے قبل اس سے کہ اس سے جماع کرے پس یہ ہی وہ عدت ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس میں عورت کو طلاق دی جائے۔

حالتِ حیض میں طلاق کی ممانعت کی حکمت

حیض کی حالت میں عورت گویا نیم مریض ہوتی ہے اس کے مزاج میں ترشی اور چڑچڑا پن ہوتا ہے اور بحالت حیض جنسی تعلق بھی ایک دوسرے سے نہیں ہوتا جو کہ میاں بیوی کے مابین جذب و کشش اور محبت و تعلق کا ایک ذریعہ ہے اس لئے دونوں کے مابین کشیدگی اور نوک جھونک کا پیدا ہو جانا عین ممکن ہے۔ جو کہ طلاق کا باعث ہوتا ہے۔ مگر جب بحالت حیض طلاق کی ممانعت ہو گئی۔ اور ایام ختم ہونے تک وقتی اشتعال اور غیظ و غضب بھی سرد پڑ گئے اور ایام حیض جو جنسی منافع حاصل کرنے سے مانع تھے وہ بھی ختم ہو گئے، تو دونوں کے درمیان دوری ختم ہو کر ربط و تعلق نئے طور سے پیدا ہو کر اب حالات بالکل معمول پر آ گئے ہیں لہٰذا اب طلاق کیلئے قدم اٹھانا کسی وقتی جذبے کی بنیاد پر نہیں ہو گا۔ بلکہ ٹھنڈے دل و دماغ، معتدلانہ مزاج کی حالت میں کسی عذر معقول کی وجہ سے عاقلانہ ہی فیصلہ ہو گا۔

حیض کی حالت میں دی ہوئی طلاق کا حکم

حیض کی حالت میں عورت کو طلاق دینا بدعت اور حرام ہے اسی وجہ سے حضورؐ نے ابن عمرؓ پر غصہ کا اظہار فرمایا۔ اب اگر اس ممانعت کے باوجود بھی کوئی حیض کی حالت میں طلاق دیدیتا ہے تو اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی۔ اس لئے کہ آپ کا حضرت ابن عمرؓ کو رجعت کا حکم دینا وقوع طلاق کی دلیل ہے اگر طلاق واقع نہ ہوتی تو پھر رجعت کا حکم دینا بیکار ہوتا۔ لہٰذا اگر تین طلاقیں نہیں دی گئی ہیں تو پھر رجعت کرنا واجب ہے۔ اور اگر تین طلاقیں دیدی ہیں تو پھر رجعت کی کوئی صورت نہیں عورت مطلقہ بائنہ مغلظہ ہو جائے گی بدون حلالہ کے شوہر اول

سے نکاح درست نہیں ہو گا۔[۱] مذکورہ حکم تو مدخولہ کا ہے۔ غیر مدخولہ کو حالت حیض میں بھی طلاق دینا جائز ہے بدعت اور حرام نہیں۔[۱]

حالت نفاس میں طلاق

حالت حیض و نفاس دونوں میں طلاق دینا بدعت و مکروہ ہے۔ اگر ان دونوں حالتوں میں کسی نے طلاق رجعی دی ہو تو اس پر رجوع کرنا لازم ہے اور حکم رجوع اس بات پر دال ہے کہ ان دونوں حالتوں کی طلاق نفس وقوع کے اعتبار سے عند الشرع معتبر ہے۔[۲]

طلاق بدعی ایسے طہر میں جس میں جماع کر لیا ہو

اسی طرح طلاق بدعی من حیث الوقت یہ ہے کہ ایسے طہر میں طلاق دی جائے جس میں ایک دوسرے سے لطف اندوز ہو چکے ہوں۔ مجامعت والے طہر میں طلاق کی ممانعت بھی ایک حکمت پر مبنی ہے وہ یہ کہ مجامعت کے ذریعہ جنسی آسودگی حاصل کر لینے کے بعد خواہشات اور جنسی میلان کا سرد پڑ جانا ایک دوسرے سے بے رغبتی اور دوری کا سبب ہو سکتا ہے نیز مجامعت والے طہر میں طلاق دینے سے غیر حمل کی صورت میں کم اور حمل کی صورت میں عدت کے بہت زیادہ طویل ہونے کا خطرہ ہے۔[۳]

مجامعت والے طہر میں دی ہوئی طلاق کا حکم

جس طہر میں وطی ہوئی اس میں طلاق دینا بدعت اور مکروہ ہے اگر طلاق ثلاثہ یا طلاق بائن نہیں دی ہے یعنی رجعت کی گنجائش ہے تو شوہر پر لازم ہے کہ رجعت

---

(۱) (وطلاق الموطؤة حائضا بدعي) ای حرام للنهی عنه الثابت ضمن الامر فی قوله تعالی (فطلقوهن لعدتهن) الخ فیراجعها ای وجوبا فی الحیض للتخلص من المعصیة۔ ویطلقها فی طهر ثان (بحر الرائق ص ۴۲۱ ۔ ۴۲۲ جلد۳) وان کان الطلاق ثلاثا فی الحرة الخ لم تحل له حتی تنکح زوجا غیره نکاحا صحیحا ویدخل بها ثم یطلقها او یموت عنها (هدایه ص ۳۹۹ ج ۲

(۲) قوله وطلاق البدعة الخ وکذا الطلاق فی حالة الحیض مکروه کما فیه من تطویل العدة علی المرأة وکذا فی النفاس ایضاً (الجوهرة النیره علی مختصر القدوری ص۹۷ جلد۲

(۳) والسنة فی الوقت یثبت فی المدخول بها خاصة الخ وغیر المدخول بها یطلقها فی حالة الطهر والحیض (هدایه ص ۳۵۵ ۔ ۳۵۶ جلد۲

کرلے پھر اس طہر کے بعد جو حیض آئے اس سے پاک ہونے کے بعد دوسرے طہر میں طلاق دے اور اگر طلاق رجعی نہیں، بلکہ بائن خفیفہ یا غلیظہ ہے تو پھر رجعت جائز نہیں ہوگی بائن خفیفہ کی صورت میں بغیر تجدید نکاح اور بائن غلیظہ کی صورت میں بغیر حلالہ کے عورت کو لوٹانا درست نہیں ہوگا۔[1]

اس کی عدت اس طہر کے بعد جو حیض آئے گا اسی سے شمار ہوگی۔[2]

حالت حمل میں طلاق کا حکم

حالت حمل میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور اس کو جماع کے بعد بھی طلاق دی جاسکتی ہے مگر حمل کی حالت میں طلاق کا سنت طریقہ یہ ہے کہ ہر ماہ ایک طلاق دی جائے یعنی دو طلاقوں کے بیچ میں ایک ماہ کا فاصلہ ہو۔ لہٰذا اس کو بھی ایک کلمہ سے یا ایک مجلس میں تین طلاق دینا بدعت ہے۔[3]

غلط طریقے سے یا بلا ضرورت طلاق پر تعزیر کا حکم

اوپر بیان کیا گیا کہ بیک وقت تین طلاقوں کا استعمال سخت ناپسندیدہ ہے اسی طرح حیض کی حالت میں اور ایسے طہر میں طلاق دینا جس میں وطی کرلی گئی ہو ممنوع اور حرام ہے نیز بلا کسی عذر کے طلاق دینا عورتوں پر ظلم ہے۔ اس طرح غیر شرعی طریقوں سے بکثرت طلاق کی وجہ سے معاشرہ میں بگاڑ کا خطرہ ہے۔ اس لئے علماء نے اس کو ایک قابل تعزیر جرم قرار دیا ہے اور ایسے ظالم اور غیر متبع شریعت شوہروں کیلئے حاکم اور قاضی کو کوئی مناسب سزا بھی تجویز کرنے کی اجازت دی ہے کیونکہ غیر شرعی طریقے سے طلاق دینا معصیت ہے اور ہر معصیت پر شرعاً سزا کا عائد کرنا تمام ائمہ کا متفقہ مسئلہ ہے۔ مگر سزا تجویز کرنے کیلئے شرط یہ ہے کہ اس گناہ پر حد یا کفارہ واجب نہ

---

(۱) (والبدعي) من حيث الوقت ان يطلق المدخول بها وهي من ذوات الاقراء في حالة الحيض او في طهر جامعها فيه وكان الطلاق واقعا ويستحب له ان يراجعها والاصح ان الرجعة واجبة هكذا في الكافي (عالمگيری صفحه ۳۴۹ جلد۱)

(۲) ابتداء العدة من الحيضة التالية له وهو الانسب (شامي صفحه ۱۸۲ جلد۵)

(۳) وطلاق الحامل يجوز عقيب الجماع ويطلقها للسنة ثلاثا يفصل بين كل تطليقتين بشهر عند ابي حنيفة وابي يوسف رحمهما الله تعالى (عالمگيری صفحه ۳۴۹ جلد۱)

ہوا کرتا ہو چنانچہ علامہ شعرانیؒ تحریر فرماتے ہیں۔ (اتفق الائمة علی ان التعزیر مشروع فی کل معصیة لاحد فیها ولا کفارة)[1]

تعزیر یعنی سزا دینے کی حد

تعزیر ایسے جرم پر سزا دینے کا نام ہے جس جرم کو جرائم کی فہرست میں داخل تو کیا گیا ہے۔ مگر کتاب وسنت نے اس جرم کی کوئی متعین سزا بیان نہیں کی ہے۔ اس کے تعین کا مسئلہ حاکم یا حکومت اور فیصلہ کرنے والے (جج) کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اگر کوئی مصلحت دیکھے تو معاف بھی کرسکتا ہے ورنہ جس قسم کی سزا مناسب سمجھے دے سکتا ہے یہ سزا زبانی زجر و توبیخ بھی ہوسکتی ہے اور قید و بند، کوڑے اور ضربیں لگانا بھی۔ غرض یہ افراد و اشخاص، حالات و زمانہ کے تغیر کے لحاظ سے جرم اور غلطیوں کے تفاوت کے اعتبار سے جو مناسب سمجھے سزا تجویز کرے۔ چنانچہ اسی کو علامہ ابن ہمام اپنی کتاب فتح القدیر میں علامہ شمس الائمہ سرخسی سے مفصلاً نقل فرماتے ہیں کہ:

عن السرخسی انه لیس فیه شئ مقدر بل هو مفوض الی رای القاضی لان المقصود منه الزجر واحوال الناس مختلفة فیه فمنهم من ینزجر بالنصیحة ومنهم من یحتاج الی اللطمة والی الضرب ومنهم من یحتاج الی الحبس الاشراف ...وفی الشافی... یعز الاشراف وهم العلویة والعلماء بالاعلام وهو ان یقول له القاضی بلغنی انك تفعل کذا فینزجر به[2]

شمس الائمہ السرخسی سے منقول ہے کہ تعزیر کے بارے میں کوئی چیز متعین نہیں ہے بلکہ قاضی کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے کیونکہ اصل مقصد تعزیر سے لوگوں کو برائی سے روکنا ہے۔ اور اس سلسلے میں لوگوں کے حالات اور مزاج الگ الگ ہیں بعض لوگ تو محض نصیحت اور سمجھانے سے باز آجاتے ہیں۔ بعض لوگ ایک دو طمانچہ مارنے سے اور بعض لوگ اس سے زیادہ مار پیٹ سے اور

(۱) المیزان ص ۱۹۴ ج۲ بحوالہ معاشرتی مسائل (۲) فتح القدیر ص ۲۴۳،۴۴ ج بحوالہ معاشرتی مسائل

کچھ تو قید وبند کی طرف محتاج ہوتے ہیں۔ شامی میں مذکور ہے کہ شرفاء یعنی علماء وسادات وغیرہ تو محض زبانی تنبیہ کی وجہ سے متنبہ ہو جاتے ہیں اور قاضی کے صرف اتنا کہہ دینے سے راہ راست پر آجاتے ہیں کہ ہمیں آپ کے بارے میں شکایت ملی ہے کہ آپ ایسا کرتے ہیں جو آپ کے شایان شان نہیں۔

مالی سزا کا دینا اب مشروع نہیں

مالی جرمانہ کا جواز حنفیہ میں سے صرف امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے اور وہ بھی ضعیف روایت ہے ان کے علاوہ علماء احناف میں سے کسی سے مالی جرمانہ منقول نہیں ہے نیز حنفیہ کے علاوہ جمہور علماء کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے۔ احناف کے یہاں بھی فتوٰی اسی پر ہے کہ مالی سزا ناجائز ہے شروع اسلام میں جائز تھا بعد میں منسوخ ہو گیا۔ اور اگر بغرض تنبیہ کسی مرتکب کبیرہ اور تارک صلوٰۃ وغیرہ پر مالی جرمانہ عائد کیا بھی جائے تو اس کے جواز کی صورت یہ ہے کہ اس جرمانہ کو مجرم سے لیکر علیحدہ رکھا جائے پھر جب اس گناہ سے باز آجائے تو اس کا مال اس کو واپس کر دیا جائے یا اگر وہ کہے تو کسی کار خیر میں صرف کر دیا جائے۔[1]

تعزیر عام مسلمانوں کا حق ہے یا نہیں

تعزیر یعنی سزا متعین کرنے اور دینے کا اولاً حق تو قاضی اور حاکم ہی کو ہے جہاں تک ممکن ہو سکے وہی تعزیر کرے تاکہ فتنہ اور شورش کا خطرہ نہ ہو مگر جب حاکم اور قاضی مفقود ہو یا وہاں تک اطلاع دینا ممکن نہ ہو جیسا کہ ہندوستان کے اکثر مقامات میں قاضی شرعی نہیں ہے تو پھر عام مسلمانوں کی پنچایت بھی کوئی سزا متعین

(۱) لاباخذ مال فی المذهب بحر وفيه عن البزازيه، وقيل يجوز ومعناه ان يمسكه مدة لينزجر ثم يعيده له فان ايس من توبته صرفه الى مايرى وفي المجتبى انه كان فى ابتداء الاسلام ثم نسخ (درمختار) وقوله لا باخذ مال فى المذهب قال فى الفتح وعن ابى يوسف يجوز التعزير للسلطان باخذ المال وعندهما وباقى الائمة لايجوز ومثله فى المعراج ظاهره ان ذلك رواية ضعيفة عن ابى يوسف قال فى الشرنبلاليه ولا يفتى بهذا لما فيه من تسليط الظلمة على اخذ المال الناس فيأكلونه (شامى صفحه ۱۰۶ جلد ٦ باب التعزير)

کر سکتی ہے کیونکہ حدیث (لاتجالسوھم ولاتناکحوھم) کا خطاب عام ہے قاضی اور حاکم کی کوئی تخصیص نہیں کیونکہ تعزیر کا مقصد گناہ سے روکنا ہے اور یہ ہر مسلمان کا فریضہ ہے نہی عن المنکر کا پہلا درجہ ہاتھ یعنی قوت اور طاقت کا استعمال کرنا ہے دوسرا طریقہ زبانی بیان و تقریر اور سمجھانے کا ہے اس کی قدرت بھی نہیں تو اخیر میں دل سے برائی کو برا سمجھنا ہر مسلمان کیلئے ضروری ہے۔ [۱]

ناحق طلاق دینے پر بائیکاٹ اور لڑکی نہ دینے کا دستور

طلاق دینے پر بائیکاٹ کرنا، پابندی لگانا اور یہ دستور بنانا کہ طلاق دینے والے کو کوئی لڑکی نہ دے وغیرہ وغیرہ جائز نہیں ہے بلکہ ظلم اور گناہ ہے کیونکہ طلاق اگرچہ مبغوض ہے مگر مباح ہے بعض دفعہ تو طلاق دینا ضروری ہو جاتا ہے مثلاً کبھی میاں بیوی میں سے کسی ایک کی بداخلاقی یا حماقت کیوجہ سے یا تنگی معاش کیوجہ سے شدید اختلاف پیدا ہو جاتا ہے دونوں میں اس قدر بعد اور دوری ہو جاتی ہے کہ دونوں پامال ہونے لگتے ہیں تو ایسی صورت میں طلاق دینا ضروری ہو جاتا ہے اسلئے پابندی لگا کر طلاق کا دروازہ بند کرنا دونوں پر ظلم اور بلائے عظیم ہے چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اسی بات کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ [۲]

البتہ اگر بلاوجہ طلاق کا ماحول پیدا ہو رہا ہے۔ اور سنت طریقہ کا خیال کئے بغیر اپنی مرضی سے تین طلاقیں بیک وقت دیدی جاتی ہیں، حیض کی حالت کا بھی خیال

(۱) وعزر کل مرتکب منکر او موذی مسلم بغیر حق بقول او فعل (درمختار علی ھامش شامی صفحہ ۱۱۳ جلد۶) قلت ومقتضی التعلیل بالامران ذلك غیر خاص بالامام فقد مر ان لکل مسلم اقامة التعزیر حال مباشرة المعصیة لانه مأمور بإزالة المنکر الا ان یفرق بانه یمکنه الرفع الی الامام فلم تتعین الاقامة علیه بخلاف الامام (شامی صفحہ ۱۳۱ جلد۶)

(۲) ومع ذلك لایمکن ھذا الباب (ای باب الطلاق) والتضیق فیه فلنه قد یصیر الزوجان متناشزین اما لسوء خلقھما او لطموح عین احدھما الی حسن انسان او یضیق معشیتھا او لخرق واحد منھما ونحو ذلك من الاسباب فیکون ادامة ھذا النظم مع ذلك بلاء عظیما وحرجا (حجة الله البالغة ۔ کتاب الطلاق)

نہیں کیا جاتا جب بھی دل میں آیا جذبات میں آکر طلاق دیدی تو پھر اس پر کچھ پابندی عائد کی جاسکتی ہے اگر باز نہ آئے تو کچھ بااثر لوگ قطع تعلق اور بائیکاٹ کرلیں تو درست ہے مگر لڑکی نہ دینے کا دستور، ظلم اور گناہ کا باعث ہے ایسی قانون سازی کی اجازت شرعاً نہیں ہوسکتی ہے۔[1]

وقوع طلاق کے اعتبار سے طلاق کی قسمیں

وقوع کے اعتبار سے طلاق کی تین قسمیں ہیں۔ طلاق رجعی۔ طلاق بائن خفیفہ۔ طلاق بائن مغلظہ۔ ہرایک کی تفصیل مع جزئیات کے ترتیب وار پیش کی جاتی ہے۔

طلاق رجعی

صریح اور صاف لفظوں میں جن سے طلاق کے علاوہ کوئی دوسرا مطلب نہیں نکلتا اور نہ طلاق کے علاوہ کوئی دوسری چیز مراد لی جاتی ہے۔ تو ایسے کھلے لفظوں میں ایک یا دو طلاق دی جائے تو اس کو طلاق رجعی کہتے ہیں۔

طلاق کے الفاظ صریحہ

صریح الفاظ سے مراد یہ ہے کہ ایسے صاف لفظوں میں طلاق دی جائے کہ انکے معنی طلاق دینے والے کی زبان میں طلاق کے علاوہ کچھ نہ لئے جاتے ہوں جیسے انت طالق (تو طلاق پانے والی ہے) انت مطلقہ (تو طلاق دی ہوئی ہے) **طلقتك** (میں نے تجھ کو طلاق دی)۔[2]

اسی طرح اردو میں صاف لفظ میں کہے۔ میں نے تجھے چھوڑ دیا۔ میں نے تجھے آزاد کردیا۔ میری طرف سے تم کو طلاق ہے۔ ہم طلاق دیتے ہیں۔ کسی شخص نے اس سے سوال کیا کہ تم نے اپنی بیوی کو طلاق دی اس نے کہا ایسا ہی سمجھو یا ایسی ہی ہے۔ یا

(۱) (فتاوی رحیمیہ صفحہ ۲۱۶ جلد۵) (۲) الطلاق علی ضربین صریح وکنایۃ فالصریح قولہ انت طالق ومطلقۃ وطلقتك فهذا يقع به الطلاق الرجعي لان هذه الفاظ تستعمل في الطلاق ولا تستعمل في غيره فكان صريحا (هدايه صفحه ۳۵۹ جلد۲)

کسی نے کہا کیا تم نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے اس نے کہا ہاں۔ تو ان تمام صورتوں میں اس کی بیوی پر ایک طلاق رجعی پڑ جائے گی۔

بہر حال مذکورہ الفاظ اور اس کے علاوہ وہ تمام الفاظ جو طلاق ہی کے معنی میں استعمال کیے جاتے ہوں صریح ہیں ان سے دو عدد تک طلاق رجعی واقع ہوگی۔

الفاظ کنائی کے ذریعہ طلاق رجعی

اگر صریح اور صاف لفظوں کے بجائے کنایہ یعنی ایسے گول مول الفاظ استعمال کیے گئے جن میں طلاق کے علاوہ دوسرے مطلب کا بھی احتمال ہو جیسے شوہر بیوی سے کہے۔ مجھے تمہاری ضرورت نہیں۔ میں نے تجھ کو دور کر دیا۔ آج سے تم میرے اوپر حرام ہو۔ تو عدت میں بیٹھ جا۔ تو اپنے رحم کو پاک کر لے۔ اکیلی ہو۔ تو دیکھا جائے گا کہ ان الفاظ کے استعمال کے وقت معاملہ کی سچویشن اور صورت حال کیا ہے اگر صورت حال طلاق کی ہے اور طلاق کی نیت یا دلالت پائی جاتی ہے تو ایک طلاق رجعی ہوگی۔[1]

یہ تو صاحب شرح الوقایہ کی تحقیق ہے جس سے ایک قسم کا حصر معلوم ہوتا ہے کہ کنایہ کے وہ الفاظ جن سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے وہ صرف تین ہیں مگر علامہ ابن نجیمؒ مصری نے اس کا انکار کرتے ہوئے اس سلسلے میں ایک ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ جس لفظ کنایہ کیساتھ لفظ طلاق کو ذکر کر دیا تو وہ طلاق مرد کے کلام میں داخل ہو کر اس سے بدرجہ اولویت طلاق رجعی ہی ہوگی جیسے کسی شخص نے اپنی بیوی سے یوں کہا کہ میں تیری طلاق سے بری ہوں۔ تجھ پر طلاق۔ تیرے لئے طلاق۔ عورت نے کہا میں نے بغیر عوض کے طلاق خرید لیا اس کے جواب میں شوہر نے کہا میں نے تیری طلاق تجھے ہبہ کر دیا۔ اللہ نے تیری طلاق کو چاہ لیا۔ اللہ

(۱) وکنایته مالم یوضع له واحتمله وغیره فلا تطلق الا بنیته او دلالة الحال ومنها اعتدی واستبرائی رحمك وانت واحدة وبها تقع واحدة رجعیة وبباقیها کانت بائن (شرح الوقایه صفحه ۷۷ جلد۲)

نے تیری طلاق کا فیصلہ کر دیا۔ تم اپنی طلاق کو چاہ لو۔ میں نے تیری طلاق کو چھوڑ دیا، میں نے تیری طلاق کا راستہ خالی کر دیا۔ تو مُطْلَقہ ہے۔ (بسکون الطا) میں نے فلاں کی مطلقہ بیوی کی طرح چھوڑ دیا۔ (انت طال) آخری حرف ق کے حذف کیساتھ۔ یعنی تو طال والی ہے۔ تم اپنی طلاق کو لے لو۔ میں نے تیری طلاق تجھ کو قرضہ دیدیا۔ میں نے تیری طلاق تجھے عاریت پر دیدی۔ (اخیر کے ان تینوں جملوں سے عورت کو طلاق کا اختیار حاصل ہوگا اس نے اگر اپنے اوپر طلاق واقع کر لیا تو طلاق رجعی واقع ہو جائے گی)۔ اسی طرح اگر شوہر نے کہا کہ تو میری بیوی نہیں ہے میں تمہارا شوہر نہیں ہوں۔ تو ان دونوں صورتوں میں بھی دلالت حال اور نیت کیوجہ سے طلاق رجعی واقع ہو جائے گی۔ وجہ یہ ہے کہ اول کے تین جملے (جس کو صاحب شرح الوقایہ نے بیان کیا ہے) سے صراحت کی غمازی ہوتی ہے کیونکہ ان تینوں کے اندر طلاق صریح کے معنی مضمر ہیں جس کو علامہ شامیؒ اور صاحب بحر نے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور ان تین جملوں پر صاحب بحر نے باقی جملوں کو متفرع کیا ہے۔ مگر ان جملوں سے طلاق جب واقع ہوگی جبکہ طلاق کی نیت بھی ہو کیونکہ یہ الفاظ کنایہ کے ہیں اور الفاظ کنایہ سے طلاق واقع ہونے کے لئے نیت شرط ہے فرق صرف اتنا ہے کہ ان الفاظ سے طلاق بائن نہیں رجعی واقع ہوگی۔ اور طلاق رجعی واقع ہونے کی سب سے بڑی دلیل حضرت سودہؓ کا واقعہ ہے جو استحسان اور قیاس دونوں کو متقاضی ہے اس واقعہ کو صاحب بحر نے نوادر سے نقل کیا ہے۔[1]

(۱) وما فی النوادر من ان وقوع الرجعی بها استحسان لحدیث سوده یعنی انه علیه السلام قال لها اعتدی ثم راجعها والقیاس ان یقع البائن کسائر الکنایات یعید الخ ولما کانت العلة فی وقوع الرجعی بهذه الفاظ الثلاثة وجود الطلاق مقتضی او مضمرا علم ان لاحصر فی کلامه، بل کل کنایة کان فیها ذکر الطلاق کانت داخلة فی کلامه ویقع بها الرجعی بالاولی کقوله انا بریٔ من طلاقك، الطلاق علیك علیك الطلاق لك الطلاق وهبتك طلاقك اذا قالت اشتریت من غیر بدل قد شاء الله طلاقك قضی الله طلاقك، شئت طلاقك، ترکت طلاقك، خلیت سبیل طلاقك، انت مطلقه بتسکین الطاء انت اطلق من إمرأة فلان وهی مطلقة انت طال بحذف الآخر، خذی طلاقك أقرضتك طلاقك، أعرتك طلاقك، ویصیر الامر بیدها علی ما فی المحیط لست لی بامرأة وما انا لك بزوج لست لك بزوج وما انت لی بامرأة (بحر الرائق صفحه ۵۲۰ ـ ۵۲۱ جلد ۳

طلاق رجعی کی مختلف صورتیں

اوپر طلاق رجعی کے وقوع کا ضابطہ کتب فقہ کے حوالہ سے ذکر کیا جاچکا ہے ذیل میں فتاوی کی مختلف کتابوں سے اسکی مختلف صورتیں خلاصہ کے طور پر ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) مرد نے اپنی بیوی سے کہا، نکاح میں رہو یا طلاق لے لو بیوی نے کہا میں طلاق لیتی ہوں۔ تو اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہو گی (۲) شوہر نے کہا اب ہم خود طلاق دیتے ہیں۔ اس سے ایک طلاق رجعی ہو گی۔ (۳) شوہر نے کسی کو مخاطب کر کے اپنی بیوی کے متعلق کہا آج سے اس کو طلاق ہی سمجھو۔ تو ایک طلاق رجعی ہو گی۔ (۴) ایک طلاق دیکر متعدد لوگوں سے کہتا رہا کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی ہے۔ تو اگر اس سے خبر مقصود ہے تو بعد والے جملوں سے طلاق نہیں ہو گی صرف پہلی مرتبہ طلاق سے ایک طلاق رجعی ہو گی۔ (۵) کسی شخص نے کسی عورت کا جعلی شوہر بن کر کورٹ میں یا کسی سے کہا کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہوں۔ تو دوسرے کی بیوی پر طلاق نہ ہو کر خود اس جعلی شخص کی بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہو گی۔ (۶) مرد نے اپنے خسر سے کہا کہ تمہاری بیٹی مجھ سے برابر تکرار کرتی ہے اس لئے میں اس کو برابر طلاق دیتا ہوں۔ اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہو گی۔ (۷) زید نے اپنے خسر یا کسی سے بھی کہا کہ میں نے اپنی بیوی ہندہ کو طلاق دیدی ہے حالانکہ اس سے قبل اس نے طلاق نہیں دی ہے۔ تو اسی جملہ سے ایک طلاق رجعی واقع ہو جائے گی جو بعد میں ادا کیا ہے۔ (۸) جھگڑے کے موقع پر شوہر نے بیوی سے کہا کہ اگر تو خاموش نہ رہی تو تجھ کو طلاق عورت خاموش نہ ہوئی پھر دوسری مرتبہ شوہر نے اسی طرح کہا پھر بھی خاموش نہ رہی تیسری مرتبہ پھر جب شوہر نے اسی طرح کہا کہ اگر تو خاموش نہ رہی تو تجھ کو طلاق اب اگر عورت خاموش ہو گی۔ تو اس سے دو طلاق رجعی واقع ہو گی۔ (۹) کسی نے اپنی بیوی سے کہا ایک طلاق پھر کہا دو طلاق۔ اگر اس بعد والے جملہ کا مقصد جمع کرنا نہیں ہے تو اس سے دو طلاق رجعی ہو گی۔ اور اگر ایک اور دو کو جمع کرنا مقصد ہے تو

پھر تین طلاق واقع ہو کر عورت مغلظہ ہو جائے گی۔(۱۰) اگر شوہر نے کہا طلاق دی دی دی دی۔ تو اس سے ایک طلاق رجعی ہو گی اور دی دی یہ تکرار محض ہو گا۔(۱۱) شوہر نے بیوی سے کہا کہ میں نے طلاق دی آج سے تو میری ماں تو اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہو جائے گی۔(۱۲) شوہر نے بیوی سے کہا کہ میں نے تجھ کو طلاق شرعی دی۔ تو اس سے ایک طلاق رجعی ہوئی۔(۱۳) زید اپنی زوجہ پر ناراض ہوا زوجہ اپنے باپ کیساتھ میکے جانے لگی اس پر زید غصہ میں آکر طلاق نامہ دینے کیلئے دوڑنے لگا اور کہنے لگا طلاق نامہ لو، میں دیتا ہوں اس پر لوگوں نے پکڑ لیا۔ تو اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوئی۔(۱۴) زوجین کے مابین جھگڑا ہوا اس پر شوہر نے طلاق دیدی دو طلاق تو یاد ہے مگر تیسری یاد نہیں بیوی کہتی ہے کہ تم نے تیسری بھی دیدی ہے۔ اس سے صرف دو طلاق رجعی واقع ہو گی شک کی بناء پر اور صرف زوجہ کے کہنے پر طلاق واقع نہیں ہو گی ہاں اگر شوہر اسکا اقرار کرلیتا ہے تو تیسری طلاق بھی واقع ہو جائے گی۔ ؁ (۱۵) شوہر نے بیوی سے کہا میں نے تم کو ایک ماہ کیلئے ایک طلاق دی اب تم ایک مہینہ کے بعد میرے نکاح میں لوٹ سکو گی۔ تو اس سے صرف ایک طلاق رجعی واقع ہو گی رجوع کرنا جائز ہو گا مگر اب شوہر صرف دو طلاق کا مالک رہے گا کیونکہ طلاق عارضی اور وقتی نہیں ہوتی۔ ؂ (۱۶) خدا کے واسطے میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی اس سے ایک طلاق رجعی ہو گی ؃ (۱۷) زید کی دو بیوی ہے رحیمہ اور سلیمہ۔ رحیمہ کی ماں نے اپنے داماد سے کہا کہ تو میری لڑکی کو طلاق دیدے یا دوسری بیوی کو۔ اس کے جواب میں زید نے کہا میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ تو چونکہ زید کا قول جواب میں واقع ہونے کی وجہ سے اضافتِ صریحہ کا قرینہ ہے لہٰذا اقتضاءً کسی ایک بیوی پر طلاق رجعی واقع ہو گی اس کی تعیین شوہر زید ہی کر سکتا ہے وہ جس کی تعیین کریگا اس سے عدت کے اندر رجوع بھی کر سکتا ہے۔ مگر دیانۃً کسی پر بھی طلاق واقع نہیں ہو گی کیونکہ زید نے نہ کسی کا نام لیا ہے

(۱) خلاصہ فتاوی دارالعلوم دیوبند (۲) خلاصہ آپ کے مسائل اور ان کا حل
(۳) مستفاد فتاوی رحیمیہ

اور نہ کسی بیوی کی طرف اضافت کی ہے۔[1] (۱۸) اگر کسی نے اپنی بیوی کو ایک طلاق کا مالک بنا کر بعد میں تین طلاقیں دیدیں۔ تو اس سے دو ہی طلاق رجعی واقع ہو گی کیونکہ ایک طلاق کا شوہر مالک نہیں رہا ہاں اگر بیوی نے خود تیسری طلاق کو نافذ کر دیا تو تینوں واقع ہو جائیں گی۔[2] (۱۹) کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے تم کو چھوڑ دیا چھوڑ دیا۔ اس سلسلہ میں حضرت مفتی محمود صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں یہ الفاظ طلاق کیلئے صریح ہیں لہٰذا دو مرتبہ کہنے سے طلاق رجعی اور تین مرتبہ سے طلاق مغلظہ واقع ہو گی۔ (۲۰) کسی نے اپنی بیوی کو طلاقن کہا۔ تو اس سے دو تک طلاق رجعی واقع ہو گی اور دو سے زائد میں مغلظہ ہو جائے گی اور اگر اس عورت کو پہلے شوہر نے طلاق دی تھی اور اسی وجہ سے دوسرے شوہر نے اس کی خبر دیتے ہوئے طلاقن کہا تو اس سے طلاق نہیں ہو گی اس کا قول معتبر ہو گا۔ (۲۱) کسی نے اپنی بیوی سے کہا طلاق دیا۔ دیا۔ تو اس سے دو طلاق رجعی ہو گی اگر تین مرتبہ دیا دیا دیا کہا تو حضرت تھانوی نے اس کو تین طلاقیں شمار کیا ہے حضرت مفتی محمود صاحبؒ فرماتے ہیں کہ کسی کتاب میں اس کے خلاف منقول نہیں دیکھا۔ طلاق اگرچہ ایک مرتبہ منقول ہے مگر اس کے ساتھ دیا تین مرتبہ مذکور ہے جو متعدی ہے مفعول کو چاہتا ہے جس طرح فاعل کو ہر فعل کیساتھ ماننا ضروری ہے اسی طرح مفعول کو بھی ماننا ضروری ہے۔ (۲۲) ساس یا کسی نے مرد سے اس کی بیوی کے طلاق کے متعلق مشورہ یا حکم دیا شوہر نے کہا منظور ہے۔ تو اس سے طلاق رجعی واقع ہو گی۔ (۲۳) والدہ نے اپنے لڑکے سے کہا اس طلاقہ کی طلاقہ کو طلاق دیدو شوہر نے فوراً غصہ میں کہا کہ طلاقہ کی طلاقہ کو طلاق تو اس سے دو طلاق رجعی واقع ہو گی۔ (۲۴) زید نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے تم کو طلاق دی ہے تم جاؤ اپنے گھر۔ زید کی عزیزہ نے کہا کہ ایک طلاق سے طلاق نہیں ہوتی۔ اس پر زید نے کہا جیسے ایک مرتبہ ویسے تین مرتبہ ویسے ہزار مرتبہ۔ تو پہلا جملہ (میں نے تم کو طلاق دی ہے) سے ایک طلاق واقع ہوئی اور دوسرا

(۱) خلاصہ امداد الفتاوی (۲) مستفاد فتاوی نظامیہ

جملہ (تم جاؤاپنے گھر) سے اگر طلاق کی نیت ہے تو اس سے دوسری طلاق بائن واقع ہوگی اگر نیت نہیں تو واقع نہیں ہوگی اور تیسرا جملہ (جیسے ایک مرتبہ ویسے تین مرتبہ ویسے ہزار مرتبہ) سے اگر نیت ہو تو تین طلاقیں ہوں گی ورنہ نہیں۔ (۲۵) زید کو کسی نے پریشان حال دیکھ کر کہا (بیوی کیوجہ سے) کیا پریشان ہو رہے ہو بیوی کو طلاق دیدو، زید نے کہا کب کی دیدی ہے جبکہ زید نے اس سے قبل اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی ہے۔ تو اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔[1]

طلاق رجعی کا حکم

لفظ صریح کے ذریعہ ایک یا دو عدد طلاق دینے سے صریح طلاق ہوتی ہے اسی کو طلاق رجعی کہتے ہیں اس میں نیت کی بھی ضرورت نہیں پڑتی ہے اس کا حکم یہ ہے کہ عورت کی عدت پوری ہونے سے قبل رجوع کیا جاسکتا ہے اس سے تجدید نکاح کی بھی ضرورت نہیں جیسا کہ ارشاد باری عزاسمہ ہے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاکٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ[2] کہ طلاق رجعی دو بار تک ہے پھر اچھے طریقہ سے اسکو روک لیا جائے یا بھلے طریقہ سے چھوڑ دیا جائے۔

رجعی کی حقیقت

طلاق رجعی میں شوہر کو من جانب الشرع یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ اپنا کیا ہوا فیصلہ واپس لے لے کیونکہ طلاق رجعی بہت ہی کمزور اور معمولی درجہ کی طلاق ہے اس سے صرف رشتۂ نکاح میں کمزوری آتی ہے اس میں اتنی قوت نہیں کہ زوجین کے مابین جدائی پیدا کردے بلکہ یہ تو دو ٹوٹے ہوئے دل کو جوڑنے کا ذریعہ ہے مگر اس میں ضعف ایک متعین مدت (یعنی عدت) تک رہتا ہے تاکہ اس مدت میں زوجین غور و فکر کے ذریعہ اپنی اصلاح کرلیں۔ پھر متعین مدت کے ختم ہونے کے

(۱) خلاصہ فتاوی محمویہ (۲) سورۃ البقرۃ آیت ۲۲۹ الطلاق الرجعی الخ وانہ یعقب الرجعۃ بالنص ولا یفتقر الی النیۃ لانہ صریح فیہ لغلبۃ الاستعمال (ہدایہ ۳۵۹ ج۲

بعد اس کی کمزوری ختم ہو کر اس میں اتنی قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ مرد کا اختیار ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے عدت کے بعد بینونت واقع ہو جاتی ہے اب رشتۂ نکاح کو بحال کرنا چاہیں تو تجدید نکاح ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے جس کے لئے عورت کی رضامندی شرط ہے۔ جبکہ رجعت کے ذریعہ بیوی کو لوٹانے کے لئے بیوی کی رضامندی ضروری نہیں۔ کیونکہ شریعت نے مرد کو طلاق کا حق مجبوری میں دیا ہے۔ اور طلاق رجعی کے بعد شوہر اپنی مجبوری میں غور و فکر کر کے رشتہ بحال کر سکتا تھا۔ مگر جب عدت ختم ہو گئی تو اب موقع نہیں دیا جائے گا۔ کہ اپنے اختیار سے جو چاہے کر لے اسی وجہ سے ایک طلاق کو احسن کہا گیا ہے۔

رجعت کے شرائط

رجعت کے شرائط تفصیلی طور سے پانچ ہیں۔ (۱) طلاق ثلاثہ مغلظہ نہ ہو۔ (۲) طلاق کسی مال کے عوض نہ ہو کیونکہ بعوض مال طلاق بائن ہوتی ہے۔ (۳) طلاق صریح کیساتھ کسی ایسی صفت کا الحاق نہ ہو جس سے صریح طلاق بھی بائن ہو جاتی ہے۔ (۴) اسی طرح طلاق کو کسی چیز کیساتھ تشبیہ بھی نہ دی گئی ہو کہ جس سے طلاق صریح بائن ہو جاتی ہے۔ (۵) طلاق الفاظ صریحہ کے بجائے کنایہ سے نہ ہو، **خلاصہ** یہ ہے کہ صحتِ رجعت کیلئے صرف ایک شرط طلاق کا رجعی ہونا ضروری ہے اسکے علاوہ طلاق میں رجعت جائز نہیں۔[1]

رجعت کی قسمیں اور اس کا طریقہ

رجعت کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) رجعت مستحبہ (۲) رجعت بدعیہ۔ رجعت مستحبہ کو رجعت بالقول اور رجعت بدعیہ کو رجعت بالفعل بھی کہتے ہیں۔

---

(۱) هذا بيان لشرط الرجعة، ولها شروط خمس تعلم بالتأمل شرنبلالية۔ قلت هي ان لايكون الطلاق ثلاثا في الحرة او ثنتين في الأمة ولا واحدة مقترنة بعوض ملى، ولا بصفة تنبئ عن البينونة كطويلة او شديدة ولا مشبهة كطلقة مثل الجبل ولا كناية يقع بها بائن ولا يخفى أن الشرط واحد هو كون الطلاق رجعيا۔ (شامى صفحه ٢٦ جلد ٥ زكريا)

رجعت مستحبہ

رجعت کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ رجعت بالقول ہو یعنی زبان سے یہ ظاہر کردے کہ میں اپنی دی ہوئی طلاق سے رجوع کرتا ہوں اور اس پر دو گواہ بھی بنالے اور دونوں گواہوں کے سامنے بھی اس کا اقرار کرلے کہ میں نے اپنی بیوی سے رجوع کرلیا ہے، بیوی میری ہے، میں اس سے راضی ہوں اور عورت کو بھی اس گواہ بنانے کی اطلاع دیدے ایسے گواہ بنانا ضروری نہیں بغیر گواہ بنائے ہوئے بھی رجعت ہو جائے گی مگر اس کا فائدہ اس وقت ظاہر ہوگا جب عورت انکار کردے گی کہ مجھ سے رجوع نہیں کیا گیا تو اس وقت شوہر اپنے دونوں گواہ کو پیش کرکے زوجیت کو برقرار رکھ سکے گا۔

نیز دوسری حکمت یہ بھی ہے کہ مرد کبھی جھوٹا دعوی نہ کردے کہ میں نے رجوع کرلیا تھا حالانکہ رجوع نہ کرنے کی وجہ سے بیوی حرام ہوگئی بعد میں نفس کی شرارت کیوجہ سے ایک حرام کاری میں مبتلا ہونے کا خطرہ تھا اس لئے گواہ بنانے کو مستحب قرار دیدیا گیا۔ چنانچہ ارشاد باری ہے۔

فَإِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَىْ عَدْلٍ مِّنكُمْ وَاَقِيْمُوْا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ[1]

کہ (جب عورتیں جن کو طلاق رجعی دیدی گئی ہو) اور وہ اپنی عدت کے ایام مکمل کرنے کے قریب پہنچ چکی ہوں یعنی ابھی عدت کی تکمیل نہ ہوئی ہو تو ان کو قاعدہ کے موافق نکاح میں رہنے دو یا قاعدہ کے موافق ان کو چھوڑ دو (یعنی بغیر رجعت کے عدت گزرانے دو اور جو کچھ بھی کرو موافقت یا مفارقت) آپس میں دو معتبر شخص کو گواہ بنالو اور اے گواہو! تم اللہ کے واسطے ٹھیک ٹھیک گواہی دو۔

رجعت بدعیہ

رجعت بالقول کے بجائے بالفعل ہو یعنی زبان سے کچھ نہ کہے بلکہ عمل سے اس

---

(۱) سورۃ الطلاق آیت ۲

بات کا اظہار کرے کہ اس نے اپنی طلاق سے رجوع کر لیا ہے مثلاً بیوی کو شہوت و رغبت سے چھو لے یا بوسہ لے یا جماع کرے وغیرہ وغیرہ اور اس پر کسی کو گواہ بھی نہ بنائے یا گواہ تو بنائے مگر بیوی کو اس کی اطلاع نہ دے تو اس سے رجعت ثابت ہو جائے گی مگر یہ طریقہ خلاف سنت، مکروہ اور بدعت ہے۔[1]

رجعت کے الفاظ صریحہ

الفاظ صریحہ جن سے بلا نیت بھی رجعت ثابت ہو جاتی ہے وہ یہ ہیں (۱) (راجعتك) میں نے تم سے رجوع کیا (۲) (راجعت امراتی) میں نے اپنی بیوی کو نکاح میں لوٹا لیا (۳) (ارتجعتك) میں تم سے رجوع کرتا ہوں (۴) (رجعتك وردتك) میں نے تم کو نکاح میں لوٹا لیا (۵) (اسکتك وامسکتك) میں نے تم کو اپنے گھر میں روک لیا۔ یا روکتا ہوں۔

خلاصہ یہ کہ مذکورہ کلمات رجعت کیلئے صریح ہیں خواہ تعبیر کچھ بھی ہو ان سے رجعت بغیر نیت کے بھی ہو جائے گی۔[2]

رجعت کے الفاظ کنایہ

رجعت کے الفاظ کنایہ جو رجوع پر صراحۃً دلالت نہیں کرتے بلکہ ان میں عدم رجوع کا بھی احتمال ہوتا ہے۔ مثلاً مرد نے عورت سے کہا کہ تم میرے نزدیک ایسی ہی ہو جیسے پہلے میری بیوی تھی یہ جملہ جہاں رجوع پر دلالت کرتا ہے وہیں اس بات کا بھی احتمال رکھتا ہے کہ اگرچہ تم میرے نکاح میں نہ رہی مگر ہمارا اور تمہارا ایمانی رشتہ اور دیگر تعلقات برقرار ہیں۔

(۱) الرجعة ابقاء النكاح على ما كان مادامت في العدة كذا في التبيين، وهي على ضربين سني وبدعي (فالسني) ان يراجعها بالقول ويشهد على رجعتها شاهدين يعلمها بذلك فاذا راجعها بالقول نحو ان يقول لها راجعتك أو راجعت امرأتي ولم يشهد على ذلك او اشهد ولم يعلمها بذلك فهو بدعي مخالف للسنة (عالمگیری صفحه ٤٦٨ جلد١)

(۲) الفاظ الرجعة صريح وكناية فالصريح راجعتك في حال خطابها اوراجعت امرأتي حال غيبتها وحضورها ايضا ومن الصريح ارتجعتك ورجعتك ورددتك وامسكتك ومسكتك بمنزلة أمسكتك فهذه يصير مراجعا بها بلانية (عالمگیری صفحه ٤٦٨ جلد١)

لہٰذا ایسے کلمات سے رجعت اس وقت ثابت ہوگی جبکہ رجعت کی نیت بھی کرلی ہو۔[1]

لفظ نکاح اور تزویج سے رجعت

اگر کسی نے رجوع یا رجوع کے ہم معنی الفاظ سے رجعت کرنے کے بجائے یوں کہا کہ میں نے تم سے نکاح کیا یا میں نے تم سے شادی کی۔ تو اس سے رجعت صحیح ہو جائے گی اسی طرح کسی نے قولاً یا فعلاً رجوع تو نہیں کیا مگر عدت کے ایام ہی میں دوبارہ نکاح کرلیا (حالانکہ طلاق رجعی میں عدت کے ختم ہونے سے قبل نکاح کی ضرورت نہیں تھی) تو اس نکاح کرنے کو رجوع پر محمول کر کے رجعت کو ثابت قرار دیا جائے گا۔[2]

رجعت بالفعل

قولی رجوع کی طرح ایسے عمل سے بھی رجعت ہو جاتی ہے جس سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے جیسے شہوت کیساتھ چھونا، یا شہوت کے ساتھ فرج داخل کی طرف دیکھنا وغیرہ۔

مگر شہوت کے بغیر چھونے یا فرج داخل کو دیکھنے سے رجعت ثابت نہیں ہوگی اسی لئے ارادۂ رجعت کے بغیر بلا شہوت چھونا یا بوسہ لینا مکروہ ہے۔[3]

دبر میں وطی کرنے سے رجعت

اگر کسی نے اپنی مطلقہ رجعیہ کے قبل میں وطی کرنے کے بجائے دبر میں وطی

---

(۱) والكناية انت عندي كما كنت وانت امرأتي فلا يصير مراجعا الا بالنية (عالمگيری صفحه ٤٦٨ جلد١) (٢) وان راجعها بلفظ التزويج جاز عند محمد رحمه الله تعالى وعليه الفتوى وكذا اذا تزوجها صار مراجعا لها هو المختار كذا في الجوهرة النيرة ولو قال لها نكحتك كان رجعة في الظاهر الرواية (عالمگيری صفحه ٤٦٩ جلد١)

(٣) النظر الى داخل فرجها بشهوة رجعة كذا في فتح القدير ولا يكون بالنظر الى شئ من بدنها سوى الفرج رجعة كذا في التبيين كل ما تثبت به حرمة المصاهرة تثبت به الرجعة كذا في التتارخانية ويكره التقبيل واللمس بغير شهوة اذ لم يرد به المراجعة الخ اذا كان اللمس والنظر من غير شهوة لم يكن رجعة بالاجماع (عالم گيری صفحه ٤٦٩ جلد١)

کی تو اس سے رجعت متحقق ہو جائے گی۔ مگر دبر کی طرف شہوت کیساتھ دیکھنے سے رجعت ثابت نہیں ہو گی۔[1]

مجبوری، غلطی، مذاق اور حالت جنون کی رجعت کا حکم

اگر مرد نے کسی کے مجبور کرنے کی وجہ سے رجعت کی اسی طرح ہنسی مذاق، کھیل کود، یا غلطی سے رجعت کی تو نکاح کی طرح رجعت بھی درست ہو جائے گی مگر مجنون اور پاگل کی رجعت فعلاً ہی معتبر ہوگی قولاً نہیں۔[2]

شرط پر معلق کر کے رجعت

اگر کوئی شخص کسی شرط کیساتھ رجعت کرے مثلاً شوہر یوں کہے کہ اگر تم کل آگئی تو میں تم سے رجعت کرلونگا یا میں تم سے اس شرط پر رجعت کرتا ہوں کہ تم گھر میں داخل ہو جاؤ یا میں اس شرط پر رجعت کرتا ہوں کہ تم میری مرضی کے مطابق ہر کام کرو گی تو اس طرح رجعت کرنے سے رجعت درست نہیں ہو گی۔[3]

مہر کی زیادتی کے شرط پر رجعت

اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ میں تم سے ایک ہزار مہر کے بدلے میں رجوع کرتا ہوں تو یہ رجعت عورت کے قبول کرنے پر موقوف رہے گی اگر اس نے اس مہر کی زیادتی کو قبول کر لیا تو رجعت درست ہو گی ورنہ درست نہیں ہو گی۔[4]

عورت کی طرف سے رجعت کی صورت

اگر عورت کی طرف سے رجعت بالقول پائی جائے مثلاً وہ یہ ہے کہ وہ شوہر

---

(۱) وان نظر الی دبرھا بشھوۃ لایکون رجعۃ اجماعاً کذا فی الجوھرۃ النیرۃ اختلفوا فی الوطئ فی الدبر قیل انہ لیس برجعۃ والیہ اشار القدوری والفتوی علی انہ رجعۃ (عالمگیری صفحہ ۴٦۹ تا ۴۷۰ جلد۱) (۲) رجعۃ المجنون بالفعل ولا تصح بالقول کذا فی فتح القدیر وتصح الرجعۃ مع الاکراہ والھزل واللعب والخطا کالنکاح (عالمگیری صفحہ ۴۷۰ جلد۱)
(۳) ولایجوز تعلیق الرجعۃ بالشرط بان یقول اذا جاء غد فقد راجعتک واذا دخلت الدار واذا فعلت کذا فھذا لایکون رجعۃ اجماعا کذا فی الجوھرۃ النیرۃ (عالمگیری صفحہ ۱۷۰ جلد۱)
(۴) ولو قال راجعتک بمھر الف درھم ان قبلت المرأۃ ذلک صح والا فلا لان ھذہ زیادۃ فی المھر فیشترط قبولھا وھذا بمنزلہ مالو جدد النکاح (عالمگیری صفحہ ۴٦۹ جلد۱)

سے یوں کہے کہ میں تم سے رجعت کرتی ہوں تو یہ رجعت درست نہیں ہوگی البتہ اس کی طرف سے رجعت بالفعل معتبر ہوتی ہے جبکہ مرد کو اس کا علم ہو اور اس سے منع نہ کرے اور شہوت کی تصدیق بھی کردے جیسے عورت نے مرد کو چھوا، یا بوسہ لیا، یا اپنی شرمگاہ کا اندرونی حصہ دکھایا اور مرد کو اس سے شہوت پیدا ہوئی اور اس نے اس کی تصدیق بھی کردی تو رجعت درست ہو جائے گی اور اگر مرد نے شہوت کا انکار کر دیا تو پھر رجعت ثابت نہیں ہوگی۔[1]

حالت نوم میں رجعت

رجعت بالفعل ہر حالت میں ثابت ہو جاتی ہے خواہ بیداری کی حالت میں ہو یا نوم کی حالت میں خواہ مرد کی طرف سے فعل کا صدور ہو یا عورت کی طرف سے چنانچہ اگر عورت سو رہی تھی مرد نے بوسہ لے لیا، چھو لیا، جماع کر لیا یا مرد سو رہا تھا عورت نے چھو لیا، بوسہ لے لیا یا مرد کا آلۂ تناسل اپنی شرمگاہ میں داخل کر لیا اور یہ تمام چیزیں شہوت کیساتھ پائی گئیں ہوں تو رجعت ثابت ہو جائے گی بشرطیکہ شہوت کا اقرار مرد نے بھی کر لیا ہو اگر اقرار نہیں کرتا ہے تو پھر رجعت ثابت نہیں ہوگی۔[2]

طلاق رجعی کی عدت میں مرد وعورت کا باہمی برتاؤ کیا ہونا چاہیے

جب عورت کو طلاق رجعی مل گئی (خواہ خود اسی کی غلطی سے طلاق دی گئی ہو یا اس میں مرد کا قصور ہو) تو اب وہ ایسا کوئی کام نہ کرے کہ تعلقات میں مزید کشیدگی پیدا ہو جائے بلکہ عدت کی مدت مکمل ہونے تک شوہر کیساتھ اس طرح سے پیش آئے کہ شوہر کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لے کھنچاؤ ختم ہو کر تعلقات پھر سے ہموار ہو جائے اسی وجہ سے فقہاء نے عورت کیلئے مستحب قرار دیا ہے کہ وہ طلاق رجعی

(۱) ولا فرق بين كون القبلة والنظر واللمس منها او منه في كونه رجعة اذا كان ما صدر منها بعلمه ولم يمنعها اتفاقا الخ تثبت الرجعة هذا اذا صدقها الزوج في الشهوة فان انكر لاتثبت الرجعة ولو قالت للزوج راجعتك لم يصح (عالمگیری صفحہ ۴۶۹ جلد۱)

(۲) اذا أدخلت فرجه في فرجها وهو نائم او مجنون كان رجعة اتفاقا كذا في فتح القدير (عالم گیری صفحہ ۴۶۹ جلد۱)

کی عدت میں شوہر کے سامنے زیب وزینت اور بناؤ سنگار کر کے آدے اور اس کو مائل کرنے کی کوشش کرے کیونکہ اس کا نکاح اب تک قائم ہے طلاق رجعی کیوجہ سے صرف کمزور ہو گیا ہے اس لئے اس کو از سر نو مضبوط کرنے کی فکر کرے اور شوہر کیلئے بھی مناسب ہے کہ وہ اپنے کیئے ہوئے فیصلے میں غور کرے اور گزشتہ تعلقات و محبت کا دل میں خیال پیدا کر کے پھر سے ازدواجی زندگی خوشگوار بنائے کیونکہ اس رشتۂ نکاح کو ختم کر کے وہ جو دوسری شادی کریگا تو ضروری نہیں کہ اس کی دوسری بیوی اس کی خواہش کے مطابق ہی نکلے ہو سکتا ہے کہ دوسری بیوی اس سے بھی زیادہ بد مزاج اور بد اخلاق آجائے جو اس کے گھر کو آباد کرنے کے بجائے برباد کر دے اس کی زندگی خوشگوار ہونے کے بجائے جہنم کا نمونہ بن کر رہ جائے۔

مسئلہ:- اگر شوہر نے بالکل حتمی فیصلہ چھوڑنے کا ہی کر لیا ہے کہ یہ رشتہ ہم سے نہیں نبھ سکے گا تو پھر وہ اس عورت سے بالکل الگ تھلگ رہے اس عورت کیساتھ ایسا ہی طرز عمل اختیار کیا جائے جیسا کہ غیر محرم عورت کیساتھ ہوتا ہے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ وقتی زیب وزینت اور دل فریب نمائش سے مرعوب ہو کر رجعت تو کر لے مگر اپنے عزم اور فیصلے کے مطابق پھر طلاق دیدے تو خواہ مخواہ عورت کی عدت بڑھ جائے گی۔ لہٰذا گھر میں جائے تو اطلاع دیکر جائے اپنے جوتے کی آواز سنا دے یا کھنکار لے تاکہ عورت پردہ کر لے اور عورت کے ہاتھ اور چہرہ کے علاوہ کسی چیز پر نظر نہ ڈالے۔ اور عورت عدت مکمل کرنے کے بعد فوراً شوہر کے گھر کو چھوڑ دے اور شوہر سے پردہ کرنا شروع کر دے۔[1]

بغیر رجعت کے عورت کو سفر میں لیجانا

اگر مطلقہ رجعیہ سے رجعت نہیں کی گئی ہے تو عدت کے دوران بھی اس کو

---

(۱) والمطلقة الرجعية تتشرف وتتزين لانها حلال للزوج اذ النكاح قائم بينهما ثم الرجعة مستحبة والتزين حامل عليها فيكون مشروعا يستحب لزوجها ان لا يدخل عليها حتى يؤذنها او يسمعها خفق نعليه معناه اذا لم تكن من قصده المراجعة لانها ربما تكون مجردة فيقع بصره على موضع يصير به مراجعا ثم يطلقها فتطول عليها العدة (هدایہ صفحہ ۳۹۸،۳۹۹ جلد ۲)

سفر میں لیجانا درست نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے اور عورت کے لئے بھی جانا صحیح نہیں اور اگر مرد نے رجعت تو کرلی ہے مگر اس پر گواہ نہیں بنایا ہے تو بھی درست نہیں کہ عورت کو اپنے ساتھ سفر میں لیجائے۔ ۱

طلاق رجعی میں کب تک رجوع کیا جاسکتا ہے

مطلقہ رجعیہ سے دوران عدت رجوع کیا جاسکتا ہے۔ عدت کے لحاظ سے مطلقہ کی تین قسمیں ہیں۔ حائضہ، وہ عورت ہے جس کو ایام آتے ہوں اور اس کی عدت کے تینوں حیض کے دوران رجوع کیا جاسکتا ہے۔ اگر طلاق رجعی کے بعد دوران عدت رجوع نہیں کیا گیا یہاں تک کہ تینوں حیض کا زمانہ گزر گیا تو اب رجعت کا اختیار مرد کے ہاتھ سے نکل گیا۔

مسئلہ: اگر تیسرا حیض پورے دس دن آیا اور پھر عورت پاک ہوگئی تو خون بند ہوتے ہی یا خون بند تو نہ ہوا مگر عادت کے مطابق دس دن گزر گئے۔ تو عدت پوری ہوکر عورت نکاح سے نکل کر بائنہ ہوجائے گی خواہ دس دن مکمل ہونے کے بعد غسل کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

اور اگر تیسرا حیض دس دن سے کم ہی آکر بند ہوگیا۔ تو اگر عورت نے اب تک غسل نہیں کیا اور نہ کوئی نماز اس کے اوپر واجب ہوئی ہے تو اب بھی مرد کا اختیار باقی ہے وہ رجوع کرکے بیوی کو لوٹا سکتا ہے ہاں اگر خون بند ہونے پر عورت نے غسل کرلیا یا ایک نماز کا وقت گذر گیا کہ نماز اس کے اوپر قضاء ہوگئی تو ان دونوں صورتوں میں مرد کا اختیار ختم ہوجائے گا اور بغیر نکاح کے عورت کو واپس نہیں کرسکے گا۔ ۲

اگر عورت تین حیض گزار لینے کا دعویٰ کرے

شوہر نے مطلقہ رجعیہ سے کہا کہ میں تم سے رجوع کرتا ہوں اس پر عورت نے فوراً کہا کہ میں نے اپنی عدت گزار لی ہے۔ تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر عورت کا یہ

---

(۱) ولیس له ان یسافر بها حتی یشهد علی رجعتها (عالمگیری صفحه ۴۷۲ جلد۱)

(۲) وتنقطع الرجعة ان حکم بخروجها من الحیضة الثالثة ان کانت حرة والثلثیة ان کانت امة لتمام عشرة ایام مطلقا وان لم ینقطع الدم کذا فی البحر الرائق وان انقطع لاقل من عشرة ایام ولم تنقطع حتی تغتسل او یمضی علیها وقت صلوة (عالمگیری صفحه ۴۷۱ جلد۱)

دعویٰ اس وقت ہے جبکہ اتنی مدت میں عدت گزر جانے کا احتمال ہے تو قسم کیساتھ عورت کے قول کا اعتبار ہوگا اور رجعت کرنا درست نہیں ہوگا مگر شرط یہ ہے کہ شوہر کی رجعت کے فوراً بعد دعویٰ کرے اگر قلیل وقفہ کیساتھ بھی دعویٰ کیا تو اس کا قول معتبر نہیں ہوگا۔ اور اگر اتنی کم مدت میں تین حیض کے گزرنے کا دعویٰ کرتی ہے کہ اس کا امکان ہی نہیں تو پھر عورت کے قول کا اعتبار نہیں ہوگا اور رجعت صحیح ہو جائے گی۔[1]

مدت حمل میں رجعت

مطلقہ رجعیہ اگر حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے جب تک ولادت نہ ہو جائے رجوع کیا جاسکتا ہے ولادت ہوتے ہی عدت پوری ہو جائے گی اگرچہ طلاق کے فوراً بعد پیدائش ہو گئی ہو ارشاد باری ہے کہ:

وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ[2]

اور حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ ان کو وضع حمل ہو جائے۔

اسقاط حمل سے رجعت

اگر حمل ساقط کرایا یا خود بخود ساقط ہو گیا تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) اگر حمل کے کچھ اعضاء ظاہر ہو گئے ہوں تو عدت پوری ہو جائے گی۔ (۲) اگر اعضاء وغیرہ ظاہر نہ ہوئے ہوں تو ایسے اسقاط سے عدت پوری نہیں ہوگی اس لئے رجعت درست ہوگی۔[3] (باقی مسائل عدت کے بیان میں آئیں گے)

(۱) لو قال لها راجعتك فقالت المرأة موصولا بكلام الزوج انقضت عدتي لم تصح الرجعة الخ هذا مقيد بما اذا كانت المدة تحتمل الانقضاء فلو لم تحتمله تثبت الرجعة كذا في النهر الفائق وتستحلف المرأة هنا بالاجماع على ان عدتها كانت منقضية حال اخبارها كذا في فتح القدير اجمعوا على انها اذا سكتت ساعة ثم قالت انقضت عدتي تصح الرجعة (عالمگیری صفحه ۴۷۰ جلد۱) (۲) سورة الطلاق آیت

(۳) واذا أسقطت سقطا ان استبان بعض خلقه انقضت به العدة لانه ولد والا فلا (شامی صفحه ۱۹۰ جلد ۵ باب العدت)

عورت اگر ولادت سے فراغت کا دعویٰ کرے

اگر عورت یہ دعویٰ کرے کہ ولادت ہو کر ہماری عدت پوری ہو چکی ہے تو اس کا قول بینہ کے ذریعہ معتبر ہوگا اگر بینہ سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ حقیقت میں عورت نے ایسے بچہ کو جن دیا ہے جس کے بعض اعضاء ظاہر ہو چکے تھے تو عدت پوری ہو جائے گی اور رجعت کا اختیار ختم ہو جائے گا۔[1]

غیر حائضہ اور غیر حاملہ کی عدت

اگر عورت کو نہ حیض آتا ہے اور نہ حمل ہے یعنی آئسہ ہے تو اس کی عدت تین ماہ ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے:

وَالّٰئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَاءِ کُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُھُنَّ ثَلٰثَۃُ اَشْھُرٍ وَّالّٰئِیْ لَمْ یَحِضْنَ [2]

اور تمہاری وہ عورتیں جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں تو ان کے معاملہ میں اگر تم کو کوئی شک ہے (تو جان لو) کہ انکی عدت مکمل تین مہینے ہیں اور یہی حکم ان عورتوں کا ہے جنہیں ابھی حیض نہ آتا ہو۔

لہٰذا آئسہ عورت سے طلاق رجعی میں تین ماہ کے اندر اندر رجعت کرنا ضروری ہے تین ماہ مکمل ہونے کے بعد رجعت درست نہیں ہوگی۔

طلاق بائن

بائن بینونت سے ہے بمعنی جدا کرنا، علیحدہ کرنا، فقہاء کی اصطلاح میں طلاق بائن وہ کہلاتی ہے جس کے ذریعہ بیوی بائنہ ہو کر زوجیت سے نکل جاتی ہے اور اس کے اندر رجعت کی گنجائش نہیں رہتی بلکہ ازدواجی تعلق پھر سے بحال کرنے کے لئے تجدید نکاح کی ضرورت پڑتی ہے طلاق کے باب میں طلاق بائن اور کنایات کو بڑی

(۱) ولو قالت انقضت العدة بالولادة لایقبل الا ببینة او اسقطت سقطا مستبین بعض الخلق فللزوج ان یطلب یمینها علی انها اسقطت بهذه الصفة بالاتفاق (عالمگیری صفحه ٤٧١ جلد۱) (۲) سورة الطلاق آیت ٤

اہمیت حاصل ہے اسی لئے فقہاء نے ان کی تمام کلیات وجزئیات کو نہایت ہی احتیاط سے بیان کیا ہے جو متعدد کتب فقہ میں پھیلی ہوئی ہیں جن کی قدرے تفصیل اس طرح ہے اولاً یوں سمجھئے کہ بائن کی دو قسمیں ہیں۔(۱) طلاق بائن خفیفہ۔(۲) طلاق بائن غلیظہ۔ عام طور سے پہلی ہی قسم کو طلاق بائن کہا جاتا ہے اور دوسری قسم کو طلاق مغلظہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ پھر طلاق بائن خفیفہ ہونے کی تقریباً سات صورتیں ہیں۔(۱) الفاظ صریح کے ذریعہ طلاق بائن (۲) الفاظ کنایہ کے ذریعہ طلاق بائن (۳) غیر مدخولہ کو کسی بھی لفظ سے طلاق۔ طلاق بائن ہے۔(۴) طلاق رجعی میں رجعت نہ کرنے سے طلاق بائن۔(۵) خلع اور طلاق بالعوض سے طلاق بائن۔(۶) ایلاء کی مدت پوری ہونے سے طلاق بائن۔(۷) فسخ نکاح سے طلاق بائن۔

صریح الفاظ کے ذریعہ طلاق بائن

طلاق رجعی کے بیان میں گزر چکا ہے کہ کبھی صاف اور صریح لفظ طلاق سے بھی عورت بائن ہو جاتی ہے اس کی مختلف صورتیں ہیں۔(۱) مرد نے عورت کو صاف لفظ طلاق سے ایک یا دو ہی طلاق دی مگر اس کے ساتھ بائن یا بائنہ کا لفظ بڑھا دیا مثلاً مرد نے کہا کہ میں نے تجھے ایک یا دو طلاق بائن یا بائنہ دی۔(۲) الفاظ صریحہ کو دوسرے الفاظ سے مؤکد کر دیا مثلاً کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھ کو سخت طلاق یا لمبی چوڑی طلاق یا فحش طلاق یا خبیث طلاق دی۔ تو ان صورتوں میں طلاق بائن بغیر نیت کے ہی واقع ہو جائے گی اور ایک یا دو کی نیت سے ایک طلاق اور تین کی نیت سے تین طلاقیں واقع ہوں گی۔[۱]

(۳) ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاق رجعی دی پھر عدت کے دوران

---

(۱) وبانت طالق بائن او انت طالق اشد الطلاق او افحشه اواخبثه اوطلاق الشيطان او البدعة او كالجبل او كالف او ملأ البيت او تطليقة شديدة او طويلة او عريضة بلا نية ثلاث واحدة بائنة ومعها ثلث قوله بلا نية ثلث يشمل ما اذا لم ينو عددا او نوى واحدة اوثنتين (شرح الوقایہ صفحہ ۷۴۔ ۷۵ جلد۲)

کہدیا کہ میں اب رجوع کرنے والا نہیں ہوں تو کسی دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے اسی طرح کسی اور جملہ سے طلاق رجعی کو مؤکد کردیا تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس نے بعد والے جملے سے مستقل طلاق کی نیت نہیں کی ہے تو پہلے دی ہوئی طلاق رجعی بائن ہو جائے گی اور رجوع کا حق ختم ہو جائے گا۔ اور اگر بعد والے جملہ سے مستقل طلاق کی نیت کی ہے تو پہلے دی ہوئی ایک طلاق کیساتھ یہ بعد والی طلاق بھی ملکر دونوں طلاق بائن ہو جائے گی اب بغیر نکاح کے عورت حلال نہیں ہوگی۔ اور اگر پہلے دو طلاق دیدی تھی تو بعد والی اس طلاق سے عورت مغلظہ ثلاثہ ہو جائے گی اب تو بغیر حلالہ کے کوئی صورت نہیں۔ [1]

الفاظ کنایہ سے طلاق بائن

طلاق بائن کی دوسری صورت الفاظ کنایہ کے ذریعہ طلاق دینا ہے اور کنایہ ہر وہ لفظ ہے جو محض طلاق کیلئے نہ ہو بلکہ طلاق اور غیر طلاق دونوں کا احتمال رکھتا ہو الفاظ کنایہ سے طلاق واقع ہونے کیلئے دو چیزوں میں سے ایک کا پایا جانا ضروری ہے۔ (۱) طلاق کی نیت ہو (۲) یا ایسے حالات اور قرائن ہوں جن سے طلاق دینا معلوم ہوتا ہو۔ [2]

دلالت حال اور الفاظ کنایہ کی قسمیں

طلاق بائن کے کنایات کے باب میں دلالت حال کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے کنایات سے وقوع طلاق کیلئے نیت ضروری ہے مگر کبھی حالات اور سچویشن کو نیت کے قائم مقام قرار دیکر بغیر نیت کے قضاءً طلاق واقع کردی جاتی ہے۔ اس

(۱) لو قال لامرأته انت طالق ثم قال للناس زن من برمن حرام است وعنى به الاول اولانية له فقد جعل الرجعي بائنا وان عنى به الابتداء فهى طالق اخر بائن (خلاصة الفتاوى ۸۶ ج۲ بحواله فتاوى رحيميه صفحه ۲۰۸ جلد۵)

(۲) ولما الضرب الثاني وهو الكنايات لا يقع بها الطلاق الا بالنية او بدلالة الحال لأنها غير موضوعة للطلاق بل تحتمله وغيره فلا بد من التعيين او دلالته (هدايه على فتح القدير ص ۲۹۷ تا ۲۹۸ ج۳

لئے الفاظ کنایہ کو بیان کرنے سے قبل حالات اور الفاظ کنایہ کی قسمیں بیان کر دینا مناسب ہے تو سمجھئے کہ دلالت حال کی تین قسمیں ہیں۔(۱)حالۃ الرضاء۔ یعنی مرد اور عورت کے مابین طلاق کا کوئی ذکر نہ ہو اور نہ کسی طرح کا غصہ اور ناراضگی کی بات ہو بلکہ میاں بیوی دونوں معتدل و سنجیدہ ہوں تو اسی کو حالت مُطْلَقہ اور حالت اعتدال بھی کہتے ہیں۔(۲)حالۃ مذاکرہ للطلاق: یعنی زوجین کے مابین اس وقت طلاق کے موضوع پر گفتگو ہو رہی ہو مگر مرد کو غصہ نہ آیا ہو۔(۳)حالۃ الغضب دونوں میں کشیدگی کی حالت ہو نزاع اور جھگڑے پھیلے ہوئے ہوں اور مرد غصہ کی حالت میں ہو۔

اسی طرح الفاظ کنایہ کی بھی تین قسمیں ہیں۔(۱)ما یصلح جواباً ورداً یعنی اگر عورت نے طلاق مانگی تو مرد نے جس لفظ سے جواب دیا وہ عورت کے مطالبہ کی تردید اور جواب دونوں کا احتمال رکھتا ہو اور وہ الفاظ جو دونوں کا احتمال رکھتے ہوں یہ ہیں (اذھبی) چلی جا (اخرجی) نکل جا (تقنعی) پردہ کر لے (قومی) اٹھ کھڑی ہو (تخمری) اوڑھنی سے منھ ڈھانک لے (۲) ما یصلح جوابا وشتما یعنی دوسری قسم کے وہ الفاظ جو جواب بھی ہو سکتے ہیں اور سخت گوئی اور گالی بھی۔ جیسے عورت نے کوئی بات کہی مرد نے اس کا جواب دیا اور جس بات سے جواب دیا وہ جواب طلاق اور گالی کا بھی احتمال رکھتا ہے وہ الفاظ یہ ہیں (خلیة) تو خالی ہے (بریّہ) تو سبکدوش ہے (بتۃ) (تو منقطع ہے (بتلة) تو علیحدہ ہے (بائن) تو جدا ہونے والی ہے (حرام) تو حرام ہے۔(۳)ما یصلح جوابا لاردا۔ تیسری قسم کے الفاظ وہ ہیں جن سے جواب تو ہو سکتا ہے مگر رد نہیں ہو سکتا وہ یہ ہیں۔ (اعتدی) تو عدت گذار لے (امرك بیدك) تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے (اختاری) تو اختیار کر لے۔

ان تینوں قسم کے الفاظ کنایہ کا حکم یہ ہے کہ اگر شوہر نے ان الفاظ کا تکلم

حالت رضاء میں کیا ہے تو بغیر نیت کے ان الفاظ میں سے کسی سے طلاق واقع نہ ہوگی البتہ نیت کر لینے سے طلاق بائن واقع ہوگی اور اگر شوہر نے غصہ اور غضب کی حالت میں ان تینوں قسموں میں سے کسی کا استعمال کیا ہے تو پہلی دو قسم کے الفاظ (ما یصلح جواباً ورداً، وما یصلح جواباً وشتماً) نیت پر موقوف رہیں گے نیت سے طلاق ہوگی ورنہ نہیں۔

اور تیسری قسم کے الفاظ (مایصلح جواباً لا رداً) سے بلا نیت بھی طلاق واقع ہو جائے گی۔

اور اگر شوہر نے ان الفاظ کو مذاکرۂ طلاق کے وقت استعمال کیا ہے تو پہلی قسم کے الفاظ (مایصلح جواباً ورداً) نیت پر موقوف رہیں گے طلاق کی نیت سے طلاق ہوگی ورنہ نہیں اور دوسری تیسری قسم کے الفاظ (ما یصلح جواباً وشتماً اور مایصلح جواباً لا رداً) سے بغیر نیت کے طلاق واقع ہو جائے گی۔[1]

وہ الفاظ کنایہ جن سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے

الفاظ کنایہ مختلف ہیں جن کو شرح الوقایہ۔ اور فتاوی عالمگیری وغیرہ کتب میں نوٹ کیا گیا ہے۔ جیسے شوہر بیوی کو مخاطب کر کے یوں کہے کہ تو جدا ہونے والی ہے، تو منقطع ہے، تو علیحدہ ہے، تو حرام ہے، تو خالی ہے، تو سبکدوش ہے، تیری رسی تیرے گردن پر ہے، اپنے گھر والوں سے مل جا، میں نے تجھے تیرے گھر والوں کیلئے بخشدیا،

---

(۱) ثم الكنايات ثلاثة اقسام (مايصلح جوابا لا غير) امرك بيدك اختاری اعتدی (مايصلح جوابا وردا لا غير) اخرجي اذهبي اعزبي قومي تقنعي لستتری تخمری (وما يصلح جوابا وشتما) خلية برية بتة بتلة بائن حرام والاحوال ثلاثة حالة الرضا وحالة مذاكرة الطلاق بان تسأل هي طلاقها او غيرها يسأل طلاقها وحالة الغضب ففي حالة الرضا لايقع الطلاق في الالفاظ كلها الا بالنية والقول قول الزوج في ترك النية مع اليمين وفي حالة مذاكرة الطلاق يقع الطلاق في سائر الاقسام قضاءً الا فيما يصلح جواباً وردا فانه لا يجعل طلاق كذا في الكافي وفي حالة الغضب يصدق في جميع ذلك لاحتمال الرد والسب الا فيما يصلح للطلاق ولا يصلح للرد والشتم كقوله اعتدي واختاری وامرك بيدك فانه لا يصدق فيها كذا في الهداية (عالمگیری صفحه ۳۷۴-۳۷۵ جلد ۱)

میں نے تجھ کو رخصت کیا، میں نے تجھ کو جدا کر دیا، تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے، تو آزاد ہے، گھونگھٹ کر لے، اوڑھنی سے اپنے آپ کو ڈھانپ لے، تو پردہ کر لے، مجھ سے دور ہو، تو نکل جا، تو چلی جا، تو اُٹھ کھڑی ہو، دوسرا خاوند تلاش کر لے، تو ان الفاظ میں سے ہر ایک سے ایک طلاق بائن پڑ جائے گی اگر ایک یا دو طلاق کی نیت کی ہے تو ایک واقع ہوگی۔ اور اگر تین کی نیت کی ہے تو تین واقع ہوگی۔ اگر کسی نے اپنی بیوی سے تین بار کہا (اعتدی) عدت میں بیٹھ جا اس کے بعد کہتا ہے کہ اول اعتدی سے طلاق کی نیت تھی اور دوسرے اور تیسرے اعتدی سے حیض کی نیت تھی تو تصدیق کر دی جائے گی اور اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی (کما مر فی الرجعی) اور اگر مرد یوں کہتا ہے کہ اخیر کے دو سے کچھ نیت نہیں تھی تو تین طلاقیں پڑ جائیں گی۔ [1]

طلاق بائن واقع ہونے کے مختلف جملے

اوپر طلاق بائن واقع ہونے کے ضابطے اور اس کے وقوع کی مختلف صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ ذیل میں فتاویٰ کی مختلف کتابوں سے اس کی دیگر اور صورتیں خلاصہ کے طور پر ذکر کی جاتی ہیں۔ اگر کسی نے اپنی بیوی کے متعلق کہا کہ اس کی مجھ کو کوئی ضرورت نہیں تو طلاق کی نیت سے طلاق واقع ہوگی ورنہ نہیں۔ (۲) کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے تم کو چھوڑ دیا۔ تو اس سلسلے میں طلاق رجعی میں گذر چکا ہے کہ حضرت مفتی محمود صاحبؒ اس سے طلاق رجعی کے قائل ہیں۔ مگر بعض حضرات کے نزدیک اس سے طلاق بائن واقع ہوگی۔ جیسا کہ دارالعلوم دیوبند کے فتویٰ میں ہے۔ (۳) کسی نے اپنی بیوی سے تین دفعہ لفظ چھوڑا کہا تو اس سے ایک ہی طلاق واقع ہوگی کیونکہ طلاق بائن کے بعد بائن نہیں واقع

---

(۱) وبہلتیہا کلفت بائن بتة بتلة حرام خلیة بریة حبلك علی غاربك الحقی باهلك وهبتك لاهلك سرّحتك فارقتك امرك بیدك انت حرة تقنعی تخمری استتری اغربی لخرجی اذهبی قومی ابتغی الازواج تقع واحدة بائنة ان نواها او ثنتین وثلث ان نواه وفی اعتدی ثلث مرات لو نوی بالاول طلاقا وبغیره حیضا صدق وان لم ینو بغیره شیئا فثلث (شرح الوقایہ صفحہ۷۷تا ۷۸ جلد۲)

ہوتی۔(۴)اگر بیوی سے کہا کہ ہم کو منہ نہ دکھانا ہم سے تمہارا کوئی تعلق نہیں۔تو طلاق کی نیت سے طلاق بائن ہوگی ورنہ نہیں۔(۵)اگر بیوی سے کہا کہ مجھے تجھ سے کوئی واسطہ نہیں۔تو طلاق کی نیت سے طلاق بائن ہوگی۔(۶)اگر شوہر نے کہا کہ نہ میں تیرا خاوند نہ تو میری بیوی۔تو طلاق کی نیت سے طلاق بائن ہوگی۔(۷)اگر شوہر نے کہا جہاں تیرا جی چاہے چلی جا۔تو بنیتِ طلاق طلاق بائن ہوگی۔(۸) اگر شوہر نے کہا کہ تو مجھ پر حرام ہے یا میں نے تم کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے۔تو طلاق کی نیت سے طلاق بائن ہوگی۔(۹) عورت نے شوہر کو لکھا کہ اگر تم نے باضابطہ طلاق روانہ نہ کیا تو میں نکاح کر لونگی شوہر نے کہا کرنا ہو تو کرلو۔تو یہ لفظ کنایہ ہے طلاق کی نیت سے طلاق بائن ہوگی۔(۱۰)اگر شوہر نے بیوی سے کہا تو میری زوجیت سے باہر ہوگئی۔تو طلاق کی نیت سے طلاق بائن ہوگی۔(۱۱)اگر شوہر نے کہا کہ تجھ کو رکھوں تو بہن یا ماں کو رکھوں۔تو طلاق کی نیت سے طلاق بائن ہوگی۔ (۱۲)اگر بیوی سے کہا کہ جس جگہ چاہو نکاح کرلو۔تو طلاق کی نیت سے طلاق بائن ہوگی۔ (۱۳)اگر بیوی سے کہا تو میرے کام کی نہیں مجھے ہندہ سے کوئی سروکار نہیں۔تو نیت طلاق سے طلاق بائن ہوگی۔(۱۴)اگر شوہر نے بیوی سے کہا کہ میں نے تم کو اپنی زوجیت سے علیحدہ کر دیا۔تو بنیتِ طلاق۔طلاق بائن ہوگی۔(۱۵)اگر شوہر نے کہا کہ ہم کو تیری ضرورت نہیں۔تو نیت طلاق سے طلاق بائن ہوگی۔ (۱۶) شوہر نے بیوی کے متعلق کہا کہ میں اس سے مطلب نہیں رکھتا۔تو بنیتِ طلاق طلاق بائن ہوگی۔(۱۷)شوہر نے بیوی کے متعلق کہا کہ میری طبیعت اس کی طرف سے صاف نہیں۔تو بنیتِ طلاق۔طلاق بائن ہوگی۔(۱۸) شوہر نے بیوی کے متعلق کہا کہ میں اس کو نہیں رکھتا یہ میرے لائق نہیں۔تو بنیتِ طلاق۔طلاق بائن ہوگی۔(۱۹) بیوی سے کہا کہ تو میری بیوی نہیں۔بنیتِ طلاق۔طلاق بائن ہوگی۔(۲۰) بیوی سے کہا کہ تو مجھ سے بے تعلق ہوگئی۔تو بنیتِ طلاق۔طلاق

بائن ہو گی۔(۲۱) بیوی سے کہادوسرا شوہر کر لو۔ تو بنیتِ طلاق۔ طلاق بائن ہو گی۔ (۲۲) جادور ہو، چلی جا۔ تو بنیتِ طلاق۔ طلاق بائن ہو گی(۲۳) بیوی سے کہایا بیوی کے متعلق کسی سے کہاکہ اب اس سے تعلق رکھنا منظور نہیں۔ تو طلاق کی نیت سے طلاق بائن ہو گی۔(۲۴) داماد نے خسر سے کہا کہ میری طرف سے اجازت ہے جہاں چاہیں اپنی لڑکی کا نکاح کر دیں۔ تو بنیتِ طلاق۔ طلاق بائن ہو گی۔(۲۵) شوہر نے بیوی سے تین دفعہ کہاکہ میں نے تم کو آزاد کر دیا۔ تو طلاق کی نیت سے ایک طلاق بائن واقع ہو گی۔(۲۶) شوہر نے کہا کہ ہم دونوں فریق کے درمیان آئندہ کوئی قصہ زوجیت باقی نہیں رہا۔ تو بنیتِ طلاق یا دلالۃ حال سے طلاق ہو گی ورنہ نہیں۔(۲۷) میری طرف سے اس کو جواب ہے۔ تو بنیتِ طلاق۔ طلاق بائن ہو گی۔(۲۸) خسر سے کہاکہ اپنی بیٹی کو لیجا جہاں چاہے نکاح کر دے میری طرف سے طلاق ہے۔ تو اس سے طلاق بائن ہوئی۔(۲۹) میں نے اس کو اپنی زوجیت سے علیحدہ کر دیا۔ اس سے بنیتِ طلاق۔ طلاق بائن ہو گی۔(۳۰) بیوی سے پہلے کہا تو حرام پھر کہا طلاق۔ تو اس سے طلاق بائن واقع ہو گی۔(۳۱) بیوی سے آنے کو کہا بیوی نے منع کیا اس پر شوہر نے کہا اب تو جانے اور تیرا کام جانے۔ تو بنیتِ طلاق۔ طلاق بائن ہو گی۔(۳۲) بیوی سے کہا مجھ کو تیری زوجیت کا دعویٰ نہیں۔ تو بنیتِ طلاق۔ طلاق بائن ہو گی۔(۳۳) میں نے بیوی کو فارغ البال کر دیا۔ تو بنیتِ طلاق۔ طلاق بائن ہو گی۔(۳۴) میں اس کو اپنی عورت نہیں سمجھتا۔ تو بنیتِ طلاق۔ طلاق بائن ہو گی۔(۳۵) شوہر نے غصہ میں کہا تو آزاد ہے۔ تو اس سے ایک طلاق بائن ہو گی قضاءً نیت کا اعتبار نہیں ہو گا۔(۳۶) شوہر نے بیوی سے کہا کہ میں تیرے لائق نہیں جہاں چاہو نکاح کر لو۔ تو بنیتِ طلاق۔ طلاق بائن ہو گی۔(۳۷) میں نے تمہارا صفایا کر دیا۔ اس صورت میں طلاق کی نیت سے طلاق بائن ہو گی۔[1]

(۱) خلاصہ فتاوی دار العلوم دیوبند

(۳۸) بیوی کے متعلق کہا کہ یہ عورت بہنوئی کی ہے مجھ سے کوئی مطلب نہیں۔ تو بنیتِ طلاق۔ طلاق بائن ہو گی۔ (۳۹) تمہارا ہمارے ساتھ نکاح ٹوٹ گیا۔ تو اگر اس نے اس سے طلاق کی نیت کی ہے تو اس سے طلاق بائن واقع ہو گی۔ (۴۰) ہمارا تمہارا کوئی رشتہ نہیں۔ اس صورت میں طلاق کی نیت سے طلاق بائن ہو گی۔ (۴۱) داماد نے خسر کو لکھا کہ اگر اپنی بیٹی کو نصف دولت نہ دے تو دوسرے داماد کیلئے عدت شمار کرلے۔ تو طلاق کی نیت سے طلاق بائن ہو گی۔ (۴۲) بیوی سے کہا کہ میری طرف سے چوڑی توڑ لے۔ تو بنیتِ طلاق۔ طلاق بائن ہو گی۔ (۴۳) بیوی سے کہا کہ تم میری طرف سے بالکل ختم ہو۔ تو طلاق کی نیت سے طلاق واقع ہو جائے گی۔ (۴۴) جھگڑے کے موقع پر عورت نے طلاق کا مطالبہ کیا شوہر نے کہا جا میں نے جھگڑا صاف کر دیا۔ تو اگر طلاق کی نیت سے کہا ہے تو ایک طلاق بائن واقع ہو گی۔ (۴۵) شوہر نے کہا کہ اگر میں فلاں کام کروں تو تم کو طلاق ہے پھر اس کام کو کر لیا۔ تو بنیت طلاق۔ طلاق بائن ہو گی۔ (۴۶) مرد نے عمر قید میں ہوتے ہوئے عورت سے کہا کہ اب تجھ کو اجازت ہے میرے چھوٹے بھائی سے نکاح کر لینا۔ اس صورت میں اگر طلاق کی نیت ہے تو طلاق بائن ہو گی۔ (۴۷) بیوی سے کہا کہ تو میرے نکاح سے باہر ہے۔ تو طلاق کی نیت سے طلاق بائن ہو گی۔ (۴۸) بیوی کے متعلق کہا کہ میں نے اس کو الگ کر دیا۔ تو طلاق کی نیت سے طلاق بائن ہو گی۔ (۴۹) بیوی سے کہا کہ اب میں تم کو اپنی زوجیت سے الگ کرتا ہوں۔ تو طلاق کی نیت سے ایک طلاق بائن ہوئی۔ (۵۰) بیوی کے متعلق کسی نے کہا رکھو یا طلاق دو شوہر نے کہا مجھے نہیں رکھنی ہے۔ تو بنیتِ طلاق۔ طلاق بائن ہو گی۔ (۵۱) خسر نے داماد سے کہا بھائی کچھ کام کرو داماد نے کہا میرے بس کا کوئی کام نہیں تمہیں اپنی بیٹی کا اختیار ہے جہاں چاہو بھیج دو میں کہہ چلا۔ تو اس صورت میں طلاق کی نیت سے کہا ہے تو طلاق بائن ہو گی۔ (۵۲) بیوی سے کہا جاؤ ایک دو تین اس صورت میں اگر طلاق کی نیت کی

ہے تو طلاق مغلظہ ہو جائے گی اگر نیت نہیں تو کچھ نہیں ہو گا۔[۱] (۵۳) تو میرے نکاح میں نہ رہی۔ تو اس صورت میں بھی بنیت طلاق، طلاق بائن ہو گی۔[۲]

بعض وہ الفاظ جن سے طلاق ہو جاتی ہے اور بعض وہ الفاظ جن سے نہیں ہوتی

(۱) اگر مرد نے عورت سے کہا کہ میں نے تیری ذات کو تیرے بھائی یا تیرے ماموں یا تیرے چچا یا کسی اجنبی مرد کو ہبہ کر دیا۔ تو اس سے طلاق واقع نہیں ہو گی۔ (۲) شوہر نے بیوی سے کہا کہ میں نے تیری ذات کو تیرے گھر والوں کو ہبہ کر دیا یا تیرے باپ کو ہبہ کر دیا۔ تو اگر طلاق کی نیت ہے تو طلاق بائن واقع ہو گی۔ (۳) شوہر نے بیوی سے کہا کہ میرے اور تیرے درمیان کچھ باقی نہ رہا۔ تو چونکہ یہ طلاق کا لفظ نہیں ہے اس لئے اس سے طلاق واقع نہیں ہو گی۔ (۴) شوہر نے بیوی سے کہا کہ میرے اور تیرے درمیان کوئی کام باقی نہ رہا۔ تو طلاق کی نیت سے طلاق بائن ہو جائے گی۔ (۵) شوہر نے بیوی سے کہا کہ تیرے لئے چاروں راستے کھلے ہوئے ہیں۔ تو چونکہ یہ طلاق کا کلمہ نہیں اس سے طلاق واقع نہیں ہو گی۔ (۶) شوہر نے اگر یوں کہا کہ تیرے لئے چاروں راستے کھلے ہوئے ہیں ان میں سے جونسا راستہ چاہے اختیار کر لے۔ تو اگر اس سے طلاق کی نیت ہے تو طلاق ہو جائے گی شوہر نے کہا کہ میں نے اس سے طلاق مراد نہیں لی ہے تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔ (۷) شوہر نے بیوی سے کہا کہ (اذهبي الف مرة) چلی جا ایک ہزار مرتبہ۔ تو اگر طلاق کی نیت ہے تو تین طلاق واقع ہو گی ورنہ نہیں۔ (۸) شوہر نے کہا (اذهبي الى جهنم) تو جہنم میں چلی جا۔ تو طلاق کی نیت سے طلاق واقع ہو جائے گی ورنہ نہیں۔ (۹) مرد نے عورت سے کہا میں نے تیری طلاق کو بیچ دیا عورت نے کہا میں نے خرید لیا۔ تو اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہو گئی۔ (۱۰) شوہر نے کہا میں نے تیری طلاق کو تیرے مہر کے عوض بیچ دیا بیوی نے کہا میں نے خرید لیا۔ تو اس سے طلاق

(۱) خلاصہ فتاوی محمودیہ (۲) آپ کے مسائل اور ان کا حل

بائن واقع ہو گی۔ (۱۱) اگر شوہر نے اپنے نکاح کو فاسد گمان کر کے بیوی سے کہا کہ میں اس نکاح کو چھوڑ دیتا ہوں جو میرے اور تیرے درمیان ہے پھر بعد میں ظاہر ہوا کہ نکاح تو صحیح ہی ہوا تھا۔ تو اس سے طلاق واقع نہیں ہو گی۔ (۱۲) شوہر نے کہا کہ میں تجھ کو زوجیت سے بری کرتا ہوں۔ تو اس سے بغیر نیت کے بھی طلاق واقع ہو جائے گی۔ خواہ غصے کی حالت میں کہا ہو یا رضا کی حالت میں۔ (۱۳) بیوی نے شوہر سے کہا کہ میں تجھ سے بری ہوں شوہر نے بھی کہا میں بھی تجھ سے بری ہوں عورت نے کہا سوچ لو کیا کہتے ہو اس پر مرد نے کہا کہ میں نے طلاق کی نیت نہیں کی ہے۔ تو اس سے طلاق واقع نہیں ہو گی کیونکہ نیت کی نفی کر دی گئی۔ (۱۴) شوہر نے بیوی سے کہا کہ (صفحت عن طلاقك) میں نے تیری طلاق سے اعراض کیا تیری طلاق کو معاف کیا۔ تو اس سے طلاق واقع نہ ہو گی اگرچہ نیت کرے۔

قاعدہ: عالم گیری میں ان تمام مثالوں کو بیان کرنے کے بعد ایک ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ ہر وہ لفظ جو طلاق کا احتمال بالکل نہیں رکھتا اس سے طلاق واقع نہ ہو گی اگرچہ طلاق کی نیت کرے جیسے (بارك الله عليك) اللہ تجھ پر برکت نازل کرے۔ (اطعمینی) مجھے کھانا کھلاؤ (اسقینی) مجھے پانی پلاؤ۔ وغیرہ ذلک۔ [۱]

(۱) روی الحسن عن ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ تعالی لنه اذا قال وھبتك لاھلك او لا بیك او لامك او للازواج فھو طلاق اذا نوی وان قال وھبتك لاخیك او لخالك او لعمك او لفلان الاجنبی لم یكن طلاقا كذا فی السراج الوھاج ---- ولو قال لم یبق بینی بینك شئ ونوی به الطلاق لا یقع وفی الفتاوی لم یبق بینی وبینك عمل ونوی یقع... رجل قال لامرأته اربعة طرق علیك مفتوحة لایقع بھذا شئ وان نوی الا اذا قال خذی ای طریق شئت وقال نویت الطلاق ولوقال مانویت صدق.... وفی المنتقی لو قال لھا اذھبی الف مرة ونوی الطلاق یقع الثلاث وفی مجموع النوازل لو قال لھا اذھبی الی جھنم ونوی الطلاق یقع... ولو قال بعت طلاقك فقالت اشتریت فھو رجعی ولو قال بمھرك فھو بائن.... ظن الزوج ان نكاح امرأته وقع فاسدا فقال تركت ھذا النكاح الذی بینی وبین امرأتی فظھر ان نكاحھا كان صحیحا لا تطلق امرأته.... واذا قال لھا ابرأتك عن الزوجیة یقع الطلاق من غیر نیة وفی حالة الغضب وغیرہ كذا فی الذخیرة فی مجموع النوازل امرأة قالت لزوجھا انا بریئة منك فقال الزوج انا بری منك ایضا فقالت انظر ماذا تقول فقال ما نویت الطلاق لایقع الطلاق لعدم النیة كذا فی المحیط ولو قال صفحت عن طلاقك ونوی الطلاق لم تطلق وكذا كل لفظ لا یحتمل الطلاق لا یقع به الطلاق وان نوی مثل قوله بارك الله علیك او قال لھا اطعمینی او اسقینی ونحو ذلك (عالمگیری صفحه ۳۷٦ جلد۱)

بعض وہ الفاظ جو نہ صریح ہیں اور نہ کنایہ

(۱) اس کے ساتھ میرا نباہ دینا مشکل ہے۔ (۲) تیری ہی پیدا کہ میں تجھ کو گھر میں آنے دوں۔ (۳) کبھی میرے پاس نہ آنا۔ (۴) شوہر نے بیوی سے کہا کہ فلاں سے ہمبستر نہ ہونا باقی جس سے چاہو ہو (گالی ہے) (۵) بیوی سے کہنا کہ تجھ پر میرے گھر کا کھانا حرام ہے۔ (۶) میں نہ رکھنا چاہتا ہوں (صرف وعدہ ہے) (۷) ہم نہیں رکھیں گے۔ (۸) میں نہیں رکھتا۔ (۹) میں نے اپنی بیوی کو دیدی۔ (۱۰) مجھے لڑکی نہیں چاہئے۔ (۱۰) ماں بہن وغیرہ کسی کو کہا تجھ کو تین طلاقیں۔ (۱۱) بیوی کو کہنا کہ تو میری ماں یا بہن ہے یا دوسری محرمات سے تشبیہ دی یا کہا کہ میں تیرا بھائی ہوں (طلاق نہیں مگر ایسا کہنا مکروہ ہے)

(نوٹ) مذکورہ الفاظ طلاق کیلئے نہیں ہیں نہ صریح نہ کنایہ لہٰذا طلاق کی نیت سے بھی طلاق نہیں ہوگی۔[۱]

الفاظ کنایات سے تین طلاق کی نیت

ماقبل میں ضمناً آچکا ہے کہ الفاظ کنایہ کا استعمال کرتے ہوئے اگر ایک یا دو کی نیت کی گئی ہے تو ایک ہی طلاق ہوگی دو نہیں ہوگی دو کی نیت صحیح نہیں لغو ہے البتہ اگر الفاظ کنایہ سے تین کی نیت کریگا تو تین واقع ہوگی اور بیوی مطلقہ بائنہ مغلظہ ہوجائے گی اور بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح کی صورت نہیں ہوگی صاحب بحرالرائق نے تفصیل سے اس کو بیان کیا ہے۔[۲] اور صاحب بدائع اس کی دلیل بیان کرتے ہیں کہ حضرت رکانہؓ نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی اس پر حضورؐ نے ان سے قسم لی تو انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ میں نے بتہ سے تین مراد نہیں لی ہے اگر یہ لفظ بتہ تین طلاق کا متحمل نہ ہوتا تو پھر قسم لینے کا کوئی مطلب نہیں نکلتا۔[۳]

---

(۱) خلاصہ فتاوی محمودیہ
(۲) ای فی غیر الالفاظ الثلاثة وملفی معناها تقع واحدة بائنة وثلاث بالنية ولاتصح نية الثنتين... الحاصل ان الكنايات كلها تصح فيها نية الثلاث (بحر الرائق صفحه ۵۲۱ تا ۵۲۲ جلد۳) (۳) والدليل عليه ما روى ان ركانة بن زيد او زيد بن ركانة طلق امرأته البتة فاستحلفه رسول الله صلى الله عليه وسلم ماأردت ثلاثا فلو لم يكن اللفظ متحملا للثلاث لم يكن للاستحلاف معنى (بدائع صفحه ۱۷۳ جلد۳)

لفظ صریح سے واقع شدہ طلاق کے بعد لفظ کنایہ سے طلاق دینے اور لفظِ کنایہ سے واقع شدہ طلاق کے بعد لفظ صریح کے ذریعہ طلاق دینے کا حکم

ایک نوع کی طلاق کے بعد دوسری قسم کی طلاق اگر اسی وقت یا مدت کے اندر دی جائے تو اس کے واقع ہونے اور نہ ہونے کے سلسلے میں کچھ تفصیل ہے تھوڑی سی وضاحت یوں سامنے رکھئے کہ اس کی چند صورتیں ہیں۔

لفظ صریح سے طلاق واقع ہو جانے کے بعد (خواہ صریح لفظ سے طلاق رجعی دی ہو یا بائن) پھر اسی صریح لفظ سے اسی وقت یا عدت کے اندر اندر طلاق دی جائے تو پہلی طلاق کے ساتھ بعد والی بھی طلاق واقع ہو جائے گی مگر طلاق رجعی سے ملنے والی طلاق رجعی۔ طلاق رجعی ہی رہے گی لیکن اگر بائن سے رجعی مل گئی یا رجعی سے بائن مل گئی تو وہ طلاق بائن ہو جائے گی کیونکہ طلاق بائن کے ملنے سے رجعت کا حق ختم ہو جاتا ہے جیسے کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے تجھ کو طلاق دی۔ پھر اسی وقت یا عدت کے اندر کہا کہ میں نے تجھ کو طلاق دی تو اس سے دو طلاق رجعی ہوئی۔

اگر کسی نے بیوی سے کہا کہ میں نے تجھ کو طلاق دی پھر اسی وقت یا عدت میں کہا کہ سخت ترین طلاق دی یا اس کے برعکس۔ کسی نے کہا کہ میں نے تجھ کو سخت ترین طلاق دی پھر اس کے بعد کہا کہ طلاق دی یا کسی نے کہا کہ بدترین طلاق دی پھر اسی وقت کہا کہ بدترین طلاق دی تو ان تینوں صورتوں میں دو طلاق بائن واقع ہو گی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ لفظ کنایہ سے واقع شدہ طلاق بائن کے بعد اگر لفظ صریح سے اسی وقت یا عدت کے اندر طلاق دی گئی تو طلاق واقع ہو جائے گی اور بعد والی طلاق بھی پہلی طلاق سے ملکر بائن ہو جائے گی۔ جیسے کسی نے مذاکرۂ طلاق کے وقت یا طلاق کی نیت سے اپنی بیوی سے مخاطب ہو کر یوں کہا کہ تو مجھ سے جدا ہو۔ پھر اسی وقت یا عدت کے اندر کہا کہ میں نے تم کو طلاق دی۔ یا کسی نے مذاکرۂ طلاق کے وقت یا طلاق کی نیت سے کہا کہ تو مجھ سے جدا ہو پھر اسی وقت یا عدت

کے اندر کہاکہ میں نے تم کو پہاڑ جیسی طلاق دی۔ تو ان تمام صورتوں میں سے ہر ایک صورت میں دو طلاق بائن واقع ہوگی۔

تیسری صورت یہ ہے کہ لفظ صریح سے واقع شدہ طلاق رجعی کے بعد اسی وقت یا عدت کے اندر لفظ کنایہ سے طلاق دی جائے تو پہلی طلاق رجعی بھی بعد والی سے مل کر طلاق بائن ہو جائے گی۔ جیسے کسی نے اپنی بیوی سے کہاکہ میں نے تجھ کو طلاق دی پھر اسی وقت یا عدت کے اندر مذاکرۂ طلاق کے وقت یا طلاق کی نیت سے کہاکہ میں نے تم کو جدا کردیا تو اس صورت میں پہلے جملہ سے طلاق رجعی اور بعد والے جملہ سے طلاق بائن ہوگی پھر دونوں ملکر دو طلاق بائن ہو جائے گی۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ لفظ صریح سے واقع شدہ طلاق بائن کے بعد لفظ کنایہ سے طلاق بائن واقع نہیں ہوتی ہاں اگر لفظ کنایہ کے ساتھ کوئی ایسا لفظ بڑھا ہوا ہو جو نئی طلاق پر دال ہو تو پھر بعد والے لفظ کنایہ سے بھی اسی وقت یا عدت کے اندر نئی دوسری یا تیسری طلاق واقع ہو جائے گی۔

جیسے کسی نے کہاکہ میں نے تم کو بدترین طلاق دی اور پھر کہاکہ تو مجھ سے جدا ہو جا تو اس صورت میں صرف ایک طلاق بائن واقع ہوگی۔ اور اگر یوں کہاکہ میں نے تم کو بدترین طلاق دی اور پھر اسی وقت یا عدت کے اندر کہاکہ میں تم کو از سر نو جدا کرتا ہوں تو اس صورت میں دو طلاق بائن واقع ہوگی۔

پانچویں صورت چوتھی صورت جیسی ہے وہ یہ کہ لفظ کنایہ سے واقع شدہ طلاق بائن کے بعد پھر لفظ کنایہ ہی سے طلاق بائن واقع نہیں ہوتی۔ خواہ ایک ہی لفظ کنایہ کو بار بار استعمال کرے یا متعدد الفاظ کنایہ استعمال کرے ہاں اگر بعد والے لفظ کنایہ کے ساتھ کوئی ایسا لفظ بڑھادیا جو نئی طلاق پر دلالت کرتا ہو تو پھر بعد والے لفظ سے بھی عدت کے اندر نئی طلاق بائن ہو جائے گی۔

جیسے کسی نے مذاکرۂ طلاق کے وقت یا طلاق کی نیت سے کہاکہ میں نے تم کو جدا کیا پھر اسی وقت یا عدت کے اندر کہاکہ میں نے تم کو جدا کیا یا مذاکرۂ طلاق کے

وقت کہا کہ میں نے تم کو جدا کیا پھر اس کے بعد اسی وقت یا عدت میں کہا کہ میں نے تم کو چھوڑ دیا تو اس سے صرف ایک طلاق بائن واقع ہو گی۔

اور اگر مذاکرۂ طلاق کے وقت یا طلاق کی نیت سے کہا کہ میں نے تم کو جدا کیا پھر اسی وقت یا عدت کے اندر کہا کہ میں نے تم کو از سر نو جدا کیا تو اس صورت میں دو طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔[1]

طلاق بائن کی تیسری صورت غیر مدخولہ کی طلاق ہے

طلاق بائن کی تیسری صورت یہ ہے کہ عورت سے نکاح کے بعد شوہر نے نہ تو جنسی تعلق قائم کیا اور نہ خلوت صحیحہ ہو سکی یا تو اس وجہ سے کہ خلوت کا موقع ہی نہیں ملا اگرچہ عورت بالغہ تھی یا اس وجہ سے کہ خلوت کا موقع تو ملا مگر عورت نابالغہ ہونے کی وجہ سے ہمبستری کے لائق نہیں تھی تو ایسی عورت کو اگر شوہر طلاق دیدے تو اس پر طلاق بائن ہی واقع ہو گی۔ خواہ طلاق صریح لفظ میں ہی کیوں نہ دی ہو (کنایہ)

(۱) الصریح یلحق الصریح ویلحق البائن بشرط العدة والبائن یلحق الصریح، الصریح مالا یحتاج الی نیة بائنا کان الواقع به او رجعیا... علی المشهور لا یلحق البائن البائن (درمختار) قوله (الصریح یلحق الصریح) کما لو قال لها انت طالق ثم قال انت طالق او طلقها علی مال وقع الثانی بحر فلا فرق فی الصریح الثانی بین کون الواقع به رجعیا او بائنا قوله (ویلحق البائن) کما لو قال لها انت بائن او خالعها علی مال ثم قال انت طالق او هذه طالق بحر عن البزازیة ثم قال واذا لحق الصریح البائن کان بائنا لان البینونة السابقة علیه تمنع الرجعة کما فی الخلاصه... قوله (بشرط العدة) هذا الشرط لا بد منه فی جمیع الصور اللحاق فالاولی تلخیره عنها اھ ح ... قوله (بائنا کان الواقع به او رجعیا) یؤیده ما قدمنا فی اول فصل الصریح عن البدائع من ان الصریح نوعان صریح رجعی وصریح بائن وحینئذ فیدخل فیه الطلاق الرجعی والطلاق علی مال وکذا ما مر قبل فصل طلاق غیر المدخول بها من الفاظ الصریح الواقع بها البائن مثل انت طالق بائن او البتة او افحش الطلاق او طلاق الشیطان او طلقة طویلة او عریضة الخ فهذا کله الصریح لایتوقف علی النیة یقع به البائن و یلحق الصریح والبائن قال فی الخلاصة والصریح یلحق البائن وان لم یکن رجعیا... وقوله (لایلحق البائن البائن) المراد بالبائن الذی لایلحق البائن هو ما کان بلفظ الکنایة لانه هو الذی لیس ظاهراً فی انشاء الطلاق وکذا فی الفتح وقید بقوله الذی لایلحق لشارة الی ان البائن الموقع اولا اعم من کونه بلفظ الکنایة او بلفظ الصریح المفید للبینونة کالطلاق علی مال (شامی صفحه ۵۴۰۔۵۴۲ جلد۴ زکریا)

یعنی گول مول لفظوں میں غیر مدخولہ بیوی کو خواہ ایک مرتبہ طلاق دی ہو یا یکے بعد دیگرے دو مرتبہ یا تین مرتبہ بہرصورت وہ ایک ہی طلاق سے بائنہ ہو جائے گی دوسری اور تیسری مرتبہ کی طلاق لغو اور بیکار ہو جائے گی اور اس سے رجوع کرنے کا حق ختم ہو جائیگا۔

مثلاً مرد نے کہا کہ میں نے تجھ کو طلاق دی۔ طلاق دی۔ طلاق دی۔ تو پہلی بار جونہی اس کی زبان سے لفظ طلاق نکلا اس پر ایک طلاق بائن پڑ کر نکاح سے خارج ہو گئی اب وہ طلاق کا محل نہ رہی اس لئے دوسری اور تیسری طلاق لغو ہو گئی۔

اسی طرح مرد نے کہا کہ تو ایک طلاق والی ہے اور ایک طلاق والی تو ایک ہی طلاق پڑے گی دوسری نہیں پڑے گی۔[1]

غیر مدخولہ کو طلاق دینے کے بعد شوہر خلوت کا دعویٰ کرے

غیر مدخولہ کو جب شوہر نے طلاق دیدی تو عدم دخول کیوجہ سے صریح طلاق بھی بائن ہو گئی اور رجعت کا اختیار ہاتھ سے نکل چکا تھا کہ شوہر نے دعویٰ کر دیا کہ میں نے اس سے دخول کر لیا ہے یا خلوت ہو چکی ہے تاکہ رجعت کا اختیار باقی رہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر عورت کی رخصتی ہو چکی ہے یا خلوت پر گواہ قائم ہے تو شوہر کا دعویٰ تسلیم کیا جائے گا اور طلاق بائن کا حکم نہ لگا کر رجعت کا حق ہو گا اور اگر رخصتی بھی نہیں ہوئی اور نہ خلوت پر کوئی گواہ ہے اور عورت اس کا انکار بھی کرتی ہے یا وہ نابالغہ ہے تو پھر شوہر کا دعویٰ غلط ہو گا اور عورت ایک ہی طلاق سے بائنہ ہو جائے گی اور اسکو عدت گزارنے کی بھی ضرورت نہیں فوراً دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔[2]

غیر مدخولہ کو دو اور تین طلاقیں پڑنے کی صورتیں

جیسا کہ بیان کیا گیا کہ غیر مدخولہ کو اگر متفرق طور پر دو یا تین طلاقیں دی جائیں

---

(۱) اذ طلق الرجل امرأته ثلاثا قبل الدخول بها وقعن عليها فان فرق الطلاق بانت بالاولى ولم تقع الثانية والثالثة وذلك مثل ان يقول انت طالق طالق طالق وكذا اذا قال انت طالق واحدة واحدة وقعت واحدة كذا فى الهداية (عالم گیری صفحہ ۳۷۳ جلد ۱)

(۲) فتاوی رحیمیہ صفحہ ۳۰۵ جلد ۵)

تو بھی ایک ہی طلاق واقع ہو گی باقی طلاق لغو ہو گی۔ہاں اگر طلاق کیساتھ دویا تین کا عدد ملادیا جائے تو دو اور تین بھی واقع ہو جائے گی مثلاً شوہر نے بیوی سے کہا تجھ کو دو طلاق۔یا تین طلاق تو پہلے جملے میں دو اور دوسرے سے تین واقع ہو جائے گی۔ا

غیر مدخولہ کو دو اور تین طلاق واقع ہونے کا ایک قاعدہ

اگر طلاق کیساتھ کوئی عدد ذکر نہیں کیا گیا تو عورت ایک ہی طلاق سے بائنہ ہو جائے گی۔مگر عدد ملا کر طلاق دینے سے عدد کے مطابق طلاق واقع ہو گی۔کیونکہ اصول فقہ کا ایک مقررہ ضابطہ یہ ہے کہ اول کلام کا حکم آخر کلام پر موقوف رہتا ہے جب آخر کلام میں کوئی ایسی بات ہو جو اول کلام کے مفہوم کو بدل دے تو اس سے اول کلام کا حکم بدل جاتا ہے۔لہٰذا جب طلاق کا لفظ استعمال کیا تو ایک طلاق مطلقاً واقع ہونے والی نہیں تھی اس کا حکم موقوف تھا کسی حکم کو لینے کیلئے بعد کے کلام کا انتظار کر رہا تھا اب جیسے اسکے ساتھ دو یا تین کا عدد بڑھایا گیا تو ایک طلاق کا حکم بدل کر دو یا تین کی طرف منتقل ہو گیا اب ایک کے بجائے۔دو یا تین واقع ہو گی۔اسی وجہ سے اگر عدد طلاق کے ذکر سے پہلے عورت مر گئی تو کلام لغو ہو جائے گا کیونکہ کلام کی مراد متعین ہونے سے قبل موت کیوجہ سے محل طلاق ختم ہو گیا اس لئے کوئی طلاق نہیں پڑے گی۔ ۲

غیر مدخولہ کو ایک اور دو طلاق ہونے کی صورت

اگر کسی شخص نے اپنی غیر موطوئہ بیوی کو اس طرح طلاق دی (انت طالق واحدۃ

(۱) قال لزوجته غير المدخول بها انت طالق... ثلاثا الخ وقعن الخ وان فرق ... بانت بالاول الخ ولذا لم تقع الثانية بخلاف الموطوءة حيث يقع الكل (درمختار على هامش شامى صفحه ۵۰۹-۵۱۲ جلد۴)

(۲) ويقع بعدد قرن بالطلاق لا به فيلغو انت طالق لو ماتت قبل ذكر العدد (شرح الوقايه) حاصله انه اذا لم يقترن صيغة الطلاق بالعدد يقع الطلاق بها وان قرنها بعدد يقع الطلاق بذلك العدد لابنفس الصيغة لانقرر في الاصول ان صدر الكلام يتوقف على ما بعده اذا كان في آخره مغيرا له فيكون انت طالق واحدة او ثلاثا لغوا لا يقع به شئ ان ماتت قبل ذكر العدد (عمدة الرعاية على شرح الوقايه صفحه ۷۵ جلد۲)

وواحدة) یعنی ایک طلاق پر دوسری طلاق کو معطوف کرتے ہوئے یوں کہا کہ تو ایک طلاق والی ہے اور ایک طلاق والی تو اس صورت میں ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔

اور اگر یوں کہا (قبل واحدة او بعدها واحدة) کہ تجھ کو طلاق ہے ایک قبل ایک کے یا اس طلاق کے بعد ایک اور طلاق ہے۔ تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ کیونکہ اول واحدة کو طلاق واقع ہونے سے پہلے متصف کیا تو عورت ایک ہی طلاق سے بائنہ ہوگئی اب وہ غیر موطوءہ ہونے کی وجہ سے دوسری واحدة کا محل نہ رہی اس لئے دوسری طلاق لغو ہوگی۔

اگر شوہر نے اپنی غیر مدخولہ بیوی سے کہا کہ (انت طالق واحدة قبلہا واحدة او بعدہا واحدة او مع واحدة او معہا واحدة) یعنی تو ایک طلاق والی ہے قبل اس کے ایک اور ہے یا ایک طلاق والی ہے اس کے بعد ایک اور ہے یا ایک طلاق والی ہے ایک کے ساتھ اور ایک ہے تو اس صورت میں دو طلاق واقع ہوگی۔

دونوں صورت میں وجہ فرق

ضابطہ یہ ہے کہ ظرف مثلاً قبل یا بعد کو جب دو چیزوں کے بیچ میں ذکر کیا جائے تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو اس ظرف کی اضافت اسم ظاہر کی طرف ہوگی ہے یا اسم ضمیر کی طرف اگر اسم ظاہر کی طرف اضافت کی گئی ہے تو یہ ظرف (قبل وبعد) پہلے اسم کی صفت ہوگی جیسے (جاء نی زید قبل عمر یا جاء نی زید بعد عمر) اس مثال میں قبل وبعد پہلے اسم کی صفت ہے اس لئے پہلے جملہ سے زید کا آنا عمر سے قبل اور دوسرے جملے سے زید کا آنا عمر کے بعد ثابت ہوگا۔

اور اگر ظرف (قبل وبعد) کی اضافت ایسی ضمیر کی طرف کی گئی ہو جو اول اسم کی طرف راجع ہو تو قبل اور بعد معنوی طور سے دوسرے اسم کی صفت ہوں گے۔

صفت معنویہ اس لئے کہہ رہے ہیں کہ حقیقت میں یہ ظرف دوسرے اسم کی خبر ہے اور خبر چونکہ حکماً ہذا کی صفت ہوتی ہے اس لئے یہ صفت لفظی تو نہیں البتہ

صفت معنوی ہے۔اور خبرمحکوم ہے اور ہذا المحکوم علیہ اس لئے دوسرے اسم پر ہی آنے کا حکم لگایا جائے گا۔اس قاعدہ کو سمجھنے کے بعد اصل مسئلہ کی طرف آیئے۔کہ زیر بحث مسئلہ میں جب غیر موطوءہ عورت سے کہا گیا کہ (انت طالق واحدة قبل واحدة) تو اس میں قبل دراصل پہلے واحدة کی صفت ہے یعنی دوسرا واحدة جس کی طرف قبل کی اضافت ہے اس سے پہلے واحدة کی یہ صفت ہے اس لئے قبل سے پہلے والا واحدة واقع ہو جائے گا اور بیوی چونکہ غیر موطوءہ ہونے کی وجہ سے دوسرے واحدة کا محل نہ رہی اس لئے یہ دوسرا واحدة واقع نہیں ہوگا۔

اور اگر قبل کے استعمال کے بجائے بعد استعمال کیا جائے مثلاً یوں کہا جائے کہ (واحدة بعد واحدة) تو اس میں بعد پہلے والے واحدة کی صفت ہے مگر بعد والے واحدة کی طرف مضاف ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اول واحدة سے پہلے ایک طلاق پڑچکی ہے کیونکہ ماضی میں واقع ہونا فی الحال واقع ہونا ہے اس لئے کہ ماضی کی طرف نسبت کر کے طلاق دینے سے فی الحال پڑتی ہے کیونکہ انشاء طلاق ماضی میں ممکن نہیں اس لئے کلام کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ فی الحال دے رہا ہے اب دونوں طلاق ایک ساتھ واقع ہوں گی۔

اسی طرح اگر کہا کہ (انت طالق واحدة قبلها واحدة) تو اس میں قبل کو بعد والے واحدة کی صفت قرار دیا گیا ہے تو اس کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ پہلے واحدة سے قبل یہ دوسرا واحدة واقع ہو جائے اور یہ ممکن نہیں اس لئے دونوں طلاق ایک ساتھ واقع ہوں گی اور مع تو مطلق اقتران کیلئے ہوتا ہے اسلئے اس میں اسم ظاہر اور اسم ضمیر کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے لہٰذا ہر صورت میں دو طلاق واقع ہو گی۔[1]

(۱) ولو قال لغیر الموطؤة انت طالق واحدة وواحدة بالعطف او قبل واحدة او بعدها واحدة یقع واحدة بائنة ولا تلحقها الثانیة لعدم العدة وفی انت طالق واحدة بعد واحدة او قبلها واحدة او مع واحدة او معها واحد ثنتان الاصل انه متی اوقع بالاول لغا الثانی او بالثانی اقترنا لان الایقاع فی الماضی ایقاع فی الحال (درمختار) الضابط ان الظرف حیث ذکر بین شئین ان اضیف الی ظاهر کان صفة للاول کجاءنی زید قبل عمرو (باقی اگلے صفحہ پر)

مطلقہ مدخولہ اور غیر مدخولہ میں فرق

لڑکی نابالغہ ہو یا بالغہ مگر شوہر سے نہ خلوت ہوئی اور نہ جماع۔ تو وہ غیر مدخولہ ہے اور جو عورت بالغہ ہو اور شوہر نے اس سے جماع بھی کرلیا ہو تو ایسی عورت کو مدخولہ کہتے ہیں دونوں عورتوں کے مابین شرعی احکام کے اعتبار سے کچھ فرق ہے۔

مدخولہ کو صریح الفاظ کے ذریعہ طلاق دی جائے تو دو تک طلاق رجعی اور کنایات کے ذریعہ طلاق بائن ہوتی ہے۔ جبکہ غیر مدخولہ کو دونوں قسم کے الفاظ کے ذریعہ طلاق بائن ہی ہوتی ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ مدخولہ کیلئے عدت طلاق، تین حیض یا تین ماہ یا وضع حمل ہے جبکہ غیر مدخولہ کیلئے طلاق کی کوئی عدت نہیں ہے طلاق ملتے ہی فوراً دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے:

ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا الاية[1]

کہ اگر تم ان (بیویوں) کو ان سے جماع کرنے سے قبل طلاق دیدو تو ان عورتوں پر تمہاری طلاق کی عدت نہیں ہے کہ تم اس کو شمار کرو۔

(بقیہ پچھلے صفحہ کا) وان اضیف الی ضمیر الاول کان صفة الثانی کجاء نی زید قبله او بعده عمر ولانه حینئذ خبر عن الثانی والخبر وصف للمبتدء والمراد بالصفة المعنوية والمحكوم عليه بالوصفية هو الظرف فقط والا فالجملة فی قبله عمر حال من زيد لوقوعها بعد معرفة والحال وصف لصاحبها ففی واحدة قبل واحدة اوقع اللاولی قبل الثانية فبانت بها فلا تقع الثانية وفی بعدها ثانية كذلك لانه وصف الثانية بالبعدية ولو لم يصفها بها لم تقع فهذا اولی وهذا فی غير المدخول بها وفی المدخول بها تقع ثنتان لوجوده العدة كما يأتی قوله (ثنتان) لانه فی واحدة بعد واحدة جعل البعدية صفة للاولی فاقتضی ايقاع الثانية قبلها لان الايقاع فی الماضی ايقاع فی الحال لامتناع الاستناد الی الماضی فيقترنان فتقع ثنتان وكذا فی واحدة قبلها واحدة لانه جعل القبلية صفة للثانية فاقتضی ايقاعها قبل الاولی فيقترنان واما مع فللقران فلافرق فيها بين الاتيان بالضمير والا فاقتضی وقوعهما معا تحقيقا لمعناها.
(شامی صفحہ ۵۱۰ جلد ٤) (۱) سورۃ الاحزاب آیت ٤۹

(نوٹ) عدت وفات مدخولہ وغیر مدخولہ ہر ایک پر واجب ہے۔ [۱]

تیسرا فرق یہ ہے کہ مدخولہ کو ایک کے بعد دوسری اور تیسری طلاق بھی دینے کا حق شوہر کو رہتا ہے اسکے برخلاف غیر مدخولہ کو ایک طلاق کے بعد دوسری اور تیسری کا حق ختم ہو جاتا ہے کیونکہ وہ ایک ہی طلاق سے نکاح سے نکل جانے کی وجہ سے محل طلاق نہیں رہتی۔

چوتھا فرق یہ ہے کہ مدخولہ کو تو تین طلاق یکے بعد دیگرے دینے سے بھی واقع ہو جاتی ہے مگر غیر مدخولہ کو تین طلاق یکے بعد دیگرے دینے سے نہیں پڑتی البتہ یکبارگی تین کے عدد کیساتھ تین پڑ جاتی ہے۔

طلاق بائن کی چوتھی صورت طلاق رجعی کی عدت میں رجعت نہ کرنا ہے

طلاق بائن کی چوتھی صورت یہ ہے کہ کسی نے الفاظ صریحہ سے یا ان الفاظ کنایہ سے جن سے طلاق رجعی ہوتی ہے ایک یا دو طلاق رجعی دی تو اس کو عدت کے اندر رجعت کا اختیار حاصل تھا مگر جب عدت گزرنے تک رجعت نہیں کی تو یہ طلاق رجعی بھی بائن ہو گئی۔ (طلاق رجعی کے بیان میں تفصیل گذر چکی ہے)۔

طلاق بائن کی پانچویں صورت خلع اور طلاق بالعوض ہے

اگر عورت نے مہر معاف کر کے خلع کرایا اور اس پر مرد نے ایک طلاق دی تو یہ طلاق بائن ہوگی اگرچہ لفظ صریح سے طلاق دی گئی ہو۔ اسی طرح مرد نے عورت سے کچھ عوض یعنی مال وغیرہ لیکر طلاق دی تو یہ طلاق بھی بائن ہے خواہ ایک دی ہو یا دو خواہ رخصتی سے قبل دی ہو یا رخصتی کے بعد۔ [۲] (خلع اور طلاق بالعوض کی تفصیل انشاءاللہ آگے آئیگی)

طلاق بائن کی چھٹی صورت ایلاء کی مدت کا مکمل ہو جانا ہے

کسی نے جماع پر قدرت کے باوجود بغیر کسی عذر کے پورے چار ماہ تک یا چار

---

(۱) والعدة للموت اربعة اشهر... وعشرة الخ مطلقاً وطئت او لا ولو صغيرة (درمختار على هامش شامی صفحه ۱۸۸ جلد ۵ باب العدة)

(۲) وقع بالخلع تطليقة بائنة ولزمها المال (هدايه صفحه ۴۰۴ جلد ۲)

ماہ سے زائد تک یا مطلقاً جماع نہ کرنے کی قسم کھائی۔ تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر بیوی سے چار ماہ کے اندر اندر جماع کر لے تو اگر چہ شرعی ایلاء کا تحقق نہ ہوگا لیکن قسم کا کفارہ دینا پڑے گا اور اگر اس نے چار ماہ کے اندر اندر صحبت نہ کی یہاں تک کہ چار ماہ گزر گئے تو اس کی بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔[1] (ایلاء کی پوری تفصیل آگے آئے گی)

طلاق بائن کی ساتویں صورت فسخ نکاح ہے

اگر شوہر کی نامردی یا جنون یا حضنت یا مفقود یا عنین یا کسی مرض و عیب کے باعث نکاح کو فسخ کرایا جائے یا شوہر کے ظلم و زیادتی کی وجہ سے تفریق کرائی جائے اور یہ تفریق خواہ قضاء قاضی کے ذریعہ ہو یا حاکم اور جج یا شرعی پنچایت کے ذریعہ بہر حال اس سے طلاق بائن واقع ہوگی۔ (فسخ و تفریق کی ساری تفصیل آگے آرہی ہے)

طلاق بائن کا حکم

طلاق بائن مخففہ دو طلاق تک ہوتی ہے اس کا حکم یہ ہے کہ اس سے رشتۂ نکاح ٹوٹ جاتا ہے شوہر کو اپنی دی ہوئی طلاق سے رجوع کرنے اور بیوی کو رجعت کے ذریعہ لوٹانے کا اختیار نہیں رہتا البتہ زوجین آپسی رضامندی سے عدت میں یا عدت کے بعد جب چاہیں دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں اگر صرف مرد نکاح کرنا چاہے اور عورت تیار نہیں تو جبراً نکاح نہیں ہو سکتا جبکہ رجعت میں عورت کی رضا شرط نہیں۔

اور اگر طلاق بائن مغلظہ دی گئی ہے یعنی الفاظ صریحہ سے یا کنایہ سے تین طلاق دیدی تو پھر دوبارہ نکاح سے بھی رشتہ بحال نہیں ہو سکتا جب تک کہ حلالہ نہ کر لیا جائے۔[2]

---

(۱) واذ قال الرجل لامرأته والله لا اقربك او قال والله لااقربك اربعة اشهر فهو مؤل... فان وطيها في الاربعة الاشهر حنث في يمينه ولزمته الكفارة... وسقط الايلاء... وان لم يقربها حتى مضت اربعة اشهر بانت منه بتطليقة (هدايه صفحه ۴۰۱ جلد۲)

(۲) واذا كان الطلاق بائنا دون الثلاث فله ان يتزوجها في العدة وبعد انقضائها (هدايه صفحه ۳۹۹ جلد۲)

تجدید نکاح کے بعد شوہر کیلئے کتنی طلاق کا حق باقی رہتا ہے

مطلقہ ثلاثہ ہے تو ظاہر ہے کہ حلالہ کے بعد از سر نو شوہر اول کی طرف لوٹتی ہے اسلئے از سر نو تین طلاق کا مالک ہوگا۔ اور اگر مطلقہ بائنہ مخففہ ہے تو اس کی اولاً دو صورتیں ہیں مطلقہ مدخول بہا ہے یا غیر مدخول بہا اگر مدخول بہا ہے تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) مطلقہ رجعیہ (۲) مطلقہ بائنہ۔ اگر مطلقہ رجعیہ ہے تو بالاتفاق رجعت کے بعد باقی ماندہ طلاق ہی کا مالک رہے گا یعنی اگر ایک طلاق رجعی دی تھی تو اب دو کا اور اگر دو رجعی دی تھی تو اب صرف ایک کا مالک رہے گا اس باقی ماندہ طلاق دینے کے بعد عورت مغلظہ ہو جائے گی۔ چنانچہ حضرت مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ نے مجمع الانہر کے حوالہ سے اس مسئلہ کو ثابت کیا ہے۔[1]

اور اگر مطلقہ بائنہ سے تجدید نکاح ہوا ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) زوج اول کی طرف بغیر کسی سے نکاح کئے لوٹی ہے تو اس صورت میں بالاتفاق شوہر باقی ماندہ ہی طلاق کا مالک رہے گا۔[2]

اور اگر مطلقہ بائنہ مدخول بہا زوج اول کے طلاق کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح اور عدت کے بعد پہلے شوہر کی طرف نکاح کے ذریعہ لوٹی ہے تو اس میں اختلاف ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا مذہب تو یہی ہے کہ باقی

---

(۱) وان قال لامرأته كلما ولدت فانت طالق زلدت ثلاثة اولاد فى بطون مختلفة بين كل ولدين ستة لشهر فصاعدا فالثاني والثالث رجعية فانها لما ولدت الاول وقع الطلاق وهو الرجعي وصارت معتدة فلما ولدت الثاني من بطن اخر علم انه صار مراجعا بوطي حادث في العدة فبولادة الثاني وقع الطلاق الثاني لان اليمين معقودة بكلمة كلما والشرط وجد في الملك لانه ثبت رجعته ثم لما ولدت الثالث من بطن اخر علم انه كان من علوق حادث بغير وقوع الطلاق الثاني مراجعاً وتتم الطلقات الثلاث بولادة الولد الثالث فتحتاج الى زوج آخر (مجمع الانهر صفحه ۴۳۷ جلد۱ بحواله فتاوی محمودیه صفحه ۳۶۸ جلد۱۰)

(۲) ولو تزوجها قبل اصابة الزوج الثاني كانت عنده بما بقي من الطلاق (كشف الاسرار صفحه ۲۶ جلد ۱ بحواله فتاوی محمودیه صفحه ۳۶۹ جلد۱۰)

ماندہ کا نہیں بلکہ پوری طلاق کا مالک ہوگا اور امام محمدؒ کے یہاں اس صورت میں بھی باقی ماندہ ہی طلاق کا مالک رہے گا۔ [۱]

یہ ساری تفصیل تو مدخول بہا کے متعلق تھی اور غیر مدخول بہا میں تو بالاتفاق ہر صورت میں باقی ماندہ ہی طلاق کا مالک رہے گا۔ [۲]

طلاق بائن کے بعد دوبارہ نکاح سے دوبارہ مہر واجب ہوگا

اگر کسی عورت کو وطی یا خلوت صحیحہ کے بعد طلاق بائن دی گئی یا طلاق رجعی کی عدت گزار کر بائنہ ہوئی پھر دوبارہ اس عورت کی اسی شوہر سے تجدید نکاح ہوئی تو اس عورت کو نکاح اول کے مہر کے علاوہ دوبارہ مستقل مہر ملے گا۔ اگر مہر اول ادا نہیں کیا ہے تو پھر دونوں ادا کرنا واجب ہوگا۔ [۳]

طلاق بائن کی صورت میں مرد وعورت کا آپسی برتاؤ کیسا ہو

جس عورت کو طلاق بائن مخففہ یا مغلظہ دیدی جائے تو اس کو طلاق ملتے ہی شوہر سے ہر قسم کے تعلقات منقطع کر کے غیر مردوں کی طرح اس سے بھی پردہ کیا کرے البتہ عدت گزارنے تک شوہر ہی کے گھر رہے پوری عدت کا نفقہ و سکنیٰ شوہر کے ذمہ ہے۔

عدت کے ایام میں بناؤ سنگار اور زیب و زینت کرنا خوشبو لگانا صحیح نہیں ہے بلکہ رشتۂ نکاح کے ٹوٹ جانے کی وجہ سے سوگ منانا چاہئے صاحب ہدایہ سنن بیہقی سے ایک حدیث نقل فرماتے ہیں۔

---

(۱) واذا طلق الحرة تطليقة او تطليقتين وانقضت عدتها وتزوجت بزوج آخر ثم عادت الى الزوج الاول عادت بثلث تطليقات يهدم الزوج الثاني ما دون الثلث كما يهدم الثلث وهذا عند ابي حنيفة وابي يوسف وقال محمد لايهدم ما دون الثلث (هدايه صفحه ٤٠٠ تا ٤٠١ جلد٢)

(٢) والخلاف مقيدبها اذا دخل بها وان لم يدخل لا يهدم اتفاقا (مجمع الانهر صفحه ٤٤ جلد١ بحواله فتاوى محموديه صفحه ٣٦٩ جلد١٠)

(٣) فتاوى دار العلوم صفحه ٢١٨ جلد٨

ولنا ما روی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی المعتدۃ ان تختضب بالحناء وقال الحناء طیب (حدیث) ولانہ یجب اظہاراً للتأسف علی فوت نعمۃ النکاح (ہدایہ) اعم من ان تکون معتدۃ الوفاۃ او معتدۃ الطلاق (حاشیۃ)۱	کہ ہماری دلیل وہ حدیث ہے جو حضورؐ سے منقول ہے کہ آپؐ نے عدت میں بیٹھنے والی عورت کو حناء سے خضاب کرنے اور رنگ سے منع کیا اور فرمایا کہ حناء ایک قسم کی خوشبو ہے (اس کے بعد صاحب ہدایہ فرماتے ہیں) کہ نعمت نکاح زائل ہونے کا افسوس ظاہر کرنے کے لئے

سوگ واجب ہے (محشی فرماتے ہیں) معتدہ سے مراد عام ہے خواہ معتدۃ الوفات ہو یا معتدۃ الطلاق (حکم دونوں کو شامل ہے)

طلاق مغلظہ

مغلظہ غلیظہ سے مشتق ہے بمعنی سخت طلاق۔ طلاق ثلاثہ کو شریعت میں طلاق مغلظہ کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ طلاق رشتۂ نکاح کو توڑ دینے میں اتنا بڑا گہرا اثر ڈالتا ہے کہ دوبارہ نکاح کے ذریعہ بھی یہ رشتہ قائم نہیں ہوسکتا۔ جب تک کہ مطلقہ عدت کے بعد کسی اور سے رشتۂ نکاح قائم کرکے اس زوج ثانی کو اپنے جنسی منافع کی پوری اجازت نہ دیدے اور دوسرا شوہر اس سے پورے طور سے لطف اندوز ہوکر طلاق نہ دیدے پھر اس کی عدت گزار کر ہی زوج اول کی طرف بذریعہ نکاح لوٹ سکتی ہے اتنے سارے معالجے وتدابیر کرنے اور ان تمام مراحل سے گزرنے کے بعد ہی یہ رشتہ پھر سے وجود میں آتا ہے اس لئے اس طلاق کو مغلظہ کہتے ہیں۔ قرآن نے مرد کو دو طلاق تک اختیار دیا ہے تاکہ رجعت کرسکے تیسری طلاق کے بعد مرد کا اختیار بالکل ختم ہو جاتا ہے چنانچہ ارشاد باری ہے۔

(۱) ہدایہ صفحہ ۴۲۷ جلد۲ حاشیہ ۹

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْتَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ (الایۃ) فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ(۱)

(عورت سے رجوع کی گنجائش رکھنے والی طلاق) دو بار تک طلاق دینا ہے پھر تو اچھی طرح اس کو روک لے۔ (رجعت کے ذریعہ) یا احسان کر کے چھوڑ دے پھر اگر (دوبارہ طلاق کے بعد شوہر نے تیسری بار) طلاق دیدی تو پھر وہ عورت اس کے لئے اس وقت تک حلال نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ کسی دوسرے سے نکاح نہ کرے (اور شوہر ثانی اس سے جنسی منافع حاصل کرنے کے بعد طلاق نہ دیدے)

طلاق مغلظہ کی صورتیں

طلاق مغلظہ واقع ہونے کی کئی صورتیں ہیں۔ (۱) طلاقہ مغلظہ کی ایک صورت طلاق حسن ہے یعنی تین طہر میں ایک ایک طلاق کل تین طلاقیں دی جائیں۔ (۲) تین طہر میں تو نہ دی جائیں مگر علیحدہ علیحدہ متفرق طور سے مختلف مجلسوں میں تین طلاقیں دی جائیں مثلاً ایک آج دی تو دوسری کل اور تیسری پرسوں یا دو دن یا ہفتہ کے فاصلہ کے ساتھ الحاصل عدت میں تینوں طلاقیں دیدیں۔ (۳) تیسری صورت یہ ہے کہ کسی نے طلاق رجعی دی پھر میاں بیوی رجعت کے بعد ایک ساتھ رہنے لگے پھر مدت کے بعد کسی بات پر تنازع کی صورت میں ایک اور طلاق دیدی پھر شوہر نے رجعت کے ذریعہ ازدواجی تعلق بحال کرلیا کیونکہ دو طلاق تک رجعت کا حق ہے ان دو کے بعد پھر کسی جھگڑے کے موقع پر تیسری طلاق بھی دیدی تو یہ تینوں طلاقیں ملکر مغلظہ ہوگئیں۔ (۴) اسی طرح چوتھی صورت یہ ہے کہ کسی نے اپنی بیوی کو ایک طلاق بائن دی پھر زوجین نے راضی ہو کر نکاح کرلیا پھر کسی موقع پر دوسری مرتبہ ایک طلاق بائن دی پھر برضا و رغبت نکاح کرلیا تو اب صرف ایک کا مالک رہا مگر کسی اختلاف اور جھگڑے کے موقع پر باقی ماندہ

(۱) سورۃ البقرۃ آیت ۲۳۰

ایک طلاق بھی دیدی تو اب عورت مطلقہ بائنہ مغلظہ ہو جائے گی بغیر حلالہ کے کوئی صورت نہیں۔[1] (۵) پانچویں صورت یہ ہے کہ ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دیدی جائیں۔ خواہ الفاظ صریحہ کے ذریعہ دی جائیں یا الفاظ کنایہ میں تین کی نیت کر کے یا ثلثین کا عدد ملا کر تین طلاقیں دیدی جائیں بہر صورت عورت مطلقہ بائنہ مغلظہ ہو جائے گی۔ (ایک مجلس کی تین طلاقوں کی پوری تفصیل ما قبل میں آچکی ہے)

طلاق مغلظہ کے الفاظ

طلاق مغلظہ الفاظ صریحہ و کنایہ دونوں سے واقع ہوتی ہے ان میں سے ہر ایک کی دو صورتیں ہیں (ا) الفاظ طلاق کیساتھ عدد ثلاث کو بھی ملایا ہے یا نہیں۔ اس اعتبار سے کل چار صورتیں ہوتی ہیں (ا) اول صورت یہ ہے کہ الفاظ صریحہ کے ساتھ عدد ثلاث کو ملائے مثلاً یوں کہے کہ میں نے تم کو تین طلاقیں دیں یا یوں کہے کہ تجھ کو ایک طلاق آج دی دوسری طلاق کل، تیسری طلاق پرسوں دی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بغیر عدد ملائے صرف الفاظ طلاق کو بار بار دہرائے۔ مثلاً بیوی سے کہے کہ تجھ کو طلاق دی تجھ کو طلاق دی۔ تجھ کو طلاق دی۔ یا یوں کہے کہ تجھ کو طلاق ہے، طلاق ہے، طلاق ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ الفاظ کنایہ کیساتھ عدد ثلاث کو ذکر کرے جیسے میں نے تم کو تین جواب دیا۔ یا یوں کہے کہ میں نے تم کو تین مرتبہ آزاد کر دیا یا یوں کہے کہ جاؤ ایک دو تین۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ الفاظ کنایہ کو بغیر عدد کے ساتھ ذکر کیا اور اس کے ذریعہ تین طلاقیں دیں تین مرتبہ میں جیسے کسی نے کہا میں نے تم کو چھوڑ دیا، میں نے تم کو چھوڑ دیا، میں نے تم کو چھوڑ دیا، یا ایک ہی مرتبہ کہا۔ میں نے تم کو آزاد کر دیا اور اسی میں تین طلاق کی نیت کر لی۔ خلاصہ یہ ہے کہ الفاظ کنایہ کی تیسری اور چوتھی

---

(۱) یتملك الزوج سواء كان حرا ام عبدا خيار طلاق زوجته الحرة ثلاث مرات (شرح البداية صفحه ۳۳۹ جلد۲ بحواله بهشتی زیور صفحه ۲۰ حصه٤)

صورت میں تین طلاقیں واقع ہونے کے لئے نیت ضروری ہے اگر تین کی نیت نہیں کی ہے تو ایک پڑے گی۔[1] (اس سے قبل کنایہ کی بحث میں تفصیل گذر چکی ہے۔)

طلاق مغلظہ کا حکم

تین طلاقیں جس طرح بھی دی جائیں خواہ تین طہر میں یا ایک ہی طہر میں کئی مرتبہ یا ایک ہی مجلس میں تین الگ الگ الفاظ میں، یا تین کے عدد کیساتھ۔ تو ان صورتوں کا حکم یہ ہے کہ نہ تو اب رجعت کر سکتا ہے اور نہ تجدید نکاح کے ذریعہ اس کو رکھ سکتا ہے۔ بلکہ اگر دوبارہ باہمی رضامندی سے رشتۂ نکاح استوار کرنا چاہیں تو اس کی ایک ہی صورت حلالہ ہے۔

حلالہ کی شرعی صورت

حلالہ کا شرعی طریقہ اور جائز صورت یہ ہے کہ مطلقہ ثلاثہ اپنی عدت طلاق مکمل کرے (اگر حیض آتا ہو تو تین حیض اور اگر بڑی عمر کیوجہ سے حیض نہ آتا ہو تو تین مہینے اور اگر حاملہ ہو تو وضع حمل سے) اس کے بعد وہ اپنی مرضی سے کسی اور مرد سے نکاح کرے پھر زوج ثانی اس سے صحبت بھی کرے بعدہ زوج ثانی کسی وجہ سے اس کو طلاق دیدے تو پھر یہ عورت عدت طلاق یا زوج ثانی وفات پاجائے تو عدت وفات گزار کر زوج اول سے نکاح کر سکتی ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يَّتَرَاجَعَا اِنْ ظَنَّا اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ[2]	اگر کوئی دو طلاق کے بعد تیسری طلاق بھی دیدے تو یہ عورت اس کے بعد اس کیلئے حلال نہیں رہے گی یہاں تک کہ کسی دوسرے شوہر سے

(۱) من قال لامرأته انت طالق وطالق او قال انت طالق فطالق فطالق او قال انت طالق ثم طالق ثم طالق او قال انت طالق طالق طالق بدون تعليقه بشرط في جميع هذه الصور طلقت امرأته المدخولة ثلاثا فان لفظ الطلاق مهما جاء بتكراره سواء كان بحرف الواو ام بغيره تعدد الطلاق (الفتاوى الهندية ص ۳۷۱ ج ۲ بحواله بهشتي زيور ص ۲۳ حصه ٤ حاشيه) (۲) سورة البقره آيت ۲۳۰

یہ نکاح کرے پھر (جماع کے بعد) وہ شوہر ثانی اس عورت کو طلاق دیدے اگر اس زوج ثانی نے طلاق دیدی تو اب ان دونوں کے لئے یہ اجازت ہے کہ پھر سے نکاح کرے مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ دونوں کو اس بات کا یقین ہو کہ اللہ کی ان حدود کو قائم رکھیں گے جو نکاح کے سلسلے میں بتائی گئی ہیں۔

حلالہ کی شرطیں

قرآن کی مذکورہ آیت واحادیث اور فقہ کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حلالہ کے اہم شرطیں چھ ہیں۔ (۱) دوسرے شوہر سے نکاح۔ (۲) زوج ثانی کا بغیر کسی دباؤ کے اپنی مرضی سے نکاح کرنا۔ (۳) نکاح کے بعد اس عورت سے زوج ثانی کا صحبت کرنا۔ (۴) زوج ثانی سے نکاح صحیح ہوا ہو۔ (۵) زوج ثانی کی طلاق کے بعد عدت پوری کرلی ہو۔ (۶) اصلاح اور نیک نیتی سے زوج اول نکاح کے ذریعہ رجوع کرے۔ (ہم ان تمام شرائط کو قدرے تفصیل سے بیان کرتے ہیں)۔

حلالہ کی پہلی شرط دوسرے شوہر سے نکاح کرنا

قرآن کی مذکورہ آیت (فان طلقها فلا تحل له الاية) میں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ عورت تین طلاق کے بعد پہلے شوہر کی طرف نہیں لوٹ سکتی (حتی تنکح زوجا غیرہ) جب تک کہ دوسرے مرد سے نکاح نہ کرلے مگر اس دوسرے نکاح کیلئے شرط یہ ہے کہ پہلے شوہر کی طلاق کی عدت پوری کرلی ہو اگر عدت پوری کرنے سے قبل نکاح کیا تو یہ نکاح صحیح نہیں فاسد ہوگا۔

حلالہ کی دوسری شرط زوج ثانی اپنی مرضی سے نکاح کرے

حلالہ کیلئے دوسری شرط یہ ہے کہ شوہر ثانی بغیر کسی دباؤ اور جبر کے اپنی مرضی سے نکاح کرے آج کے اس دور میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ شوہر اپنی خباثت کی وجہ سے تین طلاق دیدیتا ہے اور پھر جب دماغ ٹھکانے لگتا ہے تو ادھر اُدھر ہاتھ پیر مارنے

لگتا ہے وقتی نکاح اور طلاق کی شرط پر بہنوئی یا کسی رشتہ دار وغیرہ سے نکاح کرا کے طلاق حاصل کر لیتا ہے۔ یہ سراسر ناجائز اور موجب لعنت ہے حلالہ کرنے اور کرانے والے دونوں گنہگار ہوتے ہیں چنانچہ متعدد صحابہ کرام سے مرفوعاً روایت منقول ہے۔

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المحلل والمحلل لہ[1] کہ آپؐ نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لئے حلالہ کروایا جائے اس پر لعنت فرمائی ہے۔ (یعنی زوج اول اور ثانی دونوں ملعون ہیں) البتہ اس وعید کے باوجود بھی اگر کوئی طلاق کی شرط پر نکاح کر کے طلاق دیتا ہے تو زوج اول کیلئے عورت حلال ہو جائے گی۔[2]

اور اگر حلالہ کی شرط شروع میں نہ لگائی گئی لیکن زوج ثانی کا اپنا خیال یہ ہے کہ وہ اس عورت کو صحبت کے بعد فارغ کر دیگا اور میری وجہ سے شوہر اول اور ان کے اہل وعیال اور گھریلو نظام وغیرہ درست ہو جائیں گے تو اس طرح اصلاح کی غرض سے نکاح کر کے طلاق دینا موجب لعنت نہ ہوگا بلکہ اچھی نیت کیوجہ سے عنداللہ ماجور ہوگا۔[3]

حلالہ کی تیسری شرط نکاح کے بعد زوج ثانی کا صحبت کر لینا ہے

تیسری شرط یہ ہے کہ نکاح کے بعد دوسرا شوہر اس عورت سے صحبت بھی کرے۔ بغیر صحبت کے اگر شوہر نے طلاق دیدی یا بغیر صحبت کے زوج ثانی مر گیا تو یہ عورت پہلے شوہر کیلئے حلال نہیں ہوگی چنانچہ بخاری میں حضرت عائشہؓ سے ایک مرفوع روایت منقول ہے فرماتی ہیں کہ:

(۱) ترمذی شریف صفحہ ۲۱۳ جلد ۱

(۲) وکرہ التزوج للثانی تحریماً لحدیث لعن المحلل والمحلل لہ بشرط التحلیل کتزوجتک علی ان احللک وان حلت للاول لصحۃ النکاح وبطلان الشرط فلا یجبر علی الطلاق (درمختار علی ہامش شامی صفحہ ۴۷ جلد ۵)

(۳) اما اذا اضمرا ذلک لایکرہ وکان الرجل ما جوراً لقصد الاصلاح (درمختار علی ہامش شامی صفحہ ۴۸ جلد ۵

ان امرأة رفاعة القرظي جاء ت الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت يا رسول الله ان رفاعة طلقني فبت طلاقي واني نكحت بعده عبدالرحمن بن الزبير القرظي وانما معه مثل الهدبة قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لعلك تريدين ان ترجعي الى رفاعة لا حتى يذوق عسيلتك وتذوقي عسيلته[۱]

رفاعہ قرظیؓ کی بیوی حضورؐ کے پاس آئی اور کہا کہ یا رسول اللہ میرے شوہر رفاعہؓ نے مجھے طلاق بتہ (یعنی تین طلاقیں) دیدیں پھر میں نے عدت کے بعد عبدالرحمٰن بن زبیر قرظیؓ سے نکاح کیا مگر عبدالرحمٰنؓ کیساتھ جو چیز ہے (یعنی ان کا آلہ تناسل) وہ کپڑے کی چھور کے مانند کمزور ہے (گویا نامرد ہے) اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ کیا تم پھر رفاعہ کی طرف لوٹنا چاہتی ہو تو جان لو کہ تم اسکے نکاح میں اس وقت تک نہیں آسکتی جب تک کہ عبدالرحمٰنؓ تمہارا شہد نہ چکھ لے اور تم اس کا شہد نہ چکھ لو۔

(یعنی دونوں آپس میں جب تک مجامعت سے لطف اندوز نہ ہو جاؤ تب تک تم پہلے شوہر کی طرف نہیں لوٹ سکتی) فاطمہ بنت قیس کا بھی اسی طرح کا واقعہ صحیح مسلم میں منقول ہے۔

حلالہ میں خلوت وطی کے قائم مقام نہیں

اگر مرد نے عورت سے خلوت صحیحہ تو کیا مگر جماع نہیں کیا تو حلالہ کا تحقق نہیں ہوگا کیونکہ حلالہ میں خلوت وطی کے قائم مقام نہیں ہے۔[۲]

نامرد سے حلالہ

اوپر آگیا کہ خلوت وطی کے قائم مقام نہیں ہے لہٰذا اگر عورت کا نکاح ثانی

(۱) صحیح بخاری صفحہ ۷۹۱ جلد۲ (۲) وکذا الخلوة فی نوادر هشام (فتاوی قنیه ۸۳)

کسی نامرد سے ہوا کہ وہ وطی پر قادر نہیں ہے اس کے آلہ تناسل میں بالکل ایستادگی نہیں ہوتی ہے تو اس سے بھی حلالہ درست نہیں ہوگا کیونکہ حدیث میں آیا ہے (حتی یذوق عسیلتک) کہ جب تک وہ عورت کا مزہ نہ چکھ لے اس لئے اگر نامرد نے اپنا آلہ تناسل ہاتھ سے بھی داخل کردیا تو بھی حلالہ نہ ہوگا ہاں اگر اس سے حمل ٹھہر جائے تو حلالہ درست ہوجائے گا۔ اسی طرح اگر آلہ تناسل میں ایستادگی ہوئی اور پھر ہاتھ سے داخل کردیا تو حلالہ درست ہوجائے گا۔[1]

حلالہ کیلئے موجب غسل کے بقدر دخول شرط ہے

حلالہ کیلئے پورے آلہ تناسل کا داخل ہونا شرط نہیں بلکہ بلا کسی حائل کے صرف حشفہ کا داخل ہوجانا کافی ہے انزال بھی ضروری نہیں جیسا کہ غسل کے واجب ہونے کے لئے غیبوبتِ حشفہ فی الفرج کافی ہوتی ہے۔

وطی فی الدبر سے حلالہ

دُبر میں وطی کرنے سے حلالہ کا تحقق نہیں ہوگا کیونکہ وطی کا مقام قُبل ہے اور اس سے اس کا تحقق نہیں ہوا اور یہ فعل۔ فی نفسہٖ فعل معصیت اور گناہ کبیرہ کا باعث بھی ہے۔

مفضاۃ عورت سے حلالہ

اگر عورت مفضاۃ ہے (یعنی جس کا قبل و دبر ایک ہوگیا ہو) تو اس سے محض وطی کرلینے سے حلالہ کا تحقق نہیں ہوگا اور وہ اپنے شوہر اول کیلئے حلال نہ ہوگی البتہ اس وطی سے اس کو حمل ٹھہر گیا تب سمجھا جائے گا کہ وطی کا تحقق ہوچکا ہے اب عورت زوج اول کیلئے حلال ہوجائے گی۔

مسئلہ:- عورت سے وطی کرنا ضروری ہے خواہ جس حالت میں بھی ہو۔ چنانچہ اگر حیض و نفاس اور احرام جیسے ممنوع حالات میں بھی وطی پائی جائے تو بھی

---

(۱)،(۲) یشترط ان یکون الایلاج موجبا للغسل وهو التقاء الختانین بلا حائل یمنع الحرارة وکونه عن قوة نفسه فلا یحلها من لایقدر علیه الا بمساعدة الید الا اذا انتعش وعمل الخ وان لم ینزل لان الشرط الذوق لاالشبع (درمختار علی هامش شامی صفحه ٤٦ جلد ٥)

صحت حلالہ کیلئے کافی ہے۔ اگرچہ ان حالات میں شرعاً وطی کرنا درست نہیں ہے۔[۱]

شیخ فانی سے حلالہ

بوڑھے شخص کا آلۂ تناسل خواہش ابھرنے کے وقت اتنا سخت ہو جاتا ہے کہ بغیر ہاتھ لگائے اندر چلا جاتا ہے تو بالاتفاق اس سے حلالہ ہو جائے گا۔

اور اگر وہ اتنا کمزور ہے کہ اس کا آلۂ تناسل بالکل بیکار ہو کر رہ گیا ہے اس میں انتشار بالکل نہیں ہوتا، پھر ایسے آلۂ تناسل کو اگر ہاتھ سے داخل کر دیا جائے تو ایک قول کی بناء پر اس سے حلالہ درست نہیں ہوگا مگر علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ صحیح قول یہ ہے کہ اس سے بھی حلالہ درست ہو جائے گا۔[۲]

مراہق بچے سے حلالہ

اگر لڑکا اتنا چھوٹا ہے کہ اس کا آلۂ تناسل بالکل حرکت نہیں کرتا اور نہ اس کو عورت کی خواہش ہوتی ہے اور نہ وہ جماع پر قادر ہے تو ایسے لڑکے سے حلالہ درست نہیں ہوگا۔

ہاں اگر لڑکا مراہق یعنی قریب البلوغ ہے تو اس سے حلالہ کروانا درست ہے مراہق کی تفصیل یہ ہے کہ اس کے ہم عمر لڑکے جماع کر لیا کرتے ہیں۔ اسی طرح اس کا آلۂ تناسل حرکت میں آتا ہے۔ اس کو عورت کی خواہش بھی ہوتی ہے اس کے لئے شیخ الاسلام نے دس سال کی قید لگائی ہے کہ کم سے کم دس سال کا لڑکا حلالہ کیلئے ضروری ہے۔[۳]

---

(۱) فلو وطئ مفضاة لاتحل له الا اذا حبلت ليعلم ان الوطؤ كان في قبلها كما لو تزوجت بمجبوب فانها لا تحل حتى تحبل لوجود الدخول حكماً الخ ولو في حيض ونفاس واحرام وان كان حراما وان لم ينزل لان الشرط الذوق لاالشبع (درمختار على هامش شامي صفحه ٤٤ تا ٤٦ جلد ٥

(۲) وقيل ايلاج الشيخ الفاني بيده يحلها وقيل اذا لم تنتشر آلته فادخله بيده او بيدها او كان الذكر اشل لايحلها بالايلاج والصواب حلها لانه متعلق بدخول الحشفة (شامي ص٤٦ ج٥

(۳) لاينكح مطلقة من نكاح صحيح نافذ... بها اى بالثلاث... حتى يطأها غيره ولو الغير مراهقا يجامع مثله وقدره شيخ الاسلام بعشر سنين (درمختار على هامش شامي صفحه ٤٠ تا٤٢ جلد٥)

حد بلوغ کیا ہے

حد بلوغ کے متعلق پوری تفصیل خزینۃ الفقہ جلد اول میں آچکی ہے یہاں بھی مختصراً سمجھ لیا جائے کہ لڑکے کی علامات بلوغ تین ہیں۔ (۱) انزال ہونا۔ (۲) احتلام ہونا۔ (۳) اس سے کسی عورت کو حمل ٹھہر جانا۔ مذکورہ بالا علامات میں سے اگر کوئی بھی علامت نہ پائی جائے تو پندرہ سال مکمل ہونے پر بلوغ کا حکم لگایا جائے گا۔ ڈاڑھی۔ مونچھ۔ اور زیر ناف کا نکلنا علامات بلوغ نہیں ہیں۔

خصی مرد اور مجنون سے حلالہ

خصی مرد سے حلالہ کیا تو حلالہ درست ہے بشرطیکہ جماع پر قادر ہو کیونکہ خصی کرنے سے صرف خصیتین ختم ہوئے ہیں مگر آلۂ تناسل باقی ہے اس لئے جماع کی قدرت کیساتھ حلالہ درست ہے۔

اسی طرح اگر مجنون اور پاگل جماع سے لطف اندوز ہوتے ہوں تو ان سے حلالہ درست ہے نیز ذمی مرد، ذمیہ عورتوں کیساتھ حلالہ کرے تو درست ہے مگر مسلمہ عورت کا ذمی مرد سے حلالہ جائز نہیں کیونکہ اس سے نکاح ہی درست نہیں ہوتا ہے۔[۱]

حلالہ کی چوتھی شرط نکاح صحیح اور نکاح نافذ کا ہونا ہے

حلالہ کیلئے چوتھی شرط یہ ہے کہ زوج ثانی سے جو نکاح ہوا ہے وہ اپنے تمام شرائط وارکان کے لحاظ سے صحیح ہو لہٰذا اگر مطلقہ ثلاثہ کا نکاح ثانی عدت کے بعد بغیر گواہ کے ہوا۔ یا کسی محرم مرد سے نکاح ہوا۔ یا ان شرائط کے بغیر نکاح ہوا جن کے پائے جانے سے نکاح فاسد اور باطل ہو جاتا ہے۔ تو حلالہ درست نہیں ہوگا۔

نیز نکاح نافذ ہوا ہو اگر نکاح موقوف ہوا اور پھر شوہر نے وطی کی تو حلالہ درست نہیں ہوگا جیسے کسی عورت نے بغیر ولی کی اجازت کے غیر کفو میں نکاح

---

(۱) حتی یطأها غیره ولولغیر مراهقا الخ اوخصیا او مجنونا او ذمیا لذمیة (درمختار علی هامش شامی صفحه ۴۱ تا ۴۲ جلد ۵)

کرلیا تو یہ نکاح ولی کی اجازت پر موقوف رہے گا ولی نے اجازت دیدی تو نافذ ورنہ نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا بغیر ولی کی اجازت کے نکاح کر کے وطی کر لی تو یہ حلالہ کیلئے کافی نہیں ہوگا۔ ۱

حلالہ کی پانچویں شرط زوج ثانی کی طلاق کے بعد عدت کا پورا ہو جانا ہے

پانچویں شرط یہ ہے کہ زوج ثانی کی طلاق کے بعد عورت عدت پوری کر کے زوج اول سے نکاح کرے لہٰذا عدت پوری کئے بغیر نکاح کرے تو نکاح درست نہیں ہوگا اور اگر عورت نے دوسرے شوہر کی طلاق کے بعد عدت پوری ہونے کا دعویٰ کیا تو اس کا دعویٰ اس شرط پر قبول کیا جائے گا کہ اتنی مدت میں تین حیض آ جانا ممکن ہو اس کی مقدار کم از کم دو ماہ ہے۔ ۲

حلالہ کی چھٹی شرط زوج اول اصلاح اور نیک نیتی سے نکاح کے ذریعہ رجوع کرے

آخر میں حلالہ کیلئے یہ شرط لگائی گئی ہے کہ زوج اول اور زوجہ۔ زوج ثانی کے نکاح اور طلاق کے بعد اگر رشتۂ نکاح پھر سے قائم کرنا چاہتے ہیں تو نکاح سے قبل دونوں خوب غور و فکر کر لیں کہ جس اختلاف اور نزاع کیوجہ سے طلاق واقع ہوئی

(۱) لا ینکح مطلقة من نکاح صحیح نافذ... بها ای بالثلاث... حتی یطأها غیره ولولغیر مراهقا یجامع مثله وقدره شیخ الاسلام بعشر سنین او خصیا او مجنونا او ذمیا لذمیة بنکاح نافذ خرج الفاسد والموقوف فلونکحها عبد بلا اذن سیده ووطئها قبل الاجازة لایحلها حتی یطأها بعدها الخ لکن علی روایة الحسن المفتی بها انه لا یحلها لعدم الکفاءة ان لها ولی والا فیحلها اتفاقا کما مر (درمختار) یجامع مثله تفسیر للمراهق ذکره فی الجامع وقیل هو الذی تتحرک آلته ویشتهی النساء الخ او خصا... وهو من قطعت خصیتاه وانما جاز تحلیله لوجود الآلة (شامی صفحه ۴۲ جلد۵)

(۲) ولواخبرت مطلقة الثلاث بمضی عدته وعدة الزوج الثانی بعد دخوله والمدة تحتمله جاز له ای للاول ان یصدقها ان غلب علی ظنه صدقها واقل مدة عدة عنده بحیض شهران (درمختار علی هامش شامی صفحه ۵۲-۵۳ جلد۵)

تھی اس اختلاف کو دور کریں گے اور ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت کر کے پھر سے ازدواجی زندگی خوشگوار بنائیں گے اگر اس طرح اصلاح اور نیک نیتی سے دو بارہ نکاح کرنا چاہتے ہیں تو کرلیں۔ ورنہ اس کے علاوہ کوئی وقتی فائدہ اور کوئی غرض نکالنا مقصود ہو تو ہرگز رجوع نہ کریں اسی کی طرف قرآن میں اس آیت سے اشارہ کیا گیا ہے۔ (فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يَّتَرَاجَعَا اِنْ ظَنَّا اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ)

سونے اور بے ہوشی کی حالت میں حلالہ

مرد سویا ہوا تھا یا بے ہوش تھا کہ اسی حالت میں عورت نے اس سے جماع کروالیا یعنی اس کے آلۂ تناسل کو اپنی شرمگاہ میں داخل کرلیا۔ اسی طرح عورت سوئی ہوئی تھی یا بے ہوش پڑی تھی کہ مرد نے اس سے جماع کرلیا۔ تو صحیح قول کی بناء پر حلالہ ہو جائے گا۔ [۱]

آلۂ تناسل پر کپڑا لپیٹ کر حلالہ

انزال سے بچنے یا شرمندگی میں تخفیف کی غرض سے آلۂ تناسل پر کپڑا لپیٹ کر وطی کرلی تو حلالہ کا تحقق اس صورت میں ہوگا کہ مرد کا حشفہ عورت کی شرمگاہ میں داخل ہو کر ایک دوسرے کی حرارت اور لذت محسوس ہونے لگے نیز ذکر اپنی طاقت کے بل بوتے پر اندر جائے۔ [۲]

نیرودھ کیساتھ وطی کرنے سے حلالہ

نیرودھ کیساتھ وطی کرنے سے بھی حلالہ کا تحقق اسی شرط کیساتھ ہوگا کہ ایک دوسرے کی حرارت اور لذت محسوس ہونے لگے۔ [۳]

(۱) قلت ورأيت فى المعراج الدراية ووطء النائمة والمغمى عليه يحل عندنا الخ ثم لايخفى ان نومه واغماءه كنومها واغمائها (شامى صفحه ۴۷ جلد ۵)

(۲) اشار بالوطء الى ان شرط الايلاج بشرط كونه عن قوة نفسه وان كان ملفوفا بخرقة اذا كان يجد لذة حرارة المحل (بحر الرائق صفحه ۹۴ جلد ۴)

(۳) فتاوى محموديه صفحه ۲۲۰ جلد ۱۱)

مطلقہ ثلاثہ غیر موطوءۃ کے حلالہ کا مسئلہ

اگر غیر موطوءۃ کو یکبارگی تین طلاقیں دیدی گئی ہوں تو اس کے لئے حلالہ ضروری ہے۔ اور اگر یکے بعد دیگرے تین طلاقیں دی گئیں تو اس کے لئے حلالہ ضروری نہیں کیونکہ غیر مدخول بہا ایک ہی طلاق سے بائن ہو کر نکاح سے نکل جاتی ہے اور دوسری اور تیسری طلاق لغو ہو جاتی ہے۔

نابالغہ کو یکبارگی تین طلاق دے کر حلالہ

اگر کسی نے اپنی ایسی نابالغہ بیوی کو جو ناقابل جماع ہے ایک جملہ میں تین طلاقیں دیدیں تو ایسی نابالغہ بیوی بھی شوہر اول کی طرف بغیر حلالہ کے نہیں لوٹ سکتی اور اس کے حلالہ کی صورت یہ ہے کہ وہ قابل جماع ہونے تک رکی رہے جب قابل جماع ہو جائے تو شوہر ثانی سے وطی کرائے اور شرعی طریقہ کے مطابق شوہر اول کی طرف لوٹ آئے۔[1]

عورت نے حلالہ کرانے کا دعویٰ کیا

اگر عورت نے زوج اول سے کہا کہ میں حلالہ کرا چکی ہوں تم پھر مجھ سے نکاح کر لو تو صرف عورت کے اتنا کہہ دینے سے مرد کیلئے دوبارہ نکاح کر لینا درست نہیں ہوگا بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ پورے معاملے کی تحقیق کرے کہ کب اور کہاں نکاح کیا اور نکاح کے بعد دوسرے شوہر سے اس نے ہمبستری بھی کرائی یا نہیں جب پوری شرائط حلالہ متحقق ہو جائیں تب نکاح کرے ورنہ عورت نے اگر حلالہ نہ کروایا اور شوہر نے بغیر معاملہ کی تحقیق کے نکاح کر لیا تو عورت اس مرد کے لئے حرام رہے گی اور دونوں پوری زندگی زناکاری میں مبتلا ہوں گے اور اس کا

(۱) والشرط التيقن بوقوع الوطء في المحل المتيقن به فلو كانت صغيرة لايوطأ مثلها لم تحل للاول (درمختار على هامش شامي صفحه ٤٤ جلد٥)

زیادہ تر وبال شوہر پر ہوگا۔[1]

وطی سے قبل اگر شوہر ثانی مرجائے تو حلالہ درست نہیں

مطلقہ ثلاثہ نے کسی سے نکاح کیا مگر وطی سے قبل زوج ثانی کا انتقال ہو گیا تو اس عورت کا اس شوہر سے حلالہ متحقق نہیں ہوا کیونکہ موت وطی کے قائم مقام نہیں (کما فی البحر الموت لا یقوم مقام فی حق التحلیل) اب اس کے لئے یہی شکل ہے کہ وہ پھر کسی تیسرے مرد سے نکاح کر کے شرعی حلالہ کرائے اور پھر شوہر اول کی طرف لوٹ آئے۔[2]

البتہ اگر شوہر ثانی کا انتقال وطی کے بعد اور طلاق سے قبل ہو جائے تو عورت شوہر اول کیلئے حلال ہو جائے گی۔ مگر اس صورت میں عورت شوہر ثانی کی عدت وفات گذارے گی نہ کہ عدت طلاق۔[3]

تحریری طلاق

شریعت میں مکتوب کا وہی حکم ہے جو ملفوظ کا ہے اگرچہ بعض مواقع میں خصوصی اسباب کی وجہ سے دونوں میں کچھ فرق ہے۔ بعض مسائل میں شریعت نے کتابت کو تکلم جیسا بنیادی درجہ نہیں دیا ہے جیسے طلاق مکرہ میں بغیر تلفظ کے تحریری طلاق معتبر نہیں اور بعض مسائل میں تو تحریر ہی کو ضروری قرار دیا ہے جیسے گونگا اگر لکھنا جانتا ہے تو اشارہ وکنایہ معتبر نہیں طلاق کا لکھنا ہی معتبر ہوگا۔ حاصل یہ ہے کہ بعض مسائل کے علاوہ کتابتِ طلاق تلفظِ طلاق کے برابر ہے۔

---

(۱) لو قالت حللت لك او قالت حلاله کردم لایحل له التزوج مالم یستفسرها لاختلاف الناس فی کیفیة التحلیل وهو الصواب (فتاوی قنیه صفحه ۸٤)

(۲) لو مات عنها قبل الوط لایحلها للاول الخ لان الشرط هنا الوط (شامی صفحه ٤٥ جلد٥)

(۳) لم تحل له حتی تنکح زوجا غیره نکاحا صحیحا ویدخل بها ثم یطلقها او یموت عنها (فتاوی عالمگیری صفحه ٤٧٣ جلد١)

یعنی صفتِ طلاق سنی و بدعی اور ایقاع طلاق صریح و کنایہ کے اعتبار سے اس کا بھی وہی حکم ہے جو تلفظ طلاق کا ہے۔ لہٰذا جس طرح تلفظ طلاق سے طلاق واقع ہو جاتی ہے اسی طرح کتابت طلاق سے بھی طلاق ہو جاتی ہے وقوع طلاق کیلئے تکلم شرط نہیں ہے، ہم ان تمام مسائل کو قدرے تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

کتابت طلاق کی اولاً دو صورتیں ہیں۔ کتابت طلاق خود شوہر نے کی ہے۔ یا شوہر کے علاوہ کسی اور نے کی ہے۔ پہلی صورت یعنی کتابت شوہر نے کی ہے تو اس کی تین قسمیں ہیں۔

کتابت مستبینہ مرسومہ: یعنی اس نے طلاق کو کسی کاغذ یا دیوار یا کسی ایسی چیز پر تحریر کی جو واضح اور باقی رہنے والی ہے اور باضابطہ عنوان دیکر طلاق نامہ یا مکتوب نامہ اور مخاطب کیساتھ لکھا ہے۔ تو اس کا حکم یہ ہے کہ وہ کتابت تلفظ کے قائم مقام ہوگی اور اس سے علی الاطلاق طلاق واقع ہو کر عورت پر عدت واجب ہو جائے گی اس میں شوہر کے نیت کرنے یا نہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اگر شوہر بعد میں انکار کرے کہ میں نے اس سے طلاق کا ارادہ نہیں کیا تھا بلکہ صرف تجربہ کرنا مقصود تھا کہ دیکھیں میرا خط کیسا ہوتا ہے۔ تو اس کا یہ عذر قضاءً قابل قبول نہیں ہوگا کیونکہ کتابت مستبینہ و مرسومہ سے مطلقاً طلاق ہو جاتی ہے خواہ نیت کرے یا نہ کرے۔

ہاں اگر اس نے طلاق کو خط پہنچنے پر معلق کیا کہ جب یہ خط تمہارے پاس پہنچے اس وقت طلاق۔ تو یہ طلاق کتابت کے وقت سے نہیں خط پہنچنے کے وقت سے واقع ہوگی اور اسی وقت سے عدت واجب ہوگی خواہ عورت اس کو پڑھے یا نہ پڑھے محض خط پہنچتے ہی طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور اگر خط راستہ ہی میں ضائع ہو گیا تو اب بالکل یہ طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ طلاق کو وصولیابی پر معلق کیا تھا جو پائی نہیں گئی۔

مسئلہ:- اگر خط لڑکی کو ملنے کے بجائے اس کے باپ کو ملا اور باپ نے اس کو پھاڑ دیا، خواہ پڑھ کر پھاڑا یا بغیر پڑھے پھاڑا، تو اس کا حکم یہ ہے کہ باپ اگر لڑکی

کے معاملے میں دخیل ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ باپ کو ملنا گویا لڑکی کو ملنا ہے اور اگر لڑکی کے معاملہ میں دخیل نہیں ہے تو لڑکی کو ملنا ضروری ہے باپ کو ملنے سے طلاق نہیں ہو گی۔

اگر باپ نے خط کی اطلاع لڑکی کو دی اور چاک شدہ خط بھی لڑکی کے حوالہ کیا تو اگر خط اس حالت میں ہے کہ ٹکڑے ٹکڑے ہونے کے بعد بھی پڑھا جاسکتا ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور اگر ٹکڑے ٹکڑے حصے کو ملانے کے بعد بھی نہیں پڑھا جاسکتا تو طلاق واقع نہیں ہو گی۔

مسئلہ:- شوہر نے خط کے ملنے پر طلاق کو معلق کیا اور خط میں طلاق کا ذکر کرنے کے بعد اس کو مٹا دیا اور اس کے بعد خط کو سپرد ڈاک کیا تو خط ملتے ہی طلاق واقع ہو جائے گی عورت کا پڑھنا شرط نہیں۔

اگر کسی نے خط میں طلاق کا تذکرہ کرنے کے بعد اس کو مٹا دیا یا کسی کو مٹانے کا حکم کیا تو خط پہونچتے ہی قضاءً دو طلاق واقع ہو گی اور دیانۃً ایک واقع ہو گی۔

کتابت مستبینہ غیر مرسومہ: یعنی کتابت تو کاغذ یا دیوار یا کسی ایسی چیز ہی پر کی گئی جو واضح اور ظاہر ہے مگر عنوان قائم کئے بغیر اور عورت کو مخاطب کئے بغیر اور طلاق کی اضافت عورت کی طرف کئے بغیر محض یوں لکھ دیا۔ طلاق ہے یا طلاق دی اور اس تحریر کو بیوی کے پاس بھیجا بھی نہیں تو اسکا حکم یہ ہے کہ یہ طلاق اس وقت معتبر ہو گی جبکہ شوہر نے اس سے بیوی کو طلاق دینے کی نیت کی ہو اور اس کا اقرار شوہر کرتا ہو کہ میری مراد بیوی ہی کو طلاق دینا ہے۔ اور اگر شوہر بیوی کو طلاق دینے کی نیت سے انکار کرتا ہے تو یہ طلاق معتبر نہیں ہو گی۔

کتابت غیر مستبینہ: یعنی جو تحریر ظاہر نہ ہو اور پڑھنے میں نہ آئے جیسے پانی یا ہوا میں ہاتھ چلانا اور طلاق لکھنا۔ تو اس کا حکم واضح ہے کہ اس سے کسی

حال میں طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ حقیقتاً نہ یہ تحریر ہے اور نہ تلفظ ہے۔[1]

شوہر کے علاوہ کسی دوسرے نے طلاق لکھا

اگر شوہر نے خود طلاق لکھنے کے بجائے کسی اور سے لکھوایا تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ کاتب سے صراحۃً کہا کہ میری بیوی کو طلاق لکھدو تو اتنا کہتے ہی اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی اگر چہ کاتب نے اب تک طلاق نہیں لکھا کیونکہ حکم دینا گویا خود سے زبانی طلاق دینا ہے۔ اور کاتب سے بغیر صراحت کے صرف یوں کہا کہ لکھو کاتب نے اس کی بیوی کو طلاق لکھ کر شوہر کو سنادیا شوہر نے خوشی سے اس پر دستخط کردیا یا بتصدیق مہر لگادیا۔ یا انگوٹھے کا نشان لگادیا تو اس سے بھی طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر اس نے سن کر نہ تصدیق کی، نہ دستخط کیا، نہ مہر ثبت کیا اور نہ صراحۃً انکار کیا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

مسئلہ:- بیوی کو شوہر کی طرف سے طلاق نامہ یا طلاق والا خط ملا تو اس

---

(۱) قوله (كتب الطلاق الخ) قال في الهندية الكتابة على نوعين مرسومة وغير مرسومة ونعني بالمرسومة ان يكون مصدرا ومعنونا مثل ما يكتب الى الغائب وغير المرسومة ان لايكون مصدرا او معنونا وهو على وجهين مستبينة وغير مستبينة فالمستبينة ما يكتب على الصحيفة والحائط والارض على وجه يمكن فهمه وقرأته وغير المستبينة ما يكتب على الهواء والماء وشئ لايمكن فهمه وقرأته ففي غير المستبينة لايقع الطلاق وان نوى وان كانت مستبينة لكنها غير مرسومة ان نوى الطلاق يقع والا لا وان كانت مرسومة يقع الطلاق نوى او لم ينو ثم المرسومة لاتخلو اما ان أرسل الطلاق بأن كتب اما بعد فانت طالق فكما كتب هذا يقع وتلزمها العدة من وقت الكتابة وان علق طلاقها بمجيئ الكتابة بان كتب اذا جاء ك كتابي فانت طالق فجاء ها الكتاب فقرأته او لم تقرأ يقع الطلاق الخ ولا يحتاج الى النية في المستبين المرسوم ولا يصدق في القضاء انه عنى تجربة الخط بحر ومفهومه أنه يصدق ديانة في المرسوم رحمتي ولو وصل الى ابيها فمزقه ولم يدفعه اليها فان كان متصرفا في جميع امورها فوصل اليه في بلدها وقع وان لم يكن كذلك فلا مالم يصل اليها وان اخبرها بوصوله اليه ودفعه اليها ممزقا ان امكن فهمه قرأته وقع والا فلا عن الهندية وفي التاتر خانية كتب في قرطاس اذا اتاك كتابي هذا فانت طالق ثم نسخه في آخر او امر غيره بنسخه ولم يمله عليه فاتاه الكتابان طلقت ثنتين قضاءً ان اقرانهما كتاباه اوبرهنت وفي الديانة تقع واحدة (شامي صفحه ٤٥٥ تا ٤٥٦ جلد ٤)

سے طلاق اس صورت میں واقع ہوگی جبکہ شوہر اقرار کرے کہ ہاں یہ خط میرا ہی ہے میری طرف سے کسی نے لکھا ہے۔ اور اگر شوہر نے اس خط کا انکار کر دیا کہ میرا نہیں ہے تو اس سے طلاق نہیں ہوگی ہاں اگر شوہر کے انکار پر بیوی نے بینہ قائم کر دیا کہ حقیقتاً یہ خط شوہر ہی کا ہے اس نے دوسرے سے لکھنے کو کہا تھا اور اس پر گواہ بھی موجود ہے تو پھر شوہر کا انکار معتبر نہیں ہوگا بلکہ طلاق پڑ جائے گی۔

اور اگر کسی طرح سے بھی یہ ثابت نہ ہو سکے کہ یہ خط شوہر کی طرف سے ہے نہ تو خود شوہر اقرار کرتا ہے اور نہ اس پر کوئی گواہ قائم ہے تو پھر اس معاملہ کو شوہر کے حوالہ کر دیا جائے گا اور قضاءً عدم وقوع کا فیصلہ ہوگا مگر دیانۃً طلاق قرار دی جائے گی۔ اگر حقیقتاً شوہر نے خط لکھا یا لکھوایا ہوگا تو انکار کرنے سے گنہگار ہوگا اور پوری زندگی زناکاری میں مبتلا رہے گا۔[1]

شوہر سے جبراً طلاق لکھوائی گئی یا طلاق نامہ پر دستخط کرایا گیا

زبانی طلاق تو جبراً واکراہ کی حالت میں بھی واقع ہو جاتی ہے مگر کتابت طلاق میں جبراً طلاق کا اعتبار نہیں ہوتا ہے کیونکہ کتابت کو تلفظ کے قائم مقام طلاق کے باب میں مجبوراً کیا گیا ہے اور اکراہ وجبر کی حالت میں وہ مجبوری اور ضرورت مفقود ہے۔

لہٰذا اگر کسی نے شوہر کو دھمکا چمکا کر طلاق لکھوائی یا طلاق نامہ پر قہراً دستخط کرا لیا یاد ھوکہ دیکر یہ کام کرایا۔ یا مہر لگوایا یا انگوٹھے کا نشان جبراً لے لیا۔ یا شوہر کو معلوم ہے مگر اس پر راضی نہیں صرف خوف کی وجہ سے اس نے ایسا کیا تو طلاق واقع نہیں ہوگی

(۱) ولو قال للكاتب اكتب طلاق امرأتي كان اقرار بالطلاق وان لم يكتب ولو استكتب من آخر كتابا بطلاقها وقرأه على الزوج فاخذه الزوج وختمه وعنونه وبعث به اليها فاتاها وقع ان اقر الزوج انه كتابه او قال الرجل ابعث به اليها او قال له اكتب نسخة وابعث بها اليها وان لم يقر انه كتابه ولم تقم بينة لكنه وصف الامر على وجهه لاتطلق قضاءً ولا ديانة وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق مالم يقر انه كتابه (شامی صفحه ٤٥٦ جلد٤)

جب تک کہ وہ تلفظ نہ کرے۔[1]

کتابت میں استثناء کا حکم

اگر کسی نے لفظ طلاق لکھ کر زبان سے انشاءاللہ کہدیا یا زبان سے طلاق کا استعمال کر کے کاغذ پر انشاءاللہ لکھدیا تو ان دونوں صورتوں میں طلاق واقع ہو گی یا نہیں علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ حنفیہ کی کوئی روایت اس سلسلے میں نظر سے نہیں گزری۔ مگر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دونوں استثناء کو مان کر عدم وقوع طلاق کا فیصلہ کیا جائے۔[2]

(نوٹ) جب مخالفت استثناء کو معتبر مان لیا گیا تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ موافقت کی صورت میں جب کہ طلاق واستثناء دونوں ہی تحریری ہوں تو بدرجہ اولیٰ استثناء کو معتبر مان کر طلاق کے عدم وقوع کا فیصلہ ہوگا۔

طلاق بذریعہ ٹیلیفون یا ٹیلی گرام

طلاق کے لئے بیوی کا سامنے ہونا ضروری نہیں اس لئے ٹیلیفون یا ٹیلی گرام کے ذریعہ اگر شوہر طلاق دیتا ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی مگر صرف ٹیلیفون کی آواز یا ٹیلی گرام کی تحریر پر وقوع طلاق کا فیصلہ نہیں ہوگا بلکہ اس بات کا یقین ہو جانا ضروری ہے کہ یہ ٹیلیفون یا ٹیلی گرام شوہر کی طرف سے ہے۔ اس کا یا تو شوہر خود اقرار کرلے یا دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں اس پر گواہی دیدیں کہ میں نے اس کو ٹیلیفون یا ٹیلی گرام یا تار وغیرہ کے ذریعہ طلاق دیتے ہوئے دیکھا اور سنا

---

(۱) وفی البحر ان المراد الاکراہ علی التلفظ بالطلاق فلواکرہ علی ان یکتب طلاق امرأتہ فکتب لاتطلق لان الکتابة اقیمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولا حاجة ھنا کذا فی الخانیة (شامی صفحہ ٤٤٠ جلد٤)

(۲) وفی الھندیة کتب الطلاق واستثنی بلسانہ او طلق بلسانہ واستثنی بالکتابة ھل یصح لا روایة لھذہ المسئلة وینبغی ان یصح کذا فی الظھریة (شامی صفحہ ٤٥٧ جلد٤)

ہے تب اس ٹیلیفون و ٹیلی گرام کا اعتبار کر کے طلاق کا اعتبار کرلیا جائے گا۔ ورنہ نہیں کیونکہ آواز میں کافی مماثلت اور یکسانیت ہوتی ہے ٹیلیفون کی آواز سے پورے طور پر سمجھ میں نہیں آسکتا ہے کہ شوہر فون کر رہا ہے یا کوئی اور، ٹیلی گرام اور تار کی تحریر تو حقیقتاً شوہر کی ہوتی بھی نہیں۔

لہٰذا جب شوہر کے ٹیلیفون یا ٹیلی گرام پر کوئی گواہ قائم نہ ہوسکا اور کسی قرینہ کے ذریعہ شوہر کی طرف سے اس کا ہونا بھی یقینی نہ ہوسکا اور شوہر اس کا انکار بھی کرتا ہے تو اس معاملہ کو اس کے حوالہ کردیا جائے گا اور قضاءً وقوع طلاق کا فیصلہ نہیں ہوگا۔ اور اگر حقیقتاً اسی نے ٹیلیفون یا ٹیلی گرام پر طلاق دی ہوگی تو پوری زندگی زناکاری میں مبتلا ہونے کا گناہ اسی کے سر ہوگا۔

تفویض طلاق

طلاق کا اختیار بیوی کے سپرد کرنا

شروع میں بیان کیا گیا ہے کہ طلاق کا اختیار شریعت نے مرد ہی کو دیا ہے نص قطعی سے اس کا ثبوت ہے اور پوری امت کا اس بات پر اجماع بھی ہے۔ کیونکہ مرد نکاح کے باب میں عورتوں کا حاکم ہے اس اہم رشتہ کو خوشگوار بنانے کی اس میں صلاحیت ہے صبر وتحمل، سوچ وفکر، نفع ونقصان کے سمجھنے کا اس کے اندر مادہ ہے اس کے برخلاف عورت غیر مستقل مزاج اور ناقص العقل ہے بغیر سوچے سمجھے آخری قدم اٹھالینا اس کی فطرت ہے اس لئے طلاق جیسی ایک اہم چیز جو اس مقدس رشتہ کو توڑنے کا ذریعہ ہے عورت کے حوالہ نہیں کیا گیا۔

مگر اسلام نے عورتوں کو مجبور محض بھی نہیں بنایا ہے کہ مردوں کی طرف سے ظلم وتشدد کا پہاڑ ٹوٹتا رہے اور ان کے حقوق کی پامالی ہوتی رہے اور وہ (کالمیت فی ید الغسال) ساری چیزوں کو سہتی رہیں بلکہ شریعت نے عورتوں کے حقوق کی

بھی پوری پوری رعایت کی ہے ان کے لئے مستقل قوانین مرتب کئے ہیں ان کو ظالموں کے پنجے سے نکال کر انسانی سطح پر زندگی گزارنے کا پورا اختیار دیا ہے کہ اگر شوہر کی طرف سے ظلم وتشدد کی انتہا ہو جائے اور حقوق کی ادائیگی میں پوری لاپرواہی برتنے لگے تو جہاں ان کو شریعت نے مہر معاف کر کے خلع کرنے یا قاضی شریعت، حاکم اور شرعی عدالت میں اپنا معاملہ پیش کر کے فسخ نکاح کا اختیار دیا ہے وہیں عورتوں کے لئے یہ بھی راستہ نکالا ہے کہ وہ شوہر کو راضی کر کے اس کی اجازت سے طلاق کا اختیار اپنے قبضہ میں لیکر گلو خلاصی کرائیں۔ خلاصہ یہ کہ طلاق تو بہر حال مرد کا حق ہے مگر وہ اپنا حق عورت کو دے سکتا ہے اور عورت اس اختیار کو استعمال کر سکتی ہے۔ اور شرعی حدود میں رہ کر اس طرح کا حق شوہر سے حاصل کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ شریعت کی طرف سے ایک سہولت کی راہ ہے اس پر صحابۂ کرام کا اجماع ہے کبار صحابہ حضرت علی، عثمان غنی، عبداللہ ابن مسعود، عبداللہ ابن عمر، جابر، زید بن ثابت اور عائشہ رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین سے اس سلسلہ میں روایات منقول ہیں کہ مرد اپنا حق طلاق عورت کے حوالہ کرے تو عورت کو اختیار حاصل ہو جاتا ہے۔ نیز جہاں شریعت نے خود اس کا حل بڑے اہتمام سے پیش کیا ہے وہیں اس نے اہل محلہ، اہل شہر اور شرعی پنچ پر یہ ذمہ داری بھی عائد کی ہے کہ وہ ان معاملوں کو خود طے کر لیا کریں اور مظلومہ عورتوں کے مسائل کو حل کر کے ان کو ظلم سے نجات دلائیں۔

تفویض طلاق کے شرائط

طلاق کا اختیار عورتوں کے سپرد کرنے اور اس اختیار کو استعمال کرنے کے سلسلے میں کچھ اہم شرائط ہیں جن پر تفویض طلاق کا سمجھنا موقوف ہے اور وہ شرائط وہدایات کل سات ہیں۔

پہلی شرط:- یہ ہے کہ طلاق کا اختیار عورت کے سپرد کرنے کا علم عورت

کو ہو خواہ یہ اطلاع شوہر نے بیوی کو براہ راست دی ہو یا بذریعہ قاصد یا بذریعہ خط یا وکیل کو بھیج کر دی ہو۔ اگر شوہر نے تفویض طلاق کی اطلاع عورت کو دی مگر عورت اس کو نہ سن سکی۔ یا وہ غائب تھی جس کی وجہ سے اطلاع نہ پہنچ سکی۔ تو یہ اختیار عورت کو اس وقت حاصل ہو گا جب اس کو اس کا علم ہو گا۔

اور اگر شوہر نے اطلاع دی مگر وہ اس پر مطلع ہونے کی نفی کرتی ہے اور مرد اس کو ثابت کرنا چاہتا ہے تا کہ اس سے اختیار ساقط کر دے تو وہ ساقط نہیں کر سکتا اس سلسلے میں عورت ہی کا قول معتبر ہو گا۔[1]

دوسری شرط: یہ ہے کہ جس مجلس کے اندر یہ اختیار سپرد کیا گیا ہے اسی مجلس میں عورت کو حق طلاق حاصل رہے گا چاہے تو اپنے اوپر طلاق لے لے اور چاہے تو اس اختیار کو رد کر دے۔ مجلس سے وہ جگہ مراد ہے جس جگہ زوجین اختیار طلاق کی بات کر رہے ہیں۔ کوئی خاص عرفی مجلس مراد نہیں ہے۔ اس مجلس کے اخیر تک اختیار رہے گا خواہ مجلس کتنی ہی لمبی کیوں نہ ہو جائے۔

اگر مرد اختیار دینے کے بعد مجلس سے اٹھ گیا تو بھی اختیار باقی رہے گا جب تک کہ عورت خود مجلس نہ بدل دے۔[2]

تبدیل مجلس اور اختیار باطل ہونے کی صورت

تفویض کے بعد اسی مجلس میں عورت کی طرف سے اختیار کو قبول کرنا ضروری ہے ورنہ تبدیل مجلس یا کسی ایسے طرز کے اظہار سے جس سے عورت کی

(۱) ولو اخبرها فلم تسمع او كانت غائبة فلها الخيار فى مجلس علمها ولو قال الزوج علمت فى مجلس القول وانكرت المرأة فالقول لها كذا فى محيط السرخسى (عالم گیری ص۳۸۸ ج۱)

(۲) فلها ان تطلق نفسها مادامت فى مجلسها ذلك وان تطاول يوما او اكثر مالم تقم منه او تاخذ فى عمل اخر وكذا اذ قام هو من المجلس فالامر فى يدها مادامت فى مجلسها (عالم گیری صفحہ ۳۸۷ جلد۱

ناگواری اور عدم قبولیت کا اندازہ ہوتا ہو، اختیار باطل ہو جائے گا۔ مثلاً اختیار کے قبول کرنے سے قبل عورت اس مجلس سے اٹھ کر چلی گئی یا اس بات کو ناپسند کر کے دوسرے کسی کام میں مشغول ہو گئی۔ جیسے کھانا کھانے کے لئے بلائی گئی۔ یا سو گئی یا کنگھی کرنے لگی یا غسل کرنے لگی یا خضاب لگانے لگی یا شوہر نے اس سے جماع کر لیا اگر چہ جبراً جماع کیا ہو یا عورت نے کسی کو خرید و فروخت کی طرف متوجہ کیا۔ تو ان تمام صورتوں میں اختیار باطل ہو جائے گا۔

ہاں اگر ایسا عمل کیا جس سے اعراض معلوم نہ ہوتا ہو تو اختیار ختم نہ ہوگا جیسے بیٹھی بیٹھی سونے لگی یا کھڑی تھی اسی مجلس میں بیٹھ گئی یا اپنے باپ اور کسی رشتہ دار کو مشورہ کیلئے بلایا۔[1]

تیسری شرط: یہ ہے کہ اگر اس اختیار کیلئے شوہر نے کچھ مدت کی تعیین کی ہے تو اس وقت تک عورت کو قبول کرنے کا حق رہے گا جب تک کہ وقت متعینہ گزر نہ جائے اس صورت میں صرف مجلس بدلنے سے اختیار ختم نہیں ہوگا۔ ہاں اگر عورت نے وقت متعینہ تک قبول نہ کیا تو اختیار ختم ہو جائے گا۔[2]

چوتھی شرط: یہ ہے کہ شوہر نے اگر تفویض طلاق الفاظ کنایہ سے کیا ہے تو اس میں شوہر کیلئے طلاق کی نیت کرنا شرط ہے لہٰذا اگر شوہر نے صرف زبان سے کسی لفظ کنایہ مثلاً اختیار استعمال کیا مگر نیت کچھ بھی نہیں ہے تو تفویض درست نہ ہوگی اور نہ اس سے عورت کو طلاق کا اختیار ہوگا۔[3]

(۱) اذا قامت عن مجلسها قبل ان تختار نفسها وكذا اشتغلت بعمل آخر يعلم انه كان قاطعا لما قبله كما اذا دعت بطعام لتاكله او نامت او نشطت اواغتسلت او اختضبت او جامعها زوجها او خاطبت رجلا بالبيع والشراء فهذا كله يبطل خيارها الخ ان نامت قاعدة او لبست ثيابا من غير ان تقوم او فعلت فعلا قليلا يعلم انه ليس باعراض لم يبطل خيارها (عالمگیری صفحہ ۳۸۷ جلد ۱)

(۲) ولا يبطل الموقت اى الخيار الموقت بيوم او شهر اوسنة بالاعراض فى مجلس العلم بل بمضى الوقت المعين علمت بالتخير اولا اما الخيار المطلق فيبطل بالاعراض (شامی ص ۵۶۵ ج ۴)

(۳) ثم لابد من النية فى قوله اختيارى فان اختارت نفسها فى قوله اختيارى كانت واحدة بائنة (عالمگیری صفحہ ۳۸۸ جلد ۱)

پانچویں شرط: یہ ہے کہ عورت کو اتنی ہی طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا جتنی طلاق کا اختیار شوہر کی طرف سے ملا ہے ایسا نہیں کہ مرد کی طرف سے تو ایک طلاق کا اختیار ہو اور وہ اپنے اوپر دو یا تین طلاق واقع کرے۔[1]

چھٹی شرط: یہ ہے کہ اختیار دینے کے بعد مرد کو اپنے اختیار سے نہ رجوع کرنے کا حق رہتا ہے اور نہ اس اختیار کو باطل کر سکتا ہے۔[2]

ہاں اگر شوہر اختیار کو ختم کرنا چاہتا ہے کہ عورت اپنے اختیار کے استعمال سے رک جائے تو اس کی صورت یہ ہے کہ عورت کو کچھ دیکر راضی کر لے یہ صورت اگرچہ جائز ہے لیکن اس رقم کی ادائیگی ضروری نہیں کیونکہ اس طور پر کچھ دینا ملادیں رشوت ہے۔[3]

ساتویں شرط: یہ ہے کہ تفویض طلاق کیلئے ایک لفظ اختیار ہے مگر اس لفظ سے اختیار مکمل ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کے ساتھ نفس یا طلاق یا ان کے قائم مقام الفاظ کا استعمال متصلا کیا جائے۔ مثلاً (اختاری نفسك) تو اپنے نفس کو اختیار کرلے یا (اختاری طلاقك) تو اپنی طلاق کو اختیار کرلے۔ اور اگر بغیر ان چیزوں کے صرف اختاری کہا کہ تم اختیار کرلو اور کس چیز کو اختیار کرو اس کا ذکر نہیں کیا تو اس سے اختیار مکمل نہیں ہوگا البتہ میاں بیوی دونوں کے کلام میں اس کا ذکر ضروری نہیں صرف ایک کے کلام میں ہونا کافی ہے۔[4]

(۱) وفی اختیاری نفسك لا تصح نیة الثلاث لعدم تنوع الاختیار (درمختار علی هامش شامی صفحه ۵۵۸ جلد ٤)

(۲) ولیس للزوج ان یرجع فی ذلك ولا ینهاها عما جعل الیها ولا یفسخ كذا فی الجوهرة النیرة (عالم گیری صفحه ۳۸۷ جلد ۱)

(۳) ولو خیرها ثم جعل لها شیئا لتختاره فاختارته لم یقع ولا یجب المال لانه رشوة كذا فی الفتح القدیر (بحر الرائق صفحه ۵٤۱ جلد ۳)

(٤) لا بد من ذكر النفس او التطلیقة او اختیارة فی احد الكلامین لوقوع الطلاق الخ ولو قال لها اختیاری فقالت فعلت فكذا ولا یقع شئ بخلاف ما لو قال اختیاری نفسك فقالت فعلت حیث یقع كذا فی غایة السروجی (عالمگیری صفحه ۳۸۸ ـ ۳۸۹ جلد ۱)

تفویض طلاق کے الفاظ مخصوصہ

فقہاء نے طلاق کا اختیار بیوی کو سپرد کرنے کے لئے جن الفاظ کا ذکر کیا ہے وہ تین ہیں۔

(۱) تخیر یعنی لفظ اختاری (۲) الامر بیدك (۳) مشیت

ہم ہر ایک کے سلسلے میں قدرے تفصیل سے تبصرہ اور ہر ایک سے متعلق کچھ اہم جزئیات کو بیان کریں گے انشاء اللہ العزیز.

(اللہ الموفق والمستعان والیہ المرجع والمآب)

تفویض طلاق کیلئے لفظ اختاری کا استعمال کرنا

شوہر نے بیوی کو طلاق کا مالک بنانے کے لئے (اختاری نفسك) یعنی تو اپنے آپ کو اختیار کر لے یا خود کو پسند کر لے یا اس کے ہم معنی الفاظ عربی یا کسی بھی زبان میں استعمال کیا جیسے اردو میں کہا تیرا نفس تیرے اختیار میں ہے یا طلاق کے سلسلے میں جو اختیار کرنا چاہے کر لے وغیرہ وغیرہ تو ان الفاظ سے گویا شوہر نے اپنا اختیار طلاق بیوی کے سپرد کر دیا۔ اب بیوی کو کلی اختیار ہے چاہے تو اسی مجلس میں اس اختیار کو استعمال کرے یا رد کر دے۔ مجلس کے ختم تک اس اختیار کو استعمال نہیں کیا تو اختیار ختم ہو جائے گا۔ اور یہ اختیار طلاق کا مسئلہ غیر مدرک بالقیاس ہے۔ کیونکہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ جس لفظ سے شوہر طلاق واقع کرنے کا مالک نہیں تو دوسرے کو بھی مالک نہیں بنا سکتا مگر صحابہ کرامؓ کے اجماع کیوجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا گیا۔ اور مرد کے اختیار دیدینے سے عورت کو اختیار حاصل ہونے کا اعتبار کر لیا گیا اگر عورت نے اس اختیار کو استعمال کر کے اپنے اوپر طلاق کو واقع کر لیا تو اس سے طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔[1]

(۱) فان اختارت نفسها فی قوله اختاری کانت واحدة بائنة والقیاس ان لایقع بهذا شئ وان نوی الزوج الطلاق لانه لایملك الایقاع بهذا اللفظ فلا یملك التفویض الی غیره الا انا استحسناه لاجماع الصحابة رضی الله عنهم (هدایة صفحه ۳۷۶ جلد۲)

مگر لفظ اختاری سے وقوع طلاق کیلئے چند باتوں کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔
سب سے پہلی بات جس کو میں نے پہلے شرط کے طور پر بیان کر دیا ہے کہ صرف لفظ اختاری سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔ جب تک کہ اس کے ساتھ نفس یا اس کے قائم مقام وہ الفاظ جو طلاق کیلئے قرینہ ہیں استعمال نہ کئے جائیں۔ کیونکہ اختاری ایک مجمل کلمہ ہے جو اختیار طلاق کے علاوہ دوسری چیز کا بھی احتمال رکھتا ہے اس لئے تفویض طلاق کے باب میں اس کے ساتھ ایسے قرینہ کی ضرورت ہے جو طلاق کے اختیار ہی پر دال ہو۔ مگر نفس یا اس کے ہم معنی الفاظ کا، میاں بیوی دونوں کے کلام میں ہونا ضروری نہیں بلکہ زوجین میں سے کسی ایک کے کلام میں پایا جانا کافی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ایک بات یاد رہے کہ جب شوہر کا قول ان الفاظ سے خالی ہو اور عورت نے نفس یا اس کے ہم معنی الفاظ ملا کر اختیار طلاق مراد لیا تو اس میں شوہر کی نیت کا اعتبار ہوگا۔ مثلاً شوہر نے کہا اختاری اس کے جواب میں عورت نے کہا اخترت نفسی۔ تو شوہر کے نیت کرنے سے طلاق واقع ہوگی ورنہ نہیں۔(۱)

نفس کے قائم مقام الفاظ

اوپر متعدد بار گزر چکا ہے کہ اختاری کے ساتھ نفس یا اس کے قائم مقام الفاظ کا ذکر زوجین کے کلام میں سے کسی ایک میں ہونا ضروری ہے۔ نفس کی کوئی خصوصیت نہیں اس کے مثل الفاظ جو طلاق پر دال ہوں ان کا ہونا کافی ہے اب اس کے مثل الفاظ کیا ہیں تو علامہ شامیؒ نے اس پر بسیط کلام فرما کر ہمارے لئے بڑی سہولت کا سامان فراہم کر دیا ہے چنانچہ علامہ شامی کی عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ وہ الفاظ جو نفس کے قائم مقام ہو کر لفظ اختاری کو طلاق کے معنی میں متعین کر دے وہ آٹھ ہیں۔ (۱) نفس (۲) اختیارۃ (۳) تطلیقۃ (۴) تکرار (۵) ابی (۶) امی (۷) اہلی

(۱) ولو (قال لها) اختیاری فقالت اخترت نفسی یقع الطلاق اذا نوی الزوج (ہدایہ صفحہ ۳۷۷ جلد۲)

(۸) ازواج۔ لہٰذا اگر شوہر نے مذکورہ آٹھوں کلمات میں سے کسی کلمہ کے ساتھ بیوی سے اختاری کہا اور بیوی نے اس کا استعمال کر لیا تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور اگر ان آٹھ کلمات کے علاوہ لفظ اختاری کیساتھ عدد ثلاث کو بھی ذکر کیا جیسے کہا (اختاری ثلاثا) کہ تین اختیار کر لے۔ تو بیوی کے اختیار کر لینے سے تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔[1]

والدین کے نہ ہونے کے باوجود اخترت ابی وامی کہنا

اگر شوہر نے عورت کو طلاق کا اختیار دیا اس پر عورت نے جواباً (اخترت ابی وامی) کہا یعنی میں نے اپنے ماں باپ کو اختیار کر لیا حالانکہ اس کے والدین گزر چکے ہیں البتہ بھائی ہے اگر بھائی بھی نہ ہو تو بھی فقہاء نے ایسی صورت میں وقوع طلاق کا فیصلہ دیا ہے کیونکہ وقوع طلاق کیلئے والدین کا ہونا ضروری نہیں الفاظ طلاق ہی وقوع طلاق کیلئے کافی ہیں اور لفظ ابی وامی وغیرہ اخترت نفسی کے قائم مقام ہیں۔[2]

اختاری نفسک میں تین طلاق کی نیت درست نہیں

تفویض کی بعض صورتیں کنایات میں سے ہیں جن میں نیت طلاق بھی ضروری ہے اور ان سے ایک ہی طلاق بائن واقع ہوتی ہے انہیں میں سے لفظ اختاری بھی ہے یعنی اگر شوہر نے اختاری کہا تو اس سے تین کی نیت صحیح نہیں ہو گی کیونکہ اختیار کی قسمیں نہیں ہوتیں اس لئے ایک ہی پر محمول ہو گا (کمافی الہدایہ) اور صاحب نہر نے بیان کیا ہے کہ اختیار سے طلاق بائن مراد لینا اقتضاءً ثابت ہے اور

(۱) والحاصل ان المفسر ثمانية الفاظ النفس والاختيارة والتطليقة والتكرار وابى وامى واهلى والازواج ويزاد تاسع وهو العدد فى كلامه فلو قال اختيارى ثلاثا فقالت اخترت يقع ثلاث (شامى صفحه ٥٦٠ جلد٤)

(۲) وينبغى أن يحمل على ما اذا كان لها اب او ام اما اذا لم يكن وكان لها اخ ينبغى ان يقع لانها حينئذ تكون عنده عادة كذا فى الفتح قال فى النهر ولم ارملو قالت اخترت ابى او امى وقدماتا ولا اخ لها وينبغى ان يقع لقيام ذلك مقام اخترت نفسى (شامى صفحه ٥٦٠ جلد٤)

اقتضاء ضرورت کیساتھ مقید رہتا ہے اور ضرورت ایک سے پوری ہو جاتی ہے اس لئے زائد کی نیت معتبر نہیں اسی بات کو علامہ شامیؒ نے بھی تحریر کیا ہے۔[1]

تین طلاقیں واقع ہونے کی صورتیں

اگر شوہر نے اپنی بیوی سے تین مرتبہ لفظ اختاری کہا اور عورت نے اس کے جواب میں اخترت کہا یا یوں کہا اخترت الاولی والوسطی والاخیرۃ یا اخترت اختیارۃ کہا تو بغیر شوہر کی نیت کے تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔[2]

نیز جیسا کہ گزر چکا کہ اگر لفظ اختاری کیساتھ عدد ثلاث کو ذکر کیا۔ مثلاً (اختاری ثلاثا) کہا تو بھی باتفاق ائمہ تین طلاقیں واقع ہوں گی۔[3]

اختاری سے طلاق رجعی واقع ہونے کی صورت

اوپر آچکا کہ تفویض کے لفظ اختاری سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔ لیکن اگر اختاری کیساتھ طلاق کا لفظ صراحۃً استعمال کیا جائے مثلاً مرد اختاری الطلاق کہے اور عورت اسکے جواب میں اخترت الطلاق کہے تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی کیونکہ جب طلاق کا صریح لفظ موجود ہے تو رجعی کا وقوع ہی معتبر ہوگا۔[4]

امرک بیدک سے تفویض طلاق

تفویض طلاق کے لفظ اختاری کی تفصیل کے بعد دوسرا لفظ امرک بیدک

(۱) وفی اختیاری نفسك لاتصح نية الثلاث لعدم تنوع الاختيار (درمختار) لان اختيارها انما يفيد الخلوص والصفاء والبينونة تثبت به مقتضى ولاعموم له نهر الخ والمقتضى لاعموم له لانه ضروری فيقدر بقدر الضرورة وهو البينونة الصغرى (شامی صفحه ٥٥٨ جلد٤)

(۲) ولو كررها ای لفظة اختیاری ثلاثا بعطف او غيره فقالت اخترت او اخترت اختيارة او اخترت الاولى اوالوسطى او الاخيرة يقع بلانية من الزوج لدلالة التكرار ثلاثا (درمختار على هامش شامی صفحه ٥٦١ تا ٥٦٢ جلد٤)

(۳) فلو قال اختیاری ثلاثا فقالت اخترت يقع ثلاث (شامی صفحه ٥٦٠ جلد٤)

(٤) لو قال لها اختیاری الطلاق فقالت اخترت الطلاق فهي واحدة رجعية لانه لما صرح بالطلاق كان للتخيير بين الاتيان بالرجعي وتركه (شامی صفحه ٥٥٢ جلد٤)

کے تعلق سے قدرے تفصیل پیش ہے تو یوں سمجھئے کہ جن باتوں کا لحاظ لفظ اختاری میں کیا جاتا ہے انہیں باتوں کا لحاظ امرک بیدک میں بھی ضروری ہے۔ اور جس طرح لفظ اختاری سے طلاق بائن اور بعض صورتوں میں طلاق رجعی کا وقوع ہوتا ہے اسی طرح امرک بیدک سے بھی دونوں قسم کی طلاق واقع ہو سکتی ہے اور جس طرح تخییر میں اتحاد مجلس شرط ہے اسی طرح یہاں بھی شرط ہے الغرض تمام باتوں میں یہ دونوں الفاظ یکساں اور برابر ہیں البتہ ایک مسئلہ میں دونوں کے مابین فرق ہے وہ یہ ہے کہ اختاری میں تین طلاق کی نیت کا اعتبار نہیں ہوتا جبکہ امرک بیدک میں تین کی نیت کا اعتبار کیا گیا ہے لہٰذا جب شوہر نے امرک بیدک کے ذریعہ تفویض طلاق کرتے ہوئے تین کی نیت کرلی اور عورت نے اپنے اوپر تین واقع کرلی تو عورت اس سے مطلقہ ثلاثہ بائنہ ہو جائے گی۔[1]

مگر اَمْرُكِ بیدك سے تین کی نیت کرنے اور تین واقع کرنے کے لئے اس میں تفویض کی نیت کرلی چاہئے تاکہ عورت کو صحیح طریقہ سے تین طلاق واقع کرنے کا اختیار مل سکے۔[2]

نیز تین طلاق کو معتبر قرار دینے اور نہ دینے کی بابت شوہر کے قول کا اعتبار ہوگا لہٰذا اگر عورت نے امرک بیدک کی وجہ سے اپنے اوپر تین طلاق واقع کرلی اور شوہر انکار کرتا ہے کہ میں نے تین کی نیت نہیں کی ہے تو شوہر کا انکار قسم کیساتھ معتبر ہوگا۔[3]

امرک بیدک کا عورت کی طرف سے کیا جواب ہو

مرد نے جب عورت کو امرک بیدک کہہ کر طلاق کا اختیار دیا تو اس کے

---

(۱) الامر بالید کالتخییر فی جمیع مسائله من اشتراط ذکر النفس او ما یقوم مقامه ومن عدم ملك الزوج والرجوع وغیر ذلك سوی نیة الثلاث فانها تصح ههنا الا فی التخییر کذا فی فتح القدیر (عالمگیری صفحه ۳۹۰ جلد۱)

(۲) واراد بنیة الثلاث نیة تفویضها (بحر الرائق صفحه ۵۵۰ جلد۳)

(۳) فاذا قال الزوج نویت التفویض فی واحدة بعد ما طلقت نفسها ثلاثا فی الجواب یحلف انه ما اراد الثلاث (بحر الرائق صفحه ۵۵۱ جلد۳)

جواب میں اسی مجلس کے اندر عورت کی طرف سے اخترت نفسی کہنا ضروری ہے تاکہ طلاق واقع کرنے والے لفظ کے استعمال سے طلاق واقع ہو امرک بیدک کے جواب میں صرف امری بیدی کہنا صحیح نہیں ہوگا اور نہ اس سے طلاق واقع ہوگی خلاصہ یہ ہے کہ جس کلمہ کے اندر وقوع طلاق کی صلاحیت ہے وہ وقوع طلاق کیلئے مفید ہوگا۔ محض اخترت نفسی ہی اس کے لئے شرط نہیں ہے۔ جیسے مرد نے کہا (امرک بیدک) تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے اس کے جواب میں عورت نے کہا تم مجھ پر حرام ہو یا تو مجھ سے جدا ہے یا میں تم سے بائن ہوں۔ تو اس سے طلاق کا وقوع صحیح ہو جائے گا۔

اسی طرح مرد نے امرک بیدک کے ذریعہ عورت کو اختیار دیا عورت نے اس اختیار کو باپ کے حوالہ کردیا باپ نے کہا (قبلتھا طلقت) میں نے اس اختیار کو قبول کرکے طلاق دیدی ہے تو اس سے طلاق واقع ہو جائے گی۔[1]

تفویض میں ید کے علاوہ کسی دوسرے عضو کا استعمال

تفویض کیلئے امرک بیدک ہی کا لفظ خاص نہیں بلکہ اس کے علاوہ ہر وہ الفاظ جو اس کے قائم مقام ہو سکتے ہیں ان کے استعمال سے بھی تفویض طلاق مکمل ہو جائے گی حضرات فقہاء نے اس میں وسعت پیدا کی ہے۔ مثلاً امرک بیدک کے بجائے شوہر کہے (امرك في كفيك) تیرا معاملہ تیری ہتھیلیوں میں ہے یا کہے (امرك في يمينك) تیرا معاملہ تیرے دائیں ہاتھ میں ہے (او شمالك) یا تیرا معاملہ تیرے بائیں ہاتھ میں ہے (او فمك) یا تیرا معاملہ تیرے منہ میں ہے (اولسانك) یا تیری

(۱) وقيد بقولها اخترت نفسي لانها لو قالت في جوابه امري بيدي لا يصح قياسا واستحسانا الخ فالاصل ان كل لفظ يصلح للايقاع من الزوج يصلح جوابا من المرأة ومالا فلا الا لفظ الاختيار خاصة فانه ليس من الفاظ الطلاق ويصلح جوابا منها كذا في البدائع ولذا قال في الاختيار وغيره لو قال لها امرك بيدك فقالت انت علي حرام او انت مني بائن او انا منك بائن فهو جواب لان هذه الالفاظ تفيد الطلاق الخ لو جعل امرها بيد ابيها فقال ابوها قبلتها طلقت (بحر الرائق صحه ۵۵۱ جلد۳)

زبان میں ہے وغیرہ وغیرہ الفاظ سے بھی اختیار اور تفویض صحیح ہو جائیگی۔[1]

متعینہ مدت کی قید کیساتھ اختیار طلاق

یہ بات پہلے بھی آچکی ہے کہ تفویض طلاق مطلق بھی ہوسکتی ہے جس کے قبول کرنے اور نہ کرنے کا مدار مجلس تک محدود رہتا ہے اور کبھی کسی وقت متعینہ۔ دن و تاریخ کی قید کیساتھ بھی طلاق کا اختیار دیا جاسکتا ہے اس صورت میں اختیار صرف مجلس تک محدود نہیں رہتا بلکہ متعینہ مدت کے آنے تک اختیار باقی رہتا ہے وقت گذرنے کے بعد اختیار خود بخود ساقط ہو جاتا ہے۔ مثلاً کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ایک دن تک ہے۔ یا ایک مہینہ یا ایک سال تک ہے تو جب تک وہ متعینہ دن یا مہینہ اور سال نہ آجائے عورت کا اختیار باقی رہے گا اس وقت متعین کے آنے سے قبل جب اور جس وقت چاہے اپنے اختیار کو استعمال کر کے طلاق واقع کرسکتی ہے مجلس کے بدلنے سے اختیار ساقط نہیں ہوگا۔[2]

زوجۂ صغیرہ کو طلاق کا اختیار دینا

اختیار کا مسئلہ عام ہے اس میں زوج اور زوجہ کا نابالغ ہونا منافی نہیں اگر میاں بیوی دونوں نابالغ ہوں یا دونوں میں سے ایک نابالغ ہو، بہر صورت طلاق کا اختیار دینا اور اس اختیار کو نابالغہ بیوی کا استعمال کرنا قابل اعتبار سمجھا جائے گا حتیٰ کہ فقہاء نے نابالغ کیلئے شعور یا مراہق ہونے کی بھی قید نہیں لگائی ہے۔ علامہ شامیؒ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اگر میاں بیوی دونوں بچے ہوں مگر اختیار کا تکلم کر لیتے ہوں

---

(۱) والید ایضا لیس بقید فلنه لو قال امرک فی کفیک او یمینک او شمالک او فمک او لسانک کان کذالک (بحر الرائق صفحه ۵۵۲ جلد۳)

(۲) وان قال امرک بیدک یوما او شهرا او سنة او قال الیوم او الشهر او السنة او قال هذا الیوم او هذا الشهر او هذه السنة لایتقید بالمجلس ولها الامر فی الوقت کله تختار نفسها فیما شأت منه ولو قامت من مجلسها او تشاغلت بغیر الجواب لا یبطل خیارها ما بقی شئ من الوقت بلا خلاف (عالمگیری صفحه ۳۹۲ جلد۱)

تو ان کا اختیار طلاق معتبر ہو کر وقوع طلاق کا فیصلہ ہو جائے گا۔[1]

تفویض میں دو کی نیت غیر معتبر ہے

''اختاری'' و ''امرک بیدک'' اور اسی طرح دیگر الفاظ تفویض میں دو طلاق کی نیت معتبر نہیں۔ اگر اختیار دیتے ہوئے شوہر دو کی نیت کرے گا تو بھی ایک ہی طلاق بائن ہو گی اور بیوی کو اپنے اوپر ایک سے زائد واقع کرنے کا حق نہ ہو گا۔[2]

نکاح سے قبل تفویض طلاق صحیح نہیں

تفویض کا تعلق نکاح سے ہے لہٰذا نکاح سے قبل نکاح کی طرف نسبت کئے بغیر تفویض طلاق معتبر نہیں۔ چنانچہ اگر کسی نے نکاح سے قبل اپنی ہونے والی بیوی (جس سے منگنی ہو چکی ہے) سے کہا کہ تم جس وقت چاہو بذریعہ طلاق اپنے آپ کو مجھ سے جدا کر لو اور پھر اس عورت سے نکاح کرتا ہے اور وہ عورت اس تفویض کو استعمال کر کے اپنے اوپر طلاق واقع کرتی ہے تو طلاق واقع نہ ہو گی۔

نیز اگر مرد نے کسی عورت سے کچھ شرائط کے ساتھ نکاح کیا اور ان شرائط کو رجسٹر میں درج بھی کر لیا گیا اور اس پر مرد نے دستخط بھی کر دیا اور بعد عقد کے ان شرائط کو نکاح کی طرف منسوب کئے بغیر مطلقاً قبول کر لیا۔ تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہو گا اور اس سے عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق بھی نہیں ہو گا اور اس سے نکاح میں کوئی فرق بھی نہیں پڑے گا بلکہ نکاح بدستور باقی رہے گا۔[3]

ہاں اگر ان شرائط کی ابتداء عورت کی طرف سے ہو مثلاً۔ وہ یوں کہتی ہو کہ

---

(۱) اذا قال لامرأته الصغيرة امرك بيدك بنوى الطلاق فطلقت نفسها صح لان تقدير كلامه ان طلقت نفسك فانت طالق قوله وصبيى لايعقل بشرط ان يتكلم فيصح ان يوقع عليها الطلاق ولايلزم من التعبير العقل (شامي صفحه ٥٥٦ جلد٤)

(۲) بان لم ينو عدداً او نوى واحدة او ثنتين فى الحرة فانها تقع واحدة بائنة (شامي صفحه ٥٦٧ جلد٤)

(۳) والتفويض قبل النكاح فلا يصح (شامي صفحه ٤٢٣ جلد٢)

میں اس شرط پر نکاح کرتی ہوں کہ میرے معاملہ کا اختیار مجھے ہوگا جب میں چاہونگی طلاق لے لونگی اوراس پر شوہر نے کہا مجھے منظور ہے تو نکاح صحیح ہو کر عورت کو اختیار مل جائے گا اور اگر اس کی ابتداء شوہر کی طرف سے ہو تو پھر تفویض درست نہ ہوگی اور عورت کو طلاق کا اختیار نہیں ملے گا۔[1]

نکاح سے قبل تفویض بطور تعلیق درست ہے

تفویض کو اگر نکاح کی طرف منسوب کر کے شوہر نے یوں کہا کہ جب میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھ کو طلاق لینے کا حق ہوگا یا یوں کہا کہ نکاح کے بعد تجھ کو طلاق لینے کا اختیار ہے تو اس طرح نکاح سے قبل تفویض طلاق درست ہے مگر دیکھا جائے تو حقیقتاً یہ تفویض نہیں بلکہ تعلیق طلاق ہے کیونکہ اس اختیار کو نکاح کرنے پر معلق کیا جارہا ہے کہ جب نکاح کروں تو تجھ کو اختیار ہے لہٰذا اگر نکاح پر معلق اور منسوب کئے بغیر قبل النکاح صرف یوں کہہ دے کہ تجھ کو اختیار ہے تو اس سے نہ تو تفویض طلاق درست ہوگی اور نہ نکاح کے بعد عورت کو اختیار حاصل ہوگا۔

بہرحال نکاح کی طرف منسوب کر کے تفویض کو معتبر ماننا ایسا ہی ہے جیسے نابالغ زوج اور زوجہ کی تفویض طلاق کا اعتبار کر لیا جاتا ہے۔ حالانکہ ان دونوں کے اندر طلاق کی اہلیت نہیں مگر اسکا اعتبار کرنا گویا تملیک طلاق کو تعلیق کے ضمن میں معتبر قرار دینا ہے۔[2]

یمین نامہ اور شرط کیساتھ نکاح

اگر نکاح کے وقت شوہر نے اپنی زوجہ کو یمین نامہ بایں مضمون لکھ کر دیدیا کہ اگر میں نامرد یا مفقود الخبر ہو جاؤں یا قید و بند میں مبتلا ہو جاؤں یا پردیس میں رہ

(۱) نکحها علی ان امرها بیدها صح (درمختار) مقید بما اذا ابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسی منك علی ان امری بیدی اطلق نفسی کلما ارید او علی انی طالق فقال الزوج قبلت اما لو بدأ الزوج لاتطلق ولا یصیر الامر بیدها کما فی البحر عن الخلاصه والبزازیه (شامی صفحه ۵۷۳ جلد۴)

(۲) لان هذا تملیك فی ضمنه تعلیق فان لم یصح باعتبار التملیك یصح باعتبار معنی التعلیق فصححناه باعتبار التعلیق (شامی صفحه ۵۵۶ جلد۴)

کر تمہارے پاس آمد و رفت نہ رکھوں اور نان ونفقہ کی خبر گیری نہ کروں تو مجھے طلاق دینے کا جو حق اور اختیار ہے وہ تمہیں سپرد کرتا ہوں تم دو سال (یا کچھ متعین مدت) تک میرا انتظار کرنے کے بعد اپنے آپ کو تین طلاق دیکر دوسرے شخص سے نکاح کر لینا۔

یا اس شرط پر نکاح کیا کہ اگر میں چھ مہینے تمہاری خبر گیری نہ کروں یا نان ونفقہ ادا نہ کروں تو تم کو تین طلاق کا اختیار ہے۔ یا کہا کہ جب چاہو طلاق دیکر اپنی ذات کو مجھ سے آزاد کر لو۔ تو ان تمام صورتوں میں تحقق شرط کے بعد عورت کو تین طلاق لینے کا اختیار ہے۔ بشرطیکہ جس مجلس میں وہ مدت پوری ہو اسی میں وہ ایسا کر لے ورنہ اس کا اختیار ختم ہو جائے گا۔[1]

تفویض طلاق میں دلالت حال کا اعتبار

طلاق بائن کے باب میں دلالت حال کی پوری تفصیل گذر چکی ہے لہٰذا جس طرح حالت غضب اور مذاکرۂ طلاق کی صورت میں وقوع طلاق کو معتبر گردانا گیا ہے اسی طرح تفویض طلاق کے باب میں بھی دلالت حال کا اعتبار کیا گیا ہے۔ لہٰذا دلالت حال کی صورت میں بھی بغیر نیت کے عورت کو اختیار مل جائے گا اور اس اختیار کو استعمال کرنے سے طلاق واقع ہو جائے گی۔[2]

مسئلہ: اگر شوہر نے امرک بیدک وغیرہ کے ذریعہ اختیار والا جملہ استعمال

(۱) قال لها اختیاری او امرك بيدك ينوى تفويض الطلاق الخ او طلقي نفسك فلها ان تطلق في مجلس علمها به مشافهة او اخبار او ان طال يوما او اكثر مالم يوقته ويمضى الوقت قبل علمها (درمختار) قوله مالم يوقته فلو قال جعلت لها ان تطلق نفسها اليوم اعتبر مجلس علمها فى هذ اليوم فلو مضى اليوم ثم علمت خرج الامر عن يدها وكذا كل وقت قيد التفويض به (شامي صفحه ٥٥٣ جلد٤ زكريا) اقول وظاهر ان التعليق كالتخير فى وقت تحقق الشرط (قال فى الشامى) والتخيير بمنزلة التعليق (صفحه ٤٨٤ جلد٢) وفى الدرالمختار لكن فى البحر عن القنية ظاهر الرواية ان المعلق كالمنجز (صفحه ٤٨٤ جلد٢) وفى الدرالمختار ايضا ومن الالفاظ المستعملة الطلاق يلزمني والحرام يلزمني وعلي الطلاق وعليّ الحرام فيقع بلانية للعرف (شامي صفحه ٤٣٢ جلد٢ بحواله فتاوى دارالعلوم ديوبند صفحه ٣٦ جلد١٠)

(۱) وقدمنا انه لا بد من نية التفويض اليها ديلنة او يدل الحال عليه قضاءً (بحر الرائق صفحه ٥٥١ جلد٣)

کیا مگر نزاع کے وقت شوہر نے کہا کہ میں نے اس سے تفویض طلاق کی نیت نہیں کی ہے۔ اور اس کے ساتھ دلالت حال کا بھی انکار کرتا ہے کہ اس وقت طلاق کا کوئی ذکر نہیں تھا اور نہ غصہ کی حالت میں، میں نے ''امرک بیدک'' کہا ہے۔ لیکن عورت اس پر دلیل پیش کرتی ہے تو دلالت حال کے سلسلے میں عورت کے بینہ کا اعتبار کر کے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا ہاں اگر عورت بینہ پیش نہ کر سکے تو پھر قسم کیساتھ شوہر کا قول معتبر ہوگا۔

البتہ نیت کے سلسلے میں عورت کے بینہ کا بالکل اعتبار نہیں ہوگا کیونکہ نیت پر واقفیت عورت کے لئے ممکن نہیں ہے۔ ہاں اگر عورت نے شوہر کی نیت کے اظہار واقرار پر بینہ قائم کیا کہ تم نے فلاں وقت یوں کہا تھا کہ میری نیت تفویض طلاق کی تھی۔ تو پھر عورت کا بینہ معتبر ہوگا۔[1]

مشیت طلاق کی بحث

تفویض طلاق کی دو صورتیں اختیاری اور امرک بیدک کے بعد مشیت طلاق (یعنی جب چاہو طلاق لے لو) کے متعلق کچھ تفصیلی جزئیات سپرد قلم کی جاتی ہیں۔ ایسے تینوں کے بعض اصول وضوابط اور بہت سے جزوی مسائل اور تفویض سے متعلق شرائط۔ مثلاً اختیار کا مجلس تک محدود رہنا، مرد کو رجوع کا حق نہ ہونا مرد نے جتنی طلاق کا مالک بنایا اتنی ہی طلاق واقع کرنے کا عورت کو اختیار ہونا وغیرہ ایک ہی جیسے معلوم ہوتے ہیں۔[2]

(۱) ولو لم یرد الزوج بالامر بالید طلاقا فلیس الامر بشئ الا ان یکون فی حالة الغضب او فی حالة مذاکرة الطلاق ولا یدین فی الحکم انه لم یرد به الطلاق فی الحالتین وان ادعت المرأة نیة الطلاق او انه کان فی غضب او مذاکرة الطلاق فالقول قوله مع الیمین وتقبل بینة المرأة فی اثبات حالة الغضب ومذاکرة الطلاق ولا تقبل بینتها فی نیة الطلاق الا ان تقیم البینة علی اقرار الزوج بذلك کذا فی الظهیریة (عالمگیری صفحہ ۳۹۱ جلد۱) (۲) ای ولا یملك الزوج الرجوع عن التفویض سوء کان بلفظ التخیر او بالامر بالید او طلقی نفسك لما قدمنا انه یتم بالملك الخ فباعتبار التملیك تقیید بالمجلس (بحر الرائق ص۵۶۸ ج۳)

مگر کچھ احکام ومسائل اور جزئیات میں تیسری صورت مذکورہ دونوں صورتوں سے مختلف ہے مثلاً مشیت والا اختیار بھی مجلس تک محدود رہتا ہے مگر مشیت کیساتھ متی یا اذا یا حین وغیرہ الفاظ جو زمانہ غیرمعینہ پر دلالت کرتے ہیں بڑھا دینے سے مجلس کی تحدید ختم ہوجاتی ہے مثلاً مرد نے اختیار دیتے ہوئے (طلقي نفسك إن شئت) کی بجائے متی شئت۔ یا إذا شئت۔یا حین شئت۔ کہا تو اس سے اسکا اختیار مجلس میں اور مجلس کے بعد بھی باقی رہے گا کیونکہ یہ سارے الفاظ عموم وقت پر دلالت کرتے ہیں اس کے برخلاف اگر ان، کیف، حیث، کم، این اور اینما وغیرہ الفاظ کی زیادتی کی ہے تو اس سے اختیار عام نہیں ہوگا مجلس ہی تک محدود رہے گا کیونکہ یہ سب الفاظ عموم وقت پر دلالت نہیں کرتے۔یہ ساری تفصیل بحر الرائق میں موجود ہے۔[1]

مرد نے جتنی اور جس قسم کی طلاق کا اختیار دیا ہے اسی کا وقوع ہوگا

طلاق واقع کرنے کا حق مرد کو ہے لہذا وہ جتنی اور جس قسم کی طلاق عورت کے سپرد کریگا اس کو اتنی ہی اور اسی صفت کی طلاق واقع کرنے کا حق ملے گا اس کی خلاف ورزی سے کوئی فرق نہیں پڑیگا اس مسئلہ کو مثال سے یوں سمجھئے کہ شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی کا اختیار دیا مگر بیوی نے شوہر کی خلاف ورزی کرکے اپنے اوپر طلاق رجعی کے بجائے طلاق بائن واقع کرلی تو عورت کے وصف بینونیت کا اعتبار نہیں ہوگا طلاق رجعی ہی واقع ہوگی۔اسی طرح شوہر نے طلاق بائن کا اختیار دیا مگر عورت نے اپنے اوپر طلاق رجعی واقع کی تو عورت کی طرف سے وصف رجعت کو کالعدم قرار دیکر طلاق بائن ہی واقع ہوگی کیونکہ شوہر نے عورت کو ایک

---

(۱) وهو يقتصر على المجلس واذا زاد متى شئت كان لها التطليق في المجلس وبعده لان كلمة متى علمة فى الاوقات فصار كما اذا قال فى اى وقت شئت ومراده من متى ما دل على عموم الوقت فدخل اذا الخ ودخل حين قال في المحيط ولو قال حين شئت فهو بمنزلة قوله اذا شئت لان الحين عبارة عن الوقت اه وقيد بما يدل على عموم الوقت احترازاً عن، ان، وكيف، وحيث، وكم، واين، وأينما، فانه يتقيد بالمجلس (بحر الرائق صفحه ۵۷۰ جلد۳)

وصف خاص (رجعت یا بینونت) کیساتھ طلاق کی تفویض کی ہے اور طلاق واقع کرتے وقت عورت نے اس وصف میں شوہر کی مخالفت کی ہے جس کو شوہر نے تفویض کے وقت خود متعین کی تھی اس لئے عورت کی طرف سے اس وصف زائد کا اعتبار نہیں ہوگا۔ شوہر نے جس طرح کی طلاق تفویض کی ہے اسی طرح کی طلاق واقع ہوگی خواہ طلاق بائن ہو یا رجعی۔[۱]

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو دو یا تین طلاق کا اختیار دیا کہ تو اپنے اوپر دو یا تین طلاقیں واقع کرلے عورت نے دو یا تین کے بجائے اپنے اوپر ایک طلاق واقع کی تو اس صورت میں بھی بظاہر خلاف ورزی ہے مگر پھر بھی عورت کے اوپر ایک طلاق بالاتفاق واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ ضابطہ یہ ہے کہ تفویض کے وقت اگر مرد نے کسی خاص عدد کو بیان کیا اور عورت نے اس سے کم واقع کی تو کم واقع ہو جائے گی اسلئے کہ عدد اقل عدد اکثر میں داخل ہوتا ہے تو تین کے مالک بنانے کا مطلب یہ ہے کہ عورت کو اختیار ہے کہ اپنے اوپر جتنی چاہے ایک یا دو یا تین واقع کرلے۔

اور اگر شوہر نے بیوی کو ایک طلاق کا اختیار دیا اور اس نے اپنے آپ کو ایک ہی کلمہ کے ذریعہ تین طلاقیں دیدیں تو حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس سے نہ ایک طلاق واقع ہوگی اور نہ تین اس لئے کہ شوہر نے مستقلاً ایک طلاق کا اختیار دیا ہے اور تین کے ضمن میں ایک کا اختیار نہیں ہوتا لہٰذا اخلاف تفویض ہونے کی وجہ سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ لیکن صاحبینؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی ایک طلاق واقع ہو جائے گی۔[۲]

(۱) وان امرها بطلاق يملك الرجعة فطلقت بائنة اوامرها بالبائن فطلقت رجعية وقع ما امربه الزوج الخ لان الزوج لما عين صفة المفوض اليها فحاجتها بعد ذلك الى ايقاع الاصل دون تعيين الوصف فصار كانها اقتصرت على الاصل فيقع بالصفة التى عينها الزوج بائنا او رجعيا (هدايه صفحه ۳۸۲ جلد۲)

(۲) ولو قال لها طلقي نفسك ثلثا فطلقت واحدة فواحدة ولا يقع شئ فى عكسه اى لو قال لها طلقي نفسك واحدة فطلقت ثلثا لا يقع شي عند ابى حنيفة لانه فوض اليها ايقاع الواحدة قصداً لا فى ضمن الثلث وعندهما تقع واحدة (شرح الوقايه صفحه ۸۳ جلد۲)

اور فقہاء کے کلام سے صاحبینؒ ہی کا قول کی ترجیح صحیح معلوم ہوتی ہے۔
چنانچہ علامہ شامیؒ نے علامہ رملیؒ سے نقل کیا ہے کہ صاحبینؒ ہی کا قول راجح ہے۔[1]

اور اگر عورت نے ایک ہی کلمہ کے ذریعہ تین طلاقیں واقع نہیں کیں بلکہ یکے بعد دیگرے ایک ایک کرکے تین طلاقیں واقع کیں تو بالاتفاق ایک طلاق واقع ہو جائے گی۔ مثلاً شوہر نے عورت کو ایک طلاق کا اختیار دیا اس پر عورت نے کہا کہ میں نے ایک طلاق واقع کی اور ایک طلاق واقع کی اور پھر ایک طلاق واقع کی۔ تو پہلی مرتبہ کی طلاق شوہر کے اختیار دینے کی وجہ سے واقع ہو جائے گی دوسری اور تیسری مرتبہ کی دونوں طلاقیں عدم اختیار کی وجہ سے لغو ہو جائیں گی۔[2]

مشیت کے ہم معنی الفاظ سے تفویض طلاق

شوہر نے مشیت کے علاوہ ان الفاظ کیساتھ عورت کو اختیار دیا جو مشیت کے ہم معنی اور اس کے مترادف ہیں تو فقہاء نے اس کو بھی مشیت کے حکم میں شامل کرکے اس پر اختیار طلاق کا حکم لگایا ہے۔ مثلاً کسی شخص نے (طلقي نفسك ان شئت) کے بجائے (طلقي نفسك ان اردت) یا (طلقي نفسك ان رضيت) یا (طلقي نفسك ان تحبي) استعمال کیا تو مشیت کی طرح مجلس کے باقی رہنے تک عورت کو اختیار ملے گا۔ علامہ شامیؒ نے ان الفاظ کی نشاندہی فرمائی ہے۔[3]

مجلس کی قید ختم کرنے کی بعض صورتیں

اوپر آچکا ہے کہ عورت کو اختیارات ملنے کی تمام صورتوں میں مجلس تک

---

(۱) قال الرملي مقتضاه ان في مسألة ما اذا قال لها طلقي نفسك ونوى ثلاثا فطلقت ثنتين تقع ثنتان لانها ملكت ايضا ايقاع الثلاث فكان لها ان توقع منها ما شأت (شامي صفحه ۵۷۸ جلد ۴)

(۲) (لايقع شئ في عكسه) اى فيما اذا امرها بالواحدة فطلقت ثلاثا بكلمة واحدة عند الامام اما لوقالت واحدة وواحدة وواحدة وقعت واحدة اتفاقا لامتثالها بالاولى ويلغو ما بعده (شامي صفحه ۵۷۹ جلد ۴)

(۳) والارادة والرضاء والمحبة كالمشيئة (شامي صفحه ۵۷۷ جلد ۴)

اختیار رہتا ہے۔ مگر بعض شکلیں ایسی ہیں ان میں مجلس کی کوئی قید نہیں۔ وہ یہ کہ مرد نے تفویض طلاق کو عورت کے کسی کام پر معلق کیا کہ فلاں کام کرنے تک تجھ کو اختیار طلاق ہے۔ مثلاً مرد نے عورت سے یوں کہا کہ کھانا کھانے سے قبل اپنے آپ کو طلاق دیدے، تو کھانا کھانے تک اس کا اختیار باقی رہے گا اگر کھانا اسی مجلس میں کھالیا تو مجلس ختم ہونے سے قبل محض کھانا کھانے سے ہی اختیار ختم ہو جائے گا۔ اور اگر مجلس کے ختم تک اس نے کھانا نہیں کھایا۔ بلکہ مجلس ختم ہونے کے بعد کھانا کھایا تو اس کا اختیار اس وقت تک باقی رہے گا جب تک کہ کھانا نہ کھالے۔ [1]

وکیل کے ذریعہ تفویض

طلاق کے وکیل بنانے کی دو صورتیں ہیں (۱) وکیل کے ذریعہ عورت کو طلاق کا مالک بنانا (۲) خود وکیل کو طلاق دینے کا اختیار دیدینا۔ پہلی صورت میں وکیل کی حیثیت صرف ناقل کلام، مخبر اور ایلچی کی ہے انشاء کلام اس کا حق نہیں اسلئے اس کا حکم تو وہی ہے جو براہ راست خود شوہر کے اختیار دینے کا ہے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ [2]

دوسری صورت خود وکیل ہی کو طلاق دینے کا اختیار دینا ہے۔ نیز اسکی بھی دو صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ شوہر وکیل کو مشیت وغیرہ کی قید لگائے بغیر صرف (طلقی امرأتی) کہہ کر محض طلاق دینے کا وکیل بنائے تو اس کا حکم بیوی کو طلاق سپرد کرنے سے کچھ علیحدہ ہے وہ یہ کہ بیوی کو طلاق سپرد کرنے کی صورت میں اختیار مجلس تک رہتا ہے۔ اور توکیل کی صورت میں وکیل کو مجلس میں اور مجلس کے بعد بھی اختیار رہتا ہے۔ نیز تفویض طلاق إلی الزوجة (یعنی شوہر بیوی کو طلاق سپرد کرنے) کی صورت میں مرد کو اپنے قول سے رجوع کرنے کا حق نہیں ہوتا برخلاف

(۱) بخلاف ما اذا علقه بشیٔ آخر من افعالها کالاکل فلنه لایقتصر علی المجلس نهر فی الجمیع بحر فتأمله (شامی صفحه ۵۷۷ جلد۴)

(۲) کان یقول لرجل اذهب الی فلانة وقل لها ان زوجك یقول لك اختیاری فهو ناقل لکلام المرسل لا منشی لکلامه (شامی صفحه ۵۵۲ جلد۴)

توکیل کی صورت کے کہ اس میں مرد اپنا اختیار وکیل سے واپس لے سکتا ہے دونوں میں وجہ فرق یہ ہے کہ شوہر کا قول (طلقي نفسك) تملیک طلاق ہے کیونکہ عورت خود اپنے واسطے عمل کرتی ہے اور وکیل اپنے غیر کے واسطے عمل کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ تملیک کی صورت میں شوہر کو رجوع کا اختیار نہیں ہوتا ہے اور وہ مجلس کے ساتھ خاص ہوتی ہے۔ برخلاف توکیل کے اس کا اختیار مجلس تک محدود نہیں رہتا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ شوہر نے مطلق نہیں بلکہ مشیت کی قید کیساتھ وکیل بنایا مثلاً اس نے کہا (طلقها إن شئت) اگر چاہو تو میری بیوی کو طلاق دیدو۔ تو اس کا حکم تفویض طلاق الی الزوجۃ جیسا ہے اس وکیل کا اختیار بھی مجلس تک محدود رہیگا مجلس ختم ہونے کے بعد طلاق کا اختیار ختم ہو جائے گا نیز شوہر کو اپنے قول سے رجوع کرنے کا حق بھی نہیں رہے گا اور یہی قول راجح ہے اگرچہ امام زفر کا مذہب دونوں صورتوں میں یکساں ہے جمہور کی دلیل یہ ہے کہ قول ثانی (طلقها إن شئت) یہ ایسی تملیک ہے جس میں تعلیق کے معنی پائے جاتے ہیں پس معنی تملیک کا اعتبار کرتے ہوئے یہ اختیار مجلس کیساتھ مقید رہے گا اور تعلیق (یمین) کا اعتبار کرتے ہوئے یہ تصرف لازم ہوگا اور شوہر کو اپنے قول سے رجوع کا اختیار نہیں ہوگا۔[1]

خط یا ٹیلفون وغیرہ کے ذریعہ اختیار دینا

جس طرح وکیل اور ایلچی کے ذریعہ عورت کو اختیار طلاق دینا صحیح اور عورت کا اس اختیار کو استعمال کرنا معتبر گردانا گیا ہے اسی طرح اگر خط بھیج کر یا ٹیلفون وغیرہ کے ذریعہ عورت کو اختیار دیدیا جائے تو صحیح اور معتبر ہے عورت کو ان تمام شرائط کے

(۱) واذا قال لرجل طلق امرأتي فله ان يطلقها في المجلس وبعده وله ان يرجع لانه توكيل وانه استعانة فلا يلزم ولا يقتصر على المجلس بخلاف قوله لامرأته طلقي نفسك لانها عاملة لنفسها فكان تمليكا لاتوكيلا ولو قال لرجل طلقها ان شئت فله ان يطلقها في المجلس خاصة وليس للزوج ان يرجع وقال زفر رحمه الله هذا والاول سواء الخ ولنا انه تمليك لانه علقه بالمشية والمالك هو الذي يتصرف عن مشيئته والطلاق يحتمل التعليق (هدایه صفحه ۳۸۱ جلد۲)

پائے جانے کی صورت میں جو تفویض طلاق کی ہیں یہاں بھی اختیار حاصل ہوگا۔ مثلاً مجلس کی قید جتنی اور جس قسم کی طلاق کی تفویض ہوئی ہے اسی کو واقع کرنا۔ وغیرہ۔

مرد نے عورت سے کہا تم خود بھی اور اپنی سوتن کی بھی طلاق لے لو

اگر کسی کی دو بیویاں ہیں (۱) خالدہ (۲) ہندہ۔ شوہر نے خالدہ کو مخاطب کر کے کہا کہ تم اپنے کو اور اپنی سوتن ہندہ کو بھی طلاق دے دو تو خالدہ کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار اسی مجلس تک باقی رہے گا اور اپنی سوتن کو طلاق دینے کا اختیار مجلس کے بعد بھی باقی رہے گا کیونکہ اس کے حق میں شوہر کا یہ کلام تفویض ہے اور اس کی سوتن ہندہ کے حق میں توکیل ہے اور ان دونوں کے درمیان جو وجہ فرق ہے قریب ہی میں گزر چکی۔[۱]

دو آدمی کو طلاق کا وکیل بنانے کی مختلف صورتیں

دو آدمی کو ایک ساتھ وکیل بنانے کی مختلف صورتیں ہیں۔ (۱) اگر کسی نے دو آدمی کو وکیل بناتے ہوئے مشیت کا ذکر کیا۔ مثلاً کہا (طلقا امرأتی إن شئتما) کہ تم دونوں چاہو تو میری بیوی کو طلاق دیدو تو دونوں کا ایک ساتھ طلاق دینا ضروری ہے علیحدہ علیحدہ طلاق دینے سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ (۲) اور اگر بغیر مشیت کی قید بڑھائے ہوئے صرف یوں کہا (طلقا إمرأتی) کہ تم دونوں میری بیوی کو طلاق دیدو تو اس صورت میں دونوں میں سے کسی ایک وکیل کے طلاق دینے سے بھی طلاق واقع ہو جائے گی دونوں وکیل کا ایک ساتھ طلاق دینا ضروری نہیں۔ بشرطیکہ یہ طلاق بالمال نہ ہو۔ (۳) کسی نے دو آدمی کو وکیل بناتے ہوئے یوں کہا کہ ایک دوسرے کے بغیر طلاق نہ دے پس ان میں سے ایک وکیل نے پہلے طلاق دی پھر دوسرے نے دی۔ یا پہلے وکیل کی دی ہوئی طلاق کو دوسرے نے

---

(۱) ان قال لها طلقی نفسك وصاحبتك فلها ان تطلق نفسها فی المجلس لانه تفویض فی حقها ولها أن تطلق صاحبتها فی المجلس وغیره لانه توکیل فی حقها (عالمگیری ص ۴۰۷ ج ۱)

جائز قرار دیا تو کسی کی بھی طلاق واقع نہ ہوگی۔ (۴) شوہر نے دو آدمی کو وکیل بناتے ہوئے کہا (طلقاها جميعا ثلاثا) کہ تم دونوں ملکر میری بیوی کو تین طلاق دیدو پس ایک وکیل نے ایک طلاق دی اور دوسرے نے دو طلاق دی تو کچھ بھی واقع نہ ہوگی جب تک کہ دونوں ملکر ایک ساتھ تینوں طلاقیں واقع نہ کریں۔ (۵) اگر جمیعا کی تاکید کے بغیر صرف یوں کہا (طلقاها ثلاثا) کہ تم دونوں میری بیوی کو تین طلاقیں دیدو تو دونوں وکیلوں میں سے ہر ایک تین طلاق دینے کا حقدار ہوگا اسی طرح ایک وکیل ایک طلاق اور دوسرا وکیل دو طلاق دینے کا بھی حقدار ہوگا۔ اس لئے اس صورت میں ایک کے ایک اور دوسرے کے دو طلاق، دینے سے اس کی بیوی پر کل تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔[1]

نوٹ: (اس کے علاوہ اور بھی جزئیات فتاویٰ عالمگیری میں نقل کئے گئے ہیں تفصیل کیلئے وہاں دیکھئے)

ایک ساتھ دو سوتن کو طلاق کا اختیار دینے کی مختلف صورتیں

(۱) اگر کسی نے اپنی دو مدخولہ بیوی کو ایک ساتھ مخاطب کرتے ہوئے یوں کہا (طلقا انفسكما ثلاثا) کہ تم دونوں اپنے آپ کو تین طلاقیں دے دو پس ان میں سے ہر ایک نے پہلے اپنے آپ کو پھر اس کے فوراً بعد اپنی سوتن کو طلاق دی تو دونوں سوتن مطلقہ ثلاثا بائنہ پہلی ہی طلاق سے ہوجائیں گی اور بعد میں جو

(۱) وان قال لرجلين طلقا امرأتي ان شئتما فليس لاحدهما التفرد بالطلاق مالم يجتمعا عليه وان قال طلقا امرأتي ولم يقرنه بالمشئة كان توكيلا وكان لاحدهما ان يطلقها كذا في الجوهرة النيرة اذا وكل رجلين بالطلاق كان لكل واحد منهما ان يطلقها اذا لم يكن الطلاق بمال ولو وكلهما بالطلاق وقال لايطلقها احد كما بدون صاحبه فطلقها احدهما ثم طلقها الاخر او طلق احدهما واجاز الاخر لايقع شئ ولو قال لرجلين طلقاها جميعا ثلاثا فطلقها احدهما واحدة ثم طلقها الاخر تطلقتين لايقع شئ حتى يجتمعا على الثلاث كذا في فتاوى قاضيخان ولو قال لرجلين طلقاها ثلاثا ينفرد كل واحد منهما بالطلاق وكذا يملك احدهما واحدة والاخر ثنتين (عالمگیری صفحه ۴۰۷ جلد۱)

طلاق دی ہے وہ لغو اور بیکار ہو جائے گی۔ (۲) اگر ایک عورت نے اولاً تو اپنی سوتن کو طلاق دی پھر اپنے اوپر واقع کیا تو اس کی سوتن پر طلاق واقع ہو جائے گی مگر خود یہ مطلقہ نہیں ہوگی کیونکہ یہ اپنے حق میں مالک ہے اور تملیک مجلس تک منحصر رہتی ہے اس لئے جب اس نے اپنی سوتن کو طلاق دیدی تو اب اختیار اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اور شروع میں اپنے آپ کو طلاق دینے سے سوتن کی طلاق کا اختیار اس کے ہاتھ سے نہیں نکلے گا اس لئے کہ سوتن کے حق میں یہ وکیلہ ہے اور وکالت مجلس تک منحصر نہیں رہتی۔ (۳) اگر کسی نے کہا کہ تم دونوں اپنے اوپر اور اپنی سوتن کے اوپر طلاق واقع کرلو اور پھر اسی مجلس میں کہا کہ تم دونوں نہ اپنے اوپر اور نہ اپنی سوتن پر طلاق واقع کرسکتی ہو تو اس صورت میں دونوں سوتن مجلس کے باقی رہنے تک اپنے اوپر طلاق واقع کرسکتی ہیں مگر منع کرنے کے بعد اپنی سوتن کو طلاق دینے کی حقدار نہ ہوگی کیونکہ توکیل کی صورت میں مرد کو اپنے اختیار سے رجوع کرنے کا حق رہتا ہے۔ اور سوتن کے حق میں دونوں وکیلہ ہیں۔[1]

عورت کے اولیاء کا مرد سے طلاق کے مطالبہ کی ایک صورت

اس دور میں عموماً ایک غلط مسئلہ رائج ہے کہ اگر عورت کے اولیاء میں سے کوئی ولی مرد سے طلاق کا مطالبہ کرتا ہے اور مرد جواب میں یہ کہہ دیتا ہے کہ

---

(۱) ولو قال لامرأتين له طلقا انفسكما ثلاثا وقد دخل بهما فطلقت كل واحد منهما نفسها وصاحبتها على التعاقب طلقت كل واحد منهما ثلاثا بتطليق الاولى لا بتطليق الاخرى لان تطليق الاخرى بعد ذلك نفسها وصاحبتها بلطل ولو بدأت الاولى فطلقت صاحبتها ثلاثا ثم طلقت نفسها طلقت صاحبتها دون نفسها لانها فى حق نفسها مالكة والتمليك يقتصر على المجلس فاذا بدأت بطلاق صاحبتها خرج الامر من يدها وبتطليقها نفسها لا يبطل تطليقها الاخرى بعد ذلك لانها فى حق الاخرى وكيلة والوكالة لاتقتصر على المجلس كذا فى الظهيرية فى المنتقى عن ابى حنيفة رحمة الله تعالى فيمن قال لامرأتيه طلقها انفسكما ثم قال بعده لاتطلقا انفسكما فلكل واحدة منهما ان تطلق نفسها مادامت فى ذلك المجلس ولم يكن ان تطلق صاحبتها بعد النهى (عالمگیری صفحہ ۴۰۳ جلد ۱)

تم کیا چاہتے ہو جو کرنا ہے کر لو تو لڑکی کے ولی اور رشتہ دار لوگ اس جملہ کو طلاق یا اختیار طلاق سمجھ کر لڑکی کو طلاق دے دیتے ہیں اور دوسری جگہ اس کی شادی کرا دیتے ہیں۔ یہ بالکل ناجائز ہے نکاح درست نہیں ہوگا کیونکہ مرد کا یہ جملہ نہ طلاق ہے اور نہ اس سے اختیار طلاق ملتا ہے۔

ہاں اگر مرد نے اس جملہ سے تفویض طلاق کی نیت کی تھی تو پھر عورت کے اولیاء کا طلاق دیکر دوسری جگہ نکاح کرانا درست ہوگا مگر نیت کرنے اور نہ کرنے کے سلسلے میں شوہر کا قول معتبر ہوگا۔[1]

وکیل کو کئی زوجہ میں سے ایک کو طلاق کا اختیار دینے کی صورتیں

اگر مرد نے کسی آدمی سے کہا کہ میری بیویوں میں سے کسی ایک کو طلاق دیدو۔ اور وکیل نے اسی کے مطابق طلاق دی تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ وکیل نے مؤکل کی ایک بیوی کو متعین کر کے طلاق دی ہے تو اس متعینہ بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی اور شوہر کو اختیار نہ ہوگا کہ اس طلاق کو متعینہ بیوی کے علاوہ کسی دوسری کی طرف پھیر دے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ وکیل نے بلا تعیین کسی ایک بیوی کو طلاق دیدی تو اب اس کی بیویوں میں سے ایک غیر متعینہ بیوی پر طلاق واقع ہوگی اور اس کی تعیین کا حق شوہر کو ہوگا اور بغیر متعین کئے کسی بیوی سے جماع کی اجازت نہیں ہوگی۔[2]

(۱) اولیاء المرأة اذا طلبوا من الزوج ان یطلقها فقال الزوج لابیها ماذا ترید منی افعل ما ترید وخرج ثم طلقها ابوها لم تطلق ان لم یرد الزوج التفویض ویکون القول قوله انه لم یرد به التفویض کذا فی الخلاصه (عالمگیری صفحه ۴۰۷ جلد ۱)

(۲) واذا قال لغیره طلق احدی نسائی وطلق واحدة منهن بعینها صح ولیس للزوج ان یصرف الطلاق الی غیرها وکذا اذا طلق واحدة منهن لابعینها صح ویکون الخیار للزوج (عالمگیری صفحه ۴۰۸ جلد ۱)

بچہ اور غلام کو وکیل بالطلاق بنانا درست ہے

اگر کسی نے ایسے نابالغ بچہ کو اپنی بیوی پر طلاق واقع کرنے کا وکیل بنایا جو عقلمند ہے تو اس کو وکیل بنانا اور اس کا طلاق دینا درست ہوگا یہی حکم غلام کو وکیل بنانے کا ہے کہ اس کی بھی دی ہوئی طلاق واقع ہو جائے گی۔[1]

وکیل اگر نشہ کی حالت میں بھی طلاق دے تو درست ہے

کسی شخص نے کسی کو وکیل بالطلاق کیا اور وکیل نے حالت نشہ میں عورت کو طلاق دیدی تو اس کے وقوع اور عدم وقوع کے سلسلے میں اگرچہ فقہاء کا اختلاف ہے مگر راجح قول یہ ہے کہ طلاق واقع ہو جائے گی۔[2]

وکیل کا عورت یا مرد کے مرتد ہونے کے بعد طلاق دینا

شوہر کسی کو طلاق دینے کا وکیل بنا کر خود مرتد ہوگیا یا عورت مرتدہ ہوگئی (نعوذ باللہ من ذلك) اور پھر اس ارتداد کے بعد وکیل نے عورت کو طلاق دی۔ تو جب تک عورت عدت پوری نہ کرلے اس وقت تک وکیل کا طلاق دینا درست ہے۔[3]

تفویض یا توکیل سے شوہر کا حق طلاق ختم نہیں ہوتا

شوہر کی تفویض یا توکیل طلاق سے اس کا جو حق طلاق ہے وہ بالکلیہ ختم نہیں ہو جاتا بلکہ باقی رہتا ہے لہٰذا اگر وہ تفویض و توکیل کے بعد بھی خود طلاق دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔ بشرطیکہ عورت یا وکیل نے اپنا حاصل شدہ اختیار ابھی تک استعمال نہ کیا ہو۔

---

(۱) واذا وکل صبیا عاقلا او عبدا بالطلاق صح کذا فی السراجیہ (عالمگیری ص۴۰۹ ج ۱)

(۲) رجل وکل رجلا بطلاق امرأتہ فطلقها الوکیل فی سکرہ اختلفوا فیہ والصحیح انہ یقع (عالمگیری صفحہ ۴۰۹ جلد ۱)

(۳) وکذا لو ارتد الزوج او المرأۃ والعیاذ باللہ تعالی ثم طلقها الوکیل فطلاق الوکیل واقع مادامت فی العدۃ (عالمگیری صفحہ ۴۰۹ جلد ۱)

تعلیق طلاق

وقوع طلاق کو مستقبل میں کسی کام کے ہونے یا نہ ہونے پر یا کسی وقت یا کسی حادثہ وغیرہ پر موقوف رکھنے یا کسی شرط کے ساتھ مشروط کرنے کو تعلیق طلاق کہتے ہیں۔

مثلاً شوہر نے بیوی سے کہا کہ اگر تو فلاں کے گھر گئی یا فلاں سے بات کی تو تجھ کو طلاق ہے۔ یا کہا۔ کہ اگر تو شام تک یا مغرب کے بعد تک گھر نہ آئی تو تجھ کو طلاق یا اگر میرے بچے کو کچھ ہوا تو تجھ کو طلاق وغیرہ ذالک۔

طلاق معلق کا حکم

اس کا حکم یہ ہے کہ جب بھی وہ چیزیں پائی جائیں گی جن پر طلاق کو معلق کیا گیا ہے تو عورت پر طلاق رجعی واقع ہو جائے گی۔

طلاق معلق کے واقع ہونے کی شرطیں

طلاق معلق کے وقوع کی چند شرطیں ہیں۔ (۱) شوہر کا عاقل، بالغ ہونا جس طرح ایقاع طلاق کیلئے شرط ہے اسی طرح تعلیق طلاق کیلئے بھی شرط ہے۔ (۲) جس چیز پر طلاق کو معلق اور مشروط کیا گیا ہے اس کا امر محال نہ ہونا۔ مثلاً کسی نے اپنی زوجہ سے کہا کہ جب آسمان زمین پر آجائے تو تجھ کو طلاق، سوئی کے ناکے سے اونٹ اگر نکل جائے تو تجھ کو طلاق، تو یہ کلام لغو ہو جائے گا اور اس سے طلاق واقع نہ ہو گی۔ (۳) جس چیز پر طلاق کو معلق کیا گیا ہو وہ فی الفور موجود ہو یا آئندہ پائے جانے کا امکان ہو۔ مثلاً شوہر نے زوجہ سے کہا کہ اگر تو نے فلاں آدمی سے بات چیت کر لی تو تجھ کو طلاق مگر وہ آدمی یہاں نہیں امریکہ میں ہے۔ تو جب بھی بات کرے گی طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور اگر وہ آدمی بات چیت سے قبل مر گیا تو شوہر کا یہ کلام لغو ہو جائے گا۔ اسی طرح شوہر نے کہا کہ اگر تو فلاں گھر میں داخل ہوئی تو تجھ کو طلاق ہے اس کے بعد وہ گھر گر گیا تو شوہر کا یہ کلام لغو ہو جائے گا اور کبھی

طلاق نہ ہوگی اگرچہ دوبارہ گھر بنانے کے بعد داخل ہو جائے۔(۴)شرط اور جزاء کے جملوں کا متصل ہونا بھی ضروری ہے۔لہٰذا اگر شرط و جزاء کے مابین کوئی غیر متعلق بات بڑھادی جائے یا طویل سکوت اختیار کیا جائے جو عادۃً نہیں کیا جاتا یا مجلس بدل جائے تو پھر یہ صورت تعلیق کی نہیں ہوگی بلکہ طلاق مطلق ہوگی اور فوراً واقع ہو جائے گی۔ مثلاً کسی نے اپنی بیوی سے کہا(تجھ کو طلاق)اس کے بعد کسی سے ایک دو بات کرلی۔یا کچھ کھاپی لیا۔یا ایک دو منٹ خاموشی اختیار کرلی۔یا گھر کے اندر داخل ہو کر باہر آیا اور پھر کہا(جب تو اس گھر میں داخل ہو) تو ان دونوں جملوں کے درمیان فصل واقع ہونے کی وجہ سے پہلا جملہ (تجھ کو طلاق)ہی سے طلاق واقع ہو جائے گی۔اور دوسرا جملہ (جب تو اس گھر میں داخل ہو) سے دخول دار پر معلق نہیں ہوگی۔(۵)طلاق کو کسی ایسی چیز اور ایسی ذات کی مشیت پر موقوف نہ کرے جس کی مشیت کا علم ممکن نہ ہو جیسے اللہ، فرشتہ، جنات، حیوانات، نباتات وغیرہ اس لئے اگر کسی نے یوں کہا۔کہ تجھ کو طلاق اگر اللہ چاہے۔یا تجھ کو طلاق اگر فرشتہ چاہے یا تجھ کو طلاق اگر بکری چاہے۔یا تجھ کو طلاق اگر یہ درخت چاہے۔ تو مذکورہ بالا جملوں سے نہ تو فی الفور طلاق واقع ہوگی اور نہ طلاق معلق رہے گی بلکہ کلام مذکور لغو ہو جائے گا۔ہاں اگر طلاق کے متصل ان میں سے کسی کی مشیت کا ذکر نہیں کیا تو پھر فوراً طلاق واقع ہو جائے گی۔

اور اگر یوں کہے کہ تجھ کو طلاق ہے اگر زید چاہے تو یہ تعلیق طلاق نہیں بلکہ تفویض طلاق ہے اسلئے زید کے چاہنے سے طلاق واقع ہو جائے گی۔

(۶)طلاق کی شرط کا اتنا زور سے بولنا ضروری ہے کہ قریب والے کو سنائی دے اگر طلاق کو زور سے بولا مگر شرط کو آہستہ منہ میں رکھ کر بولا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

مسئلہ:- طلاق اور شرط دونوں کا تلفظ ضروری نہیں لہٰذا اگر طلاق کو زبان سے ذکر کرے اور استثناء کو کاغذ پر لکھ دے۔یا اس کے برعکس طلاق کو کاغذ پر لکھے اور استثناء

کاذکر زبان سے کرے۔ تو بھی طلاق واقع نہیں ہوگی اگرچہ لکھا ہوا مٹ جائے۔

مسئلہ :- اگر شوہر طلاق کا تلفظ کرنے کے بعد اور استثناء سے قبل مرگیا تو فوراً طلاق واقع ہو جائے گی۔

(۷) لفظ استثناء کے معنی کا علم بھی ضروری نہیں لہٰذا اگر طلاق کے بعد متصلاً غیر ارادی طور پر بھی انشاء اللہ نکل گیا تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ (۸) تعلیق طلاق میں شک نہ ہو۔ جس طرح شک سے طلاق نہیں ہوتی اسی طرح شک سے تعلیق طلاق بھی متحقق نہ ہوگی۔ (۹) جملہ شرطیہ سے تعلیق کے علاوہ کوئی اور معنی مراد نہ لیا ہو مثلاً شوہر نے کہا۔ تجھ کو طلاق اگر میں گھر میں داخل ہوں۔ تو دخول دار کو طلاق ہی کیلئے استعمال کیا ہو اس شرط کا مقصد اس کے علاوہ کچھ اور نہ ہو۔ (۱۰) مرد نے جس عورت کی طلاق کو معلق کیا ہے وہ اس کی منکوحہ یا معتدہ ہو لہٰذا اگر نکاح سے قبل کسی اجنبیہ سے کہے کہ اگر تم نے زید کی زیارت کی تو تجھ کو طلاق پھر وہ اس اجنبیہ سے نکاح کرلے، اس کے بعد وہ عورت زید کی زیارت کرے تو اس پر طلاق واقع نہ ہوگی۔[۱]

(۱) معلوم من كليات الشريعة ان التصرفات لاتنفذ الا ممن له اهلية التصرف وادرناها بالعقل والبلوغ خصوصا ما هو دائر بين الضرر والنفع (فتح القدير ص۳۴۳ تا ۳۴۴ ج۳) وشرط صحته كون الشرط معدوما على خطر الوجود فالمحقق كإن كان السماء فوقنا تنجيز والمستحيل كان دخل الجمل في سم الخياط لغو وكونه متصلا الا لعذر وان لا يقصد به المجازاة الخ شرط الملك... كقوله لمنكوحته او معتدته أن ذهبت فانت طالق... فلغا قوله لاجنبية ان زرت زيدا فانت طالق فنكحها فزارت (الى قوله) قال لها انت طالق انشاء الله متصلا الالتنفس أو سعال او جشاء او عطاس او ثقل لسان او امساك فم او فاصل مفيد لتاكيد او تكميل اوحد او طلاق او نداء .... مسموعا بحيث لو قرب شخص اذنه الى فيه يسمع فصح استثناء الاصم خانية لايقع للشك وان ماتت قبل قوله انشاء الله وان مات يقع ولا يشترط فيه القصد ولا التلفظ بهما فلو تلفظ بالطلاق وكتب الاستثناء موصولا او عكس او ازال الاستثناء بعد الكتابة لم يقع عمادية ولا العلم بمعناه حتى لو اتى بالمشيئة من غير قصد جاهلا لم يقع... وحكم ما لم يوقف على مشيئته فيما ذكر كالانس والجن والملائكة والجدار والحمار كذلك وكذا ان شرك كأن شاء الله وشاء زيد لم يقع اصلا (درمختار على هامش شامي ملخصاً صفحه ۵۹۱ تا ۶۳۰ جلد۴)

غیر متعین مدت پر طلاق کو معلق کرنا

اگر کسی نے غیر متعین مدت پر طلاق کو معلق کرتے ہوئے یوں کہا۔ کہ اگر میں تجھ کو فلاں جگہ نہ پہنچادوں۔ یا فلاں کام نہ کرلوں۔ تو میری بیوی کو طلاق۔ اب اگر وہ کام کرلیتا ہے۔ یا بیوی کو اس مقام تک پہنچادیتا ہے۔ تو طلاق کا واقع نہ ہونا ظاہر ہے۔ اور اگر اس کام کو نہیں کرتا ہے یا بیوی کو اس مقام تک نہیں پہنچاتا ہے تو پوری عمر طلاق واقع نہیں ہوگی البتہ شوہر کی موت کے ساتھ اس کی بیوی مطلقہ ہو جائے گی کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے مدت غیر متعین کے ختم تک وہ کام نہیں کیا۔[1]

صیغۂ استقبال کے ساتھ تعلیق

جس طرح صیغۂ استقبال سے طلاق واقع نہیں ہوتی اسی طرح اس سے تعلیق طلاق کی صورت میں بھی اس وقت تک طلاق نہ ہوگی جب تک کہ اس استقبال کو عمل میں نہ لے آئے جیسے کسی نے کہا کہ اگر تم نے فلاں کام کرلیا تو میں طلاق دیدونگا تو اس سے طلاق نہ ہوگی ہاں اگر شوہر وعدہ کے مطابق طلاق دیدیگا تو ظاہر ہے کہ طلاق ہو جائے گی۔[2]

البتہ اگر صیغۂ استقبال کے بجائے حال استعمال کیا مثلاً یوں کہا کہ یہ کام نہ کیا تو طلاق دیتا ہوں تو بوقت تحقق شرط طلاق واقع ہو جائے گی۔[3]

شرط پائے جانے پر طلاق واقع ہو جائے گی

یہ بات ضمناً آچکی ہے کہ جب طلاق کسی شرط پر معلق کی جائے گی تو جوں ہی شرط وجود میں آئے گی طلاق واقع ہو جائے گی۔[4]

(۱) بخلاف ما اذا کان شرط الحنث امرا عدمیا مثل ان لم اکلم زیدا اوان لم ادخل فانها لا تبطل بفوات المحل بل یتحقق به الحنث للیأس من شرط البر وهذا اذا لم یکن شرط البر مستحیلا (شامی صفحه ٦٠١ جلد٤) (٢) او انا اطلق نفسی لم یقع لانه وعد (درمختار) وعبارة الجوهرة وان قال طلقی نفسك فقالت انا اطلق لم یقع قیاسا واستحسانا (شامی صفحه ٥٥٩ جلد٤) (٣) فتاوی دارالعلوم دیوبند صفحه ٤٤ جلد١٠ (٤) تنحل ای تبطل الیمین... اذا وجد الشرط مرة (درمختار علی هامش شامی صفحه ٦٠٥ جلد٤)

شرط کا اعتبار عرف وحالات کے لحاظ سے محدود ہوگا

میاں بیوی کے مابین دن میں تکرار ہوئی بیوی نے مغلوب الغضب ہو کر گھر سے باہر نکلنے کا ارادہ کیا چونکہ دن میں گھر سے نکلنا بے پردگی اور رسوائی کا سبب تھا اس لئے شوہر نے بھی غصہ میں آکر اپنی بیوی سے کہا کہ اگر گھر سے باہر گئی تو تجھ کو طلاق بیوی ڈر کے مارے اس وقت باہر نہ نکلی۔ رات کو پھر تکرار ہوئی اب شوہر غصہ میں گھر سے باہر نکل پڑا اس وقت بے پردگی کا کوئی خطرہ نہیں تھا اس لئے بیوی نے یہ سمجھ کر کہ شوہر کہیں چلا نہ جائے ساتھ ہوگئی اور گھر سے باہر نکل گئی۔ اب چونکہ گھر سے باہر نکلنے کی وہ شرط جو شوہر نے وقوع طلاق کے لئے لگائی تھی بظاہر پائی گئی اس لئے طلاق واقع ہو جانی چاہئے مگر حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ مفتی اعظم دار العلوم دیوبند تحریر فرماتے ہیں کہ طلاق واقع نہ ہوگی۔[1] کیونکہ شوہر کا مقصد دن میں اسی وقت نکلنے پر طلاق کو معلق کرنا تھا اس وقت نکلنے سے طلاق واقع ہو جاتی بعد میں نکلنے سے واقع نہ ہوگی۔[2]

فلاں تاریخ تک روپیہ منی آرڈر نہ کروں تو طلاق

شوہر نے تحریری عہد کیا کہ میں اپنی منکوحہ کو ہر ماہ چار سو کا منی آرڈر کرتا رہوں گا۔ اگر کسی ماہ کی ۲۸ تاریخ تک روانہ نہ کروں تو یہ اقرار نامہ مثل طلاق نامہ تصور کیا جائے۔ اور اگر منی آرڈر کرنے کی بجائے کسی اور طرح سے روپے بھیجوں تو اس کو باطل خیال کیا جائے۔ اب اگر زید نے کسی ماہ میں منی آرڈر نہیں کیا بلکہ کسی کی معرفت بھیج دیا تو بھی طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ مقصد روپیہ پہنچانا ہے خواہ کسی طرح بھی پہنچائے۔[3]

---

(۱) فتاوی دارالعلوم دیوبند صفحہ ۵۲ جلد ۱۰

(۲) وشرط للحنث فی قولہ ان خرجت مثلا فانت طالق... لمریدالخروج... فعلہ فوراً لان قصدہ المنع عن ذلک الفعل عرفا ومدارا الایمان علیہ (در مختار علی ہامش شامی ص ۵۵۳۔۵۵۴ ج ۵ (۳) فتاوی دار العلوم دیوبند صفحہ ۷۴ جلد ۱۰

جس شرط پر طلاق دی وہ شرط موجود نہیں تو؟

اگر شوہر نے بیوی کو ایسی شرط پر طلاق دی جو بیوی میں نہیں ہے تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ مثلاً زید کے والدین یا دوسرے رشتہ دار ناراض ہو کر قسم کھالیں اور زید سے کہیں کہ تمہاری بیوی کا پکایا ہوا کھانا حرام ہے۔ اور اس پر زید یہ کہے کہ اگر آپ لوگوں کے لئے اس کے ہاتھ کا کھانا حرام ہے تو اس کو تین طلاق۔ تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ کسی کے ہاتھ کا کھانا کسی کیلئے حرام نہیں۔

نیز اسی طرح بیوی کے متعلق غلط افواہ پر شوہر نے کہا کہ اگر میری بیوی چورنی ہے۔ یا زانیہ ہے۔ یا شراب خور ہے۔ یا دیگر اوصاف قبیحہ کو عورت کی طرف منسوب کر کے کہا کہ اگر وہ ایسی ہے تو اس کو طلاق حالانکہ وہ اوصاف اس عورت کے اندر نہیں تو اس پر طلاق واقع نہ ہوگی ہاں اگر وہ اوصاف موجود ہوں تو پھر طلاق واقع ہو جائے گی۔[1]

تعلیق کے خلاف کرنے پر طلاق نہ ہوگی

زید نے عورت سے کہا کہ اگر تم نے میری روٹی پکائی تو طلاق اس نے چاول پکائے تو طلاق نہ ہوگی اسی طرح زید نے بیوی سے کہا اگر تو حیض کی حالت میں گھر گئی تو طلاق۔ اب اگر حالت طہارت میں گھر میں جانا پایا جائے یا حالت حیض تو پائی گئی مگر گھر میں جانا نہ پایا گیا۔ جب دونوں چیزیں ساتھ ہوں گی یعنی حیض بھی اور دخول دار بھی تب طلاق ہوگی۔[2]

شوہر کی طرف منسوب شرط کو کسی اور نے انجام دیا

شوہر نے بیوی سے کہا کہ اگر میں تم کو اپنے گھر لاؤں تو تجھ کو طلاق۔ پھر

---

(۱) مستفاد فتاوی دارالعلوم دیوبند صفحہ ۷۹ جلد ۱۰

(۲) ففی البحر انت طالق بدخول الدار او بحیضتك لم تطلق حتی تدخل اوتحیض (شامی صفحہ ۶۰۳ جلد ۴ زکریا)

شوہر نے اسکونہیں لایا بلکہ خود آ گئی یا کوئی دوسرا رشتہ دار لے آیا تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

نیز اسی طرح شوہر نے کہا کہ اگر میں تم کو کپڑا یا زیور یا کوئی دوسرا سامان لا کر دوں۔ تو تجھ کو طلاق مگر کپڑا اور زیور وغیرہ شوہر کے علاوہ کسی اور نے لا کر دیا تو طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ جب شوہر نے وہ کام نہیں کیا تو شرط فوت ہو گئی اس لئے مشروط بھی فوت۔ یعنی طلاق واقع نہ ہوگی۔[1]

عمر کی اولاد کو زمین دوں تو میری بیوی کو طلاق عمر کے داماد کو دیا

اگر کسی نے یوں کہا کہ اگر میں عمر کی اولاد کو زمین دوں تو میری بیوی پر طلاق لیکن اس نے اس کی اولاد کے بجائے اس کے داماد کو زمین دی تو طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ داماد اولاد میں سے نہیں ہے۔[2]

مطلق جمعہ سے پہلا جمعہ مخصوص نہیں ہوگا

کسی نے قرض خواہ سے کہا کہ اگر میں جمعہ کو قرض نہ ادا کروں تو میری بیوی کو طلاق اس نے پہلے جمعہ کو ادا نہ کر کے اگلے یا تیسرے یا کسی اور جمعہ کو ادا کیا تو اس کی بیوی پر طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ جمعہ مطلق بولا ہے اور المطلق یجری علی اطلاقہ۔ اور بقاعدہ الایمان مبنیۃ علی الالفاظ علی الاعراض۔[3]

میری بیوی کو جلد بھیج دو ورنہ طلاق

شوہر نے خسر وغیرہ سے کہا کہ میری بیوی کو جلد بھیج دو ورنہ طلاق اس کی بیوی کو فوراً نہ بھیج کر ایک ماہ یا اس سے کچھ کم مدت میں بھیجا تو اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ ایک ماہ کی مدت کو قریب نہیں بلکہ بعید تصور کیا جاتا ہے

---

(۱) تنحل الیمین بعد وجود الشرط مطلقا (ونظیرہ ما فی الدر المختار) ان لم تجیی بفلان او ان لم تردی ثوبی الساعة فانت طالق فجاء فلان من جانب آخر بنفسه واخذ الثوب قبل دفعها لا یحنث (الدار المحتار علی رد المختار صفحه ۶۰۹ جلد ۴)

(۲) فتاوی دار العلوم دیوبند صفحه ۸۲ جلد ۱۰

(۳) فتاوی دار العلوم دیوبند صفحه ۸۷ جلد ۱۰

اور یہاں طلاق کو جلد نہ بھیجنے پر معلق کیا گیا ہے۔[1]

آج کے دن سے اگر میرا بدن چھوئی تو تم پر تین طلاق

رات کے وقت میاں بیوی میں تو تو میں میں ہوئی شوہر نے غصہ میں کہا کہ اگر تو آج کے دن سے میرا بدن چھوئے تو تجھ پر تین طلاق بیوی نے گھبرا کر شوہر کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ مجھے معاف کردو اب شوہر کہتا ہے کہ میری نیت صرف دن کی تھی رات کی نہیں تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا اس کی بیوی پر اسی وقت ہاتھ پکڑنے سے ہی تین طلاقیں مغلظہ واقع ہوگئیں۔ کیونکہ صریح لفظ میں نیت کا اعتبار نہیں ہوتا اور ایسے موقع پر دن سے مراد وقت ہوتا ہے اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس وقت سے ہاتھ لگایا تو تجھ کو تین طلاقیں اس لئے جب بیوی نے ہاتھ پکڑ لیا تو شرط پائی گئی اور عورت مغلظہ بائنہ ہوگئی بدون حلالہ کے کوئی صورت نہ ہوگی۔[2]

شرط کے موافق چھپ کر بھی کام کیا تو طلاق ہو جائے گی

اگر شوہر نے طلاق کو کسی شرط کیساتھ معلق کر کے یوں کہا کہ اگر میں شراب پیوں یا تاڑی پیوں یا فلاں کام کروں تو تجھے طلاق ایسی صورت میں وہ کام کرتے ہی طلاق ہو جائیگی اگرچہ چھپ کر اندھیرے میں وہ کام کیوں نہ کرے اور اس پر کوئی گواہ بھی قائم نہ ہو سکا ہو۔[3]

طلاق دینے کی شرط پر مہر کی معافی

زوجہ کا اپنے زوج سے معاہدہ ہوا کہ اگر تو مجھے طلاق دیدے تو میں مہر معاف کردونگی شوہر نے اس شرط پر طلاق دیدی اور عورت نے طلاق کے بعد مہر

---

(۱) الشهر وملفوقه ولو الى الموت بعيد وما دونه قريب الخ ولفظ السريع كالقريب والاجل كالبعيد (درمختار علی هامش شامی صفحه ۱۸۲ جلد۲ نعمانیه)

(۲) كما فی قوله تعالى فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره الايه (بقره آیت ۲۹) وقال عليه الصلوة والسلام ثلث جدهن جد وهزلهن جد الحديث (مشكوة ص ۲۸٤ ج۲) قال فی الشامی ای لو قال يوم اكلم فلانا فانت طالق فهو على الليل والنهار (شامی صفحه ۱٤٤ جلد۳ كتاب الايمان) بحواله فتاوی دار العلوم ديوبند صفحه ۱۱٦ جلد۱۰)

(۳) وتنحل... اليمين... اذا وجد الشرط مرة (درمختار علی هامش شامی صفحه ٦۰٤ تا ٦۰٥ جلد٤)

معاف نہ کر کے شوہر سے مطالبہ کر لیا تو یہ طلاق واقع نہ ہو گی۔

مہر کی معافی کے بعد طلاق

اگر بیوی نے شوہر سے یوں کہا کہ میں نے مہر معاف کر دیا تم مجھے طلاق دیدو اسکے جواب میں شوہر نے کہا میں نے تجھے طلاق دی اس صورت میں انکار معافی سے کوئی فرق نہیں پڑے گا اور وقوع طلاق کیساتھ مطالبہ مہر کا حق بھی ختم ہو جائیگا ہے۔[۱]

باپ کے گھر اس کے انتقال کے بعد جانا

کسی نے اپنی زوجہ سے کہا کہ اگر تو باپ کے گھر گئی تو تجھ کو طلاق اس صورت میں وہ جب بھی باپ کے گھر جائے گی طلاق واقع ہو جائے گی اگرچہ باپ کے مرنے کے بعد جائے کیونکہ باپ کے مرنے کے بعد بھی عرفاً باپ ہی کا گھر کہلاتا ہے۔[۲]

ایک ماہ تک نہ آئی تو تجھ کو طلاق پھر شوہر انتقال کر گیا

زوجہ شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے بھاگ کر باپ کے یہاں چلی گئی شوہر نے نوٹس دیا کہ اگر تو ایک ماہ تک نہ آئی تو تجھ کو طلاق۔ اسکے بعد شوہر ایک ماہ سے قبل ہی انتقال کر گیا۔ مذکورہ بالا صورت میں اگر عورت ایک ماہ میں گھر آ گئی تو ٹھیک ہے ورنہ طلاق واقع ہو جائے گی اگرچہ نہ آنا شوہر کے انتقال کی وجہ سے پایا جائے تو بھی طلاق ہو جائے گی۔ اس کا ثمرہ یہ نکلے گا کہ عورت نہ آنے کی وجہ سے مطلقہ ہو کر شوہر کے مال سے اپنا مہر وغیرہ تو لے سکتی ہے مگر ترکہ سے محروم ہو گی اگر شوہر کے گھر آ جاتی اور عدت وفات گذارتی تو وارث ہوتی۔[۳]

نابالغ کی تعلیق معتبر نہیں

اگر کسی نابالغ نے اپنی بیوی کی طلاق کو شرط پر معلق کیا تو اس کا اعتبار نہیں ہو گا

---

(۱) وتنحل ... الیمین... اذا وجد الشرط مرة (درمختار علی هامش شامی صفحه ٦٠٤ تاه ٦٠ جلد٤)
(۲) اذا علمت ذلك ظهرلك ان قاعدة بناء الایمان علی العرف معناها ان المعتبر هو المعنی المقصود فی العرف من اللفظ المسمی (شامی ٥٢٩ تا ٥٣٠ ج٥) اعلم انه اذا حلف یدخل دار زید فداره مطلقاً دار یسکنها (شامی صفحه ٥٥٣ جلد٥) (۳) فتاوی دار العلوم دیوبند صفحه ٧٤ جلد١٠

کیونکہ اس کی تعلیق اس کی طلاق کی طرح شرعاً غیر معتبر ہے۔

اسی طرح کسی نے نابالغ سے اس شرط پر نکاح کیا کہ اتنی مدت تک لڑکا بلا اجازت کہیں نہ جائے ورنہ بلا طلاق زوجہ اس پر حرام۔ پھر اسی مدت میں لڑکا بھاگ گیا۔ تو اس کی بیوی پر طلاق واقع نہ ہوگی بلکہ شرط لغو ہو جائے گی۔(۱)

کسی کو طلاق کا مالک بنانا، یا اس کی مرضی پر طلاق کو معلق کرنا

کسی نے کسی کی مرضی پر طلاق کو معلق کیا مثلاً شوہر نے کہا کہ اگر میرا بھائی چاہے تو میری بیوی کو طلاق یا کہا میری طلاق کا مالک میرا بھائی ہے اگر وہ چاہے تو طلاق دیدے تو اس سے اس کی بیوی پر اس کے بھائی کے چاہنے سے طلاق واقع ہو جائے گی۔ حقیقت میں یہ تعلیق طلاق نہیں تفویض طلاق ہے۔(۲)

نابالغ کے ولی کا کسی شرط پر طلاق کو معلق کرنا

کسی بچہ کا نکاح کسی بچی سے ہوا اور لڑکی کے ولی نے لڑکے کے ولی پر چند شرائط لگا کر نکاح کیا مثلاً اگر زوج نابالغ کے ولی نے اتنی مدت میں ان شرائط کو پورا نہ کیا تو زوجۂ نابالغہ کو طلاق۔ صورت مذکورہ میں بچہ کے ولی نے ان شرائط کو پورا نہیں کیا تو اس کی بیوی پر طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ ولی کو طلاق دینے کا حق نہیں ہے اس لئے تعلیق طلاق کا بھی حق نہیں ہوگا۔(۳)

---

(۱) فتاوی دار العلوم دیوبند صفحہ ۵۸ جلد ۱۰

(۲) ولو قال امر امرأتي بيد فلان شهرا فهي علي الشهر الذي يليه ويبطل بمضيه بلا علم (عالمگیری صفحه ۷۹ جلد ۲) وقال لغيره طلق امرأتي فقد جعلت ذلك اليك فهو تفويض (ايضا) بحواله فتاوی دار العلوم دیوبند صفحه ۷۸ جلد ۱۰)

(۳) لايقع طلاق المولى على امرأة عبده لحديث ابن ماجه الطلاق لمن اخذ بالساق الخ والمجنون... والصبي ولو مراهقا (درمختار) قال وقد افتيت بعدم وقوعه فيما اذا زوجه ابوه امرأة وعلق عليه متى تزوج او تسرى عليه فكذا فكبر فتزوج عالما بالتعليق اولا (شامي صفحه ۴۵۱ جلد ۴)

میری بیوی چاند سے زیادہ خوبصورت نہ ہو تو اس کو طلاق

کسی نے یوں کہا کہ اگر میری بیوی چاند سے زیادہ خوبصورت نہیں تو اسے طلاق۔ تو اس سے طلاق نہیں ہوگی کیونکہ انسان اشرف المخلوقات ہے اسکی تخلیق احسن تقویم پر کی گئی ہے لہٰذا انسان سے زیادہ خوبصورت کوئی چیز نہیں خواہ انسان گورا ہو یا کالا۔[1]

اگر فلاں کام نہ کروں تو مجھے تین طلاق

اگر کسی نے ظاہر اً طلاق کو اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے یوں کہا کہ اگر میں فلاں جگہ نہ جاؤں۔ یا فلاں کام نہ کروں۔ تو مجھ پر تین طلاق۔ تو اس سے اسکی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ کیونکہ شوہر کا اپنی طرف طلاق کو منسوب کرنا گویا اپنے اوپر طلاق کو لازم کرنا ہے۔ ہاں اگر یوں کہا کہ تیری طلاق میرے اوپر ہے تو واقع نہ ہوگی۔[2]

امید وفا پر طلاق کی تعلیق

ایک شخص نے قسم کھائی کہ میں نے فلاں شخص سے کسی قسم کی امید وفا نہیں رکھی ہے اگر رکھی ہے تو میری بیوی پر طلاق تو قسم کھانے والے شخص سے پوچھا جائے گا کہ اس کے دل میں امید وفا تھی کہ نہیں اگر تھی تو طلاق رجعی واقع ہوگی اگر نہیں تھی تو کچھ بھی واقع نہیں ہوگی۔[3]

(۱) عن یحیی بن اکثم القاضی انه فسر التقویم لحسن الصوت فانه حکی ان ملک زمانه خلا بزوجته فی لیلة فقال ان لم تکونی احسن من القمر فانت کذا فافتی الکل بالحنث الا یحیی بن اکثم فانه قال لا یحنث فقیل له خالفت شیوخک فقال الفتوی بالعلم ولقد افتی من هو اعلم منا وهو الله تعالی فانه یقول لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (مفاتیح الغیب صفحه ۴۵۹ جلد ۸ قاضی یحیی بن اکثم کا حال حدائق الحنفیة میں ہے ۱۵۳ بحواله فتاوی محمودیه صفحه ۲۸۴ تا ۲۸۵ جلد ۹)

(۲) ومن الفاظ المستعملة الطلاق یلزمنی والحرام یلزمنی وعلیّ الطلاق وعلی الحرام فیقع بلا نیة الخ ولو قال طلاقك علیّ لم یقع (درمختار علی هامش شامی صفحه ۴۶۴-۴۶۷ جلد ۴)

(۳) فاذا اضافة الی الشرط وقع عقیب الشرط اتفاقا مثل ان یقول لامرأته ان دخلت الدار فانت طالق (عالمگیری صفحه ۴۴۰ جلد ۲ بحواله فتاوی دارالعلوم دیوبند ص ۶۱ ج ۱۰)

طلاق کے علاوہ دوسری چیزوں کی تعلیق سے طلاق نہیں ہوگی

اگر طلاق کی شرط نہیں لگائی گئی نہ صراحۃً اور نہ کنایۃً بلکہ کسی دوسری چیز کی تعلیق کی گئی تو اس سے طلاق نہیں ہوگی جیسے کسی نے کہا کہ اگر میں تجھ سے وطی کروں تو ماں یا بہن سے کروں اور پھر اس سے جماع کرلیا تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔[1]

نکاح کی طرف اضافت کر کے تعلیق کی گئی

یہ بات تو پہلے آچکی کہ نکاح سے قبل تعلیق طلاق معتبر نہیں طلاق یا تعلیق طلاق وغیرہ کیلئے نکاح شرط ہے ہاں اگر قبل النکاح بطریق اضافت الی النکاح تعلیق کی گئی تو شرط متحقق ہونے پر جزاء مرتب ہو جائے گی مثلاً کسی نے کسی اجنبیہ سے کہا کہ اگر میں تم سے نکاح کرلوں تو تم کو طلاق تو جب بھی اس سے نکاح کریگا اس پر طلاق واقع ہو جائے گی۔[2]

الفاظ شرط اور ان کے مابین باہمی فرق

عربی کے وہ الفاظ جو بطور شرط استعمال ہوتے ہیں وہ۔ ان۔ اذا۔ اذما۔ متی۔ ومتی ما۔ کل۔ وکلما۔ ہیں ان کے درمیان فرق یہ ہے کہ لفظ کلما (بمعنی جب جب) کے علاوہ جتنے الفاظ ہیں ان میں تکرار کے معنی نہیں پائے جاتے ان الفاظ کے استعمال سے جب ایک بار شرط موجود ہوگی تو یمین اور تعلیق ختم ہو جائے گی اور آئندہ اس سے کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا۔ مثلاً کسی نے اپنی منکوحہ سے لفظ کلما کے علاوہ ان۔ اذا۔ اذما۔ وغیرہ الفاظ میں سے کسی کے ذریعہ طلاق کو معلق کرتے ہوئے یوں کہا کہ۔ اگر۔ یا جب۔ یا جب بھی۔ تو گھر میں داخل ہو تو تجھے طلاق اب اگر عورت ایک مرتبہ گھر

(۱) فتاوی دارالعلوم دیوبند صفحہ ۱۰۸ جلد ۱۰ (۲) وشرط الملک حقیقۃ... کقولہ لمنکوحتہ او معتدتہ ان ذہبت فانت طالق اوالاضافت الیہ الملک الحقیقی الخ کان نکحت امرأۃ او ان نکحتک فانت طالق (درمختار علی ھامش شامی صفحہ ۵۹۴ جلد ۴ زکریا)

میں داخل ہو گی تو شرط پائے جانے کی وجہ سے مطلقہ ہو جائے گی [۱] پھر دوبارہ نکاح کے بعد گھر میں داخل ہونے سے طلاق واقع نہیں ہو گی۔

نیز اسی طرح کسی اجنبیہ سے ان الفاظ کے ذریعہ طلاق کی اضافت نکاح کی طرف کرتے ہوئے کہا کہ اگر۔ یا جب۔ میں تم سے نکاح کروں تو تم کو طلاق۔ تو ایک مرتبہ نکاح کرنے کے بعد اس پر طلاق واقع ہو جائے گی پھر دوبارہ اس سے نکاح کریگا تو طلاق واقع نہیں ہو گی۔ [۲]

تعلیق کے باقی رہنے اور ختم ہونے کی ایک صورت

ضابطہ یہ ہے کہ تعلیق طلاق شرط پائے جانے کی صورت میں ختم ہو جائے گی خواہ ملکیت نکاح باقی رہے یا نہ رہے۔ اسی ضابطہ کے تحت ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے طلاق کو معلق بالشرط کرنے کے بعد طلاق بائن دیدی تو اب اس کی دو صورتیں ہیں ایک صورت میں تو طلاق واقع ہونے کے بعد بھی شرط باقی رہتی ہے اور دوسری صورت میں باقی نہیں رہتی۔

اول یہ کہ اگر طلاق بائن کے وقت شرط نہیں پائی گئی تو عورت شوہر کے طلاق بائن کیوجہ سے مطلقہ بائنہ ہوئی اور شرط فی الوقت باقی ہے اس لئے جب پھر دوبارہ نکاح کریگا تو شرط پائے جانے کی وجہ سے پھر دوبارہ طلاق واقع ہو جائے گی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اگر مطلقہ بائنہ سے نکاح کرنے سے قبل وہ شرط متحقق ہو گی تو تعلیق ختم ہو جائے گی اب پھر دوبارہ نکاح کرنے کے بعد اگر دوبارہ شرط پائی گئی تو طلاق واقع نہیں ہو گی کیونکہ تعلیق تو قبل النکاح ختم ہو چکی ہے اور اس وقت عدم ملک کی وجہ سے شرط پائے جانے کے باوجود طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ محل

---

(۱) (۲) والفاظ الشرط ان واذا واذما وكل .... وكلما ومتى ومتى ما ففيها تنحل اليمين اذا وجد الشرط مرة الا فى كلما الخ وزوال الملك لا يبطل اليمين وتنحل بعد الشرط مطلقا وشرط للطلاق الملك (فقوله مطلقا) اى سواء وجد الشرط فى الملك او فى غير الملك فان وجد فى الملك تنحل الى جزاء اى يبطل اليمين ويترتب عليه الجزاء وان وجد لا فى الملك تنحل لا الى اجزاء اى يبطل اليمين ولا يترتب عليه الجزاء لانعدام المحلية (شرح الوقايه ص۸۸۔۸۹ ج۲)

طلاق ملک ہے اور وہ اس وقت موجود نہیں تھی۔ [1]

حیلہ کی صورت

لہٰذا اگر کسی نے تین طلاق کی کسی شرط کے ساتھ تعلیق کی مثلاً کہا کہ اگر تو گھر میں گئی تو تجھ کو تین طلاق اب وہ چاہتا ہے کہ وہ گھر میں بھی جائے اور تین طلاقیں بھی واقع نہ ہوں تو اس کیلئے حیلہ کی وہی اوپر والی دوسری صورت ہے کہ تعلیق کے بعد شرط کے تحقق سے قبل اپنی بیوی کو ایک طلاق بائن دیدے اور پھر وہ عدت کے بعد گھر میں چلی جائے یا ایک طلاق دیدے اور عدت گزار کر وہ بائنہ ہو جائے گی اور پھر وہ گھر میں داخل ہو تو اب دوبارہ نکاح سے مطلقہ ثلاثہ نہیں ہوگی مگر یہ حیلہ کلما کے علاوہ دیگر الفاظ شرط کیساتھ خاص ہے کلما کیلئے یہ حیلہ کام نہ آئے گا۔ [1]

اور اگر یہ حیلہ کرتے ہوئے طلاق کے بعد عورت عدت گزار رہی تھی اور عدت کے دوران ہی گھر میں داخل ہوگئی تو طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ عدت کے اندر بھی من وجہ نکاح باقی رہتا ہے۔ [2]

لفظ کلما کے ذریعہ تعلیق طلاق

جیسا کہ اوپر آچکا کہ الفاظ شرط میں سے ہر ایک سے ایک طلاق واقع ہوگی سوائے کلما کے کیونکہ لفظ کلما میں تکرار کے معنی پائے جاتے ہیں اس لئے اس کے ذریعہ طلاق کو معلق کرنے سے ایک مرتبہ شرط پائے جانے کے باوجود تعلیق باقی رہے گی۔ یہاں تک کہ تین طلاق پوری ہو جائے کیونکہ معلق بالشرط طلاق۔ موجودہ ملک نکاح میں پائے جائے گی اور وہ موجودہ ملک تین طلاق تک باقی رہتی ہے تین

(۱) فان قال ان دخلت الدار فانت طالق ثلاثا فاراد ان تدخل الدار من غیر ان یقع الثلث فحیلته ان یطلقها واحدة وتنقضی العدة فتدخل الدار حتی یبطل الیمین ولا یقع الثلث ثم یتزوجها فان دخلت الدار لایقع شئ لبطلان الیمین (شرح الوقایه صفحه ۸۹ جلد۲)

(۲) وتنقضی العدة اشار به الی انه لو دخلت الدار حال العدة تصیر بائنة بینونة مغلظه لوجود المحلیة لبقاء الملک حکما (عمدة الرعایة علی شرح الوقایة صفحه ۸۹ جلد۲)

کے بعد اب نئی ملک حاصل ہونے سے تعلیق کا کوئی اثر باقی نہیں رہے گا۔ یا عورت نے فوراً کسی دوسرے مرد سے نکاح کرلیا پھر اس مرد کے طلاق دینے کے بعد زوج اول نے نکاح کیا اور پھر وہ سابقہ سبب پایا گیا تو طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ معلق بالشرط وہ طلاق ہے جو موجودہ ملک میں پائی جاتی اور موجودہ ملک دوسرے نکاح سے ختم ہو کر نئی ملک حاصل ہوئی اس لئے اس ملک میں اس تعلیق کا کوئی اثر باقی نہیں رہا۔

مثال: کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ جب بھی تو گھر میں داخل ہوگی تو تجھ کو طلاق۔ اب وہ ایک مرتبہ گھر میں داخل ہوئی تو ایک طلاق واقع ہوئی دوسری مرتبہ دخول پر دوسری اور تیسری مرتبہ دخول پر تیسری طلاق واقع ہوئی۔ اب وہ حلالہ کے بعد جب شوہر اول کی طرف دوسرے نکاح کے ذریعہ لوٹے گی اور پھر گھر میں داخل ہوگی تو طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ شرط دخول کا تعلق دوسری ملک سے نہیں ہے اس لئے گھر میں داخل ہونے سے کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

اسی طرح اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ جب بھی تو گھر میں داخل ہو تو تجھ کو طلاق اس کے بعد ایک مرتبہ داخل ہوئی تو ایک طلاق رجعی واقع ہوئی مگر رجوع نہ کیا گیا یہاں تک عدت گزار کر بائن ہوگئی اور کسی دوسرے مرد سے نکاح کرلیا پھر اس زوج ثانی نے طلاق دیدی پھر وہ عورت عدت گزار کر زوج اول کی طرف بذریعہ نکاح لوٹ آئی تو اب اگر گھر میں داخل ہوگئی تو طلاق نہیں پڑے گی کیونکہ یہ ملک جدید ہے جس میں شرط اپنا اثر نہیں کرسکے گی۔[1]

(۱) ففیها تنحل الیمین اذا وجد الشرط مرة الا فی کلما فانه تنحل بعد الثلث المراد بالحلال الیمین بطلان الیمین ببطلان التعلیق فلا یقع ان نکحها بعد زوج اخر الا اذا أدخلت علی التزوج نحو کلما تزوجتك فانت کذا فانه کلما تزوجها تطلق وان کان بعد زوج آخر (شرح الوقایه) قوله فلا یقع تفریع علی قوله فانه تنحل بعد الثلث وذلك لان المحلوف علیه انما هو طلاق هذا الملك وقد انتهی ذلك بالثلث فلا یبقی اثره فی ملك جدید (وقوله الا اذا الخ) استثناء من قوله فلا یقع وحاصله ان هذا الحکم اذا لم یدخل علی التزوج فان دخلت علی سبب الملك کقوله کلما نکحتك فانت طالق افادت وقوع الطلاق بعد کل نکاح فیقع الطلاق علیها بعد کل تزوج بها (عمدة الرعایة علی شرح الوقایة صفحه ۸۸ جلد۲)

لفظ کلما نکاح پر داخل کر کے طلاق کو معلق کیا گیا

اوپر لفظ کلما کو کسی شرط پر داخل کرنے کا حکم بیان کیا گیا۔ لیکن اگر لفظ کلما کو نکاح پر داخل کر کے طلاق کو مشروط کیا جائے تو اس کا اثر تین طلاق یا دوسرے نکاح تک محدود نہیں رہے گا۔ بلکہ جب جب نکاح کی شرط پائی جائے گی طلاق مشروط واقع ہوگی۔

مثال: جیسے کسی مرد نے اجنبیہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا (کلما تزوجتك فانت طالق) کہ جب جب بھی میں تم سے نکاح کروں تو تم کو طلاق تو جتنی مرتبہ اس عورت سے نکاح کرے گا ہر مرتبہ طلاق واقع ہوتی چلی جائے گی اگرچہ دو تین مرتبہ نکاح کے بعد نکاح کرے یا دوسرے شوہر سے نکاح اور پھر اس کے طلاق دینے کے بعد نکاح کرے طلاق واقع ہو جائے گی۔

اسی طرح کسی نے لفظ کلما کو مطلق اپنے نکاح پر داخل کرتے ہوئے یوں کہا (کلما تزوجت امرأة فهي طالق) کہ جب جب بھی میں کسی عورت سے نکاح کروں تو وہ طلاق والی ہے تو جب اور جتنی مرتبہ بھی کسی عورت سے نکاح کریگا اس کی بیوی پر طلاق ہوتی چلی جائے گی اگرچہ تیسری مرتبہ طلاق کے بعد نکاح کرے۔ یا دوسرے شوہر سے نکاح اور اس کی طلاق کے بعد نکاح کرے۔[1]

کلما کے ساتھ نکاح پر تعلیق طلاق کا حیلہ

اگر کلما کو نکاح پر داخل کر کے طلاق کو اس نکاح پر معلق کیا تو جب بھی

---

(۱) ففيها تنحل اليمين اذا وجد الشرط مرة الا في كلما فانه تنحل بعد الثلث المراد بالحلال اليمين بطلان اليمين يبطلان التعليق فلا يقع ان نكحها اخر الا اذا ادخلت على التزوج نحو كلما تزوجتك فانت كذا فانه كلما تزوجها تطلق وان كان بعد زوج آخر (شرح الوقايه) قوله فلا يقع تفريع على قوله فانه تنحل بعد الثلث وذلك لان المحلوف عليه انما هو طلاق هذا الملك وقد انتهى ذلك بالثلث فلا يبقى اثره في ملك جديد (وقوله الا اذا الخ) استثناء من قوله فلا يقع وحاصله ان هذا الحكم اذا لم يدخل على التزوج فان دخلت على سبب الملك كقوله كلما نكحتك فانت طالق افادت وقوع الطلاق بعد كل نكاح فيقع الطلاق عليها بعد كل تزوج بها (عمدة الرعاية على شرح الوقاية صفحه ۸۸ جلد ۲)

نکاح کریگا طلاق واقع ہو جائے گی مگر اس سے بچنے کی تدبیر کہ نکاح باقی رہے اور طلاق نہ ہو یہ ہے کہ کوئی فضولی شخص بغیر اس کے حکم اور بغیر اس کی طرف سے وکیل بنے۔ خود سے اس کا نکاح کسی عورت سے کر دے اور یہ قسم کھانے والا شخص خاموش رہے نکاح کو زبان سے قبول نہ کرے۔ جب فضولی اس کے نکاح کا ایجاب وقبول کر چکے تو یہ عملاً اس کو نافذ کر دے مثلاً مہر معجل اس عورت کے پاس بھیج دے اور عورت اس مہر کو قبضہ میں لے لے تو دونوں کے مابین رشتہ نکاح قائم ہو جائے گا اور طلاق بھی واقع نہ ہوگی کیونکہ اس نے نکاح کو معلق کیا تھا خود سے نکاح کرنے پر اور خود سے نکاح کیا نہیں بلکہ کیے ہوئے نکاح کو قبول کیا ہے اس لیے شرط نہیں پائی گئی لہٰذا طلاق بھی واقع نہ ہوگی۔[1]

شرط معلق واپس نہیں ہو سکتی

اگر کوئی اپنی بیوی کو طلاق معلق دیکر تعلیق طلاق کو واپس لے لینا چاہے تو واپس نہیں لے سکتا جس طرح کہ طلاق دیکر طلاق کو واپس نہیں لے سکتا بالفاظ دیگر طلاق کو مشروط بالشرط کر دینے کے بعد اس سے رجوع نہیں کر سکتا۔[2] لقولہ علیہ السلام ثلاث جد ھن جد و ھز لھن جد الحدیث.

اگر شوہر طلاق معلق کا انکار کرے

شوہر نے عورت سے کہا کہ اگر تم نے فلاں کام کیا تو تم کو طلاق عورت نے جب وہ کام کر لیا تو اب شوہر انکار کرتا ہے کہ میں نے تم کو کسی طرح کی طلاق نہیں دی ہے اور نہ طلاق کو کسی شرط پر معلق کیا ہے اور عورت کے پاس کوئی عادل

---

(۱) اذا قال کل امرأۃ اتزوجھا فھی طالق فزوجہ فضولی واجاز بالفعل بان ساق المھر ونحوہ لاتطلق بخلاف ما اذا وکل بہ لانتقال العبارۃ الیہ (عالمگیری صفحہ ۴۱۹ جلد ۱)

(۲) ولیس للزوج ان یرجع فی ذلک ولا ینھاھا عما جعل الیھا ولا یفسخ (عالمگیری صفحہ ۳۸۷ جلد ۱ باب التفویض)

گواہ بھی نہیں ہے تو قسم کیساتھ شوہر کے قول کا اعتبار ہوگا۔[1]

تعلیق طلاق میں کتنی اور کیسی طلاق واقع ہوگی

طلاق کو معلق بالشرط کرتے ہوئے طلاق نے جیسی اور جتنی طلاق معلق کی ہے اتنی اور ویسی ہی طلاق واقع ہوگی۔ اگر صریح الفاظ کے ذریعہ معلق کیا مثلاً یوں کہا کہ فلاں کام کیا تو تجھ کو طلاق ہے تو اس وقت ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور اگر دو صریح طلاق کی تعلیق کی۔ مثلاً یوں کہا کہ اگر تم نے فلاں کام کیا تو تم کو دو طلاق تو اس صورت میں دو طلاق رجعی واقع ہوگی اگر صریح الفاظ کے ذریعہ تین طلاق کو معلق کیا مثلاً یوں کہا کہ اگر تم نے فلاں کام کیا تو تم کو تین طلاق تو اس سے عورت مغلظہ ہو جائے گی۔

اور اگر الفاظ صریح کے بغیر الفاظ کنایہ سے طلاق کو معلق کیا تو طلاق بائن واقع ہوگی۔ اگر مطلقاً یوں کہا کہ اگر تم نے فلاں کام کیا تو تو میرے نکاح سے خارج یا تو مجھ پر حرام۔ یا فلاں سے میں بات کروں تو میرا نکاح فسخ (وغیرہ ذلک) تو ان صورتوں میں صرف ایک طلاق بائن واقع ہوگی۔ اگر صراحۃً دو کا عدد ملا کر کہا کہ میری بیوی پر دو طلاق بائنہ تو دو طلاق بائن واقع ہوگی اور تین کہا تو تین واقع ہوگی۔

کسی نے قسم کھائی کہ اگر میں فلاں سے بات چیت کروں تو میری بیوی میرے نکاح سے باہر ہو جائے گی اور بغیر حلالہ کے میرے نکاح میں نہ آئے گی تو شرط پائے جانے کی صورت میں عورت پر طلاق مغلظہ واقع ہوگی اور بغیر حلالہ کے پہلے شوہر کی طرف نہیں لوٹ سکے گی۔[2]

---

(۱) فان اختلفا فی وجود الشرط ای ثبوته لیعم العدمی فالقول له مع الیمین لانکاره الطلاق (درمختار علی هامش شامی صفحه ۶۰۹ جلد۴) (۲) واذا اضافه الی شرط وقع عقیب الشرط مثل ان یقول لامرأته ان دخلت الدار فانت طالق (هدایه صفحه ۳۸۵ جلد۲ باب الایمان فی الطلاق) الطلاق علی ضربین صریح وکنایة فالصریح قوله انت طالق ومطلقه وطلقتك فهذا یقع به الطلاق الرجعی (هدایه ج۲ ص ۳۵۹ واذا وصف الطلاق بضرب من الزیادة والشدة كان بائنا مثل ان یقول انت طالق بائن .... فتقع واحدة بائنة اذا لم تكن له نیة او نوی الثنتین اما اذا نوی الثلث فثلث لما مر من قبل (هدایة ص ۳۵۹ تا ۳۷۰ جلد۲)

خلع کا بیان

خلع کی تعریف

خلع باب فتح سے ہے لغوی معنی اتارنے اور نکالنے کے ہیں چنانچہ جو شخص اپنے بدن سے کپڑا اتار دیتا ہے اس کیلئے عربی میں (خلع ثوبه عن بدنه) بولتے ہیں قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰؑ سے فرمایا (فاخلع نعليك انك بالواد المقدس طوی) کہ اے موسیٰ تم اپنے جوتے اتار دو اس لئے کہ تم وادی مقدس طویٰ میں کھڑے ہو، اور اصطلاح شرع میں شوہر کی طرف سے کسی مال کے عوض جس پر زوجین کا اتفاق ہو گیا ہو رشتۂ نکاح کو ختم کرنا خلع ہے خواہ یہ لفظ خلع یا مبارأت یا لفظ طلاق یا اس کے ہم معنی الفاظ کے ذریعہ ہو۔[1]

خلع کے ہم معنی الفاظ کے مابین فرق

خلع کے باب میں چار الفاظ قریب المعنی مستعمل ہیں ۱ خلع ۲ طلاق علی المال ۳ فدیہ ۴ مباراۃ۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ان کے درمیان یہ فرق بیان کیا ہے کہ کل مہر کو بدل مقرر کر لینا خلع ہے اور بعض مہر کو بدل مقرر کر لینا فدیہ ہے اور عورت کا شوہر کے ذمہ سے ہر ایسے حق کو ساقط کر دینا جو نکاح کیساتھ تعلق رکھتا ہو مباراۃ ہے۔ مہر سے قطع نظر مال کی کوئی مقدار مقرر کر کے طلاق دینا طلاق علی المال ہے۔

خلع کی حقیقت

جس طرح مرد کو شریعت نے یہ حق دیا ہے کہ وہ عورت کو طلاق دیکر اپنا رشتۂ نکاح توڑ ڈالے اسی طرح جب عورت اپنے مرد سے اس حد تک متنفر

---

(۱) باب الخلع هو لغة الازالة واستعمل فى ازالة الزوجية بالضم وفى غيره بالفتح وشرعا كما فى البحر ازالة ملك النكاح ... (المتوقفة على قبولها) بلفظ الخلع ... او فى معناه ليدخل لفظ المبارأة ... ولفظ البيع والشراء ... (ولا بأس به عند الحاجة) للشقاق بعد الوفاق بما يصلح للمهر (درمختار على هامش شامى صفحه ۸۳ تا ۸۸ جلد ۵)

ہو جائے کہ شوہر کیساتھ نباہ مشکل ہو جائے اور مرد نے بھی اس کی زندگی کو اس قدر تنگ کر دیا ہے کہ نہ اچھی طرح حقوق زوجیت ادا کر کے خوشگوار برتاؤ کرتا ہے اور نہ طلاق دیکر اس کا راستہ صاف کرتا ہے۔ تو ایسی مصیبت زدہ عورتوں کیلئے شریعت اسلامیہ کا دامن تنگ نہیں ہے بلکہ اسلام نے عورت کو مصیبت سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہوئے عورت کو یہ حق دیا ہے کہ وہ بھی شوہر کو کچھ دیکر یا مہر لوٹا کر نجات حاصل کرلے بالفرض اگر شوہر خلع پر بھی راضی نہ ہو تو بغیر شوہر کی مرضی کے تفریق کی بعض دوسری صورتیں بھی پیدا کی ہیں (جن کی تفصیل باب التفریق میں آئے گی انشاء اللہ العزیز)

خلع کا ثبوت ادلۂ اربعہ سے

خلع کی مشروعیت کتاب اللہ۔ سنت۔ اجماع امت۔ اور قیاس، چاروں سے ہے چنانچہ قرآن میں اللہ رب العزت نے طلاق کیساتھ خلع کو بھی بیان کیا ہے ارشاد باری ہے کہ

وَلاَ يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّا آتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئاً اِلاَّ اَنْ يَّخَافَا اَنْ لاَّ يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لاَّ يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ[1]

اور تمہارے لئے یہ بات حلال نہیں ہے کہ (بیبیوں کو چھوڑنے کے وقت ان سے) کچھ بھی لو اس مال میں سے جو تم نے ان کو مہر میں دیا تھا مگر یہ کہ میاں بیوی دونوں اس بات سے خوف کریں کہ (حقوق زوجیت کے سلسلے میں) اللہ تعالیٰ کے حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے پس اگر (صحیح معنی میں) دونوں خوف کرتے ہوں کہ اللہ کے حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو پھر کوئی حرج نہیں میاں بیوی دونوں پر اس مال کے لینے میں جس کو عورت دیکر اپنی جان چھڑالے۔

(۱) سورۃ البقرۃ آیت ۲۲۹

اور امام بخاری نے اس سلسلے میں حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ

ان امرأة ثابت بن قیس اتت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت یا رسول اللہ ثابت بن قیس ما اعتب علیہ فی خلق ولا دین ولکنی اکرہ الکفر فی الاسلام فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اترُدِّین علیہ حدیقتہ قالت نعم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقبل الحدیقۃ وطلقھا تطلیقۃ[1]

ثابت ابن قیسؓ کی بیوی رسول کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثابت ابن قیس پر مجھے نہ غصہ آتا ہے اور نہ میں ان کی عادتوں اور ان کے دین پر کوئی عیب لگاتی ہوں لیکن میں اسلام میں کفر (یعنی کفران نعمت یا گناہ) کو پسند نہیں کرسکتی رسولؐ نے فرمایا کیا تم ثابت ابن قیس کا باغ (جو انہوں نے تمہیں مہر میں دیا ہے) ان کو واپس کردو گی ثابت کی بیوی نے کہا ہاں اس پر حضورؐ نے ثابتؓ سے فرمایا تم اپنا باغ لے لو اور اس کو طلاق دیدو۔

(فائدہ) منقول ہے کہ ثابت ابن قیس بہت بدصورت اور ٹھگنے (پستہ قد) تھے ان کے بالمقابل ان کی بیوی (حبیبہ یا جمیلہ) نہایت خوبصورت تھی دونوں کے مابین اس لحاظ سے رشتۂ نکاح ناموزوں تھا بنابریں جمیلہ نے بلاحجاب حضورؐ سے اس کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا کہ ان (یعنی ثابت بن قیس) کے اخلاق وعادات کے سلسلے میں مجھے کچھ شبہ نہیں وہ بہت اچھے ہیں مگر مجھے ان سے محبت نہیں جس کی وجہ سے نباہ مشکل ہے، ہو نہ ہو عدم محبت اور فطری لگاؤ نہ ہونے کی وجہ سے ان کی شان میں کوئی گستاخی ہوجائے اور اس کفران نعمت کیوجہ سے میں گناہ گار ہوجاؤں لہٰذا میں ان سے جدائیگی چاہتی ہوں۔ حضورؐ نے بھی ان کے عرض معروض پر

(۱) بخاری شریف صفحہ ۷۹٤ جلد۲

غور کرتے ہوئے ثابت کو مصلحتاً ایک طلاق دینے کا حکم صادر فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ اول وافضل یہ ہے کہ خلع کرنے والا اپنی بیوی کو ایک طلاق دیدے تاکہ بعد میں رجوع کرنا چاہے تو شادی کے ذریعہ رجوع ممکن ہو سکے۔[1]

نیز خلع کی مشروعیت پر امت کا اجماع بھی ہے اور قیاس بھی۔ ملک نکاح کو قیاس کیا گیا ہے ملک قصاص پر یعنی جس طرح ملک قصاص مال نہیں لیکن اس کا عوض لینا جائز ہے اسی طرح ملک نکاح اگرچہ مال نہیں مگر اس کا عوض لینا جائز قرار دیا گیا ہے اور اسی عوض کے بدلے طلاق دینا خلع ہے۔

خلع کے شرائط وارکان اور اس کی صورتیں

خلع کی جملہ شرائط وہی ہیں جو طلاق کی ہیں جیسے شوہر کے اندر اہلیت طلاق اور عورت کے اندر محلیت طلاق کا ہونا وغیرہ۔ مگر خلع کیلئے ایک علیحدہ اہم شرط تراضی طرفین بھی ہے کہ میاں بیوی دونوں کی رضامندی کیساتھ مال کے عوض رشتۂ نکاح کو ختم کرنے کا نام خلع ہے اگر عورت خلع کرانا چاہے مگر مرد اس پر راضی نہیں اور اسکی طرف سے ظلم وتشدد بھی جاری ہو اور نان نفقہ میں کوتاہی بھی ہورہی ہو اور عورت کے جنسی جذبات کی حق تلفی بھی ہورہی ہو تو قاضی یا حاکم یا امارت شرعیہ اور شرعی پنچایت وغیرہ کے ذریعہ بعد کے علماء نے جو حل نکالا ہے اس کو فسخ نکاح کہا جاتا ہے۔ خلع نہیں۔

نیز اسی طرح شوہر خلع پر راضی ہو مگر عورت نہ چاہے اور شوہر بغیر اس کی رضامندی کے اس کو اپنے نکاح سے مہر کی معافی پر موقوف کئے بغیر لفظ خلع ہی کے ذریعہ الگ کردے اور اس سے طلاق کی نیت بھی کرے تو یہ خلع نہیں طلاق ہے۔ کیونکہ خلع میں عورت کی رضامندی شرط ہے اس لئے کہ عوض اسی کو ادا کرنا پڑتا ہے۔ اور خلع کے علاوہ (طلاق یا فسخ نکاح) میں بیوی پر عوض واجب نہیں ہوتا۔

خلع کی صورت یہ ہے کہ خلع کی پیشکش (ایجاب) زوجین میں سے کوئی

(۱) مظاہر حق صفحہ ۱۴۹ جلد ۴

ایک کرے اور دوسرا اسکو قبول کرلے جیسے شوہر نے بیوی سے کہا میں نے مہر کے عوض تم کو خلع دیا عورت نے کہا کہ میں نے قبول کیا یا اس کے برعکس عورت نے کہا کہ مجھے مہر کے عوض خلع دیدو شوہر نے کہا میں نے خلع دیدیا۔ یا لفظ مبارأت کے ذریعہ مرد نے کہا کہ میں نے تجھے نکاح سے اس شرط پر علیحدہ کیا کہ تم مجھے تمام حقوق سے بری کردو عورت نے کہا میں نے تجھے بری کردیا، یا (لفظ طلاق کے ذریعہ) شوہر نے کہا میں نے تجھے دوہزار روپے کے عوض طلاق دی زوجہ نے کہا میں نے قبول کیا۔

بہرحال دونوں کی رضامندی سے کسی عوض پر رشتۂ نکاح کو کسی بھی لفظ کے ذریعہ ختم کرنے کا نام خلع ہے ایجاب وقبول کا بعوض ہونا خلع کا رکن ہے اس کے بغیر عورت پر عوض واجب نہیں ہوگا۔[1]

نیز جس طرح طلاق کیلئے بلوغ اور عقل اور افاقہ شرط ہے اسی طرح خلع کیلئے بھی شرط ہے لہٰذا نابالغ بچہ، پاگل، بے ہوش وغیرہ کو خلع کرنے کا اختیار نہیں اور نہ بچہ کے اولیاء کو یہ حق ہے کہ وہ بچہ کی طرف سے خلع کرائے۔ البتہ نشہ کی حالت میں اور اسی طرح جبراً خلع ہو جائے گا۔[2]

عورت کا بلاوجہ خلع کرانا گناہ ہے

جس طرح طلاق کا حق شریعت نے مرد کو دیتے ہوئے تاکید فرمائی ہے

(۱) وشرطه كالطلاق الخ فائده يشترط في قبولها علمها بمعناه لانه معاوضة بخلاف طلاق وعتاق وتدبير لانه اسقاط والاسقاط يصح مع الجهل (درمختار) قوله وشرطه كالطلاق وهو اهلية الزوج وكون المرأة محلا للطلاق منجزاً او معلقا على الملك واما ركنه فهو كما في البدائع اذا كان بعوض الايجاب والقبول لانه عقد على الطلاق بعوض فلا تقع الفرقه ولا يستحق العوض بدون القبول بخلاف ما اذا قال خالعتك ولم يذكر العوض ونوى الطلاق فانه يقع وان لم تقبل لانه طلاق بلا عوض فلا يفتقر الى القبول (شامی صفحه ۸۸ جلد۵)

(۲) خلع السكران والمكره جائز عندنا وخلع الصبي باطل والمعتوه والمغمى عليه من مرض بمنزلة الصبي في ذلك (عالمگیری صفحه ۵۰۴ جلد۱) ولا على صغير اصلا قال في البحر وقيد بالانثى لانه لو خلع ابنه الصغير لايصح (شامی صفحه ۱۱۲ جلد۵)

کہ اس کا استعمال بدرجہ مجبوری کرے اسی طرح خلع کی اجازت بھی عورت کو اس وقت ہے جبکہ خطرناک نتائج سامنے آجائیں یقیناً اس کی دینی، اخلاقی، معاشی حق تلفی ہو رہی ہو، یا اس پر کوئی ناقابل برداشت معاشرتی ظلم وزیادتی ہو رہی ہو۔ یا اس کے جنسی جذبات وخواہشات کی تکمیل میں شوہر کوتاہی کرتا ہو، اور ان وجوہات کیوجہ سے زوجین کا باہمی نباہ بہت مشکل ہو رہا ہو۔ تو آخری چارۂ کار کے طور پر عورت کو خلع کی اجازت دی گئی ہے۔ آیت کریمہ (فَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لاَّ یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ) میں اسی طرف اشارہ ہے۔

لہٰذا اگر ان اعذار کے بغیر کوئی عورت محض لذت اندوزی کے طور پر مرد کو خلع پر مجبور کرتی ہے تو وہ شریعت کی نگاہ میں بدبخت ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت ثوبانؓ سے ایک مرفوع روایت منقول ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا

ایما امرأة سألت زوجها طلاقا من غیر بأس فحرام علیها رائحة الجنة[1]	کہ جس عورت نے بغیر شدید تکلیف کے اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کیا تو اس پر جنت کی خوشبو بھی حرام ہے۔

اسی طرح دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ایما امرأة اختلعت من زوجها بغیر نشوز فعلیها لعنة الله والملائکة والناس اجمعین[2]	کہ جس عورت نے اپنے شوہر سے بغیر ظلم وزیادتی کے خلع کیا اس پر اللہ اور فرشتے اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔

ایک اور روایت میں آپؐ نے ارشاد فرمایا

لعن الله کل ذوّاق بطلاق المختلعات من المنافقات[3]	کہ اللہ نے لعنت کی ہے ہر اس شوہر پر جو بکثرت لذت حاصل کرنا چاہتا ہو۔ خلع طلب کرنے والی منافقہ عورتوں کو طلاق دے کر۔

(۱) ترمذی شریف صفحہ ۲۲۶ جلد ۱ (۲) بزازیہ۔ طبرانی (۳) بزازیہ طبرانی

کیا خلع شوہر کی رضامندی کے بغیر عدالت سے کیا جا سکتا ہے

تمام متقدمین احناف اس بات پر متفق ہیں کہ خلع ایک ایسا معاملہ ہے۔ جس میں باہمی رضامندی ضروری ہے کہ زوجہ برضاورغبت مہر معاف کردے اور شوہر بخوشی اس کو طلاق دیدے۔ لیکن اگر باہمی رضامندی سے یہ معاملہ طے نہ ہو سکے اور شوہر حقوق زوجیت میں کوتاہی کرنے کے ساتھ ظلم وزیادتی سے باز نہ آئے اور معاملہ عدالت تک پہنچ جائے تو پھر قاضی اور عدالت کو اس سلسلے میں کیا اختیارات ہیں۔ تو علماء متقدمین کی رائے یہ ہے کہ خلع اور طلاق کا مکمل اختیار شوہر ہی کو ہے اس کے علاوہ قاضی یا قاضی کی طرف سے کسی حاکم کو یہ اختیار نہیں کہ وہ خود عورت کو طلاق دیدے۔ البتہ شوہر اپنے ظلم وزیادتی کے باوجود طلاق وخلع پر راضی نہیں تو اس کو اس پر مجبور کیا جاسکتا ہے کہ وہ عورت کو طلاق دیدے یا خلع پر راضی ہو جائے۔ اس کے برخلاف حضرت امام مالک اور بعد کے کچھ علماء احناف کی رائے یہ ہے کہ زوجین کا نزاع جب حد سے گذر جائے اور شوہر طلاق یا خلع پر راضی نہ ہو تو قاضی یا حاکم شرعی کو اختیار ہے کہ شوہر کی مرضی کے بغیر خود سے عورت کو طلاق دیدے یا خلع کر دے۔ اس سلسلے میں فریقین کی طرف سے جو دلائل ذکر کیئے جاتے ہیں۔ ان کا حاصل یہی نکلتا ہے کہ شوہر کو خلع پر جبراً راضی کیا جاسکتا ہے۔ حاکم یا قاضی شوہر سے بزور طلاق حاصل کرسکتا ہے۔ مگر کسی بھی حدیث یا صحابی کے کسی بھی اثر سے یہ ثابت نہیں کہ شوہر کے انکار کی صورت میں قاضی یا حاکم خود سے طلاق دیدے۔

دلائل

جیسے حضرت ثابت بن قیس سے حضورؐ کا فرمان طلقها (اسے طلاق دیدے) فارقها (اس سے جدا ہو جا) خل سبیلها (اس کو چھوڑ دے) اور عدالت کا حکم نہ ماننے کی صورت میں جبر کی مثال حضرت علیؓ کے ایک فیصلہ میں موجود ہے کہ

انہوں نے ایک شخص سے فرمایا (لست یبارح حتی ترضی بمثل ما رضیت به) کہ تم کو نہیں چھوڑا جائے گا جب تک کہ تم اس چیز کو پسند نہ کرلو جس کو عورت پسند کررہی ہے۔

فائدہ

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ حضورؐ نے شوہر کو طلاق دینے کا حکم صادر فرمایا خود سے طلاق نہیں دیا اور اگر حاکم کو طلاق دینے کا اختیار حاصل ہوتا تو حضرت علیؓ کا شوہر کو طلاق یا خلع کیلئے آمادہ ہونے پر مجبور کرنے کا کوئی مطلب نہیں نکلتا۔ اگر اختیار ہوتا تو وہ انتظار کیوں لگاتے خود سے طلاق دیکر معاملہ کو ختم فرمادیتے۔

فتویٰ

مسئلہ کی حقیقت تو وہی ہے جو اوپر مذکور ہے۔ مگر بعد کے علماء احناف نے بضرورت شدیدہ مالکیہ کے مسلک کے مطابق تفریق کی صورت نکالی ہے جو قاضی یا شرعی پنچایت کے ذریعہ حل ہوسکتا ہے اس کی پوری تفصیل الحیلۃ الناجزہ للتھانوی میں موجود ہے فسخ نکاح کے بیان میں آئندہ ہم بھی کچھ تفصیل پیش کریں گے انشاءاللہ العزیز

جبراً خلع سے خلع ہو جائے گا

اگر شوہر خلع کرنے پر راضی نہیں بیوی یا اس کے رشتہ دار یا حکومت وقت کے دباؤ میں آکر خلع کرنے پر آمادہ ہوگیا اور خلع کرلیا تو طلاق کی طرح جبراً و کرھاً خلع بھی درست ہو جائے گا اور عورت پر طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔[1]

عورت کی مرضی کے بغیر خلع نہیں اور لفظ خلع سے طلاق کا حکم

خلع کی دو قسمیں ہیں ۱۔ خلع بغیر عوض ۲۔ خلع بعوض

(۱) ولو عبدا او مکرھا فانه طلاقه صحیح (درمختار علی هامش شامی ص ۴۳۸ جلد ۲)

(۱) خلع بغیر عوض کا مطلب یہ ہے کہ کسی عوض کا ذکر کئے بغیر شوہر نے بیوی سے مخاطب ہو کر کہا (خالعتك) کہ میں نے تجھ سے خلع کیا تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس سے طلاق کی نیت کریگا تو طلاق واقع ہو گی ورنہ نہیں کیونکہ لفظ خلع کنایات طلاق میں سے ہے اگر اس سے تین طلاق کی نیت کی تو تین واقع ہو گی اور اگر ایک یا دو یا مطلق طلاق کی نیت کی تو اس سے ایک طلاق بائن واقع ہو گی اور شوہر پر مہر کی ادائیگی بھی ضروری ہو گی۔

(۲) خلع بالعوض کا مطلب شرعی اعتبار سے یہ ہے کہ عورت کی طرف سے کسی عوض کے ملنے پر طلاق کو موقوف کر کے خلع کا استعمال کیا جائے۔ تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر عورت اس کو قبول کر لے تو خلع ہو جائے گا اور مہر ساقط ہو کر عورت پر طلاق بائن واقع ہو جائے گی اگر چہ اس سے طلاق کی نیت نہ ہو اور اگر عورت نے قبول نہیں کیا تو خلع نہیں ہو گا اور نہ مہر ساقط ہو کر طلاق واقع ہو گی۔

مگر مطلقاً خلع کا لفظ بولنے سے دوسرا معنی خلع بالعوض ہی مراد ہوتا ہے لہٰذا اگر کسی شخص نے کسی دوسرے سے کہا کہ میری عورت سے خلع کر آؤ پھر اس وکیل نے بغیر عوض کے خلع کیا یعنی اس کی بیوی کو طلاق دے آیا تو طلاق واقع نہ ہو گی اس کے برعکس اگر موکل نے وکیل سے کہا کہ ایک ہزار پر میری بیوی سے خلع کر آؤ۔ وکیل نے ایسا ہی کیا اور بیوی نے اس کو قبول کر لیا تو طلاق پڑ جائے گی۔ اس کے بعد شوہر اگر انکار کرے کہ میں نے اس سے طلاق یا خلع مراد نہیں لیا ہے تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ عوض کا ذکر کرنا خلع شرعی کا قرینہ موجود ہے اور خلع بالعوض طلاق کے معنی میں صریح ہونے کی وجہ سے نیت کا اعتبار نہیں ہو گا۔

ہاں اگر کسی نے اپنی بیوی سے مخاطب ہو کر (خالعتك) کہا مگر عوض کا ذکر نہیں کیا اور پھر اس سے انکار کیا کہ میں نے اس سے طلاق کی نیت نہیں کی ہے

اور دلالت حال اس کا تقاضا بھی نہیں کرتا ہے تو اس کی تصدیق کی جائے گی اور اس کی بیوی پر طلاق واقع نہ ہوگی۔[1]

شوہر کو بعوض خلع کتنی رقم لینی چاہئے

فقہاء نے اس سلسلے میں یہ تفصیل بیان کی ہے کہ اگر قصور اور زیادتی مرد کی طرف سے ہے تو خلع میں عورت سے کچھ بھی مال لینا مکروہ تحریمی اور انتہائی ناپسندیدہ ہے جیسا کہ قرآن میں ہے۔

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّ آتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا[2] کہ اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی لے آنے کا ارادہ ہی کر چکے ہو اور تم نے اسے اگرچہ ڈھیر سارا مال ہی کیوں نہ دیدیا ہو تو بھی اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو۔

اور اگر زیادتی اور نافرمانی بیوی ہی کی طرف سے ہے تو پھر مرد کیلئے اس سے مال لینا جائز تو ہے مگر بہتر اور اولیٰ یہ ہے کہ جتنا کچھ مہر وغیرہ کی صورت میں دے

(۱) اما الخلع فجملة الكلام فيه أن الخلع نوعان خلع بعوض وخلع بغير عوض اما الذي هو بغير عوض فنحو ان قال لامرأته خالعتك ولم يذكر العوض فان نوى به الطلاق كان طلاقا والا فلا لانه من كنايات الطلاق عندنا ولو نوى ثلاثا كان ثلاثا وان نوى اثنتين فهي واحدة عند اصحابنا الثلاثة خلافا لزفر بمنزلة قوله انت بائن نحوه ذلك على ما مر واما الثاني وهو أن يكون مقرونا بالعوض لما ذكرنا بان قال خالعتك على كذا وذكر عوضا واسم الخلع يقع عليهما الا انه عند الاطلاق ينصرف الى النوع الثاني في عرف اللغة والشرع فيكون حقيقة عرفية وشرعية حتى لو قال لاجنبي اخلع امرأتي فخلعها بغير عوض لم يصلح وكذا لوخالعها على الف درهم فقبلت ثم قال الزوج لم انو به الطلاق لا يصدق في القضاء لان ذكر العوض دليل ارادة الطلاق ظاهرا فلا يصدق في العدول عن الظاهر بخلاف ما اذا قال لها خالعتك ولم يذكر العوض ثم قال ما اردت به الطلاق انه يصدق اذا لم يكن هناك دلالة حال تدل على ارادة الطلاق من غضب او ذكر طلاق على ما ذكرنا في الكنايات (بدائع الصنائع صفحه ۲۲۶ جلد۳) الخلع هو ازالة ملك النكاح... المتوقفة على قبولها (درمختار) قوله على قبولها اى المرأة قال في البحر ولا بد من القبول منها حيث كان على مال او كان بلفظ خالعتك او اختلعي (شامي صفحه ۸۵ جلد۵) (۲) سورة النساء آيت ۲۰

چکا ہے اتنا ہی لے اس سے زیادہ نہ لے اگر مہر نہیں دیا ہے تو صرف اس سے معاف کرالے۔ [1]

خلع سے مہر ونفقہ ساقط ہوجائیگا اور جس مال پر خلع ہو وہ عورت پر لازم ہوگا

خلع کرنے کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں اول یہ کہ خلع کے وقت کسی رقم وغیرہ کا تذکرہ نہ ہو بلکہ مطلق میاں بیوی نے خلع کرلیا تو خلع درست ہوجائے گا اور دونوں کے ذمہ جو مالی حقوق ہیں وہ سب خود بخود ساقط ہوجائیں گے مثلاً عورت نے خلع سے قبل مہر پالیا یا مہر کے علاوہ بھی شوہر نے بیوی کو تبرعاً کچھ رقم دیدی تو خلع کرتے ہی وہ سب ساقط ہوجائیں گے شوہر اس سے مطالبہ نہیں کرسکتا یا اس کے برعکس خلع سے قبل عورت نے مہر نہیں پایا۔ یا اس نے اپنے شوہر کو کچھ تبرعاً دے رکھا ہے تو خلع کرتے ہی وہ سب ساقط ہوجائیں گے اب عورت نہ مہر کا مطالبہ کرسکتی ہے اور نہ دی ہوئی رقم کا اور نہ اپنے باقی ماندہ نفقہ کا مگر عدت کا نفقہ عورت کا حق ہے اسلئے لے سکتی ہے ہاں اگر خلع کے وقت عدت کے اس نفقہ کو بھی دونوں نے مل کر ساقط کردیا تو ساقط ہوجائے گا۔ کیونکہ نفقہ تو بیوی کا حق ہے اس لئے اس کو ساقط کیا جاسکتا ہے مگر سکنیٰ شریعت کا حق ہے اس کو دونوں ملکر بھی ساقط کرنا چاہیں تو نہیں کرسکتے۔ لہٰذا شوہر کے گھر چھوڑ کر دوسری جگہ عدت گزارے گی تو گناہ گار ہوگی۔

دوسری صورت خلع کی یہ ہے کہ مہر کے علاوہ کسی مقدار متعین پر خلع کیا اور مہر وغیرہ کا کچھ تذکرہ نہیں کیا تو خلع درست ہوجائے گا اور مہر خود بخود ساقط ہوجائے گا اور وعدہ کے مطابق عورت کو متعینہ رقم بھی دینی پڑے گی۔ اگر شوہر

(۱) وکرہ تحریما اخذ شي ویلحق به الابراء عما لها علیه ان نشز وان نشزت لا ولو منه نشوز ایضا ولو باکثر مما اعطاها علی الاوجه فتح صحیح الشمني کراهة الزیادة وتعبیر الملتقی لا بأس به یفید انها تنزیهة وبه یحصل التوفیق (درمختار علی هامش شامی صفحه ۹۲ تا ۹۵ جلد ۵)

نے مہر پہلے دیدیا ہے تو اسی کو واپس کردے اس سے زیادہ لینا مکروہ تحریمی ہے۔ اور اگر مہر ساقط ہو گیا تو عورت مطالبہ نہیں کر سکتی اور وعدہ کے مطابق متعین مقدار عورت پر لازم ہو گی ہاں اگر خلع کے وقت شوہر نے یہ کہا ہو تا کہ تم معاف کر دو میں تم سے خلع کر لیتا ہوں تو پھر عورت کو کچھ دینا نہیں پڑتا کیونکہ عورت نے مہر معاف کر کے مال دینے کی شرط پوری کر دی۔

نیز خلع سے وہی حقوق ساقط ہوتے ہیں جو نکاح سے متعلق ہیں جیسے مہر نفقہ وغیرہ اور جو حقوق نکاح سے متعلق نہیں وہ ساقط نہیں ہوں گے جیسے شوہر نے عورت سے کوئی چیز خریدی اس کی قیمت شوہر کے ذمہ باقی ہے یا عورت نے خریدی اور قیمت کی ادائیگی باقی ہے تو خلع کے بعد بھی اس کا ادا کرنا ضروری ہو گا۔[1]

اسی طرح شوہر نے زمین جائیداد خرید کر عورت کے نام کر دیا تھا تو خلع کے بعد اس کا مطالبہ کر سکتا ہے عورت پر اس کا واپس کرنا ضروری ہو گا۔[2]

غیر مسمی لہا مہر سے قبل الوطی خلع

اگر عقد نکاح کے وقت عورت کا مہر متعین نہیں کیا گیا اور شوہر سے ہم بستری بھی نہ ہوئی کہ خلع ہو گیا تو ایسی عورت کو شرعاً متعہ ملتا ہے مگر خلع کی وجہ سے اس کا متعہ ساقط ہو جائے گا۔[3]

مرد اپنی بدنامی کی وجہ سے عورت کو خلع پر مجبور کرے

مرد بیوی کو رکھنا نہیں چاہتا بلکہ کسی وجہ سے طلاق دینا چاہتا ہے مگر اس نے

(۱) ویسقط الخلع والمبارأة کل حق لکل واحد منهما علی الآخر مما یتعلق بالنکاح فلا یسقط مالا یتعلق بالنکاح کثمن ما اشترت من الزوج ویسقط ما یتعلق بالنکاح کالمهر والنفقة الماضیة اما نفقة العدة فلا تسقط الا بالذکر کذا فی الذخیرة والمهر یسقط من غیر ذکره (شرح الوقایه) واما سکنی العدة فلا تسقط بالذکر ایضا لانها حق الشرع فان سکنها فی غیر بیت الطلاق معصیة کذا فی البحر (عمدة الرعایة علی شرح الوقایة صفحه ۱۱۲ جلد۲)

(۲) آپ کے مسائل اور ان کا حل صفحه ۲۹۵ جلد۵)

(۳) خالعها قبل الدخول وکان لم یسم لها مهرا تسقط المتعة بلا ذکر (عالمگیری ص ۴۹۰ ج۱)

اپنی بدنامی کے خوف سے طلاق دینے کے بجائے عورت پر دباؤ ڈال کر خلع کیا تو اس طرح بادل ناخواستہ خلع سے مہر ساقط نہیں ہوگا کیونکہ خلع کے ذریعہ حقوق زوجیت ساقط ہونے اور مال کے لازم ہونے کے لئے زوجہ کی رضامندی اور خوشی ضروری ہے اور وہ یہاں نہیں پائی گئی تو گویا یہ خلع نہیں طلاق ہوئی اور طلاق سے مہر ساقط نہیں ہوتا اور نہ عورت پر کچھ لازم ہوتا ہے۔[1]

مال کے بدلے طلاق سے مہر وغیرہ ساقط نہیں ہوگا

زوجین میں سے کسی نے خلع کی درخواست نہیں کی یا ایسا لفظ استعمال نہیں کیا جس سے خلع سمجھ میں آئے بلکہ شوہر نے مال کے بدلے طلاق دینے کا وعدہ کیا اور ایک مقدار طے ہونے پر طلاق دیدی گئی تو یہ خلع نہیں بلکہ طلاق علی المال ہے جس سے ایک طلاق بائن واقع ہوگی اور عورت کا مہر ساقط نہیں ہوگا عورت کو مطالبہ کرنے کا حق باقی رہے گا نیز نفقہ اور شوہر کو جو کچھ دی ہے اس کا بھی مطالبہ کر سکتی ہے البتہ وہ متعینہ رقم جس پر طلاق دی گئی ہے وہ شوہر کے حوالہ کرنا پڑیگا۔[2]

خلع میں کونسی چیز بدل بن سکتی ہے

جو چیز مہر میں دی جاسکتی ہے وہ خلع میں بدل بھی ہو سکتی ہے اور جس چیز کو مہر بنانا درست نہیں اس پر خلع بھی درست نہیں لہذا کسی نے شراب یا خنزیر یا مردار یا خون پر خلع کیا تو خلع درست ہو جائے گا مگر عورت پر کچھ واجب نہیں ہوگا اور اگر مہر پالی ہے تو اس کا واپس کرنا بھی ضروری نہیں ہوگا۔[3]

---

(۱) اکرھھا الزوج علیہ تطلق بلا مال لان الرضا شرط للزوم المال وسقوطہ (درمختار علی ھامش شامی صفحہ ۹۵ جلد۵) (۲) وبالطلاق الصریح علی مال طلاق بائن (درمختار) لما علمت من ان الطلاق علی مال خارج عن الخلع المسقط للحقوق (شامی صفحہ ۹۱ جلد۵)
(۳) ما جاز ان یکون مھرا جاز ان یکون بدلا فی الخلع کذا فی الھدایۃ واذا وقعت المخالعۃ علی خمر او خنزیر او میتۃ او دم قبل الزوج ذلک منھا تثبت الفرقۃ ولا شئ علی المرأۃ من جعل ولا ترد من مھرھا شیئا کذا فی الحاوی القدسی (عالمگیری صفحہ ۹۴ جلد۱)

نابالغہ بذریعہ ولی خلع کراسکتی ہے

نابالغہ خود سے تو خلع نہیں کرسکتی ہاں اس کی طرف سے اگر اس کے اولیاء میں سے کوئی خلع کرالے تو خلع درست ہو جائیگا۔ لیکن نابالغہ یا اس کے اولیاء پر بدل خلع کی کوئی رقم وغیرہ لازم نہیں ہوگی۔[۱]

بالغہ کبیرہ کا خلع ولی نے کیا

اگر خلع بالغہ کبیرہ کی اجازت سے ہے تو مسئلہ ظاہر ہے کہ جائز ہے اور اگر اس کی اجازت کے بغیر خلع کیا ہے تو اس کی دو صورت ہے۔ مہر کی معافی اور بدل خلع کا ضامن خلع کرنے والا ولی ہے یا نہیں۔ (۱) اگر ولی ضامن ہے تو خلع درست ہے اب اگر لڑکی نے بعد میں اجازت دیدی ہے تو اس پر خلع نافذ ہو کر مہر معاف ہو جائے گا۔ اور اگر اجازت نہیں دی ہے تو اپنے شوہر سے مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے اور شوہر خلع کرنے والے ولی سے رجوع کریگا۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ اولیاء نے اس بدل خلع کی ضمانت نہیں لی تھی تو یہ خلع لڑکی کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ اگر لڑکی نے اجازت دیدی تو خلع جائز ہو جائے گا اور شوہر مہر سے بری ہو جائے گا اور اگر لڑکی نے اجازت نہیں دی تو پھر خلع درست نہیں ہوگا۔[۲]

ہنسی مذاق اور صرف لکھ دینے سے خلع

عورت نے بلا قصد و ارادہ ہنسی مذاق میں شوہر سے کہا کہ میں مہر معاف کرتی ہوں یا اتنی رقم دیتی ہوں تو مجھے خلع دیدے شوہر نے کہا میں نے قبول کیا تو

---

(۲) خلع الاب صغیرته بمالها او مهرها طلقت فی الاصح کما لو قبلت هی وهی ممیزة ولم یلزم المال لانه تبرع (درمختار) ای لا علیها ولا علی الاب (شامی صفحه ۱۱۱ جلد۵)

(۳) وکذا الکبیرة الخ ای اذا خالعها ابوها بلا اذنها فانه لا یلزمها المال بالاولی لانه کالاجنبی فی حقها وفی الفصولین اذ ضمنه الاب او الاجنبی وقع الخلع ثم ان اجازت نفذ علیها وبرئ الزوج من المهر والاترجع به علی الزوج والزوج علی المخالع وان لم یضمن توقف الخلع علی اجازتها فان اجازت جاز وبرئ الزوج عن المهر الا لم یجز (شامی صفحه ۱۱۲ جلد۵)

خلع ہو جائے گا کیونکہ لفظ خلع بسبب عرف طلاق کے باب میں صریح ہے اس لئے نیت شرط نہیں۔[1]

اسی طرح میاں بیوی میں تصفیہ ہونے کے بعد شوہر نے کہا کہ اگر تم مہر معاف کردو تو میں طلاق دیدونگا اس پر عورت نے کاغذ پر لکھدیا کہ میں مہر معاف کرتی ہوں اور شوہر نے بھی اس کے جواب میں لکھ دیا کہ میں خلع کرتا ہوں تو خلع ہو جائے گا۔ اگر چہ دونوں کی طرف سے اس کا زبان سے اظہار و اقرار نہ ہوا ہو اور اگر کاغذ کو بعد میں پھاڑ بھی دیا تو بھی کچھ فرق نہیں پڑیگا خلع کی وجہ سے عورت پر طلاق بائن واقع ہو چکی۔[1] لقوله عليه السلام ثلث جدهن جد وهزلهن جد (الحدیث)

خلع کے علاوہ فارغ خطی وغیرہ الفاظ سے خلع

اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے بعوض معافی مہر فارغ خطی دی تو یہ بمنزلہ مباراۃ خلع کے ہے اگر نیت طلاق یا خلع کی ہے تو ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی ورنہ نہیں۔

لفظ خلع اور دیگر الفاظ خلع کے درمیان فرق ہے وہ یہ ہے کہ خلع بسبب عرف طلاق صریح کے ہوگیا ہے اسلئے صرف لفظ خلع کے استعمال اور بیوی کے قبول کرنے سے ہی طلاق بائن واقع ہو جائے گی اگر چہ نیت نہ کرے اور خلع کے علاوہ دیگر الفاظ صریح نہیں ہیں اسلئے طلاق کی نیت ہو گی تو طلاق پڑے گی ورنہ نہیں۔ ہاں اگر جہاں فارغ خطی او رلفظ مباراۃ بھی عرف کے اعتبار سے طلاق میں عام اور شائع ہو گئے ہوں تو پھر خلع کی طرح صریح ہو جائے گا اور بغیر نیت کے بھی طلاق اور خلع درست ہو گا۔[2]

(۱) الخلع هو ازالة ملك النكاح... المتوقفة على قبولها ...بلفظ الخلع... او ما فى معناه (درمختار على هامش شامى صفحه ۸۳ تا ۸۷ جلد ۵)

(۲) (باب الخلع) الا ان المشايخ قالوا لا تشترط النية هاهنا (درمختار) هاهنا اى فى لفظ الخلع وفى البحر عن البزازيه فلو كانت المبارأة ايضا كذلك اى غلب استعمالها فى الطلاق لم تحتج الى النية وان كانت من الكنايات والا تبقى النية مشروطة فيها وفى سائر الكنايات على الاصل وفيه اشارة الى ان المبارأة لم يغلب استعملها فى الطلاق عرفا بخلاف الخلع فانه مشتهر بين الخاص والعام فافهم (شامى صفحه ۹۳ جلد ۵)

خلع میں نیت شرط نہ ہونے کے باوجود طلاق بائن واقع ہونے پر اشکال

اوپر کی تقریر سے ایک شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ جب لفظ خلع طلاق میں صریح ہے تو اس سے طلاق رجعی واقع ہونی چاہئے۔ نہ کہ طلاق بائن اور اگر طلاق بائن ہی واقع ہوتی ہے تو پھر یہ الفاظ کنایہ میں سے ہے اور کنایہ کیلئے نیت شرط ہوتی ہے حالانکہ یہاں نیت شرط نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ خلع اس معنی میں صریح نہیں ہے کہ شروع ہی سے اسکو طلاق کی طرح نکاح کو ختم کرنے ہی کیلئے وضع کیا گیا ہے۔ بلکہ لفظ خلع شروع سے (لفظ کنایہ ہے) یعنی اس میں چند معانی کا احتمال ہے جیسے (۱) کپڑوں سے نکلنا (۲) بھلائیوں سے نکلنا (۳) نکاح سے نکلنا وغیرہ۔ لیکن جب عوض یعنی بدل خلع کا ذکر کر دیا گیا تو نکاح سے نکلنے کا معنی متعین ہو کر طلاق کیلئے صریح ہو گیا اس لئے نیت کی ضرورت باقی نہ رہی۔ اب رہا سوال یہ کہ اس سے طلاق بائن کیوں واقع ہوتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ خلع کے ذریعہ عورت پر مال کا بار آرہا ہے اور عورت مال کی ذمہ داری اس وقت قبول کرے گی جبکہ اس کا نفس بالکلیہ اس کے سپرد کر دیا جائے اور عورت کو اس کے نفس کی کامل سپردگی صرف طلاق بائن سے ہی ہو سکتی ہے نہ کہ طلاق رجعی سے اسلئے ہم نے کہا کہ لفظ خلع کے صریح ہونے کے باوجود اس سے طلاق بائن واقع ہوگی نہ کہ رجعی صاحب ہدایہ نے بھی اسی کی طرف کچھ نشاندہی کی ہے۔[1]

طلاق کے بعد خلع

اگر طلاق رجعی کے بعد عدت کی تکمیل سے قبل عورت خلع کرانا چاہے تو خلع ہو سکتا ہے۔ لیکن طلاق بائن کے بعد خلع درست نہیں ہوگا کیونکہ خلع کے ذریعہ طلاق بائن ہوتی ہے اور مسئلہ گذر چکا ہے کہ طلاق رجعی کے بعد طلاق بائن تو درست ہے مگر طلاق بائن کے بعد طلاق بائن درست نہیں۔[2]

(۱) وقع بالخلع تطليقة بائنة ولزمها المال لقوله عليه السلام الخلع تطليقة بائنة ولانه يحتمل الطلاق حتى صار من الكنايات والواقع بالكنايات بائن الا ان ذكر المال اغنى عن النية هنا ولانها لا تسلم المال الا لتسلم لها نفسها وذلك بالبينونة (هداية صفحه ٤٠٤ جلد٢)
(۱) الصريح يلحق الصريح ويلحق البائن بشرط العدة الخ لا يلحق البائن البائن (درمختار على هامش شامي صفحه ٥٤٠ تا ٥٤٢ جلد٤)

کسی شرط کیساتھ خلع

جس طرح طلاق معلق بالشرط، شرط کے پائے جانے سے واقع ہوجاتی ہے اسی طرح خلع معلق بالشرط بھی شرط کے پائے جانے کی صورت میں ہو جایگا جیسے کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگرتم گھر میں داخل ہوئی تو میں نے تم سے ایک ہزار کے بدلہ خلع کیا تو جب بھی وہ گھر میں داخل ہو گی۔ طلاق واقع ہوکر عورت پر ایک ہزار روپیہ لازم ہو جایئگا۔ مگر شرط یہ ہے کہ داخل ہوتے ہوئے عورت نے اس بات کو قبول بھی کیا ہو۔[۱]

معاوضہ ادا کرنے کی شرط پر خلع

خلع بغیر شرط کے مہر معاف کر کے یا معاوضہ طے کر کے کیا تو خلع ہو جائے گا مہر معاف کرنے اور نقد ادا کرنے پر موقوف نہیں رہیگا۔ البتہ اس نقد کا ادا کرنا عورت پر لازم ہوگا اور اگر معاوضہ ادا کرنے کی شرط پر طلاق دی تھی یا خلع کیا تھا تو جب تک معاوضہ ادا نہیں ہو جاتا طلاق یا خلع نہیں ہو گا۔[۲]

خلع کے بعد رجوع

اگر صرف خلع کے لفظ سے یا ایک طلاق کے ذریعہ خلع کیا گیا ہے تو دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر خلع میں تین طلاقیں دیدی گئی تھیں تو پھر بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح نہیں ہو سکتا۔[۳]

خلع کے بعد بھی عدت ضروری ہے

خلع چونکہ طلاق ہے اور طلاق کے بعد عدت ضروری ہے لہٰذا خلع کے بعد بھی عورت بغیر عدت گزارے۔ دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی۔[۴]

(۱) وفی التاتر خانیۃ قال لامرأتہ اذا دخلت الدار فقد خالعتک علی الف فدخلت الدار یقع الطلاق بالف یرید بہ اذا قبلت عند الدخول (شامی ص ۸۰ ج ۵) (۲) مستفاد آپ کے مسائل اور ان کاحل ص ۲۹۴ ج ۵) (۳) آپکے مسائل اور ان کا حل ص ۲۹۳ ج ۵ (٤) العدۃ ... ھی ... تربص یلزم المرأۃ ... عند زوال النکاح (درالمختار علی ھامش شامی ص ۱۷۷ تا ۱۷۹ ج ۵ باب العدۃ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایلاء کا بیان

ایلاء کے لغوی اور شرعی معنی

ایلاء آلی یولی ایلاءً سے حلف اٹھانے اور قسم کھانے کے معنی میں ہے۔
اور اصطلاح شریعت میں۔ چار ماہ یا اس سے زائد اپنی منکوحہ کے پاس نہ جانے کی قسم کھانا ایلاء کہلاتا ہے[۱] لہٰذا اگر کوئی شخص چار ماہ یا اس سے زائد مدت تک سستی یا ناراضگی کی وجہ سے بغیر قسم کھائے وطی نہ کرے تو یہ ایلاء نہیں ہے۔[۲]

ایلاء کی حقیقت

میاں بیوی کے تعلقات ہمیشہ کیلئے ہیں مگر ان تعلقات میں ہمہ وقت یکسانیت نہیں رہتی کبھی کبھار بگاڑ کے کچھ اسباب بھی پیدا ہو جاتے ہیں مگر شریعت اسلامیہ میں آپسی نااتفاقی کو پسند نہیں کیا کہ دونوں قانونا رشتۂ زوجیت میں بھی بندھے رہیں اور عملاً ایک دوسرے سے اس قدر دور بھی رہیں کہ گویا میاں بیوی ہی نہیں اسی لئے قرآن نے اس کا یہ حل نکالا ہے کہ یہ رسا کشی زیادہ سے زیادہ چار ماہ تک رہ سکتی ہے اسکے دوران اپنے تعلقات کو درست کر لو ورنہ رشتۂ زوجیت ختم کر دو چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ	کہ جو لوگ اپنی عورتوں سے تعلق نہ رکھنے
اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَآؤُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ	کی قسم کھا بیٹھیں ان کیلئے چار ماہ کی مہلت
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ وَاِنْ عَزَمُوْا الطَّلَاقَ	ہے پھر اگر وہ اسکے اندر رجوع کر لیں تو
فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ[۳]	اللہ معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا

(۱) الإيلاء معناه في اللغة اليمين مطلقا سواء كان على ترك قربان زوجته او غيره الخ اما معناه في الشرع فهو الحلف على ان لا يقرب زوجته سواء اطلق بان قال لا اطأ زوجتي او قيد بلفظ ابدا بأن قال والله لا اقربها ابدا او قيد بمدة اربعة اشهر فما فوق بان قال والله لا اقرب زوجتي مدة خمسة اشهر او مدة سنة او طول عمرها او مادامت السموات والارض (كتاب الفقه على المذاهب الاربعه ص ۴۰۷ ج ۴ (۲) قوله حلف فلو ترك الوطي اربعة اشهر فصاعد اتكاسلا او غضباً من دون حلف فليس بايلاء شرعا (عمدة الرعاية على شرح الوقاية صفحه ۱۰۴ جلد ۱)
(۳) سورة البقرة آيت ۲۲۶.۲۲۷

ہے اور اگر انہوں نے طلاق کی ٹھان لی ہے تو جان لیں کہ اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

ایلاء کے شرائط

ایلاء کی چار شرطیں ہیں۔(۱) محلیۃ الطلاق

یعنی ایلاء کے وقت عورت اس ایلاء کرنے والے کی منکوحہ ہو لہٰذا اگر اجنبیہ سے ایلاء کیا اور پھر اسی عورت سے نکاح کر لیا اور پھر اس کے پاس چار ماہ نہیں گیا تو یہ شخص ایلاء کرنے والا نہیں ہوگا ہاں اگر اس ایلاء کو نکاح کی طرف منسوب کر دیا کہ اگر میں نے تجھ سے نکاح کیا تو خدا کی قسم میں تیرے قریب نہ جاؤں گا تو یہ ایلاء کرنے والا ہوگا اور نکاح کے بعد ایلاء منعقد ہوگا۔ ہاں اگر اس عورت سے وطی کر لی تو قسم کا کفارہ واجب ہوگا کیونکہ وطی کرنے سے حانث ہو جاتا ہے اور حانث ہونا موجب کفارہ ہے اسیطرح اپنی مطلقہ بائنہ سے ایلاء کیا تو ایلاء نہیں ہوگا کیونکہ ایلاء کا محل منکوحہ اور زوجہ ہونا ہے اور مطلقہ بائنہ میں زوجیت باقی نہیں رہتی ہاں اگر اس مطلقہ بائنہ سے وطی کر لی ہے تو یمین کیوجہ سے کفارہ لازم ہوگا البتہ اگر مطلقہ رجعیہ سے ایلاء کیا تو ایلاء درست ہوگا اس لئے کہ مطلقہ رجعیہ ایلاء کا محل ہے کیونکہ طلاق رجعی کے بعد بھی زوجیت باقی رہتی ہے اسی وجہ سے تو مطلقہ رجعیہ سے وطی کرنا جائز ہے ہاں اگر مدت ایلاء یعنی چار ماہ سے پہلے معتدہ رجعیہ کی عدت پوری ہوگئی تو ایلاء ساقط ہو جائے گا اسلئے کہ عدت گزر جانے کی وجہ سے محلیت ایلاء فوت ہو جاتی ہے۔[1]

(۲) اور دوسری شرط اہلیۃ الطلاق ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ طلاق کی جو شرطیں ہیں وہ ایلاء میں بھی موجود ہوں یعنی ایلاء کرنے والے کا عاقل بالغ ہونا

---

(۱) آلى من المطلقة رجعيا صح لبقاء الزوجية ويبطل بمضى العدة ولو آلى من مبانته او اجنبية نكحها بعده اى بعد الايلاء ولم يضفه للملك كما مر لا يصح لفوات محله ولو وطئها كفر لبقاء اليمين (درمختار) ولم يضفه للملك اما إذا أضافه بان قال ان تزوجتك فوالله لا أقربك كان موليا (شامى صفحه ۷۰ تا ۷۱ جلده)

ضروری ہے لہٰذا اگر نابالغ بچہ اور مجنون ایلاء کرنا چاہے تو درست نہیں ہوگا۔[1]

(۳) ایلاء کی تیسری شرط یہ ہے کہ صحبت کو کسی جگہ کے ساتھ مقید نہ کیا ہو لہٰذا اگر کسی نے ایلاء کرتے ہوئے کسی خاص جگہ کی قید لگادی مثلاً یوں کہا کہ خدا کی قسم میں تجھ سے اپنے گھر میں صحبت نہیں کرونگا یا تیرے میکے میں صحبت نہیں کرونگا یا فلاں جگہ صحبت نہیں کرونگا تو یہ ایلاء نہیں بلکہ قسم ہے اس جگہ صحبت کرنے سے قسم کا کفارہ لازم ہوگا۔[2]

(۴) چوتھی شرط یہ ہے کہ چار ماہ سے کسی دن کا استثناء نہ کیا ہو اگر استثناء کردیا تو ایلاء شرعی نہیں ہوگا مثلاً کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں تجھ سے چار ماہ یا ایک سال تک صحبت نہیں کرونگا مگر ایک دن تو یہ ایلاء نہیں ہوگا کیونکہ ایک دن نکرہ غیر معینہ ہے چار ماہ کے ہر ایک دن پر اس کا اطلاق صحیح ہے۔ ہاں اگر (واللہ لا اقربک سنۃ الا یوما) کہنے کے بعد وطی کرلی اور اس کے بعد چار ماہ یا اس سے زائد مدت تک وطی نہیں کی ہے تو یہ شخص ایلاء کرنے والا ہوگا کیونکہ استثناء جس کی وجہ سے عدم ایلاء کا حکم تھا وہ ساقط ہوگیا تو اب ایلاء کا حکم ثابت ہوجائے گا۔[3]

ایلاء کی قسمیں اور ان کے احکام

ایلاء کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) ایلاء موقت (۲) ایلاء مؤبد۔ پھر ایلاء موقت کی دو صورتیں ہیں (۱) چار ماہ سے کم کی قسم کھانا (۲) چار ماہ یا اس سے زائد مدت متعینہ کی قسم کھانا۔ پہلی صورت میں ایلاء نہیں لہٰذا اگر کسی نے قسم کھائی کہ ایک ماہ

---

(۱) وشرطه محلية المرأة بكونها منكوحة وقت تنجيز الايلاء الخ واهلية الزوج للطلاق (درمختار) افاد اشتراط العقل والبلوغ فلا يصح ايلاء الصبي والمجنون لانهما ليسا من اهل الطلاق (شامی صفحه ۶۰ جلد۵) (۲) وقوله من شرائط الخ ومنها ان لايقيد بمكان لانه يمكن قربانها في غيره (شامی ص ۶۰ ج ۵)

(۳) ومن شرائطه عدم النقص عن المدة الخ او قال والله... لااقربك سنة الا يوما لم يكن موليا للحال بل ان قربها وبقي من السنة اربعة اشهر فاكثر صار موليا (درمختار على هامش شامی صفحه ۶۰ تا ۷۰ جلد۵)

یا دو ماہ یا تین ماہ تک وطی نہیں کریگا تو یہ ایلاء شرعی نہیں ہوگا اور ایلاء کا حکم اس پر مرتب نہیں ہوگا اگر ان دنوں میں وطی نہیں کی تو کچھ بھی لازم نہیں ہوگا اور اگر ان دنوں میں وطی کرلی تو اس کی بیوی پر طلاق تو واقع نہیں ہوگی البتہ دوسری قسموں کی طرح اس قسم کے توڑنے کا کفارہ اس پر لازم ہوگا۔[۱]

دوسری صورت یعنی چار ماہ یا اس سے زائد مدت متعینہ تک کی قسم کھانے کا حکم یہ ہے کہ اگر چار ماہ کے اندر صحبت کرلی تو ایلاء ختم ہوجائے گا اور اس کی بیوی بدستور نکاح میں باقی رہے گی مگر قسم توڑنے سے کفارہ لازم ہوگا اور اگر قسم نہیں توڑی اور مدت متعینہ تک صحبت نہیں کی تو چار ماہ گزرجاتے ہی اس کی بیوی پر طلاق بائن واقع ہوجائے گی اور اس صورت میں ایلاء ختم ہوکر کفارہ لازم نہیں ہوگا۔[۲]

ایلاءِ مؤبد۔ ایلاء مؤبد کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ کیلئے عورت کے قریب نہ جانے کی قسم کھائے جیسے کہے کہ (واللہ لا اقربك ابدا) خدا کی قسم میں تیرے قریب کبھی بھی نہیں جاؤنگا یا لفظ ابدا کے بغیر کہے کہ (واللہ لا اقربك) خدا کی قسم میں تیرے قریب نہیں جاؤنگا دونوں کا حکم ایک ہی ہے وہ یہ کہ اگر شوہر چار ماہ کے اندر وطی کرلے تو ایلاء ختم ہوکر کفارہ لازم ہوگا لیکن اگر چار ماہ گزرگئے اور اس نے وطی نہیں کی تو اس کی بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہوکر بھی ایلاء باقی رہے گا پھر شوہر نے اس عورت سے نکاح کرلیا تو ایلاء لوٹ آئے گا اور ایلاء کا حکم اس پر پھر سے مرتب ہوگا اگر چار ماہ کے اندر وطی کرلی تو ایلاء ختم اور کفارہ لازم ہوگا اور اگر

---

(۱) فلا ایلاء لو حلف علی اقل منها وهی للحرة اربعة اشهر (شرح وقایه) قوله فلا ایلاء ای شرعا وحاصله ان حلف ان لا یطأ ها شهرین او شهرا فهو لیس بایلاء شرعی ولا یترتب علیه حکمه الآتی بل حکمه انه ان لم یطله تلك المدة لاشئ علیه وان وطئ فیها ادی کفارة یمین کما فی سائر الایمان (عمدة الرعایة علی شرح الوقایة صفحه ۱۰۴ جلد۲)

(۲) فان وطیها فی الاربعة الاشهر حنث فی یمینه ولزمته الکفارة لان الکفارة موجب الحنث وسقط الایلاء لان الیمین ترتفع بالحنث وان لم یقربها حتی مضت اربعة اشهر بانت منه بتطلیقة (هدایة صفحه ۴۰۱ جلد۲)

دوسرے نکاح کے بعد بھی چار ماہ تک وطی نہیں کی تو دوسری طلاق بائن واقع ہو کر پھر بھی ایلاء باقی رہے گا یہ سلسلہ تین تک چلتا رہے گا تیسری مرتبہ نکاح کے بعد بھی چار ماہ تک وطی نہیں کی تو تیسری طلاق واقع ہو کر عورت مغلظہ ہو جائے گی اب جب عورت نے دوسرے شوہر سے نکاح اور حلالہ کے بعد اس شوہر سے نکاح کیا تو اب ایلاء لوٹ کر نہیں آئے گا اور ترک وطی سے طلاق واقع نہیں ہو گی البتہ وطی سے کفارہ لازم ہوگا کیونکہ ایلاء صرف یمین ملک کے ساتھ مقید تھا وہ ہو چکی ہے اس لئے کہ ایلاء تعلیق طلاق کے مرتبہ میں ہوتا ہے اور تعلیق طلاق کا حکم گذر چکا ہے کہ تجدید ملک سے تعلیق کا اثر نہیں ہوتا۔(۱)

اللہ کی قسم کے علاوہ کسی چیز کو اپنے اوپر لازم کرنے سے ایلاء

ماقبل میں اللہ تعالی کی قسم کے ساتھ ایلاء کا بیان تھا لیکن اگر کوئی شخص ایلاء میں اللہ کی قسم کے علاوہ شرط و جزاء کے طور پر کسی دوسری چیز سے حلف اٹھائے جس کا کرنا عام طور پر دشوار ہوتا ہے تو جب شرط یعنی وطی پائی جائے گی تو جزاء یعنی جس چیز پر قسم کھائی ہے وہ لازم ہوگی۔ جیسے کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر میں تجھ سے وطی کروں تو مجھ پر حج یا ایک مہینہ کا روزہ لازم ہوگا یا میرا غلام آزاد ہو جائے گا یا میں تجھ سے وطی کروں تو میری بیوی پر طلاق۔ لہٰذا جب یہ شخص وطی کریگا تو حج، روزہ، غلام کی آزادی اور عورت پر طلاق متحقق ہو جائیگی اور ایلاء ختم ہو جائے گا لیکن اگر اس نے چار ماہ تک وطی نہیں کی تو یہ شخص ایلاء کرنے والا ہوگا اور اسکی بیوی پر ایلاء کیوجہ سے ایک طلاق بائن پڑ جائے گی کیونکہ عورت کی قربت سے باز رہنا قسم کیوجہ سے متحقق ہوا ہے اور قسم یہی شرط و جزاء ہے اور یہ جزاء قربت

(۱) وسقط الحلف لوکان مؤقتا ... لا لوکان مؤبدا... فلو نکحها ثانیا وثالثا ومضت المدتان بلا، ای قربان بانت بأخریین والمدة من وقت التزوج فان نکحها بعد زوج آخر لم تطلق لانتهاء هذا الملک ... وان وطئها بعد زوج آخر کفر لبقاء الیمین للحنث (درمختار علی هامش شامی صفحه ۶۵ تا ۶۷ جلد ۵)

سے مانع ہے کیونکہ اس میں سخت تکلیف اور دشواری ہے تو ان جزاؤں کیوجہ سے وطی سے رکنا متحقق ہو گیا اور وطی سے رکنے کا نام ہی ایلاء ہے لہٰذا چار ماہ گزرنے پر طلاق بائن واقع ہو جائے گی حلف بالطلاق کی صورت یہ ہے کہ عورت کے ساتھ وطی کرنے پر اس مخاطبہ کی طلاق کو معلق کرے اور اس کی دو صورتیں ہیں یا تو خود اس مخاطبہ بیوی کے ساتھ وطی کرنے پر اس کی طلاق کو معلق کرے یا اس کی سوتن کی طلاق کو معلق کرے اور ان دونوں صورتوں میں سے ہر ایک صورت وطی کرنے سے روکنے والی ہے۔ مثلاً شوہر نے کہا کہ اگر تجھ سے وطی کروں تو تجھ کو طلاق تو اگر چار ماہ کے اندر اندر وطی کر لی تو اس مخاطبہ کو ایک طلاق رجعی واقع ہو گی اور ایلاء ختم ہو جائے گا اور ایلاء کیوجہ سے طلاق بائن واقع نہیں ہو گی اور اگر یوں کہا کہ اگر تجھ سے وطی کروں تو میری فلاں بیوی کو طلاق تو اگر چار ماہ کے اندر وطی کر لی تو اس مخاطبہ کی سوتن کو طلاق واقع ہو گی اور ایلاء کیوجہ سے اس مخاطبہ عورت پر طلاق واقع نہیں ہو گی اور اگر چار ماہ گزر گئے تو یہ عورت ایک طلاق کی وجہ سے بائنہ ہو گی اور اس کی سوتن پر طلاق واقع نہیں ہو گی۔(۱)

لیکن اگر شرط و جزاء کے طور پر کسی ایسی چیز کا حلف اٹھائے جس کا کرنا عام طور پر بہت دشوار نہ ہو تو ایلاء نہ ہو گا جیسے کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر میں تم سے صحبت کروں تو تجھ پر چار رکعت نماز یا ایک دن کا روزہ لازم ہو گا تو صحبت کرنے سے نہ کفارہ لازم ہو گا اور نہ مدت ایلاء کے پورا کرنے سے اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو گی۔[۲]

(۱) ولو حلف بحج او بصوم او بصدقة او عتق او طلاق فهو مول لتحقق المنع باليمين وهو ذكر الشرط والجزاء وهذه الاجزية مانعة لما فيها من المشقة وصورة الحلف بالعتق ان يعلق بقربانها عتق عبده وفيه خلاف ابي يوسف فانه يقول يمكنه البيع ثم القربان فلا يلزمه شئ وهما يقولان البيع موهوم فلا يمنع المانعية فيه والحلف بالطلاق ان يعلق بقربانها طلاقها او طلاق صاحبتها وكل ذلك مانع (هداية صفحه ۴۰۳ جلد۲) (۲) قوله الا بشئ مشق يلزمه الشرط كونه مشقافي نفسه كالحج ونحوه كما يأتي فخرج غيره كالغزو وصلوة ركعتين عرض اشقاقه لجبن او كسل كما مر عن الفتح (شامی صفحه ۵۸ تا ۵۹ جلد۵)

اگر کسی شخص کی کئی بیویاں ہوں تو کیا ایلاء کی صورت میں تمام بیویوں پر طلاق واقع ہوگی یا صرف مخاطبہ پر طلاق واقع ہوگی تو اس سلسلہ میں صاحب در مختار نے علماء کے مختلف اقوال نقل کئے ہیں مگر علامہ شامی ان تمام اقوال کو بیان کرتے ہوئے اخیر میں بطور خلاصہ کے یوں فرماتے ہیں کہ شوہر کے ایلاء کرنے کی مختلف صورتیں ہیں اگر شوہر نے صرف ایک عورت کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ (انت علي حرام) تو مجھ پر حرام ہے تو اس صورت میں بغیر اختلاف کے تمام علماء کے نزدیک صرف مخاطبہ عورت خاص ہوگی اور اسی پر طلاق بائن ہوگی اور دوسری پر طلاق واقع نہیں ہوگی اور اگر شوہر نے عام صیغہ استعمال کرتے ہوئے یوں کہا کہ (ان کل حل علي حرام) کہ جو کچھ میرے لئے حلال ہے وہ سب حرام۔ تو بالاتفاق تمام عورتوں پر طلاق واقع ہوگی اور اگر مفرد کا صیغہ استعمال کیا اور کہا کہ (امرأتي حرام) تو اس وقت غیر متعینہ طور پر صرف ایک بیوی پر طلاق واقع ہوگی اور اگر کہا کہ میری عورت مجھ پر حرام ہے (حل الله او حلال المسلمین) کہ اللہ کی حلال کردہ چیز حرام ہے یا مسلمانوں کیلئے حلال شدہ چیز مجھ پر حرام ہے تو اس میں علماء کا اختلاف ہے مگر راجح قول یہ ہے کہ اس وقت بھی تمام عورتیں شامل ہو کر سب پر طلاق واقع ہوگی۔ [1]

بغیر شرط و جزاء اور غیر اللہ کی قسم سے ایلاء نہیں

اگر کوئی شخص ایلاء کرتے ہوئے نہ تو اللہ کی قسم کھائے اور نہ شرط و جزاء کے طور پر کسی چیز پر حلف اٹھائے بلکہ اللہ کی قسم کے علاوہ کسی غیر اللہ کی قسم کھائے تو ایلاء شرعی نہیں ہوگا جیسے کسی نے اپنی بیوی سے مخاطب ہوتے ہوئے یوں کہا کہ

(۱) والحاصل انه لا خلاف في إن انت عليه حرام يخص المخاطبة وفي ان كل حل عليه حرام يعم الاربع لصريح اداة العموم الاستغراقي وفي امراته حرام او طالق يقع على واحدة غير معينة وانما الخلاف في نحو حلال الله او حلال المسلمين فقيل يقع على واحدة غير معينة نظرا الى صورة افراده والاشبه انه يعم الكل (شامی صفحہ ۸۰ تا ۸۱ جلد ۵)

فلاں دیوتا کی قسم یا فلاں پیر کی قسم (معاذ اللہ) یا تمہاری قسم میں چار ماہ یا کبھی بھی تیرے قریب نہ جاؤنگا اور پھر اس نے چار ماہ کے اندر جماع کر لیا تو کفارہ بھی واجب نہیں ہوگا اور نہ چار ماہ گزر جانے پر عورت کو طلاق واقع ہوگی مگر اس طرح کی قسم کھانا ناجائز ہے حدیث میں ممانعت ہے۔[1]

ایلاء کے الفاظ صریح و کنایہ

جس طرح طلاق کیلئے بعض الفاظ صریح ہیں اسی طرح ایلاء کے بھی بعض الفاظ صریح ہیں کہ ان کو سنتے ہی ترک جماع کا مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے اور دوسرے معنی کا احتمال نہیں رہتا جیسے (لا اقربك) میں تیرے قریب نہیں جاؤنگا (لا اجامعك) میں تجھ سے جماع نہیں کرونگا (لا اطوك) میں تجھ سے وطی نہیں کرونگا وغیرذالک ان میں نیت کرے یا نہ کرے جماع کرنے سے کفارہ اور مدت ایلاء تک ترک جماع سے طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور اسی طرح بعض الفاظ کنایہ ہیں کہ ان سے صرف ترک جماع کا ہی مفہوم سمجھ میں نہیں آتا بلکہ دوسرے معنی کا بھی ان میں احتمال ہوتا ہے جیسے کوئی شخص اپنی بیوی کے متعلق کہے (لا امسها) میں اس کو نہیں چھوؤنگا (لا آتيها) میں اس کے پاس نہیں آؤنگا (لا ادخل بها) میں اس کے یہاں داخل نہیں ہونگا (لا اغشاها) میں اس کو نہیں ڈھانپونگا (لا اجمع راسي راسها) میں اپنے سر کو اسکے سر کیساتھ اکٹھا نہیں کرونگا وغیرہ تو ان صورتوں کا حکم شوہر کی نیت پر موقوف رہے گا اگر اس نے اس سے ترک جماع مراد لیا ہے تو ایلاء ہوگا ورنہ نہیں۔[2]

---

(۱) ولو حلف بغير الله عزوجل وبغير الشرط والجزاء لا يكون موليا حتى لاتبين بمضى المدة من غير فئ ولا كفارة عليه ان قربها لأنه ليس بيمين لانعدام معنى اليمين وهو القوة وقال النبيؐ لاتحلفوا بآبائكم ولا بالطواغيت فمن كان منكم حالفا فليحلف بالله أوليذر وروى من حلف بغير الله فقد أشرك (بدائع الصنائع صفحه ۲۰۴ جلد۳)

(۲) الالفاظ التي يقع بها الايلاء نوعان صريح وكناية أما الصريح فكل لفظ يسبق الى الفهم معنى الوقاع منه لقوله لااقربك لاأجامعك الخ واما الكناية فكل لفظ لايسبق الى الفهم معنى الوقاع منه ويحتمل غيره فمالم ينو لايكون ايلاء كقوله لاامسها لاآتيها لاادخل بهالا اغشاها لا اجمع راسها ورأسى الخ (فتاوى عالمگيرى صفحه ۴۷۷ جلد۱)

ایلاء سے رجوع کرنے کا طریقہ

ایلاء کے بعد اگر شوہر ایلاء سے رجوع کرنا چاہے تو اس کی دو صورتیں ہیں شوہر جماع پر قادر ہے یا نہیں اگر قادر ہے تو مدت ایلاء کے اندر صحبت کر کے کفارہ ادا کر دیگا تو ایلاء ختم ہو جائے گا صحبت پر قادر ہونے کی صورت میں زبانی رجوع کافی نہیں ہوگا اور اگر اس قدر بیمار ہو کہ چار ماہ تک صحبت پر قادر نہیں یا عورت کے بیمار ہونے کی وجہ سے یا عورت رتقاء ہو یعنی اس کے پیشاب کے راستہ میں کوئی ہڈی بڑھ گئی ہو جس کی وجہ سے عورت کے ساتھ جماع نہیں کیا جا سکتا یا ایسی چھوٹی بچی ہو کہ جماع کے قابل نہیں یا میاں بیوی کے درمیان اتنی دوری ہے کہ شوہر چار ماہ کی مدت میں عورت تک نہیں پہنچ سکتا تو صاحب ہدایہ نے مطلقاً ان تمام صورتوں میں شوہر کو رجوع بالقول کرنے کا اختیار دیا ہے کہ اگر شوہر نے مدت ایلاء میں (فئت الیھا) میں نے اس کی طرف رجوع کیا کہہ دیا تو ایلاء ساقط ہو جائے گا لیکن صاحب عنایہ نے اس کی مزید توضیح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اگر ایلاء کرنے والا شوہر بیمار ہے تو اس کی تین صورتیں ہیں۔(۱) پہلی صورت یہ ہے کہ کسی نے تندرستی کی حالت میں ایلاء کیا اور ایلاء کے بعد اتنی مدت تک تندرست رہا کہ اس مدت میں اگر اس عورت سے جماع کرنا چاہتا تو کر سکتا تھا مگر نہیں کیا اور بیمار ہو گیا تو ہمارے نزدیک اب یہ شخص جماع ہی کے ذریعہ رجوع کر سکتا ہے قول کے ذریعہ نہیں۔(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے بحالت مرض ایلاء کیا اور مرض ہی کی حالت میں چار ماہ پورے ہو گئے تو یہ شخص رجوع بالقول کر سکتا ہے اور الفاظ رجوع یہ ہیں فئت الیھا. رجعت الیھا. راجعتھا. ارجعتھا. ابطلت ایلاء ھا. وغیرہ ان الفاظ کے ذریعہ اگر زبان سے رجوع کر لیا تو ایلاء ساقط ہو جائے گا مگر کفارہ واجب نہیں ہوگا کیونکہ کفارہ حانث ہونے کی جزاء ہے اور حانث ہونا رجوع بالقول سے متحقق نہیں ہوتا جب تک کہ جماع نہ کر لے۔(۳) تیسری شکل یہ ہے کہ کسی نے بحالت مرض ایلاء کیا اور پھر مدت ایلاء میں اس کو جماع کی قدرت حاصل

ہوگئی تو اب اس کا رجوع جماع ہی کے ساتھ معتبر ہوگا اگر قدرت علی الجماع سے قبل رجوع بالقول نہ کیا ہو تو فبہا ورنہ کیا ہوا رجوع بالقول باطل ہو جائے گا کیونکہ خلیفہ کے ذریعہ مقصود حاصل کرنے سے پہلے اصل پر قادر ہوگیا۔[1]

رجوع بالقول مانع وطی حقیقی کیوجہ سے ہے

ایلاء سے رجوع بالقول کا اعتبار جس عجز کیوجہ سے جن صورتوں میں کیا گیا ہے اس سے عجز حقیقی یعنی مانع وطی حقیقی مراد ہے شرعی مانع نہیں کیونکہ اگر شرعی مانع ہے تب تو وہ واقعتاً قادر ہے اور حکماً عاجز ہے جیسے کسی نے ایلاء کیا اس وقت جبکہ اس کی بیوی احرام کی حالت میں ہے یا یہ خود محرم ہے اور حج میں ابھی چار ماہ باقی ہیں تو اس وقت رجوع بالقول کا اعتبار نہیں ہوگا رجوع بالفعل یعنی جماع کرنا ضروری ہوگا اگرچہ اس فعل میں گنہگار ہوگا کیونکہ سبب اس کے اختیار سے واقع ہوا ہے۔[2]

ایلاء میں قسم کا کفارہ کیا ہے

ماقبل میں یہ بات آچکی ہے کہ ایلاء کی مدت میں جماع کرنے سے کفارۂ

---

(۱) وان کان المولي مريضا لايقدر علي الجماع او کانت مريضة أو رتقاء او صغيرة لاتجامع او کانت بينهما مسافة لايقدر ان يصل اليها في مدة الايلاء ففيئة أن يقول بلسانه فئت اليها في مدة الايلاء فان قال ذلك سقط الايلاء (هداية صفحه ۴۰۲ جلد۲) هذه المسئلة على ثلثة اوجه احدها انه آلى وهو صحيح وبقي بعد الايلاء صحيحا مقدار ما يستطيع فيه ان يجامعها ثم مرض بعد ذلك وفيئه بالجماع عندنا.... الثاني انه الى وهو مريض وتم اربعة اشهر وهو مريض فيئة ان يقول بلسانه فئت اليها فان قال ذلك سقط الايلاء عندنا... ولايلزم من كونه فيا على هذ الوجه ان تجب الكفارة لانها جزاء الحنث والحنث لايتحقق بالفئ باللسان... والثالث انه الى وهو مريض وقدر على الجماع في المدة ولم يقربها بالجماع سواء كان فاء اليها في مرضه بالقول اولم يفئ اما اذا لم يفئ فظاهر وكذلك اذا فاء لانه قدر على الاصل قبل حصول المقصود بالخلف (شرح عناية علي الهداية على هامش فتح القدير صفحه ۵۲ تا ۵۴ جلد۴)

(۲) ولو عجزاي اى المولي حقيقة بان لايكون المانع عن الوطي شرعيا فانه ح قادراً عليه حقيقة عاجز حكما كما اذا آلى من امرأته وهي محرمة او هو محرم وبينهما وبين الحج اربعة اشهر فان فيأة لايصح الابالفعل وان كان عاصيا في فعله لكون السبب باختياره كذا في التاتار خانية (عمدة الرعاية على شرح الوقاية صفحه ۱۰۶ جلد۲)

یمین لازم ہوتا ہے کفارۂ یمین کو قرآن نے اس ترتیب سے بیان کیا ہے۔

فَكَفَّارَتُهٗ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ [1]

سو قسم کا کفارہ دس محتاجوں کو اوسط درجہ کا کھانا کھلانا ہے جو عام طور پر تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑے دینا ہے یا ایک غلام آزاد کرنا ہے اور جس کی قدرت میں یہ تینوں نہ ہوں تو تین دن کا روزہ رکھنا ہے یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب تم قسم کھاؤ۔

اس آیت میں ترتیب وار قسم کے کفارے چار بیان کئے گئے ہیں پہلا دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے اگر کھانا نہیں کھلا سکتا تو اسی کھانے کا بدل جتنا غلہ دیا جاتا ہے اتنا ہی دس فقیروں کو دیدے یعنی فقیروں کو ایک کیلو چھ سو تینتیس گرام گیہوں دیدے دوسرا اگر کھانا نہ کھلاتا ہو تو دس مستحقین کو کپڑا پہنائے اتنا کپڑا کہ پورا بدن ڈھک جائے مرد کیلئے کرتہ پائجامہ یا لنگی اگر عورت ہو تو اتنا کپڑا دے کہ نماز پڑھ سکے اس سے زیادہ دینا بہتر ہے اس سے کم میں کفارہ ادا نہیں ہوگا۔ تیسرا کھانا یا کپڑا نہ دیتا ہو تو ایک غلام آزاد کرے (ان تینوں میں ترتیب نہیں تینوں میں سے جس کو چاہے دیدے) لیکن اگر ان تینوں پر قدرت نہیں ہے تو تین دن کے مسلسل روزے رکھے بیچ میں ناغہ کرنے سے کفارہ ادا نہیں ہوگا پھر سے روزہ رکھنا ہوگا۔

مسئلہ:- کفارہ حانث ہونے کے بعد ادا کیا جائے گا لہٰذا اگر جماع سے قبل کفارہ دیدیا اور پھر جماع کیا تو دیا ہوا کفارہ ساقط ہو جائے گا پھر سے ادا کرنا پڑیگا۔ [2]

---

(۱) سورة المائدة (۲) وكفارته عتق رقبة او اطعام عشرة مساكين كما مر في الظهار او كسوتهم لكل ثوب ليستعله يستر علمة بدنه فلم يجز السراويل فان عجز عنها وقت الادا اى عجز عن الاشياء الثلثة وقت ارادة الاداء صام ثلثة ايام ولاء، ولم تجز بلا حنث التكفير قبل الحنث لايجوز عندنا حتى لوكفر قبل الحنث ثم حنث تجب الكفارة (شرح وقاية صفحه ۲۰۸ جلد۲) فتاوى رحيميه ميں بهى اسى طرح بيان كيا هے صفحه ٤٢٢ جلد٦

ایلاء میں خود بخود طلاق بائن ہوجائیگی تفریق کیلئے قضاء قاضی کی ضرورت نہیں

ایلاء کی مدت چار ماہ گزر جانے سے عورت پر خود بخود طلاق بائن ہو جائیگی تفریق کیلئے قضاء قاضی کی ضرورت نہیں ہے چنانچہ حضرت عثمانؓ اور زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں اذا مضت اربعة اشهر فهي واحدة وهي احق بنفسها تعتد عدة المطلقة اور یہی مضمون حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ کے علاوہ حضرات تابعینؒ سے بھی منقول ہے۔[1]

ظہار کا بیان

ظہار کے لغوی وشرعی معنی

ظہار کا لفظ ظہر سے مشتق ہے بمعنی پیٹھ اور ظہار باب مفاعلة کا مصدر ہے۔ جس کے معنی ہیں پشت کو پشت کے مقابل کرنا یا ملانا، یا مرد کا اپنی بیوی سے (انت علي کظهر امي) کہنا۔ اور شریعت کی اصطلاح میں۔ اپنی منکوحہ کو یا اس کے کسی ایسے عضو کو جس سے پوری ذات مراد لی جاسکتی ہو اپنی محرمات ابدیہ میں سے کسی سے یا ان کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دینا جس کی طرف دیکھنا حرام ہے ظہار کہلاتا ہے (محرمات ابدیہ خواہ نسبیہ ہوں یا صہریہ اور رضاعیہ) جیسے کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو میرے لئے میری ماں کی مانند ہے یا تو اس کی پیٹھ کی مانند ہے یا میری بہن یا پھوپھی یا خالہ یا رضاعی ماں یا ساس وغیرہ کی مانند ہے یا ان کی پیٹھ کے مانند ہے۔[2]

---

(۱) مصنف ابن عبدالرزاق صفحہ ۴۵۲ تا ۴۵۷ جلد ۶ بحوالہ درس ترمذی

(۲) باب الظهار هو لغة مصدر ظاهر من امرأته اذا قال لها انت علي كظهر امي وشرعا تشبيه المسلم... زوجته... او تشبيه ما يعبر به عنها من اعضائها او تشبيه جزء شائع منها بمحرم عليه تابيدا (درمختار) لان الظهار مفاعلة من الظهر فيقال ظاهرة اذا قابلت ظهرك كظهره حقيقة الخ قوله (بمحرم عليه) اي بعضو يحرم النظر اليه اعضاء محرمة عليه نسبا او صهرية او رضاعا كما في البحر او بجملتها كانت على كلمى فانه تشبيه بالظهر وزيادة كما يأتي (درمختار مع الشامي صفحه ۱۲۳ تا ۱۲۵ شامي جلد ۵)

ظہار کی مشروعیت اسلام میں کیسے ہوئی

ظہار زمانۂ جاہلیت میں طلاق سے بھی زیادہ سخت، ہمیشہ کیلئے حرمت اور قطع تعلق کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا بناء بریں اہل عرب کے یہاں طلاق کے بعد بیوی سے رجوع کی گنجائش تو تھی مگر ظہار کے بعد رجوع کا امکان ختم ہو جاتا تھا کیونکہ ان کے نزدیک اس کا مطلب یہ تھا کہ شوہر اپنی بیوی سے صرف ازدواجی تعلق ظہار کے ذریعہ نہیں توڑتا بلکہ اس کو ماں کے مثل قرار دیکر بیوی کو ماں کی طرح ہمیشہ کیلئے اپنے اوپر حرام قرار دے رہا ہے ابتداء اسلام میں جبکہ اس کے متعلق کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا اس سلسلے میں ایک واقعہ در پیش ہوا کہ صحابی رسول حضرت اوس بن ثابتؓ نے غصہ میں اپنی بیوی خولہ بنت ثعلبہ سے یوں کہا (**انت علی کظهر امی**) کہ تو میرے حق میں ایسی ہے جیسے میری ماں کی پشت مجھ پر حرام ہے پھر بعد میں دونوں شرمندہ ہوئے اور حضرت خولہ چارہ جوئی اور تحقیق حال کیلئے دربار رسالت میں حاضر ہوئیں۔ چونکہ اب تک اس سلسلے میں کوئی آسمانی حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ سابقہ رواج کے مطابق آپؐ نے فرمایا (**ما اراك الا قد حرمت عليه**) کہ میری رائے میں تو اپنے شوہر پر حرام ہو گئی اس پر انھوں نے واویلا کرتے ہوئے کہا کہ (**اللهم انی اشكو اليك**) یا خداوند تعالیٰ میں تیری طرف اپنی شکایت کرتی ہوں۔ اور حضورؐ کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری جوانی اسی شوہر کے گھر گزری ہے اب جب بوڑھی ہو چکی ہوں تو یہ ظہار کر بیٹھا ہے جدائیگی کی صورت میں گھر برباد ہو کر رہ جائے گا میرے بچوں کا گزر کیسے ہوگا اس کے بعد آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگیں بار الٰہی مجھ بے سہارا کا تو ہی وارث ہے میری فریاد رسی کر اسی وقت سورۂ مجادلہ کی آیت نازل کر کے اللہ تعالیٰ نے مسئلہ کا حل بیان کر دیا کہ ظہار سے حرمت مؤبدہ کیا طلاق بھی واقع نہیں ہوتی۔

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِیْٓ اِلَی اللّٰهِ وَاللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓئِیْ وَلَدْنَهُمْ وَاِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ (۱)	بیشک اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپؐ سے اپنے شوہر کے معاملہ میں جھگڑتی تھی اور اللہ تعالیٰ سے شکایت کرتی تھی اور اللہ تعالیٰ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں وہ ظہار سے

انکی ماں نہیں ہو جاتیں ان کی مائیں تو بس وہی ہیں جنھوں نے ان کو جنا ہے اور وہ لوگ بلاشبہ ایک نامعقول اور جھوٹ بات کہتے ہیں اور یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔

ظہار کے ارکان

ظہار کے چار ارکان ہیں (۱) شوہر کا عاقل، بالغ اور مسلم ہونا لہٰذا نابالغ اور پاگل کے ظہار کا اعتبار نہیں (۲) بیوی کی پوری ذات یا اس کے کسی ایسے عضو کو تشبیہ دینا جس سے پوری ذات مراد لی جاسکتی ہو جیسے پیٹھ، پیٹ، سر، ران، فرج، یا نصف بدن وغیرہ سے تشبیہ دینے سے ظہار واقع ہوگا اس کے برخلاف ہاتھ، پیر، پہلو وغیرہ سے ظہار نہیں ہوگا کیونکہ اس سے پوری ذات مراد نہیں لی جاتی۔ (۳) حرف تشبیہ کا ہونا۔ عربی میں جیسے حرف کاف یا نحو یا مثل اور اردو میں جیسے لفظ مثل طرح یا مانند وغیرہ کا صراحۃً تذکرہ کرنا ضروری ہے لہٰذا اگر بغیر تشبیہ کے صرف یوں کہدے کہ تو میری ماں ہے یا میری بہن ہے یا تیری پیٹھ میری ماں کی پیٹھ ہے تو اس سے ظہار نہیں ہوگا اس طرح کا کلام لغو شمار ہوگا مگر اس طرح کہنا مکروہ

(۱) سورة المجادلة آيت صفحه ۲۸۰

تحریمی اور گناہ ہے۔[1] اسی طرح بیوی شوہر کو باپ، بھائی وغیرہ کہے تو ظہار نہیں ہوگا مگر اس طرح کہنا مکروہ اور گناہ ہے۔

ظہار صریح و کنائی

ظہار کے الفاظ دو قسم پر ہیں (۱) صریحہ (۲) کنایہ۔ (۱) ظہار صریحہ یہ ہے کہ محرمات ابدیہ کے کسی ایسے عضو کیساتھ تشبیہ دی جائے جس کا دیکھنا حرام ہے جیسے بیوی سے کہنا کہ تو میری ماں کی پیٹھ کی مانند ہے تو اس سے نیت کرے یا نہ کرے ظہار ہو جائے گا۔ (۲) ظہار کنائی یہ ہے کہ محرمات ابدیہ کی پوری ذات سے تشبیہ دی جائے جیسے کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو میری ماں کی مانند ہے یا بہن کی مانند ہے تو یہ کلام ظہار صریح نہیں ہوگا اس میں ظہار، طلاق، ایلاء اور عزت و کرامت میں مماثلت سبھی کا احتمال ہے۔ لہٰذا ان کلمات میں شوہر کی نیت کا اعتبار ہوگا اگر اس سے ظہار مراد لیا ہے تو ظہار اور اگر ایلاء یا طلاق مراد لیا ہے تو طلاق واقع ہوگی۔ اور اگر ان کلمات سے بیوی کی عزت و شرافت کو ماں کی عزت و شرافت کے مثل قرار دینا ہے تو تسلیم کیا جائے گا اور اس سے کچھ بھی واقع نہ ہوگا۔

لیکن اگر یہ جملے مذاکرۂ طلاق یا باہمی جھگڑے کے وقت استعمال کیے گئے ہیں تو پھر قضاءً عزت و کرامت کی نیت کا اعتبار نہیں ہوگا۔[2]

(۱) (۲) والحاصل ان هنا اربعة اركان المشبه والمشبه والمشبه به واداة التشبيه اما الاول وهو المشبه وهو بكسر الباء فهو الزوج البالغ العاقل المسلم وزاد في التتار خانية العالم ولا يخفى ما فيه واما الثاني وهو المشبه بفتح الباء المنكوحة او عضو منها يعبر به عن كلها او جزء شائع واما الثالث وهو المشبه به عضو لايحل النظر اليه من محرمة عليه تابيداً واما الرابع وهو الدال عليه وهو ركنه وهو صريح وكناية (بحرالرائق صفحه ۱۶۰۔۱۶۱ جلد۴) وان نوى بانت على مثل امي او كامي وكذا لوحذف على خانية براً او ظهاراً او طلاقاً صحت نيته ووقع مانواه لانه كناية والا ينوى شيئاً او حذف الكاف لغا وتعين الادنى اى البر يعني الكرامة ويكره قوله انت امي ويا ابنتي ويا اختي ونحوه وبانت على حرام كامي صح مانواه من ظهاراً او طلاق وتمنع ارادة الكرامة لزيادة لفظ التحريم وان لم ينو ثبت الادنى وهو الظهار في الاصح وبانت على حرام كظهر امي ثبت الظهار لاغير لانه صريح (درمختار) (قوله لانه كناية) اى من كنايات الظهار والطلاق قال في البحر واذا نوى به الطلاق كان بائناً كلفظ الحرام وان نوى الايلاء فهو ايلاء ... وينبغي ان لايصدق قضاء في ارادة البر اذا كان في حال المشاجرة وذكر الطلاق (شامي صفحه ۱۳۱ جلد۵)

چونکہ عام طور سے لوگ ظہار سے ناواقف ہوتے ہیں غصہ میں جب ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں تو بالیقین طلاق اور دائمی مفارقت ومتارکت کی نیت ہوتی ہے اس لئے جب شوہر کی نیت کا حال معلوم نہیں تو ظاہری عرف کے لحاظ سے طلاق بائن کے وقوع کا حکم لگایا جائے گا اور دوبارہ نکاح کرنا ضروری ہوگا۔[1]

اگر ہمبستری کروں تو ماں سے کروں

اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تجھ سے ہم بستری کروں تو ماں سے کروں تو اس سے نہ ظہار ہوگا اور نہ طلاق مگر اس طرح کہنا برا ہے۔[2]

ظہار کے احکام

ظہار سے نہ طلاق واقع ہوتی ہے اور نہ نکاح ختم ہوتا ہے لیکن جب تک کفارۂ ظہار ادا نہ کرے تب تک بیوی سے جماع، بوس وکنار، مباشرت وغیرہ کچھ نہیں کرسکتا۔ البتہ بات چیت کرنا حرام نہیں ہے بغیر کفارہ ادا کئے جماع کرنا سخت گناہ ہے عورت کو بھی چاہئے کہ اس کو اپنے قریب آنے نہ دے اور اگر صحبت کرہی لے تو توبہ واجب ہے اس کے ساتھ کفارہ ادا کرنا بھی ضروری ہے۔[3]

کسی متعینہ مدت تک کیلئے ظہار

اگر کسی نے ایک متعینہ وقت تک کیلئے ظہار کیا مثلاً یوں کہا کہ تو میرے لئے ایک سال یا ایک ماہ تک میری ماں کی مانند ہے تو اگر متعینہ وقت سے قبل وطی یا مباشرت کریگا تو ظہار کا کفارہ دینا پڑیگا اور مدت کے بعد مباشرت یا وطی کرنے سے

(۱) فتاوی دار العلوم صفحہ ۲۰۹ جلد ۱۰
(۲) لو قال ان وطئتك وطئت امي فلاشئ عليه (عالمگیری صفحہ ۵۰۷ جلد ۱)
(۳) واذا قال الرجل لامرأته انت علي كظهر امي فقد حرمت عليه لايحل له وطؤها ولامسها ولا تقبيلها حتى يكفر ظهاره عن بقوله تعالى والذين يظاهرون من نسائهم الى ان قال فتحرير رقبة من قل ان يتماسا (هدايه مع فتح القدير (صفحه ۸۶ جلد ۴)

ظہار ساقط ہو جائے گا اور کفارہ بھی دینا پڑیگا۔[1]

نکاح پر معلق کر کے ظہار کرنا

اگر کسی اجنبیہ سے کسی نے کہا کہ اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو تو میرے لئے میری ماں کی مانند ہے اور پھر اسی عورت سے نکاح کر لیا تو ظہار ہو جائے گا۔

اور اگر یوں کہا کہ اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو، تو طلاق والی ہے اور پھر کہا کہ اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو، تو میری ماں کے مانند ہے تو ظہار و طلاق دونوں واقع ہو جائیں گی۔[2]

ظہار کرنے کے بعد تین طلاق دیدیا

اگر کسی نے اپنی بیوی سے ظہار کرنے کے بعد تین طلاقیں دیدیں۔ پھر حلالہ یعنی دوسرے شوہر سے نکاح کے بعد زوج اول کی طرف لوٹ آئی تو کفارہ ادا کرنے سے قبل ظہار ختم نہیں ہوگا۔[3]

مشیت پر ظہار کو معلق کرنا

اگر کوئی اللہ کی مشیت پر ظہار کو معلق کرتے ہوئے کہے کہ انشاءاللہ تو میری ماں کی مانند ہے تو اس سے طلاق کیطرح ظہار بھی نہیں ہو گا ہاں اگر کسی دوسرے شخص کی مشیت پر معلق کرتے ہوئے کہے کہ فلاں چاہے تو۔ تو میری ماں کی مانند ہے تو فلاں شخص کے چاہنے سے ظہار ہو جائے گا ورنہ نہیں اور اگر یوں کہے کہ اگر تو چاہے

---

(۱) ولو ظاهر موقتا بان قال انت علی کظهر امي اليوم او الشهر او السنة يصير مظاهرا في الحال فاذا مضى تلك الوقت بطل (فتاوی قاضیخان علی هامش عالمگیری صفحه ۵۴۳ جلد۱)

(۲) ولو قال لاجنبية اذا تزوجتك فانت علی کظهر امي فتزوجها يكون مظاهرا ولو قال اذا تزوجتك فانت طالق ثم قال اذا تزوجتك فانت علی کظهر امي فتزوجها يلزمه الطلاق والظهار جميعا لانها يقعان في حالة واحدة (فتاوی قاضیخان علی هامش عالم گیری صفحه ۵۴۳ جلد۱) (۳) اذا ظاهر من امرأته ثم طلقها ثلاثا ثم تزوجها بعد زوج آخر كان مظاهرا لايحل له وطوها قبل التكفير لان وقوع الفرقة لايبطل الظهار (فتاوی قاضیخان علی هامش شامی صفحه ۵۴۳تا۵۴۴ جلد۱)

تو۔ تو میرے لئے میری ماں کی مانند ہے تو جب عورت اسی مجلس میں چاہ لے گی تو ظہار ہو جائے گا۔ نہ چاہنے سے ظہار نہ ہوگا۔[1]

ظہار کرنا گناہ ہے

ظہار کرنا گناہ ہے بلکہ بعض علماء نے اسے گناہ کبیرہ کہا ہے کیونکہ اللہ تعالی نے ظہار کرنے والے کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔

وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا

کہ وہ لوگ (جو اپنی بیویوں کو ماں کہتے ہیں) بلاشبہ ایک نامعقول اور جھوٹ بات کہتے ہیں۔ اس لئے گناہ لازم ہے۔[2]

ظہار کا کفارہ

کفارۂ ظہار کو سورۂ مجادلہ میں اس ترتیب سے بیان کیا گیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُظَاهِرُوْنَ مِنْ نِّسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاسَّا ذَالِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاسَّا فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا[3]

اور وہ لوگ جو اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اپنی کہی ہوئی بات کی تلافی کرنا چاہتے ہیں تو ان کے ذمہ ایک غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے قبل اس کے کہ دونوں باہم اختلاط کریں اس سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تعالی کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے پھر جس کو میسر نہ ہو تو اس کے ذمہ مسلسل دو ماہ کا روزہ رکھنا ہے قبل اسکے کہ دونوں باہم اختلاط کریں اور اگر اس کی بھی طاقت نہیں ہے تو اس کے ذمہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔

---

(۱) ولو قال انت علي كظهر امي ان شاء الله لايكون ظهارا كمالا يكون طلاقا ولو قال انت علي كظهر امي ان شاء فلان او قال انت علي كظهر امي ان شئت فهو على المشيئة في المجلس (فتاوى قاضيخان على هامش شامي عالمگيری صفحه ۵۴۳ جلد۱)

(۲) بیان القرآن (۳) سورة المجادلة صفحه ۲۴ آیت ۳

تشریح:- آیت کریمہ میں کفارۂ ظہار تین چیزیں بیان کی گئیں ہیں جن میں ترتیب و تسلسل واجب ہے پہلے غلام آزاد کرے اور اگر اس پر قدرت نہیں (جیسا کہ اس زمانہ میں) تو دو ماہ کے مسلسل روزہ رکھے۔ اگر تحریر رقبہ یا روزہ رکھنے کے درمیان صحبت کر لے تو از سر نو کفارہ ادا کرنا پڑیگا اسی طرح اگر بیچ میں ایک روزہ بھی توڑ دیا تو بھی از سر نو مسلسل دو ماہ روزہ رکھنا ہوگا۔ خواہ جان بوجھ کر وطی اور افطار کیا یا بھولے سے عذر کی وجہ سے کیا ہو یا بغیر عذر کے خواہ دن میں وطی کی ہو یا رات میں ہاں اطعام مسکین کے درمیان صحبت کرنے سے صرف گناہ ہوگا نہ کہ تجدید کفارہ۔ لہٰذا روزہ اس طور پر رکھے کہ رمضان کے روزے اور وہ پانچ دن جن میں روزہ رکھنا حرام ہے شامل نہ ہوں ہاں اگر چاند کی ابتداء سے روزہ شروع کیا تو دو ماہ انتیس کے ہونے سے ۵۸ دن کے روزے بھی کفارہ کیلئے کافی ہو جائیں گے لیکن اگر ابتداء چاند کی پہلی تاریخ سے نہ ہو اور انسٹھ دن روزے رکھنے کے بعد بھی افطار کر لے تو بھی از سر نو روزہ رکھنا پڑیگا۔

اور اگر روزہ نہیں رکھ سکتا تو پھر ساٹھ مسکینوں کو ایک دن دو وقت یا ایک مسکین کو ساٹھ دن دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے اگر کھانا نہیں کھلانا چاہتا تو ساٹھ مسکینوں میں سے ہر ایک کو صدقۂ فطر کے برابر نصف صاع یعنی پونے دو سیر گیہوں یا ایک صاع یعنی ساڑھے تین سیر جو یا اس کی قیمت دیدے یا ایک مسکین کو ساٹھ دن تک دیتا رہے اگر ایک ہی دن ایک مسکین کو ساٹھ دن کا غلہ دیدے تو کفارہ ادا نہیں ہوگا مگر صرف اس ایک دن کا ادا ہو جائیگا جس دن دیا ہے اور اگر ایک مسکین کی مقدار کو چند فقیروں میں دیدے تو بھی ادا نہ ہوگا۔[1]

(۱) باب الکفارۃ... هي ... تحرير رقبة ... فان لم يجد المظاهر ما يعتق...صام شهرين ولو ثمانية و خمسين بالهلال والاستين يوما... متتابعين قبل المسيس ليس فيهما رمضان وايام نهى عن صومها ... فان افطر بعذر .... او بغيره او وطئها... فيهما اى الشهرين مطلقا ليلا او نهارا عامدا او ناسيا ... استونف الصوم لاالاطعام... فان عجز عن الصوم ... اطعم اى ملك ستين مسكينا ولو حكما... كالفطرة قدرا مصرفا او قيمة ذلك... وان اراد الاباحة فغداهم وعشاهم... جاز ... كما جاز لو اطعم واحدا ستين يوما لتجدد الحاجة ولو اباحة كل الطعام فى يوم واحد دفعة اجزا عن يومه ذلك فقط اتفاقا. (در مختار على هامش شامى صفحه ۱۳۴ تا ۱۴۵ جلد ۵)

اگر شوہر کفارۂ ظہار کیوجہ سے صحبت نہ کرے

ظہار کرنے کے بعد اگر شوہر کفارہ ادا کرنے کے ڈر سے بیوی سے صحبت نہ کرے اور اس کو معطل بنا کر رکھدے تو عورت کو قاضی کے یہاں مقدمہ دائر کر کے قاضی کے ذریعہ کفارہ ادا کرنے یا طلاق دینے پر مجبور کرنے کا حق ہے۔[1]

لعان کا بیان

لعان کے لغوی و شرعی معنی

لعان باب مفاعلت کا مصدر لعنت سے مشتق ہے بمعنی دھتکارنا اور رحمت سے دور کرنا ہے۔ شریعت میں لعان ان چار شہادتوں اور ایک مرتبہ لعن و غضب کو کہتے ہیں جو میاں بیوی کے درمیان شرعی ضابطہ کے مطابق قاضی کے سامنے جاری ہوں۔[2]

لعان کی حقیقت

جب مرد اپنی پاک دامن مسلمان بیوی پر زنا کی تہمت لگائے (مثلاً شوہر بیوی سے کہے کہ تو زانیہ ہے یا میں نے تجھے زنا کرتے دیکھا ہے یا یوں کہے کہ اے زانیہ یا شوہر اپنی بیوی کے بچہ کے نسب کی نفی کرے مثلاً شوہر یوں کہے کہ تیرا یہ بچہ زنا سے ہے یا یہ بچہ میرا نہیں ہے) اور اس پر شوہر چار چشم دید گواہ پیش نہ کر سکے اور عورت اپنے شوہر پر حد قذف کا مطالبہ کرے اور قاضی کے یہاں درخواست پیش کرے تو شوہر پر لعان واجب ہوگا۔

اگر بیوی نے زنا کا اقرار کرلیا یا خود شوہر نے ہی تہمت لگانے میں اپنے کو جھوٹا ہونے کا اقرار کرلیا تو پھر لعان واجب نہیں ہوگا لعان کیلئے شوہر کا اپنے دعویٰ پر مصر ہونا اور بیوی کا اپنے انکار پر قائم رہنا ضروری ہے۔

(۱) وللمرأة ان تطالبه بالوطء لتعلق حقها به و عليها ان تمنعه من الاستمتاع حتى يكفر وعلى القاضي الزامه به بالتكفير دفعا للضرر عنها بحبس او ضرب الى ان يكفر او يطلق (درمختار على هامش شامي صفحه ۱۳۰ جلد۵) (۲) وينبغي ان يكون بحضرة الامام او القاضي وجمع من المسلمين الخ اللعن في اللغة الطرد والابعاد وفي الفقه اسم لما يجرى بين الزوجين من الشهادات بالالفاظ المعلومات سمي بذالك لوجود لفظ اللعن في الخامسة (مرقاة المفاتيح ص ۴۵۵ تا ۴۵۶ جلد۶

لعان کی مشروعیت

ابتداء اسلام میں حد قذف کا حکم نازل ہونے کے بعد صحابہ کرام کے مابین یہ سوال پیدا ہوا کہ غیر مردوں اور عورتوں کی بد فعلی دیکھ کر گواہ کے نہ ہونے کی صورت میں آدمی صبر تو کر سکتا ہے کہ کچھ نہ بولے نظر انداز کر دے لیکن اگر خود اپنی بیوی کی بد چلنی دیکھ لے تو کیا کرے اگر مجرم کو قتل کر دے تو خود سزا کا مستوجب ہو جائے گواہ ڈھونڈنے جائے تو مجرم فرار ہو جائے اور معاملہ ختم ہو کر رہ جائے صبر کر کے ازدواجی رشتہ بر قرار رکھے تو ضمیر گوارہ نہ کرے طلاق دیکر جدا کر دے تو عورت اور اس کے آشنا بغیر کسی عتاب کے رہ جائیں اور نا جائز حمل کا بچہ گلے لگے۔

ابتداءً حضرت سعد بن وقاصؓ اور بعدہ حضرت عویمر عجلانی نے ایک فرضی سوال کی شکل میں یہ مسئلہ حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا اس کے بعد حقیقتاً ایک ایسا ہی واقعہ پیش آ گیا حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ ہلال ابن امیہ نے حضورؐ کی خدمت میں اپنی بیوی کے شریک بن سحماء کیساتھ ملوث ہونے کا چشم دید واقعہ پیش کیا حضورؐ نے فرمایا اس پر ثبوت پیش کرو۔ ورنہ حد قذف جاری ہو گی ہلال نے کہا اس خدا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں وہ واقعہ پیش کر رہا ہوں جس کو میری آنکھوں نے دیکھا ہے اور کانوں نے سنا ہے مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے معاملہ پر ایسا حکم نازل فرمائے گا جو میری پیٹھ کو بچائے گا اس پر سورہ نور کی آیت (وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ الخ) نازل ہوئی جس میں لعان کی پوری صورت اور طریقہ بتلا دیا گیا ہے۔[1]

لعان کا طریقہ

لعان کا طریقہ یہ ہے کہ قاضی کے روبرو پہلے شوہر چار دفعہ اس طرح قسم کھائے کہ میں اللہ کی قسم کھا کر گواہی دیتا ہوں کہ اپنی بیوی پر زنا کی تہمت جو

(۱) بخاری شریف صفحہ ۶۹۵ جلد ۲

میں نے لگائی ہے اس میں میں سچا ہوں پھر پانچویں دفعہ کہے کہ خدا کی لعنت ہو مجھ پر اگر میں اس معاملہ میں جھوٹا ہوں اس کے بعد عورت چار دفعہ یوں کہے کہ میں اللہ کی قسم کھا کر گواہی دیتی ہوں کہ مجھ پر میرے شوہر نے جو زنا کی تہمت لگائی ہے اس میں وہ جھوٹا ہے پھر پانچویں دفعہ کہے کہ مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو اگر میرا شوہر اپنی اس بات میں سچا ہے مذکورہ بالا شہادتوں کے بعد قاضی دونوں کے درمیان تفریق کر دیگا اور یہ تفریق طلاق بائن کے حکم میں ہوگی۔[1]

شرائط وجوب لعان

زنا کی تہمت کے بعد لعان کے واجب ہونے کے نو شرائط ہیں (۱) میاں بیوی دونوں کا مسلمان، آزاد، عاقل بالغ ہونا (۲) دونوں میں سے ہر ایک کا حد قذف کی تہمت سے محفوظ ہونا یعنی میاں بیوی میں سے کسی نے کبھی کسی پر زنا کی تہمت لگائی اور اس کو گواہ کے ذریعہ ثابت نہ کر سکا جس کے نتیجہ میں اس پر تہمت لگانے کی سزا (اسّی کوڑے) جاری کی گئی تو پھر لعان نہیں ہوگا۔ (۳) دونوں کے درمیان نکاح صحیح کا موجود ہونا ضروری ہے لہٰذا اگر دونوں کے درمیان نکاح فاسد ہوا تھا اور پھر شوہر نے تہمت لگائی تو لعان نہیں ہوگا یا اسی طرح بیوی مطلقہ بائنہ ہو چکی ہے اور پھر تہمت لگائے تو بھی لعان واجب نہیں ہوگا۔ (۴) بیوی پاک دامن ہو یعنی عورت زنا، وطی بالشبہ اور وطی بنکاح فاسد سے محفوظ ہو۔ (۵) شوہر کا اپنے دعویٰ پر بینہ قائم نہ کرنا اگر بینہ یعنی زنا پر چار گواہ پیش کر دے تو پھر لعان نہیں ہوگا۔ (۶) شوہر کا اپنے دعوئی پر قائم رہنا اور عورت کا اس سے انکار پر باقی

(۱) وصورته ان يقول هو اولا اربع مرات اشهد بالله اني صادق فيما رميتها به من الزنا وفي الخلصة لعنة الله عليه ان كان كاذبا فيما رماها به من الزنا مشيرا اليها في جميعه ثم تقول هي اربع مرات اشهد بالله انه كاذب فيما رماني به من الزنا وفي الخلصة غضب الله عليها ان كان صادقا فيما رماني به من الزنا ثم يفرق للقاضي بينهما۔۔ وتبين بطلقة (شرح الوقايه صفحه ۱۲۰ جلد۲)

رہتے ہوئے لعان کا مطالبہ کرنا۔ (۷) تہمت زنا صاف اور صریح الفاظ کے ذریعہ لگایا جانا لہٰذا اگر گونگے نے اشارہ سے تہمت لگائی تو لعان واجب نہیں ہوگا۔ (۸) شوہر کا اپنی بیوی کے بچہ کے نسب سے انکار کرنا لہٰذا اگر حمل کا انکار کیا تو لعان نہیں ہوگا اگرچہ اس کے بعد عورت نے چھ مہینہ سے کم ہی مدت میں بچہ جن دیا۔ (۹) ملک کا دارالاسلام ہونا لہٰذا ہندوستان میں لعان نہیں ہوگا۔[1]

لعان کا حکم

لعان کے بعد قضاء قاضی کے ذریعہ تفریق سے عورت پر طلاق بائن واقع ہو جائے گی اگر بچہ کی ولادت ہوگئی تو اس کا نسب شوہر سے ختم کر کے اس کو اس کی ماں کیطرف منسوب کر دیا جائیگا اور شوہر اپنے دعوی پر اور عورت اپنے انکار پر تفریق کے بعد بھی قائم رہے تو دونوں میں پھر نکاح کبھی نہیں ہو سکتا جس طرح مطلقہ بائنہ تجدید نکاح اور مغلظہ۔ حلالہ کے بعد شوہر اول کیلئے حلال ہو جاتی ہے۔ اس طرح یہاں نہیں ہوگا۔ ہاں اگر تفریق کے بعد شوہر اپنے دعوی سے پھر جائے اور اپنے آپ کو جھٹلادے یا عورت اپنے انکار کو واپس لے لے تو پھر دونوں میں باہمی نکاح ہو سکتا ہے کیونکہ زوجین میں سے کسی ایک کے اپنے قول سے رجوع کرنے کے بعد ان کے درمیان لعان باقی نہیں رہتا۔

اور حضورؐ کی حدیث (المتلاعنان لایجتمعان ابدا، کہ دونوں لعان کرنے والے کبھی جمع نہیں ہو سکتے) کا مطلب یہ ہے کہ جب تک دونوں لعان

---

(۱) وشرطه قيام الزوجية وكون النكاح صحيحا لافاسدا (درمختار) قوله (وشرطه قيام الزوجية) فلا لعان بقذف المنكوحة فاسدا او المبانة ولو بواحدة بخلاف المطلقة رجعية ولا يقذف زوجته الميتة ويشترط ايضا الحرية والعقل والبلوغ والاسلام والنطق وعدم الحد بقذف وهذه شروط راجعة اليهما ويشترط فى القاذف خاصة عدم اقامة البينة على صدقه وفى المقذوف خاصة انكارها وجود الزنا منها وعفتها عنه ويشترط ايضا كون القذف بصريح الزنا وكونه فى دار الاسلام هذا حاصل ما فى البحر عن البدائع ونفى الولد بمنزلة صريح الزنا وياتى اكثر هذه الشروط فى غضون كلامه (شامی صفحه ۱۴۹. ۱۵۰ جلد۵)

کرنے والے اپنے اپنے قول پر مصر اور ثابت رہیں۔ لیکن جب تکذیب سے لعان باطل ہو گیا تو جمع نہ ہونے کا حکم بھی باقی نہ رہا اس لئے دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔ لیکن شوہر اگر اپنے آپ کو جھٹلائے گا تو اس پر حد قذف اور عورت کے انکار سے پھر جانے پر حد زنا جاری ہو گی۔

اسی طرح لعان کرنے کے بعد شوہر نے کسی اور پر زنا کی تہمت لگائی اور اسے ثابت نہ کر سکا جس کی وجہ سے اس پر حد قذف جاری ہوئی۔ یا لعان کے بعد کسی اور شخص سے عورت کا زنا ثابت ہو گیا جس کی وجہ سے اس پر حد قائم کی گئی تو ان دونوں صورتوں میں بھی لعان ختم ہو کر ان کے درمیان از سر نو نکاح کرنا جائز ہو جائے گا کیونکہ نکاح حلال نہ ہونے کے لئے ان میں لعان کی اہلیت باقی رہنا شرط ہے اور مرد پر حد قذف اور عورت پر حد زنا کی وجہ سے لعان کی اہلیت ختم ہو گئی اس لئے لعان بھی ختم ہو گیا تو پھر نکاح درست ہو جائے گا۔[1]

ہندوستان میں لعان نہیں

جیسا کہ شرائط کے تحت آ چکا کہ لعان کیلئے دار الاسلام کا ہونا شرط ہے اور ہندستان دار الاسلام نہیں اس لئے یہاں لعان اور اس کی وجہ سے تفریق کی کوئی صورت نہیں ہے اگر کوئی لعان کر بھی لیگا تو بھی نکاح بدستور باقی رہے گا اور حقوق زوجیت ادا کرنا ضروری ہو گا ہاں اگر عورت کی بدچلنی کی وجہ سے اس کو رکھنے پر جی آمادہ نہیں ہے تو طلاق دیکر علیحدہ کر سکتا ہے۔[2]

(۱) ثم یفرق القاضی وینفی نسبه ویلحقه بامه وتبیین بطلقة فان اکذب نفسه حد وحل له نکاحها لانه لم یبق اللعان بینهما فقوله علیه السلام المتلاعنان لایجتمعان ابدا ای مادامـا متلاعنین لان علة عدم اجتماعهما اللعان فلما بطل اللعان لم یبق حکمه وهو عدم الاجتماع وکذا ان قذف غیرها فحد او زنت فحدت ای حل له نکاحها ان قذف غیرها بعد التلاعن فحد او زنت بعد التلاعن فحدت فان بقاء اهلیة اللعان شرط لبقاء حکمه (شرح الوقایه صفحه ۱۲۰، ۱۲۱ جلد۲)

(۲) فتاوی دار العلوم دیوبند صفحه ۱۹۹ جلد ۱۰

تفریق اور فسخ نکاح

جیسا کہ بارہا عرض کیا جاچکا ہے کہ طلاق کا حق مرد ہی کو ہے، عورتوں کو اس کا حق نہیں کہ وہ مرد کو طلاق دیکر خود سے آزاد ہو جائیں، مگر اسلام نے عورتوں کو مجبور محض بھی نہیں بنایا ہے کہ وہ شوہر کے سارے ظلم وستم کو سہتی رہیں۔ بلکہ شریعت اسلامیہ نے عورتوں کے حقوق کی بھی پوری حفاظت کی ہے اس کیلئے مستقل قوانین مرتب کئے ہیں ان کو ظالم شوہر کے پھندے سے نکال کر انسانی سطح پر زندگی گزارنے کا پورا حق دیا ہے اور ان کو بھی شرعی شکلیں اختیار کرکے شوہر کے ظلم وتشدد سے بچاؤ کا راستہ فراہم کیا ہے مثلاً جب عورت اپنے مرد سے اسقدر متنفر ہو جائے کہ اس کیساتھ اس کا نباہ مشکل، یا مرد اس کی زندگی کو اسقدر تنگ کردے کہ نہ تو اس کے حقوق زوجیت صحیح طور سے ادا کرے اور نہ طلاق دیکر اس کا راستہ ہی صاف کرے اور نہ عورت کے مہر معاف کرنے پر یا کچھ لیکر خلع پر راضی اور نہ کسی بھی طرح سے عورت کو اپنے نکاح سے برطرف کرنا چاہتا ہو۔ یا گھر سے دور بھاگ گیا ہو نہ تو عورت کی خبر گیری کرتا ہو اور نہ طلاق وخلع پر تیار ہو بلکہ عورت کو بیچ میں معلق رکھنا چاہتا ہو تو ایسی مصیبت زدہ عورت کو یہ حق ہے کہ قاضی شریعت یا حاکم کے پاس یا شرعی پنچایت اور شرعی عدالت میں اپنا مقدمہ دائر کرکے شرعی اعتبار سے چھٹکارا اور اپنے ظالم شوہر سے گلو خلاصی کا مطالبہ کرے۔

مفقود الخبر یعنی لاپتہ شوہر کی بیوی کے نکاح کا حکم

مفقود الخبر اس غائب کو کہتے ہیں جس کا کوئی پتہ نہیں مثلاً گم ہو گیا یا بھاگ گیا کافی دنوں سے پتہ نہیں چلتا ہے کہ کہاں گیا اور کس جگہ ہے تو اس سلسلے میں اصل حنفی مذہب تو یہ ہے کہ جب تک اس کی بستی میں اس کے ہم عمر لوگ زندہ

ہیں اس وقت تک اس مفقود کو بھی زندہ تسلیم کرلیا جائے گا اور حسب قاعدہ اس کی بیوی کو بھی دوسری جگہ نکاح کی اجازت نہ ہوگی۔

البتہ بعض صورتوں میں ہم عمروں کے ختم ہونے سے پہلے بھی قاضی نکاح کی اجازت دے سکتا ہے جیسے مفقود کے ظاہر حال سے اس کی ہلاکت اور موت کا غالب گمان ہو مثلاً سمندر میں سفر کررہا تھا ساحل پر پہونچنے کا پتہ نہ چلا۔ یا ایسے مرض کی حالت میں بھاگ گیا۔ جس میں موت کا گمان غالب ہے یا معرکہ جنگ میں گم ہوگیا تو اس وقت اتنی ہی مدت تک انتظار کا حکم ہے جتنی مدت میں حاکم کو مفقود کے مرنے کا غالب گمان ہوجائے اس کے بعد حاکم موت کا حکم لگا کر عورت کو عدت وفات گزار کر دوسرے نکاح کی اجازت دیدیگا بس مذہب حنفی میں زوجہ مفقود کے واسطے اس کے سواء اور کوئی گنجائش نہیں ہے۔

مگر متاخرین حنفیہ نے وقت کی نزاکت اور فتنوں پر نظر فرماتے ہوئے چند شرائط کیساتھ حضرت امام مالکؒ کے مذہب پر فتوی دیدیا ہے اور ایک عرصہ سے ہند و بیرون ہند کے تقریباً سبھی ارباب فتاوی نے اسی قول پر فتوی دینا اختیار کرلیا ہے اب تو ایک حیثیت سے یہ مسئلہ فقہ حنفی میں داخل ہوگیا ہے۔ مگر جب تک عورت صبر کرسکے اس وقت تک مذہب حنفی پر عمل کرنا ضروری ہے۔ ہاں بوقت ضرورت شدیدہ مذہب مالکی پر عمل کیا جائے گا ضرورت شدیدہ یہ ہے کہ (۱) خرچ کا انتظام نہ ہوسکے بغیر شوہر کے معاشی حالات سے دوچار رہے (۲) انتظار کی صورت میں گناہ اور معصیت میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو۔

(نوٹ) کسی مسئلہ میں دوسرے امام کے مذہب پر عمل کرنے کے لئے شرط یہ ہے کہ اس مسئلہ میں اس امام کے نزدیک جو شرطیں ہوں ان سب کی رعایت کی جائے۔[۱]

(۱) الحیلۃ الناجزۃ للحیلۃ العاجزہ صفحہ ۶۹ تا ۷۱ زیر عنوان حکم زوجہ مفقود

اصل مذہب مالکیہ اور اس پر علماء احناف کا فتویٰ

اگر شوہر کے لاپتہ ہونے کی صورت دارالاسلام میں پیش آئی ہے تو عورت قاضی کی عدالت میں مرافعہ اور مقدمہ دائر کرے اور شہادت شرعیہ کے ذریعہ اپنا نکاح اس مفقود شخص سے ثابت کرے اگر نکاح کے وقت کے عین گواہ موجود نہیں تو شہادت بالتسامع یعنی شہرت عام کی بناء پر شہادت دی جاسکتی ہے کہ یہ فلاں کی بیوی ہے۔ اسکے بعد عورت گواہوں کے ذریعہ اس کا مفقود اور لاپتہ ہونا ثابت کرے بعد ازاں قاضی کیلئے ضروری ہے کہ وہ صرف عورت اور اسکے اولیاء کی تفتیش اور بیان پر اکتفانہ کرے بلکہ خود بھی تلاش کرائے اسکی صورت یہ ہے کہ قاضی اور حاکم کو جہاں جہاں مفقود کے جانے کا غالب گمان ہو وہاں وہاں آدمی بھیجے جہاں جانے کا غالب گمان نہ ہو تو صرف خط بھیج کر بھی تحقیق کرے اگر اخبار وغیرہ میں شائع کرنا ممکن ہو تو وہ بھی کرے۔ بہر حال تفتیش کرنے میں جہد بلیغ کرنے کے بعد بھی مایوسی ہی مایوسی ہو تو پھر عورت کو چار سال تک مزید انتظار کا حکم کرے چار سال میں بھی مفقود کا پتہ نہ چلے تو اسکو مردہ تصور کر لیا جائے گا اور چار سال مکمل گزر جانے کے بعد عورت کو عدت وفات چار ماہ دس دن گزار کر نکاح ثانی کی اجازت ہوگی۔

مالکیہ کے نزدیک تو چار سال گزر جانے کے بعد دوبارہ قاضی کے پاس درخواست دیگر عدت کیلئے حکم لینے کی ضرورت نہیں خود عدت گزار کر نکاح ثانی کر سکتی ہے مگر احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ دوبارہ درخواست دیکر حکم بالموت بھی حاصل کر لیا جائے تاکہ مذہب حنفی کی حتی الوسع رعایت ہو سکے۔

یہ حکم تو دارالاسلام کا تھا اور دارالحرب میں زوجہ مفقود کا جمہور مالکیہ کے یہاں بھی وہی حکم ہے جو حنفیہ کا اصل مذہب ہے کہ جب تک ہم عمر زندہ ہے اس کو بھی زندہ ہی سمجھا جائے گا اور اس کی بیوی کو نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہوگی مگر امام مالک کے مشہور شاگرد اشہب مالکی نے زوجہ مفقود کا دارالحرب میں بھی وہی

حکم رکھا ہے جو دارالاسلام میں ہے[1]

تنبیہ:۔(الف) چار سال کی مدت جو انتظار کیلئے مقرر کی گئی ہے اس کی ابتداء قاضی کی تفتیش اور مایوسی کے بعد ہو گی (ب) جہاں قاضی شرعی نہیں تو شرعی پنچایت کے ذریعہ نکاح کو فسخ کرا سکتی ہے مگر خود آزاد ہو کر نکاح نہیں کر سکتی (ج) علماء مالکیہ کے فتویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان، مصر، شام وغیرہ ممالک جن میں حکومت کافرہ کے تسلط کے باوجود شعائر اسلام تاہنوز قائم ہیں ان سب ممالک میں مفقود کا حکم وہی ہے جو دارالاسلام میں ہے بلکہ جس دارالحرب میں شعائر اسلام بھی موجود نہ ہوں مگر وہاں مسلمانوں کو امن و صلح وغیرہ کیوجہ سے آنا جانا اور تفتیش کرنا ممکن ہو تو وہ دارالحرب بھی دارالاسلام کے حکم میں ہو گا۔[2]

چار سال کی مدت میں تخفیف

زوجۂ مفقود کیلئے چار سال کے مزید انتظار کا حکم اس صورت میں تو بالاتفاق ضروری ہے جبکہ عورت اتنی مدت صبر و تحمل اور عفت کیساتھ گزار سکے لیکن اگر یہ صورت ممکن نہ ہو یعنی عورت اندیشۂ ابتلاء (معصیت) ظاہر کرے اور اس نے ایک عرصہ دراز تک مفقود کا انتظار کرنے کے بعد مجبور ہو کر درخواست دی ہو جبکہ صبر سے عاجز ہو گئی ہو تو اس صورت میں اس کی بھی گنجائش ہے کہ مذہب مالکیہ کے موافق چار سال کی معیاد میں تخفیف کر دی جائے کیونکہ جب عورت کے ابتلاء کا شدید اندیشہ ہو تو ان کے نزدیک کم از کم ایک سال صبر کے بعد تفریق جائز ہے۔

یہ تفریق طلاق رجعی ہو گی اس صورت میں زوجۂ مفقود کو بجائے عدت وفات کے عدت طلاق گزارنی ہو گی۔[3]

---

(۱) الحیلۃ الناجزۃ للحیلۃ العاجزۃ صفحہ ۷۲ تا ۷۴

(۲) خلاصہ الحیلۃ الناجزۃ للحیلۃ العاجزۃ ۷۴ تا ۷۶

(۳) الحیلۃ الناجزۃ للحیلۃ العاجزہ ۸۰۔۸۱

مفقود کی واپسی کے احکام

زوج مفقود جس کے بارے میں مرافعہ و تفتیش کے بعد چار سال تک انتظار کر کے قاضی نے موت کا حکم دیدیا تھا اگر وہ اس کے بعد واپس آجائے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) پہلی صورت تو یہ ہے کہ شوہر ثانی کیساتھ خلوت صحیحہ سے پہلے پہلے آجائے (خواہ عدت وفات کے اندر یا بعد میں آئے یا نکاح ثانی سے قبل یا بعد میں آئے بہر صورت) اس کا حکم تو بالاتفاق یہ ہے کہ زوجہ شوہر اول ہی کے نکاح میں بدستور باقی رہے گی۔ دوسرے خاوند کے پاس نہیں رہ سکتی۔ (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ عورت نے عدت وفات گزار کر دوسرے مرد سے نکاح کر لیا اور خلوت صحیحہ بھی ہو چکی ہے تو اس صورت میں مالکیہ کا مشہور مذہب تو یہی ہے کہ زوجہ دوسرے خاوند کے پاس رہے گی شوہر اول کا اب اس سے کوئی تعلق نہیں رہے گا۔ مگر مالکیہ میں سے ایک صاحب علامہ صالح التونسی کا فتوی یہ ہے کہ قاعدہ کے موافق جو تفریق ہوئی تھی وہ طلاق رجعی ہوگی زوجہ مفقود کو عدت طلاق تین حیض گذارنے ہوں گے۔ اگر مفقود شوہر نے آکر رجعت کر لی تو رجعت صحیح ہوگی اور بیوی بدستور اس کے نکاح میں رہے گی اگر عدت کے بعد آیا یا پہلے آچکا مگر قولی یا فعلی کسی قسم کی رجعت نہ پائی گئی تو عدت گزرانے کے بعد عورت بائنہ ہو جائے گی اس کے بعد اس کو اختیار ہوگا چاہے تو دوبارہ اسی سے نکاح کر لے یا کسی اور سے کر لے۔ لیکن امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں عورت پہلے شوہر کے نکاح میں باقی رہے گی اور حنفی کیلئے غیر حنفی مذہب پر فتوی سخت ضرورت کے وقت جائز ہے مگر یہاں کوئی خاص ضرورت داعی نہیں اس لئے مذہب حنفی پر عمل کرنا ضروری ہے اور حنفیہ کے یہاں مفتی بہ مذہب یہی رہے گا کہ ہر صورت

میں عورت شوہر اول کو ملے گی خواہ خلوت صحیحہ ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔[۱]

تنبیہ:- یہاں چند مسائل کا خیال رہے (۱) پہلے خاوند سے نہ تو تجدید نکاح کی ضرورت ہے اور نہ تجدید مہر کی کیونکہ جب نکاح بدستور باقی ہے تو دوبارہ مہر کیوں لازم ہوگا۔(۲) شوہر ثانی سے خلوت ہوچکی ہے تو اس کی عدت گزارے بغیر شوہر اول کے پاس نہیں جاسکتی اگر حاملہ ہے تو وضع حمل کے بعد ورنہ تین حیض گزار کر ہی جائے گی۔(۳) زمانۂ عدت شوہر اول کے یہاں گزارے گی مگر شوہر پر اس عورت سے الگ رہنا اور پوری احتیاط لازم ہوگی اور عدت میں جو تفصیل دوسرے مواقع میں ہے وہ یہاں بھی ہوگی۔(۴) خلوت صحیحہ ہونے کی وجہ سے شوہر ثانی پر مہر متعینہ دینا ضروری ہوگا اگر خلوت نہیں ہوئی تو پھر مہر بالکل نہیں ملے گا۔(۵) شوہر ثانی سے خلوت صحیحہ ہوچکی اور اس کے نتیجہ میں اولاد ہوگئی تو اس کا نسب دوسرے خاوند سے ثابت ہوگا۔[۲]

غائب غیر مفقود کی بیوی کا حکم

اس شوہر کے متعلق تفصیل گزری جو لاپتہ ہو۔یہاں سے ایسے شوہر کے متعلق حکم بیان کیا جارہا ہے جو غائب تو ہے مگر اسکا زندہ ہونا معلوم ہے البتہ پتہ معلوم نہیں یا پتہ بھی اس کا معلوم ہے کہ وہ فلاں جگہ ہے اور زندہ ہے لیکن نہ وہ خود آتا ہے اور نہ بیوی کو اپنے پاس بلاتا ہے نہ اس کے خرچ وغیرہ کا انتظام کرتا ہے اور نہ طلاق دیتا ہے جس کی وجہ سے عورت بہت تنگ اور پریشان حال ہے تو ایسی صورت حال میں عورت یا عورت کے رشتہ دار کو یہ حق ہے کہ وہ شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے اگر وہ طلاق دینے پر بھی تیار نہیں تو پھر عورت مہر معاف کر کے اس کو خلع پر راضی کرے اگر وہ سنگدل خلع پر بھی راضی نہ ہو تو پھر یہ عورت صبر

(۱) الحیلۃ الناجز للحیلۃ العاجز زیر عنوان واپسی مفقود کے لحکلم ۷۷ تا ۷۹
(۲) الحیلۃ الناجز للحیلۃ العاجزہ ۷۹۔۸۰

کر کے اپنی زندگی عفت کے ساتھ گزار سکے تو بہتر ہے اور اگر نان نفقہ کی کوئی صورت ممکن نہ ہونے کے ساتھ ابتلاء معیصت کا قوی اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں بدرجہ مجبوری مذہب مالکیہ پر حسب ذیل طریقے سے عمل کر کے رہائی حاصل کرے (الف) قاضی کے پاس مقدمہ پیش کر کے گواہوں اور حلف کے ذریعہ اس غائب کیساتھ اپنا نکاح ہونا ثابت کرے کہ فلاں شخص میرا شوہر ہے وہ یہاں سے مجھے نفقہ دیئے بغیر چلا گیا ہے اور میرے لئے نفقہ بھیجتا بھی نہیں ہے حالانکہ میں نے معاف بھی نہیں کیا ہے۔ (ب) نکاح اور وجوب نفقہ کے ثبوت کے بعد اگر کوئی عزیز قریب یا اجنبی اس کے نفقہ کی کفالت کرے تو خیر ورنہ قاضی اس شخص کے پاس حکم بھیجے کہ یا تو خود حاضر ہو کر اپنی بیوی کے حقوق ادا کر دیا اس کو اپنے پاس بلالو (بشرطیکہ عورت کے وہاں جانے میں کوئی خطرہ نہ ہو) یا وہیں سے انتظام کر دو ورنہ اس کو طلاق دیدو اگر تم نے ان باتوں میں سے کوئی بات نہ کی تو پھر ہم خود تم دونوں میں تفریق کر دیں گے۔

قاضی اس غائب کے پاس جو بھی حکم بھیجے بذریعہ ڈاک وغیرہ بھیجنا کافی نہیں بلکہ اس کی صورت یہ ہے کہ حکم نامہ دو ثقہ آدمیوں کو سنا کر ان کے حوالہ کر دے کہ اس کو غائب کے پاس لیجاؤ اور اس سے جواب طلب کرو دونوں شخص غائب کو حکم پہونچا کر اس سے جواب حاصل کر لیں اور جو کچھ جواب تحریری یا زبانی۔ نفی یا اثبات میں دے اس کو خوب محفوظ رکھیں (بلکہ زبانی جواب کو بھی احتیاطا لکھ لیں تا کہ اس پر شہادت دے سکیں) اگر غائب شخص کسی دور دراز ملک میں ایسی جگہ پر رہتا ہو۔ جہاں پوری جدوجہد اور امکانی کوشش کے باوجود بھی آدمی بھیجنے کا کوئی انتظام ممکن نہ ہو تو مجبوری کے وقت ڈاک کے ذریعہ حکم نامہ بھیجنا بھی کافی ہوگا۔

اس حکم نامہ کے ملنے پر اگر شوہر نے قاضی کے حکم کی تعمیل کرتے

ہوئے بیوی کے نفقہ کی ادائیگی شروع کردی یا رشتہ داروں یا غیر رشتہ داروں میں سے کسی نے عورت کے خرچ کی کفالت کرلی تو ٹھیک ہے ورنہ قاضی اب سے مزید ایک ماہ یا اپنی صوابدید پر کچھ زائد مدت اور انتظار کا حکم دے اس مدت میں بھی اگر شکایت رفع نہ ہوئی تو اس عورت کے دوبارہ مطالبہ تفریق پر تفریق کردے اور یہ تفریق طلاق رجعی قرار پائے گی۔

(نوٹ) تفریق کیلئے عورت کی طرف سے پھر مطالبہ شرط ہے لہٰذا مہلت کی مدت گزرنے یا اس غائب کا جواب آنے کے بعد اگر عورت مطالبہ ترک کردے تو تفریق نہیں کی جائے گی۔[1]

غائب غیر مفقود حکم بالطلاق کے بعد واپس آئے

اگر غیر مفقود قاضی کے حکم بالطلاق کے بعد آجائے تو اس کی دو صورتیں ہیں (۱) عدت کے اندر اندر آجائے اور باقاعدہ خرچ وغیرہ دینے پر آمادہ ہو جائے تو اس صورت میں اس کو رجعت کا حق ہے اگر رجعت کرلے گا تو بیوی اس کی طرف لوٹ آئے گی اور اگر رجعت نہ کرے تو عدت کے بعد عورت بائنہ ہو کر نکاح سے بالکل الگ ہو جائے گی (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ عدت ختم ہونے کے بعد واپس آیا ہو تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس نے عورت کے دعوے کے خلاف کوئی بات ثابت کردی مثلاً یہ کہ میں نے اس کو پیشگی خرچ دیدیا تھا یا یہ کہ وہاں سے بھیجتا رہتا تھا یا یہ کہ عورت نے نفقہ معاف کردیا تھا تب تو اس کو ہر حال میں عورت مل جائیگی اگرچہ خواہ وہ عورت عدت کے بعد نکاح ثانی بھی کرچکی ہو حتیٰ کہ اگر شوہر ثانی سے اولاد بھی ہوچکی ہو تب بھی شوہر اول ہی کا نکاح باقی سمجھا جائیگا اور شوہر ثانی کا نکاح اب باطل قرار دیا جائیگا اور اگر خاوند نے عورت کے دعویٰ کے خلاف کوئی بات ثابت نہ کی تو عورت اس کو نہ ملے گی کیونکہ عدت ختم

(۱) الحیلۃ الناجز للحیلۃ العاجزہ ۸۴، ۸۵ زیر عنوان حکم زوجہ غائب غیر مفقود

ہونے کے بعد رجعت کا حق نہیں رہتا۔ [1]

تنبیہ :- دوسری صورت کی پہلی شق میں جو شوہر اول کو عورت ملے گی اس کو نہ تجدید نکاح کی ضرورت ہے نہ تجدید مہر کی۔ البتہ شوہر ثانی سے خلوت صحیحہ ہو چکی ہو تو عدت واجب ہے عدت گزرنے سے قبل شوہر اول کیلئے جماع اور اس کے دواعی کا ارتکاب جائز نہیں اور شوہر ثانی کے ذمہ مہر واجب ہونے میں وہی تفصیل ہے جو مفقود کے بیان میں گزر چکی یعنی اگر اس سے خلوت صحیحہ ہو چکی ہے تو پورا مہر واجب ہوگا ورنہ بالکل ساقط ہو جائے گا۔ نیز احکام مفقود میں یہ بھی گزر چکا ہے کہ عدت شوہر اول کے مکان میں گزارے گی۔ [2]

متعنت، یعنی استطاعت کے باوجود شوہر نفقہ ادا نہ کرے

متعنت اصطلاح شرع میں اس شخص کو کہتے ہیں جو قدرت کے باوجود بیوی کے حقوق نان نفقہ وغیرہ ادا نہ کرے ایسے شخص کی ستم رسیدہ بیوی کا حکم بھی بوقت ضرورت شدیدہ اس کی رہائی کے لئے مذہب مالکیہ سے لیا گیا ہے کہ جب شوہر حقوق۔ نان۔ نفقہ وغیرہ ادا نہیں کرتا کئی سال سے بیوی کو معلق کر کے رکھا ہے تو ایسی صورت میں عورت یا اس کے رشتہ دار کو یہ حق ہے کہ وہ شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے اگر وہ طلاق دینے پر بھی تیار نہیں تو پھر عورت مہر معاف کر کے طلاق حاصل کرے (یعنی خلع کر لے) اگر اس میں بھی کامیابی نہ ہو۔ اور عورت کے نان نفقہ کا کوئی انتظام نہ ہونے کے ساتھ مبتلائے معصیت ہو جانے کا قوی اندیشہ ہو یا نان نفقہ کا انتظام تو ہو جائے مگر بغیر شوہر کے عزت و آبرو نہیں بچ سکتی تو ایسی سخت مجبوری کی حالت میں عورت اپنا مقدمہ قاضی شریعت یا مسلمان حاکم اور ان کے نہ ہونے کی صورت میں جماعت مسلمین کے سامنے پیش

(۱) الحیلۃ الناجز للحیلۃ العاجزہ ۸۵، ۸۶
(۲) الحیلۃ الناجز للحیلۃ العاجزہ ۸۶

کرے۔ قاضی یا حاکم یا شرعی پنچ جس کے پاس بھی معاملہ پیش ہو وہ معاملہ کی شرعی شہادت وغیرہ کے ذریعہ پوری تحقیق کرے اگر عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہو جائے کہ شوہر باوجود استطاعت کے خرچ نہیں دیتا تو قاضی یا حاکم یا شرعی پنچ شوہر کو حکم کرے کہ بیوی کے حقوق ادا کرو یا طلاق دیدو ورنہ ہم خود تفریق کر دیں گے اگر شوہر کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی یا جو شخص شرعاً اس کے قائم مقام ہو دونوں کے درمیان تفریق کر دے اور اس میں کسی مدت کے انتظار و مہلت کی ضرورت نہیں فوراً تفریق کرادی جائے گی اور یہ تفریق طلاق رجعی قرار پائے گی۔ ا

تفریق کے بعد اگر متعنت اپنی حرکت سے باز آجائے

متعنت اگر اپنی حرکت سے قاضی کی تفریق اور طلاق کے بعد باز آجائے تو وہ اپنی بیوی کو واپس لے سکتا ہے یا نہیں اس کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) اول یہ کہ عورت تفریق قاضی کے بعد اپنی عدت گزار چکی ہو تو پھر شوہر کا اختیار بالکل ختم ہو جائے گا کیونکہ عدت پوری ہونے کے بعد وہ بائنہ ہو چکی ہے۔ البتہ تراضی طرفین سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ شوہر انقضاء عدت سے پہلے پہلے اپنی حرکت سے باز آجائے اور نفقہ دینے پر آمادہ بھی ہو جائے تو اس سلسلے میں مالکیہ کے مذہب میں کوئی روایت نہیں ملتی اسلئے ارباب فتاویٰ نے دو احتمال نقل کئے ہیں اول یہ کہ اس تفریق کو طلاق رجعی قرار دیا جائے اور عدت کے اندر اندر رجعت کو صحیح مان لیا جائے۔ دوم یہ کہ طلاق بائنہ قرار دیا جائے اور رجعت کا حق خاوند کو نہ دیا جائے لیکن علامہ صالح نے احتمال اول کو راجح قرار دیا ہے حضرت تھانوی تحریر فرماتے ہیں کہ فتویٰ اسی پر ہے مگر احتیاطاً تجدید نکاح ہو جائے تو بہتر ہے۔

(نوٹ) جب عدت کے اندر رجعت صحیح ہو گئی تو عورت کیلئے دوسری

(۱) الحیلۃ الناجزہ للحیلۃ العاجزہ ۸۲۔ ۸۳ زیر عنوان حکم زوجہ متعنت

جگہ نکاح کرنا حرام ہے اور اسی مرد کے پاس رہنا ضروری ہے اس لئے عورت کو بھی لازم ہے کہ تجدید نکاح کرے اگر عورت اپنی بیوقوفی سے تجدید نکاح نہ کرے تو مرد کیلئے جائز ہے کہ بدون تجدید ہی رہے[1]

معسر، یعنی شوہر کا ادائیگی نفقہ سے عاجز ہونا

اگر شوہر کسی کوتاہی کے بغیر صرف مفلسی کیوجہ سے نفقہ زوجہ ادا کرنے سے قاصر ہو اور طلاق بھی نہ دیتا ہو جس کی وجہ سے بیوی بہت پریشان رہتی ہو تو اولاً شوہر کو خلع پر راضی کرنے کی کوشش کی جائے اگر وہ اس پر بھی راضی نہیں اور عورت خود بھی کسب معاش کی کوئی جائز صورت اختیار نہیں کر سکتی اور کوئی اس کے مصارف کا کفیل بھی نہیں بنتا تو مذہب مالکی کے مطابق عورت قاضی کی عدالت میں اپنا مقدمہ پیش کرے جب قاضی کو شرعی شہادت کی بناء پر عورت کا دعویٰ صحیح معلوم ہو تو قاضی اولاً شوہر کو کچھ مہلت دے کہ کچھ انتظام کر و اس کے بعد بھی عورت نفقہ سے محروم رہے اور شوہر کوئی انتظام نہ کر سکے اور قاضی محسوس کرلے کہ نفقہ سے محرومی عورت کو نقصان اور عسرت کی زندگی ہی نہیں بلکہ کسی فتنہ میں مبتلا کر سکتی ہے تو ایسی صورت میں قاضی عورت کے مطالبۂ تفریق پر نکاح کو فسخ کردے اور یہ فسخ طلاق رجعی قرار پائے گا اور عورت کو عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح کرنے کا اختیار ہو گا۔[2]

(۱) الحیلۃ الناجز للحیلۃ العاجزہ ۸۳

(۲) واما الجواب عن امرأۃ المعسر الذی لایجد ما ینفق علیہا ففی المدونۃ قال لنا مالک وکل من لم یقو علی نفقۃ امرأۃ فرق بینہما الخ وقد اختلف القائلون بالفسخ فی تاجیلہ بالنفقۃ فقال مالک یوجل شہرا او شہرین وقال الشافعی ثلثۃ ایام قال ان عرفۃ وطلقۃ بالمعسر بہا رجعیا اتفاقا وشہرا رجعیۃ یسرہ ینفقتہا فتصح الرجعۃ ان وجد فی العدۃ یسارا یقوم بواجب مثل الادونۃ فلا تصح الرجعۃ لان الطلقۃ التی اوقعہا الحاکم انما کانت لدفع الضرر عجزہ فلا تصح رجعتہ الا اذا زال وذلک بان یجد مالو قدر علیہ (فتاوی علیہ سعید بن صدیق الغلاتی مالکی بحوالہ الحیلۃ الناجزۃ ۱۴۱۔۱۴۲)

شوہر فسخ نکاح کے بعد نفقہ پر قادر ہو گیا

قاضی کے نکاح فسخ کرنے کے بعد اگر معسر شوہر اتنے نفقہ پر قادر ہو گیا جو عورت کا واجبی حق ہے تو کیا اس کی عورت اس کو ملے گی۔ تو اس کی دو صورتیں ہیں اول یہ کہ عدت کے اندر اندر اتنے نفقہ پر قادر ہو گیا کہ جس کا ادا کرنا شوہر پر واجب ہے تو شوہر رجعت کر سکتا ہے اور اگر بقدر وجوب نفقہ پر قادر نہ ہوا تو رجعت درست نہیں ہو گی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ عدت کے بعد نفقہ پر قادر ہوا ہے تو اب رجعت نہیں کر سکتا کیونکہ وہ عدت گزار کر بائنہ ہو چکی البتہ تراضی طرفین سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔[۲]

بیوی کو سخت مار پیٹ کرتے رہنا

خزینۃ الفقہ کی جلد اول میں تفصیل آچکی ہے کہ عورتوں کی چند غلطیوں پر بدرجہ مجبوری شوہر ان کو معمولی مار مار سکتا ہے مگر یہ فعل غیر شریفانہ ہے حدیث میں ہے (ولن یضرب خیارکم) کہ تم میں سے شریف لوگ اپنی بیویوں کو نہیں مارتے۔ لیکن جب عورت کی طرف سے کسی طرح کی کوئی کوتاہی نہ ہو اور پھر بھی شوہر بلا قصور اس کو مارتا ہے اور بلا کسی سبب کے ہر وقت اس کو شدید زدوکوب اور سب وشتم کرے جو عورت کیلئے انتہائی تحقیر اور اذیت کا باعث ہو حالانکہ حق

(۲) واما الجواب عن امرأة المعسر الذی لایجد ما ینفق علیها ففی المدونة قال لنا مالك وکل من لم یقو علی نفقة امرأة فرق بینهما الخ وقد اختلف القائلون بالفسخ فی تاجیله بالنفقة فقال مالك یوجل شهرا او شهرین وقال الشافعی ثلاثة ایام قال وان عرفة وطلقة بالمعسر بها رجعیا اتفاقا وشهرا رجعیة یسره ینفقتها فتصح الرجعة لن وجد فی العدة یسلرا یقوم بواجب مثل الادونة فلا تصح رجعة لان الطلقة التی اوقعها الحاکم انما کانت لدفع الضرر عجزه فلا تصح رجعته الا اذا زال وذلك بان یجد ملو قدر علیه (فتاوی علامه سعید بن صدیق الفلاتی مالکی بحواله الحیلة الناجزة ۱۴۱۔۱۴۲)

تعالیٰ نے (وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِتَعْتَدُوْا مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَه) فرمایا ہے پھر مار پیٹ اور گالی گلوج سے بڑھ کر اور کون سی چیز ضرر رساں ہو سکتی ہے بہر حال جب ایسی صورت حال پیدا ہو جائے تو شریعت نے عورتوں کو اجازت دی ہے کہ وہ شرعی قاضی یا حاکم کے پاس اپنا معاملہ پیش کر کے اس ضرر کا تدارک کریں اور ایسے ظالم شوہر سے گلو خلاصی کیلئے تفریق کا مطالبہ کریں۔ اور قاضی تحقیق حال کے بعد مناسب فیصلہ صادر کرے یا تو سمجھا بجھا کر رخصت کرے یا شوہر سے ضمانت و مچلکہ لیکر چھوڑ دے اگر اصلاح کی شکل سمجھ میں نہ آئے تو بیوی کے مطالبہ پر تفریق کر دے۔(۱)

زوجین میں اس قدر شدید اختلاف ہو کہ نباہ مشکل ہو

اوپر اس مسئلہ کا حل پیش کیا گیا ہے جس میں ظلم وزیادتی صرف ایک فریق۔ شوہر کی طرف سے ہو لیکن اگر زوجین میں سے ہر ایک دوسرے کی زیادتی کا دعویٰ کرے اور یہ الزام تراشی اور باہمی کشمکش ونزاع اس حد تک پہنچ جائے کہ حسن معاشرت کی گنجائش باقی نہ رہے اور رشتۂ نکاح کے مطلوب ثمرات وفوائد حاصل نہ ہو سکیں اور اس باہمی نزاع کو میاں بیوی خود نہ سلجھا سکیں تو اس وقت اللہ رب العزت نے قرآن میں اصلاح حال کا یہ حل بتلایا ہے کہ ایک منصف پنچ کی حیثیت سے مرد کی طرف سے اور ایک عورت کے رشتہ داروں میں سے کل دو حَکَم مقرر کیے جائیں جو عاقل بالغ ذی علم ویندار مسلمان ہوں جن میں جھگڑے سلجھانے اور فیصلہ کرنے کی صلاحیت موجود ہو یہ دونوں حکم نیک نیتی اور جذبۂ خیر خواہی سے اور بلا کسی غرض ومفاد کے صرف میاں بیوی کے درمیان صلح کرانے

---

(۱) ومذهب المالكية ان الزوج اذا كان يضار زوجته بالضرب ونحوه كالاكراه على فعل امر حرام كان لها ان ترفع امرها الى القاضي وكان لها ان تطلب من القاضي تأديبه وزجره ليكف اذاه عنها كما ان لها ان تطلب التطليق منه (الاحوال الشخصية ۴۰۷ بحواله كتاب الفسخ والتفريق للعلامة عبدالصمد الرحماني صفحه ۱۰۵)

میں سعی بلیغ وجہد پیہم کریں اس میں بھی کامیابی نہ ملے تو دونوں کو باہمی رضامندی سے علیحدہ ہو جانے کا حکم کریں اگر طلاق یا خلع وغیرہ کا کوئی حل نہ نکل سکے تو پھر ایسی حالت میں رشتۂ نکاح کو ان پر مسلط رکھنا بھی ظلم ہے ازدواجی تعلق کا ختم کردینا ہی زوجین اور ان کے رشتہ داروں کیلئے راحت وسلامتی کی راہ ہے اس لئے جب قاضی کے یہاں معاملہ پہنچ جائے تو قاضی تحقیق حال کے بعد زوجہ کے مطالبہ کی صورت میں تفریق کردے۔[1]

شوہر کا بیوی سے ترک جماع کرنا

جیسا کہ خزینۃ الفقہ کی جلد اول میں تفصیل سے آچکا ہے کہ شوہر پر بیوی کے خانگی حقوق روٹی، کپڑے وغیرہ کیساتھ اس کے جنسی حقوق کا پورا کرنا بھی واجب ہے لہٰذا اگر شوہر نفقہ وسکنی کی ادائیگی تو کرتا ہے مگر جماع سے احتراز کرتا ہے اس کو یوں ہی معلقہ بنا کر رکھا ہے جس کی وجہ سے عورت اپنی عفت وعصمت کے سلسلے میں خطرہ محسوس کرتی ہے تو ایسے شوہر کو طلاق یا خلع پر راضی کیا جائے اگر یہ بھی ممکن نہیں تو اپنا معاملہ قاضی کے یہاں درج کرے اور شوہر کے تعلق

---

(۱) وان خفتم شقاق بینهما فابعثوا حکما من اهله وحکما من اهلها ان یریدا اصلاحا یوفق الله بینهما (سورة النساء) روى البغوی بسنده من طریق الشافعیؒ عن عبیدة انه قال فی هذه الآیة انه جاء رجل وامرأة الی علی ابن ابی طالب ومع کل واحد منهما فئام من الناس فامرهم علی فبعثوا حکما من اهله وحکما من اهلها ثم قال للحکمین تدریان ما علیکما، علیکما ان رأیتما أن تجمعا، تجمعا وان رأیتما ان تفرقا، تفرقا قالت المرأة رضیت بکتاب الله بما علی فیه ولی قال الرجل اما الفرقة فلا فقال علی کذبت والله حتی تقر بمثل الذی اقرت به (تفسیر مظهری صفحه ۱۰۱ جلد۲) ویشترط فی الحکمین عندهم اربعة شروط وهی الذکورة والعدالة والرشد والعلم بما هما بسبیله فلا یجوز تحکیم النساء ولا الصبیان ولا العبید ولا المجانین ولا الکفار ولا الفسقة الفجرة ولا السفهاء ولا من لا علم عندهم باحکام النشوز والصلح ثم ان وجد حکمان من اهل الزوجین وامکن تحکیمهما وجب تحکیمهما ولم یجز للقاضی ان یبعث اجنبین ویندب کون الحکمین من جیران الزوجین ولا یشترط رضاء الزوجین بما یحکمان به (الاحوال الشخصیة صفحه ۴۰۷ بحواله الناجزة ۱۱۲ ماخوذ مجموعه قوانین اسلامی)

سے مذکورہ شکایت کا مرافعہ کرے قاضی تحقیق حال کے بعد لازمی طور سے شوہر کو حقوق زوجیت ادا کرنے پر مجبور کرے اور گناہ سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرے پھر بھی شکایت باقی رہے تو مذہب مالکی میں تفریق کے دیگر اسباب کے ساتھ ایک سبب ترک مجامعت بھی ہے اس لئے ترک جماع کی وجہ سے عورت کے مطالبۂ تفریق پر نکاح کو فسخ کرکے دوسرے نکاح کی اجازت دیدے۔[1]

عنین یعنی نامرد شوہر سے علیحدگی کا حکم

فقہاء کی اصطلاح میں عنین اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو عضو مخصوص کے باوجود عورت سے جماع کرنے پر قادر نہ ہو یہ حالت خواہ کسی مرض یا ضعف یا بڑھاپے یا کسی کے جادو کردینے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہو سب کا حکم یکساں اور برابر ہے اگر کوئی ایسا شخص ہو کہ بعض عورت سے جماع کرنے پر قادر ہے اور بعض سے نہیں تو جس سے ہم بستری پر قدرت نہیں رکھتا اس کے حق میں یہ شخص عنین سمجھا جائیگا بہر حال زوجۂ عنین کو چند شرائط کے ساتھ خاوند سے تفریق کرانے کا حق ہے (شرائط کی تفصیل آگے آرہی ہے)

تفریق کی صورت یہ ہے کہ عورت اپنا معاملہ قاضی کی عدالت میں پیش کرے قاضی واقعہ کی تحقیق اس طرح کرے کہ اولاً شوہر سے دریافت کرے اگر شوہر خود اقرار کرلے کہ بیشک میں اس عورت سے جماع پر قادر نہیں تو اس کو ایک سال کی مہلت علاج کیلئے دیدے۔ اور اگر شوہر اقرار نہ کرے بلکہ عورت کیساتھ جماع کا دعویٰ کرے تو پھر عورت کی دو حالتیں ہیں۔

پہلی حالت یہ ہے کہ عورت ثیبہ ہے اور اس کا ثیبہ ہونا تین طرح سے

---

(۱) واذا ثبت لها التطليق بذلك فخشية الزنا اولى لان الضرر ترك الوطأ اشد من ضرر عدم النفقة الاترى ان اسقاط النفقة يلزمها وان اسقطت حقها فى الوطأ فلها الرجوع فيه ولان النفقة يمكن تحصيلها بنحو تسلف وسوال بخلاف الوطا (فتاوى علامه سعيد ابن صديق فلاتى مالكى بحواله الحيلة الناجزة صفحه ۱٤۱)

معلوم ہوگا۔(۱) عورت بیوہ ہو یعنی شوہر اول سے اولاد ہو چکی ہو۔(۲) یا عورت خود اقرار کرے کہ ہاں میں ثیبہ ہوں (۳) عورت خود ثیوبت سے انکار کر کے باکرہ ہونے کی مدعی ہو تو قاضی دوسری عورتوں سے معائنہ کرائے ایک عادل تجربہ کار عورت کا معائنہ بھی کافی ہے مگر احتیاط یہ ہے کہ دو عادل عورتوں سے معائنہ کرائے۔ بہر حال تینوں صورتوں میں سے کسی ایک صورت سے بھی عورت کا ثیبہ ہونا ثابت ہو جائے تو شوہر کے جماع کا دعویٰ قسم کیساتھ معتبر مان کر عورت کو علیحدگی کا حق نہیں دیا جائیگا اور اگر مرد حلف سے انکار کرے تو عورت کے جماع سے انکار کا دعویٰ درست مان کر شوہر کو ایک سال علاج کیلئے مہلت دیدی جائے گی۔

عورت کی دوسری حالت یہ ہے کہ وہ باکرہ ہے۔ یعنی کسی طرح سے بھی اس کا ثیبہ ہونا ثابت نہ ہو سکا تو پھر شوہر کا دعوی غلط مان کر بغیر حلف لئے ہوئے شوہر کو ایک سال علاج کیلئے مہلت دیدی جائے گی اس ایک سال کی ابتداء حاکم کے مہلت دینے کے وقت سے ہوگی خواہ اس سے پہلے کتنی ہی مدت کیوں نہ گزر چکی ہو۔ بہر صورت مہلت کے بعد سال بھر کے عرصہ میں اگر شوہر کسی طرح علاج وغیرہ سے تندرست اور جماع پر قادر ہو گیا اور ایک مرتبہ بھی اس عورت کیساتھ جماع کرنا ثابت ہو گیا تو پھر عورت کو فسخ نکاح کا حق نہیں رہے گا بلکہ ہمیشہ کیلئے یہ حق باطل ہو جائے گا اور پھر کبھی بھی علیحدگی کا مطالبہ نہیں کرسکتی۔ اور اگر اس عرصہ میں ایک مرتبہ بھی جماع نہ کر سکا تو عورت کے دوبارہ درخواست دینے پر قاضی تحقیق کرے تحقیق کے بعد دو صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ شوہر نے اقرار کر لیا کہ بیشک میں قادر نہیں ہوا تب تو عورت کا دعویٰ بلا غبار صحیح ہو گیا اب قاضی عورت کو اختیار دیدے کہ اگر علیحدگی درکار ہے تو طلب کرو۔ ورنہ اپنے خاوند کیساتھ رہنے کو گوارہ کرو اس پر اگر وہ اسی مجلس میں علیحدگی چاہے تو خاوند سے طلاق دلوادی

جائے اور اگر وہ طلاق دینے سے انکار کرے تو قاضی خود تفریق کردے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ خاوند اقرار نہ کرے بلکہ جماع کا دعویٰ کرے تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ مہلت دینے کے وقت عورت کا کسی طرح ثیبہ ہونا ثابت ہو چکا تھا یا مہلت دیتے وقت باکرہ تھی مگر اب ایک سال کے بعد ثیبہ ہے اور وہ جماع سے انکار کرکے زوال بکارت کا کوئی اور سبب بتلاتی ہے تب تو خاوند سے حلف لیا جائے اگر وہ قسمیہ کہدے کہ میں نے اس عورت سے جماع کیا ہے تو مرد کا قول معتبر مان کر عورت کو تفریق کا حق نہیں ملے گا اور اگر شوہر نے اس وقت بھی حلف سے انکار کیا تو عورت کو طلب فرقت کا اختیار دیدیا جائے گا۔ دوم یہ کہ اگر مہلت دینے کے وقت معائنہ وغیرہ سے عورت کا باکرہ ہی ہونا ثابت ہوا تھا اب پھر دوبارہ معائنہ میں بھی باکرہ ہونے کی تصدیق ہوئی تو اب شوہر سے حلف لئے بغیر قاضی عورت کو اختیار دیدے کہ وہ اپنے خاوند کے نکاح میں رہے یا تفریق کا مطالبہ کرکے علیحدہ ہو جائے۔

جن صورتوں میں بھی قاضی عورت کو اختیار دے تو عورت اگر اسی مجلس میں تفریق چاہے تو تفریق ہو سکتی ہے ورنہ نہیں۔ پس اگر عورت نے اسی مجلس تخییر میں یہ کہدیا کہ میں اس شوہر سے علیحدہ ہونا چاہتی ہوں تو قاضی اس کے شوہر سے کہے کہ اس عورت کو طلاق دیدو اس پر اگر خاوند نے طلاق دیدی۔ تو طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی اور اگر وہ طلاق دینے سے انکار کردے تو قاضی خود تفریق کردے۔ مثلاً یوں کہدے کہ میں نے تجھ کو اس کے نکاح سے الگ کردیا۔ یہ تفریق بھی شرعاً طلاق بائنہ کے قائم مقام ہوگی۔[1]

شرائط تفریق

عورت کو اپنے عنین شوہر سے تفریق کرانے کا جو حق ہے وہ پانچ شرطوں

(۱) الحیلۃ الناجز للحیلۃ العاجزہ ۱۷۳ تا ۱۷۵ زیر عنوان زوجہ عنین کا حکم

کیساتھ مشروط ہے اگر یہ شرطیں نہ پائی گئیں تو حق تفریق حاصل نہ ہوگا۔
اول یہ کہ نکاح سے پہلے عورت کو اس شخص کے عنین ہونے کا علم نہ ہو پس اگر اس وقت علم تھا اور باوجود معلوم ہونے کے نکاح کرلیا تو اب اس کو تفریق کا حق نہیں مل سکتا۔
دوسری شرط یہ ہے کہ نکاح کے بعد ایک مرتبہ بھی اس عورت سے جماع نہ کرسکا ہو اگر ایک مرتبہ بھی جماع کرلیا اور پھر عنین ہوگیا تو عورت کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں ہوگا۔
تیسری شرط یہ ہے کہ جب سے عورت کو شوہر کے عنین ہونے کی خبر ہوئی ہے اس وقت سے اس نے اس کے ساتھ رہنے پر رضامندی کی تصریح نہ کی ہو مثلاً یہ نہ کہا ہو کہ جیسا بھی ہو اب تو میں اسی کیساتھ زندگی بسر کروں گی۔ کیونکہ اگر وہ اپنی رضامندی کی تصریح کرچکی ہو تو پھر اس کو مطالبۂ تفریق کا حق نہیں رہتا ہاں محض سکوت سے اس جگہ رضامندی نہیں سمجھی جائے گی۔
چوتھی شرط یہ ہے کہ جب سال بھر کی مدت گزرنے کے بعد قاضی عورت کو اختیار دیدے تو عورت اسی مجلس میں تفریق کو اختیار کرلے لہٰذا اگر اس مجلس میں اس نے اپنے خاوند کیساتھ رہنا پسند کرلیا یا اس قدر سکوت اختیار کیا کہ مجلس برخاست ہوگئی خواہ اس طرح کہ یہ عورت مجلس سے اٹھ گئی یا قاضی مجلس سے کھڑا ہوگیا تو اس کا اختیار باطل ہوجائے گا اب کسی طرح بھی تفریق نہیں ہوسکتی۔ نیز مجلس برخواست ہونے اور عورت کے اٹھ جانے کے علاوہ اور صورتیں بھی ایسی ہیں جن سے مجلس بدل جاتی ہے اور اختیار باطل ہوجاتا ہے مثلاً عورت کوئی دوسری گفتگو کرنے لگی یا نماز پڑھنے لگی وغیر ذلك مما یدل علی الاعراض اور تبدیل مجلس کی مزید تفصیل شامی باب تفویض الطلاق میں معلوم ہوسکتی ہے۔
پانچویں شرط یہ ہے کہ عنین کو سال بھر کی مہلت دینا اور سال گزرنے پر عورت کو اختیار دینا اور اس کے بعد بھی اگر خاوند طلاق سے انکار کرے تو تفریق

کردینا وغیرہ یہ سب امور بالا، قضاءِ قاضی کے محتاج ہیں بغیر حکم قاضی کے از خود عورت کو تفریق کا اختیار نہیں اور جہاں قاضی نہ ہو تو شرعی پنچایت کے ذریعہ تفریق ہوگی یا نہیں تو کسی عالم دین کے ذریعہ جس کو دونوں فریق حکم تسلیم کریں۔ (اس کی تفصیل انشاءاللہ آگے آئے گی)۔

(نوٹ) بوجہ خلوت صحیحہ عنین شوہر پر پورا مہر واجب ہو چکا تھا وہ تفریق کے بعد بھی ادا کرنا لازم ہوگا نیز عورت پر عدت بھی واجب ہوگی۔[1]

خصی مرد سے علیحدگی

وہ مرد جس نے خصی کروالیا کہ اس کا آلہ تناسل منتشر ہی نہیں ہوتا وہ بھی عنین ہی کے حکم میں ہے یعنی اسکو بھی ایک سال علاج کیلئے مہلت دینے کے بعد اگر جماع پر قادر نہ ہو سکا تو اس کی بیوی کے مقدمہ پیش کرنے پر قاضی تحقیق حال کے بعد عورت کو اختیار دیدیگا پھر عورت کے مطالبہ تفریق پر قاضی شوہر کو طلاق کیلئے حکم کرے گا شوہر کے طلاق سے انکار پر قاضی خود تفریق کردے گا۔[2]

مقطوع الذکر یا خلقۃً چھوٹے ذکر والے شوہر سے علیحدگی کا حکم

شوہر مقطوع الذکر ہے (یعنی جس کا عضو تناسل کٹ گیا خواہ تنہا یا مع الانثیین) جس کو اصطلاح میں مجبوب کہتے ہیں اور اسی طرح وہ شخص جس کا عضو مخصوص پیدائشی بہت چھوٹا ہے مثل نہ ہونے کے تو اس کو سال بھر کی مہلت دینے کی ضرورت نہیں بلکہ پہلی ہی درخواست پر قاضی مجبوب وغیرہ کی تحقیق کرکے عورت کو اختیار دیدیگا جیسا کہ عالم گیری میں ہے (ولو وجدت المرأۃ زوجها مجبوبا خيرها القاضي للحال لايؤجل)

---

(۱) الحیلة الناجز للحیلة العاجزہ ۱۷۵۔۱۷۶

(۲) والخصی الذی لاینتشر ذکرہ ملحق بالعنین (الحیلة الناجزہ للحیلة العاجز صفحہ ۶۰)

نیز۔اگر عورت دعویٰ کرے کہ میرا شوہر مجبوب وغیرہ ہے اور مرد اس کا انکار کرے اور بغیر معائنہ کے اس کا فیصلہ نہ ہو سکے تو معائنہ بھی جائز ہے پس قاضی کسی معتبر شخص کو کہدے کہ معائنہ کر کے بتلاؤ کہ عورت سچ کہتی ہے یا مرد۔[1]

مجنون، یعنی پاگل شوہر سے علیحدگی کا حکم

زوجہ مجنون کو بھی تفریق کرانے کا حق ہے مگر جنون کی حد جس سے تفریق کا حق حاصل ہوتا ہے حضرت امام محمدؒ سے مختلف طور سے منقول ہے مبسوط میں ہے (لاتطیق المقام معه) یعنی جنون اس درجہ ہو کہ اس کے ساتھ رہنا مشکل اور قدرت سے باہر ہو اور کتاب الآثار میں ہے (یخاف علیها قتله) یعنی اس کے ساتھ رہنے میں اندیشہ ہے کہ قتل کر بیٹھے۔ دونوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ جو مجنون ایذا پہنچایا کرتا ہو اس کے متعلق عادت غالبہ سے اکثر یہ بھی اندیشہ ہوتا ہے کہ شاید قتل کر بیٹھے خلاصہ یہ ہوا کہ جس مجنون سے ناقابل برداشت ایذاء پہنچتی ہو تو اس سے تفریق کا حق حاصل ہوگا۔

تفریق کی صورت

تفریق کی صورت یہ ہے کہ زوجہ مجنون قاضی کی عدالت میں درخواست دے اور خاوند کا خطرناک جنون ثابت کرے اس کے بعد قاضی واقعہ کی تحقیق کرے اگر صحیح ثابت ہو جائے تو مجنون کو مطلق ایک سال کی مہلت علاج کیلئے دیدے خواہ جنون مطبق ہو یا حادث ہر حال میں احتیاطاً یہی حکم ہے کیونکہ فقہ کی کتاب میں دونوں کا حکم واضح نہیں اس لئے بہر صورت ایک سال کی مہلت دیدی جائے گی ایک سال گزرنے کے بعد پھر عورت درخواست کرے اگر شوہر کا جنون اس وقت بھی باقی ہے تو عورت کو اختیار دیدیا جائے اس پر اگر عورت اسی مجلس میں فرقت طلب کرے تو قاضی تفریق کردے۔[2]

(۱) الحیلة الناجز للحیلة العاجزہ ۱۷۶ (۲) الحیلة الناجزہ للحیلة العاجزة ۱۷۷

شرائط تفریق

جو شرائط زوجۂ عنین کیلئے ہیں جن کی تفصیل گذر چکی ان میں سے اکثر شرائط زوجۂ مجنون کیلئے بھی ہیں جن کا اجمال یہ ہے (۱) نکاح سے پہلے عورت کو خاوند کے مجنون ہونے کا علم نہ ہو (۲) نکاح کے بعد علم ہونے پر رضامندی کا اظہار نہ کیا ہو (۳) مہلت کا سال گزرنے کے بعد جب دوبارہ درخواست پر قاضی عورت کو اختیار دیدے تو عورت اسی مجلس میں فرقت کو اختیار کرلے اگر مجلس برخاست ہوگئی یا عورت خود یا کسی کے اٹھانے سے کھڑی ہوگئی تو اختیار نہیں رہے گا (۴) جنون موجب للفسخ کا علم ہو جانے کے بعد اپنے اختیار سے عورت نے جماع یا دواعی جماع کا موقع نہ دیا ہو لہذا اگر مجنون نے بالجبر ہمبستری کرلی تو عورت کا اختیار ختم نہیں ہوگا۔ (۵) زوجۂ عنین کی طرح زوجۂ مجنون بھی اپنے خاوند سے علیحدہ ہونے میں خود مختار نہیں بلکہ قضاء قاضی شرط ہے جس جگہ قاضی نہ ہو تو وہاں شرعی پنچایت قائم مقام قاضی کے ہوگی۔

فائدہ:- مہر اور عدت کا حکم یہ ہے کہ اگر فسخ نکاح خلوت صحیحہ سے قبل ہوا ہے تب تو مہر بالکل ساقط ہو جائے گا اور عدت کی بھی ضرورت نہیں رہے گی اور اگر عیب جنون معلوم ہونے سے پہلے خلوت صحیحہ ہو چکی بعد ازاں علم جنون ہونے پر فسخ نکاح کی نوبت آئی ہے تو پورا مہر لازم ہوگا اور عدت بھی واجب ہوگی۔

(نوٹ) زوجۂ مجنون کا نکاح فسخ ہونے کے لئے جو شرائط مذکور ہوئے ہیں اگر کسی جگہ وہ شرائط موجود نہ ہوں تو جنون کی وجہ سے تو تفریق نہیں ہو سکتی لیکن اگر مجنون آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ رکھتا ہو اور نہ اس کو کسب معاش پر قدرت ہو اور زوجہ کیلئے نفقہ کی کوئی دوسری سبیل بھی نہیں تو ایسی صورت میں مفتی کے لئے عورت کے اضطرار کی پوری تحقیق ہو جانے اور چند علماء سے مشورہ کے بعد اس فتویٰ کی بھی گنجائش ہے کہ مذہب مالکیہ کی بناء پر عدم نفقہ کی وجہ سے قاضی یا اس

کے قائم مقام جو ہو وہ ان دونوں میں تفریق کردے اور یہ تفریق طلاق رجعی کے حکم میں ہوگی مگر اس کیلئے بھی یہ شرط ہے کہ عورت کو عقد نکاح سے قبل خاوند کے فقر و نادار ہونے کا علم نہ ہو ورنہ اگر ناداری کا علم ہوتے ہوئے عقد نکاح کیا گیا تو اب بوجہ عدم نفقہ کے بھی اس کو مطالبۂ تفریق کا حق نہ ہوگا۔[1]

شوہر کا جذام، برص یا اس جیسے کسی موذی مرض میں مبتلا ہونا

شوہر کے جذام، برص یا اس جیسے دیگر موذی امراض میں مبتلا ہونے کیوجہ سے عورت ساتھ رہنا نہیں چاہتی اور مرد طلاق یا خلع پر بھی راضی نہیں تو اس سلسلے میں حضرت امام محمدؒ نے تفریق کی اجازت دی ہے اور آج کل اسی پر فتویٰ بھی ہے لہٰذا عورت اپنا معاملہ قاضی شرعی کے پاس پیش کر کے تفریق کا مطالبہ کرے قاضی تحقیق حال اور ثبوت شرعی کے بعد شوہر کو ایک قمری سال تک علاج کیلئے مہلت دیگا اس کے بعد بھی افاقہ نہیں ہوا اور عورت نے دوبارہ تفریق کا مطالبہ کیا تو قاضی تفریق کرادیگا۔

لیکن اگر شوہر نکاح سے قبل ان امراض میں مبتلا تھا اور اس کا علم عورت اور اس کے اولیاء کو بھی تھا اس کے باوجود نکاح کیا تو اب اس کو تفریق کے مطالبہ کا حق حاصل نہ ہوگا۔[2]

مرد نے اپنی حالت کے بارے میں عورت کو دھوکا میں ڈالکر نکاح کیا

اگر کسی مرد نے اپنے عقیدہ کے صحیح ہونے یا اپنی مالی حالت یعنی مہر و نفقہ پر قدرت یا مرض قبیح جذام، برص وغیرہ سے صحت یا اپنے خاندان وغیرہ کے بارے

(۱) الحیلة الناجزة للحیلة العاجزه ۱۷۸ تا ۱۷۹

(۲) واذا کان بالزوج جنون او برص او جزام فلا خیار لها عند ابی حنیفة وابی یوسف وقال محمد لها الخیار دفعا للضرر عنها کما فی الجب والعنة (هدایة) قوله لها الخیار لانه تعذر علیها الوصول الی حقها لمعنی فیه فکان بمنزلة الجب والعنة فتخیر دفعا للضرر حیث لاطریق لها سواه (حاشیه هدایه صفحه ۴۲۲ جلد۲)

میں غلط بیانی کی۔ اور اس طرح لڑکی اور اس کے اولیاء کو دھوکا دیکر نکاح کیا یا یوں کہا کہ میں فلاں کا بیٹا ہوں لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ اس کا بیٹا نہیں بلکہ ولد الزنا ہے یا لقیط مجہول النسب ہے۔ تو ان صورتوں میں بھی لڑکی اور اس کے اولیاء کو نکاح فسخ کرانے کا اختیار ہے لہٰذا عورت اپنا معاملہ قاضی شرعی کے پاس پیش کر کے تفریق کا مطالبہ کر سکتی ہے قاضی اس بنیاد پر ثبوت شرعی کے بعد مرد کو طلاق کیلئے حکم کرے اگر وہ طلاق سے انکار کرے تو خود سے تفریق کر دے۔[1]

فساد نکاح کیوجہ سے تفریق

خزینۃ الفقہ جلد اول میں شرائط نکاح کے بیان میں گزر چکا ہے کہ شرائط نکاح نہ پائے جانے کی صورت میں نکاح فاسد ہو جاتا ہے اس صورت میں زوجین پر متارکت لازم ہے اگر دونوں خود سے علیحدہ نہ ہوں تو قاضی دونوں کے درمیان تفریق کر دیگا۔

متارکت کی صورت یہ ہے کہ زوجین میں سے کوئی دوسرے کے متعلق یوں کہے کہ میں نے اس کو چھوڑ دیا میں اس سے علیحدہ ہو گیا یا اس کے ہم معنی کوئی اور جملہ کہے پھر متارکت یا تفریق قاضی کے بعد عورت پر عدت لازم ہو گی بشرطیکہ وطی کر لی گئی ہو یہاں خلوت وطی کے قائم مقام نہیں ہو گی نیز عدت صرف فرقت اور طلاق کیوجہ سے ہو گی موت کیوجہ سے نہیں اور عدت کا شمار تفریق یا متارکت کے وقت سے ہو گا۔[2]

(۱) لو تزوجته علی انه حر او سنی او قادر علی المهر والنفقة فبان بخلافه او علی انه فلان ابن فلان فاذا هو لقیط او ابن زنا کان لها الخیار (درمختار علی هامش شامی صفحه ۱۷۶ جلده)

(۲) ویجب مهر المثل فی نکاح فاسد الخ ویثبت لکل واحد منهما فسخه ولو بغیر محضر عن صاحبه ودخل بها اولا فی الاصح خروجا عن المعصیة فلا ینافی بل یجب علی القاضی التفریق بینهما وتجب العدة بعد الوط لا الخلوة للطلاق لا للموت من وقت التفریق او متارکة الزوج (درمختار) المتارکة فی الفاسد بعد الدخول لاتکون الا بالقول کخلیت سبیلک او ترکتک (شامی صفحه ۲۷٤ تا ۲۷۷ جلد٤)

تفریق بسبب حرمت مصاہرت

خزینۃ الفقہ باب المحرمات میں تفصیل سے حوالہ کے ساتھ یہ مسئلہ آچکا ہے کہ کچھ ایسے ناجائز اسباب ہیں جن کی وجہ سے رشتۂ نکاح ختم ہوکر زوجین کے مابین حرمت مؤبدہ ثابت ہو جاتی ہے لہٰذا وہاں ایک نظر دیکھ لیا جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب عورت نے یہ دعویٰ کیا کہ شوہر کے اصول مثلاً باپ، دادا وغیرہ یا اس کے فروع مثلاً بیٹا پوتا وغیرہ میں سے کسی نے اس سے زنا کیا ہے یا اسے شہوت کیساتھ مس کیا ہے یا فرج داخل کی طرف بشہوت دیکھا ہے۔ یا شوہر نے میرے اصول مؤنث مثلاً میری ماں یا دادی یا میرے فروع مؤنث بیٹی پوتی وغیرہ میں سے کسی کیساتھ زنا کیا ہے یا ان میں سے کسی کو شہوت کیساتھ چھوا ہے یا فرج داخل کی طرف شہوت کیساتھ دیکھا ہے اور شوہر نے بیوی کے اس بیان کی تصدیق کردی۔ یا شوہر کے انکار کی صورت میں قاضی کے پاس اپنا معاملہ گواہوں کے ذریعہ ثابت کردیا تو میاں بیوی کے درمیان ہمیشہ ہمیش کیلئے حرمت ثابت ہو جائے گی اب شوہر کی ذمہ داری ہے کہ وہ بیوی سے متارکت کے الفاظ مثلاً میں نے تمہیں چھوڑ دیا یا میں تم سے علیحدہ ہو گیا وغیرہ کہہ کر اس کو الگ کردے۔ اگر شوہر اپنی تصدیق یا بیوی کے اپنے دعویٰ پر بینہ قائم کرنے کے باوجود متارکت سے گریز کرے تو قاضی نیابۃً عن الزوج تفریق کردیگا اور یہ تفریق ظاہراً وباطناً دونوں طرح سے نافذ ہوگی۔

اور اگر بیوی کے دعویٰ کو شوہر نے تسلیم نہیں کیا اور عورت گواہوں کے ذریعہ اس کو ثابت بھی نہیں کرسکی تو خاوند سے حلف لیا جائے گا اگر اس نے حلف لے لیا تو مقدمہ خارج کردیا جائیگا اور عورت کو شوہر کے پاس رہنے کا حکم کردیا جائے گا اور اگر شوہر حلف سے انکار کرے تو تفریق کردی جائے گی۔

تنبیہ:- اگر خاوند کو غالب گمان ہو کہ ایسا واقعہ ضرور ہوا ہے جس سے حرمت مصاہرت متحقق ہوگئی تو پھر اس کا انکار کرنا حرام ہے اگر اس نے جھوٹا حلف

لیا اور قاضی نے فیصلہ کر دیا تو اس سے بیوی حلال نہیں ہو گی نیز اسی طرح عورت اس بات کو جانتی ہے کہ میرا نکاح ٹوٹ گیا مگر شہادت معتبرہ پیش نہیں کر سکی اور شوہر نے حلف بھی اٹھالیا جس کی وجہ سے قاضی نے مقدمہ خارج کر دیا تو اس عورت کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے اختیار سے شوہر کو اپنے نفس پر قدرت دے بلکہ خلع وغیرہ کے ذریعہ اس مرد سے چھٹکارے کا کوئی راستہ اختیار کرے اگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہو تو جب تک اپنا بس چلے شوہر کو پاس نہ آنے دے مگر جب تک خاوند متارکت نہ کرے یا قاضی تفریق نہ کر دے اس وقت تک دوسری جگہ بھی اس عورت کا نکاح درست نہیں ہو سکتا۔[1]

حرمت مصاہرت ثابت ہونے کی شرائط

تقبیل اور مس یا شہوت سے حرمت ثابت ہونے کے لئے چند شرائط ہیں ان کے بغیر حرمت ثابت نہیں ہو گی۔ (۱) مرد و عورت دونوں قابل شہوت ہوں یعنی مرد کم از کم بارہ سال کا اور عورت نو سال کی ہو۔ (۲) چھونا اور اندرون شرمگاہ کو دیکھنا قصداً ضروری نہیں بلکہ سہواً، نسیاناً، خطاءً، جہالۃً کسی طرح سے بھی مس بشہوت یا داخل فرج کی طرف نظر بشہوت کافی ہے (۳) مس اور فرج داخل کو دیکھنا، شہوت کیساتھ شرط ہے لہٰذا اگر چھونے یا دیکھنے کے وقت شہوت نہیں تھی بلکہ بعد میں پیدا ہوئی تو حرمت ثابت نہیں ہو گی۔ (۴) مس اور تقبیل سے ثبوت حرمت کے لئے دونوں میں شہوت کا ہونا ضروری نہیں عورت یا مرد کسی ایک میں شہوت کا پایا جانا کافی ہے۔ (۵) اندرون فرج اور آلہ تناسل کے دیکھنے میں شہوت دیکھنے والے میں شرط ہے صرف دوسری طرف سے شہوت کا ہونا موجب حرمت نہیں۔ (۶) بیوی کا دعوی بذریعہ شہادت مسموع ہونے کی تفصیل یہ ہے کہ صرف ہونٹ یا رخسار کا بوسہ لینے یا شرمگاہ یا عضو مخصوص یا پستان کے چھونے کی شہادت

(۱) مستفاد الحیلۃ الناجزۃ للحلیۃ العاجزۃ صفحہ ۹۲ تا ۹۷ زیر عنوان حرمت مصاہرت

معتبر ہو جائیگی شہوت کا انکار مسموع نہ ہوگا بلکہ تفریق کردی جائے گی اس کے برخلاف سر یا پیشانی اور باقی بدن کے چھونے میں اس بات پر شہادت ضروری ہوگی کہ یہ فعل شہوت کیساتھ ہوا ہے گواہوں کو اس کا علم انتشار آلہ یا دیگر قرائن سے ہوا ہے ورنہ شہوت کو چھوڑ کر صرف اس فعل پر گواہی دینا کالعدم قرار دیا جائے گا البتہ خاوند سے حلف لیا جائے گا کہ یہ فعل شہوت سے تھا یا نہیں اگر اس نے حلف لے لیا تو قاضی تفریق نہیں کریگا ورنہ تفریق کردی جائیگی۔ (۷) بوسہ اور مس یا شہوت سے حرمت مصاہرت ثابت ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ بیچ میں کوئی کپڑا حائل نہ ہو جو بدن کی گرمی محسوس ہونے کو روک دے اگر کسی نے ایسے موٹے کپڑے کے اوپر سے بوسہ لیا یا مس بالشہوت کیا جس سے بدن کی حرارت محسوس نہ ہوتی ہو تو حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ (۸) حرمت ثابت ہونے کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ مس یا تقبیل یا نظر بالشہوت سے انزال نہ ہوا ہو اگر انزال ہو گیا تو حرمت ثابت نہیں ہوگی کیونکہ یہ چیزیں جماع کا سبب نہیں ہوئیں۔[1]

غیر کفو میں نکاح کیوجہ سے تفریق

غیر کفو میں نکاح کی کل سات صورتیں ہیں ہر ایک کا حکم علیحدہ ہے خزینۃ الفقہ جلد اول باب کفائت میں تمام مسائل آچکے ہیں ایک نظر دیکھ لیا جائے تاہم خلاصہ کے طور پر یہاں بھی ذکر کردیا جاتا ہے وہ یہ کہ دو صورتوں میں تو نکاح منعقد ہو کر لازم رہے گا تفریق کا حق نہیں ہوگا۔ اس کے بعد دو صورتوں میں نکاح بالکل صحیح اور منعقد ہی نہیں ہوگا اور بعد کی تین صورتوں میں فسخ اور تفریق کا حق ہوگا وہ صورتیں مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح پہلے اور دوسرے درجہ کے ولی یعنی باپ یا دادا نے کیا جس میں ولایت اجبار کے تمام شرائط موجود ہوں یعنی باپ یا دادا نے

(۱) خلاصہ در مختار مع الشامی ۱۰۷ تا ۱۱۰ جلد ۴)

ہوش حواس کی حالت میں نابالغ اولاد کا نکاح ان کی خیر خواہی، اور مصالح و بھلائی کے پیش نظر غیر کفو میں کر دیا۔ (۲) بالغ لڑکے نے خود سے غیر کفو میں نکاح کیا تو ان دونوں صورتوں میں نکاح منعقد ہو کر لازم رہے گا فسخ کا اختیار نہ ہوگا۔ (۳) باپ دادا کے علاوہ کسی دوسرے ولی نے نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح غیر کفو میں کیا۔ (۴) باپ دادا نے ہی نابالغ اولاد کا نکاح غیر کفو میں کیا مگر باپ دادا کے اندر ولایت اجبار مفقود تھی مثلاً بے غیرت یا لاپرواہی یا کسی لالچ میں یا نشہ کی حالت میں ایسے گھرانے میں نکاح کر دیا جو معاشرہ میں اسکا ہم پلہ نہ تھا تو ان دونوں صورتوں میں نکاح بالکل منعقد ہی نہ ہوگا۔ (۵) بالغہ نے اپنا نکاح خود سے ولی کی رضامندی کے بغیر غیر کفو میں کر لیا تو ولی عصبہ کو اس صورت میں حق تفریق حاصل ہوگا۔ (۶) بالغہ اور ولی دونوں نے کفائت کی شرط پر نکاح کیا یا شوہر کی بات پر اعتماد کرتے ہوئے کفو سمجھ کر نکاح کیا مگر بعد میں معلوم ہوا کہ لڑکا کفو میں نہیں ہے تو اس صورت میں ولی اور بالغہ کو قاضی کے ذریعہ تفریق کا حق ہوگا۔ (۷) باپ دادا نے بالغ اولاد کا نکاح کفائت کی شرط پر کیا یا کفائت کے سلسلے میں فریق ثانی کے بیان پر اعتماد کر کے کیا لیکن بعد میں اس کے خلاف ظاہر ہوا تو عدم کفائت کی بنیاد پر باپ دادا کو بذریعہ قضاء قاضی تفریق کا حق حاصل ہوگا۔ بلکہ نابالغ لڑکا اور لڑکی بالغ ہو چکے اور اس کے بالغ ہونے سے قبل باپ دادا نے حقیقت ظاہر ہونے کے بعد بھی نکاح کو منظور نہ کیا تو اب اولاد کو بھی عدم کفائت کی بنیاد پر بذریعہ قضاء قاضی حق تفریق حاصل ہوگا اور باپ دادا کو بھی حق رہے گا بلوغ کے بعد لڑکا لڑکی یا باپ دادا کوئی بھی نکاح کو فسخ کرا سکتا ہے اگرچہ دوسرا ابقاء نکاح پر رضامند ہو جائے۔[1]

(نوٹ) عدم کفائت کی بنیاد پر تفریق کا حق اس وقت تک حاصل ہوگا

(۱) الحیلة الناجز للحیلة العاجزہ ۱۰۴ تا ۱۰۸ زیر عنوان خیلر کفائت

جب تک کہ اس شوہر سے اولاد نہ ہوئی ہو یا اس سے حمل ظاہر نہ ہوا ہو۔(۱)

بالغ ہونے کے بعد اختیار فسخ کی صورتیں

جیسا کہ گزر چکا کہ اگر نابالغ اولاد کا نکاح باپ دادا نے کیا تو بہر صورت نکاح منعقد ہوگا فسخ کا اختیار کفو یا غیر کفو میں رضامندی کی تصریح کے بعد نہیں ہوگا اور اگر باپ دادا کے علاوہ ولی نے غیر کفو میں نکاح کیا تو نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا۔ ہاں اگر باپ دادا کے علاوہ ولی نے کفو اور مہر مثل پر نکاح کیا تو نابالغ اولاد کو بالغ ہونے کے بعد فسخ نکاح کا اختیار رہتا ہے جس کی تین صورتیں ہیں (۱) لڑکی کو اپنے نکاح کی خبر پہلے سے ہے اور شوہر نے ابھی اس سے وطی بھی نہیں کی ہے تو بالغ ہوتے ہی اپنی ناراضگی اور ناپسندیدگی کا اظہار اسی مجلس میں اسی وقت کر دے کہ میں اس نکاح کو ناپسند کرتی ہوں اگرچہ تنہائی میں ہو اور اگر اس نے بلوغ کے بعد ایک لمحہ بھی توقف کیا تو اختیار ختم ہو جائے گا مگر ناراضگی کے اظہار کے بعد بھی قضاء قاضی ضروری ہے (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو پہلے سے اپنے نکاح کی خبر نہیں تھی تو جوان ہونے کے بعد جس وقت نکاح کی خبر ملے فوراً اسی وقت اسی مجلس میں انکار کر دے اگر ایک لمحہ بھی توقف کرے گی تو اختیار ختم ہو جائے گا۔ (۳) تیسری صورت یہ ہے کہ اگر جوان ہونے سے قبل لڑکی کے شوہر نے اس سے صحبت کر لی تو فوراً بالغ ہوتے ہی یا خبر نہ ہونے کی صورت میں خبر پاتے ہی انکار کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ جب تک اس کی رضامندی کا حال معلوم نہ ہو جائے تب تک نکاح میں رہنے اور نہ رہنے کا اختیار باقی رہے گا خواہ کتنا ہی زمانہ کیوں نہ گزر جائے ہاں جب اس نے صاف زبان سے منظور کر لیا کہ میں نکاح میں رہنا چاہتی ہوں یا کوئی ایسی بات پائی گئی جس سے رضامندی ثابت ہو جاتی ہے جیسے اپنے شوہر کیساتھ میاں بیوی کی

(۱) وله اي للمولى اذا كان عصبة... الاعتراض في غير الكفء فيفسخه القاضي ويتجدد بتجدد النكاح مالم يسكت حتى تلد منه لئلا يضيع الولد وينبغي الحاق الحبل الظاهر به (درمختار على هامش شامي صفحه ۱۵۵ تا ۱۵۶ جلد ۴)

طرح خلوت صحیحہ کرلیا تو پھر اختیار جاتا رہے گا اور نکاح لازم ہو جائے گا۔[1]

مہر میں غیر معمولی کمی کیوجہ سے فسخ نکاح

بالغہ نے بغیر ولی کی اجازت کے اپنا نکاح اگرچہ کفو میں کیا ہو مگر مہر مثل سے بہت کم مہر مقرر کیا تو نکاح صحیح تو ہو جائے گا مگر ولی عصبہ کو یہ حق ہو گا کہ وہ شوہر سے مہر مثل مکمل کرائے اگر شوہر نے پورا کر دیا تو اعتراض کا حق ختم ہو جائے گا اور اگر وہ مہر مثل کے برابر مہر دینے سے گریز کرے تو ولی کو حق ہے کہ قاضی کے پاس معاملہ پیش کر کے نکاح کو فسخ کرادے۔[2]

احد الزوجین کے ارتداد یا قبول اسلام سے فسخ نکاح

الحیلۃ الناجزہ میں اس مسئلے کی مفصل بحث موجود ہے قدرے تفصیل کیساتھ خزینۃ الفقہ جلد اول کے اخیر میں بھی کچھ مسائل آچکے ہیں یہاں بھی خلاصہ یہ ہے کہ غیر مسلم میاں بیوی اگر ایک ساتھ ایمان قبول کرلیں تو نکاح باقی رہے گا بشرطیکہ زوجین کے مابین محرمیت کا رشتہ نہ ہو۔ صرف بیوی ایمان قبول کرے تو شوہر پر اسلام پیش کیا جائے گا۔ قبول کرلے، تو نکاح باقی رہے گا ورنہ تفریق کر دی جائے گی۔ اسی طرح (نعوذ باللہ) میاں بیوی دونوں مرتد ہو کر پھر ایک ساتھ اسلام قبول کرلیں تو ان کا نکاح باقی رہے گا۔ اگر زوجین میں سے کوئی ایک مرتد ہو جائے تو ان کا نکاح خود بخود ختم ہو جاتا ہے اگر پھر دوبارہ اسلام قبول کرلے تو تجدید نکاح کے بغیر ساتھ نہیں رہ سکتے لیکن اگر عورت خاوند سے پریشان ہو کر نکاح توڑنے یا کسی

---

(۱) وان کان المزوج غیرھما ای غیر الاب وابیہ... لا یصح النکاح من غیر کفء او بغبن فاحش أصلا.. وان کان من کفء وبمھر المثل صح ولکن لھما ای لصغیر وصغیرۃ ملحق بھما خیار الفسخ ولو بعد الدخول بالبلوغ او العلم بالنکاح بعدہ... بشرط القضاء (درمختار علی ھامش شامی ۱۷۳ تا ۱۷۶ جلد۴) (۲) عما لو تزوجت بدون مھر المثل فقد علمت ان للولی الاعتراض ایضا والظاھر انہ لاخلاف فی صحۃ العقد الخ فلذا قالوا لہ الاعتراض حتی یتم مھر المثل او یفرق القاضی فاذا اتم المھر زال سبب الاعتراض (شامی ۱۵۶ تا ۱۵۷ جلد۴)

اور مقصد کیلئے مرتد ہوئی تو ایسی عورت کو جبراً مسلمان کر کے شوہر اول ہی سے کم مہر پر دوبارہ نکاح کرا دیا جائے بشرطیکہ شوہر اس کا طالب ہو۔ اور اگر شوہر خاموش ہے یا صراحۃً چھوڑ رکھا ہے تو پھر عورت دوسرے مرد سے نکاح کر سکتی ہے۔[1]

فرقت کی وہ صورتیں جن میں قضاء قاضی شرط نہیں

طلاق کے علاوہ بہت سی صورتیں ایسی ہیں کہ جن سے خود بخود نکاح ختم ہو جاتا ہے قضاء قاضی ان کے لئے ضروری نہیں ہے (۱) مصاہرت کیوجہ سے جو حرمت ثابت ہوتی ہے اس میں قضاء قاضی کے بغیر شوہر کا متارکت کر لینا نکاح کے ختم ہونے کے لئے کافی ہے (۲) نکاح فاسد ہونے کی صورت میں زوجین میں سے کوئی متارکت کر لے (۳) کسی نے اپنی بیوی سے ایلاء کیا اور مدت ایلاء کے اندر رجوع نہیں کیا تو خود بخود نکاح ختم ہو جاتا ہے (۴) ارتداد کیوجہ سے خود بخود نکاح ختم ہو جاتا ہے قضاء قاضی شرط نہیں۔

فرقت کی وہ صورتیں جن میں قضاء قاضی شرط ہے

مذکورہ چار صورتوں کے علاوہ تفریق کے تمام مسائل میں قضاء قاضی شرط ہے۔ ہندوستان کی بعض ریاستوں اور بیرون ہند کے وہ ممالک جہاں شرعی قاضی موجود ہیں وہاں تو معاملہ سہل ہے اور جہاں شرعی قاضی موجود نہیں تو وہاں حاکم شرعی کو اس کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے اگر حاکم شرعی بھی نہیں تو شرعی پنچایت میں معاملہ پیش کرنے کی گنجائش ہے اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو کسی عالم دین کو فریقین حکم تسلیم کر لیں تو وہ بھی نکاح کو فسخ کر سکتا ہے اگر ایک فریق حکم تسلیم کرے اور دوسرا فریق اس کا انکار کرے تو اس عالم کا کیا ہوا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا دونوں فریق کا متفق ہونا ضروری ہے۔[2]

(۱) مستفاد الحیلۃ الناجزۃ ۱۱۵ تا ۱۲۳ (۲) وفی الفتح واذا لم یکن سلطان ولا من یجوز التقلد منہ کما ہو فی بعض بلاد المسلمین غلب علیہم الکفار کقرطبۃ الآن یجب علی المسلمین ان یتفقوا علی واحد منہم یجعلونہ والیا فیولی قاضیا ویکون ہو الذی یقضی بینہم وکذا ینصبوا اماما یصلی بہم الجمعۃ (شامی ۴۳ جلد ۸ کتاب القضاء)

اہلیت قضاء کیلئے ضروری صفات

منصب قضاء پر فائز ہونے کے لئے قاضی کے اندر چند صفات کا پایا جانا ضروری ہے مثلاً قاضی کا عاقل، بالغ، مسلمان، آزاد اور بینا ہونا شرط ہے اسی طرح بولنے والا ہو گونگا نہ ہو، سننے والا ہو بالکل بہرا نہ ہو، حد قذف میں سزا یافتہ نہ ہو، صاحب علم وفضل ہو حلال وحرام اور دیگر ضروری احکام پر اس کی نگاہ ہو، کتاب وسنت اور طریقہ اجتہاد سے واقف ہو، جس ملک یا علاقہ کیلئے قاضی مقرر کیا گیا ہو وہاں کی زبان ومحاورات سے آشنا ہو، علمائے دین سے مشورہ لینے میں عار محسوس نہ کرتا ہو، سچا، دیانت دار عفیف، گناہوں سے بچنے والا، مقام تہمت اور شبہات سے دور رہنے والا، رضا وغضب ہر حال میں خدا کی نافرمانی سے محفوظ اور صاحب مروت ہو، نیز محل تہمت سے بچنے والا لالچ سے پاک، ذہین وفطین ہو۔ مزاج میں عجلت نہ ہو، اپنے دین کے معاملہ میں محتاط اور قابل اعتماد ہو، اہل معاملہ کی چالوں پر نگاہ رکھنے والا، جعل سازی سے دھوکا نہ کھانے والا اور صاحب ہیبت وو قار ہو، ایسا سنجیدہ ہو جس کی سنجیدگی میں غضب اور کبر کی ملاوٹ نہ ہو، ایسا متواضع اور منکسر المزاج جس کی تواضع میں کمزوری کا دخل نہ ہو اللہ کی رضا کے مقابلہ میں کسی کی رضا کی اور اس کی ناراضگی کے مقابلہ میں مخلوق کی ناراضی اور اس کی ملامت کی پروانہ کرتا ہو، کردار کا مضبوط، دانش مند، سمجھ دار اور صالح ہو۔[1]

حاکم شرعی

جہاں قاضی شرعی موجود نہیں وہاں حاکم جج مجسٹریٹ وغیرہ کو اس قسم کے معاملات میں اختیار رہتا ہے مگر اس کے لئے چند شرائط ہیں (۱) اول یہ کہ وہ مسلمان ہو جو گورنمنٹ کی طرف سے متعین ہو کافر حاکم کا فیصلہ مسلمانوں پر نافذ

(۱) ملخص وماخوذ اسلامی عدالت صفحه ۱۸۴ تا ۱۹۸ جلد اول مولفه قاضی مجاهد الاسلام قاسمیؒ

نہیں ہو گا لقولہ تعالیٰ (ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا) یعنی اللہ تعالیٰ نے کافروں کیلئے اہل ایمان پر کوئی راہ نہیں رکھی ہے، کیونکہ قانون شریعت کا مسلمہ اصول ہے کہ اس قانون کے مطابق فیصلہ وہی شخص کر سکتا ہے جو خود بھی اس قانون کو تسلیم کرے (۲) دوسری شرط یہ ہے کہ حاکم کے اندر اسلامی قانون کا اتنا علم اور اتنی فہم ہو کہ وہ معاملات میں ہر مقدمہ کے مخصوص حالات کو سمجھ کر اسلامی قانون کے مطابق قانون کی صحیح تعبیر مقدمہ پر کر سکے اس کیلئے فقیہانہ بصیرت ضروری ہے لہٰذا اگر روداد مقدمہ غیر مسلم مرتب کرے اور مسلمان حاکم فیصلہ کرے یا بالعکس تب بھی فیصلہ نافذ نہ ہو گا اسی طرح عنین وغیرہ کو مہلت تو مسلمان حاکم نے دی ہو لیکن تفریق سے قبل دوسرا غیر مسلم حاکم آگیا اور اس نے تفریق کر دی یا بالعکس تو وہ تفریق صحیح نہیں ہو گی کیونکہ فیصلہ کیلئے اہلیت قضاء شرط ہے اور نااہل کا فیصلہ غیر معتبر ہے اسی طرح نااہل کے سامنے شہادت بھی ناکافی ہے۔[1]

کورٹ کا فیصلہ اور تفریق

کورٹ کا فیصلہ اگر شرعی قوانین کے مطابق ہو تو نافذ ہو کر نکاح فسخ ہو سکتا ہے۔ شرعی قانون اور ضابطہ یہ ہے کہ حاکم جج مسلمان ہو اور اسلامی قانون کا علم و فہم رکھتا ہو اور مقدمہ کی پوری تحقیق دونوں فریق سے کرتا ہو یعنی اگر عورت نے مقدمہ دائر کیا تو شوہر کو بھی عدالت میں بلوائے اور اس سے عورت کے الزامات کا جواب طلب کرے اگر شوہر ان الزاموں سے انکار کر دیتا ہے تو پھر عورت سے گواہ طلب کئے جائیں اگر عورت گواہ پیش نہ کر سکے تو پھر شوہر سے قسم لی جائے اگر شوہر حلفیہ طور سے عورت کے الزام اور دعوی کو غلط قرار دیدے تو عورت کا دعوی خارج کر دیا جائے۔ اور اگر عورت گواہ پیش کر دے تو عدالت شوہر کو حقوق زوجیت ادا کرنے کی تاکید کرے۔ مگر ان سب کے باوجود اگر عدالت فیصلہ کرتے ہوئے اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ ان دونوں کا یکجا رہنا ممکن نہیں تو شوہر کو طلاق

(۱) مستفاد الحیلۃ الناجزۃ صفحہ ۴۵

دینے کا حکم کرے اگر شوہر طلاق دینے پر آمادہ نہیں اور نہ حقوق واجبہ ادا کرتا ہے اور نہ حقوق ادا کرنے کی صلاحیت ہے جیسے عنین، اور معسر، تو پھر حاکم فسخ نکاح کا فیصلہ کرے۔ مگر یہ باتیں ہندوستانی کورٹ میں مفقود ہیں اولاً تو حاکم جج مسلمان نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ قانون شرعیہ کے خلاف صرف عورت کی شکایت پر بغیر شوہر کے بلائے نکاح ختم کر کے عورت کو نکاح ثانی کی اجازت دیدیتا ہے۔ اسلئے یہ حاکم حاکم شرعی نہیں اور یہ عدالت عدالت شرعی نہیں حاکم اگر مسلمان ہو تو بھی اس کو حاکم شرعی نہیں مانا جائے گا اور اس کے کئے ہوئے فیصلہ سے نکاح فسخ نہیں ہوگا عورت بدستور شوہر کے نکاح میں باقی رہے گی۔[1]

شرعی پنچایت

حاکم شرعی کے بھی نہ ہونے کی صورت میں معاملہ کو شرعی پنچ کے حوالہ کرنے کی گنجائش ہے شرعی پنچ کے سب ارکان مسلمان اور اہل علم ہوں اور کم از کم تین ہوں۔ عوام کی پنچایت کا کچھ اعتبار نہیں معلوم نہیں کہاں قواعد شرعیہ کے خلاف کر بیٹھیں اگر یہ میسر نہ ہو تو پنچ میں ایک معاملہ شناس عالم جو شہادت اور قضاء کے احکام میں ماہر ہو امیر کی حیثیت سے اس پنچایت کا رکن ہو کہ پنچ اول سے اخیر تک جو بھی کام کرے اس سے پوچھ کر کرے باقی تمام ارکان کا دیندار اور عادل ہونا ضروری ہے یعنی گناہ کبیرہ سے مجتنب ہوں اور صغائر پر مصر نہ ہوں اگر کبھی گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً توبہ کرنے والے ہوں۔ لہٰذا وہ شخص جو سود یا رشوت وغیرہ لیتا ہو یا ڈاڑھی منڈواتا ہو یا جھوٹ بولتا ہو یا نماز روزہ کا پابند نہیں وہ اس جماعت کا رکن نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ مسئلہ مالکیہ سے لیا گیا ہے اس لئے اس کی تمام شرائط کی رعایت لازم ہے نیز تمام ارکان کا اتفاق رائے سے فیصلہ اور نکاح کو فسخ کرنا ضروری ہے کثرت رائے کا اعتبار نہیں ہوگا۔ خدانخواستہ کسی واقعہ کے متعلق

(۱) مستفاد فتاوی دار العلوم دیوبند صفحہ ۱۵۳ جلد ۸ آپ کے مسائل اور ان کا حل صفحہ ۴۰۱ جلد ۵)

پنچایت کے ارکان میں اختلاف رہاتو تفریق وغیرہ نہ ہو سکے گی۔[1]

عدت کا بیان

(عدت کے معنی) عدت کے معنی لغت میں تعداد گنتی اور شمار کرنے کے آتے ہیں اصطلاح شرع میں جو نکاح مؤکد ہوتا ہے (صحبت یا خلوت صحیحہ یا شوہر کی موت سے) اسکے زوال کے بعد اسکے آثار کو ختم کرنے کیلئے شریعت نے جو مدت مقرر کی ہے اتنی مدت تک عورت کو نکاح وغیرہ سے رکنے اور انتظار کرنیکا نام عدت ہے۔[2]

وضاحت

جب کسی عورت کو اس کا شوہر طلاق دیدے یا خلع یا ایلاء یا فسخ نکاح وغیرہ سے نکاح یا نکاح جیسی چیز (مثلاً نکاح فاسد) ٹوٹ جائے بشرطیکہ اس نکاح میں جماع یا خلوت صحیحہ ہو چکی ہو یا شوہر مرجائے تو ان تمام صورتوں میں عورت مقررہ مدت تک (جس کی تفصیل آگے آئے گی) گھر میں رکی رہے جب تک وہ مدت ختم نہ ہو جائے تب تک نہ کہیں جائے اور نہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے اتنی مدت گزارنے کو عدت کہتے ہیں عدت پوری ہونے کے بعد جہاں چاہے جائے اور جس سے چاہے نکاح کرے۔

عدت کی حکمت

زوال نکاح کے بعد اللہ رب العزت نے عورت پر جو عدت واجب کی ہے وہ مبنی بر حکمت ہے اس میں بہت سے فوائد اور بہت سی مصلحتیں ہیں۔ عدت براءت رحم ہوتی ہے یعنی اس کے بعد کلی طور سے اطمینان حاصل ہو جاتا ہے کہ اب اس عورت کے رحم میں پہلے خاوند کا نطفہ بالکل نہیں رہا اب اگر وہ دوسرا نکاح

(۱) مستفادا الحیلۃ الناجزۃ للحیلۃ العاجزہ ۵۱ تا ۵۴ زیر عنوان متعلق جماعت مسلمین

(۲) باب العدۃ هی لغۃ بالکسر الاحصاء (درمختار) وعرفها فی البدائع بانها اجل تضرب لانقضاء ما بقی من آثار النکاح (شامی صفحہ ۱۷۲ جلد ۵) وفی الشریعۃ تربص یلزم المرأۃ عند زوال ملک المتعۃ مؤکدا بالدخول او الخلوۃ او الموت (حاشیہ ہدایہ ۱۰ صفحہ ۴۲۲ جلد ۲)

کرے گی تو اس کا اندیشہ نہ ہوگا کہ یہ بچہ کس شوہر کا ہے، بچہ کا نسب صحیح ثابت ہو کر وہ اپنے باپ کے مال وجائداد کا وارث ہوگا، عدت شریعت کا قانونی حق ہے تاکہ شرعی ضابطے کے مطابق والد اور ولد دونوں کو ایک دوسرے سے حقوق دلوائے جائیں، عدت نعمت نکاح اور عورت کا محافظ قلعہ، بندھن نکاح کے زوال اور شوہر کی جدائی پر غم وافسوس اور اس کی موت پر سوگ کا اظہار ہے، نیز اللہ تعالی کا بڑا احسان ہے کہ اس نے عدت کا وقفہ دیکر زوجین کو باہم ملنے کا موقع دیا ہے کہ وہ اپنی ماضی کی غلطی پر اظہار ندامت کرکے دوبارہ ازدواجی زندگی استوار کرسکتے ہیں، چنانچہ طلاق رجعی کی عدت میں تو ہر وقت رجوع کا موقع ملتا ہی ہے، طلاق بائن کی عدت میں بھی غور وفکر کرکے باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح کرسکتے ہیں۔

شرائط وجوب عدت

(۱) نکاح صحیح کی صورت میں وطی یا خلوت کا پایا جانا عدت واجب ہونے کیلئے شرط ہے خواہ خلوت صحیحہ ہو یا خلوت فاسدہ، لہٰذا وطی یا خلوت سے قبل علیحدگی ہوگئی تو عدت واجب نہیں ہوگی۔ (۲) نکاح کے بعد شوہر کا انتقال کر جانا خواہ وطی یا خلوت نہ ہوسکی ہو محض نکاح ہی سے عدت وفات واجب ہوجاتی ہے۔ (۳) نکاح فاسد میں وطی کا ہونا ضروری ہے لہٰذا محض خلوت یا شوہر کے انتقال سے عدت واجب نہیں ہوگی۔[1]

عدت کی مدتیں اور اس کی شکلیں

عدت دو طرح کی ہوتی ہے (۱) عدت طلاق (۲) عدت وفات۔ پھر عورتوں کو حیض آنے اور نہ آنے کے اعتبار سے عدتِ طلاق کی مختلف صورتیں

(۱) وسبب وجوبها عقد النكاح المتأكد بالتسليم وما جرى مجراه من موت او خلوت اى صحيحة فلاعدة بخلوة الرتقاء (درمختار) وما جرى مجره الخ وهذا خاص بالنكاح الصحيح اما الفاسد فلا تجب فيه العدة الا بالوطء ... (اى صحيحة) فيه نظر فان الذى تقدم فى باب المهر ان المذهب وجوب العدة للخلوة صحيحة او فاسدة (شامى صفحه ۱۸۰ جلده)

ہیں ہر ایک کو قدرے تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

مطلقہ حائضہ موطوءہ کی عدت

اگر کسی ایسی عورت کو طلاق دیدی گئی جس کو حیض آتا ہو خواہ طلاق رجعی ہو یا بائنہ یا مغلظہ یا بغیر طلاق کے زوجین کے مابین تفریق ہو گئی اور شوہر نے اس عورت سے وطی بھی کرلی ہو یا خلوت ہو چکی ہو، تو ایسی عورت کی عدت تین ماہواری کا آنا ہے جب مکمل تین حیض گزر جائیں تو عدت پوری ہو جائے گی ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ[1] — کہ جن عورتوں کو طلاق دیدی گئی ہو وہ تین مرتبہ ماہواری آنے تک اپنے آپ کو روکے رکھیں۔

مطلقہ حائضہ غیر موطوءہ کی عدت

اگر ایسی عورت کو طلاق دی گئی یا فرقت واقع ہوئی جس کو حیض تو آتا ہے مگر اسکے شوہر نے اس سے وطی نہیں کی یا خلوت نہیں پائی گئی تو اس پر طلاق کی عدت نہیں البتہ موت کی عدت ہے جس کی تفصیل آگے آئے گی۔ قرآن میں ہے کہ

ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَالَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا[2] — پھر تم انکو ہاتھ لگانے سے قبل طلاق دیدو تو تمہارے لئے ان عورتوں پر کوئی عدت نہیں جس کے دنوں کو شمار کرو۔

طلاق سے قبل وطی ہونے اور نہ ہونے میں اختلاف ہو

طلاق سے قبل وطی ہونے اور نہ ہونے میں زوجین کا اختلاف ہو جائے تو

---

(۱) سورۃ البقرہ آیت صفحہ ۲۲۸ واذا طلق الرجل امرأته طلاقا بائنا او رجعیا او وقعت الفرقة بینهما بغیر طلاق وهی حرة ممن تحیض فعدتها ثلثة اقراء (هدایه ۴۲۲ جلد۲ باب العدة (۲) سورۃ الاحزاب آیت ۴۹

بیوی کے قول کا اعتبار ہوگا۔ جیسے بیوی کہتی ہے کہ تم نے مجھے وطی کے بعد طلاق دی ہے لہٰذا میں پورے مہر کی مستحق ہوں اسکے برخلاف شوہر کہتا ہے کہ نہیں میں نے وطی سے قبل تجھے طلاق دی ہے اسلئے نصف مہر تجھے ملے گا تو علامہ ابن نجیم مصری فرماتے ہیں کہ یہاں پر عورت کے قول کا اعتبار کر کے اس پر عدت کو واجب کرنے کے ساتھ اس کیلئے پورا مہر اور عدت کے زمانہ کا نفقہ و سکنیٰ بھی شوہر پر لازم کیا جائے گا۔[1]

حالت حیض میں طلاق کی عدت

اگر خلاف سنت کسی عورت کو حالت حیض ہی میں طلاق دیدی گئی تو عدت میں اس حیض کو شمار نہیں کیا جائے گا اس کے علاوہ مزید تین حیض کا آنا عدت پوری ہونے کے لئے ضروری ہے۔[2]

اس مطلقہ کی عدت جسکو حیض نہ آتا ہو

ایسی بیوی کو طلاق دی گئی جسکو بچپن کی وجہ سے ماہواری آنے کی ابتداء ہی نہ ہوئی ہو یا بیوی اتنی بوڑھی ہو چکی کہ ماہواری آنے کا سلسلہ بند ہو گیا یا کسی مرض کیوجہ سے ماہواری نہ آتی ہو تو اسطرح کی مطلقہ عورت کی عدت تین مہینے ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَالّٰئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَائِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُھُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْھُرٍ وَّالّٰئِیْ لَمْ یَحِضْنَ[3]	اور تمہاری عورتوں میں سے وہ جو (زیادہ عمر ہونے کی وجہ سے) حیض سے مایوس ہو چکی ہوں انکے سلسلے میں اگر تم شک

کرتے ہو (تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے) کہ ان کی عدت تین مہینے ہیں اور یہ ہی حکم ان عورتوں کا بھی ہے جنہیں (کم سنی کی وجہ سے) ابھی تک حیض آنا شروع نہ ہوا ہو۔

(نوٹ) مہینوں سے مراد قمری مہینے ہیں۔ لہٰذا اگر طلاق پہلی تاریخ کو دی

---

(۱) لو قال طلقتني بعد الدخول ولي كمال المهر وقال قبله ولك نصفه فالقول لها لوجوب العدة عليها وله في المهر والنفقة والسكنى في العدة (الاشباه والنظائر ص ۳۳۶)

(۲) فان طلقها في حيضها كان عليها الاعتداد بثلاث حيض كوامل ولا تحتسب هذه الحيضة من العدة (فتاوى قاضيخان على هامش عالمگيری صفحه ۵۴۹ جلد۱)

(۳) سورة الطلاق آيت ٤

گئی تو بالاتفاق رویت ہلال کے لحاظ سے تین ماہ عدت گزاری جائے گی اور اگر درمیان مہینہ میں طلاق دی گئی ہے تو پھر ہر ماہ تیس دن کا شمار ہو کر کل نوے دن عدت کے شمار کئے جائیں گے۔[۱]

نابالغہ کو درمیان عدت حیض آجائے

کسی لڑکی کو ایسی حالت میں طلاق دی گئی کہ ابھی حیض آنا شروع نہیں ہوا تھا اس لئے وہ مہینہ کے حساب سے عدت شمار کر رہی تھی کہ اس کو درمیان عدت حیض آنا شروع ہو گیا تو اب اسی حیض سے عدت کی شروعات ہو کر حائضہ عورتوں کی طرح تین حیض عدت کیلئے شمار کرے گی۔[۲]

حیض سے مایوس بڑھیا کو درمیان عدت حیض آجائے

اسی طرح آئسہ یعنی وہ بوڑھی عورت جو زیادہ عمر کیوجہ سے حیض سے مایوس ہو چکی تھی اس لئے وہ مہینہ کے حساب سے عدت گزار رہی تھی کہ گذشتہ عادت کے مطابق درمیان عدت حیض آنا شروع ہو گیا تو اس کی گزری ہوئی عدت کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ اس پر از سر نو تین حیض گزارنا ضروری ہوگا۔[۳]

آئسہ عدت گذار کر نکاح کے بعد حیض کا خون دیکھے

حیض سے مایوس بوڑھی عورت نے تین ماہ عدت گزار کر کسی سے نکاح کر لیا پھر حیض کا خون نظر آیا تو کیا اس کا نکاح صحیح ہوگا یا نہیں تو بعض علماء کے

---

(۱) وان طلقها زوجها فی غرة الشهر تعتد ثلاثة اشهر بالاهلة وان طلقها فی خلال الشهر قال ابو حنيفة رحمه الله تعالى تعتد ثلاثة اشهر بالايام كل شهر ثلاثون يوما وقال صاحباه تعتد بعد ما مضى بقية الشهر الذى طلقها فيه شهرين بالاهلة وتكمل الشهر الاول ثلاثين يوما بالشهر الآخر (فتاوی قاضیخان علی هامش عالمگیری صفحه ۵۴۹ تا ۵۵۰ جلد۱)

(۲) وكذا اذا كانت صغيرة تعتد بالشهور فحاضت بطل حكم الشهور واستقبلت العدة بالحيض كذا في السراج الوهاج (عالمگیری صفحه ۵۲۷ جلد۱)

(۱) ان كانت آيسة فاعتدت بالشهور ثم رأت الدم انتقض ما مضى من عدتها وعليها أن تستانف العدة بالحيض ومعناه اذا رأت الدم على العادة لان عودها يبطل الاياس هو الصحيح (عالمگیری صفحه ۵۲۹ جلد۱)

نزدیک نکاح فاسد ہو جائے گا ہاں اگر قاضی نے نکاح کے جواز کا فیصلہ کیا تھا تو درست ہو گا مگر صحیح قول یہ ہے کہ بغیر قضاء قاضی کے مطلقاً نکاح درست ہو جائیگا۔[1]

ممتدۃ الطہر کی عدت

اگر عورت کی ماہواری میں گڑبڑی پیدا ہونے کی وجہ سے حیض بند ہو گیا یا شروع ہی سے ممتدۃ الطہر ہے کہ سال یا دو سال بعد حیض آتا ہے یا اس کا معمول یہ ہے کہ ولادت کے کافی مدت بعد حیض آنا شروع ہوتا ہے اور ایسی عورت کو شوہر نے طلاق دیدی تو حنفیہ کا اصل مذہب تو یہ ہے کہ اس کے لئے سن ایاس کی مدت تک حیض کا انتظار ضروری ہے یعنی بوڑھی ہونے سے قبل حیض آجائے تو عدت حیض سے ورنہ تین ماہ عدت گذار کر نکاح سے آزاد ہو گی۔[2]

لیکن اگر اس قدر انتظار کرنا مشکل ہو کہ گناہ میں مبتلا ہو جانے کا قوی خطرہ ہو یا کسی اور عذر شدید کیوجہ سے بغیر نکاح کے رہنا ناقابل برداشت ہو تو متاخرین حنفیہ نے مجبوراً مسلک مالکی پر عمل کی اجازت دی ہے کہ نو ماہ یا ایک سال کی مدت تک انتظار کر کے نکاح سے آزاد ہو جائے گی۔[3]

البتہ اس کے متعلق حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے تحریر فرمایا ہے کہ اس سلسلے میں چند امور کا لحاظ کیا جائے اول اس کا علاج کیا جائے (کہ حیض آنا شروع ہو جائے) اگر علاج سے بھی خون جاری نہ ہو تب اس قول پر عمل کیا جائے

---

(۱) فی مجموع النوازل الایسۃ اذا اعتدت بالاشهر وتزوجت ثم رأت الدم یکون النکاح فاسدا عند البعض اما اذا قضی القاضی بجواز النکاح ثم رأت الدم فلایکون النکاح فاسدا والاصح ان النکاح جائز ولا یشترط القضاء وفی المستقبل العدۃ بالحیض (عالمگیری صفحہ ۵۲۹ جلد۱)

(۲) وخرج بقوله ولم تحض الشابۃ الممتدۃ بالطهر بأن حاضت ثم امتد طهرها فتعتد بالحیض الی ان تبلغ سن الایاس جوهرۃ وغیرها (درمختار علی هامش شامی صفحہ ۱۸۵ جلد۵)

(۳) قال العلامۃ والفتوی فی زماننا علی قول مالك وعلی ما فی جامع الفصولین لوقضی قاضی بانقضاء عدتها بعد مضی تسعۃ اشهر نفذ الخ قلت لکن هذا ظاهر اذا امکن قضاء مالکی به او تحکیمه اما فی بلاد ولایوجد فیها مالکی ویحکم به فالضرورۃ متحققۃ الخ ولهذا قال الزاهدی وقد کان بعض اصحابنا یفتون بقول مالك فی هذه المسألۃ للضرورۃ (شامی صفحہ ۱۸۶ جلد۵)

کیونکہ ضرورت کا تحقق اسی وقت ہوگا۔

دوم اس قول پر عمل کرنے کیلئے قضاء قاضی کی حاجت ہوگی اور حاکم مسلم گو منجانب کافر بادشاہ کے ہو قاضی شرعی ہے پس سرکاری عدالت میں ایک درخواست اس کی پیش کی جائے کہ کسی مسلمان حاکم کو اس مسئلہ میں فیصلہ کرنے کا اختیار دیدیا جائے پھر وہ حاکم مسلم اس فتوی کے موافق اس عورت کو عدت گذار کر نکاح ثانی کی اجازت دیدے۔

سوم اگر اس قول کے موافق عدت شروع کی اور ایک سال ختم ہونے سے قبل اتفاقاً حیض جاری ہوگیا تو پھر عدت حیض سے شمار کی جائے گی۔[1]

سن ایاس کی مدت

جس عورت کو شروع ہی سے حیض نہ آئے۔ تو وہ تیس سال کی عمر ہو جانے کے بعد آئسہ شمار ہوگی اور اگر حیض تو آیا مگر بعد میں بند ہوگیا یا کافی مدت کے بعد آیا تو ایسی عورت کے سن ایاس کے سلسلے میں محقق اور مفتی بہ قول یہ ہے کہ پچپن سال کی عمر پانے کے بعد آئسہ شمار ہوگی مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ پچپن سال پورے ہونے سے قبل چھ ماہ تک حیض بند رہا ہو۔ بہر حال ان مذکورہ دونوں آئسہ عورتوں کی عدت تین ماہ ہوں گے۔ اگر عدت کے تین ماہ سے قبل حیض جاری ہوگیا تو پھر از سر نو عدت تین حیض پوری کریں گی۔[2]

حاملہ کی عدت

اگر عورت حاملہ ہے اور اسی حالت میں شوہر نے اس کو طلاق دیدی۔ یا اسی حمل کی حالت میں اس کے شوہر کا انتقال ہوگیا تو اس کی عدت وضع حمل یعنی

(۱) امداد الفتاوی صفحہ ۴۹۰ جلد۲) (۲) والأیاس سنة للرومیة وغیرها خمس وخمسون عند الجمهور وعلیه الفتوی وقیل الفتوی علی خمسین نهر وفی البحر عن الجامع صغیرة بلغت ثلاثین سنة ولم تحض حکم بایاسها (درمختار) وعندنا مالم تبلغ حد الإیاس لا تعتد بالاشهر وحده خمس وخمسون سنة هو المختار لکنه یشترط للحکم بالایاس فی هذه المدة ان ینقطع الدم عنها مدة طویلة وهی ستة اشهر فی الاصح (شامی صفحه ۱۹۶ جلد ۵)

بچہ کی پیدائش تک ہے بچہ پیدا ہوتے ہی عدت ختم ہو جائے گی اگرچہ وقوع طلاق یا وفات زوج کے تھوڑی ہی دیر کے بعد ولادت ہو گئی ہو ارشاد باری ہے۔

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۱؎ — اور حاملہ عورتوں کی عدت کی حد یہ ہے کہ وہ اپنے حمل کو جن دیں (یعنی حمل سے بالکل فارغ ہو جائے)

حضرت عمر فاروقؓ کا اس سلسلہ میں ایک اثر بھی ہے جس کو امام مالک نے موطا میں نقل کیا ہے۔

وقال عمر لو وضعت وزوجها علی سریرہ لم یدفن بعد لحلت ۲؎ — حضرت عمر فاروقؓ نے ارشاد فرمایا کہ اگر عورت (شوہر کے انتقال کے بعد اتنی جلدی) بچہ جن دے کہ اس کے شوہر کو غسل دینے کیلئے ابھی تختہ پر ہی لٹایا گیا ہے اور دفن نہیں کیا گیا تو بھی اس کی عدت پوری ہو جائے گی اور اس عورت کیلئے نکاح کرنا جائز ہو جائے گا۔

نیز حضرت ابی ابن کعبؓ کی بھی ایک روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب سورۂ طلاق کی یہ مذکورہ آیت نازل ہوئی تو میں نے حضور علیہ السلام سے پوچھا:

للمطلقة ثلاثا او للمتوفی عنها قال هي للمطلقة ثلاثا وللمتوفی عنها ۳؎ — کہ وضع حمل سے عدت پوری ہونے کی یہ حد مطلقہ ثلاثہ اور بیوہ دونوں کیلئے ہے؟ تو آپؐ نے جواب دیا کہ ہاں دونوں کیلئے ہے۔

اسقاط حمل کی صورت میں عدت

اگر حمل خود بخود ساقط ہو جائے یا کسی تدبیر سے ساقط کر دیا جائے تو اس سلسلہ میں مطلقہ یا متوفی عنہا زوجہا کی عدت کے متعلق فتویٰ یہ ہے کہ اگر حمل کے

(۱) سورۃ الطلاق آیت ٤ (۲) مؤطا امام مالك صفحه ٢١٦
(۳) (الدراية في تخريج احاديث الهداية على هامش هدايه صفحه ٤٢٣ جلد٢)

کچھ اعضاء مثلاً ہاتھ یا پیر یا انگلی یا ناخن اور بال وغیرہ ظاہر ہو کر وہ انسانی شکل تیار ہو گئی تھی یا ڈاکٹر کی تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ صرف گوشت پوست کا لوتھڑا نہیں بلکہ آدمی کی اصل تھی جس کی حد فقہاء نے چار ماہ متعین کی ہے تو ایسے حمل کے ساقط ہونے سے عدت کی مدت ختم ہو جائے گی اور اگر حمل کی ایسی شکل نہیں ہے تو پھر اس اسقاط کے بعد تین حیض گذارنے سے عدت ختم ہو گی۔ اس آخری صورت میں اگر اسقاط کے بعد ہی فوراً تین روز مسلسل خون آیا تو اس کو ایک حیض شمار کر کے آگے دو حیض پورے کرنے ہوں گے اگر تین روز سے کم خون آیا تو اس کو حیض شمار نہیں کیا جائے گا بلکہ از سر نو تین حیض شمار کرنے ہوں گے۔[1]

حاملہ کا حمل خشک ہو جائے

مطلقہ یا متوفی عنہا زوجہا حاملہ حمل کی عدت گزار رہی تھی کہ حمل پیٹ میں خشک ہو گیا تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر حمل میں بچہ کے اعضاء وغیرہ تیار ہیں تو اس کا اسقاط کرا لیا جائے عدت پوری ہو جائیگی اور اگر اس قدر حمل خشک ہو گیا کہ حمل کا پتہ ہی نہیں چلتا تو اس کو شریعت میں حاملہ قرار نہیں دیا جائیگا اس کی عدت غیر حاملہ جیسی ہو گی۔ یعنی اگر متوفی عنہا زوجہا ہے تو چار ماہ دس دن اور اگر مطلقہ ہے تو تین حیض اور اگر حیض نہ آتا ہو تو اس کا حکم ممتدۃ الطہر کا ہے۔[2]

(۱) واذا اسقطت سقطا ان إستبان بعض خلقه انقضت به العدة لانه ولد والا فلا (شلبی صفحه ۱۹۰ جلده) فی حیض للعلائیة وسقط مثلث السین ای مسقوط ظهر بعض خلقه کید او رجل او اصبع او ظفر او شعر ولا یستبین خلقه الا بعد مائة وعشرین یوما (الی قوله) وتنقضی به العدة العدة فان لم یظهر له شئ فلیس بشئ وفی الشامیة (قوله ای مسقوط) الذی فی البحر التعبیر بالساقط وهو الحق لفظا و معنی اما لفظا فلان سقط لازم لا یبنی منه اسم المفعول واما معنی فلان المقصود سقوط الولد سواء سقط بنفسه او اسقط غیره (درمختار نعمانیه صفحه ۲۷۸ جلد۱) بحواله احسن الفتاوی صفحه ۴۳۲ تا ۴۳۳ جلده)(۱) والعدة للموت اربعة أشهر... وعشرة... مطلقا الخ فلم یخرج عنها الا الحامل (درمختار) (قوله فلم یخرج عنها الا الحامل) فان عدتها للموت وضع الحمل کما فی البحر وهذا اذا مات عنها وهی حامل اما لوحبلت فی العدة بعد موته فلا تتغیر فی الصحیح (شامی صفحه ۱۸۸ تا ۱۸۹ باب العدة جلد ۵)

حمل کی مدت

حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ اور زیادہ سے زیادہ دو سال ہے دو سال سے زیادہ عورت حاملہ نہیں رہ سکتی دو سال کے بعد بھی ولادت نہ ہوئی تو علاج وغیرہ کے ذریعہ حیض جاری کیا جائے اور اس کی عدت تین حیض ہوگی اور متوفی عنہا زوجھا کیلئے عدت بالاشہر ہوگی اگر حیض جاری نہ ہو سکا تو پھر ایسی عورت ممتدۃ الطہر میں شمار کی جائے گی جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔[1]

عدت وفات

طلاق کی عدت کی طرح عدت وفات بھی شریعت کا قانونی حق ہے اس میں بہت سے فائدے اور حکمتیں ہیں اس کے لئے شریعت اسلامیہ نے جو وقت متعین کیا ہے وہ بہت ہی کم اور آسان ہے اس میں غیر فطری اور انسانی سطح سے گری ہوئی وحشیانہ پابندیاں عائد نہیں کی گئیں ہیں۔ اسلام سے قبل دوسرے مذاہب میں جو غیر مہذب اور انسانیت سوز طریقے رائج تھے ان سب کی اصلاح کی گئی ہے عورتوں پر ہونے والے تمام تر مظالم کا سد باب کیا گیا ہے اور شوہر کی وفات پر عورت کو ہونے والے غیر اختیاری غم وسوگ کے اظہار کی جائز اور آسان صورت نکالی گئی ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں عدت وفات گزارنے کا طریقہ

اسلام سے قبل زمانۂ جاہلیت میں شوہر کی وفات پر عدت وسوگ کا طریقہ بڑا بھیانک اور دردناک تھا وہ یہ کہ جب کسی عورت کا خاوند مرجاتا تو مکمل ایک سال تک اس صنف نازک کو ایک تنگ وتاریک اور بدبودار جھونپڑے میں بند کردیا جاتا وہیں وہ نہایت خسیس میلے کچیلے کپڑے پہن کر تن تنہا بند رہکر عدت گزارتی کسی

(۱) اکثر مدة الحمل سنتان... واقلها ستة اشهر اجماعا (درمختار) لخبر عائشة هو ما اخرجه الدار قطني والبيهقي في سننهما انها قالت ماتزيد المرأة في الحمل على سنتين قدر مايتحول ظل عمود المغزل (شامي صفحه ۲۳۰ جلد۵)

سے ملنے اور اپنا دکھ و تکلیف کے اظہار کا موقع نہیں دیا جاتا جب اسی طرح سال گزر جاتا تو گدھا یا بکرا یا پرندہ یا کوئی اور جانور اس کے پاس لایا جاتا عورت اپنی شرمگاہ اس جانور سے رگڑتی اکثر یہ جانور اس عورت کے زہر سے مر جاتا پھر اس عورت کو وہاں سے باہر لایا جاتا اور جب کتا اس کے سامنے سے گزرتا تو اونٹ کی مینگنی وہ اپنے سامنے پھینکتی اور جانور کی غلاظتیں اس پر ڈالی جاتیں کتا سامنے سے نہ نکلتا تو نکلنے تک انتظار کرتی اتنی مصیبتیں جھیل کر گویا ایک قیدی مجرم کی طرح رہائی حاصل کرتی پھر اس کو نہانے اور خوشبو وغیرہ لگانے کی اجازت ہوتی۔ مگر اس رہائی کے بعد بھی اس بیوہ کو منحوس ہی تصور کیا جاتا[1]

شریعت اسلامیہ میں عدت وفات کی حد

شوہر کی وفات کے بعد شریعت نے جو سوگ کے دن متعین کئے ہیں وہ غیر حاملہ کیلئے قمری چار ماہ دس دن ہیں بالغہ نابالغہ اور آئسہ ہر ایک پر یہ عدت ضروری ہے خواہ شوہر نے اسکے ساتھ وطی اور خلوت کی ہو یا نہ کی ہو مگر عدت وفات عورت پر صرف نکاح صحیح کی صورت میں واجب ہے نہ کہ نکاح فاسد میں[2] چنانچہ قرآن میں بھی اللہ رب العزت نے متوفی عنہا زوجہا کی عدت کی حد بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجاً يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْراً[3]	تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور ان کے پیچھے ان کی بیویاں زندہ ہوں تو وہ اپنے آپ کو چار ماہ دس دن روکے رکھیں۔

(۱) بخاری شریف صفحہ ۸۰۳ جلد ۲ کتاب الطلاق
(۲) عدة الحرة فی الوفاة اربعة اشهر وعشرة ايام سواء كانت مدخولا بها او لامسلمة اوكتابية تحت مسلم صغيرة او كبيرة او ايسة زوجها حر او عبد حاضت فی هذه العدة او لم تحض ولم يظهر حبلها كذا فی فتح القدير هذه العدة لاتجب الا فی نكاح صحيح كذا فی السراج الوهاج (عالمگیری صفحہ ۵۲۹ جلد ۱) (۳) سورۃ البقرۃ آیت ۲۳۴

طلاق کی عدت میں شوہر وفات پاجائے

اگر کسی عورت کو اس کے شوہر نے مرض الوفات میں یا اس سے قبل ایک یا دو طلاق رجعی دی اور ابھی اس کی عدت طلاق پوری نہیں ہوئی تھی، اگرچہ ایک روز ہی باقی رہ گیا تھا۔ کہ شوہر کا انتقال ہو گیا۔ تو بالاتفاق اس عورت کو عدت وفات گزارنی ہوگی کیونکہ طلاق رجعی کی صورت میں نکاح بالکلیہ ختم نہیں ہوتا اس لئے اس کو عدت وفات چار ماہ دس دن گزرانے ہوں گے۔

اور اگر طلاق بائن یا مغلظہ دی گئی ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں مرض الوفات سے قبل طلاق دی گئی ہے یا مرض الوفات ہی میں پہلی صورت میں عورت اپنے شوہر کے مال کی وارث نہیں ہوتی اس لئے یہ عدت۔ عدت وفات کی طرف منتقل نہیں ہوگی اس کو عدت طلاق ہی گزرانی ہوگی۔ دوسری صورت یعنی اگر مرض الموت میں طلاق دی گئی ہے تو اس صورت میں عورت اپنے شوہر کے مال کی وارث ہوتی ہے اس لئے عدت طلاق عدت وفات کی طرف منتقل ہو جائے گی اور عورت پر عدت وفات چار ماہ دس دن گزارنے ہونگے۔[1]

مگر صاحب ہدایہ نے بیان کیا ہے کہ مرض الموت میں مطلقہ اگر اپنے شوہر کے مال کی وارث ہو تو اس کی عدت وہ ہوگی جس میں زیادہ دن گزارنا پڑے احتیاط اسی میں ہے۔[2]

(۱) اذا طلق امرأته ثم مات فان كان الطلاق رجعيا انتقلت عدتها الى الوفاة سواء طلقها فى حالة المرض او الصحة وانهدمت عدة الطلاق وان كان بائنا او ثلاثا فان لم ترث بان طلقها فى حالة الصحة لاتنتقل عدتها وان ورثت بان طلقها فى حالة المرض ثم مات قبل ان تنقض العدة فورثت اعتدت باربعة اشهر وعشرة ايام فيها ثلاث حيض حتى انها لولم ترف المدة الاربعة الاشهر والعشر ثلاث حيض تكمل بعد ذلك وهذا قول ابى حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى كذا فى البدائع (عالمگیری صفحه ۵۳۰ جلد۱)

(۲) واذا ورثت المطلقة فى المرض فعدتها ابعد الاجلين (هدایه صفحه ۴۲۳ جلد۲ باب العدة)

نکاح فاسد کی عدت

کسی عورت کا نکاح اس طرح کیا گیا کہ شرائط نکاح کا لحاظ نہ کرنے کی وجہ سے نکاح فاسد ہو گیا۔ مثلاً کسی کی منکوحہ سے بغیر اس کے طلاق دیئے نکاح کر لیا یا کسی محرم عورت سے نکاح کیا یا بغیر شرعی گواہ کے نکاح ہوا۔ (وغیر ذالک) تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر مرد نے وطی کر لی تو تفریق کے بعد عدت گزارنی پڑے گی اور اگر صحبت سے قبل تفریق ہو گئی اگرچہ خلوت پائی گئی تو اس صورت میں عورت پر عدت واجب نہیں ہو گی مگر نکاح فاسد کی صورت میں وطی کیوجہ سے جو عدت واجب ہوتی ہے وہ ہر حال میں تین حیض ہے خواہ مرد سے تفریق ہوئی ہو یا مرد کا انتقال ہو گیا ہو کیونکہ اس عدت کی مشروعیت کا مقصد صرف براءت رحم کو پہچاننا ہے حق نکاح کے ختم ہونے کی وجہ سے یہ عدت مشروع نہیں ہوئی ہے اور براءت رحم کی معرفت صرف حیض سے ہو جاتی ہے کہ عورت کا رحم صاف ہے یا نہیں۔

اگر حیض نہ آتا ہو تو قمری تین ماہ عدت کیلئے شمار کرے گی۔ اگر اس وطی سے حمل ٹھہر گیا تو پھر اس کی بھی عدت وضع حمل ہے[1]

وطی بالشبہ کیوجہ سے عدت

اگر کسی نے غیر منکوحہ سے اپنی بیوی سمجھ کر وطی کر لی بعد میں معلوم ہوا کہ یہ بیوی نہیں کوئی دوسری عورت تھی تو اس عورت پر بھی تفریق و موت دونوں صورتوں میں تین حیض عدت کیلئے گزارنا ضروری ہے۔ حیض نہ آتا ہو تو قمری تین ماہ ہیں اگر اس وطی سے حمل ٹھہر گیا تو عدت وضع حمل ہے۔ جب تک عورت عدت پوری نہ کر لے اپنے شوہر سے جدا رہے اگر غیر شادی شدہ ہے تو نکاح سے باز رہے۔[2]

---

(۱) والمنکوحة نکاحا فاسدا والمؤطوة بشبهة عدتها الحیض فی الفرقة والموت لانها للتعرف عن برأة الرحم لالقضاء حق النکاح والحیض هو المعرف (هدایه ص٤٢٤ ج٢ باب العدة)

(۲) اذا دخل الرجل بالمرأة علی وجه شبهة او نکاح فاسد فعلیه المهر وعلیها العدة ثلاث حیض ان کانت حرة وحیضتان ان کانت امة وسواء مات عنها او فرق بینهما وهی حیة فان کانت لاتحیض من صغر او کبر فعدة الحرة ثلاثة اشهر (عالمگیری صفحه ٥٢٧ جلد١)

زنا کی وجہ سے عدت نہیں

اگر کسی نے کسی عورت سے یہ جاننے کے باوجود کہ یہ میری بیوی نہیں وطی کرلی تو یہ زنا ہے ایسی عورت پر عدت نہیں خواہ یہ عورت کسی کی منکوحہ ہو یا غیرمنکوحہ اور وہ غیرمنکوحہ ہونے کی صورت میں چاہے تو خود زانی سے یا کسی دوسرے مرد سے فوراً نکاح کرلے۔[1]

زنا کی وجہ سے حمل بھی ٹھہر جائے تو بھی عدت نہیں

اگر کسی عورت کو زنا کی وجہ سے حمل قرار پاگیا تو بھی اس پر عدت واجب نہیں اسی حمل کی حالت میں اگر نکاح کرنا چاہے تو کرسکتی ہے اگر نکاح کرنے والا خود زانی ہے تو وہ اس سے وطی بھی کرسکتا ہے اور اگر غیر زانی ہے تو وضع حمل تک ہم بستری کرنا جائز نہیں ہے۔[2]

ایام عدت میں زنا کی وجہ سے حمل ٹھہر گیا تو اس کی عدت

اگر کسی عورت سے عدت طلاق میں زنا کرلیا گیا جس کی وجہ سے حمل قرار پاگیا تو اب اس کی عدت وضع حمل ہوگی وضع حمل سے قبل نہ تو خود زانی نکاح کرسکتا ہے اور نہ کوئی دوسرا شخص اور اگر عورت سے عدت وفات میں زنا کیا گیا جس کی وجہ سے حمل ٹھہر گیا تو اس کی عدت متغیر نہیں ہوگی یعنی اس کی عدت وضع حمل نہ ہوگی بلکہ عدت وفات ہی اس کو گزارنی ہوگی۔[3]

---

(۱) لاتجب العدۃ علی الزانیۃ وھذا قول ابی حنیفۃ ومحمد رحمھما اللہ تعالی (عالمگیری صفحہ ۵۲٦ جلد۱)

(۲) وصح نکاح حبلی من زنی لاحبلی من غیرہ الخ وان حرم وطؤھا ودواعیۃ حتی تضع ... لونکحھا الزانی حل لہ وطؤھا اتفاقا (درمختار علی ھامش شامی صفحہ ۱٤۱ تا ۱٤۲ جلد٤)

(۲) واعلم ان المعتدۃ لوحملت فی عدتھا ذکر الکرخی ان عدتھا وضع الحمل ولم یفصل والذی ذکرہ محمد ان ھذا فی عدۃ الطلاق اما فی عدۃ الوفاۃ فلا تتغیر بالحمل وھو الصحیح کذا فی البدائع (شامی صفحہ ۱۹۰ جلد۵)

عدت میں زنا کیا گیا مگر حمل نہیں ٹھہرا تو نئی عدت نہیں

عورت عدت گزار رہی تھی کہ اس سے کسی نے زنا کرلیا مگر حمل قرار نہیں پایا تو اب اس عورت کیلئے نئی عدت ضروری نہیں بلکہ اسی عدت میں یوم زنا بھی شمار کر کے عدت پوری ہو جائے گی۔[1]

کوئی منکوحہ زنا کراتی رہی اور پھر طلاق دی گئی

کوئی منکوحہ عورت شوہر کی زوجیت میں رہتے ہوئے زنا کراتی رہی پھر اسی حالت میں شوہر نے طلاق دیدی تو بھی اس پر عدت طلاق ضروری ہے اگرچہ نکاح زانی سے ہی کرنا چاہے تو بھی بغیر عدت گزارے نہیں کر سکتی۔ اگر حاملہ ہے تو عدت وضع حمل ہوگی اگرچہ زنا کیوجہ سے ہی حمل قرار پایا ہو۔ البتہ بچہ کا نسب اس کے شوہر سے ثابت ہوگا۔ اور اگر شوہر کا انتقال ہو گیا ہے تو عدت وفات اس پر لازم ہوگی۔[2]

شوہر کو چھوڑ کر کسی غیر مرد کیساتھ رہنے لگی پھر شوہر نے طلاق دیدی

اگر کسی عورت نے اپنے شوہر کو چھوڑ کر کسی غیر مرد سے دوستی کرلی اور کئی سال تک اسی مرد کیساتھ رہی شوہر کی طرف واپس نہیں ہوئی پھر شوہر نے طلاق دیدی تو ایسی عورت پر بھی عدت واجب ہے بغیر عدت کے نہ تو خود اس مرد سے نکاح کر سکتی ہے جس کے ساتھ رہ رہی ہے اور نہ ہی کسی اور جگہ نکاح کرنا جائز ہے۔ کیونکہ عدت صرف استبراء رحم ہی کیلئے مشروع نہیں ہوئی ہے بلکہ زوال نعمت نکاح کا سوگ بھی عدت کی مشروعیت کا ایک سبب ہے۔ اسی وجہ سے تو محض

---

(۱) اما نکاح منکوحة الغیر ومعتدته فالدخول فیه لایوجب العدة ان علم انها للغیر لانه لم یقل احد بجوازه فلم ینعقد اصلا (شامی صفحه ۲۷٤ جلد٤)

(۲) لقوله تعالی ولا تعزموا عقدة النکاح حتی یبلغ الکتاب اجله (سورة البقرة آیت ۲۳۵)

خلوت سے بھی عدت لازم ہو جاتی ہے۔[1]

اپنی معتدہ سے شوہر نے وطی کرلی

کسی نے اپنی بیوی کو طلاق بائن خفیفہ دی یا مغلظہ اور پھر دوران عدت بغیر نکاح کے صحبت کرلی تو وطی کیوجہ سے اس عورت پر ازسر نو عدت گزارنی ہوگی پہلی عدت کیساتھ دوسری عدت بھی گزاری گئی تو ٹھیک ہے ورنہ دوسری عدت پوری کرے۔ پہلی عدت کا دوسری عدت میں تداخل ہو جائے گا۔[2]

نکاح صحیح میں عدت کی ابتداء

نکاح صحیح میں عدت کی ابتداء شوہر کے طلاق دینے یا وفات پا جانے یا خلع ہونے یا قاضی کے تفریق کر دینے یا متارکت واقع ہونے کے بعد سے ہوتی ہے خواہ عورت کو اس کا علم ہوا ہو یا نہ ہوا ہو مثلاً عورت کو یہ معلوم نہیں کہ شوہر نے اس کو طلاق دی ہے یا وفات پا چکا ہے اور اسی لاعلمی کی حالت میں عدت کا مقررہ وقت گزر چکا تو عدت پوری ہو گئی دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔[3]

نکاح فاسد میں عدت کی ابتداء

نکاح فاسد میں عدت کی ابتداء متارکت اور تفریق کے بعد سے ہوگی مثلاً

---

(۱) وسبب وجوبها عقد النكاح المتاكد بالتسليم وماجرى مجراه من موت او خلوة الخ وشرطها الفرقة (درمختار) اى زوال النكاح او شبهته كما فى الفتح (شامى صفحه ۱۸۰ جلد ۵)

(۲) واذا وطئت المعتدة بشبهه ولو من المطلق وجبت عدة أخرى لتجدد السبب وتداخلتا (درمختار على هامش شامى صفحه ۲۰۰ تا ۲۰۱ جلد ۵

(۳) ومبدأ العدة بعد الطلاق والموت يعنى ابتداء عدة الطلاق من وقته وابتدا عدة الوفاة من وقتها سواء علمت بالطلاق والموت او لم تعلم حتى لولم تعلم ومضت مدة العدة فقد انقضت لان سبب وجوبها الطلاق او الوفاة فيعتبر ابتداؤها من وقت وجود السبب كذا فى الهداية (بحر الرائق صفحه ۲۴۳ جلد ۴)

شوہر نے عورت کو تین طلاق دیدی پھر بغیر حلالہ کے اس سے نکاح کر لیا تو اس کی عدت قاضی کے تفریق کرنے اور شوہر سے جدائیگی کے بعد سے ہوگی۔[1]

دوران عدت معتدہ سے نکاح

اگر کسی مطلقہ سے یا متوفی عنہا زوجہا سے کسی شخص نے دوران عدت نکاح کیا تو یہ نکاح باطل ہے زوج اول کی عدت کا اتمام زوج ثانی کی متارکت کے بعد واجب ہے اور متارکت و تفریق کے بعد زوج ثانی کی بھی عدت ضروری ہے اور اگر ان دونوں عدتوں میں تداخل ہو جائے یعنی عدت اولیٰ پوری ہونے کے ساتھ عدت ثانیہ بھی پوری ہو جائے تو ٹھیک ہے ورنہ عدت ثانیہ کی بقیہ مدت پوری کرے مثلاً زید کی مطلقہ سے عمر نے دوران عدت نکاح کر لیا تو یہ نکاح غلط ہوا۔ اب عمر سے متارکت کے بعد زید کے طلاق کی عدت تین حیض اور عمر سے متارکت کی وجہ سے بھی تین حیض گزارے گی اگر زید کے طلاق دیتے ہی یا اسی طہر میں عمر نے نکاح کر کے وطی بھی کر لی تھی پھر زید کی عدت کے پہلے حیض آنے سے قبل متارکت بھی ہو گئی تو دونوں کی عدت ساتھ ساتھ تین حیض گزر جائے گی الگ سے عمر کے متارکت کی عدت گزارنی ضروری نہیں۔ اور اگر زید کے طلاق دینے کے بعد ایک حیض آچکا پھر عمر نے نکاح کیا یا اس سے متارکت ہوئی۔ تو اس صورت میں زید کی عدت کا ایک حیض گزر چکا اب صرف دو حیض باقی رہ گئے جبکہ عمر کی متارکت والی عدت کا ایک حیض بھی نہیں گذرا ہے تو اب اس کے بعد جب دو حیض مزید آجائیں گے تو زید کی طلاق کی عدت مکمل ہونے کے ساتھ عمر کی متارکت کی عدت کے بھی دو حیض گذر جائیں گے اب متارکت کیلئے صرف ایک حیض اور گزارنا پڑیگا۔

---

(۱) ومبدؤها في النكاح الفاسد بعد التفريق من القاضي بينهما (درمختار على هامش شامى صفحه ۲۰۵ جلده)

اسی طرح زید کی وفات کے بعد اس کی بیوی عدت وفات گزار رہی تھی کہ عمر نے اس سے نکاح کرلیا اور پھر متارکت بھی ہوگئی تو اب اس کی عدت متارکت بھی گزارنی ہوگی اور ان دونوں مدتوں میں بھی تداخل ہوگا۔ اگر عدت وفات کیساتھ تین حیض بھی آچکے ہیں تو دونوں عدت پوری ہوگئی۔ ورنہ عدت وفات گزارنے کے بعد جو تین حیض میں سے ایک حیض یا دو حیض باقی رہ جائیں گے۔ اس کو بعد میں پورا کرنا ضروری ہوگا۔

مگر تداخل کی یہ ساری صورت مسئلہ اس وقت ہے جبکہ عورت زوج ثانی عمر کے علاوہ سے نکاح کرنا چاہے۔ اور اگر عورت خود اسی زوج ثانی عمر سے ہی نکاح کرنا چاہتی ہے تو اس کے لئے صرف پہلی عدت گزارنی ہوگی دوسری عدت گزارنی ضروری نہیں کیونکہ صاحب عدت خود نکاح کرنا چاہ رہا ہے اس لئے اس کے لئے استبراء رحم کی ضرورت نہیں۔[1]

نابالغ بچوں کی بیوی پر عدت

عدت کے مسئلہ میں نابالغ وبالغ کی بیوی کا حکم یکساں ہے یعنی اگر نابالغ بچہ نے بالغ ہوکر بغیر وطی یا خلوت کے طلاق دیدی تو اس کی بیوی پر عدت نہیں لقولہ تعالی: وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَالَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا۔[2]

(۱) اعلم ان المرأۃ اذا وجب علیها عدتان فلما ان یکونا من رجلین او من واحد ففی الثانی لاشك ان العدتین تداخلتا وفی الاول ان کانتا من جنسین کالمتوفی عنها زوجها اذا وطئت بشبهة او من جنس واحد کالمطلقة اذا تزوجت فی عدتها فوطئها الثانی وفرق بینهما تداخلتا عندنا ویکون ماتراه من الحیض محتسبا منهما جمیعا واذا انقضت العدة الاولی ولم تکمل الثانیة فعلیها اتمام الثانیة (قوله والمرئی منهما) الخ بیان للتداخل فلوکانت وطئت بعد حیضة من الاولی فعلیها حیضتان تکملة الاولی وتحتسب بهما من عدة الثانی فاذا حاضت واحدة بعد ذلك تمت الثانیة ایضا نهر وهذا اذا کان بعد التفریق بینهما وبین الواطئ الثانی اما اذا حاضت حیضة قبله فهی من عدة الاول خاصة وتمامه فی البحر عن الجوهرة (شامی صفحه ۲۰۰ تا ۲۰۱ جلد ۵) (۲) سورۃ البقرۃ آیت

اگر بچہ نے وطی کرلی یا وطی نہ کرسکا مگر خلوت ہوگئی تو اس کی مطلقہ پر عدت طلاق تین حیض بشرطیکہ اس کو حیض آتا ہو ورنہ قمری تین ماہ گزارنے ہوں گے۔[1]

(نوٹ) نابالغ شوہر کی طلاق واقع نہیں ہوتی ہے جیسا کہ شرائط طلاق کے ضمن میں گزر چکا۔ نیز شوہر نابالغ ہے یا صرف بیوی نابالغہ ہے اور اسی حالت میں شوہر انتقال کرجائے تو بیوی پر ہر صورت میں عدت وفات چار ماہ دس دن گزارنے ہوں گے خواہ میاں بیوی کے درمیان وطی یا خلوت پائی گئی ہو یا نہ پائی گئی ہو۔[2]

عنین اور خصی مرد کی بیوی پر عدت

عنین یعنی نامرد اور خصی مرد کی بیوی کی عدت کا بھی حکم عام مردوں جیسا ہے کہ اگر عنین یا خصی نے اپنی بیوی کو بغیر خلوت کے طلاق دیدی تو اس کی بیوی پر عدت نہیں اور اگر خلوت کے بعد طلاق دی ہے اگرچہ وطی نہ کرسکا ہو تو اس کی بیوی پر بھی عدت طلاق ضروری ہے۔[3]

جو عورت قابل مجامعت نہیں اسکے ساتھ خلوت سے عدت ہے

شادی کے بعد خلوت ہونے پر معلوم ہوا کہ عورت قابل مجامعت نہیں پیشاب کے سوراخ کے علاوہ کچھ نہیں ہے تو ایسی عورت پر بھی طلاق یا شوہر کی وفات کے بعد عدت واجب ہوگی اور شوہر کو نفقہ بھی دینا پڑیگا البتہ کل مہر کے بجائے نصف ہی لازم ہوگا۔[4]

(۱) وتجب العدة بخلوته وان كانت فاسدة لان تصريحهم بوجوبها بالخلوة الفاسدة شامل لخلوة الصبي كذ في البحر (شامی صفحه ۲۵۰ جلد٤)

(۲) والعدة للموت لربعة اشهر .... مطلقا وطئت اولا ولو صغيرة او كتابية (درمختار على هامش شامی صفحه ۱۸۸ جلد٥)

(۳) والخلوة بلا مرض احدهما... كالوط... ولو مجبوبا او عنينا او خصيا الخ وتجب العدة فيها اى تجب العدة على المطلقة بعد الخلوة احتياطا (بحر الرائق صفحه ۲٦٦ تا ۲۷۲ جلد۳) (٤) وتجب العدة بخلوته وان كانت فاسدة لان تصريحهم بوجوبها بالخلوة الفاسدة (شامی صفحه ۲۵۰ جلد۲ باب المهر)

نومسلمہ کی عدت

اگر کسی شادی شدہ عورت نے اسلام قبول کرلیا تو شوہر پر اسلام پیش کیا جائیگا قبول کرلے تو ٹھیک ہے ورنہ عورت تین حیض تک عدت گزارے گی اور اگر حیض نہ آتا ہو تو تین ماہ تک اور اگر حاملہ ہو تو وضع حمل تک۔ ہاں اگر دوران عدت شوہر نے بھی اسلام قبول کرلیا تو نکاح برقرار رہے گا۔[1]

نومسلمہ کی عدت جس کا شوہر انتقال کرگیا

شوہر کے کفر کی حالت ہی میں انتقال کے بعد عورت نے اسلام قبول کرلیا تو دیکھا جائے گا کہ کفار کے اعتقاد میں عدت اگر واجب ہوتی ہے تو پھر عدت گزارنا ضروری ہے ورنہ بغیر عدت گزارے دوسرا نکاح اسلام قبول کرنے کے بعد فوراً کرسکتی ہے۔[2]

مرتدہ اسلام لانے کے بعد عدت گزار کر نکاح کریگی

اگر عورت مرتدہ ہوکر (نعوذ باللہ من ذالک) پھر اسلام قبول کرلے اور کسی شخص سے نکاح کرنا چاہے تو نکاح نہیں کرسکتی بلکہ اس کے لئے لازم یہ ہے کہ اگر وہ مدخولہ ہے تو عدت طلاق گزارے۔[3]

---

(۱) اذا اسلم احد الزوجين المجوسيين او امرأة الكتابي عرض الاسلام على الاخر فان اسلم فيها والا بأن ابى او سكت فرق بينهما الخ ولو اسلم احدهما اى احد المجوسيين او امرأة الكتابي الخ لم تبن حتى تحيض ثلاثا او تمضي ثلاثة اشهر (درمختار) (لم تبن حتى تحيض الخ) افاد بتوقف البينونة على الحيض ان الاخر لو اسلم قبل انقضائها فلا بينونة بحر قوله (او تمضي ثلاثة اشهر) اى ان كانت لاتحيض لصغر او كبر كما فى البحر وان كانت حاملا فحتى تضع حملها (درمختار مع الشامى ص ۳۵۴ تا ۳۶۳ جلد ۴)

(۲) ذمية غير حامل طلقها ذمى او مات عنها لم تعتد عند ابى حنيفة اذا اعتقدوا ذلك (درمختار) قوله لم تعتد عند ابى حنيفة فلو تزوجها مسلم او ذمى فى فور طلاقها جاز (شامى صفحه ۲۱۱ جلد ۵)

(۳) وارتداد احدهما اى الزوجين فسخ فلا ينقص عددا عاجل بلا قضاء الخ لو ارتد وعليه نفقة العدة (درمختار) (وعليه نفقة العدة) أى لو مدخولا بها اذ غيرها لاعدة عليها وافادة وجوب العدة سواء ارتد اوارتدت بالحيض او بالاشهر لو صغيرة او آيسة او بوضع الحمل (شامى صفحه ۳۶۶ جلد ۴)

اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ عورت نے یہ کام شوہر سے علیحدگی حاصل کرنے کے لئے کیا ہے اور شوہر اس کو رکھنا بھی چاہتا ہے تو اس عورت کو مجبور علی الاسلام کر کے دوبارہ اسی شوہر سے کم مہر پر نکاح کر دیا جائے اور اگر شوہر نہ چاہے تو پھر عدت کے بعد کسی دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔[1] مگر علیحدگی کیلئے ارتداد کا حیلہ اختیار کرنا بہت برا ہے خطرے اور گناہ کی بات ہے اللہ ہم لوگوں کی حفاظت فرمائے۔ آمین

عدت کے احکام

مطلقہ رجعیہ کی عدت صرف یہ ہے کہ وہ مقررہ مدت تک گھر میں بیٹھی رہے گھر سے باہر نہ نکلے اور نہ کسی مرد سے نکاح کرے نہ کوئی اس کو پیغام دے اور نہ یہ قبول کرے۔ باقی اس کیلئے ایام عدت میں خوب بناؤ، سنگھار اور زیب وزینت کرنا مناسب ہے تا کہ مرد اس کی طرف راغب ہو جائے اور اپنی طلاق سے رجوع کر لے۔ اور اگر مرد کا اپنی طلاق سے رجوع کرنے کا ارادہ نہیں تو پھر عورت کے سامنے بلا تکلف نہیں بلکہ کھنکار کے آئے تا کہ عورت سنبھل جائے اور بدن کھلا ہو تو پردہ کر لے۔

نیز طلاق رجعی کی صورت میں شوہر بغیر رجوع کئے ہوئے عورت کو اپنے ساتھ سفر میں نہیں لیجا سکتا ہے اور نہ عورت کیلئے اس کے ساتھ سفر کرنا درست ہے۔ اسی طرح گھر سے باہر لیجانا بھی درست نہیں نیز اسی طرح عدم اعتماد کی بناء پر اس کے ساتھ خلوت بھی درست نہیں۔[2]

(۱) تجبر علی الاسلام وعلی تجدید النکاح زجراً لها بمهر يسير كدينار وعليه الفتوى (درمختار) ولا يخفى ان محله ما اذا طلب الزوج ذلك اما لوسكت او تركه صريحا فانها لاتجبر وتزوج من غيره (شامی ٣٦٧ جلد٤ باب النكاح الكافر)

(۲) المطلقة الرجعية تتشرف وتتزين ويستحب لزوجها ان لا يدخل عليها حتى يؤذنها او يسمعها حفق نعليه اذا لم يكن من قصده المراجعة وليس له ان يسافر بها حتى يشهد على رجعتها كذا فى الهداية وكذا لايحل اخراجها إلى مادون السفر كذا فى النهر الفائق وكما يكره السفر بها تكره الخلوة وقال السرخسي انما تكره الخلوة اذا لم يأمن من غشيانها (عالمگیری ص ٤٧٢ ج ١)

اور جو عورت طلاق بائن یا مغلظہ یا کسی وجہ سے زوجین کے مابین فرقت واقع ہونے کی وجہ سے یا شوہر کے وفات پانے کی وجہ سے عدت گزار رہی ہو تو وہ دورانِ عدت نہ کسی مرد سے نکاح کرسکتی ہے نہ نکاح کا پیغام اس کو کوئی دے سکتا ہے اور نہ یہ خود پیغام قبول کرسکتی ہے۔ نیز طلاق رجعی کے علاوہ علیحدگی کی تمام صورتوں میں اپنے شوہر سے بھی سخت پردہ اور احتیاط لازم ہے۔ عورت پر عدت کے تمام ایام اپنے اسی مکان میں گزارنا واجب ہے جو طلاق یا فرقت سے قبل اس کا رہائشی مکان تھا بغیر عذر شرعی کے اس مکان سے کسی وقت بھی نکلنا جائز نہیں کیونکہ زمانۂ عدت کا سکنی شرعی حق ہے جس کو خود زوجین باہمی رضامندی سے بھی ساقط نہیں کرسکتے۔

اگر عورت کی عصمت کو شوہر سے خطرہ لاحق ہو تو قاضی مرد کو گھر سے باہر رہنے کا حکم دیدیگا۔[1]

شوہر کے گھر سے باہر تھی کہ طلاق پڑگئی یا شوہر کا انتقال ہوگیا

عورت میکے گئی تھی یا کسی اور جگہ تھی کہ اس کو طلاق دیدی گئی یا شوہر کا انتقال ہوگیا تو فوراً وہ چلی آئے اور شوہر کے جس گھر میں رہتی تھی وہیں رہ کر عدت پوری کرے۔[2]

---

(۱) ولا تخرج معتدة رجعي بائن باي فرقة كانت ... لو ... مكلفة من بيتها اصلا لا ليلا ولا نهارا ولا الى صحن دار فيها منازل لغيره ولو باذنه لانه حق الله تعالى (درمختار) قوله باي فرقة كانت الخ اي ولو بمعصية كتقبيلها ابن زوجها الخ (قوله مكلفة) اخرج الصغيرة ومجنونة الخ (قوله من بيتها) متعلق بقوله ولاتخرج والمراد به ما يضاف اليها بالسكنى حال وقوع الفرقة والموت هدايه سواء كان مملوكا للزوج او غيره حتى لوكان غائبا وهي في دار باجرة قادرة على دفعها فليس لها ان تخرج بل تدفع وترجع ان كان باذن الحاكم (الدرالمختار مع الشامي صفحه ۲۲۳ تا ۲۲٤ جلده)

(۲) طلقت او مات وهي زائرة في غير مسكنها عادت اليه فورا لوجوبه عليها (درمختار على هامش شامي صفحه ۲۲۵ جلده)

بعض وہ اعذار جنکی وجہ سے عورت صرف دن میں باہر جاسکتی ہے

عدت وفات اس گھر میں گزارنا ضروری ہے جس میں شوہر کا انتقال ہوا ہو گھر سے باہر نکلنا درست نہیں ہے مگر بعض ایسے اعذار و ضروریات جن کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں جیسے نفقہ کا کوئی انتظام نہ ہو یا اس کی جائداد کی دیکھ ریکھ کرنے والا کوئی نہ ہو یا علاج وغیرہ کیلئے باہر جانا پڑتا ہو یا عدالت میں حاضری ضروری ہو تو بقدر ضرورت دن میں گھر سے باہر جاسکتی ہے مگر رات گزارنا بہر صورت گھر میں ضروری ہے۔[1]

بعض وہ اعذار جنکی وجہ سے ایام عدت گھر سے باہر گزارنا جائز ہے

اگر شوہر کے گھر میں عدت گزارنا مشکل ہو جائے جیسے شوہر کا مکان منہدم ہو گیا یا گھر گرنے کا خطرہ ہو یا اس مکان میں عورت کو خوف شدید لاحق ہو یا کرایہ کا مکان تھا معتدہ کرایہ ادا کرنے سے قاصر ہو یا وہ مکان ترکہ بن کر وارثوں میں تقسیم ہو کر معتدہ کے حصہ میں اتنا کم باقی رہ گیا کہ اس کی رہائش کیلئے ناکافی ہو گیا۔ یا ان کے علاوہ دیگر مجبوریوں کیوجہ سے مکان سے باہر رہنا بجد ضروری ہو تو معتدہ مکان سے نکل سکتی ہے۔

اب اگر وہ مفقود یا مرحوم شخص کی معتدہ ہے تو عورت اپنی پسند کی دوسری جگہ منتقل ہو جائے گی۔ اور اگر طلاق یا دوسری بینونت کی صورت میں موجود اور زندہ شخص کی معتدہ ہے تو شوہر جو مکان پسند کرے اس میں منتقل ہو گی اور بہر

(۱) (ومتعدۃ موت تخرج فی الجدیدین وتبیت) اکثر اللیل (فی منزلها لان نفقتها علیها فتحتاج للخروج حتی لوکان عندها کفایتها صارت کالمطلقة فلا یحل لها الخروج فتح وجوز فی القنیة خروجها لاصلاح ما لابدلها منه کزراعة ولا وکیل لها (درمختار علی هامش شامی صفحه ۲۲۴تا ۲۲۵ جلد ۵)

صورت دوسرا امکان پہلے کے حکم میں ہوگا۔[1]

دوران عدت نکاح کا پیغام دینا

کسی بھی عدت کے زمانہ میں معتدہ کو پیغام نکاح دینا جائز نہیں البتہ وفات کی عدت گزارنے والی سے اور وطی بالشبہ یا نکاح فاسد میں وطی کی وجہ سے عدت گزارنے والی خاتون سے نکاح کی تعریض یعنی اشارۃً و کنایۃً نکاح کا پیغام دینا مثلاً یوں کہنا کہ تم سے تو کوئی بھی نکاح کرلے گا مجھے بھی نکاح کرنا ہے وغیرہ جائز ہے صراحۃً پیغام دینا جائز نہیں۔[2]

سوگ یعنی ترک زینت کا حکم

موت یا طلاق بائن یا طلاق مغلظہ یا کسی طرح فرقت کی وجہ سے عدت گزارنے والی عورت کو بغیر کسی مجبوری کے تیل، سرمہ، مہندی لگانا، کنگھی کرنا، ریشم کا شوخ رنگ کا کپڑا پہننا، خضاب کرنا، یا دوسری زینت کی چیزیں استعمال کرنا جائز نہیں لہٰذا وہ عدت کیلئے زیورات اور چوڑیاں وغیرہ اتار دے البتہ طلاق رجعی یا

(۱) (وتعتدان) ای معتدة طلاق وموت فی بیت وجبت فیه ولا یخرجان منه الا ان تخرج لو یتهدم المنزل او تخاف انهدامه او تلف مالها او لا تجد کراء البیت ونحو ذلك من الضرورات فتخرج لاقرب موضع الیه وفی الطلاق الی حیث شاء الزوج (درمختار) (قوله او لا تجد کراء البیت) افاد انها لو قدرت علیه لزمها من مالها وترجع به المطلقة علی الزوج ان کان باذن الحاکم کمامر (قوله ونحو ذلك) منه ما فی الظهیریة لو خافت باللیل من امر المیت والموت ولا احد معها لها التحول والخوف شدیدا والا فلا (قوله فتخرج) ای معتدة الوفاة کما دل علیه ما بعده (قوله وفی الطلاق الخ) عطف علی محذوف تقدیره هذا فی الوفاة، وتعیین المنزل الثلثی للزوج فی الطلاق ولها فی الوفاة فتح وکذا اذا طلقها وهو غائب فالتعین لها معراج وفیه ایضا عین انتقالها الی اقرب المواضع مما انهدم فی الوفاة والی حیث شاء ت فی الطلاق بحرفنا فادان تعیین الاقرب مفوض الیها فلنهم وحکم ما انتقلت الیه حکم المسکن الاصلی فلا تخرج منه بحر (شامی صفحه ۲۲۵ تا ۲۲۶ جلد۵)

(۲) (والمعتدة) ای معتدة کانت عینی فتعم معتدة عتق ونکاح فاسد واما الخالیة فتخطب اذا لم یخطبها غیره وترضی به فلو سکتت فقولان (تحرم خطبتها) .... وصح التعریض کارید التزوج لو معتدة الوفاة لا المطلقة اجماعا لافضائه الی عداوة المطلق ومفاده جوازه لمعتدة عتق ونکاح فاسد ووطء بشبهة نهر (درمختار علی هامش شامی ۲۲۱ تا ۲۲۲ جلد۵)

نکاح فاسد اور وطی بالشبہ کی عدت گزارنے والی خاتون یا معتدہ نابالغہ اور مجنونہ پر ترک زینت لازم نہیں ہے۔[1] ہاں گھر سے نکلنا اور دوسرا نکاح کرنا ان سب عورتوں کے لئے بھی درست نہیں۔

بعض وہ اعذار جن کی وجہ سے زینت کی بعض چیزیں استعمال کرنا جائز ہے

بعض مجبوریوں کیوجہ سے زینت کی چیزوں کا استعمال ارادۂ زینت کے بغیر جائز ہے جیسے آنکھ میں درد کیوجہ سے سرمہ لگانا، خارش کیوجہ سے ریشمی کپڑا پہننا، سر میں درد کیوجہ سے تیل لگانا، موٹے اور فاصلہ دار دندانے والی کنگھی سے سر کے بالوں کو اس طرح درست کرنا کہ اس سے خوبصورتی نہ آنے پائے، جائز ہے۔

نیز اگر عورت کے پاس شوخ رنگین کپڑے کے علاوہ کوئی دوسرا کپڑا نہیں ہے تو وہ اس کپڑے کو اس وقت تک ستر چھپانے کیلئے پہن سکتی ہے جب تک کہ کسی طرح سے بھی غیر شوخ رنگین کپڑا نہ مل جائے۔[2]

خاوند کے علاوہ میت پر سوگ

خاوند کے علاوہ کسی اور رشتہ دار کے انتقال پر سوگ منانا تین دن سے

(۱) (تحد... مكلفة مسلمة ولوامة منكوحة) بنكاح صحيح ودخل بها بدليل قوله (اذا كانت معتدة بت او موت) وان امرها المطلق او الميت بتركه لانه حق الشرع اظهاراً للتأسف على فوات النكاح بترك الزنية بحلي او حرير او امتشاط بضيق الاسنان والطيب وان لم يكن لها كسب الا فيه والدهن ولو بلا طيب كزيت خالص والكحل والحناء ولبس المعصفر والمزعفر .... الا بعذر الخ لاحداد على ... صغيره ومجنونة .... ومعتدة... نكاح فاسد او وط بشبهة او طلاق رجعي (درمختار على هامش شامى ۲۱۷ تا ۲۲۰ جلده)

(۲) الا بعذر راجع للجميع اذا الضرورت تبيح المحضورات (درمختار) فان كان وجع بالعين فتكتحل او حكة فتلبس الحرير او تشتكي رأسها فتدهن وتمشط بالاسنان الغليظة المتباعدة من غير ارادة الزينة لان هذا تداو لازينة جوهرة قال فى الفتح وفى الكافى الا اذا لم يكن لها ثوب الا المصبوغ فانه لا بأس به لضرورة ستر العورة لكن لاتقصد الزينة وينبغى بتقييده بقدر ما تستحدث ثوبا غيره اما ببيعه والاستخلاف بثمنه او من مالها ان كان لها (شامى صفحه ۲۱۸ تا ۲۱۹ جلده)

زیادہ جائز نہیں چنانچہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے وہ فرماتی ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ:

لایحل لامرأة تؤمن بالله والیوم الاخر تحد فوق ثلث الا علی زوج فانها لاتکتحل ولا تلبس ثوبا مصبوغا الا ثوب عصب [1]

جو عورت اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو اس کیلئے شوہر کے علاوہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں اور سوگ والی عورت نہ سرمہ لگائے نہ رنگین کپڑا پہنے مگر سمین دھاری دار کپڑا پہن سکتی ہے۔

زمانۂ عدت کا نفقہ

خزینة الفقہ جلد اول میں تفصیل سے یہ مسئلہ آچکا ہے۔ مختصر یہ کہ طلاق کی عدت میں عورت کو نفقہ ملے گا۔ مگر عدت وفات میں وہ نفقہ کی مستحق نہیں۔[2]

اسی طرح نکاح اگر عورت کے فعل معصیت کیوجہ سے ٹوٹتا ہے جیسے اس نے اپنے سوتیلے لڑکے سے غلط حرکت کرلی یا شہوت کیساتھ چھولیا یا اسلام سے پھر گئی جس کی وجہ سے نکاح ٹوٹ گیا تو ان صورتوں میں بھی وہ عدت کے زمانہ کے نفقہ کی مستحق نہیں ہوگی۔[3] البتہ رہنے کا گھر ملے گا۔ اسی طرح شرائط نکاح نہ

(۱) بخاری شریف صفحه ۸۰۴ جلد۲ کتاب الطلاق

(۲) (ویباح الحداد الخ) ای حدیث الصحیح لایحل لامرأة تومن بالله والیوم الاخر ان تحد فوق ثلاث الاعلی زوجها فانها تحد اربعة اشهر وعشرا فدل علی حله فی الثلاث دون مافوقها وعلیه حمل اطلاق محمد فی النوادر عدم الحل کما افاده فی الفتح وفی البحر عن التاتر خانیة انه یستحب لها ترکه ای ترکه اصلا قوله (وتزوج منعها الخ) عبارة الفتح وینبغی انها لوارادت ان تحد علی قرابة ثلاثة ایا ولها زوج له ان یمنعها لأن الزینة حقه حتی کان له ان یضربها علی ترکها اذا امتنعت وهو یریدها وهذا الاحداد مباح لها لاواجب وبه یفوت حقه (شامی صفحه ۲۲۰ جلد۵) (۳) واذا طلق الرجل امرأته فلها النفقة والسکنی فی عدتها رجعیا کان او بائنا الخ ولا نفقة للمتوفی عنها زوجها الخ وکل فرقة جاءت من قبل المرأة بمعصیة مثل الردة وتقبیل ابن الزوج فلا نفقة لها (هدایة ۴۴۳ تا ۴۴۴ جلد۲)

پائے جانے کی وجہ سے نکاح فاسد ہوا تو ایسی عورت کو نہ نکاح کے اندر نفقہ ملے گا اور نہ عدت کے زمانہ میں مگر وطی اور خلوت کیوجہ سے اس پر عدت واجب ہے البتہ بغیر گواہ کے بھی نکاح فاسد ہوگا مگر اس صورت میں نفقہ کی مستحق ہوگی۔

اسی طرح وطی بالشبہ کیوجہ سے عورت پر عدت تو واجب ہوتی ہے مگر زمانۂ عدت کا نفقہ وطی کرنے والے مرد پر واجب نہیں۔

نیز اگر کسی نے اپنی بیوی کی بہن یا پھوپھی یا خالہ وغیرہ سے نکاح کرلیا اور جس وقت اس عورت سے دخول کیا تھا اس وقت معلوم نہ تھا کہ یہ بیوی کی بہن یا پھوپھی، خالہ وغیرہ ہے بعد میں معلوم ہونے پر تفریق کردی گئی تو مرد عدت کے دوران اپنی بیوی سے بھی الگ رہے گا اور عدت کے زمانہ کا نفقہ بیوی کو تو ملے گا مگر اس کی بہن کو نہیں جبکہ عدت بیوی کی بہن پر بھی واجب ہے[1]

عدت کے سلسلے میں ایک غلط دستور

بعض جگہ لوگ عدت کے سلسلے میں اس قدر غلو کر جاتے ہیں کہ عدت گزارنے والی خاتون کو گھر کے ایک کونے میں مقید کردیتے ہیں گویا کہ وہ اعتکاف میں ہے نہ وہ خود وہاں سے دوسری جگہ جاسکتی ہے اور نہ اس کی چارپائی ہلتی ہے یہ واہیات ہے شریعت میں معتدہ کو گھر کے صحن وغیرہ میں آنا اور گھریلو کام کاج کرنا سب جائز ہے۔

نیز بعض جگہ کا یہ بھی دستور ہے کہ شوہر کے مرنے کے بعد عورت سال بھر تک عدت میں رہتی ہے حالانکہ یہ رسم جاہلیت ہے جس کو اسلام نے ختم کردیا ہے۔

نسب کا بیان

نسب کے معنی:- نسب کے لغوی معنی، نسب بیان کرنا اور نسب دریافت

(۱) کل من وطئت بشبهة فلا نفقة لها كذا فى الخلاصة قال ولا نفقة فى النكاح الفاسد ولا فى العدة منه الخ واجمعوا ان فى النكاح بغير شهود تستحق النفقة... ولو تزوج اخت امرأته وعمتها او خالتها ولم يعلم بذلك حين دخل بها وفرق بينهما ووجب عليه ان يعتزل عنها مدة عدة اختها فلا مرأته النفقة ولا نفقة لاختها وان وجبت عليها العدة (عالمگیری صفحہ ۵۴۷ جلد۱)

نصیب ہونے کا سبب ہے۔

منقول ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ وحضرت عائشہؓ انساب کے ماہر تھے عرب کے لوگ ان سے نسب کا علم حاصل کرتے تھے۔[1]

بہر حال مزاج شریعت کو سامنے رکھتے ہوئے حضرات فقہاء نے کتاب وسنت سے دو اصول مستنبط کئے ہیں۔(۱) نسب کے سلسلے میں حد درجہ احتیاط کا پہلو اختیار کیا جائے۔ اسی لئے بسا اوقات نادر صورتیں فرض کر کے اسے ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ (۲) ولد صاحب فراش کیلئے ہے اور زانی کیلئے پتھر یعنی اس پر سنگ ساری ہے۔ انہیں دونوں اصولوں پر مسائل کی تخریج کی گئی۔ ہے۔

ثبوت نسب کیلئے حمل کی مدت

حمل کی کم سے کم مدت بالاتفاق چھ ماہ ہے اس سے کم میں صحیح سالم بچہ پیدا نہیں ہو سکتا اور زیادہ سے زیادہ احناف کے یہاں دو سال ہے اس سے زیادہ پیٹ میں بچہ نہیں رہ سکتا۔[2]

شادی کے بعد کتنی مدت میں بچہ پیدا ہونے سے نسب ثابت ہوگا

اگر کسی مرد نے کسی عورت سے نکاح صحیح کیا اور عورت نے چھ ماہ سے کم میں بچہ جن دیا تو بچہ کا نسب اس مرد سے ثابت نہیں ہوگا۔ ہاں اگر یہی بچہ نکاح کے وقت سے چھ ماہ یا اس سے زائد مدت میں پیدا ہوا تو شوہر کے اعتراف کرنے یا خاموش رہنے سے بچہ کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا اور اگر شوہر اس بچہ کا انکار کرے کہ میرا نہیں ہے تو صرف انکار سے نسب منقطع نہیں ہوگا بلکہ اس پر لعان کا حکم

(۱) الاصابة صفحه ۴۶۱ جلد ۵

(۲) اکثر مدة الحمل سنتان لخبر عائشة رضی الله عنها کما مر فی الرضاع .... واقلها ستة اشهر اجماعا (درمختار علی هامش شامی صفحه ۲۳۰ جلد ۵)

ہو گا۔ ۱؎ نکاح فاسد کا بھی یہی حکم ہے کہ چھ ماہ یا اس سے زائد مدت میں ولادت سے نسب ثابت ہو جائے گا شوہر کی طرف سے دعویٰ ضروری نہیں۔ ۲؎

وطی بالشبہ سے نسب

اگر کسی نے کسی عورت سے بطور شبہ کے یہ سمجھ کر وطی کر لی کہ یہ میری بیوی ہے حالانکہ اس کی بیوی نہیں تھی تو اس سے نسب ثابت ہونے کے لئے وطی کرنے والے کا دعویٰ شرط ہے۔ اگر اس نے دعوی کر دیا کہ یہ بچہ میرا ہے تو بچہ کا نسب اس سے ثابت ہو گا ورنہ نہیں۔ ۳؎

طلاق رجعی کے بعد بچہ پیدا ہونے کی صورت میں نسب

اگر مطلقہ رجعیہ ہے تو اس کی تین صورتیں ہیں (۱) اول یہ کہ مطلقہ رجعیہ کو حیض آتا ہو اور اس نے عدت پوری ہونے کے اقرار سے قبل دو سال یا دو سال کے بعد بچہ جنا ہے اور شوہر اس سے انکار بھی نہیں کرتا تو بچہ کا نسب اسی طلاق دینے والے شوہر سے ثابت ہو گا اور یہ سمجھا جائے گا کہ طلاق رجعی دینے کے بعد شوہر نے صحبت کر کے طلاق سے رجوع کر لیا تھا اس لئے اس صورت میں عورت نکاح سے باہر نہیں ہو گی بلکہ رجعت متحقق ہو جائے گی۔ اور اگر شوہر بچہ سے انکار

---

(۱) قال اصحابنا لثبوت النسب ثلاث مراتب (الاولی) النکاح الصحیح وما هو فی معناه من النکاح الفاسد والحکم فیه انه یثبت النسب من غیر دعوة ولا ینتفی بمجرد النفی وانما ینتفی باللعان فان کانا ممن لالعان بینهما لاینتفی نسب الولد کذا فی المحیط الخ واذا تزوج الرجل امرأة فجاء ت بالولد لاقل من ستة اشهر منذ تزوجها لم یثبت نسبه وان جاء ت به لستة اشهر فصاعدا یثبت نسبه منه اعترف به الزوج او سکت (عالمگیری صفحه ۵۳۶ جلد ۱)

(۲) ویثبت نسب الولد المولود فی النکاح الفاسد وتعتبر مدة النسب من وقت الدخول عند محمد رحمه الله تعالی وعلیه الفتوی قاله ابو اللیث کذا فی التبیین والنکاح الفاسد لاحکم له قبل الدخول (عالمگیری صفحه ۲۳۰ جلد ۱)

(۳) ان من وطی امرأة اجنبیة زفت الیه وقیل له انها امرأتك فهی شبهة فی الفعل وان النسب یثبت اذا ادعاه (بحر الرائق ۲۶۸ جلد ٤ باب ثبوت النسب)

کرے تو لعان کا حکم ہوگا۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ مطلقہ رجعیہ کو حیض آتا ہو اور اس نے عدت کے ایام مکمل ہونے کے اقرار سے قبل دو سال سے کم میں بچہ جنا ہے اور شوہر اس کا انکار بھی نہیں کرتا تو اس بچہ کا نسب اسی شوہر سے ثابت ہوگا۔ مگر عورت اس صورت میں عدت گزر جانے کی وجہ سے بائنہ ہو جائے گی کیونکہ طلاق کے بعد وطی کے ذریعہ رجعت کرنے اور نہ کرنے دونوں کا احتمال ہے اور شک سے رجعت ثابت نہیں ہوتی ہے اور بچہ کا نسب اسلئے ثابت ہوگا کہ مدت حمل میں ولادت ہوئی ہے۔

(۳) اور اگر عورت نے عدت پوری ہونے کا اقرار کر لیا تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اقرار کے بعد چھ ماہ سے کم میں ولادت ہوئی ہے تو نسب ثابت ہوگا اور اگر چھ ماہ یا زائد مدت میں ولادت ہوئی ہے تو بچہ کا نسب ثابت نہیں ہوگا۔[1]

طلاق بائنہ یا مغلظہ کے بعد پیدائش کی صورت میں نسب

اگر عورت کو طلاق بائن یا مغلظہ دی گئی اور اس نے طلاق کے بعد چھ ماہ سے کم میں بچہ جن دیا تو بچہ کا نسب اسی طلاق دینے والے شوہر سے ثابت ہوگا اور اگر چھ ماہ سے زائد اور دو سال کے اندر اندر ہی ولادت ہو گئی اور اس سے قبل عورت نے عدت گزر جانے کا اقرار بھی نہیں کیا تھا تو بھی بچہ کا نسب اسی شوہر سے ثابت ہوگا۔

اور اگر دو سال کے اندر یا دو سال کے بعد ولادت ہوئی تو شوہر کے دعوی پر موقوف رہے گا شوہر بچہ کا دعوی کریگا تو اس سے نسب ثابت ہوگا ورنہ نہیں۔

---

(۱) معتدة الرجعي ... وان ولدت لاكثر من سنتين ولو لعشرين سنة فاكثر لاحتمال امتداد طهرها وعلوقها في العدة مالم تقر بمضي العدة والمدة تحتمله وكانت الولادة رجعة لو في الاكثر منهما او لتمامهما لعلوقها في العدة لافي الاقل للشك وان ثبت نسبه (درمختار) وعبارة الفتح وغيره مالم تقر بانقضاء العدة فان اقرت بانقضائها والمدة تحتمله بان تكون ستين يوما على قول الامام وتسعة وثلاثين على قولهما ثم جاءت بولد لايثبت نسبه الا اذا جاءت به لأقل من ستة اشهر من وقت الاقرار فانه يثبت نسبه للتيقن بقيام الحمل وقت الاقرار فيظهر كذبها (شامي صفحه ۲۳۱ جلد ۵)

اور اگر مطلقہ بائنہ یا مغلظہ نے عدت گزرنے کا اقرار کر لیا تو چھ ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہونے کی صورت میں بچہ کا نسب اسی شوہر سے ثابت ہو گا لیکن اگر چھ ماہ یا اس سے زائد مدت کے بعد ولادت ہوئی تو بچہ کا نسب اس سے ثابت نہیں ہو گا۔[1]

طلاق کے بعد مراہقہ کے بطن سے پیدا ہونے والے بچہ کا نسب

اگر کوئی لڑکی بالکل جوان تو نہیں مگر جوانی کے قریب ہے اور اسی حالت میں طلاق واقع ہو گئی تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر نو ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہوا تو اس کا نسب اسی طلاق دینے والے شوہر سے ثابت ہو گا اور اگر اس کی طلاق کے بعد پورے نو ماہ میں بچہ پیدا ہوا تو بچہ کا نسب ثابت نہیں ہو گا۔ ہاں اگر لڑکی تین مہینے کی عدت کے اندر یہ اقرار کر لے کہ مجھے حمل ہے تو بچہ حرامی نہ ہو گا بلکہ اس اقرار کے بعد بچہ دو سال کے اندر اندر تک پیدا ہونے میں بھی نسب اسی شوہر سے ثابت ہو گا۔[2]

شوہر کی وفات کے بعد ولادت سے بچہ کا نسب

شوہر کی وفات کے بعد اگر بچہ چھ ماہ کے اندر اندر پیدا ہو گیا تو اس کا نسب مطلقاً باپ سے ثابت ہو گا اور اگر چھ ماہ کے بعد اور دو سال کے اندر اندر بچہ پیدا ہوا اور عورت نے عدت گزار لینے کا اقرار بھی نہیں کیا تو بھی بچہ ثابت النسب ہو گا اور اگر عدت گزار لینے کا اقرار کر لیا اور چھ ماہ سے کم مدت میں ولادت ہوئی تو بھی

---

(۱) كما يثبت بلا دعوة احتياطا في مبتوتة جاءت به لاقل منهما من وقت الطلاق لجواز وجوده وقته ولم تقر بمضيها كما مر ولو لتمامها لايثبت النسب الخ الا بدعوته لانه التزمه (درمختار) فلو اقرت به فكالرجعي كما قدمناه عن الفتح (شامي صفحه ۲۳۲ جلد۵)

(۲) فان كانت المبتوتة صغيرة يجامع مثلها فجاءت بولد لتسعة اشهر لم يلزمه حتى تاتي به لاقل من تسعة اشهر عند ابي حنيفة ومحمد وقال ابو يوسف يثبت النسب منه الى سنتين والخ وان كانت مطلقة طلاقا رجعيا وكذلك الجواب عندهما وعنده يثبت الى سبعة وعشرين شهرا لانه يجعل واطيا في آخر العدة وهي الثلثة الاشهر ثم تأتي به لاكثر مدة الحمل وهو سنتان وان كانت الصغيرة ادعت الحبل في العدة فالجواب فيها او في الكبيرة سواء (هداية صفحه ۴۲۱ جلد۲)

بچہ ثابت النسب ہو گا مگر چھ ماہ یا اس سے زیادہ مدت میں ولادت سے بچہ کا نسب ثابت نہیں ہو گا۔[۱]

عقد نکاح کے بعد رخصتی سے قبل ولادت سے نسب

ابھی صرف عقد نکاح ہوا تھا باضابطہ رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ بچہ پیدا ہو گیا اور شوہر انکار بھی نہیں کرتا تو بچہ اسی شوہر سے ثابت النسب ہو گا کیونکہ جب انکار نہیں کرتا ہے تو ممکن ہے کہ خفیہ طور سے دونوں کی ملاقات ہو گئی ہو۔ اور اگر شوہر انکار کرتا ہے تو لعان کا حکم ہو گا۔[۲]

شوہر پردیس میں تھا کہ بچہ پیدا ہو گیا

شوہر دور دراز ملک میں ہے کئی سال سے گھر نہیں آیا اور ادھر اس کی بیوی کو بچہ پیدا ہو گیا اور شوہر انکار بھی نہیں کرتا تو بچہ کا نسب اسی شوہر سے ہو گا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کسی وقت چپکے سے آکر مل گیا ہو اور کسی قانونی مجبوری کیوجہ سے اس کو ظاہر نہ کیا ہو۔ اور اگر خدانخواستہ شوہر آکر نہ بھی ملا ہو اور پھر بھی شوہر خاموش ہے بچہ کا انکار نہیں کرتا تو بچہ کا نسب اسی شوہر سے ثابت ہو گا اور نسب ثابت ہونے کا مطلب اس وقت یہ ہو گا کہ بچہ اگرچہ ولد الزنا ہے مگر حضورؐ کی حدیث (الولد للفراش وللعاهر الحجر) کیوجہ سے ہم کو منع کر دیا گیا ہے کہ ہم اس کو حرامی کہیں اس لئے بچہ اسی شوہر کی طرف منسوب ہو گا۔

(۱) ولو مات عنها قبل الدخول او بعده ثم جاءت بولد من وقت الوفاة الى سنتين يثبت النسب منه وان جاءت به لاكثر من سنتين من وقت الوفات لايثبت النسب هذا كله اذا لم تقر بانقضاء العدة وان اقرت وذلك في مدة تنقضي في مثلها العدة الطلاق والوفاة سواء ثم جاءت به لاقل من ستة اشهر من وقت الاقرار يثبت النسب والا فلا (عالمگیری صفحہ ۵۳۷ جلد ۱)

(۲) قال اصحابنا لثبوت ثلاث النسب مراتب (الاولى) النكاح الصحيح وما هو في معناه من النكاح الفاسد والحكم فيه انه يثبت النسب من غير دعوة ولا ينتفي بمجرد انتفى وانما ينتفي باللعان فان كانا ممن لا لعان بينهما لاينتفي نسب الولد كذا في المحيط (عالمگیری صفحہ ۵۳۶ جلد ۱)

اور اگر شوہر بچہ کا انکار کرے تو لعان کا حکم ہوگا۔[1]

زنا سے بچہ پیدا ہوا تو اس کا نسب ثابت نہیں

اگر کسی شخص کے زنا سے بچہ پیدا ہوا اور عورت و مرد اس کا خود اقرار بھی کرتے ہیں کہ ہم دونوں سے یہ بچہ ہے تو بھی اس بچہ کا نسب اس مرد سے ثابت نہیں ہوگا اور اس بچہ کے سلسلے میں اس کو کوئی شرعی حق نہیں ملے گا۔[2]

حاملہ زانیہ سے خود زانی نے نکاح کیا پھر بچہ پیدا ہوا

ایک عورت کو زنا سے حمل قرار پا گیا پھر خود زنا کرنے والے نے اس زانیہ سے نکاح کر لیا تو اگر نکاح کے بعد چھ ماہ یا چھ ماہ سے زائد مدت میں بچہ پیدا ہوا تو اس کا نسب اس زنا کرنے والے مرد سے ثابت ہو جائے گا۔ (مگر یہ نسب نکاح کی وجہ سے ثابت ہوگا نہ کہ زنا سے) اور اگر نکاح کے بعد چھ ماہ سے کم ہی مدت میں بچہ پیدا ہو گیا تو اس بچہ کا نسب ثابت نہیں ہوگا۔[3]

منکوحہ غیر مطلقہ سے دوسرے مرد کا نکاح اور اسکی اولاد کا نسب

ایسی عورت سے کسی نے نکاح کر لیا جس کا خاوند زندہ ہے اور اس نے اس کو طلاق بھی نہیں دی ہے اور نکاح کرنے والے کو اس کا علم بھی ہے تو یہ نکاح ناجائز اور باطل ہے اس سے جو اولاد ہوگی اس کا نسب زوج ثانی سے ثابت نہیں زوج اول

---

(۱) ان الفراش علی اربع مراتب وقد اکتفو بقیام الفراش بلا دخول کتزوج المغربی بمشرقیة بینهما سنة فولدت لستة اشهر مذ تزوجها لتصوره کرامة او استخداما فتح (درمختار) بلا دخول) المراد نفیه ظاهرا والا فلا بد من تصوره وامکانه ولذا لم یثبتو النسب من زوجة الطفل ولا ممن ولدت لاقل من ستة اشهر علی ما مر تفصیله (شامی صفحه ۲۴۵ جلد۵)

(۲) اذا اقر انه زنی بهذه الحرة وان هذا الولد منها من الزنا وصدقته المرأة فی ذلک لایثبت الولد من الرجل (فتاوی عبدالحی صحفه ۲۴۶ باب ثبوت النسب)

(۳) ولو زنی بامرأة فحملت ثم تزوجها فولدت ان جاء ت به لستة اشهر فصاعدا ثبت نسبه وان جاءت به لاقل من ستة اشهر لم یثبت نسبه (عالمگیری صفحه ۵۴۰ جلد۱)

اگر انکار نہ کرے تو اسی سے نسب ثابت ہوگا۔ (**لقوله عليه السلام الولد للفراش وللعاهر الحجر**) اگر شوہر اول انکار کر دے تو بچہ ولد حرام ہوگا۔[1]

اور اگر زوج ثانی کو اس کا علم نہیں کہ وہ عورت منکوحہ ہے یا غیر منکوحہ بلکہ لاعلمی کی وجہ سے نکاح کر لیا تھا پھر اس سے بچہ پیدا ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ اس کا شوہر اول موجود ہے میں نے بغیر طلاق کے نکاح کیا تھا تو بیوی اول ہی کو ملے گی مگر بچہ کا نسب شوہر ثانی سے ثابت ہوگا۔[2]

مفقود کی بیوی سے نکاح کے بعد اولاد کا نسب

مفقود شخص کی بیوی سے قانون فسخ کے بعد نکاح کیا اور اس سے اولاد ہوئی پھر مفقود شخص واپس آگیا تو عورت شوہر اول کو ملے گی مگر اولاد کا نسب دوسرے شوہر سے ثابت ہوگا۔[3]

نکاح باطل و فاسد کے نسب کے سلسلے میں فرق

نکاح باطل کے ذریعہ ولادت سے نسب ثابت نہیں ہوگا کیونکہ اس صورت میں وطی کرنا زنا ہے جیسے محارم سے نکاح کرنا باطل ہے خواہ محرمات نسبیہ ہوں یا صہریہ یا رضاعیہ اسی طرح غیر مذہب مثلاً کافر یا قادیانی وغیرہ سے نکاح باطل ہے۔ مگر میاں بیوی دونوں کافر ہوں تو ان کی اولاد کا نسب اسلام کے بعد بھی ثابت ہوگا۔ نیز اس طرح یکے بعد دیگرے دو بہنوں کو نکاح میں جمع کیا یا دیگر محارم کو جمع کیا یا بغیر گواہ کے نکاح ہوا تو یہ نکاح باطل ہے ان تمام صورتوں میں نسب ثابت نہیں ہوگا۔

اور اگر نکاح فاسد کے ذریعہ ولادت ہوئی تو اس نکاح کو ختم کر دیا جائے گا

(۱) وهذا اذا لم يعلم بان لها زوجا غيره فكيف اذا ظهر زوج غيره فلا شك في عدم ثبوته من الثاني (شامي ۲۴۸ جلد ۵)

(۳،۲) غاب عن امرأته فتزوجت باخر وولدت اولاداً ثم جاء الزوج الاول فالاولاد للثاني على المذاهب (درمختار) غاب عن امرأته الخ) شامل لما اذا بلغها موته او طلاقه فاعتدت وتزوجت ثم بان خلافه (شامي صفحه ۲۴۷ جلد ۵)

مگر نسب اس سے ثابت ہوگا کیونکہ اس میں شبہ کے طور پر وطی کی گئی ہے اور وطی بالشبہ سے نسب ثابت ہوتا ہے جیسے دو بہنوں یا دو باہمی رشتہ دار عورتوں سے ایک ساتھ ایک ہی عقد میں نکاح کر لیا یا ایک بہن کی عدت میں دوسری بہن سے نکاح کیا یا کسی عدت گزارنے والی عورت سے نکاح کر لیا۔ یا چار سے زیادہ عورتوں سے نکاح کر لیا یا پانچویں سے چوتھی کی عدت میں نکاح کیا۔ یا آزاد عورت کے ہوتے ہوئے باندی سے نکاح کیا یا کسی ذمی کافر نے مسلمان عورت سے نکاح کر لیا تو یہ تمام نکاح فاسد ہیں۔ اگر ان نکاحوں کے بعد بچہ پیدا ہوگا تو اس بچہ کا نسب نکاح کرنے والے سے ثابت ہوگا۔

یہی حکم نکاح موقوف (جیسے نکاح فضولی) کا بھی ہے اس میں بھی ولادت سے نسب ثابت ہو جائے گا۔[۱]

(نوٹ) فقہ و فتاویٰ کی کتابوں میں نکاح باطل پر بھی فاسد کا اطلاق کر دیا جاتا ہے لیکن مبسوط و معتمد کتب میں کہیں اس کی تصریح بھی کر دی جاتی ہے اس لئے اس کی تحقیق کر لینی چاہیے۔

ٹیسٹ ٹیوب سے بچہ کی پیدائش سے نسب

موجودہ سائنسی دور میں ٹیسٹ ٹیوب کے ذریعہ تناسل و تولید کا عمل کیا

(۱) (لانه نكاح باطل) اى فالوط فيه زنا لايثبت به النسب بخلاف الفاسد فانه وطء بشبهة فيثبت به النسب ولذا تكون بالفاسد فراشا لا بالباطل (شامى صفحه ۲۵۲ جلده) قوله (فى نكاح فاسد) وحكم الدخول فى النكاح الموقوف كالدخول فى الفاسد فيسقط الحد ويثبت النسب الخ ومثله تزوج الاختين معا ونكاح الاخت فى عدة الاخت ونكاح المعتدة والخامسة فى عدة الرابعة والامة على الحرة وفى المحيط تزوج ذمى مسلمة فرق بينهما لانه وقع فاسدا فظاهر انهما لايحدان وان النسب يثبت فيه والعدة ان دخل الخ نكح كافر مسلمة فولدت منه لايثبت النسب منه ولا تجب العدة لانه نكاح باطل الخ وفسر القهستانى هنا الفاسد بالباطل ومثله بنكاح المحارم وباكراه من جهتها او بغير شهود الخ ونكاح المعتدة بما اذا لم يعلم بانها معتدة لكن يرد على ما فى المجتبى مثل نكاح الاختين معا الخ اذ لو تأخر احدهما عن الاخر فالمتاخر باطل قطعا (شامى صفحه ۲۷۴ تا ۲۷۵ جلد۴)

جاتا ہے اس سے نسب ثابت ہونے کی دو صورتیں ہیں۔(۱) اول یہ کہ جن عورت و مرد کا مادۂ منویہ اور بیضۃ المنی کو باہم خلط کیا گیا ہے اگر وہ اجنبی ہیں شرعی نکاح کا رشتہ ان کے مابین نہیں ہے تو ظاہر بات ہے کہ یہ صورت ناجائز اور زنا کے حکم میں ہے لہٰذا اس شکل میں بچہ کا نسب کسی سے ثابت نہیں ہوگا۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ جن دو مرد و عورت کے مادۂ منویہ کو خلط کیا گیا ہے وہ آپس میں شرعی میاں بیوی ہیں۔ خواہ مادہ کو انجکشن کے ذریعہ رحم تک پہنچایا جائے یا دونوں کے مادہ کو کسی ٹیوب میں مخصوص مدت تک رکھ کر اس میں تولید کی صلاحیت پیدا کی جائے اور پھر اسے رحم میں منتقل کیا جائے یا ایک بیوی کے مادہ کو (جو حمل کی متحمل نہیں) شوہر کے مادہ کیساتھ دوسری بیوی کے رحم میں منتقل کیا جائے۔ تو راقم الحروف کی رائے میں اگر یہ صورت بھی بلاضرورت ہو تو ناجائز ہوگی کیونکہ اس سے کریم انسان کے تناسل کیساتھ کھلواڑ اور خالق قدرت کے تخلیقی نظام میں تغیر و تبدل کی جرأت کرنا ہے۔ نیز اس میں مرد کو جلق کرنا اور عورت کی دایہ وغیرہ کے سامنے بے پردگی بھی ہوتی ہے جو بلاوجہ حرام ہے۔

البتہ اگر عورت استقرار حمل کی صلاحیت نہیں رکھتی اور تناسل کی سخت حاجت ہو تو جائز طریقہ سے خالص میاں بیوی کے مادہ کو خلط کر کے جس میں کسی غیر کے مادہ کا ذرا بھی شائبہ نہ ہو تو جواز کی صورت نکل سکتی ہے مگر احوط اجتناب کرنا ہی ہے۔

خیر اگر ممانعت کے باوجود بھی کوئی اس طرح میاں بیوی کے مادہ سے تولید کرا ہی لے تو بچہ کا نسب اس کے باپ سے ثابت ہو جائے گا اور اس کی ماں وہ ہوگی جس کے بطن سے ولادت ہوئی ہے البتہ جس عورت کے مادے کو لیا گیا ہے اس کو بھی ماں کہنا اور ماں جیسا برتاؤ کرنا چاہئے ایک بچہ کو دو ماں کی طرف منسوب کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔(۱)

(۱) مستفاد حلال وحرام

حضرت فاطمہؓ کے علاوہ سب کا نسب باپ سے ثابت ہوتا ہے

شریعت حقہ میں نسب باپ کی طرف سے ثابت ہوتا ہے یعنی باپ جس خاندان اور جس برادری کا ہوگا اولاد بھی اسی سے شمار ہوگی اگرچہ ماں کا نسب اس کے خلاف ہو مثلاً باپ سید ہے اور ماں غیر سیدہ تو بچہ باپ کی طرف منسوب ہو کر سید شمار ہوگا۔ لیکن بنی فاطمہ اس سے مستثنیٰ ہیں حضرت امام حسن اور امام حسینؓ کا نسب حضرت فاطمہؓ کے واسطہ سے حضورؐ کی طرف منسوب ہوتا ہے اور یہ صرف حضرت فاطمہؓ ہی کی خصوصیت ہے آپؐ نے ان کو سیدۃ النساء فرمایا ہے اور حضرت حسن وحسین کی غایت شرافت وخصوصیت ہے کہ ان دونوں کو بھی آپؐ نے سیدا شباب اہل الجنۃ سے موسوم کیا ہے لہٰذا حضرت فاطمہ کی اولاد کے علاوہ کسی عورت کی جانب سے نسب ثابت نہیں ہوگا خواہ وہ سیدہ ہی کیوں نہ ہو اس میں باپ کا ہی اعتبار کیا جائے گا چنانچہ حضرت جابرؓ سے مرفوع روایت ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ:

کل بنی انثی ینتمون الی عصبة الا ولدی فاطمة فانا ولیها وعصبتها[1]	تمام اولاد مؤنث اپنے (مذکر) عصبہ (یعنی باپ کی طرف) منسوب ہوتی ہے مگر میری فاطمہ کی اولاد کا میں ولی اور میں عصبہ ہوں۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

خدائے وحدہ لاشریک لہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے خزینۃ الفقہ جلد ثانی کو تکمیل تک پہنچایا اب اس کی بارگاہ میں امید کی لو لگا کر دست بدعا ہوں کہ آگے کام کو آسان سے آسان تر کر دے اور اس حقیری خدمت کو شرف قبولیت سے نواز کر ذخیرہ آخرت بنا دے۔ ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم۔ آمین

العبد محمد کوثر علی سبحانی مظاہری

(۱) (روی الحاکم ماخوذ فتاوی دارالعلوم دیوبند صفحه ۷۵ جلد۱۱) ویوخذ من هذا ان من كانت امها علوية مثلا وابوها عجمي يكون العجمي كفؤالها وان كان شرف ما لان النسب للابد ولهذ جا دفع الزكاة اليها فلا يعتبرالتفاوت بينهما من جهة شرف الام ولم ار من صرح بهذا والله عالم (شامی صفحه ۲۱۰ تا ۲۱۱ جلد٤)

مراجع و مآخذ

نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ
قرآن مجید		
احادیث		
صحیح البخاری	امام ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری	اصح المطابع، رشیدیہ دہلی
الصحیح المسلم	ابوالحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری	اصح المطابع، رشیدیہ دہلی
سنن ابوداؤد	ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی	اصح المطابع، نبراس بکڈپو دیوبند
جامع الترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی	اسلامی کتب دیوبند
سنن نسائی	ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی	اصح المطابع مکتبہ ندیم اینڈ کمپنی دیوبند
سنن ابن ماجہ	ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ القزوینی	یاسر ندیم اینڈ کمپنی دیوبند
مسند احمد	امام ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی	مطبع میمنہ مصری
شرح معانی الآثار	امام ابوجعفر احمد بن محمد الازدی الطحاوی	یاسر ندیم اینڈ کمپنی دیوبند
مؤطا امام مالکؒ		
مشکوٰۃ المصابیح	محی السنۃ محمد بن مسعود البغوی (ولی الدین محمد الخطیب الترمذی)	اصح المطابع اینڈ کمپنی دہلی
تفاسیر		
تفسیر القرآن العظیم (تفسیر ابن کثیر)	حافظ عماد الدین بن کثیر	مکتبہ دارالاشاعت دیوبند
روح المعانی	علامہ شہاب الدین السید محمود آلوسی البغدادی	مکتبہ زکریا دیوبند
تفسیر مظہری	قاضی ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی	حافظ کتب خانہ مسجد روڈ کوئٹہ
تفسیر القاسمی محاسن التاویل	علامہ الشام محمد جمال الدین قاسمی	دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان

نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ
بیان القرآن	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ	تاج پبلشرز دہلی
معارف القرآن	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ پاکستانی	ربانی بکڈپو لال کنواں دہلی
شروح حدیث		
نووی شرح مسلم (برصحیح مسلم)	محی الدین ابوزکریا یحیٰ بن شرف النووی	اصح المطابع، رشیدیہ دہلی
فتح الباری (شرح صحیح البخاری)	حافظ احمد بن حجر العسقلانی	دار الفکر بیروت لبنان
عمدۃ القاری (شرح صحیح البخاری)	علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی	دار الطباعۃ العامرۃ مصر
مرقاۃ المفاتیح (شرح مشکوۃ المصابیح)	ملا علی ابن السلطان القاری	بنگلہ اسلامک اکیڈمی دیوبند
حجۃ اللہ البالغۃ	حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی	
الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ (برحاشیہ ہدایہ)	علامہ ابوالفضل احمد بن علی بن محمد العسقلانی	یاسر ندیم اینڈ کمپنی دیوبند
تکملہ فتح الملہم (شرح مسلم)	حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب پاکستان	المکتبہ الاشرفیہ دیوبند
اعلاء السنن	علامہ ومولانا ظفر احمد العثمانی التھانوی	ادارۃ القرآن دار العلوم الاسلامیہ کراچی پاکستان
مظاہر حق جدید (شرح مشکوۃ)	علامہ نواب قطب الدین خاں دہلوی	ادارۂ اسلامیات دیوبند
حاشیہ ابوداؤد	محدث کبیر محمد حیاۃ السنبھلی	اصح المطابع، یاسر اینڈ کمپنی دیوبند
معارف الحدیث	حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی	الفرقان بکڈپو نظیر آباد لکھنؤ
فقہ اسلامی		
المختصر القدوری	ابوالحسن بن احمد بن محمد بن جعفر بغدادی	تاج کمپنی چوک بازار سہارنپور

نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ
ہدایہ	علامہ برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	کتب خانہ رشیدیہ دہلی
فتح القدیر (شرح ہدایہ)	محقق کمال الدین محمد ابن ہمام الحنفی	داراحیاء التراث العربی بیروت
بدائع الصنائع	ملک العلماء علاء الدین الکاسانی	مطبع شرکات العلمیہ مصر
بحر الرائق (شرح کنز الدقائق)	علامہ زین الدین ابن نجیم المصری	دار الکتاب دیوبند
الدر المختار (مطبوعہ برحاشیہ شامی)	علاء الدین الحصکفی	مکتبہ زکریا دیوبند
رد المحتار (معروف بہ شامی)	علامہ محمد امین ابن عابد بن الشامی	مکتبہ زکریا دیوبند
الجوہرۃ النیرۃ علی مختصر القدوری	شیخ الاسلام ابوبکر بن علی بن محمد الحدّاد	دار الکتاب دیوبند
الفتاوی الہندیہ (عالمگیری)	شیخ نظام و جماعۃ من علماء الہند	دار الکتاب دیوبند
شرح الوقایہ	علامہ عبید اللہ بن مسعود بن تاج الشریعۃ	مکتبہ تھانوی دیوبند
عمدۃ الرعایہ (حاشیہ شرح وقایہ)	حضرت مولانا عبد الحی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ	مکتبہ تھانوی دیوبند
فتاوی قاضیخاں (برحاشیہ عالمگیری)	امام فخر الدین حسن بن منصور اوزجندی	دار الکتاب دیوبند
فتاوی بزازیہ (برحاشیہ عالمگیری)	محمد بن شہاب المعروف بابن البزاز الکردی	دار الکتاب دیوبند
الاشباہ والنظائر	شیخ زین العابدین بن ابراہیم بن نجیم	دار الکتاب العلمیہ بیروت لبنان
حاشیہ ہدایہ (بر ہدایہ)	ابو الحسنات محمد عبد الحی بن عبد الحلیم اللکنوی	یاسر ندیم اینڈ کمپنی دیوبند
فتاوی رشیدیہ	امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ	درسی کتب خانہ دہلی
فتاوی عبد الحی	حضرت مولانا ابو الحسنات محمد عبد الحی لکھنویؒ	مکتبہ تھانوی دیوبند
بہشتی زیور	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ	فرید بکڈپو مٹیا محل دہلی
امداد الفتاوی	حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ	زکریا بک ڈپو دیوبند
الحیلۃ الناجزہ للحلیلۃ العاجزہ	مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ	مکتبہ رضی دیوبند
تبیین الحقائق (شرح کنز)	الامام فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی الحنفی	دار الکتاب العلمیہ بیروت لبنان

نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ
طحطاوی علی مراقی الفلاح	العالم العلامہ احمد بن محمد بن اسماعیل الطحطاوی	دار الکتاب دیوبند
جواہر الفقہ	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب عثمانیؒ	مکتبہ سیرت النبی جامع مسجد دیوبند
کتاب الفسخ والتفریق	حضرت علامہ ومولانا عبد الصمد صاحب رحمانیؒ	شعبہ نشر واشاعت امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ
فتاوی دار العلوم دیوبند	حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ مفتی اعظم دار العلوم دیوبند	زکریا بک ڈپو دیوبند
کفایت المفتی	مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ صاحبؒ	نعمانی پریس دہلی
فتاوی محمودیہ	فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحبؒ مفتی اعظم ہند	زکریا بک ڈپو دیوبند
احسن الفتاوی	فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ	زکریا بک ڈپو دیوبند
آپکے مسائل اور انکا حل	حضرت مولانا یوسف صاحب لدھیانویؒ	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
فتاوی نظامیہ	حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب اعظمیؒ	مساجد بکڈپو دہلی
فتاوی رحیمیہ	حضرت قاری مولانا مفتی عبد الرحیم صاحب لاجپوری	مکتبہ رحیمیہ منشی اسٹریٹ راندیر سورت گجرات
اسلامی عدالت	فقیہ العصر حضرت مولانا حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ	قاضی پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز وبخ بلڈنگ نظام الدین دہلی
مجموعہ قوانین اسلامی	حضرت مولانا سنت اللہ صاحب رحمانیؒ	آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اوکھلا دہلی

حضرت سبحانی کی دیگر تصنیفات

- خزینۃ الفقہ فی مسائل النکاح (جلد اول)
- خزینۃ الفقہ فی مسائل الطلاق (جلد دوم)
- خزینۃ الفقہ فی مسائل الوقف (جلد سوم)
- الجہد الکوثری علی ختم البخاری
- محسن مومن قوم حضرت پیر مشائخ رحمۃ اللہ علیہ
- سلسلہ شطاریہ اور اس کے چند بزرگان
- تذکرہ حضرت شیخ عبدالرحیم متالا اور ان کی دینی خدمات
- دینی کارندوں کے لئے رہنما
- آہ میرے والد حاجی محمد کلیم اور ان کی شب بیداری
- مدارس کو تبلیغی وخانقاہی نظام سے جوڑنے کی درخواست اور چند فائدے

مفتی بہ مسائل کا مدلل مجموعہ

خزینۃ الفقہ

فی

مسائل الوقف

جلد سوم

تالیف

مولانا مفتی محمد کوثر علی صاحب سبحانی مظاہری
اُستاذِ حدیث جامعہ مظاہر علوم قدیم سہارنپور

زیرِ اہتمام
جامعۃ الفلاح دار العلوم الاسلامیۃ
نزد ریفرل ہسپتال ایس۔ ڈی۔ او کورٹ روڈ، فاربس گنج، ارریا (بہار) الہند

ناشر
مکتبۂ شیخ یونس

مفتی بہ مسائل کا مدلل مجموعہ

خزینۃ الفقہ

فی

مسائل الوقف

جلد سوم

تالیف

مفتی محمد کوثر علی سبحانی مظاہری

استاذ حدیث جامعہ مظاہر علوم قدیم سہارنپور

زیر اہتمام

جامعۃ الفلاح دار العلوم الاسلامیہ

نزد ریفرل ہسپتال ایس۔ڈی۔او کورٹ روڈ، فاربس گنج، ارریا (بہار) الہند

ناشر

مکتبہ شیخ یونس

نزد مظاہر علوم دار قدیم چلکانہ روڈ، سہارنپور، یوپی انڈیا

نام کتاب : خزینۃ الفقہ فی مسائل الوقف

جلد : سوم

مصنف : مفتی محمد کوثر علی سبحانی مظاہری

کمپیوٹر کتابت : محفوظ الرحمٰن قاسمی 09871369681

سن طباعت : ۲۰۱۳ء بمطابق ۱۴۳۴ھ

صفحات : ۳۵۰

قیمت : دوسوروپے (۲۰۰)

ناشر : مکتبہ شیخ یونس مظاہر علوم قدیم سہارنپور
پن نمبر 247001 یوپی، انڈیا

طباعت : جید پریس، بلیماران، دھلی

ملنے کے پتے

مفتی محمد کوثر علی سبحانی حجرہ نزد دار الحدیث دار الطلبہ قدیم

مظاہر علوم چلکانا روڈ سہارنپور (یوپی) انڈیا

Mob:+91- 8859040180

جامعة الفلاح دار العلوم الاسلاميه

نزد ریفرل ہسپتال ایس ڈی او کورٹ روڈ فاربس گنج ضلع ارریہ بہار۔ پن نمبر: 854318

فہرست مضامین

تقریظ

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

صالح امت جناب حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ
مہتمم دارالعلوم دیوبند

جواں سال عالم جناب مفتی کوثر علی سبحانی مظاہری کی تازہ تالیف ''خزینۃ الفقہ فی مسائل الوقف'' جلد سوم کا مسودہ میرے پیش نظر ہے، جس میں اوقاف سے متعلق مسائل واحکام اور جزئیات کو فقہ وفتاویٰ کی کتابوں سے منتخب کر کے مرتب فرمایا ہے۔اس سے پہلے مفتی صاحب کے قلم سے خزینۃ الفقہ کی دو جلدیں مرتب ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔ جو بالترتیب نکاح اور طلاق کے مسائل پر مشتمل ہیں، خزینۃ الفقہ پر نظر ڈالنے سے محسوس ہوتا ہے کہ مرتب کتاب نے نکاح وطلاق اور اوقاف کے سلسلہ میں پیش آنے والی ہر امکانی صورت حال کا حکم دریافت کرنے کی کوشش کی ہے۔اور ہر مسئلہ کو مراجع اور مصادر کے حوالہ سے مزین کیا ہے۔انداز تحریر سہل اور استفادہ آسان ہے۔

امید ہے کہ آئندہ بھی ان کا تصنیفی سفر جاری رہے گا،اور ان کی علمی کاوشوں سے ملت کیلئے بیش بہا نگارشات وجود میں آئینگی۔

مراجع ومصادر کی طویل فہرست سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسائل وجزئیات کے انتخاب اور ترتیب میں مفتی صاحب موصوف نے بہت عرق ریزی کی ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کی محنت قبول فرمائے۔اور دین وعلم دین کی مزید خدمت کی توفیق بخشے۔

ابوالقاسم نعمانی غفرلہٗ
دارالعلوم دیوبند
۲۷ر صفر المظفر ۱۴۳۴ھ

تقریظ

باسمہٖ تعالیٰ

جانشین فقیہ الاسلامؒ الحاج حضرت مولانا محمد سعیدی صاحب مدظلہ العالی
ناظم مدرسہ مظاہر علوم (وقف) سہارنپور، یوپی

الحمد، واصلی علی رسولہ الکریم امابعد

اسلام ایک مکمل دین مستقل تہذیب ہے، قرآن وحدیث اس کا دستور حیات ہے فقہ اس دستور حیات کا آئین ہے اور فقہ حنفی اس آئین کا زبدہ ہے، مختلف مسائل ومعاملات کو مرتب اور سہل انداز میں پیش کرنے کی کوششیں ہر زمانے میں کی جاتی رہی ہیں۔

چنانچہ عربی، اردو، فارسی، اور دیگر زبانوں میں مختلف فقہی کتابیں مرتب شکل میں ہمارے درمیان موجود ہیں جن سے باذوق حضرات استفادہ کرتے ہیں۔ان ہی ضخیم کتابوں میں سے کسی ایک موضوع پر منتشر مضامین اور مسائل کو یکجا کرنے کی روایت بھی بڑی قدیم ہے۔

پیش نگاہ کتاب ''خزینۃ الفقہ'' بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس کے مرتب جناب مولانا مفتی محمد کوثر علی سبحانی صاحب استاذ حدیث مظاہر علوم (وقف) سہارنپور ہیں۔

مولانا نے محنت شاقہ کے بعد نکاح کے موضوع پر قابل قدر علمی ذخیرہ یکجا کر کے سب سے پہلی جلد شائع کی تھی پھر کتاب الطلاق پر مشتمل دوسری جلد منظر عام پر آئی اور اب کتاب الوقف پر مشتمل تیسری جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے اس کتاب میں وقف کے موضوع پر قابل قدر ذخیرہ جمع کر دیا گیا ہے۔

میں نے جستہ جستہ کتابت شدہ مضامین کو دیکھا ہے امید ہے کہ حضرات اہل علم کے درمیان یہ جلد بھی جلد قبولیت حاصل کرے گی۔اللہ تعالیٰ کتاب کو شرف قبول سے نوازے، مسلمانوں کی ہدایت اور فلاح کا ذریعہ بنائے اور مولانا موصوف کے علم وعمر میں برکت عطا فرمائے۔

مولانا سعیدی
ناظم: مظاہر علوم

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ النبی الامین وسیدنا وسندنا ومولانا محمد ن الکریم. وعلی الہ واصحابہ اجمعین ومن تبعہم باحسان الیٰ یوم الدین - امابعد

خداوند خالق ذوالجلال نے پوری کائنات کی تخلیق کے بعد تمام مخلوقات کی زندگانی کا مکمل و مستحکم نظام بنایا۔ اوران کی جسمانی پرورش کیلئے ہمہ جہتی انتظام کیا۔اور ان تمام چیزوں کوجس کے لئے مسخر کیا گیاوہ حضرت انسان ہے۔ (سبحان الذی سخرلنا ھذا وماکنا لہ مقرنین) یہی مخلوق ناطق اشرف المخلوقات ومکرم المخلوقات ہے (کرمنابنی آدم) اور یہی بنوآدم مقصود خداوندی ہے جس کواپنی بندگی کیلئے خاص کیا (وما خلقت الجن والانس الالیعبدون) اسی وجہ سے اس انسان کی ھیئت تخلیق سب سے بہتر، برتر، خوبصورت اورنرالے انداز میں کی گئی (لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم) لیکن جہاں اس حضرت انسان کیلئے جسمانی بقاء کاسامان بہتر سے بہتر مہیا کیا گیا۔ وہیں اس سے زیادہ اس کے لئے روحانی وملکوتی غذا کوبھی فراہم کیا گیا۔ اس کے لیے سابقہ اقوام میں پے درپے انبیاء ورسل کومبعوث کیا گیا اور انسانی ہدایت کیلئے کثرت سے صحف سماوی اورآسمانی کتابوں کونازل کیا گیا۔ ان پراخیر میں نبی آخرالزماں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کوخاتم الانبیاء والرسل بناکرمبعوث فرمایا۔ اورآپؐ پر آخری کتاب قرآن کی شکل میں انسانیت کیلئے ایک جامع ومکمل نظام حیات عطا کیا گیا۔ اورقرآن کے اجمال کی تفصیل وابہام کی تشریح کیلئے آپؐ کے نقوش وسیرت مبارکہ کو

آئیڈیل ونمونہ قرار دیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی عملی زندگی کو یعنی احادیث مبارکہ کو رہتی دنیا تک کے انسانوں کیلئے دستور زندگی بنادیا گیا۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ کے ذریعہ اس کو مستند کر دیا گیا۔

لیکن آیات قرآنیہ واحادیث رسول دو قسم کی ہیں

ا:- بعض آیات قرآنیہ وسنن رسول ایسے ہیں جو قطعی الثبوت وقطعی الدلالت ہیں۔ ان میں کسی طرح کا اجمال وابہام نہیں ہے اور نہ کسی طرح کا کوئی تعارض ہے۔ اس قسم کے احکام کو ہر شخص قرآن وحدیث سے براہ راست سمجھ سکتا ہے۔ اس طرح کے مسائل اجتہاد کا محل نہیں۔

۲:- قرآن وحدیث کے احکام کی دوسری قسم وہ ہے جس میں ابہام یا اجمال یا تعارض پایا جارہا ہے اور اس طرح کے مسائل بکثرت قرآن وحدیث میں پائے جارہے ہیں۔ ایسے نصوص سے عام لوگوں کا فائدہ اٹھانا مشکل ہے۔ اپنی عقل اور اپنے علم پر اعتماد کر کے کسی ایک جانب کو متعین کر لینا گمراہی اور خطرے کی بات ہے۔ ایسے نصوص کی وضاحت کیلئے اپنے اسلاف اور ائمہ مجتہدین کے اجتہاد پر اعتماد کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ وہ ائمہ مجتہدین ہمارے مقابلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے قریب اور علم وفضل وورع وتقویٰ کے اعتبار سے ہم لوگوں سے بدرجہا بہتر واعلیٰ تھے۔

ان ائمہ نے قرآن وحدیث کے سمندر میں غوطہ زن ہوکر جو موتیاں نکالے ہیں۔ اور نصوص کی روشنی میں اجتہاد کر کے جو مسائل مستنبط کیے ہیں ان ہی کو فقہ کہا جاتا ہے۔

ان ائمہ مجتہدین میں سے اس وقت جن ائمہ کے مسالک رائج ہیں وہ چار ہیں

(۱) حنفی (۲) مالکی (۳) شافعی (۴) حنبلی

ان چاروں میں سب سے زیادہ جس کو تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہے وہ مسلک احناف ہے۔اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ تقریباً دو ثلث مسلمان فقہ حنفی کی تقلید کرنے والے ہیں۔تو ایک ثلث میں تینوں امام شریک ہیں۔کیونکہ مسلک حنفی کتاب اللہ سے مرصع،احادیث رسول کا مرقع،سنت نبوی کا عکس۔اقوال صحابہ کا منبع۔معقول و معتبر روایات و محکم دلائل کی سلک ہے۔جس میں قرآن بھی ہے،حدیث بھی ہے،اجماع بھی ہے،قیاس بھی ہے انہیں عناصر اربعہ سے فقہ حنفی مزین و مرصع ہے۔

ہر زمانہ میں فقہاء کرام نے اپنے اپنے دور کے نئے پیش آنے والے مسائل کو نصوص شرعیہ سے منطبق کر کے حل کرنے کی کامیاب کوششیں کی ہیں۔

بلکہ فقہ حنفی میں تو موجودہ پیش آئے ہوئے مسائل کے علاوہ فقہ تقدیری یعنی آئندہ زمانہ میں پیش آنے والے مسائل کی امکانی وفرضی صورتوں کا بھی شرعی حکم بیان کر دیا گیا ہے۔بناء بریں یہ بات وثوق واعتماد کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ حیات انسانی کے تقریباً تمام گوشہ اور انسانی زندگی کے ہر پہلو خواہ اعتقادیات ہوں یا عبادات، ومعاملات ہوں یا معاشرت واخلاقیات ہر ایک کا شرعی حل فقہ حنفی میں موجود ہے۔

تاریخ میں فقہاء احناف کا ایک جم غفیر اور کتب فقہ کا ایک ایسا سیلاب نظر آرہا ہے جس کا کنارہ ناپید ہے جس کو شمار کرنا مشکل ہے۔تاہم چند اہم مشہور کتابوں کا صرف نام پیش ہے (۱) امام ابو اللیث سمرقندی کی خزانۃ الفقہ (۲) علامہ ابو القاسم عبداللہ ابن احمد البلخی سرخسی کی عیون المسائل (۳) امام جصاص کے شاگرد علامہ احمد الناطفی کی الواقعات للناطفی (۴) شمس الائمہ سرخسی کی المبسوط (۵) امام فخر الدین حسن بن منصور اوزجندی کی فتاویٰ خانیہ (۶) علامہ علاء الدین کاسانی کی بدائع الصنائع (۷) علامہ برہان الدین المرغینانی کی اسی (۸۰) جلدوں میں کفایہ اور پھر اس کی تلخیص ھدایہ (۸) علامہ برہان الدین محمد کی المحیط البرہانی ۴۰ رجلدوں میں (۹) علامہ سعد الدین مسعود کی

الفتاوی الحنفیہ (۱۰) ابن علاء الانصاری کی الفتاوی التاتار خانیہ (۱۱) علامہ کمال الدین ابن ھمام کی فتح القدیر (۱۲) علامہ زین العابدین بن نجیم مصری کی البحر الرائق (۱۳) علامہ علاء الدین حصکفی کی الدر المختار (۱۴) بادشاہ عالم گیر اورنگ زیب کی تحریک پر علماء ہند کا تیار کردہ مجموعہ الفتاوی الہندیہ معروف فتاوی عالم گیری (۱۵) سلطنت عثمانیہ کا رسمی قوانین کا مجموعہ مجلۃ الاحکام العدلیہ (۱۶) علامہ ابن عابدین شامی کی رد المحتار شرح در مختار معروف ہے فتاویٰ شامی سے (۱۷) شیخ حافظ الدین ابن البزاز الحنفی کی الفتاویٰ البزازیہ (۱۸) امام عبداللہ بن احمد النسفی کی کنز الدقائق (۱۹) امام فخر الدین عثمان بن علی کی التبیین الحقائق (۲۰) شیخ الاسلام محمد بن عبداللہ التمر تاشی الحنفی کی تنویر الانصار (۲۱) حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی فتاویٰ عزیزی۔

مذکورہ کتب فقہ تو پچھلی صدیوں کے علماء احناف زیادہ تر بیرون ہند کی خدمات کی جھلک ہے مگر اس صدی کے علماء ہند خاص کر دارالعلوم دیوبند و مظاہر علوم سہارنپور کو جب سے مرکز علم بننے کا اللہ تعالیٰ نے شرف بخشا ہے۔ ان دونوں ادارے اور ان کے ہم مشرب برصغیر کے علماء دیوبند نے اپنی شرافت کو باقی رکھتے ہوئے دیگر علوم اسلامیہ قرآن وحدیث کے علاوہ فقہ پر جو گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ علمی تاریخ اس کو فراموش نہیں کرسکتی ہے۔ ہمارے اکابر واسلاف کی بھی تھوڑی جھلک دیکھتے چلیں۔

(۱) امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی فتاویٰ رشیدیہ (۲) حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی کی مجموعہ فتاویٰ (۳) حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی کی فتاویٰ دار العلوم دیوبند (۴) حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپور مہاجر مدنی کی فتاویٰ مظاہر علوم (۵) حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی امداد الفتاویٰ (۶) حضرت تھانوی ہی کی بہشتی زیور (۷) نیز حضرت تھانویؒ کی ہی الحیلۃ الناجزہ (۸) حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی کی کفایت المفتی (۹) حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی کی امداد الاحکام (۱۰) حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب عثمان دیوبندی

ثم پاکستانی کی جواہر الفقہ (۱۱) حضرت ہی کی (مفتی شفیع صاحب کی) امداد المفتیان (۱۲) حضرت مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہی کی فتاویٰ محمودیہ (۱۳) حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری گجراتی کی فتاویٰ رحیمیہ (۱۴) حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب دارالعلوم دیوبند کی نظام الفتاویٰ (۱۵) حضرت مولانا مفتی رشید احمد پاکستانی کی احسن الفتاویٰ (۱۶) حضرت مولانا یوسف صاحب لدھیانوی پاکستانی کی آپ کے مسائل اوران کا حل (۱۷) حضرت مولانا قاضی مجاھد الاسلام قاسمی کی فتاویٰ قاضی (۱۸) حضرت ابوالمحاسن مولانا سجاد صاحب ودیگر مفتیان امارت شرعیہ کی فتاوی امارت شرعیہ (۱۹) حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہٗ کی محمود الفتاویٰ سلسلہ وار آرہی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان حضرات کی خدمات جلیلہ کو شرف قبولیت سے سرفراز فرمائے۔

انہیں خدمات کے زمرہ میں شمول اور انگلی کٹا کر شہادت میں نام درج کرانے کی بندہ حقیر ظلوم وجہول درماندہ قلم علم سے عاری عمل سے خالی گناہ میں لت پت اپنی ناقص تالیف خزینۃ الفقہ کو دربار خداوندی میں پیش کرتے ہوئے امید کی لو لگا رہا ہے کہ رب حلیم وشکور جب ان تمام علمی وتحقیقی کام کرنے والے حضرات علماء وفقہاء ومحدثین کا فیصلہ فرمائیں گے تو مجھ پر بھی میری اس بے روح والی ناقص فقہی دینی خدمات کو قبول فرما کر ستاری وغفاری کا معاملہ فرماتے ہوئے اس کے صلہ میں رہائی فرمادیں گے۔ آمین۔

حضرات قارئین میری زندگی میں میرے لیے دعاء فرمائیں گے کہ اللہ مجھے گناہوں سے بچائے رکھے اعمال صالحہ میں دن بدن ترقی کی توفیق عطا فرماتے رہے۔ اور میرے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد چاروں قل وسورہ فاتحہ یا کم از کم سورہ اخلاص ہی پڑھ کر میرے لیے دعائے مغفرت فرمادیں گے۔ مجھ سیاہ کار کیلئے آپ کی نیک دعائیں سہارا بنے گی اور میرا بیڑا پار لگ جائے گا۔

بہرکیف! اللہ کے فضل وکرم اور دستگیری نے خزینۃ الفقہ کی یہ تیسری جلد وقف

اور اس کے متعلقات مسائل مساجد، مدارس، عیدگاہ، قبرستان وغیرہ کے اصولیات وجزئیات پر محیط ہے۔

پہلی دوسری جلد کی طرح قرآن وحدیث سے مدلل فقہی عربی عبارات سے محول اور اہم عناوین سے مرتب کر کے پیش کیا جارہا ہے۔

مسائل کی تحقیق میں بندہ نے اپنی استعداد کے بقدر حتی المقدور کوشش کی ہے سہو ونسیان سے کوئی بھی شخص خالی نہیں ہے۔ حضرات قارئین سے مؤدبانہ التماس ہے کہ اسقام وتسامحات پر بندہ کو اطلاع کر دیں تاکہ آئندہ اس کی اصلاح ہو جائے۔ بڑی ناسپاسی اور ناقدری ہوگی اگر میں اپنے لخت جگر عزیزم محمد فرقان سلمہٗ مدھوبنی اور عزیز القدر صدام حسین پورنوی اور عزیزم شہباز دربھنگوی شرکاء دورۂ حدیث شریف جامعہ مظاہر علوم قدیم سہارنپور کا شکریہ ادا نہ کروں۔ میرے ان تینوں بچوں نے دل وجان سے اس جلد کی تبییض وتسوید میں حصہ لیا ہے اور خلوص ومحبت کیساتھ میرے کام میں شریک رہے ہیں (جزاهم الله عنى احسن الجزاء وزادهم الله علما وتوفيقا) نیز گرامی القدر عزیزم مولوی ومفتی محمد توصیف ٹنکاروی گجراتی سلمہٗ متعلم مشق افتاء مظاہر علوم (قدیم) سہارنپور کا بھی بے حد شکر گزار ہوں کہ انہوں نے تمام عربی عبارتوں پر نظر ثانی کی اور دار الافتاء کی کتابوں سے مراجعت کر کے محنت شاقہ کے ساتھ اس کی اصلاح کی ہے۔ اللہ ہی ان کی محنت کا بدلہ عطا کرے گا۔ میری دلی دعا ہے کہ اللہ ان کے علم وعمل میں برکت عطا فرما کر دین کی خدمات کے زیادہ سے زیادہ مواقع عطا فرمائے۔ نیز ہمارے عزیز القدر محمد فیروز رانچوی کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے جنہوں نے طباعت کے سلسلے میں سفر کی صعوبت کو برداشت کیا۔

فقط والسلام

مفتی محمد کوثر علی سبحانی مدظلہ العالی

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

مقدمہ مسائل وقف

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں جب انسانوں کو بسانے کا ارادہ فرمایا تو سب سے پہلے حضرت آدمؑ کو اصل انسان کی حیثیت سے اپنے خاص عمل سے اس کی تخلیق فرمائی، اور پھر اپنے خاص عمل سے حوّا کو انہیں کے پہلو سے تخلیق فرما کر، ان کے فروعات اور ان کے بعد تا قیامت آنے والی نسلوں کے لئے ان کو ''اصل الاصول'' قرار دیتے ہوئے انسانوں کے وجود کا ذریعہ بنایا، اور وہ سلسلہ ابتک جاری ہے، اور قیامت تک جاری رہے گا۔

مادی سلسلہ کو باقی رکھنے کیلئے اللہ نے جو طریقہ اپنایا ہے وہ واضح ہو چکا۔ لیکن صرف مادہ اور جسم کے ساتھ انسان کا وجود خام اور ناقص ہے، جب تک اس میں روح نہ ہو، اس کے لئے انسانی وجود کیساتھ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے انسان کو روحانی شخصیت کے ساتھ اور روحانی شریعت کے ساتھ مبعوث فرمایا، تاکہ ایک انسان اپنی تخلیق کے مقصد کو صحیح طور پر سمجھ سکے، اور اسے درست طور پر برت سکے، جس سے ان کی زندگی میں بہار آئے نکھار آئے۔

چنانچہ یہ سلسلہ حضرت آدمؑ سے شروع ہو کر سرور کونین ﷺ پر مکمل ہوتا ہے، اور ابتک اسی کی روشنی سے پوری انسانیت روشنی حاصل کر رہی ہے۔ تمام انبیاء کرام نے مشترک طور پر دو کام انجام دیئے، (۱) انہوں نے دلوں پر محنت کی، ان کے عقائد واعمال قلبیہ کی طرف توجہ کی، ان کو مجلیٰ ومصفیٰ بنا کر (۲) اعمال ظاہریہ اور اعمال بدنیہ کے لئے تیار کرایا، پھر دونوں پر مشترک طور پر محنت فرما کر ایک سچا انسان بنایا۔ یہی

دونوں چیزیں وہ ہیں جن پر اکابر امت نے پوری توانائی صرف فرما کر باضابطہ ان چیزوں کو فن کی شکل دی ہیں۔

چنانچہ انسان کی زندگی سے متعلق وہ اعمال جن کا تعلق خالص عقائد سے ہے، اور وہ روز بروز برتنے سے متعلق نہیں ہے کیونکہ ان میں جمود ہے بہت ناگزیر حالت میں رخصت پر عمل کرنے کی اجازت ملتی ہے لیکن عزیمت اس وقت بھی اولیٰ اور راجح ہی ہے، یہی وہ احکام قلبیہ یا اعمال اصلیہ ہیں جنہیں حضرات فقہاء نے ''فقہ اکبر'' یا فقہ اصلی'' کا نام دیا ہے حضرات فقہاء ومحدثین اپنی کتابوں میں اس طرح کے مسائل پر مشتمل مضمون کا سرنامہ ''کتاب الایمان'' سے قائم کرتے ہیں، حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے اپنی کتاب ''مالابد منہ'' کو کتاب الایمان سے شروع فرمایا ہے، لیکن عام طور پر فقہاء اس بحث کو متکلمین کے حوالے کرتے ہیں۔ اور وہ اپنی تصنیفات میں فروعات کا موضوع بناتے ہیں۔

چنانچہ حضرات متکلمین کا موضوع ہی عقائد واعمال قلبیہ سے بحث کرنا ٹھہرا، اس موضوع پر سب سے پہلے حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فقہ اکبر لکھ کر، فن فقہ کو دو خانوں میں بانٹ کر دونوں کی تفصیلات سمجھنے اور سمجھانے کی نئی راہ پیدا کی ہے، اور پھر ملا علی قاری صاحب مرقات شارح مشکوٰۃ نے اس کی عمدہ شرح لکھی ہے اور پھر دوسرے بزرگوں نے اس فن کو وسعت دی ہے ''فقہ اکبر'' کے ساتھ ہی روزمرہ کے مسائل اور مکلف کی زندگی سے متعلق بدلتے حالات کے تناظر میں منصوص مسائل کے علاوہ غیر منصوص مسائل کی غیر معمولی ضرورت اور اس سے وابستگی نے اس کے مسائل کی ترتیب پر ان کی خاص توجہ دلائی ہے، اور پھر انہوں نے اپنی ہمتوں کو جٹا کر، زندگی میں پیش آئے ہوئے یا پیش آنے والے مسائل کی اصول وقواعد کی روشنی میں فقہ تحقیقی کے

ساتھ فقہ تقدیری کو مشترک طور پر لاکھوں مسائل کی صورت میں جمع و ترتیب فرما کر اسے ''فقہ اصغر'' کا نام دیا، کہ جس سے عام انسان اپنی روزمرہ کی زندگی میں زندگی کو بااصول بنا کر زندگی کے ہر مرحلہ میں وصول الی اللہ کا طریقہ اپنا سکتا ہے۔

فقہ ابو حنیفہ کا دائرہ کار

چنانچہ امام ابو حنیفہ نے تفریعات مسائل میں اس قدر کثرت سے کام لیا کہ اس کے لیے ان کو ایسے مسائل فرض کرنے پڑے جو ابھی واقع نہیں ہوئے تھے، تاہم وہ ممکن الوقوع ضرور تھے تاکہ ان کے مخارج و احکام بیان کریں۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کی کتابیں ایسے فروعات سے بھری پڑی ہیں جو سب کے سب آپ سے منقول ہیں، جو شخص بہ نظر غائر ان کا مطالعہ کرتا ہے اور ان کے اسرار و رموز معلوم کرنا چاہتا ہے وہ دیکھتا ہے کہ ان میں باہم بڑا گہرا ربط پایا جاتا ہے، ان کی کڑیاں آپس میں بڑی مضبوطی سے ملی ہوئی ہیں، پس ضروری ہے کہ یہ چند اصول پر مبنی ہوں گے، اور ان کی اساس قواعد واستنباط پر قائم کی گئی ہوں گی، مگر علم فقہ کی تاریخ سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے، اور کوئی سند متصل ایسی موجود نہیں جس میں یہ قواعد پوری تفصیلات کے ساتھ امام سے مروی ہوں، لیکن بلا شبہ چند ایسے قواعد حضرت امام ابو حنیفہؒ کے معتبر سمجھے جاتے تھے جن پر آپ کے بیان کردہ فروعات مبنی ہیں اور جن کی روشنی میں آپ نے احکام کا استخراج کیا،، (حیات حضرت امام ابو حنیفہ ص ۳۰۸ للعلامہ شیخ ابو زہرہ)

دلائل فقہ حضرت امام کی نگاہ میں

[کتاب، سنت، آثار صحابہ، اجماع قیاس، استحسان، عرف]

تاریخ بغداد کے حوالے سے شیخ ابوزھرہ مصری نے اس طرح نقل کیا ہے کہ حضرت امامؒ نے فرمایا'' میں کتاب اللہ سے سند لیتا ہوں، اگر اس میں کوئی مسئلہ نہ مل سکے تو حدیث رسولؐ سے، اور کتاب سنت دونوں میں نہ ملے تو اقوال صحابہ سے اخذ کرتا ہوں، جس کا قول چاہتا ہوں لے لیتا ہوں اور جس کا قول چاہتا ہوں ترک کر دیتا ہوں، اور ان کے اقوال سے کسی دوسرے قول کی طرف تجاوز نہیں کرتا، لیکن جب معاملہ ابراھیم نخعی، شعبی، ابن سیرین، حسن، عطاء، اور سعید بن مسیب تک پہنچتا ہے (اور بھی متعدد اصحاب کے نام گنوائے) تو وہ اجتہاد کرنے والے لوگ تھے، تو ہمیں بھی ان کی طرح اجتہاد کرنے کا حق حاصل ہے۔ (حیات ابوحنیفہ مترجم ص ۴۱۳ بحوالہ تاریخ بغداد ص ۳۶۸ ج ۱۳)

اسی طرح شیخ ابوزہرہ علامہ ابن عبدالبر کی انتقاء'' کی ایک عبارت نقل فرماتے ہیں جو موفق مکی کی'' المناقب'' میں مذکور ہے۔'' آپ معتبر قول کو لیتے ہیں، قبیح سے دور بھاگتے ہیں، لوگوں کے معاملات میں غور و فکر کرتے ہیں اور جب لوگوں کے احوال اپنے طبعی رفتار سے جاری رہتے تو قیاس سے کام لیتے، مگر جب قیاس سے کسی فساد کا اندیشہ ہوتا تو لوگوں کے معاملات کا فیصلہ استحسان سے کرتے، اور جب اس سے بھی معاملات بگڑتے نظر آتے تو مسلمانوں کے تعامل کی طرف رجوع کرتے، جس حدیث پر محدثین کا اجماع ہوتا اس پر عمل پیرا ہوتے پھر جب تک مناسب سمجھتے اس پر اپنے قیاس کی بنیاد کھڑی کرتے، پھر استحسان کا رخ کرتے، قیاس اور استحسان میں سے جو موافق ہوتا اس کی طرف رجوع کرتے، سہل کہتے ہیں امام ابوحنیفہؒ کا علم ایک عالی علم

ہے یعنی عوام کے سمجھ میں آسکتا ہے اور صرف خواص ہی کا حصہ نہیں۔

(المناقب ص ۸۲ ج ۱)

نیز اسی کتاب میں ہے کہ ابوحنیفہؒ ناسخ ومنسوخ احادیث کی بہت چھان بین کرتے تھے، جب کوئی حدیث مرفوع یا اثر آپ کے نزدیک ثابت ہوجاتے تو اس پر عمل کرتے، آپ اہل کوفہ کی احادیث سے خوب آگاہ تھے اور اس پر خوب عامل رہا کرتے تھے۔ (المناقب ص ۸۹ ج ۱)

حضرت امام ابوحنیفہؒ سے علمی مصادر وماٰخذ کے متعلق یہ تین عبارتیں نقل کی گئی ہیں، بہت سی روایات ان کے ہم معنی ہیں، ان سے ہم نے یہ تین عبارتیں انتخاب کی ہیں، ان تینوں تصریحات سے بحیثیت مجموعی پتہ چلتا ہے کہ آپ کے نزدیک شرعی احکام کے مصادر وماٰخذ کیا ہیں۔

عبارت اول: جو تاریخ بغداد اور انتقاء سے ماخوذ ہے بتلاتی ہے کہ آپ کی رائے دلیل اول کتاب، دوسری سنت، تیسری اجماع صحابہ ہے، جب صحابہ کسی مسئلہ میں مختلف ہوں تو آپ جسکے قول کو چاہیں لے لیں، اور جس کو چاہیں چھوڑ دیں، مگر یہ نہیں ہوسکتا کہ اقوال صحابہ یکسر نظر انداز کر کے کسی اور کے قول سے احتجاج کریں، آپ صحابہ کے اسی قول کو پسند کرتے تھے، جو قیاس سے زیادہ میل کھانے والا ہوتا تھا، یا کتاب وسنت سے استنباط کردہ قول سے زیادہ قریب ہوتا تھا۔

دوسری عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں نص اور قول صحابی دونوں نہ ہوں تو قیاس پر عمل کرنا چاہیے جب تک کہ وہ سازگار ہو، اگر قیاس کا نتیجہ حالات کے موافق نہ ہوتو استحسان کی طرف رجوع کیا جائے، اور اگر یہ بھی نہ ہوتو لوگوں کے تعامل اور عرف پر عمل کرنا چاہئے اس عبارت سے بھی پہلی نص کی طرح تین دلائل کا پتہ چلتا ہے۔

(۱) قیاس (۲) استحسان (۳) عرف عام

تیسری عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ اہل کوفہ کے مسلک پر عمل کرتے تھے، پس جو شخص اپنے اہل شہر کا متبع ہو وہ اجماع فقہاء کا بدرجہ اولیٰ متبع ہوگا۔ اس عبارت سے نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ اجماع فقہاء آپ کے نزدیک قابل احتجاج تھا۔ بنا بریں حضرت امام صاحبؒ کی رائے حضرت امام صاحب کی رائے میں فقہی دلائل سات ہوں گے۔

"(۱) کتاب (۲) سنت (۳) اجماع (۴) قیاس (۵) اقوال صحابہ (۶) استحسان (۷) عرف" یہ ہیں وہ آپ کے فقہی دلائل جن پر آپ کا استنباط فقہی مبنی تھا۔

اور یہ سب کاوشیں جو وجود میں آئی ہیں وہ صرف تنہا آپ کی ذات کے ساتھ منسوب نہیں ہیں بلکہ حضرت امام نے اپنے ساتھ اہل الرائے اور صاحب علم وبصیرت کی ایک جماعت بنا رکھی تھی کہ جن میں سے ہر ایک اپنے فن کا امام سمجھا جاتا تھا کام چونکہ اہم تھا اس لئے ہر فن سے متعلق رجال کا ہونا ضروری تھا، ان تلامذہ کی تفصیل ذیل میں نقل کی جاتی ہے جن کی شرکت اور شمولیت نے فقہ اسلامی کا ایک عظیم ذخیرہ تیار کردیا۔

امام ابوحنیفہ کے تلامذہ جو فقہ کی تدوین میں شریک تھے

علامہ شبلی کی زبانی سنیے !

امام صاحب نے جس طریقہ سے فقہ کی تدوین کا ارادہ کیا وہ نہایت وسیع اور پرخطر کام تھا، اس لیے انہوں نے اتنے بڑے کام کو اپنی ذاتی رائے اور معلومات پر منحصر کرنا نہیں چاہا، اس غرض سے انہوں نے اپنے شاگردوں میں چند نامور اشخاص کا انتخاب کیا، جن میں سے اکثر خاص خاص فنون میں جو تکمیل فقہ کے لئے ضروری تھا،

استاذ زمانہ تسلیم کیے جاتے تھے مثلاً یحیٰی بن ابی زائدہ، حفص بن غیاث، قاضی ابو یوسف، داؤد الطائی، حبان، مندل حدیث وآثار میں نہایت کمال رکھتے تھے، امام زفر قوت استنباط میں مشہور تھے، قاسم بن معن، اور امام محمد کو ادب اور عربیت میں کمال تھا، امام صاحب نے ان لوگوں کی شرکت سے ایک مجلس مرتب کی، اور باضابطہ طور سے فقہ کی تدوین شروع ہوئی۔

امام طحاوی نے بسند متصل اسد بن فرات سے روایت کی ہے کہ ''ابو حنیفہ کے تلامذہ جنہوں نے فقہ کی تدوین کی چالیس تھے'' جن میں یہ لوگ زیادہ ممتاز تھے، ابو یوسف، زفر، داؤد الطائی، اسد بن عمر یوسف بن خالد التیمی یحیٰی بن ابی زائدہ، حضرت امام طحاوی نے یہ بھی روایت کی ہے کہ لکھنے کی خدمت یحیٰی سے متعلق تھی اور وہ تیس برس تک اس خدمت کو انجام دیتے رہے، اگرچہ صحیح ہے کہ اس کام میں کم وبیش تیس برس کا زمانہ صرف ہوا یعنی ۱۲۱ھ سے ۱۵۰ھ تک جو حضرت امام کے وفات کا سال ہے، لیکن یہ غلط ہے کہ یحیٰی اس کام میں شروع سے شریک تھے یحیٰی ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے تھے اس لئے وہ شروع سے کیوں کر شریک ہو سکتے تھے، طحاوی نے جن لوگوں کے نام گنائے ہیں، ان کے سوا عافیہ، ازدی، ابو علی غری، علی مسہر، قاسم بن معن، حبان، اور مندل بھی اس مجلس کے ممبر رہے تھے۔

طریقہ تدوین

تدوین کا طریقہ یہ تھا کہ کسی خاص باب کا جب کوئی مسئلہ پیش کیا جاتا تھا، اگر اس کے جواب میں سب لوگ متفق الرائے ہوتے تھے تو اسے اسی وقت قلم بند کر لیا جاتا تھا، مگر اور نہایت آزادی سے بحثیں شروع ہوتیں، کبھی کبھی بہت دیر تک بحث قائم رہتی، حضرت امام صاحب غور اور تحمل کے ساتھ سب تقریریں سنتے اور بالآخر ایسا جچا تلا فیصلہ

کرتے کہ سب کو تسلیم کرنا پڑتا، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ حضرت امام صاحب کے فیصلہ کے بعد بھی لوگ اپنی اپنی رایوں پر قائم رہتے، اس وقت وہ سب مختلف اقوال بند کر لیے جاتے، اس کا التزام تھا کہ جب تک تمام شرکائے جلسہ جمع نہ ہولیں کسی مسئلہ کو طے نہ کیا جائے۔

جواہر مضیہ نے عافیہ بن یزید کے تذکرہ میں اسحاق سے روایت کی ہے کہ امام ابوحنیفہ کے اصحاب کسی مسئلہ میں بحث کرتے ہوتے اور عافیہ موجود نہ ہوتے تو امام صاحب فرماتے کی عافیہ کو آلینے دو، جب وہ آجاتے اور اتفاق کر لیتے تب وہ مسئلہ درج کیا جاتا، اس طرح تیس برس کی مدت میں یہ عظیم الشان کام انجام کو پہنچا، امام صاحب کی اخیر عمر قید خانہ میں گذری وہاں بھی یہ کام برابر جاری رہا، گویا تیس سال کی طویل مدت میں قانون اسلامی وجود میں آئی، جس کی مدونہ کتابیں ''کتب فقہ ابی حنیفہ'' کے نام سے مشہور ہوئیں، اس مجموعے میں تراسی ہزار دفعات تھے پھر اور اس میں اضافے ہوئے اور مجموعی تعداد ۶- لاکھ تک پہنچ گئی، اور دوسری صراحت کے مطابق ۱۲ لاکھ نوے ہزار سے کچھ زیادہ ہے۔

(سیرۃ النعمان ۱۵۲/۱۵۱)

مجموعہ کی ترتیب

اس مجموعہ کی ترتیب جیسا کہ حافظ ابوالمحاسن نے بیان کی ہے یہ تھی اول باب الطہارۃ اور اخیر میں میراث از اول تا آخر ترتیب حسب ذیل ہے۔

(۱) کتاب الطہارۃ (۲) کتاب الصلوۃ (۳) کتاب الزکوۃ (۴) کتاب الصوم (۵) کتاب الحج (۶) کتاب النکاح (۷) کتاب الطلاق (۸) کتاب الرضاع (۹) کتاب العتاق (۱۰) کتاب الایمان (۱۱) کتاب الحدود (۱۲) کتاب السرقۃ

(۱۳) کتاب السیر (۱۴) کتاب اللقیط (۱۵) کتاب اللقطہ (۱۶) کتاب الاباق (۱۷) کتاب المفقود (۱۸) کتاب الشرکۃ (۱۹) کتاب الوقف (۲۰) کتاب البیوع (۲۱) کتاب الصرف (۲۲) کتاب الکفالۃ (۲۳) کتاب الحوالۃ (۲۵) کتاب القاضی (۲۶) کتاب الشہادات (۲۷) کتاب الوکالۃ (۲۸) کتاب الدعوی (۲۹) کتاب الاقرار (۳۰) کتاب الصلح (۳۱) کتاب المضاربۃ (۳۲) کتاب الودیعہ (۳۳) کتاب العاریۃ (۳۴) کتاب الھبہ (۳۵) کتاب الاجارات (۳۶) کتاب المکاتب (۳۷) کتاب الولاء (۳۸) کتاب الاکراہ (۳۹) کتاب الحجر (۴۰) کتاب الماذون (۴۱) کتاب الغصب (۴۲) کتاب الشفعہ (۴۳) کتاب القسمہ (۴۴) کتاب المزارعہ (۴۵) کتاب المساقات (۴۶) کتاب الذبائح (۴۷) کتاب الاضحیہ۔ (۴۸) کتاب الکراہیہ یا کتاب الحظر والاباحۃ (۴۹) کتاب احیاء الاموات (۵۰) کتاب الاشربہ (۵۱) کتاب الصید (۵۲) کتاب الرھن (۵۳) کتاب الجنایات (۵۴) کتاب الدیات (۵۵) کتاب المعاقل (۵۶) کتاب الوصایا (۵۷) کتاب الخنثیٰ (۵۸) کتاب الفرائض ۔

بہر حال! فقہ اسلامی کا مجموعہ کو تقریباً ساٹھ عنوانات پر مشتمل ہے جس میں اپنے تمام جزئیات وفروعات شامل کردیئے گئے ہیں جو کہ مکلف کی زندگی سے متعلق سارے حل ان میں موجود ہیں۔

اس وقت ہمارے پیش نظر تمام عنوانات نہیں ہیں بلکہ ان ہی عنوانات میں سے ایک خاص عنوان جو "وقف" کے نام سے موسوم ہے اور فقہ اسلامی کی جو ترتیب ہے اسی ترتیب کے ساتھ تمام کتب فقہ ہیں اور عناوین وموضوعات کی طرح اس عنوان پر بھی کافی بحثیں حضرات فقہاء نے کی ہیں اس وقت یہی پیش نظر ہے چنانچہ صاحب

ھدایہ نے بڑی تفصیل سے وقف کی حقیقت اور اس کے مصرف کے دائرہ کار اور واقف کی حیثیت اور شی موقوفہ کی جہت اور موقوف لہ کے اختیارات کے حدود وقیود پر مکمل روشنی ڈالی ہے ان ہی کی زبان میں حاضر ہے۔

صاحب ھدایہ کا وقف کے سلسلہ میں مبسوط کلام

"قال ابو حنیفة لایزول ملک الواقف عن الوقف الاان یحکم به الحاکم او یعلقه بموته فیقول اذامت فقد وقفت داری علی کذا وقال ابویوسف یزول ملکه بمجرد القول وقال محمد لایزول حتی یجعل للوقف ولیاویسلمه الیه" قال الوقف لغة هو الحبس یقول وقفت الدابة واوقفتها بمعنی، وهو فی الشرع عند ابی حنیفة حبس العین علی ملک الواقف والتصدق بالمنفعة بمنزلة العاریة ثم قیل المنفعة معدومة فالتصدق بالمعدوم لایصح فلایجوز الوقف اصلاعنده وهو الملفوظ فی الاصل والاصح انه جائز عنده الاانه غیر لازم بمنزلة العاریة وعندهما حبس العین علی حکم ملک الله تعالیٰ فیزول ملک الواقف عنه الی الله تعالیٰ علی وجه تعود منفعته الی العباد فیلزم ولایباع ولایوهب ولایورث واللفظ ینتظمهما والترجیح بالدلیل لهما قول النبی لعمر حین اراد ان یتصدق بارض له تدعی "ثمغ" تصدق باصلها لایباع ولایورث ولایوهب لان الحاجة ماسة الی ان یلزم الوقف منه لیصل ثوابه الیه علی الدوام، وقدامکن دفع حاجته باسقاط الملک وجعله لله تعالیٰ اذله نظیر فی الشرع وهو المسجد فیجعل کذالک، ولابی حنیفة قوله علیه السلام لاحبس عن الفرائض الله تعالیٰ وعن شریح جاء محمد علیه السلام ببیع الحبس، ولان الملک باق فیه بدلیل انه یجوز الانتفاع به زراعة وسکنی وغیر ذالک

والملک فیہ للواقف الاتری ان لہ ولایۃ التصرف فیہ بصرف غلاتہ الی مصارفھاونصب القوام فیھاالاانہ یتصدق بمعنافعہ فصار شبیہ العاریہ ولانہ یحتاج الی التصدق بالغلۃدائما ولاتصدق عنہ الابالبقاء علی ملکہ ولانہ لایمکن ان یزال ملکہ لاالی مالک لانہ غیر مشروع مع بقائہ کالسائبۃ بخلاف الاعتاق لانہ اتلاف وبخلاف المسجد لانہ جعل خالصالله تعالیٰ قالؒ قال فی الکتاب لایزول ملک الواقف الاان یحکم بہ الحاکم او یعلقہ بموتہ وھذا فی حکم الحاکم صحیح لانہ قضاء فی مجتھد فیہ اما فی تعلیقہ بالموت فالصحیح انہ لایزول ملکہ الاانہ تصدق بمنافعہ مؤبدا فیصیر بمنزلۃ الوصیۃ بالمنافع مؤبدا فیلزم، المراد بالحاکم المولیٰ واما المحکم ففیہ اختلاف المشائخ ولووقف فی مرض موتہ قال الطحاوی وھو بمنزلۃ الوھیۃ بعد الموت والصحیح انہ لایلزمہٗ عند ابی حنیفۃ. وعندھما یلزمہ الاانہ یعتبرمن الثلث والوقف فی الصحۃ من جمیع المال، واذاکان الملک یزول عندھما یزول بالقول عندابی یوسف وھو قول الشافعی بمنزلۃ الاعتاق لانہ اسقاط الملک وعند محمد لابد من التسلیم الی المتولی لانہ حق الله تعالیٰ انما یثبت فیہ فی ضمن التسلیم الی العبد لان التملیک من الله تعالیٰ وھو مالک الاشیاء لایتحقق مقصودا وقدیکون تبعا لغیرہ فیاخذ حکمہ فینزل منزلۃ الزکاہ والصدقۃ

(ھدایہ صـ۶۳۶تا۶۳۸ ج ۲ باب الوقف) م د.

حضرت امام ابوحنیفہ نے فرمایاواقف کی ملکیت مال وقف سے زائل نہیں ہوتی ہے، مگر یہ کہ کوئی حکم حاکم کی طرف سے اس کے زائل ہونے کا ہوجائے، یا وقف کرنے والا اپنی موت کے ساتھ اس کو معلق کرے، چنانچہ یہ کہے کہ جب میں مروں تو اپنا گھر

میں نے اس پر وقف کیا، اور حضرت امام یوسف نے فرمایا کہ وقف کرتے ہی اس کی ملک اس سے زائل ہو جائے گی، یعنی جب ہی اس نے کہا کہ میں نے وقف کیا، اس کی ملک سے نکل گیا، اور حضرت امام محمدؒ نے فرمایا کہ واقف کی ملکیت زائل نہیں ہوتی، یہاں تک کہ وقف کے واسطے ایک متولی مقرر کر کے اس کے سپرد کر دے، شیخ مصنفؒ نے فرمایا لغت میں ''وقف'' کے معنی حبس کے ہیں یعنی روک لینا چنانچہ بولتے ہیں ''وقفت الدابہ'' میں نے اپنا گھوڑا روک لیا، اور ''اوقفتھا'' بھی اسی معنی میں بولتے ہیں، اور شرع میں وقف کے معنی حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک ''مال عین'' کو اپنی ملک میں روکے اور اس کی منفعت کو صدقہ کرے، جیسے ''عاریۃ'' ہوتی ہے پھر کہا گیا ہے کہ منفعت تو ایک معدوم چیز ہے، اور معدوم چیز کا تصدق صحیح نہیں ہے، تو امام کے نزدیک بالکل وقف جائز نہ ہوا اور یہی الفاظ اصل میں مذکور ہیں یعنی امام ابوحنیفہ اس کو جائز نہ رکھتے تھے اور اصح ہے کہ امام کے نزدیک وقف جائز ہے لیکن بمنزلہ عاریت کے لازم نہیں ہے، اور صاحبین کے نزدیک وقف کے یہ معنی ہیں کہ مال عین کو اللہ کی ملک میں روکنا پس وقف کرنے والے کی ملکیت اس چیز سے اللہ تعالیٰ کی طرف ایسے طور پر عود کرے گی کہ اس کی منفعت بندوں کی طرف عائد ہو پس وقف لازم ہوگا اور فروخت نہیں ہوسکتا اور ہبہ نہیں ہوسکتا اور میراث جاری نہیں ہوسکتی، پس لفظ دونوں قول کو شامل ہے یعنی وقف صحیح ہو جائیگا، خواہ ملک زائل ہو یا نہ ہو، اور قول امام وصاحبین میں سے کسی کی ترجیح بالدلیل ہے، صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے اپنے حصہ خیبر کو جس کا نام ''ثمغ'' تھا صدقہ کرنا چاہا، تو آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کی اصل کو صدقہ کردو کہ وہ بیع نہ ہو سکے گی اور نہ میراث ہوگی، اور نہ ھبہ ہوگی (رواہ الائمۃ الستۃ) اور اس دلیل سے کہ واقف کا وقف لازم ہو جانے کی حاجت ہے اور تا کہ ہمیشہ

اس کو اپنے وقف کا ثواب پہنچتا رہے اور حاجت کا دفعیہ اس طرح ممکن ہے کہ اس کی ملک ساقط کر کے اللہ تعالیٰ کے واسطے کر دیا جاوے، کیونکہ شرع میں اس کی نظیر موجود ہے، اور وہ مسجد ہے پس یونہی وقف بھی کر دیا جائے اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے فرائض سے کوئی چیز ''حبس'' نہیں ہے، یعنی ہر چیز موافق میراث کے تقسیم بفرائض الٰہی ہو جائیگی۔ (رواہ دار قطنی ابن ابی شیبہ والطبرانی باسناد ضعیف) اور شریحؒ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے آکر ''حبس'' کو فروخت کیا (رواہ ابن ابی شیبہ والبیہقی والطحاوی باسناد صحیح)

اور اس دلیل سے کہ وقف کرنے والے کی ملکیت وقف میں باقی رہتی ہے، اس دلیل سے کہ واقف کو اس سے نفع اٹھانا بطریقہ زراعت وسکونت وغیرہ کے جائز ہے اور وقف کرنے والے کی ملکیت اس میں قائم ہے کیا نہیں دیکھتے ہو کہ اس کو وقف میں ولایت تصرف حاصل ہے، چنانچہ اس کی حاصلات جہاں صرف ہونا چاہئے وہیں صرف کرے، اور وقف کا قیم مقرر کرے، مگر اتنی بات ہے کہ اس کے منافع کو صدقہ کر دیگا، تو عاریت کے مشابہ ہوگا، اور اس دلیل سے کہ وقف کرنے والے کو ہمیشہ اس کی حاصلات وقف کرنے کی حاجت ہے، حالانکہ اس کی طرف سے صدقہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ وہ اس کی ملکیت پر باقی رہے، اور اس دلیل سے یہ ممکن نہیں ہے کہ وقف سے اس کی ملکیت زائل کر دی جائے، اس طور پر کہ وہ کسی دوسرے مالک کی ملک میں نہ آئے، کیونکہ یہ بات مشروع نہیں ہے باوجودیکہ وہ چیز باقی ہے، جیسے جانور سانڈ وغیرہ چھوڑنا ممنوع ہے، برخلاف اعتاق کے کیونکہ وہ مملوکیت کی صفت کو دور کرنا ہوتا ہے اور برخلاف مسجد کے کیونکہ وہ خالصاً لوجہ اللہ کر دی گئی، اسی لئے مسجد سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہے اور وقف کی صورت میں بندہ کا حق وقف سے منقطع نہیں ہوا، تو وہ خالصاً لوجہ اللہ نہیں

ہوا (پھر ترجیح میں علماء نے کلام کیا ہے ابن ھمام نے کہا ہے کہ حضرت عمرؓ کے وقف میں حضرت رسول کریم ﷺ نے حکم دے دیا تھا، اس لئے وہ وقف لازم ہوگیا۔

شیخ الاسلام نے شرح مبسوط میں کہا کہ امام ابوحنیفہ کی دلیل منقول میں کوئی حجت نہیں ہے کیونکہ جب اس نے وقف کردیا تو فرائض الٰہی یعنی میراث سے اس کا تعلق نہیں رہا تو فرائض الٰہی سے کوئی حبس نہیں ہوا، جیسے مال منقولہ ووصیت وھبہ وصدقہ میں کوئی حبس نہیں ہوتا ہے۔

اور شیخ ابن ھمام نے بعد طویل کلام کے کہا ہے کہ حق اس مقام پر یہی ہے کہ صاحبین وعامہ علماء کے قول کو ترجیح ہے، یعنی وقف لازم ہوجاتا ہے کیونکہ احادیث اس باب میں بہت کثرت سے ہیں اور صحابہ وتابعین اوران کے بعد امتیوں کا عمل اس پر چلا آرہا ہے، اور حدیث شریف کے صرف یہی معنی ہیں کہ کفار جو اپنے زمانہ میں حام بحیرہ وغیرہ کو بتوں کے نام پر روکتے وہ آنحضرتؐ نے منسوخ کردیا، لہٰذا بعض مشائخ نے ذکر کیا ہے کہ صاحبین کے قول پر فتوئی ہے) شیخ مصنف نے فرمایا کہ کتاب میں جو یہ مذکور ہے کہ وقف سے واقف کی ملکیت زائل نہ ہوگی، مگر یہ کہ کوئی حاکم حکم دے دے، یا واقف اپنی موت پر معلق کرے۔ یہ حکم حاکم کی صورت میں صحیح ہے، کیونکہ اس کا حکم ایک مسئلہ اجتہادی میں واقع ہوگا، رہا موت پر معلق کرنے کی صورت میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے، اور صحیح یہی ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس طرح معلق کرنے سے ملک زائل نہ ہوگی، لیکن اس نے وقف کے منافع کو دائمی صدقہ کیا ہے تو ایسا ہوگیا کہ گویا منافع کی کسی کے واسطے دائمی وصیت کردی، پس لازم ہوگا اور واضح ہو کہ یہاں حاکم سے مراد وہ حاکم ہے جو سلطان ہو یا سلطان کی طرف سے قاضی مقرر ہو، اگر کوئی شخص حاکم مقرر کرلیا گیا تو اس کے حکم دینے میں مشائخ کا اختلاف ہے، یعنی اس

کی تحکیم سے بعض مشائخ کے نزدیک حکم لازم ہوگا (اور اصح یہ ہے کہ منعقد ہوتا ہے کما فی الخلاصۃ) اگر اس نے اپنے مرض الموت میں وقف کیا تو امام طحاوی نے فرمایا کہ یہ منزلہ وصیت بعد الموت ہے، اور صحیح یہ ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ لازم نہ ہوگا، اور صاحبین کے نزدیک لازم ہوگا، مگر وہ صرف تہائی مال سے معتبر ہوگا، اور جو وقف صحت کی حالت میں ہو وہ پورے مال سے معتبر ہوگا، پھر جب حضرات صاحبین کے نزدیک ملک زائل ہو جاتی ہے تو امام یوسفؒ کے نزدیک صرف قول سے زائل ہوگی، اور یہی حضرت امام شافعی کا قول ہے (بلکہ اکثر علماء کا قول ہے اور یہی محققین کے نزدیک اوجہ وارجح ہے اور مدیہ میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے) کیونکہ یہ بمنزلہ عتاق کے ہے کیونکہ یہ بھی ملک کے زائل کرنے کا نام ہے، اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک متولی کو سپرد کرنا ضروری ہے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے، اور وہ بندہ کو سپرد کرنے کے ضمن میں ثابت ہوا کرتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ جو تمام اشیاء کا مالک ہے اس کو مالک کرنا بالقصد نہیں ہوسکتا ہے بلکہ کبھی بالتبع ہوتا ہے، تو اسی کا حکم پاتا ہے، یعنی جب بندہ کو دیا تو اسی کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کی ملک میں دینا ثابت ہوا پس بمنزلہ زکوۃ وصدقہ کے ہے، (اور اسی قول کو مشائخ بخارا وغیرہ نے اختیار کیا ہے)

مذکورہ عبارت سے چند باتیں ثابت ہوتی ہیں جو تمام اوقاف کے مضامین کا خلاصہ ہے،

۱:- وقف اپنی جائداد غیر منقولہ کو اپنی ملکیت سے ختم کر کے، اللہ کی ملکیت میں کر دینے کا نام ہے۔

۲:- وقف کے حاصلات واقف کی صراحت کے اعتبار سے صرف ہوں گے سوائے مسجد کے۔

۳:-وقف کے حاصلات اورآمدنیوں سے واقف کے ورثاء بھی منتفع ہو سکتے ہیں، کیونکہ وقف ایک طرح کا صدقہ ہے (اللہ کے رسولؐ کے زمانہ میں وقف صدقہ ہی کے معنی میں بولا جاتا تھا) لیکن دوسرے صدقہ کے مفہوم سے ذرا اسمیں فرق ہے، اور اگر کوئی اولاد میں نہیں ہے تو صدقہ غریبوں کا حق ہے، اس لیے غریبوں میں تقسیم ہوگا۔

۴:-شی ءموقوفہ سے میراث کا تعلق باقی نہیں رہتا ہے، لہٰذا موقوفہ شی ء میں ورثاء کا حق میراث جاری نہیں ہوگا۔

۵:-صاحب جائداد اگر کل جائداد کو وقف کرنا چاہتا ہے تو زندگی کے عام حالات میں نافذ ہوگا۔

۶-مرنے سے قبل اگر وقف کرنا چاہتا ہے تو وصیت کا حکم جاری ہوگا اور صرف ثلث مال میں (تہائی) سے زیادہ میں وقف کا حکم نافذ نہ ہوگا۔

۷-وقف شدہ اراضی یا مکان وغیرہ وقف کرنے کے بعد صحیح قول کے مطابق واقف کی ملکیت سے نکل جاتی ہے، لہٰذا اسے نہ بیچا جا سکتا ہے اور نہ ھبہ میں دیا جا سکتا ہے اور نہ وراثت اس میں جاری ہوگی۔

۸-وقف کے لئے وقف کا متولی بحال کرنا ضروری ہے تاکہ اس کی دیکھ ریکھ صحیح ہو سکے۔

۹-وقف صرف قول سے نافذ ہو جائیگا اور موقوفہ شی واقف کی ملکیت سے نکل جائے گی۔

۱۰-وقف صرف تین صورتوں میں لازم ہوتا ہے۔

(۱) بطور مسجد جب زمین وقف کی گئی ہو۔

(۲) قاضی نے وقف کے لازم ہونے کا فیصلہ کر دیا ہو۔

(۳) واقف نے وصیت کی ہو۔

باقی صورتوں میں لزوم نہیں رہتا ہے، رجوع جائز ہے اگرچہ بہتر نہیں ہے، مذکورہ تمام باتوں سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ وقف خیرات اور صدقہ ہے، اور خیرات وصدقہ کا حقدار کوئی بھی محتاج ونادار ہوسکتا ہے، خواہ اپنے ہی اہل وعیال کیوں نہ ہوں، احتیاج کی قید شرط ہے لہذا جہاں بھی یہ شرط پائی جائیگی وہاں وقف کے معنی پائے جائیں گے کیونکہ یہ صدقہ ہے۔

حضرت امیر شریعت رقم طراز ہیں

فرمایا! ''حضرات فقہاء نے اسلامی قانون میں وقف کی تعریف ''کسی چیز کو خدا کی ملکیت میں دیدینا اس طریقہ سے کہ اس کا نفع بندوں کو پہونچے'' سے جو کی ہے، اس سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں، پہلی یہ کہ وقف اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ کسی چیز کو اپنی ملکیت سے نکال کر خدا کی ملکیت میں دے دیا جائے۔

دوسری چیز یہ کہ اس کا نفع بندوں کو پہونچے، اسلامی تعلیم کی بنیاد پر جو شخص وقف کرنے والا ہے وہ بھی بندہ ہے، اور اس کی اولاد اور رشتے دار کا شمار بھی بندوں ہی میں ہے۔ اس لئے وقف کی تعریف سے اندازہ کیا جاتا ہے کہ اس میں وہ تمام قسم کے اوقاف داخل ہیں خواہ وہ خیراتی وقف ہوں یا فقراو مساکین پر وقف ہو یا وقف علی الاولاد ہو............ آگے مولانا مزید فرماتے ہیں کہ خیراتی اوقاف اور وقف علی الاولاد بالکل ایک چیز ہے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ وقف کی تعریف میں دونوں داخل ہیں اور دونوں وقف اسلامی قانون کے مطابق خیراتی ہیں۔

خیراتی اور چیرٹی کا عمومی رجحان اور اسلامی نقطہ نظر

اب یہ بات رہ جاتی ہے کہ عمومی رجحان میں خیراتی اور چیرٹی (CHARITI) کا

مفہوم کیا ہے؟ اور اسلامی نقطۂ نظر کیا ہے؟ کیا دونوں کا نقطۂ نظر ایک ہے یا دونوں کے نظریات وخیالات بدلے ہوئے اور جداگانہ ہیں، اس بارے میں ہندوستان کے عظیم اسلامی اسکالر مسلم پرسنل لاء بورڈ کے سب سے پہلے جنرل سکریٹری امیر شریعت رابع حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ صاحب رحمانیؒ [۱] کی چشم کشا تحریر اس طرح ہے:-

"ان دنوں خیرات" عام طور پر اسی کو کہا جاتا ہے، جو غیروں کے ساتھ کی جائے، اور جس سے دوسرے لوگ فائدہ اٹھائیں، اور اگر اپنوں کے ساتھ کوئی سلوک کیا جائے تو اسے خیرات نہیں کہا جاتا ہے، لیکن یہ تخیل بھی ان چند مغربی خیالات ونظریات میں سے ہے، جس نے ہندوستان میں شہرت حاصل کرلی ہے، یہاں تک کہ بعض مسلمان بھی اس تخیل کو صحیح سمجھنے لگے، اور اس غلط فہمی کے شکار ہوگئے، لیکن اسلام نے خیرات کے یہ معنی نہیں بتلائے، بلکہ یہ معنی انگریزی قانون کی پیداوار ہیں۔

---

[۱] حضرت مولانا شاہ منت اللہ رحمانیؒ اور حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری (۱۹۲۷) بانی ندوہ، رفیق درس حجۃ الاسلام مولانا نانوتوی، وعلامہ شبلی کے سب سے چھوٹے صاحبزادے ۳۴/ سال امارت شرعیہ کے امیر اور خانقاہ رحمانی مونگیر کے سجادہ نشین اور بیسوی صدی میں ہندوستان کے مسلمان کے پیر ومرشد اور مسیحا درجنوں کتابوں کے مصنف مدبر اور مفکر، مسلم پرسنلاء کے جنرل سکریٹری اور ڈھیر ساری تنظیموں کے سرپرست زاہد اور شب زندہ دار مجموعہ کمالات پر مشتمل ذات ۱۹۱۲ء میں ولادت، ۱۹۹۱ء رمضان شریف میں وفات، اپنے والد ماجد کی قبر سے مغرب میں خانقاہ رحمانی میں مسجد خانقاہ سے صحن کی طرف جنوب میں آسودہ خواب ۱۲۔

چنانچہ غالباً ۹-۱۹۰۸ء جب وقف علی الاولاد کے متعلق مقدمات چل رہے تھے، اس وقت ایک مقدمہ کے ایک فیصلہ میں کلکتہ ہائی کورٹ کے ایک انگریز جج نے لکھا تھا کہ ''میں لفظ خیرات کو انگریزی لفظ ہی کے مفہوم کے موافق سمجھتا ہوں، اور اسی مفہوم کے موافق انگریزی عدالتوں میں اور انگریزی ترجموں میں اس کا استعمال ہوتا ہے، مجھ سے چاہا جاتا ہے کہ میں لفظ ''خیرات'' کے مفہوم کو مسلمانوں کے مفہوم کے موافق سمجھوں یعنی ایک زبان کا لفظ استعمال کروں جس کا مفہوم اس زبان کے مفہوم کے خلاف ہو، (انڈین لاء ریپورٹ کلکتہ ص ۲۰۷ ج ۲) (خطبات امیر شریعت)

وقف، صدقہ، اور خیرات کا مفہوم ومصداق

لیکن شریعت میں اور اسلامی قانون میں ان تینوں الفاظ کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے قدرے مشترک ہر ایک سے مراد بھلائی وخیر خواہی پر مشتمل امور مراد ہیں خواہ اس کا تعلق قریب ترین رشتے دار سے متعلق ہو یا بعید ترین رشتے دار سے اور خواہ کسی بھی محتاج ومسکین وضرورت مند وحاجت مند زندگی کی سہولتوں سے محروم اور ناامید۔ ہر ایک کے ساتھ مواسات وہمدردی کا سلوک اعطاء وانفاق اور دادودہش کا برتاؤ کرنا، صدقہ ہے خیرات ہے، اور وقف کا مفہوم ہے کہ وقف سے یہی مقصود ہے، یہاں تک کہ انسان اپنی ذات میں جو خرچ کرتا ہے وہ بھی صدقہ ہے، بچوں پر آل واولاد پر وماں وباپ پر جو خرچ کرتا ہے وہ بھی صدقہ ہے، چنانچہ روایت میں ہے ''نفقة المرء علی نفسه صدقة'' انسان کا اپنی ذات پر خرچ کرنا یہ بھی صدقہ ہے، ایک دوسری روایت میں ہے ''صدقہ صرف غریب پر صدقہ اور وہی صدقہ اگر رشتے داروں پر کیا جائے تو دوہرا ثواب ہے صدقہ کا اور صلہ رحمی کا'' ایک موقع پر پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا تم اپنے وارثوں کو خوش حال چھوڑو یہ بہتر ہے اس سے کہ تم ان کو اس حال میں چھوڑو کہ وہ

لوگوں سے بھیک مانگیں، کیوں کہ تمہارے ہر خرچ پر تم کو ثواب ملتا ہے یہاں تک کہ اس لقمہ پر بھی جو تم بیوی کو کھلاتے ہو" (کتب حدیث)

ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے صدقہ کے عموم میں "وقف" کے معنی شامل ہیں لہٰذا وقف کا تعلق بھی قرابت رشتے دار ساتھ ہی غرباء ومساکین سے یکساں وابستہ ہے، چنانچہ روایتوں میں اس کی مکمل صراحت ہے اور خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی بہت ساری جائداد وقف فرما کر اس سے ضرورت کے بعد وصول کر کے باقی حصے اور حاصلات کو غرباء اور مسکین میں صرف کئے ہیں، اور یہ سلسلہ خلفاء اربعہ کے علاوہ دوسرے بہت سارے صحابی اور صحابیات سے جاری ہوا ہے۔ اور ان کے اوقاف سے ہر طرح کے افراد امت نے فائدہ اٹھایا ہے اور مستفید ہوئے ہیں، ذیل میں ہر ایک کی تفصیل ترتیب وار ملاحظہ فرمائیے۔

شہنشاہ کونین کی موقوفہ اراضی وجائدادیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت اور قبضہ میں جو زمینیں آئیں وہ کس طرح آئیں پھر ان زمینوں کی حیثیت آپ کی زندگی میں کیا رہی اور آپ کی وفات کے بعد اس کی حیثیت کیا رہی ہر ایک کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر ملکیت اور زیر حقوق تین طرح سے زمین آئیں، ایک یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی نے ہبہ کیا اس قسم میں ایک زمین وہ ہے جو مخیرق یہودی لے نے اپنے اسلام لانے کے وقت غزوۂ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ وسلم کے لیے وصیت کی تھی، یہ بنی نضیر میں اس کے سات مکانات تھے، اور اس قسم میں دوسری زمین وہ تھی، جو انصار نے آپ کو عطاء کی تھی اور وہاں پانی نہیں پہنچتا تھا یہ زمین خالص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک تھیں، دوم بنی

نضیر جب نکالے گئے ان کی زمینیں آپ کو ملیں، یہ آپ کے لئے خاص تھیں، کیوں کہ مسلمانوں کو وہاں لڑنا نہیں پڑا تھا، بنی نضیر اپنے اموال منقولہ کی جتنا وہ اونٹ پر لیجا سکے آلات حرب کے سواء وہ لے گیے، باقی کو حضورؐ نے مسلمانوں پر تقسیم فرمایا لیکن زمین آپ کی خاص تھیں اس میں سے آپ نفقات کے بعد سب مسلمانوں میں ان کی قومی مصلحتوں میں صرف کرتے تھے، اسی طرح فدک کی نصف زمین جس پر فتح خیبر کے بعد اہل فدک سے آپ نے صلح کی تھی وہ آپ کی خاص تھی، اسی طرح وادی قری کی زمینوں کی ایک تہائی، جس پر وہاں کے یہودیوں سے آپ نے صلح کی تھی اور اسی طرح خیبر کا دو قلعہ ''الوطیح'' اور السلالم، جس کو آپ نے صلح سے لیا تھا۔

ل مخیریق یہودی تھا، اور غزوۂ احد میں شریک ہوا اور یہ کہتے ہوئے شریک ہوا کہ اگر میں کفار سے قتل وقتال کرتے مرجاؤں تو میرے اموال اللہ کے رسول کے حوالے آپ اس میں جس طرح کا تصرف کریں ان کو اختیار ہے، چنانچہ قتل ہوا لیکن اسلام نہ لا سکا، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ''مخیریق خیر یھود'' واقدی کی روایت میں ہے کہ وہ اسلام نہ لا سکا، اور قتل کے بعد اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا گیا اور جنازے کی نماز نہ پڑھی گئی، جبکہ ابن ھشام کی روایت میں ہے کہ وہ اسلام لا چکا تھا، بہر حال وہ سات باغات جسے رسول اللہ ﷺ نے مخیرق کے اموال میں سے وقف کیا تھا، اس کی تفصیل یہ ہے (۱) اعراف اور بعض نسخہ میں اعواف ہے (۲) صافیہ اور بعض نسخہ میں ضیافہ ہے (۳) دلال سحاب کے وزن پر (۴) میثب (۵) برقہ (۶) حسنٰی (۷) مشربہ ام ابراھیم، (احکام الاوقاف للامام ابوبکر الشیبانی (م۲۶۱) ص۵/۶ باب ماروی فی صدقات النبی ﷺ۔ علامہ سبط ابن جوزی کہتے ہیں کہ اسلام میں یہ سب سے پہلا وقف تھا (سیرت حلبیہ ص۵۲۹ جلد ۲، حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ اول وقف اسلام میں ''ثمغ'' ہے جسے حضرت عمر نے صدقہ (وقف) کیا تھا

(وعن الحصین سألنا عن الحبس ''اول حبس'' فی الاسلام فقال قائل

صدقه رسول الله صلى الله عليه وسلم هى اول ماحبس فى الاسلام (السبعه الحوائط) (احكام الاوقاف ص ۷)

سوم خیبر کے فتوحات کا خمس:۔اور خود حضورؐ کے سہم جو مسلمانوں کی طرح آپ کو ملا تھا، یہ سب زمینیں رسول اللہ ﷺ کی ملک تھیں اور اس میں کسی دوسرے کا حق نہ تھا، اس پر رسول اللہ ﷺ نے کسی کو قبضہ اور تصرف کا حق نہیں دیا، اس میں حضورؐ نے جن کے نفقات مقرر کر دیئے تھے ان کو نفقات ملتے تھے، اس کے بعد بقیہ مسلمانوں پر اور مصالح عامہ پر صرف کرتے تھے۔[1]

اس بارے میں ایک دوسری روایت بھی ہے، جسے حضرت امام بخاری نے کتاب التفسیر میں بیان کیا ہے، تمام سیرت نگار نے اس روایت کو آنحضرت ﷺ کی متروکہ جائداد کی وضاحت میں اور اس سے متعلق حکم میں اپنا مستدل بتایا ہے، روایت پیش خدمت ہے۔

حضرت عمر بن حارث جو ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے فرماتے ہیں۔

ع۱ اصح السير ص ۲۱۴. وفى احكام الاوقاف عن عمر بن الخطاب رضى الله عنه: كان لرسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاث صفايا وكانت بنوا النضير حبسا (وقفا) لنوائبه وكانت فداك ابن السبيل وكانت خيبر قدجزأ ماثلاثه اجزاء فجزأن للمسلمين وجزء ا كان ينفق على اهله فان فضل فضل رده على فقراء المسلمين (المهاجرين) (احكام الاوقاف للشيبان ص ۶م ۱ ۲۶)

ما ترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عند موتہ درھما ولا دینارا ولا عبدا ولا امۃ ولا شیئا الا بغلتہ البیضاء وسلاحہ وارضا جعلھا صدقۃ ع ا

آنحضرت صلی اللہ وسلم نے نہ درھم چھوڑا اور نہ دینار اور نہ غلام اور نہ باندی اور نہ کوئی شی مگر ایک سفید خچر اور ہتھیار اور کچھ زمین جس کو اپنی زندگی ہی میں مسلمانوں کے لئے صدقہ اور وقف کر گئے تھے۔

اس حدیث کی تشریح میں سیرت نگار نے جو باتیں پیش کی ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ نے فرمایا کہ حضرت عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جس زمین کا ذکر ہے اس سے تین جائدادیں مراد ہیں۔

ا-جائداد مدینہ:-مدینہ کی جائداد سے بنونضیر کی جائداد مراد ہے جو حق تعالیٰ نے آپ کو بطور "فیئ" عطاء فرمائی تھی جس کا ذکر قرآن میں ہے اور یہ زمین برابر آپ کے قبضہ میں رہی، اس زمین کی آمدنی سے اپنے اہل وعیال کا سالانہ خرچ دیتے تھے اور جو بچتا اس سے ہتھیار اور گھوڑے اور سامان جہاد خریدتے۔

۲-خیبر کی زمین جو آپ کو سہم میں ملی تھی۔

۳-فدک کی نصف زمین جو فتح خیبر کے بعد آپ کو اہل خیبر سے صلحاً حاصل ہوئی تھی، خیبر اور فدک کی زمینوں سے جو آمدنی ہوتی اس کو وقتی اور ناگہانی ضروریات میں صرف فرماتے، یہ زمین رسول اللہ ﷺ کی سمجھی جاتی تھیں، اور تاحین حیات آپ کے قبضہ میں رہیں، حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے آپ کو اختیار تھا کہ جس طرح چاہیں تصرف کریں، مگر حضور پرنور ﷺ ان زمینوں کی آمدنی سے صرف بقدر نفقہ اہل وعیال

ع ا الجامع الصحیح المسند البخاری ص ۷۲۵، اصح السیر ص ۵۴۵، سیرۃ المصطفی ص ۲۳۵ جلد ۳ احکام الاوقاف ص ۸ (بیروت لبنان)

لیتے تھے، باقی کل آمدنی اسلام اور مسلمانوں کی ضرورتوں اور مصلحتوں میں خرچ فرماتے تھے، اپنی عیش وعشرت کے لیے معاذ اللہ ایک پیسہ بھی خرچ نہ فرماتے تھے، ظاہراً ان جائدادوں میں آپ کا تصرف مالکانہ تھا، مگر درحقیقت متولیانہ تھا، یہ زمین اللہ کی تھیں یعنی وقف تھیں اور بحکم خداوندی آپ اس کے متولی تھے اس کے حکم کے مطابق خرچ کرتے تھے، چونکہ خداوند ذوالجلال کی طرف سے یہ حکم تھا کہ ان زمینوں کی آمدنی سے اپنے اہل وعیال کا نفقہ بھی دے دیا کرو، اس لیے آپ بنی نضیر کی جائداد سے سالانہ نفقہ دیا کرتے تھے۔ (سیرۃ المصطفیٰ جلد سوم ص ۲۳۶ سیرۃ حلبیہ ص ۵۳۰ ج ۲، اصح السیر ص ۵۴۵)

اسی وجہ سے حضرات اہل بیت کو آپ کی وفات کے بعد یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ یہ زمینیں رسول اللہ ﷺ کی ملکیت اور ذاتی جائداد تھیں اس لئے بطور وراثت اہل بیت پر تقسیم ہونی چاہئے جیسا کہ حضرت فاطمہ نے فدک اور خیبر کی جائدادوں سے ابوبکرؓ سے اپنا حصہ طلب کیا، جس کی مکمل تفصیل سیر کی کتابوں میں مذکور ہے، اور حضرت ابوبکرؓ نے یہ کہہ کر رد فرمادیا کہ ''انبیاء کے اموال میں وراثت جاری نہیں ہوتی'' [1]

[1] ''یہاں پر یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ قرآن میں تو وراثت انبیاء جاری ہونے کی وضاحت ہے، چنانچہ ارشاد ہے ''وورث سلیمان داؤد (اور داؤدؑ کے بعد ان کے وراث سلیمان ہوئے، یا زکریاؑ کے واقعہ میں جو یہ آیت ہے، ''فھب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من اٰل یعقوب (سورہ مریم) کیونکہ ان آیات میں وراثت سے مراد علم وحکمت کا ورثہ ہے ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت فاطمہ نے حضرت ابوبکر سے اس بات پر فرمایا کہ آپ کی وراثت کس کو ملے گی، تو انہوں نے کہا میری بیوی اور اولاد کو، اس پر حضرت فاطمہ نے فرمایا کہ پھر کیا وجہ ہے کہ مجھے اپنے والد معظم کی وراثت نہ ملے، صدیق اکبرؓ نے فرمایا ''میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہماری وراثت نہیں چلتی'' (سیرۃ حلبیہ ص ۵۳۱ جلد ۶ اردو)

وقف وصدقہ اور حبس عین کا طریقہ نیا نہیں ہے

بہر حال سابقہ وضاحتوں اور تحریروں سے ''دو باتیں سامنے آئیں

(۱) اوقاف وصدقات کا سلسلہ نیا نہیں ہے، بلکہ آنحضرت ﷺ کے زمانے سے اس کی شروعات ہے چنانچہ محمد بن حارثی سہل بن ابی حثمہ سے روایت کرتے ہیں'' سات صدقات حضورؐ نے بنی نضیر کے مال سے کیے تھے، اعواف، صافیہ، دلال، میثب، حسنی، مشربہ ابن ابراہیم (یہ اوقاف کھجوروں کے باغ وغیرہ تھے) تفصیل ما قبل میں آچکی ہے۔

(۲) وقف کی جائداد سے واقف خود بھی کھا سکتا ہے اور اس کی اولاد بھی ساتھ ہی محتاج اور نادار بھی، جیسا کہ اس بارے میں تفصیلات گذریں، لیکن گام گام، احتیاط علامہ ابوبکر خصاف نے لکھا ہے'' ان صدقة رسول الله صلى الله عليه وسلم یاکل منهاا هله بالمعروف غير المنكر''ع۱

''حضور ﷺ کے صدقات یعنی اوقاف میں سے ان کی اولاد اور بیویاں جائز طریقہ پر کھایا کرتی تھیں'' علامہ ابوبکر خصاف الشیبانی آگے فرماتے ہیں:

وقد حبس المسلمون بعده على اولادهم واولاد اولادهم ''ع۲

اس کے بعد (حضور ﷺ کے وقف کے بعد) مسلمانوں نے اپنی اولاد پر اور اپنی اولاد کی اولاد پر وقف کرنا شروع کیا۔

صحابہ وصحابیات جنہوں نے وقف کیا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وقف کنندگان کا حضرات صحابہ وصحابیات

ع۱ احکام الخصاف ص ۶.

ع۲ احکام الاوقاف ص ۷.

میں ایک لانبا سلسلہ ہے، خلفاء اربعہ کے علاوہ جن حضرات نے وقف کیا تھا ان کے نام یہ ہیں (۱) زبیرؓ (۲) حضرت معاذ بن جبل (۳) حضرت زید بن ثابت (۴) حضرت عائشہ صدیقہ (۴) حضرت اسماء بنت ابی بکر (۵) حضرت ام سلمہؓ ۔ (۶) حضرت ام حبیبہ (۷) حضرت صفیہ بنت حی زوجہ نبیؐ (۸) حضرت سعد بن ابی وقاص (۹) حضرت خالد بن ولید (۱۰) حضرت ابی اروی الدوسی (۱۱) حضرت جابر عبداللہ (۱۲) حضرت سعد بن عبادہ (۱۳) حضرت عقبہ بن عامر (۱۴) عبداللہ بن زبیر، تفصیل کیلئے دیکھیے (احکام الاوقاف)[۳]

مذکورہ تصریحات سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی ہے کہ وقف کا طریقہ نیا نہیں ہے، بلکہ قرن اول سے اس کا سلسلہ جاری ہے بلکہ فلاحی کام کرنے کا ایک مضبوط اور مستحکم طریقوں کے ساتھ ایک طریقہ وقف بھی ہے، کہ اسے اپنی ملکیت سے نکال دینے کے بعد واقف کو کسی طرح کا یا متولی کو حق تولیت اور نگرانی کے سوا کسی طرح کا اختیار نہیں ہے چنانچہ روایت کی صراحت کے مطابق ''ولا تباع ولا توھب ولا تورث ابدا'' پر عمل جاری ہوا کرتا ہے، یعنی موقوفہ اراضی جو نہ فروخت کی جاسکتی ہے اور نہ ہی ھبہ اور نہ ہی اس میں وراثت کا نفاذ ہوگا۔

وقف کیلئے تابید شرط ہے

اس بارے میں حضرت امیر شریعت نے فتاوی عالمگیری (فتاوی ہندیہ) کے حوالے سے بڑی فاضلانہ بحث کی ہے ان ہی کی زبان اور ان ہی کی تحریر میں پیش خدمت ہے اس بارے میں ان کی فاضلانہ گفتگو، وہ فرماتے ہیں کہ وقف کی جہاں اور شرطیں ہیں ان میں ایک شرط متفق علیہ طور پر ''تابید'' بھی ہے، انہوں نے آگے فرمایا

ع۳ للخصاف (۲۶۱) ص ۱۶-۸)

کہ فتاوی عالمگیری کی عبارت اس طرح ہے۔

"ومنها التابيد وهو شرط على قول الكل" (احکام الاوقاف ص ۱۵)

یعنی تمام ائمہ کے قول کے مطابق" وقف کے لئے ہمیشہ وقف" رہ جانا شرط ہے، مولانا آگے فرماتے ہیں، اس ہمیشگی کی شرط کا فائدہ یہ نکلتا ہے "وقف" خواہ جس پر بھی کیا جائے اس میں کسی نہ کسی مرتبہ میں اسکی صلاحیت موجود ہوتی ہے فقراء اور مساکین پر صرف کیا جاسکے، مثلاً ایک شخص اپنی اولاد پر "وقف" کرتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ اسکی اولاد اور نسل باقی رہے، اب اگر اس کی نسل ختم ہوگئی تو کیا وقف لوٹ جائیگا یا نہیں بلکہ وہ فقراء ومساکین پر صرف ہوگا یہی وجہ ہے کہ وقف ناموں میں لکھا جاتا ہے کہ اگر واقف کی اولاد اور نسل میں کوئی باقی نہ رہے تو وہ فقراء ومساکین پر صرف کیا جائے گا، اور اسلامی قانون ہمیں بتلاتا ہے کہ اگر وقف کرنے والا اپنے وقف نامہ میں فقراء اور مساکین کا تذکرہ نہ بھی کرے اور اس کی نسل ختم ہو جائے تو بھی وہ وقف باقی رہے گا، اور فقراء ومساکین پر خرچ کیا جائیگا، کیونکہ وقف کے لئے شرط ہے کہ وہ ہمیشہ وقف رہ جائے، اور اس کی شکل یہی ہے جو ذکر کی گئی ہے چنانچہ عالمگیری کے ص ۹۶۰ جلد ۲ میں ہے۔

"يصح وان سمى جهة تنقطع ويكون بعده للفقراء وان لم يسمهم كذا فى البدائع"

"وقف صحیح ہوگا اگر واقف کسی ایسی چیز کیلئے وقف کیا جو ختم ہو جانے والی ہے، اور اس کے بعد فقراء ومساکین پر خرچ ہوگا، اگرچہ واقف اپنے وقف نامے میں فقراء ومساکین کا تذکرہ نہ کیا ہو"۔[1]

---

[1] خطبات امیر شریعت رابع ص ۶۲ ص ۶۱ .

بہر حال وقف سے متعلق چند سطور اس لئے لکھے گئے ہیں تا کہ ''وقف'' کے مسائل سمجھنے میں اور اس کی حقیقت تک پہنچنے میں اور اس کے مقاصد کو جاننے میں اس راہ کے مسافر کے لیے کسی نہ کسی درجہ میں معاون ثابت ہوں، اور اصل سبب اس کے لکھنے کا ہمارے محسن ومکرم جناب مولانا ومفتی محمد کوثر علی سبحانی مظاہری صاحب سابق شیخ الحدیث جامعۃ العلوم گڑھا ہمت نگر کا پیہم اصرار تھا جس کے بعد انکار گناہ سا معلوم ہوا، اس لیے جو بھی ہو سکا حاضر ہے۔

اخلاق الرحمان قاسمی، ارریاوی

۲/۱/ذوالحجہ ۱۴۳۱ھ

بمطابق ۸ نومبر ۲۰۱۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على نبيه رحمة للعالمين امابعد.

وقف کی تعریف :۔ وقف کے لغوی معنی حبس یعنی رکنا، روکنا، قائم اور ساکن کردینے کے ہیں۔

اصطلاح شرع میں اپنی جائداد جیسی باقی رہنے والی چیز کو اپنی ملک سے نکال کر اللہ کی ملک میں (اصل کو محفوظ رہنے اور منافع کے خیرات کرنیکی شرط کیساتھ) دیدینا، یعنی رضا الٰہی کی نیت سے اس کے فائدے کو فقر و غناء کا لحاظ کئے بغیر دائمی طریقہ پر کسی خاص شخص و فرد کو یا مساجد، مدارس، مقابر، و دیگر ادارے اور کار خیر کیلئے مخصوص کردینا وقف کہلاتا ہے [1]

وقف کی اصطلاحات :۔ مال وقف کرنے والے کو واقف اور جس کو وقف کیا جائے خواہ اشخاص وافراد یا مساجد و مقابر اور دیگر ادارے ہوں اس کو موقوف علیہ

ع [1] كتاب الوقف.هو لغة : الحبس وشرعا حبس العين على حكم ملك الواقف والتصدق بالمنفعة عندهٗ وعندهما هو حبسها على حكم ملك الله تعالىٰ وصرف منفعتها على من احب ولوغنيا فيلزم فلايجوزلهٗ ابطاله ولايورث عنه وعليه الفتوىٰ (درمختار على هامش شامي ص ٥١٨ تا ٥٢١ جلد ٢) حبس العين على ملك الواقف والتصدق بالمنفعة والملك يزول بالقضاء (كنزالدقائق) وصرح في الذخيرة بان في التصدق على الغني نوع قربة دون قربة الفقير وعرفه شمس الائمة السرخسي بانه حبس المملوك عن التمليك من الغير وسببه ارادة محبوب النفس في الدنيا وببرالاحباب في الاخرة بالتقرب الى رب الارباب جل وعز (بحرالرائق ص ٣١٣ ج ٥)

کہتے ہیں، جس کے ذریعہ وقف اوراس کی ضروری تفصیلات کا علم ہواس کووقف نامہ اور جس شخص کووقف کے مقاصد کو بروئے کار لانے اور واقف کی ہدایت پر عمل درآمد کیلئے منتظم بنایا جائے اس کومتولی کہا جاتا ہے۔

وقف کی حقیقت:- حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واقف کی ملکیت وقف کردہ شیء میں باقی رہتی ہے البتہ اس کے منافع موقوف علیہم پر صدقہ ہوں گے اور امام صاحب کے نزدیک وقف مثل عاریت کے جائز ہے لازم نہیں ہے، واقف کی حیات میں وہ شیءموقوفہ اس کی ملک میں رہتی ہے اوراس کی وفات کے بعد ملک ورثہ ہوجاتی ہے اس حیثیت سے کہ وہ چاہے تو اس کو بیچ دے یا ہبہ کردے، اسی طرح واقف اگر چاہے تو اپنی زندگی میں وقف سے رجوع کرسکتا ہے مگر یہ کراہت کے ساتھ جائز ہے۔

مگر صاحبین کے نزدیک وقف کو باطل کرنا جائز نہیں وقف لازم ہوجاتا ہے اس سے رجوع درست نہیں اور نہ اس میں میراث جاری ہوسکتا ہے، جمہور ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی مسلک ہے اوراحناف کے یہاں اسی قول پر فتویٰ ہے[1]

ع[1] وعندابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ یجوز الوقف جواز الاعادة تصرف المنعة الی جهة الوقف ویبقی العین علی ملک الواقف له ان یرجع عنه ویجوز بیعه وان مات یورث عنه الخ وعندهما الوقف لازم بغیر هذه التکلفات والناس لم یوخذوا بقول ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ فی هذا للآثار المشهورة عن رسول الله صلی الله علیه وسلم والصحابة رحمهم الله تعالیٰ وتعامل الناس باتخاذ الرباطات والخانات اولها وقف الخلیل صلوات الله وسلامه علیه(فتاوی قاضیخاں علی هامش عالمگیری ص ۲۸۵ تا ۲۸۶ ج ۳) واما عندهما فالوقف لازم وعلیه الفتوی شرح الوقایه

وقف کی اہمیت:۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ وقف سے ناآشنا تھے۔ جب قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت کریمہ نازل ہوئی۔

لن تنالوا البر حتی	اے مسلمانوں تم خیر کامل کو کبھی حاصل نہ کرسکو گے
تنفقوا مما تحبون	جب تک کہ اپنی پیاری چیز کو اللہ کے راستے میں
وما تنفقوا من شیء	خرچ نہ کروگے اور جو کچھ بھی خرچ کروگے اللہ
فان اللہ بہ علیم ؕ	تعالیٰ اس کو خوب جانتے ہیں۔

فائدہ:۔ اس آیت کریمہ سے نبی کریم ﷺ نے چند ایسے مصالح کے پیش نظر جو دیگر صدقات میں نہیں پائے جاتے ہیں وقف کو مستنبط فرمایا، مثلاً ایک انسان اللہ کے راستے میں اپنا بہت سارا مال خرچ کرتا رہتا ہے اور اس کی زندگی تک فقراء ومساکین اس سے فیضیاب ہوتے رہتے ہیں پھر جب مرجاتا ہے تو ان غریبوں کی حاجت روائی کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔

اسی طرح دوسرے اور محتاج آتے ہیں جو بالکل ہی محروم رہتے ہیں پس اس سے بہتر اور مفید کوئی صورت نہیں کہ وہ شخص اپنی کوئی جائداد فقراء ونادار اور راہ گزاروں کیلئے روک لے یعنی وقف کردے جس کی آمدنی ان لوگوں پر خرچ ہوتی رہے اور اصل جائداد واقف کی ملک میں باقی رہے[1]

ع[1] الوقف وکان اھل الجاھلیة لایعرفونه فاستنبطه النبی ﷺ لمصالح لایوجد فی سائر الصدقات فان الانسان ربما یصرف فی سبیل اللہ مالا کثیرا لم یغنی فیحتاج اولئک الفقر تارة اخری ویجی اقوام آخرون من الفقراء فیبقون محرومین فلا احسن ولاانفع للعامة من ان یکون شیء حبسا للفقراء وابنا السبیل تصرف علیھم منافعه ویبقی اصله علی ملک الوقف وھو قوله صلی اللہ علیه وسلم لعمر رضی اللہ عنه الی اخر الحدیث حجة اللہ البالغه. ماخوذ رحمة اللہ الواسعه ص ۱۲۳ ج ۳)

چنانچہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو ایسا ہی کرنے کا مشورہ دیا جو درج ذیل حدیث میں مروی ہے۔

عن ابن عمر ان عمر اصاب ارضا بخيبر لم اصب مالا قط انفس عندي منه فما تأمرني به قال ان شئت حبست اصلها وتصدقت بها فتصدق بها عمر انه لايباع اصلها ولايوهب ولايورث وتصدق بها في الفقراء وفي القربى وفي الرقاب وفي سبيل الله وابن السبيل والضيف لاجناح على من وليها ان ياكل منها بالمعروف اويطعم غير متمول قال ابن سيرين غير متاثل مالا متفق عليه (مشكوة شريف ج ١ ص ٢٦٠)

حضرت ابن عمر رضی اللہ کہتے ہیں کہ خیبر کی کچھ زمین (کہ جس میں کھجوریں پیدا ہوتی تھیں) حضرت عمرؓ کو (مال غنیمت کے حصہ کے طور پر) ملی تو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں نے خیبر میں (اپنے حصہ کی) ایسی زمین پائی ہے کہ اس سے زیادہ بہتر عمدہ مال مجھے کبھی نہیں ملا ہے (اور اب میں چاہتا ہوں کہ اس زمین کو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی وخوشنودی میں دیدوں، اس لئے) آپ مجھے حکم فرمائیں (کہ اس سلسلہ میں کیا کروں) آپؐ نے فرمایا کہ اگر تم یہی چاہتے ہو تو اصل زمین کو روک کر (وقف کرو) اور اس سے جو کچھ پیدا ہو اسے بطور صدقہ تقسیم کردو چنانچہ حضرت عمرؓ اس زمین کو اس شرط کے ساتھ خدا کی راہ میں دیدیا یعنی وقف کردیا

کہ اصل زمین کو نہ فروخت کیا جائے نہ ھبہ کیا جائے اور نہ اسے کسی کی میراث قرار دی جائے اور اس کی پیداوار کو بطور صدقہ اس طرح صرف کیا جائے کہ اس سے فقیروں، قرابتداروں کو نفع پہنچایا جائے غلاموں کی مدد کی جائے اللہ کی راہ میں (یعنی نمازیوں اور حاجیوں پر خرچ کیا جائے) اور مسافروں کی ضرورتیں پوری کی جائیں (باوجودیکہ وہ اپنے وطن میں مال وزر کے مالک ہوں) اور مہمانوں کی مہمانداری کی جائے اور اس

زمین کا متولی بھی بقدر حاجت اس میں سے کھائے، یا اپنے اھل وعیال کو کھلائے تو اس میں کوئی گناہ کی بات نہیں ہے بشرطیکہ وہ متولی (اس وقف کی آمدنی سے) مالدار نہ بنے، چنانچہ ابن سیرین نے (غیر متمول کا مطلب) یہی بیان کیا ہے کہ وہ متولی اس زمین کو اپنے لئے مال وزر جمع کرنے کا ذریعہ نہ بنائے۔

فائدہ:- یہ حدیث وقف کے صحیح ہونے کی دلیل ہے چنانچہ تمام مسلمانوں کا بالاتفاق یہ مسلک ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی کوئی جائداد مثلاً زمین ومکان وغیرہ کسی نیک مقصد اور اچھے کام کیلئے اللہ کی رضا وخوشنودی کی راہ میں وقف کر دیتا ہے تو یہ جائز ہے اور وہ وقف کرنے والا بے شمار اجر وثواب سے نوازا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوھریرہؓ کی حدیث ہے حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔

اذامات الانسان انقطع عمله الامن ثلاث صدقة جارية وعلم ينتفع به، وولد صالح يدعوله (ترمذی شریف) کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے تمام اعمال منقطع ہوجاتے ہیں سوائے تین عمل صدقہ جاریہ، وہ علم جس سے نفع اٹھایا جارہا ہو، اور نیک اولاد جو اس کے لئے دعاء کرتی ہو۔

فائدہ:۔ اس حدیث میں صدقہ جاریہ کا ذکر ہے یہ عموماً وقف کے ذریعہ ہی ہوتا ہے اس لئے اس حدیث کو امام ترمذی نے باب الوقف میں ذکر کیا ہے کیونکہ عام صدقات میں یہ ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ صدقہ کر دیا تو اس کی اصل ختم ہوگئی لیکن وقف یعنی صدقہ جاریہ بعد میں بھی مستقل جاری رہتا ہے مثلاً مسجد بنادی، مسافر خانہ تعمیر کرادیا، مدرسہ بنادیا، یا کنواں وقف کردیا تو یہ سب صدقہ جاریہ میں داخل ہے۔

﴿موقوف علیہم کا فقیر ہونا ضروری نہیں﴾

جب کوئی چیز وقف کی جاتی ہے تو اس میں موقوف علیہ یعنی جس کو وقف کیا جائے اس کا فقیر ہونا ضروری نہیں ہے اگرچہ زکوۃ میں متصدق علیہ کا فقیر ہونا ضروری ہے۔

لہذا واقف اگر موقوف علیہم میں مستطیع لوگوں کو بھی شامل کر لے تو بھی اس میں حرج نہیں ہے مثلا کوئی شخص زمین وقف کرتے ہوئے یہ کہدے کہ اس زمین کی پہلی پیداوار میرے رشتہ داروں میں تقسیم کردی جائے اس کے بعد فقراء کو دیدیا جائے تو یہ وقف درست قرار پائیگا، بشرطیکہ اس وقف کی آخری مد فقراء ہوں یا کوئی ایسی جہت ہو جو منقطع ہونے والی نہ ہو۔ اگر فقراء کو مستثنی کر کے صرف مالداروں کیلئے وقف کیا گیا تو درست نہیں ہوگا۔ [1]

متولیٔ وقف کو وقف کی آمدنی سے کچھ لینا جائز ہے

جو شخص اس وقف کا متولی اور نگراں ہو رات دن وقف کے انتظام میں لگا ہو تو اس کے لئے درست ہے کہ اس وقف کی آمدنی سے اپنی اور اپنے اھل وعیال و دوستوں کی ضرورت کیلئے بطور تنخواہ معروف طریقہ سے لے لے اور دیگر ضروریات مثلا وقف کے مفاد کیلئے مہمانوں کو بھی کھلاسکتا ہے مگر اس کو اپنی مالداری کا ذریعہ نہ بنائے۔

چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

---

[1] مطلب لو وقف علی الاغنیاء وحدھم لم یجز وکذا الوقف علی الاغنیاء ثم الفقراء لما فی النھر عن المحیط لو وقف علی الاغنیاء وحدھم لم یجز لانہ لیس بقربۃ اما لو جعل آخرہ للفقراء فانہ یکون قربۃ فی الجملۃ (شامی ص ۵۱۹ ج ۶ زکریا)

لاجناح علی من ولیها ان یعنی (وقف کے) متولیوں کیلئے جائز ہے کہ وہ وقف یاکل منہا بالمعروف میں سے بغیر مالدار بننے کے قصد سے ضرورت کے اویطعم غیر متمول ع ا طور سے کھائے۔

وقف کے ارکان:۔ وقف کارکن بعض الفاظ خاصہ ہیں جو وقف پر دلالت کریں یعنی جس سے وقف صحیح ہوجائے علامہ ابن نجیم مصری نے بحرالرائق میں اس کے چھبیس الفاظ تفصیل کیساتھ پیش فرمایا ہے ع۲

بعض وہ الفاظ جس سے وقف پورا ہوجائے

اگر وقف کنندہ نے وقف کرتے ہوئے کہا کہ میری یہ زمین صدقۂ مؤبدہ (ہمیشہ کیلئے) محررہ (لکھی ہوئی) ہے میری زندگی میں اور میرے مرنے کے بعد یا یوں کہا کہ میری یہ زمین صدقہ محبوسہ مؤبدہ (یعنی ہمیشہ کیلئے روکی ہوئی) ہے میری زندگی اور میرے مرنے کے بعد تو ان الفاظ کے ذریعہ تمام ائمہ کے نزدیک بالاتفاق وقف درست ہے فقیروں پر لازم ہوجائے گا (۲) اور اگر یوں کہا کہ میری یہ زمین وقف کردہ صدقہ ہے یا حبیسہ (روکی ہوئی یعنی یہ زمین فروخت، ہبہ، میراث، وغیرہ کے ذریعہ کسی طرح منتقل نہیں ہوگی) اور اسمیں ہمیشگی کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا تو بھی وقف درست ہوجائے گا اکثر علماء کا یہی قول ہے۔

(۳) اور اگر یوں کہا کہ میری یہ زمین مساکین پر صدقہ موقوفہ ہے تو بالاجماع

ع۱ مؤبدة علی المساکین ونحوهٗ (درمختار) وهی ستة وعشرون لفظا علی مابسطه فی البحر شامی صـ۵۲۲. ۵۲۱ جـ۶ زکریا.

ع۲ ورکنه الالفاظ الخاصة کارضی هذه صدقة موقوفة موبدة علی المساکین ونحوه (درمختار علی هامش شامی صـ۵۲۱. ۵۲۲ جـ۶ زکریا)

وقف درست ہوجائیگا[1]

(۴) اور اگر یوں کہا کہ میری یہ زمین راہِ خیر پر یا راہِ ثواب پر یا راہِ نیکی پر یا راہِ نیکی وثواب پر، تو وقف درست ہوجائے گا۔

اور اگر صدقہ کا لفظ ذکر کرنے کے بجائے وقف کا لفظ ذکر کیا اور کہا کہ میری یہ زمین وقف ہے یا میں نے اپنی یہ زمین وقف کردی یا میری یہ زمین موقوفہ ہے تو وقف درست ہوجائے گا[2]

اسی طرح یوں کہا کہ میں نے اپنی یہ زمین حرام کردی ہے یا میری یہ زمین حرام کی ہوئی ہے (یعنی میراث، ہبہ، بیع، وغیرہ سے حرام کی ہوئی ہے) تو وقف درست ہوجائے گا اور اگر کہا کہ میری یہ زمین موقوفہ ہے فلاں پر یا میری اولاد پر

---

[1] واذاقال ارضی هذه صدقة محررة مؤبدة حال حیاتی وبعد وفاتی اوقال ارضی هذه صدقة موقوفة محبوسة مؤبدة حال حیاتی وبعد وفاتی اوقال ارضی هذه صدقة محبوسة مؤبدة اوقال حبیسة مؤبدة حال حیاتی وبعد وفاتی یصیر وقفاجائزا لازما علی الفقراء عند الکل فی المحیط ولو قال ارضی هذه صدقة موقوفة او صدقة محبوسة او حبیسة ولم یقل مؤبدة فانه یصیر وقفا علی قول عامة من یجیز الوقف (عالمگیری صـ ۳۵۷ جـ ۲ .

[2] قال ارضی هذه صدقة موقوفة علی وجه البر او علی وجه الخیر او وجوه الخیر والبر یکون وقفا جائزا کذافی الوجیز ولولم یذکر الصدقة لکن ذکر الوقف وقال ارضی هذه وقف اوجعلت ارضی هذه وقفا او موقوفة فانه یکون وقفا علی الفقراء عند ابی یوسف رحمه الله علیه وقال الصدر الشهید ومشائخ بلخ یفتون بقول ابی یوسف رحمه الله تعالیٰ ونحن نفتی بقوله ایضا لمکان العرف (عالمگیری ص ۳۵۷، ۳۵۸ جلد ۲)

یا قرابتی اولاد پر یا میرے قرابتی فقیروں پر یا میرے قرابتی یتیموں پر حالانکہ یہ لوگ اتنے محدود ہیں کہ شمار کیے جائیں تو ان کا احصار ممکن ہو اور اس سے اس کی مراد جنس اراضی مذکور نہیں ہے جو درواقع وقف ہے تو امام محمد کے نزدیک وقف نہ ہوگی کیونکہ اس نے ایسی چیز وقف کی ہے جو منقطع اور ختم ہو جائے گی، ہمیشہ تک نہیں رہے گی اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وقف صحیح ہو جائے گا، اسلئے کہ جس پر وقف کیا ہے اس کا ہمیشہ جاری رہنا امام ابو یوسف کے نزدیک شرط نہیں ہے[۱]

اور اگر یوں کہا کہ میری یہ زمین یا میرا یہ گھر صدقہ موقوفہ ہے فلاں پر یا فلاں کی اولاد پر تو اس زمین کی حاصلات و پیداوار ان لوگوں کو ملے گی جب تک واقف زندہ ہے، ان کی وفات کے بعد وہ فقیروں پر صرف ہوا کرے گی۔

اور اگر یوں کہا کہ یہ زمین اللہ تعالیٰ کے واسطے صدقہ یا اللہ کے واسطے موقوفہ ہے یا اللہ کے واسطے صدقہ موقوفہ ہے تو وقف درست ہو جائیگا خواہ ہمیشگی کا ذکر کیا ہو یا نہ کیا ہو اور اگر کہا کہ میری یہ زمین برائے سبیل پیش ہے تو اگر ایسے شہر میں ہوں جہاں کے لوگوں میں یہ لفظ وقف کے واسطے متعارف ہے تو زمین مذکورہ وقف ہو جائے گی۔

---

[۱] ولو قال حرمت ارضی هذه او هی محرمة قال الفقیه ابو جعفر هذا علی قول ابی یوسف رحمه الله تعالیٰ کقوله موقوفة لو قال ارضی هذه موقوفة علی فلان او علی ولدی او فقراء قرابتی وهم یحصون او علی الیتامیٰ ولم یرد به جنسه لا تصیر وقفا عند محمدؒ لانه وقف علی شیء ینقطع وینقرض ولا یتابد وعند ابی یوسفؒ یصح لان التابید عنده لیس بشرط (عالمگیری ص ۳۵۸ ج ۲)

اور اگر وہاں کے لوگوں میں متعارف بمعنی وقف نہ ہو تو اس سے اس کی مراد دریافت کی جائے گی پس اگر اس نے وقف کا ارادہ کیا ہے تو وقف ہو جائے گی اور اگر اس نے صدقہ کی نیت کی ہے یا کچھ بھی نیت نہیں کی ہے تو نذر ہو گی لہذا زمین یا اس کا ثمن (یعنی قیمت) صدقہ کر دیا جائے گا۔[1]

ہمارا عرف:- یہ الفاظ ہمارے عرف میں وقف کے معنی میں نہیں ہے البتہ نذر ہو سکتی ہے اگر اس کی نیت ہو۔

اسی طرح واقف نے کہا کہ میں نے اس کو فقیروں کے واسطے کر دیا پس اگر اس شہر والوں میں یہ وقف کے واسطے متعارف ہو تو وقف ہو گی اور اگر وقف کیلئے متعارف نہ ہو تو اس سے دریافت کیا جائے گا پس اگر وقف کی نیت کی ہو تو وقف ہو گی اور نیت صدقہ کی ہو یا کچھ نہ ہو تو صدقہ کی نذر قرار دیجائے گی۔[2]

ع[1] ان قال ارضي او داري هذه صدقة موقوفة على فلان او على اولاد فلان فالعلة لهم ما داموا احياء وبعد الممات تصرف الى فقراء كذا في الوجيز للكردري، ولو قال ارضي هذه صدقة لله او موقوفة لله او صدقة موقوفة لله تعالىٰ تصير وقفا ذكر الابد ام لا كذا في المحيط السرخسي ......

ولو قال ارضي هذه للسبيل فان كان في بلدة تعارفوا مثل هذا وقفا صارت الارض وقفا وان لم يتعارفوا يسئل منه ان اراد به الوقف فهي وقف وان نوى الصدقة اولم ينو شيئا تكون نذرا فتصدق بها او بثمنها (عالمگیری ص ۳۵۸، ۳۵۹ ج ۲)

ع[2] وكذالك لو قال جعلتها للفقراء وان كان ذلك وقفا في تعارف تلك البلدة كانت وقفا وان لم يكن يرجع اليه بالبيان فان نوى وقفا كانت وقفا وان نوى صدقة اولم ينو شيئا تكون نذرا بالتصدق كذا في المحيط السرخسي (عالمگیری ص ۳۵۹ جـ ۲)

اور اگر کسی نے کہا کہ ارضی ھذہ سبیل یعنی میری یہ زمین سبیل ہے تو وقف نہ ہوگی لیکن کہنے والا ایسے شہر کا ہو جہاں کے لوگ اس کلام سے وقف دیدی مع اس کی شرط کے سمجھتے ہوں تو وقف ہو جائے گی۔[1]

اور اگر یوں کہا (سبلت ھذہ الدار فی وجہ امام مسجد کذا عن جھۃ صلواتی وصیاماتی) یعنی میں نے اپنی زمین راہ راست کردیا فلاں مسجد کے امام کیلئے اپنی نماز اور اپنے روزہ کے واسطے تو وقف صحیح ہو جائیگا اگرچہ نماز وروزہ سے وقف واقع نہ ہو۔

اور اگر کسی نے صرف یہ کہا کہ میں نے اپنا یہ حجرہ مسجد کے تیل کے واسطے کردیا اور اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا تو حجرہ مذکورہ مسجد پر وقف ہوگا اور متولی کیلئے درست نہیں ہوگا کہ متولی تیل کے علاوہ کسی اور مصرف میں صرف کرے۔[2]

اور اگر کسی نے اپنے مرض الوفات میں کہا کہ اس گھر کی آمدنی سے ہر مہینہ دس درھم کی روٹیاں خرید کر مساکین کو بانٹ دیا کرو تو محیط سرخسی میں ہے کہ یہ دار مذکور وقف ہو جائے گا۔ (مگر ہمارے عرف کے لحاظ سے دار مذکور وقف نہیں ہونا چاہئے نیز

ع[1] لو قال ضیعتی ھذہ سبیل لم تصیر وقفا الا اذا کان القائل من ناحیۃ یعلم اھل تلک الناحیۃ بھا الوقف المؤبد بشروطہ کذافی السراجیۃ (عالمگیری صـ ۳۵۹ جـ ۲)

ع[2] الخامس والعشرون سبلت ھذہ الدار فی وجہ امام مسجد کذا عن جھۃ صلواتی وصیاماتی تصیر وقفا وان لم تقع عنھما والثلاثۃ فی قنیۃ السادس والعشرون جعلت حجرتی لدھن سراج المسجد ولم یزد علیہ صارت الحجرۃ وقفا علی المسجد کما قال ولیس للمتولی ان یصرف الی غیر الدھن کذافی المحیط (بحر الرائق صـ ۲۱۹ جـ ۵)

مرض الوفات کی وصیت ثلث مال میں نافذ ہونا چاہئے جس کی یہاں تصریح نہیں ہے) ۱ؔ

اوراگر کسی نے کہا کہ میں نے اپنے اس چہار دیوار کے اندر باغ کے انگور کے پھلوں کو وقف کردیا خواہ اس وقت اس پر پھل تھے یا نہ تھے تو باغ مذکور وقف ہوجائے گا

اسی طرح کہا کہ میں نے اس کی حاصلات کو وقف قراردی تو وقف درست ہو جائے گا۔اوراگر کسی نے کہا کہ میرا تہائی مال وقف ہے اوراس کے علاوہ کچھ نہیں کہا تو شیخ ابونصر نے فرمایا کہ اگر مال اس کا نقد ہوتو وقف باطل ہے اوراگر اراضی کی شکل میں ہے تو فقیروں پر جائز ہوگا۔

اوربعض علماء نے بیان فرمایا کہ فتویٰ اس پر ہے کہ بغیر مصرف کے بیان کئے یہ وقف جائز نہیں ہوگا۔ ۲ؔ

عـ۱ رجل قال في مرضه اشتروا من غلة داري هذه كل شهر بعشرة دراهم خبزا وفرقوا على المساكين صارت الدار وقفا كذافي محيط للسرخسي (عالمگيرى ۳۵۹ جـ ۲)

عـ۲ وفي النوازل جعلت نزل كرمي وقفا وكان فيه ثمر اولايصير الكرم وقفا وكذا لو قال جعلت غلته وقفا كذا في فتح القدير ولوقال وقفت بعدموتي او اوصى ان يوقف بعد موته يصح ويكون من الثلث كذا في التهذيب وفي وقف هلال اذااوصى ان يوقف بثلث ارضه بعد وفاته لله ابدا كان وصية بالوقف على الفقراء كذا في المحيط (عالمگيرى صـ ۳۵۹ جـ۲) رجل قال ثلث مالي وقف ولم يزد على ذالک قال ابونصر ان كان ماله نقدا فهذاالقول باطل بمنزلة قوله هذه الدراهم وقف وان كان ماله ضياعا تصير وقفا على الفقراء (بحرالرائق صـ ۳۱۹ جـ ۵)

بعض وہ الفاظ جن سے وقف درست نہیں

اگر کسی نے کہا کہ میری یہ زمین صدقہ ہے تو صدقہ کردینے کی نذر ہوگی حتی کہ اگر عین اس زمین کو صدقہ کیا یا اس کی قیمت صدقہ کردی تو نذر ادا ہوگئی۔

اور اگر یوں کہا کہ میں نے اپنی اس زمین کو مسکینوں پر صدقہ کیا تو یہ وقف نہ ہوگی بلکہ یہ نذر ہے، اس عین اراضی یا اس کی قیمت کا صدقہ کرنا اس پر واجب ہوگا، پس اگر اس نے ایسا کردیا تو نذر کے عہدہ سے نکل گیا ورنہ اس کی موت کے بعد وہ میراث ہوجائے گی، اور قاضی اس کو صدقہ کرنے پر مجبور نہیں کرے گا جیسے نذر ادا کرنے پر مجبور نہیں کرتا ہے، کیونکہ یہ بمنزلہ نذر کے ہے اور اگر کسی نے کہا کہ میری یہ زمین نیکی وثواب کی راہ پر صدقہ ہے تو یہ وقف نہیں بلکہ صدقہ ہے اور اگر کسی نے کہا کہ میں نے اپنے اس گھر کے غلہ کی آمدنی مسکینوں کیلئے کردی ہے، تو یہ آمدنی صدقہ کرنے کی نذر ہے۔

اور اگر کہا کہ صدقہ ہے فروخت نہیں کیا جائے گا تو صدقہ کی نذر ہے وقف نہیں اور اگر زیادہ کرکے یوں کہا ہبہ نہ کیا جائے گا اور میراث جاری ہوگا تو مسکینوں پر وقف ہوجائے گا۔[1]

---

[1] وفی الفتاوی رجل قال ارضی هذه صدقة کان نذرا بالتصدق حتی لو تصدق بعینها او بقیمتها علی الفقراء جاز کذا فی الخلاصة ولو قال تصدقت بارضی هذه علی المساکین لاتکون وقفا بل نذرا یوجب التصدق بعینها او بقیمتها فان فعل خرج عن عهدة النذر والاورثت عنه کذا فی فتح القدیر ولایجبره القاضی علی الصدقة لان هذه بمنزلة النذر کذافی فتاوی قاضیخان ولو قال ارضی هذه صدقة علی وجوه الخیر والبر لم یکن ذلک وقفا بل نذرا کذا فی الظهیریة رجل قال جعلت غلة داری هذه للمساکین یکون نذرا بالتصدق بالغلة (بقیہ اگلے صفحہ پر)

لفظ وقف کی تصریح کے لیے بغیر قرائن سے وقف صحیح ہو جائیگا

کسی نے اس طرح وقف کیا کہ میری فلاں جائداد کے محاصل ایک موقوفہ جائداد کی اعانت وحفاظت میں صرف ہوں، اور فلاں شخص کا قبضہ بطور تولیت ہوگا نہ کہ بطور ملک اور جس محل پر صرف کرنا ضروری قرار دیا ہے، اس میں تابید موجود ہے اور وقف کے آثار ومفاد اس میں موجود ہیں صرف لفظ وقف اسمیں ذکر نہیں کیا تو وقف صحیح ہو جائے گا محض وقف کی تصریح ضروری نہیں ہے [1]

وقف کا سبب

وقف کا سبب اللہ تعالیٰ کی رضا اور تقرب کی خواہش کا ہونا اور دنیا میں رشتہ داروں اور دوست واحباب اور مساکین کے ساتھ احسان کرنا [2]

وقف کا محل

مال موقوفہ کا مال متقوم یعنی قیمتی ہونا وقف کا محل ہے لہذا ایسی چیز کا وقف صحیح نہیں ہوگا جس کی کوئی قیمت نہ ہو یا وہاں کے عرف میں وہ چیز غیر متقوم ہو تو وقف درست نہیں ہوگا [3]

(بقیہ صفحہ) كذا فی فتاوی قاضیخان واذاقال جعلت هذه الدار للمساكين فهو نذر بالتصدق بالدار علی المساكين عرفا كذا فی الفتاوی الصغری ولو قال صدقة لاتباع يكون نذرا بالصدقة لاوقفا ولو زاد ولا توهب ولا تورث صارت وقفا علی المساكين هكذا فی البحر الرائق (عالمگیری ص ۳٦۰ ج ۲)

ع[1] مستفاد كفايت المفتی ص ۲۳۰ ج ۱)

ع[2] وسببه ارادة محبوب النفس فی الدنيا ببر الاحباب وفی الاخرة بالتقرب الی رب الارباب جل وعز (بحرالرائق ص ۳۱۲ ج ۵)

ع[3] ومحله المال المتقوم بحرالرائق (ص ۳۱۲ ج ۵)

وقف کا حکم

صاحبین کے نزدیک وقف کا حکم یہ ہے کہ وقف کا مال عین اپنے وقف کرنے والے کی ملک سے خارج ہو کر اللہ تعالیٰ کی ملک حقیقی میں داخل ہو جاتا ہے۔[1]

وقف کی قسمیں اور ان کے احکام

وقف کی دو صورتیں ہیں (۱) اول یہ ہے کہ واقف اپنے مال کو خالص اللہ کیلئے وقف کردے اور اس کے بعد اس سے خود کوئی فائدہ نہ اٹھائے (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ واقف شرط لگادے کہ میں اپنی زندگی میں اس سے فائدہ اٹھاؤنگا۔

اور میرے مرنے کے بعد عام مسلمانوں کی رفاہ عام کیلئے ہوگا، یا میرے مرنے کے بعد میری اولاد اس کے کچھ حصہ سے فائدہ اٹھائے گی باقی رفاہ عام کے لئے ہوگا تو دونوں صورتوں کا حکم وہی ہے جو وقف کے حکم میں گذرا یعنی وقف کا مال عین اپنے وقف کرنے والے کی ملک سے نکل کر اللہ کی ملک میں داخل ہو جاتا ہے، مال موقوف پر واقف کا کوئی حق نہیں رہتا، نہ اس کو بیچ سکتا ہے، نہ ہبہ کرسکتا ہے، نہ رہن رکھ سکتا ہے اور نہ اس میں وراثت جاری ہو سکتی ہے۔

---

[1] واذا صح خرج عن ملک الواقف ولم یدخل فی ملک الموقوف علیہ لانہ لو دخل فی ملک الموقوف علیہ لا یتوقف علیہ بل ینفذ بیعہ کسائر املاکہ (ھدایہ) یعنی ان الوقف عندھما حبس العین علی ملک اللہ تعالیٰ وبزوال ملک الواقف عنہ الی اللہ تعالیٰ فلما زال ملک الواقف عندھما یجب ان یکون قولہ خرج علی ملک الواقف (البنایہ فی شرح الھدایہ صـ ۹۰۰ جـ ۶)

البتہ اگر اپنے یا اپنی اولاد کے لئے جس قدر اور جس عرصہ تک فائدہ اٹھانے کی قید لگادی ہے تو اس کے بقدر وہ فائدہ اٹھاسکتے ہیں ؎

وقف کی شرائط

(۱) وقف کی پہلی شرط عقل ہے: یعنی واقف عقلمند ہو اور یہ سمجھتا ہو کہ وقف سے مال ملکیت سے نکل جاتا ہے اور اس پر دیگر احکامات لاگو ہوتے ہیں لہذا مجنون دیوانہ کا وقف صحیح نہیں ہوگا۔

(۲) دوسری شرط واقف کا بالغ ہونا ہے وقف کنندہ اگر نابالغ ہے تو وقف درست نہیں یعنی واقف نے زمانہ طفولیت میں کسی جائداد کو وقف کیا تو فقیہ ابو بکرؒ کے نزدیک اس کا وقف کرنا باطل ہوگا، الا یہ کہ قاضی نے اجازت دیدی ہو اور فقیہ ابو القاسم نے فرمایا کہ اس کا وقف ہر طرح باطل سمجھا جائے گا، خواہ قاضی نے اجازت دی ہو یا نہ دی ہو۔

(۳) تیسری شرط واقف کا آزاد ہونا ہے: یعنی وقف کنندہ آزاد ہو لہذا غلام کا وقف کرنا درست نہیں کیونکہ آقا کی اجازت کے بغیر تصرف نہیں کرسکتا، ہاں اگر آقا نے اجازت دیدی تو وقف درست ہو جائے گا نیز وقف میں مسلم ہونا شرط نہیں ہے، لہذا ذمی آدمی نے اپنی اولاد پر وقف کیا اور آخری مصرف مساکین کو قرار دیا تو درست ہے۔

ع۱ کتاب الوقف: والاصح انه جائز عنده الاانه غير لازم بمنزلة العارية وعندهما حبس العين على حكم الله تعالىٰ فيزول ملك الواقف عنه الى الله تعالىٰ على وجه تعود منفعته الى العباد فيلزم ولايباع ولايوهب ولايورث واللفظ ينتظمها (هدايه) حاصل هذا ان تقدير الوقف عندهما ان يقول ازالة العين عن ملكى الى الله عزوجل وجعلته محبوسا فى ملكه ومنفعته للعباد واذا كان تقدير هذا عندهما اصح ولولم يكن يوصى به فيلزم ويباع ولايورث (البناية فى شرح الهدايه ص۱۸۹ ج۶)

(۴) چوتھی شرط موقوف کا باعث تقرب ہونا ہے: یعنی جس کام کیلئے وقف کیا جائے اس کا فی نفسہ اور واقف کے اعتقاد میں بھی کار ثواب ہونا نیز وقت تصرف بھی باعث قربت ہو۔

لہذا اگر مسلمان یا ذمی نے بیعہ، کنیسہ پر یا حربی فقیروں پر وقف کیا تو وقف صحیح نہیں ہوگا، اسی طرح ذمی نے اپنا گھر کسی بیعہ یا کنیسہ یا آتش خانہ پر وقف کیا یا ان بیعوں کی درستگی یا اس کے چراغ کے تیل کے واسطے وقف کیا تو یہ ساری وقف کی صورتیں باطل ہیں کیونکہ یہ چیزیں فی ذاتہ قربت نہیں ہے اگر چہ ذمی کے اعتقاد میں قربت ہو۔ ا

(۵) پانچویں شرط بوقت وقف شئی موقوفہ واقف کی ملکیت میں ہو،

ع ا واما شرائطه فمنها العقل والبلوغ فلایصح الوقف من الصبی والمجنون كذا فی البدائع صبی محجور علیه وقف ارضا له فقال الفقیه ابوبكر وقفه باطل الاباذن القاضی وقال الفقیه ابوالقاسم وقفه باطل وان اذن له القاضی لانه تبرع كذا فی المحیط ومنها الحریة واماالاسلام فلیس بشرط فلو وقف الذمی علی ولده ونسله وجعل آخره للمساكین جاز ویجوز ان یعطی المساكین المسلمین واهل الذمة وان خص فی وقفه مساكین اهل الذمة جاز (ومنها) ان یكون قربة فی ذاته وعند التصرف فلایصح وقف المسلم او الذمی علی البیعة والكنیسة او علی فقراء اهل الحرب كذا فی النهر الفائق ولووقف الذمی داره علی بیعة او كنیسة اوبیت نار فهو باطل كذا فی المحیط وكذا علی اصلاحها ودهن سراجها ولوقال یسرج به بیت المقدس او یجعل فی ذمة بیت المقدس جاز وان قال یشتری به عبید فیعتق فی كل سنة جاز علی ما شرط كذا فی الحاوی (عالمگیری ص۳۵۲،۳۵۳ ج۲)

وقف کنندہ مالک نہیں تو وقف صحیح نہیں لہذا کسی نے کوئی زمین غصب کر کے وقف کر دی اگر وقف شدہ شی کا پھر اس کے مالک سے خرید کر اس کو اس کی قیمت دیدی یا جو کچھ دیا اس پر مالک سے صلح کر لی تو وقف صحیح نہیں ہوگا اور اگر مالک نے خود ہی اس غاصب کو ہبہ، عطیہ، وغیرہ کر دیا، یا اجازت دیدی تو وقف درست ہو جائے گا ۔ [1]

خیار شرط والی بیع میں مشتری نے مبیع کو وقف کیا

اگر کسی نے کوئی زمین اس شرط کے ساتھ خرید کر وقف کیا کہ اس بیع میں بائع کو خیار شرط ہے پھر بائع نے اس بیع کو پورا کر دیا اور اجازت دیدی تو وقف صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ بوقت وقف ملکیت نہیں پائی گئی اس کے برخلاف مشتری نے بیع میں اپنے لئے خیار شرط کے ساتھ بیع کر کے بیع کو وقف کیا اور پھر اپنا خیار ساقط کر دیا تو وقف صحیح ہو جائے گا کیونکہ مشتری کا وقف کرنا ہی بیع کو تام کر دیا اور وقف کے وقت ملکیت پائی گئی ۔ [2]

ہبہ کی ہوئی چیز کو موہوب لہ نے وقف کیا

اگر کسی نے دوسرے کو اپنی اراضی ہبہ کی اور جس کو ہبہ کی ہے اس نے قبضہ

ع[1] (ومنها) الملک وقت الوقف حتی لو غصب ارضا فوقفها ثم اشتراها من مالکها و دفع الثمن الیه او صالح علی مال دفعه الیه لاتکون وقفا کذا فی البحر الرائق رجل وقف ارضا لرجل اخر فی بر سماه ثم ملک الارض لم یجز وان أجاز المالک جاز عندنا کذافی فتاویٰ قاضیخاں (عالمگیری ص ۳۵۳ ج ۲)

ع[2] لو اشتری علی ان البائع بالخیار فیها فوقفها ثم اجاز البائع البیع لم یجز الوقف کذا فی البحر الرائق ولو اشتری ارضا علی انه بالخیار ثم اسقط الخیار صح (عالمگیری ص ۳۵۴ ج ۲)

کرنے سے قبل اس کو وقف کیا پھر اس پر قبضہ کیا تو وقف صحیح نہیں ہوا کیونکہ قبضہ سے قبل ھبہ مکمل نہیں ہوتا۔ اور اگر کسی کو ہبہ فاسد کے طور پر اپنی اراضی ھبہ کی پھر موھوب لہ نے قبضہ کر کے وقف کر دیا تو وقف صحیح ہو جائے گا کیونکہ ہبہ فاسد بھی قبضہ کے بعد صحیح اور مکمل ہو جاتا ہے۔[1]

مال وقف میں استحقاق ثابت ہوا

کسی نے اپنی کوئی چیز وقف کیا یا کسی سے خرید کر وقف کیا اس کے بعد شفیع نے آ کر اپنا شفعہ طلب کیا یا کسی سے خرید کر وقف کیا پھر وقف کے بعد مال وقف میں کسی نے اپنا استحقاق ثابت کر دیا تو وقف باطل ہو جائیگا کیونکہ ملکیت مفقود ہو گئی۔

البتہ نصف یا کچھ حصہ میں استحقاق ثابت ہوا تو مابقیہ مال میں وقف ہوگا اور جتنے حصہ میں استحقاق پایا گیا ہے اتنے ہی حصہ کا وقف باطل ہو جائیگا۔[2]

وقف کے بعد شفیع نے اپنا شفعہ طلب کیا

کسی نے کوئی چیز خرید کر وقف کیا اس کے بعد شفیع نے آ کر اپنا شفعہ طلب کیا تو وقف باطل ہو جائے گا۔[3]

ع[1] ولو وقف الموهوب له الارض قبل قبضها لايصح الوقف كذا في فتح القدير ولو وهبت له ارض هبة فاسدة فقبضها ثم وقفها صح وعليه قيمتها كذافي البحر الرائق (عالمگیری صـ ۳۵۴ جـ ۲)

ع[2] ولو استحق الوقف بطل (عالمگیر صـ ۳۵۴ جـ ۲) فان استحق نصفها مشاعا او معلوما فاخذ المستحق مااستحق منها قال فما بقي منها فهو وقف ولايبطل على مذهب ابي يوسف (احكام الاوقاف صـ ۳۲)

ع[3] ولو جاء شفيعها بعد وقف المشترى بطل كذا في النهر الفائق (عالمگیر صـ ۳۵۴ جـ ۲)

وارث کے وقف کرنے کے بعد مورث پر قرض ثابت ہوا

ایک شخص کے انتقال کے بعد اس کے لڑکے نے میراث میں پائی جانے والی زمین کو وقف کر دیا بعد میں معلوم ہوا کہ ان کے والد پر اس زمین کے سلسلے میں ایسا قرض تھا جو پوری زمین کی قیمت کو محیط ہے تو بعض فقہاء نے فرمایا کہ وقف باطل ہو جائے گا، مگر علامہ ابوبکر خصاف فرماتے ہیں کہ علی الاطلاق وقف باطل نہیں ہوگا بلکہ دیکھا جائے گا کہ قرض کی مقدار زمین کی قیمت سے کم ہے تو واقف اس کا ضامن ہوگا اور وقف نافذ ہوگا اور اگر لڑکے تنگ دست ہیں تو قرض کے بقدر زمین کا وقف باطل ہو جائے گا اور مابقیہ کا وقف درست قرار پائے گا۔[1]

شئ مرہونہ کا وقف

کسی شخص نے کسی کو اپنی زمین یا مکان رھن رکھدیا اور اس زمین و مکان کو مرتہن کے حوالے بھی کر دیا پھر اس کے بعد راھن نے اس شئ مرھونہ کو وقف کر دیا تو اس

---

[1] (مطلب وقف الوارث فظهر على ابيه دين) قلت فرجل مات وترك ارضا وابنا ليس له وارث غيره فوقفها ابنه وقفا صحيحا ثم ان رجلا اقام بينة ان له على والد هذا الواقف مالا يستغرق قيمة الارض قال يبطل الوقف في ذلك وتباع الارض في دين الميت قلت فان كان الدين اقل من قيمة الارض قال يضمن الواقف مقدار الدين الذى ثبت على والده ينفذ الوقف قلت فان كان الابن معسرا ليس له مال (احكام الاوقاف) قال الصحيح محمد عبدالسلام شاهين على هامشه لم يذكر في الاصول التى بايدينا جواب هذه مسالة ولكن بمراجعته كتب الاحكام وجدنا انه يبطل الوقف من الارض بمقدار الدين والباقي وقف كما يظهر من جواب المسألة التى قبلها فتنبه (حاشيه على احكام الاوقاف ص ۳۳)

کا حکم یہ ہے کہ اگر راہن، مرتہن کا قرضہ ادا کر کے زمین یا مکان چھڑا لیتا ہے تو وقف درست ہو جائے گا اور اگر اس زمین یا مکان کو نہیں چھڑا تا ہے تو وقف باطل ہو جائیگا، اور شی مرہونہ کو اس قرض کے بدلے قاضی فروخت کر دیگا۔[1]

وقف کی چھٹی شرط واقف بسبب سفاہت یا قرض مجحور نہ ہو

وقف کیلئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ وقف کرنے والا بیوقوفی اور اپنی نادانی کی وجہ سے اس طرح قرضدار ہونے کی وجہ سے اس کو اپنے مال میں ممنوع التصرف قرار نہ دیا گیا ہو لہذا ممنوع التصرف کے باوجود بھی اس نے اپنا مال وقف کیا تو وقف صحیح نہیں ہوگا۔[2]

وقف کی ساتویں شرط مال وقف کا معلوم ہونا ہے

وقف کی ایک شرط یہ ہے کہ اس موقوف چیز میں جہالت نہ ہو یعنی بوقت وقف وہ چیز مجہول نہ رکھی گئی ہو لہذا کسی نے زمین وقف کیا مگر بیان نہیں کیا کہ وہ کہاں کی زمین ہے اور کون سی زمین ہے پوری نوعیت جب تک واضح نہ ہو تو وقف باطل ہوگا۔[3]

ع۱ (مطلب وقف المرهون) ولو ان رجلا رهن رجلا ارضا او دارا وسلمها الى المرتهن ثم ان الراهن وقفها وقفا صحيحا قال ان ادى الدين وافتكها جاز الوقف وان لم يفتكها باعها القاضي في الدين وابطل الوقف الذى كان من الراهن فيها ؕ والله اعلم (احكام الاوقاف ص ۳۴)

ع۲ السابع عدم الحجر على الوقف لسفه اودين كذا اطلقه الخصاف وينبغى انه اذا وقفها في الحجر للسفه على نفسه ثم لجهة لا تنقطع ان يصح على قول ابى يوسف وهو الصحيح عند المحققين وعند الكل اذا حكم به حاكم كذا في فتح القدير وهو مدفوع بان الوقف تبرع وهو ليس من اهله (بحر الرائق ص ۲۱۵ ج ۵)

ع۳ السادس عدم الجهالة فلو وقف من ارضه شيئا ولم يسمه كان باطلا لان الشيء يتناول القليل والكثير ولو بين بعد ذلك ربما يبين شيئا قليلا لا يوقف عادة (بحر الرائق ص ۲۱۵ ج ۵)

مشترک گھر کے حصہ کو وقف کیا اور اپنا سہام بیان نہیں کیا

کسی شخص کا گھر کئی شریکوں میں مشترک ہے واقف نے اپنا حصہ بیان کئے بغیر اپنے تمام حصہ کو وقف کردیا تو استحساناً وقف درست ہے [۱]

وقف کی آٹھویں شرط منجز یعنی معلق نہ ہو

وقف کی ایک شرط یہ ہے کہ منجز یعنی فی الفور ہو، کسی امر پر معلق نہ ہو، لہٰذا اگر کسی نے کہا کہ میرا بیٹا آگیا تو میرا یہ گھر مسکینوں کے واسطے صدقہ موقوفہ ہے پھر اس کا بیٹا آگیا تو وقف نہ ہوگا، اسی طرح کسی نے کہا کہ اگر کل سے روزہ ہوئے تو میری یہ زمین صدقہ موقوفہ ہے تو یہ بھی باطل ہے۔

اسی طرح کسی نے یہ کہا کہ اگر تو چاہے تو میری یہ زمین صدقہ موقوفہ ہے تو وقف باطل ہے اسی طرح کہا کہ میں نے اگر چاہا تو یہ زمین وقف ہے اور بعد میں خود اس نے چاہ لیا تو بھی وقف باطل ہے کیونکہ وقت وقف فی الفور نہ پایا گیا۔ ہاں اگر متصلاً ہو مثلاً یوں کہا کہ یہ زمین وقف ہے اگر میں نے چاہا اور پھر اسی وقت متصلاً کہہ دیا کہ میں نے اس کو صدقہ موقوفہ قرار دیدیا تو وقف درست ہو جائیگا [۲]

ع[۱] فلو وقف جمیع حصته من هذه الدار والارض ولم یسم السهام جاز استحسانا کذافی الاسعاف (بحرالرائق صـ ۲۱۵ جـ ۵)

ع[۲] (ومنها) ان یکون منجزا غیر معلق فلوقال ان قدم ولدی فداری صدقة موقوفة علی المساکین فجاء ولده لاتصیر وقفا کذا فی فتح القدیر ذکر الخصاف فی وقفه ان کان غد فارضی هذه صدقة موقوفة فهو باطل کذا فی المحیط ولوقال ارضی هذه صدقة موقوفة ان شئت اوهویت اورضیت کان الوقف باطلا کذا فی محیط السرخسی ولوقال ان شئت ثم قال شئت کان باطلا اما لوقال شئت وجعلتها صدقة موقوفة صح بهذا الکلام المتصل کذافی فتح القدیر (عالمگیری صـ ۳۵۵ جـ ۲)

وقف کی نویں شرط یہ ہے کہ وقف کے ساتھ خیار شرط نہ ہو

یعنی واقف نے وقف کرتے ہوئے اپنے لئے خیار شرط نہ لگائی ہو اگر یوں کہا کہ میری یہ چیز وقف ہے مگر کچھ دنوں کیلئے سوچنے کا موقعہ ہونا چاہئے تو وقف درست نہیں ہوگا ، یہ امام محمد کا مسلک ہے مگر امام ابو یوسف کے نزدیک واقف کیلئے تین روز کا خیار جائز ہے اور اگر مسجد کیلئے شرط لگائی تو مسجد قرار پا جائیگی اور خیار شرط باطل ہو جائے گا۔[1]

وقف کی دسویں شرط یہ ہے کہ وقف دائمی ہو

وقف ہمیشہ کیلئے ہونا شرط ہے اگر کسی نے وقت معلوم تک کیلئے وقف کیا ، یا بوقت وقف وقت متعینہ کی قید لگا دی تو وقف باطل ہو جائیگا البتہ امام ابو یوسف کے نزدیک بوقت وقف دائمی کی قید لگانا ضروری نہیں یہی صحیح ہے۔

لہذا اگر کسی نے اپنا مکان ایک روز یا ایک مہینہ یا کسی وقت معلوم تک کیلئے وقف کیا اور اس سے زیادہ کچھ نہ کہا تو وقف جائز ہے اور یہ وقف ہمیشہ کیلئے درست ہوگا۔

اور اگر یوں کہا کہ میری یہ زمین ایک مہینہ کیلئے وقف ہے تو جب مہینہ گزر جائے

---

[1] التاسع ان لایلحق به خیارشرط فلووقف علی انه بالخیار لم یصح عند محمد معلوما کان الوقت او مجهولا واختاره هلال وقال ابویوسف ان کان الوقت معلوما جاز الوقف والشرط کالبیع والابطل الوقف وصححه السمتی مطلقاوابطل الشرط وظاهر ما فی الخانیة انه لوجعل داره مسجدا علی انه بالخیار صح الوقف وبطل الشرط بلاخلاف وقال الفقیه أبو جعفر ینبغی علی قول ابی یوسف فیما اذا کان الوقت مجهولاان یصح الوقف ویبطل الشرط (بحرالرائق صـ ۲۱۵ جـ۵)

وقف باطل ہو جائے گا۔

اور اگر یوں کہا کہ یہ زمین میرے مرنے کے بعد ایک سال تک صدقہ موقوفہ ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا تو یہ وقف ہمیشہ کیلئے فقیروں پر جائز ہے اس لئے کہ اس میں وصیت کے معنی موجود ہیں۔

اور اگر کسی نے کہا کہ میری یہ زمین میرے مرنے کے بعد زید پر ایک سال تک وقف ہے پھر جب سال گزر جائے گا تو وقف باطل ہو جائے گا البتہ یہ زمین سال بھر تک زید کے واسطے وصیت رہے گی۔

اس کے بعد وہ مساکین کے واسطے وصیت ہو جائیگی پس اس کا غلہ اور آمدنی مساکین کو تقسیم ہوگی۔

اور اگر یوں کہا کہ میری یہ زمین میری موت کے بعد زید پر سال بھر وقف کی گئی ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہ کہا تو زید کیلئے سال بھر تک اس کی آمدنی ہوگی بعدہ یہ اراضی وغلہ وارثوں کیلئے ہوگا۔[1]

---

[1] ومنها التابيد وهو شرط على قول الكل ولكن ذكره ليس بشرط عند ابى يوسف رحمة الله تعالىٰ وهو الصحيح هكذا فى الكافى رجل وقف داره يوما او شهرا او وقتامعلوما ولم يزد على ذلك جاز الوقف ويكون الوقف مؤبدا ولو قال ارضى هذه صدقة موقوفة شهرا فاذا مضى شهر فالوقف باطل كان الوقف باطلا فى الحال فى قول هلال لان الوقف لايجوز الامؤبدا فاذا كان التابيد شرطا لايجوز مؤقتا كذا فى فتاوىٰ قاضيخان ان قال ارضى هذه صدقة موقوفة بعد موتى سنة ولم يزد عليه جاز الوقف مؤبدا على الفقراء لان فيه معنى الوصية كذافى محيط السرخسى ولو قال ارضى هذه صدقة موقوفة على فلان سنة بعد موتى (بقیہ اگلے صفحہ پر)

وقف کی گیارہویں شرط وقف کے حاصلات ایسی جہت کے واسطے ہو جو منقطع نہ ہوں

وقف کی ایک شرط یہ ہے کہ وقف کی آمدنی وغلہ ودیگر حاصلات اور اجرت جو کچھ بھی ہو ایسی جہت کے لئے ہو جو کبھی منقطع نہ ہو یہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک مشروط ہے اگر ذکر نہیں کیا تو وقف صحیح نہیں ہوگا اور امام ابویوسف کے نزدیک ان جہتوں کا تذکرہ شرط نہیں ہے لہذا ایسی جہت بیان کی جو منقطع ہو جاتی ہو تو بھی وقف صحیح ہے اور اس جہت کے منقطع ہونے کے بعد فقیروں کیلئے ہو جائے گی کیونکہ وقف کرنیوالے کی نیت ہی یہ ہوتی ہے کہ وہ فقیروں کیلئے ہو پس اس شرط کا بیان از روئے دلالت ثابت ہے۔[۱]

(بقیہ صفحہ گذشتہ) فاذا مضت السنة فالوقف باطل کان وصية لفلان بعد موته سنة ثم يصير وصية للمساكين فتصرف غلتها الى المساكين ولوقال ارضي موقوفة على فلان سنة بعد موتي ولم يزد على ذلک فان الغلة تكون لفلان سنة ثم بعد السنة تكون للورثة كذا في فتاوى قاضيخان (عالمگیری ص ۳۵۶ ج ۲)

ع[۱] (ومنها) ان يجعل الاجرة لجهة لاتنقطع ابدا عند ابي حنيفة ومحمد رحمة الله تعالىٰ وان لم يذكر ذلک لم يصح عندهما وعند ابي يوسف رحمة الله تعالىٰ ذكر هذا ليس بشرط بل يصح وان سمى جهة تنقطع ويكون بعدها للفقراء وان لم يسمهم لان قصد الواقف ان يكون اجره للفقراء وان لم يسمهم فكانت تسمية هذا الشرط ثابتة دلالة كذا في البدائع (عالمگیری ص ۳۵۷ ج ۲)

وقف کی بارھویں شرط وقف کا مال غیر منقول ہو اور منقول جس کا رواج ہو

وقف اشیاء غیر منقولہ میں تمام چیزوں کا وقف درست ہے نیز اشیاء منقولہ جو غیر منقولہ کے تابع ہے یعنی جو زمین کے ساتھ ملی ہے وہ بھی بالاتفاق درست ہے، اور اشیا منقولہ جو غیر تابع ہے ان چیزوں کا وقف بھی صحیح ہے جن کے وقف کا رواج ہو جیسے مساجد، مدارس کیلئے مصاحف، کتابیں، لوٹا، گھڑی جائے نماز، اور بجلی کے پنکھے وغیرہ کا وقف درست ہے۔[1]

[1] وکما صح ایضا وقف کل منقول قصدا فیه تعامل للناس کفأس وقدوم بل ودراهم ودنانیر قلت بل ورد الامر للقضاة بالحکم به کما فی معروضات المفتی ابی السعود ومکیل وموزون فیباع ویدفع ثمنه مضاربة او بضاعة وفی الدرر وقف مصحفا علی اهل مسجد للقراءة ان یحصرون جاز وان وقف علی المسجد جاز ویقرأ فیه ولا یکون محصورا علی هذا المسجد (درمختار علی هامش شامی ص ۵۵۶تا۵۵۸ ج ۶ زکریا)

یجب ان یعلم ان وقف المنقول تبعا للعقار ...... واما وقفه مقصودا ان کان کراعا او سلاحا یجوز وان کان سوی ذلک شیئا لم یجز التعارف بوقفه کالثیاب والحیوان لا یجوز عندنا وان کان متعارفا کالفاس والقدوم والجنازة وثیاب الجنازة ومایحتاج الیه من الاوانی والقدور فی غسل الموتی والمصحف بقراءة القرآن قال ابو یوسف رحمه الله تعالیٰ لا یجوز وقال محمد رحمة الله تعالیٰ یجوز والیه ذهب عامة المشایخ منهم الامام شمس الائمة الحلوانی (الفتاوی التاتارخانیه وقف المنقول ص ۱۰۷ ج ۵)

وقف تام ہونے کے بعد قبضہ شرط ہے

وقف تام ہونے کیلئے موقوف علیہم کا قبضہ شرط ہے، لہذا واقف نے وقف کر دیا یا کاغذ پر لکھدیا کہ میری یہ جائداد مساکین وفقراء پر یا مساجد وغیرہ کیلئے وقف ہے مگر قبضہ کرانے سے قبل واقف وفات پا گیا اور اس پر اس کے وارثوں کا قبضہ باقی ہے، تو وقف صحیح نہیں ہوگا اور جائداد وارثوں میں تقسیم ہوگی۔ ۱

کتاب وغیرہ پر صرف وقف لکھ دینے سے وقف صحیح نہیں ہوگا

اگر کسی نے کتاب یا کسی اپنی جائداد مکان وغیرہ پر صرف یہ لکھ دیا کہ یہ فلاں مدرسہ یا فلاں مسجد کیلئے وقف ہے اور یہ چیز موقوف لہ کو سپرد نہیں کی اور نہ پہنچایا تو اس سے وقف پورا نہ ہوا مال اس کی ملکیت میں علی حالہ باقی رہا۔ ۲

جب تک مدرسہ قائم رہے وقف باقی رہے گا مدرسہ ختم ہونے پر ورثہ کی طرف لوٹ جائے گا

کسی شخص نے اپنی زمین یا اپنا مکان وغیرہ اس شرط کے ساتھ وقف کیا کہ یہ میری جائداد ہے اور فلاں مدرسہ کو وقف ہے جب تک مدرسہ قائم ہے اس وقت تک زمین واپس کر لینے کا کسی کو حق نہ ہوگا نہ واقف کو اور نہ ورثاء واقف کو، اور اگر خدانخواستہ کسی وقت مدرسہ قائم نہ رہے اور ختم ہو جائے تو یہ موقوفہ زمین واقف یا ورثاء واقف کی طرف عود کر آئے گی تو اس کا حکم یہ ہے کہ شرعا یہ وقف جائز نہیں ہوگا کیونکہ صورت وقف کے لئے تابید اور بقا شرط ہے اور صحت مذکور میں انقطاع لازم آرہا ہے لہذا وقف تام نہیں ہوگا۔ ۳

ع ۱ مستفاد احسن الفتاویٰ ص ۴۲۳ ج ۶)

ع ۲ مستفاد فتاوی محمودیہ ص ۲۵۲ ج ۱۵)

ع ۳ مستفاد فتاویٰ رحیمیہ ص ۳۵۳ ج ۳)

وقف میں ناملائم شرط لگانے کی ایک صورت

زید نے اپنا مکان، مسجد کی تعمیر کی غرض سے اس شرط پر وقف کیا کہ اس مکان پر خالد اپنے روپئے سے مسجد کی تعمیر اس طرح کرے کہ اس کے دو مختلف حصوں پر دکانیں بھی بنائے جس میں سے ایک دکان کا کرایہ مسجد میں صرف ہو نیز یہ دکان میرے لڑکے کو کرایہ پر دی جائے اس سے علیحدہ کرنے کا کسی کو حق نہیں ہوگا اور دوسری دکان زید بلا کرایہ اپنے لئے مخصوص کرلے اگر یہ شرط نہ پائی جائیگی تو وقف کالعدم قرار دیا جائیگا۔

تو اس کا حکم یہ ہے کہ ناملائم شرائط وقف کی صحت کے منافی ہے کہ اپنے لڑکے کیلئے ایک دکان اور ایک اپنے لئے مخصوص کرنا درست نہیں ہے نیز مکان کا ایک حصہ اپنے لئے خاص کرنا بھی صحیح نہیں ہے کہ وہ حصہ مشاع ہے لہذا ان وجوہات کی بنا پر وقف صحیح نہیں ہوگا۔[1]

کن چیزوں کا وقف صحیح ہے اور کن چیزوں کا نہیں

اوپر بارھویں شرط کے تحت آچکا ہے کہ غیر منقول تمام اشیاء کا وقف صحیح ہے اور منقول میں ان چیزوں کا جو غیر منقول کے تابع ہے یا اس کا رواج ہے یہاں کچھ مثالیں اور دی جاتی ہیں چنانچہ عقار یعنی زمین، مکان، اور دکان، کا وقف جائز ہے اسی طرح منقولات میں سے جو اس عقار کے تابع ہو ان کا وقف بھی درست ہے جیسے کسی زمین کے ساتھ کارکن غلام، بیل کھیتی کے آلات وقف کئے تو ان چیزوں کا وقف درست ہے۔[2]

---

[1] مستفاد کفایت المفتی ص ۲۵۴ ج ۷)

[2] (مطلب فی وقف المنقول قصدا) قوله کل منقول قصدا اما تبعا للعقار فهو جائز بلاخلاف عندهما کمامر لاخلاف فی صحة وقف السلاح والكراع ای الخیل للاثار المشهوره (شامی ص ۵۵۵ ج ۶ زکریا)

عمارت کو بغیر زمین کے وقف کرنا

اگر کسی نے بنی ہوئی عمارت کو وقف کیا مگر جس زمین پر عمارت بنی ہوئی ہے اس کو وقف نہیں کیا تو یہ وقف صحیح نہیں ہوگا۔[1]

اور اگر زمین کا ٹکڑا وقف کیا ہوا ہے اور اسی پر عمارت بنائی ہوئی ہے اور عمارت کی اسی جہت کو وقف کیا جس پر زمین وقف ہے تو بلا اختلاف درست ہے اور اگر موقوفہ زمین کی جہت کے علاوہ عمارت کی دوسری جہت کو وقف کیا ہے تو اس میں ائمہ کا اختلاف ہے مگر صحیح یہ ہے کہ وقف درست نہیں ہے۔[2]

لگائے ہوئے درخت کو وقف کرنا

اگر کسی نے درخت جما کر وقف کر دیا تو اس کی مختلف صورتیں ہیں اگر اس کو ایسی زمین میں لگایا جو وقف کی ہوئی نہیں ہے اور اس درخت کو مع اس کے موضع زمین کے وقف کیا بشرطیکہ یہ موضع زمین واقف کی ملک ہو، یا جتنی زمین پر درخت کا قیام ہے اسی کے بقدر زمین کو وقف کیا تو زمین کی تبعیت میں بحکم اتصال یہ درخت بھی وقف ہو جائے گا اور اگر فقط درخت کو بدون اصل زمین کے وقف کیا تو صحیح نہیں ہے۔

اور اگر درخت کو وقف کی ہوئی زمین میں لگایا ہے تو اسی جہت پر وقف کیا یا جس پر یہ زمین وقف ہے تو جائز ہے جیسے عمارت میں جائز ہوتا ہے،

ع[1] وقف المنقول کالبناء بدون ارض، والکتب والمصحف، منعه ابویوسف وأجاز محمد (شامی صـ ۵۵۴ جـ ۶ زکریا)

ع[2] البقعة الموقوفة علی جهة اذا بنی رجل فیها بناء ووقفها علی تلک الجهة یجوز بلاخلاف تبعا لها فان وقفها علی جهة اخری اختلفوا فی جوازه والاصح انه لایجوز کذا فی الغیاثیة (عالمگیری صـ ۳۶۲ جـ ۲ باب الثامن)

اور اگر اس جہت کے علاوہ دوسری جہت پر وقف کیا تو اس میں بھی ایسا ہی اختلاف ہے جیسا کہ عمارت میں مذکور ہے اصح یہ ہے کہ جائز نہیں ہے۔[۱]

مال کو رفاہ عام کیلئے وقف کرنا

اگر کسی نے مسجد کی اصلاح کے واسطے مال وقف کیا تو جائز ہے اور اگر پلوں کو بنانے اور راستوں کی درستگی اور قبر کے کھودنے یا مسلمان مردوں کے واسطے کفن خریدنے کیلئے مال، روپیہ، پیسہ، وقف کیا، تو مفتی بہ قول کے مطابق یہ وقف درست ہے۔[۲]

(نوٹ) وقف میں چونکہ عین موقوف کو باقی رکھ کر منافع سے فائدہ اٹھانا ہوتا ہے اس لئے روپیہ کے وقف میں شرط ہے کہ اصل روپیہ کو خرچ نہ کیا جائے بلکہ اس کے منافع کو خرچ کریں یا اس سے کوئی چیز خرید کر تجارت میں یا کرایہ پر لگا کر اس کے منافع کو مصارف وقف پر خرچ کیا جائے۔

شی منقول بالمقصود کے وقف کی صورتیں

شی منقول کی دو صورتیں ہیں (۱) اول یہ ہے کہ ان چیزوں کے وقف کرنے کا تعارف اور رواج نہیں تو اس کا وقف صحیح نہیں ہے جیسے کپڑے وحیوانات،

ع[۱] واذا غرس شجرة ووقفها بموضعها من الارض صح تبعا للارض بحكم الاتصال وان وقفها على جهة اخرى فعلى الاختلاف هكذا فى الظهيرية (عالمگیری صـ ۳۶۲ جـ ۲)

ع[۲] ذكر الناطفى اذا وقف مالا لاصلاح المساجد يجوز وان وقف لبناء القناطر اولاصلاح الطريق اولحفر القبور واتخاذ السقايات والخانات للمسلمين اولشراء الاكفان لهم لايجوز وهو جائز فى الفتوىٰ كذا فى فتاوىٰ قاضيخان (عالمگیری صـ ۳۶۳ جـ ۲ باب الثانى كتاب الوقف)

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ اس کا وقف متعارف ہو تو جائز ہے جیسے جنازہ کے دفن وغیرہ کیلئے آرہ، بسولہ، جنازہ کے کپڑے، میت کے غسل کے لئے دیگچہ اور مصاحف وغیرہ تو مفتی بہ قول کے مطابق اس کا وقف صحیح ہے۔[۱]

اشیاء غیر منقولہ موقوفہ میں کون کون سی چیزیں شامل ہیں

اشیاء منقولہ میں سے جن چیزوں کا تعلق ناپائیدار ہے وہ بغیر صراحت کے وقف میں شامل نہ ہوگی اور اگر ان چیزوں کا تعلق پائیدار ہے اور وہ اشیاء موقوفہ با مقاصد وقف کیلئے معاون ہوں تو واقف کی صراحت کے بغیر بھی وقف میں شامل ہوں گی۔

مثالیں:۔ (۱) اگر کسی نے اپنی صحت میں اپنی اراضی بعض وجوہ پر جن کو بیان کیا ہے وقف کی اور ان وجوہ کے بیان کے بعد فقراء پر وقف کیا تو اس وقت میں اس زمین پر جو عمارتیں اور درختیں وغیرہ ہوں گے سب وقف میں داخل ہو جائیں گے۔

(اگر درخت و عمارت وغیرہ کا استثنیٰ کر لیا تھا تو شامل نہیں ہوں گی مگر واقف کو مجبور کیا جائیگا زمین سے درخت کاٹ کر زمین کو فارغ کر دے۔

(۲) اور اگر کسی نے درخت وقف کیا تو اس درخت کا پھل جو اس وقت اس پر موجود ہے وہ داخل نہیں ہوتے۔ (البتہ واقف کو مجبور کیا جائے گا کہ درخت سے پھل نکال کر موقوفہ کو فارغ کر دے)۔

---

[۱] وقد حکی فی المجتبی هذا الخلاف فی المنقول علی خلاف هذا وعزاه الی السیر فنقل قول محمد بجوازه مطلقا جری التعاون به اولا وقول ابی یوسف بجوازه ان جری فیه تعامل ومثل فی الهدایة مافیه تعلیل بالفائس والمر والمنشار والجنازة وثیابها والقدور والمراجل والمصاحف (بحر الرائق صـ۳۳۸ جـ۵)

(۳) اگر کسی نے کہا کہ میری یہ زمین فقیروں پر صدقہ موقوفہ ہے اور اس میں پانی اور راستہ کا ذکر نہیں کیا تو استحساناً اس میں پانی اور راستہ بھی داخل ہوگا اس لئے کہ زمین اس واسطے وقف کی جاتی ہے کہ اس سے پیداوار اور حاصلات ملے اور یہ بغیر پانی وراستہ کے نہیں ہوسکتا۔ [1]

زمین کے وقف کرنے سے اس میں لگے ہوئے غلے شامل نہیں

اگر کسی نے اپنی کوئی زمین وقف کی اور اس میں کھیتی لگی ہے تو وہ زراعت زمین کے وقف میں داخل نہیں ہوگی خواہ اس زراعت کی قیمت ہو یا نہ ہو۔ [2]

ع[1] ومما یتصل بذلک ما یدخل من غیر ذکر ومالایدخل الابه) ذکر الخصاف فی وقفه اذاوقف الرجل ارضا فی صحته علی وجوه سماها ومن بعدها علی الفقراء فانه یدخل فی الوقف البناء والنخیل والاشجار کذافی المحیط وذکرالخصاف ان الثمرة لاتدخل فی وقف الاشجار وعلیه اکثر المشائخ وهوالصحیح کذافی الغیاثیة (عالمگیری ص۳۶۳ج۲)

فلوقال ارضی هذه صدقة موقوفة لله عزوجل أبد لم یزد تصیر وقفا ویدخل فیه ما فیها من الشجر والبناء دون الزرع والثمرة کما فی البیع ویدخل فیه ایضا الشرب والطریق استحسانا لانها انما توقف للاستغلال وهو لایوجد الابالماء والطریق فکان کالاجارة(کتاب الاسعاف فی احکام الاوقاف ص۱۹) ماخوذ مجموعه قوانین اسلامی ص۱۳۲۰)

ع[2] وقف ارضا وفیها زرع لا یدخل الزرع فی الوقف سواء کانت له قیمة ام لم تکن کذا فی المضمرات وقال الفقیه ابواللیث وبه ناخذ کذا فی الذخیرة (عالمگیری ص۳۶۳،۳۶۴ج۲)

وقف کے مصارف

موقوف علیہم یعنی جن لوگوں اور جن چیزوں پر وقف کیا جائے اس کا بیان ہے پہلے اجمال اور بعد میں الگ الگ عناوین کے ساتھ تفصیل پیش ہے۔

وقف تمام مسلمان اور کافر ذمی، مرد عورت، بالغ نابالغ، وارث وغیر وارث ،اقرباء وہمسایہ (پڑوسی)، غریب ومالدار، اپنے اھل وعیال، موجودہ اور آئندہ پیدا ہونے والے انسانوں گویا سب پر وقف درست ہے بشرطیکہ آخری مصرف دائمی کار ثواب (مثلاً فقراء، مساجد، مدارس، وغیرہ) کو قرار دیا گیا ہو۔ اسی طرح جملہ امور خیر مثلاً مدارس مکاتب، مساجد، مقابر، خانقاہوں وغیرہ پر وقف درست ہے، اسی طرح واقف اپنے وقف سے پہلے خود منتفع ہوسکتا ہے۔

وقف کے مصارف میں مقدم کونسی چیز ہوگی

حاصلات اور وقف کی آمدنی کو اولاً وقف کی تعمیر میں صرف کیا جائے گا خواہ وقف کرنے والے نے یہ شرط کی ہو یا نہ کی ہو پھر جو چیز اس عمارت سے قریب ہو اور مصلحت میں سب سے عام ہو جیسے مسجد کے واسطے اس کا امام اور مدرسہ کے واسطے اس کا مدرس پس ان کو بقدر ان کی کفایت کے دیا جائیگا پھر چراغ، مصلی، فرش اور مسجد ومدرسہ کے دیگر مصارف ومصلحتوں کا لحاظ کیا جائے گا لیکن یہ ترتیب اس وقت ہے جبکہ وقف کا کوئی مصرف معین نہ ہو اور اگر وقف کو کسی چیز پر معین کیا گیا تو اولاً وقف کی تعمیر واصلاح میں صرف کرنے کے بعد وہی مصرف متعین کی طرف صرف کیا جائے گا۔[1]

ع[1] الذی یبدأ من ارتفاع الوقف عمارته شرط الواقف ام لا ثم الی ماهو اقرب الی العمارة واعم للمصلحة كالامام للمسجد والمدرس للمدرسة يصرف اليهم بقدر كفايتهم ثم السراج والبسط (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اپنی ذات پر وقف کرنا

اگر کسی نے کہا کہ میری یہ زمین میری ذات پر وقف ہے تو مختار قول کے مطابق یہ وقف جائز ہے یعنی اس وقف سے وہ اپنی ذات پر خرچ کرنے کے بعد فقراء ومساکین پر خرچ کرے۔[1]

اشیاء موقوفہ کو اپنی ذات کے لئے یا زندگی بھر کیلئے شرط کرنا

اگر کسی نے اپنی زمین یا کوئی چیز وقف کی اور تمام اشیاء یا بعض اشیاء موقوفہ کو زندگی بھر کے لئے اپنے لئے شرط کرلی اور اس کے بعد فقیروں کے واسطے کردی تو مفتی بہ قول کے مطابق یہ وقف درست ہے اور اپنی ذات کے واسطے شرط کرنے کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں۔

مثلاً (۱) وقف کو اپنے لئے شرط کرتے ہوئے یوں کہا کہ میرا قرضہ وقف کی آمدنی میں سے ادا کیا جائے۔

(۲) یا یوں کہا کہ جب میں مرجاؤں اور مجھ پر قرضہ ہو تو پہلے اس وقف کی آمدنی سے میرے قرض کو ادا کیا جائے پھر جو باقی رہے وہ وقف کی راہ پر صرف ہو تو یہ سب جائز ہے، اسی طرح کہا کہ فلاں خیر کے کام میں اور فلاں کار خیر میں (چند امور کا نام لیا) خرچ کیا جائے، یا یوں کہا کہ اس صدقہ کی آمدنی سے ہر سال اتنے روپے نکال کر

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ) کذالک الی اخر المصالح هذا اذالم یکن معینا فان کان الوقف معینا علی شیء یصرف الیه بعد امارة البناء کذافی الحاوی القدسی (عالمگیری ص۳۶۸ج۲)

[1] رجل قال ارضی صدقة موقوفة علی نفسی یجوز هذالوقف علی المختار کذا فی خزانة المفتین (عالمگیری ص۳۷۱ج۲)

ان امور مذکورہ میں صرف کیا جائے اور باقی اسی راہ میں جس پر وقف کیا ہے صرف کیا جائے تو یہ تمام طریقے درست ہیں ان کے کہنے کے مطابق ان کی زندگی میں خرچ کیے جائیں گے اور ان کے مرنیکے بعد انہیں راہ میں وقف ہوگا جس میں وقف کیا ہے[۱]

اپنی اولاد پر وقف کرنا

اگر کسی نے اپنی زمین اپنے فرزند اور اس کے بعد مسکینوں پر وقف کی تو صحیح ہے وقف میں اس کا وہی فرزند داخل ہوگا جو آمدنی پائے جانے کے روز موجود ہو خواہ وہ وقف کے روز موجود تھا یا اس کے بعد پیدا ہوا ہو۔

اگر کسی نے کہا کہ میری یہ زمین صدقہ موقوفہ ہے میرے اس فرزند پر جو پیدا ہو حالانکہ اس وقت اس کا کوئی فرزند موجود نہیں ہے تو یہ وقف صحیح ہے اس زمین کی جو پیداوار ہو گی اس کو فقیروں میں تقسیم کردی جائے گی پھر اس تقسیم کے بعد اس لڑکے کیلئے

---

[۱] فی الذخیرۃ اذا وقف ارضا اوشیئا اخر وشرط الکل لنفسه اوشرط البعض لنفسه مادام حیا وبعده للفقراء قال ابویوسفؒ الوقف صحیح ومشائخ بلخ رحمهم اللّٰه تعالیٰ اخذوا بقول ابی یوسفؒ وعلیه الفتویٰ ترغیبا للناس فی الوقف هکذا فی الصغری والنصاب کذافی المضمرات ومن صور الاشتراط لنفسه مالوقال علی ان یقضی دینه من غلته وکذا اذا قال اذاحدث علی الموت وعلی دین یبدأ من غلة هذا الوقف بقضاء ما علی فما فضل فعلی سبیله کل ذلک جائز وکذا اذاقال اذاحدث علی فلان الموت یعنی الواقف نفسه اخرج من غلة هذاالواقف فی کل سنة من عشرة اسهم مثل اسهم تجعل فی الحج عنه اوفی کفارات ایمانه وفی کذاوکذا وسمی اشیاء اوقال اخرج من هذه الصدقة فی کل سنة کذا وکذا درهما لیصرف فی هذه الوجوه ویصرف الباقی فی کذاوکذا علی سبیله کذافی فتح القدیر (عالمگیری صـ۳۹۸جـ۲)

رکھدی جائیگی جو مادر رحم میں ہے اور اگر اس کا کوئی لڑکا پیدا نہیں ہوا، یا پیدا ہوا مگر باقی نہ رہا تو اس زمین کی حاصلات فقیروں پر تقسیم کردی جائیں گی۔ اور اگر کہا کہ میں نے اپنی اولاد پر وقف کیا تو اس میں مذکر، مونث، خنثیٰ، سب داخل ہوں گے۔

اور اگر صرف لڑکا بولا تو لڑکی اور خنثیٰ داخل نہیں ہوں گے اور اس کے برعکس صرف لڑکی کہا تو لڑکے اور خنثیٰ داخل نہیں ہوں گے، اور جب لڑکی اور لڑکے دونوں بولا تو خنثیٰ داخل ہوجائے گا۔[1]

ع[1] اذاوقف الرجل ارضه علی ولده ومن بعده علی المساکین وقفا صحیحا فانما یدخل تحت الوقف الولد الموجود یوم وجود الغلة سواء کان موجودا یوم الوقف اووجد بعد ذلک هذاقول هلال رحمه اللّٰه تعالی علیه وبه اخذ مشائخ بلخ کذا فی المحیط وهوالمختار کذافی الغیاثیة وکذا لوقال علی ولدی وعلی من یحدث لی من الولد فاذا انقرضوا فعلی المساکین هکذا فی المحیط ولوقال ارضی هذه صدقة موقوفة علی من یحدث لی من الولد ولیس له ولد یصح هذاالوقف فاذا ادرکت الغلة تقسم علی الفقراء فان حدث له ولد بعدالقسمة تصرف الغلة التی توجد بعد ذلک الی هذاالولد مابقی هذاالولد فان لم یبق له ولد صرفت الغلة الی الفقراء کذافی فتاویٰ قاضیخان ولوقال وقفت علی اولادی دخل فیه الذکر والانثی والخنثی ولووقف علی البنین لم یدخل فیه الخنثی وان وقف علی البنات لم یدخل ایضا لانا لانعلم ماهو وان وقف علی البنین والبنات دخل الخنثی کذا فی السراج الوهاج (عالمگیری صـ ۳۷۱ جـ ۲)

نسل میں دختر بھی شامل ہے

کسی نے اپنی جائداد نسل در نسل وقف کردی تو اس وقف میں دختر اور دختر کی اولاد بھی شامل ہوگی۔ [1]

قرابت کی شناخت کے بیان میں

قرابت ایسے شخص پر ثابت ہوگی جو اسلام میں اس کے نسب اعلی انتہائی باپ کی وجہ سے اس کی طرف نسب سے منسوب ہو، خواہ پدر اعلی از جانب اس کے باپ کے ہو یا از جانب اس کی ماں کے ہو اور اس میں محرم و غیر محرم قریب و بعید صغیر و کبیر مذکر و مؤنث فقیر و تونگر سب یکساں ہیں اور وقف کرنے والے کا باپ اور اس کی پشت کی اولاد شامل نہیں ہوگی نیز دادا بھی داخل نہیں ہوگا۔ [2]

وقف علی الاولاد میں لڑکا و لڑکی کو کس طرح حصہ ملے گا

واقف نے اپنی جائداد اولاد پر وقف کیا تو اس کے لڑکے اور لڑکی کے حصہ میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں بعض فقہاء مثل ہبہ کے مساوات کے قائل ہیں اور بعض

---

[1] ولو وقف علی نسله او ذریته دخل فیه اولاد البنین و اولاد البنات قربوا او بعدوا (عالمگیری ص۳۷۵ ج۲)

[2] قال ابویوسف ومحمد رحمهما الله تعالیٰ هی کل من یناسبه الی اقصی اب له فی الاسلام من قبل ابیه او من قبل امه المحرم وغیر المحرم والقریب والبعید والجمع والفرد فی ذلک سواء وفی الوقف علی القریب تقسم الغلة علی الرؤس الصغیر والکبیر والذکر والانثی والفقیر والغنی سواء لمساواة الکل فی الاسم کذا فی الوجیز ولایدخل ابو الواقف ولا اولاد لصلبه وفی دخول الجد روایتان وفی ظاهر الروایة لایدخل کذا فی فتح القدیر (عالمگیری ص۳۷۹ ج۲)

فقہاءھبہ کے خلاف (للذکر مثل حظ الانثیین) کے قائل ہیں علامہ شامی کی طویل بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر واقف زندہ ہو تو اس سے دریافت کرلیا جائے اور جیسا کہے اس کے مطابق عمل کیا جائے، اگر زندہ نہیں ہے اور کوئی وضاحت بھی نہیں مل رہی ہے تو) (للذکر مثل حظ الانثیین) کو راجح قرار دیا جائے، اور اسی کے مطابق عمل کیا جائے۔[1]

قرابتی فقراء ومساکین پر وقف

اگر کسی نے کہا کہ میری یہ زمین یا یہ اشیاء صدقہ موقوفہ ہے میرے قرابتی فقیروں پر یا میری اولاد کے فقیروں پر ان کے بعد مساکین پر تو وقف صحیح ہے، یا یوں کہا کہ میری زمین یا میری یہ چیزیں صدقہ موقوفہ ہے میری قرابت میں سے مسکینوں پر، یا میری قرابت کے محتاجوں پر تو وقف صحیح ہے اور وقف کا مستحق وہ ہوگا جو غلہ اور سامان پائے جانے کے روز فقیر محتاج ہو، اور اگر یوں کہا کہ میری یہ زمین میری قرابت کے یتیموں پر وقف ہے تو صحیح ہے اور اگر ان یتیموں میں سے کوئی غلہ حاصل ہونیکے بعد بالغ ہوا تو اس سے غلہ واپس نہیں لیا جائے گا البتہ آئندہ سے اس کو نہیں ملے گا۔

اور اگر ان مستحقین کے مابین خصومت واقع ہو کہ دوسرے مستحقین نے کہا کہ یہ تو غلہ حاصل ہونے سے قبل بالغ ہوا ہے اسلئے تیرے واسطے حصہ نہیں ہوگا اور اس نے کہا کہ نہیں میں غلہ حاصل ہونے کے بعد بالغ ہوا ہوں تو قسم کے ساتھ اس بالغ کا قول معتبر ہوگا۔

اسی طرح اگر یتیم لڑکی کو حیض آیا اور اس میں ایسی خصومت واقع ہوئی تو قسم کے ساتھ اسی لڑکی کا قول معتبر ہوگا۔

---

[1] ردالمختار علی الدرالمختار المعروف بہ الفتاویٰ الشامی ص ۵۲۱، ۵۲۲ ج ۶)(مطلب مراعاۃ غرض الواقفین واجبۃ والعرف یصلح مخصصا)

اور اگر اہل قرابت میں سے کوئی شخص غلہ حاصل ہونے کے بعد مرا اور چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑے جو یتیم ہو گئے تو ان کو اس غلہ سے نہیں ملے گا۔[1] قرابتی فقراء میں واقف کے بھتیجے، بھتیجی، بھانجے اور بھانجی وغیرہ بھی شامل ہیں۔[2]

قرابتی فقیروں میں سے صلحاء پر وقف

اگر کسی نے کہا کہ میرے قرابتی فقیروں میں سے صلحاء پر وقف ہے یا یوں کہا کہ میرے قرابتی فقیروں میں سے اہل عفاف یا اہل خیر یا اہل فضل پر وقف ہے تو اس طرح بھی وقف صحیح ہے، اور صالح اہل خیر و فضل میں وہ لوگ داخل ہوں گے۔

ع[1] اذاقال ارضی هذه صدقة موقوفة علی فقراء قرابتی او قال علی فقراء ولدی ومن بعدهم علی المساكين فهذاالوقف صحيح والمستحق للغلة من كان فقيرا يوم تتحقق الغلة عند هلال رحمه الله تعالىٰ وبه ناخذ كذافی المضمرات وعليه الفتوی ولوقال ارضی صدقة موقوفة علی المساكين من قرابتی او علی المحتاجين من قرابتی كان الجواب فيه ماهو فی قوله علی فقراء قرابتی ولوقال ارضی صدقة موقوفة لفقراء قرابتی او فی فقراء قرابتی فهو كمالوقال علی فقراء قرابتی لان حروف الصلات يقام بعضها مقام بعض ولوقال علی ايتام قرابتی فكذلک فان احتلم الغلام بعد مجیء الغلة فله حصته من هذه الغلة فان وقعت بينه وبين غيره من المستحقين خصومة فی هذه الغلة فقال غيره من المستحقين انما احتلمت قبل مجیء الغلة فلاحصة لک وقال هو انما احتلمت بعد مجیء الغلة كان القول قوله مع اليمين وكذافی حيض الجارية وان مات واحدامن القرابة بعد مجیء الغلة وترک اولادا صغارا لايكون لهؤلاء الاولاد حصة فی هذه الغلة كذافی فتاوىٰ قاضيخان (عالمگیری ص ۳۸۴ ج ۲)

ع۲ کفایت المفتی صـ ۲۹٦ جلد ۷)

جو عفت میں مشہور ہوں یعنی ان کی کوئی برائی ظاہر نہ ہو، لوگوں میں سلیم الطبع اور ان کا کسی کو رنج و تکلیف پہونچانا ظاہر نہ ہوا ہو ان کا شر کم اور خیر زیادہ ہو صاحب ریب نہ ہو کہ لوگوں میں اس کا فسق ظاہر ہو چکا ہو، نیز محصنات عفیفہ یعنی پاکدامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگانے والا نہ ہو اور جھوٹ بولنے میں مشہور نہ ہو۔[۱]

قرابتی ان فقیروں کو مال ملے گا جو واقف کے شہر میں ہو

مذکورہ قرابتی فقیروں میں سے ان فقیروں کو مال ملے گا جو واقف کے شہر میں ہو، اگر قریبی فقیر واقف کے شہر کے علاوہ دوسرے شہر میں رہتے ہوں تو وہاں مال نہیں بھیجا جائے گا بلکہ اسی شہر والوں میں تقسیم کر دیا جائے گا البتہ اگر قیم اور متولی نے اس شہر میں بھیج دیا تو ضامن نہیں ہوگا (گویا وقف کی ادائیگی درست ہو جائے گی۔[۲]

پڑوسیوں پر وقف

اگر کسی نے کہا کہ میری یہ زمین، یا یہ جائداد، یا یہ اشیاء، میرے پڑوسیوں پر وقف ہے تو یہ صحیح ہے اور پڑوسیوں میں وہ لوگ داخل ہوں گے جنہیں مسجد محلہ جامع ہے

ع۱ واذقال على الصلحاء من فقراء قرابتي فالصالح من كان مستورا مستقيم الطريقة سليم الناحية كاف الاذى قليل الشر ليس بمتهتك ولاصاحب ريبة ولاقذاف للمحصنات ولامعروف بالكذب فهذا من اهل الصلاح ولوقال على اهل العفاف او اهل الخير او اهل الفضل فهذا وقوله من اهل الصلاح سواء كذافي الحاوى (عالمگیری صـ۳۸۵جـ۲)

ع۲ واذا وقف على فقراء قرابته وله قرابة فقراء من غير اهل بلد الذى الواقف فيه الواقف لايبعث الى تلك البلدة ولكن يقسم على فقرائهم في هذه البلدة وان بعث القيم الى تلك البلدة فلاضمان كذافي المحيط (عالمگیری صـ۳۸۵جـ۲)

اور شرط صرف سکونت ہے چاہے رہنے والا اپنی ملکیت کے مکان میں ہو یا کسی غیر کے مکان میں عاریۃ ہو یا کرایہ پر ہو۔

مکان کا مالک نہیں رہتا ہے اس مکان میں دوسرے لوگ عاریۃ اور کرایہ پر رہتے ہیں تو مکان مالک کو کچھ بھی نہیں ملے گا بلکہ رہنے والے کو ملے گا، اور اس وقف میں تمام، پڑوسی شامل ہوں گے خواہ مسلم ہو، یا کافر مذکر ہو یا مؤنث غلام ہو یا آزاد صغیر ہو یا کبیر مالدار ہو یا غریب، البتہ واقف نے فقیروں کی قید لگادی تو مالدار کو نہیں ملے گا اور اس وقف میں وقف کنندہ کی اولاد اور اولاد کی اولاد، اور اس کا باپ، دادا بیویاں داخل نہیں ہوں گی، البتہ اس کا بھائی چچا ماموں داخل ہوں گے۔

نیز واضح رہے کہ غلہ اور سامان تقسیم ہونے کے وقت جو پڑوسی ہو اسی کا اعتبار ہوگا پس اگر تقسیم سے قبل کوئی اپنا مکان فروخت کر کے یا کرایہ ختم کر کے دوسری جگہ چلا گیا اور دوسرا آکر آباد ہو گیا تو چلے جانے والے کو کچھ نہیں ملے گا بعد میں آکر ٹھہرنے والوں کو ملے گا۔

اور پڑوسی سے واقف کا پڑوسی مراد ہے لہذا واقف نے وقف کے بعد تقسیم سے قبل اس مکان کو بیچ دیا، یا یوں ہی دوسرے مکان میں جا کر ٹھہر گیا اور وہیں وفات پا گیا، تو اسی مکان کے پڑوسی کو ملے گا جہاں آکر بعد میں ٹھہرا ہے۔

نیز واقف کے اس مکان کا اعتبار ہوگا جہاں ٹھہرتا ہے اور اگر دونوں مکان میں بیویاں ہیں اور دونوں جگہ ٹھہرتا ہے تو دونوں مکان کے پڑوسیوں کو ملے گا[1]

---

[1] وقف علی جیرانہ ففی القیاس یصرف الی الملاصق وفی الاستحسان یصرف الی من یجمعہ وایاھم مسجد المحلۃ کذا فی الوجیز وھو المختار کذافی الغاثیۃ ثم فی ظاھر مذھب ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ

ان الشرط السکنی مالکا کان الساکن او غیر مالک هو الصحیح هکذا فی المحیط وان کان الساکن غیر المالک کا ن الوقف للساکن دون المالک کذا فی فتاویٰ قاضیخان ویدخل فیه الجار مسلما کان اوکافرا ذکرا کان اوانثی حرا کان اومکاتبا صغیرا کان او کبیرا ویقسم المال علی عدد رؤسهم فان فضل الوصی بعضهم علی بعض ضمن کذا فی الحاوی...... وکذا المدیون الذی حبس فی محتله بدین هکذا فی الوجیز ولایدخل فیه ولد الواقف وابوه وجده وزوجته کذا فی الحاوی وولدا لولد اذاکان جارا لایدخل استحسانا کذا فی خزانة المفتین واخوه وعمه وخاله یدخلون کذا فی الظهیریة والمحیط ولوکان للواقف جیران فانتقل بعضهم الی محلة اخری وباعو دورهم فانتقل قوم آخرون بعد ادراک الغلة قبل الحصاد الی جواره فالمعتبر فیه من کان جاره وقت قسمة الغلة کذا فی فتاویٰ قاضیخان ولووقف علی جیرانه وله دار هو فیها ساکن فانتقل منها الی دار اخری وسکنها باجرالی ان مات فالغلة لجیران الدار التی انتقل الیها ومات فیها کذا فی المحیط ولووقف علی جیرانه ثم خرج الی مکة ومات فیها ان کان اتخذ ها دارافالغلة لجیرانه بمکة وان خرج حاجا او معتمرا فالغلة لجیران بلده کذفی الظهیریه ولوکان له دار ان وهو یسکن فی احداهما والاخری للغلة فالغلة لجیران الدار التی یسکن فیها کذا فی المحیط ولوکان له داران وفی کل دارله زوجة فالغلة لجیران الدارین وان مات فی احداهما کذا فی الحاوی(عالمگیری صـ ۳۹۰ جـ ۲)

اھل بیت پر وقف

اگر کسی نے کہا کہ میں نے اپنی اراضی اپنے اھل بیت پر وقف کیا تو وقف صحیح ہے مگر اھل بیت کے دو مطلب ہوتے ہیں (۱) بیت السکنی (۲) بیت النسب، وقف کنندہ سے پوچھا جائے گا کہ آپ کی مراد کیا ہے۔ اگر بیت السکنی مراد لیا ہے تو اس میں وہ لوگ داخل ہوں گے جو گھر میں ساتھ رہتے ہوں جن کی وہ پرورش کرتا ہو اور ان کو اپنے گھر میں نفقہ دیتا ہو اگرچہ ان سے قرابت نہ ہو گویا اس وقف میں واقف کے زیر پرورش لوگ شامل ہوں گے اس کے علاوہ شامل نہ ہوں گے اگرچہ قرابت والے ہوں،

اور اگر بیت النسب مراد لیا ہے تو اس میں اس کے تمام خاندان یعنی ہر وہ شخص داخل ہے جو واقف کے اجداد کی طرف سے اونچے اور اوپر درجہ کے جد تک اسلام میں داخل تھا متصل ہو جس میں مسلمان، کافر مذکر، مؤنث، محرم، غیر محرم، قریب، بعید، سب داخل ہیں مگر سب سے اونچا باپ شامل نہ ہوگا اور اس وقف کرنے والے کا باپ اور اس کی اولاد داخل ہوں گے مگر اس کی بیٹی اور بہنوں کی اولاد داخل نہیں ہوں گی اور دیگر عورتوں کی اولاد بھی داخل نہیں ہوگی، لیکن اگر ان عورتوں کے شوہر اس وقف کرنے والے کے بنی اعمام ہوں یعنی اس کے چچا و دادا وغیرہ کی اولاد میں سے ہو تو یہ بھی خاندانی لوگ ہیں اس لئے یہ سب داخل ہوں گے اور اس میں موجودہ اور آئندہ جو اولاد پیدا ہوں گی وہ سب شامل ہوں گی۔ نیز اس میں مالدار اور فقیر سب داخل ہوں گے، البتہ وقف کنندہ نے اھل بیت میں فقیر کی قید لگا دی ہے تو مالدار داخل نہیں ہوں گے [۱]

ع[۱] اذا وقف ارضہ علی اھل بیتہ دخل تحت الوقف کل من یتصل بہ من قبل آبائہ الی اقصی اب لہ فی الاسلام یستوی فیہ المسلم والکافر والذکر والانثی والمحرم وغیر المحرم والقریب والبعید (بقیہ اگلے صفحہ پر)

فقیروں پر وقف کے بعد خود محتاج ہو جائے

اگر زمین یا کوئی چیز فقراء و مساکین پر صدقہ موقوفہ کر دی پھر واقف خود محتاج ہو گیا تو اس کو اس غلہ میں سے کچھ نہیں ملے گا۔[1]

فقیروں پر وقف کرنے کے بعد بعض قریب محتاج ہو جائے

اگر واقف نے اپنی صحت کی حالت میں کہا کہ میری یہ زمین وقف ہے تو اسکے تحت چند احکام ہیں۔

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ) ولایدخل الاب الاقصی ویدخل فیه ولد الواقف وولده ولایدخل اولادالبنات واولاد الاخوات وکذالک لایدخل اولاد من سواهن من الاناث الااذاکان ازواجهن من بنی اعمام الواقف کذافی الظهیریة وذکر شمس الائمة السرخسی رحمة الله تعالیٰ فی شرح السیر الکبیر اذاذکر اهل البیت فی الوقف اوالوصیة یرجع الی مراده ان اراد بیت السکنی فاهل بیته من یعوله وینفق علیه فی بیته وان لم تکن بینهما قرابة وان اراد بیت النسب فاهل بیته جمیع اولادابیه المعروفین به وذکر القاضی الامام علی الغدی ان الواقف ان کان له بیت نسب مثل بیوت العرب فاهل بیته جمیع اولاد ابیه وان لم یکونوا فی عیاله وان لم یکن له بیت نسب فاهل بیته من یعوله فی بیته وینفق علیه ولایدخل غیرهم فیه وان کان بینهما قرابة والمختار هذاکذا فی الغیاثیة واذاوقف علی اهل بیته دخل تحت الوقف من کان موجود من اهل بیته ومن یأتی بعد هؤلاء من اولادهم واولاد اولادهم کذافی المحیط (عالمگیری صـ۳۹۱/۳۹۲جـ۲)

۱ـ رفی الفتاویٰ اذاجعل ارضا صدقة موقوفة علی الفقراء والمساکین فاحتاج بعض قرابته اواحتاج الواقف ان احتاج الواقف لایعطی له من تلک الغلة شیء عندالکل کذافی الخلاصة (عالمگیری صـ۳۹۵جـ۲)

(۱) وقف کا غلہ قرابتی فقیروں پر صرف کرنا اولیٰ ہے پھر اگر کچھ باقی رہے تو اجنبی فقیروں پر تقسیم ہو

(۲) غلہ کے پیدا ہونے کے وقت کے محتاج کا اعتبار نہیں بلکہ غلہ کی تقسیم کے دن کے محتاجوں کو ملے گا

(۳) واقف سے قرابت میں ترتیب وار سب سے قریب پھر سب سے قریب اس طرح کہ جو اس کے نسب سے پیدا ہے وہ اول ہے پھر اس کے لڑکے کی اولاد پھر تیسری پشت، پھر چوتھی پشت کے ساتھ پانچویں و چھٹی جس قدر نیچے تک ہو، داخل ہوگی، پھر اگر ان میں سے کوئی نہ ہو، یا ہو اور اس کے بعد غلہ بچ رہا ہو تو قرابت کے فقیروں پر اسی مذکورہ ترتیب سے تقسیم ہوگا، اس کے بعد وقف کرنے والے کے آزاد کئے ہوئے کا مرتبہ ہے پھر وقف کرنیوالے کے پڑوسیوں کا پھر واقف کے شہر والوں کا اس میں بھی وہ ہوں گے جو سکونت کے اعتبار سے واقف کے قریب ہوں۔

(۴) اور جن لوگوں کو غلہ یا وقف کی پیداوار سے مال دیا جائے گا ان میں سے ہر ایک کو دو سو درھم سے کم دیا جائے گا مگر یہ حکم جب ہے جبکہ اس نے فقیروں پر وقف کیا تھا اور وقف کرتے وقت اپنے قرابتی فقیروں کی قید لگا دی تھی تو پھر سب آمدنی انہیں پر تقسیم ہوگی اگر چہ ان قریبوں کو دو سو درھم سے زیادہ پہونچے۔ [۱]

ع[۱] وان قال فی الصحة ارضی صدقة موقوفة علی الفقراء بعدی وهو یخرج من الثلث او کان ذلک فی المرض ومات وله ابنة صغیرة لایجوز الصرف الیها وهذا التفصیل مذکور عن ابی القاسم قال الصدر الشهید حسام الدین رحمة الله تعالیٰ وبه یفتی کذا فی الغیاثیة فان احتاج بعض قرابته او بعض ولده الی ذلک و الوقف فی الصحة (فههنا احکام) احدها ان صرف الغلة الی فقراء (بقیہ اگلے صفحہ پر)

جملہ امور خیر پر وقف کرنا جو شرعاً کارِ ثواب ہو

کسی شخص کا اپنی کسی ایسی غیر منقولہ چیز کو جس سے شرعاً انتفاع جائز ہے یا ایسی منقولہ چیز کو جس کے وقف کا رواج ہے جیسے مسجد، مدرسہ، مقبرہ، دینی یا فلاحی ادارہ اور دیگر کارِ خیر پر وقف کرنا صحیح ہے اور اگر موقوف علیہ کسی ایسی چیز کو قرار دیا جس پر وقف کرنا شرعاً کارِ ثواب نہ ہو یا واقف اس کو کارِ ثواب یقین نہ کرتا ہو تو وقف صحیح نہیں ہوگا۔ [1]

(بقیہ گذشتہ صفحہ) القرابة اولیٰ فان فضل منها شیء یصرف الی الاجانب والثانی أن لا ینظر الی المحتاجین یوم خلقت الغلة وانما ینظر الی المحتاجین یوم قسمت الغلة والثالث ان ینظر الی الاقرب فالاقرب منه فی القرابة وهوولد الصلب اولاثم ولدا لولدثم البطن الثالث ثم البطن الرابع وان سفلوفان لم یکن من هؤلاء احد أو فضل اعطی فقراء القرابة ویبدأ فیهم ایضا بالاقرب کذا فی الحاوی ثم الی موالی الواقف ثم الی جیرانه ثم الی اهل مصره ایهم اقرب من الواقف منزلا کذا فی المحیط السرخسی وهکذا فی المحیط وفتاویٰ قاضیخان والرابع ان یعطی کل واحد ممن یعطی اقل من مأتی درهم وهذا قول هلالؒ کذا فی الحاوی هذااذا وقف علی الفقراء واحتاج الیه بعض قرابته واما اذا وقف علی فقراء قرابته فیصرف جمیع الغلة الیهم وان کان نصیب کل واحد منهم اکثر من مأتی درهم واما اذاوقف علی الافقر فالا فقر من قرابته فههنا لایعطی الکل انما یعطی اقل من مأتی درهم کذا فی الذخیرة (فتاویٰ الهندیه صـ۳۹۵،۳۹۶ جـ۲)

[1] وکما صح ایضا وقف کل منقول قصدا فیه تعامل للناس کفاس وقدوم بل ودراهم ودنانیر (درمختار) قال الرملی لکن فی الحاقها بمنقول فیه تعامل نظر اذهی ممالاینتفع بهامع بقاء عینها علی ملک الواقف وافتاء صاحب البحر بجواز وقفها بلاحکایة خلاف لایدل علی انه داخل تحت قول محمد المفتی به فی وقف المنقول فیه تعامل (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اشیاء موقوفہ کے اصل کو باقی رکھتے ہوئے اس کی آمدنی یا منفعت صرف ہوگی

اشیاء موقوفہ غیر منقولہ جیسے زمین، مکان، دکان، وغیرہ ہوتو اس کی اصل کو باقی رکھتے ہوئے اس کی آمدنی یعنی کرایہ زمین کی پیداوار وغیرہ موقوف علیھم پر صرف کئے جائیں گے زمین مکان وغیرہ بیچا نہیں جائے گا۔

اسی طرح اشیاء منقولہ جیسے روپے پیسے، سونا چاندی وغیرہ یعنی جن کے بقاء اصل کے ساتھ انتفاع ممکن ہوتو ان چیزوں کو تجارت وغیرہ کے کام میں لگا کر اس کی منفعت سے فائدہ اٹھایا جائے گا اور اصل راس المال کو باقی رکھا جائیگا [1]

(بقیہ گذشتہ صفحہ) (شامی ص ۵۵۵ ج ۶ زکریا) (بشرط كونه قربة عندنا وعندهم) الظاهر ان هذا شرط في وقف الذى فقط يخرج مالو كان قربة عندنا فقط كوقفه على الحج والمساجد وما كان قربة عندهم فقط كالوقف على البيعة بخلاف الوقف عى المسجد القدس فانه قربة عندنا وعندهم فيصح (منحة الخالق على البحر الرائق ص ۳۱۵ /۲/۳۱۶ ج ۵)

[1] وكما صح ايضا وقف كل منقول قصدا فيه تعامل للناس كفاس وقدوم بل دراهم ودنانير مكيل وموزون فيباع ويدفع لمنه مضاربة اوبضاعة فعلى هذا الووقف كرا على شرط ان يقرضه لمن لا بذرله ليزرعه لنفسه فاذا ادرك اخذ مقداره ثم اقرضه لغيره وهكذا جاز خلاصه (درمختار) قوله ويدفع ثمنه مضاربة اوبضاعة وكذا يفعل في وقف الدراهم والدنانير وماخرج من الربح يتصدق به في جهة الوقف وهذا هو المراد في قوله الفتح عن الخلاصة ثم يتصدق بها فهو على تقدير مضاف اى بربحها وعبارة الاسعاف ثم يتصدق بالفضل (فتاوى شامی ص ۵۵۵ تا ۵۵۶ ج ۶)

وقف کی آمدنی سے خریدی ہوئی جائداد

موقوف علیھم پر خرچ کرنے کے بعد وقف کی آمدنی زائد ہو کر بچ گئی اور اس آمدنی سے کوئی جائداد (مکان، دکان، وغیرہ) خریدی گئی تو اس جائداد کی آمدنی (کرایہ وغیرہ) مصارف وقف پر خرچ ہوگی اور وقف کی مصلحتوں کے پیش نظر ضرورت پڑنے پر وقف کی آمدنی سے خرید کردہ جائداد کو فروخت کیا جا سکتا ہے۔[۱]

مال موقوفہ کے بدلہ دوسری جائداد کا خریدنا

اگر اشیاء موقوفہ کے نا قابل انتفاع یا خطرے میں پڑنے کی وجہ سے دوسری جائداد سے تبادلہ کیا گیا یا فروخت کر کے دوسری جائداد خریدی گئی تو یہ دوسری جائداد کی جگہ قرار پائی گئی اور اس تبادلہ شدہ جائداد کے بھی صرف منافع ہی مصارف وقف میں خرچ ہوں گے اصل جائداد کا بیچنا جائز نہیں ہوگا[۲]

اشیاء موقوفہ کے نا قابل انتفاع ہونے کی صورت میں دوسری جائداد سے تبادلہ یا فروخت کر کے دوسری جائداد خریدنا۔

اگر موقوف علیھم کے براہ راست استفادہ کیلئے کوئی جائداد وقف کی گئی تھی

ع[۱،۲] (اشتری المتولی بمال الوقف دارا) للوقف لاتلحق بالمنازل الموقوفة ویجوز بیعها فی الاصح لان للزومه کلاما کثیرا له اولم یوجد ههنا (درمختار) قوله اشتری بمال الواقف ای بغلة الوقف کما عبربه فی الخانیه وهو اولی احتراز اعما لواشتری ببدل الوقف فانه یصیر وقفا کالاول علی مشروطه وان لم یذکر شیئا کما مر فی بحث الاستبدال وقیده فی الفتح بما اذالم یحتج الوقف الی العمارة وهو ظاهر اذلیس له الشراء و کما لیس له الصرف الی المستحقین (شامی ص ۶۲۷ ج ۶)

اوراب وہ نا قابل انتفاع ہوچکی ہے تو خدا ترس قاضی کی اجازت سے اسی طرح کی دوسری جائداد سے اس کا تبادلہ، یا نقد کے عوض اسے فروخت کر کے اسی طرح کی دوسری جائداد خرید نا صحیح ہے اور یہ دوسری جائداد پہلی جائداد کی جگہ وقف قرار پائیگی، اور اگر واقف نے جائداد موقوفہ کی آمدنی موقوف علیہم پر صرف کرنے کی شرط لگائی تھی اور جائداد موقوفہ نا قابل انتفاع ہوچکی ہے تو کم خرچ اور زیادہ نفع بخش دوسری نوع کی جائداد سے اس کا تبادلہ یا نقد کے عوض اسے فروخت کر کے دوسری نوع کی جائداد بھی خرید نا جائز ہے اور دوسری جائداد پہلی جائداد کی طرح قرار پائے گی۔[1]

اشیاء موقوفہ خطرے میں پڑ جائے تو اس کی اصلاح کی جائے

اشیاء موقوفہ خراب ہونے کی وجہ سے خطرے میں پڑ جائے کہ فوری اس کی اصلاح ضروری ہو تو شیء موقوفہ کی آمدنی سے اس کے وجود کو برقرار رکھا جائے گا اور دوسرے مصارف وقف کو عارضی طور سے ملتوی کر دیا جائے گا۔

---

[1] وجاز شرط الاستبدال به ارضا اخری حینئذ او شرط بیعه ویشتری بثمنه ارضا اخری اذاشاء فاذافعل صارت الثانیة کالاولیٰ فی شرائطها ...... وان لم یذکرها ثم لایستبدلها بثالثة لانه حکم ثبت بالشرط والشرط وجد فی الاولی لاالثانیة واما الاستبدال ولوللمساکین آل بدون الشرط فلایملکه الاالقاضی دررو شرط فی البحر خروجه عن الانتفاع بالکلیة وکون البدل عقارا والمستبدل قاضی الجنة المفسر بذی العلم والعمل وفی النهر ان المستبدل قاضی الجنة فالنفس به مطمئنة فلایخشی ضیاعه ولوبالدراهم وهی احدالمسائل السبع التی یخالف فیها شرط الواقف کما بسطه فی الاشباه (درمختار علی هامش شامی ص ۵۸۳ تا ۵۸۷ ج ۶)

اور اگر شئی موقوف زیادہ خراب نہ ہونے کی وجہ سے اس کا وجود خطرہ میں نہ ہو بلکہ صرف اصلاح طلب ہو تو متولی اور قاضی کو اختیار ہوگا کہ جو مناسب سمجھے کرے یا تو مصارف پر خرچ کرے یا شئی موقوفہ کی اصلاح کرائے جو زیادہ ضروری ہو اس پر عمل کرے۔[1]

اصلاح کرنے اور کرانے کا حق صرف واقف یا متولی کو ہوگا

وقف کی اصلاح یا وقف کو دوسری چیز سے بدلنے کا حق اولاً واقف کو ہوگا واقف نہ ہو تو واقف کا مقرر کردہ متولی یا قاضی کا مقرر کردہ متولی کو حاصل ہوگا، متولی اور واقف کے علاوہ کسی کے لئے حق تصرف درست نہیں ہے، متولی کو مشورہ دے سکتا ہے اور اس کے کام میں تعاون کرسکتا ہے مگر دخیل بن کر متولی کی اجازت کے بغیر کوئی کام انجام نہیں دے سکتا۔[2]

ع[1] (یبدأ من غلتہ بعمارتہ)ثم ھو اقرب لعمارتہ کامام مسجد ومدرس مدرسۃ یعطون بقدر کفایتھم ثم السراج والبساط کذالک الی اخر المصالح وتمامہ فی البحر وان لم یشترطہ الواقف لثبوتہ اقتضاء وتقطع الجھات للعمارۃ ان لم یخف ضرربین فتح فان خیف کامام وخطیب وفراش قدموا فیعطی المشروط لھم (درمختار) والحاصل مما تقرر وتحرر انہ یبدأ بالتعمیر الضروری حتی لو استغرق جمیع الغلۃ صرفت کلھا الیہ ولایعطی احد ولو اماما او مؤذنا فان فضل عن التعمیر شئ یعطی ماکان اقرب الیہ مما فی قطعہ ضرربین وکذا لو کان التعمیر غیر ضروری بان کان لایؤدی ترکہ الی خراب العین لواخر الی غلۃ السنۃ لقابلۃ فیقدم الأھم فالأھم (درمختار مع الشامی صـ۵۵۹ تا ۵۶۲ جـ۶)

ع[2] فی الکبری مسجد مبنی ارادرجل ان ینقضہ ویبنیہ ثانیا احکم من البناء الاول لیس لہ ذلک لانہ لاولایۃ کذافی المضمرات(الفتاویٰ العالمگیریہ صـ۴۵۷ جـ۲)

واقف نے شئ موقوف کے بدلنے یا بیچ کر دوسری جائداد خرید نے کی اپنے لئے شرط کرلی

وقف کرنے والے نے اصل وقف میں یہ شرط کی کہ میں جب چاہوں گا اس زمین یا مکان وغیرہ یعنی اشیاء موقوفہ کی جگہ دوسری جائداد بدل لوں گا اور وہ دوسری جائداد پہلے کی جگہ وقف ہوگی۔

اسی طرح یوں شرط کی کہ جب چاہوں گا اس شئ موقوف کو فروخت کرکے اس کے ثمن کے بدلے دوسری جائداد خریدوں گا جو اس پہلی کی جگہ وقف ہوگی تو یہ تمام شرائط مفتی بہ قول کے مطابق جائز ہے۔

مگر ایک مرتبہ بدلنے یا بیچنے سے اس کا حق استبدال اور حق بیع ختم ہو جائے گا دوبارہ نہیں بدل سکتا اور نہ بیچ سکتا ہے لیکن اگر واقف نے ایسی بات کہی جو ہمیشہ اس کے واسطے بولنے کے اختیار کو مقید ہو (مثلاً یوں کہا کہ جب جب میں مناسب سمجھوں گا بدلتا رہوں گا) تو اس کو یہ اختیار حاصل ہوگا۔[۱]

متولی وقف کیلئے بدلنے کی شرط لگائے

اگر وقف کرنے والے نے اشیاء موقوفہ کے بدلنے کا اختیار ہر ایسے شخص کے واسطے شرط کردیا جو اس کا متولی ہو تو صحیح ہے اور جو شخص اس کا متولی ہوگا اس کو اس وقف کی جگہ دوسرا بدلنے کا اختیار رہو گا۔

ع[۱] وجاز شرط الاستبدال به ارضا اخرى حينئذ او شرط بيعه ويشترى بثمنه ارضا اخرى اذاشاء فاذا فعل صلوٰة الثانية كالاولى فى شرائطها وان لم يذكرها ثم لايستبدلها بثالثة لانه حكم ثبت بالشرط والشرط وجد فى الاولى لاالثانية (درمختار على هامش الشامى صـ ۳۸۷، ۳۸۸ جـ ۳)

اسی طرح اپنے لئے استبدال کا اختیار شرط کر کے کسی کو بدلنے کا وکیل کرلیا تو جائز ہے اس وکیل کو واقف کی طرف سے جائداد کو بدلنے کا حق حاصل ہوگا۔[1]

موقوفہ زمین بیچ کر اسی رقم سے دوسری زمین خریدنا

کسی نے اپنی زمین مسجد کیلئے وقف کی پھر اس زمین کو بیچ کر اسی رقم سے دوسری جگہ زمین خریدی تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر واقف نے وقف کرتے وقت استبدال کی شرط نہیں لگائی تھی تو وقف مکمل ہونے کے بعد اس کا بیچنا کسی کیلئے جائز نہیں اور دوسری زمین خود واقف نے خرید کر وقف کیا تو دوسری زمین بھی وقف ہو جائے گی اور دونوں زمین موقوفہ کہلائے گی اور اگر واقف نے استبدال کی شرط لگا دی تھی، تو پہلی زمین بیچ کر دوسری زمین وقف کرنا درست ہوگا۔[2]

واقف کا شرائط وقف میں ردوبدل کرنا

وقف کرنے کے بعد موقوف چیز میں شرائط کا اضافہ اس شرط کے ساتھ کرسکتا ہے جب کہ وقف کرتے وقت شرط میں اضافہ کا حق باقی رکھا ہو اگر باقی نہیں رکھا تھا تو ردوبدل نہیں کرسکتا۔[3]

واقف کے شرائط کی حیثیت

واقف وقف میں جو شرائط لگائے اس کی حیثیت نص جیسی ہے اس لئے وقف سے استفادہ اور وقف کے انتظامات واقف کی شرطوں کے مطابق انجام پائیں گے لیکن

---

[1] ولو وکل وکیلا فی حیاته صح ولو شرطه لکل متولی صح وملکه کل متولی (بحر الرائق ص ۲۲۲ ج ۵)

[2] مستفاد نظام الفتاویٰ ص ۱۶۷ ج ۱)

[3] مستفاد فتاوی محمودیه ص ۳۰۷ ج ۵)

قاضی مصالح کے پیش نظر وقف کے انتظامات اور اس کے مصارف میں ایسی تبدیلی لاسکتا ہے جس سے مقاصد وقف فوت نہ ہوں [۱]

وقف مکمل ہونے کے بعد منسوخ نہیں ہوگا

وقف جب اپنے تمام شرائط وارکان کے ساتھ مکمل ہوگیا تو اس کو پھر واقف یا کوئی اور منسوخ نہیں کرسکتا [۲]

سخت مجبوری کی بناء پر ارض موقوفہ کی بیع درست ہے

مسجد کی ایک زمین کسی کاشت کار کے قبضہ میں تھی آزادی کے بعد سرکاری قانون یہ نکلا کہ کوئی زمین پر اپنا قبضہ اور کھیتی کرنے کو ثابت کردے تو زمین اس کو مل جائے گی، چنانچہ اس قانون کی وجہ سے کاشت کار نے سرکاری کاغذات مضبوط کرکے اس موقوفہ زمین پر قبضہ کرلینا چاہا، متولی مسجد کو اس کا علم ہونے پر کاشت کار کو کچھ رشوت وغیرہ دیکر اس کے قبضہ سے نکالنے کیلئے اراضی موقوفہ کو پلاٹ در پلاٹ کرکے فروخت کرنا شروع کیا تو شرعا اس کا فروخت کرنا جائز ہوگیا، کیونکہ موقوفہ جائداد کی بیع اس وقت جائز ہوتی ہے جب شی موقوفہ بالکل ضائع ہونے لگے، یا بالکل ناقابل انتفاع ہو جائے اور یہاں ضیاع کا خطرہ لاحق تھا اسلئے اس کی بیع درست قرار پائی [۳]

ع[۱] شرط الواقف کنص الشارع وھی احدی المسائل السبع التی یخالف فیھا شرط الواقف کما بسطہ فی الاشباہ وزاد ابن المصنف فی زواھرہ لـامنۃ وھی اذا نص الواقف ورأی الحاکم ضم مشارف جاز کالوصی وعزاھا لانفع الوسائل (درمختار علی ھامش شامی صـ۵۸۷ تا ۵۸۸ جـ۶)

ع[۲] فاذاتم ولزم لایملک ولایماک ولایعار ولایرھن فبطل شرط واقف الکتب الرھن (درمختار علی ھامش شامی صـ۵۳۹ جـ۶)

ع[۳] نظام الفتاوی صـ۱۵۹ جـ۱)

مرض الوفات میں وقف کرنے کا حکم

مرض الموت کا وقف حالت صحت کے وقف کے مانند ہے لہذا اس کو منسوخ نہیں کیا جا سکتا ہے مگر وصیت کی طرح ثلث ترکہ میں وقف نافذ ہوگا جس طرح ھبہ میں ہوتا ہے پس اگر کسی نے اپنے مرض الوفات میں اپنا کوئی گھر یا کوئی جائداد وقف کیا تو جائز ہے جبکہ مذکورہ اشیاء موقوفہ اس کے تہائی ترکہ سے برآمد ہو، اگر تہائی ترکہ سے برآمد نہ ہو مگر وارثوں نے اجازت دیدی تو وقف درست ہو جائے گا اور اگر وارثوں نے اجازت نہیں دی تو جتنے حصے تہائی سے زیادہ ہوں گے اتنے حصہ کا وقف باطل ہو جائے گا اور اگر بعض وارثوں نے اجازت دی ہے اور بعض وارثوں نے اجازت نہیں دی تو جتنے وارثوں نے اجازت دی ہے ان کے تمام حصہ میں وقف جاری ہوگا اور باقی وارثوں نے جو اجازت نہیں دی ہے تو انکے تہائی حصہ میں وقف جاری ہو کر باقی حصے کا وقف باطل ہو جائے گا۔

اگر میت نے کوئی مکان یا جائداد وقف کیا اور موجودہ مال کے تہائی ترکہ سے وقف مکمل نہیں ہو پا رہا تھا کہ میت کا کوئی دوسرا اور مال ظاہر ہوا پھر پہلے اور بعد والے تمام مال کے تہائی ترکہ سے وقف مکمل ہو جاتا ہے تو پورا وقف مذکور نافذ ہوگا۔

اور اگر مال کے ظاہر ہونے سے قبل قاضی نے دو تہائی میں وقف کو باطل کر دیا پھر میت کا ایسا مال ظاہر ہوا کہ پورے مال کے تہائی سے وقف مذکور پورا ہو جاتا ہے تو اگر وہ تہائی مال بقیہ وارثوں کے قبضہ میں موجود ہے تو پورا وقف نافذ ہوگا اور اگر مال ظاہر ہونے سے قبل بعض وارثوں نے اپنا حصہ فروخت کر دیا تو اس کی بیع نہیں توڑی جائیگی لیکن جس قدر اس نے فروخت کیا ہے اس کی قیمت لیکر اس سے دوسری جائداد کو

خرید کر پہلی کی جگہ اسی کو وقف کردی جائے گی۔[1]

مرض الوفات میں وقف کیا اور ساتھ میں کچھ قرض بھی چھوڑا

اگر کسی نے اپنے مرض الوفات میں کوئی جائداد وقف کی اور واقف کی وفات کے بعد معلوم ہوا کہ اس پر کچھ قرض بھی ہے تو اس جائداد موقوف کو اس قرضہ کی ادائیگی کیلئے فروخت کیا جائے گا اور وقف کو ختم کردیا جائے گا۔[2]

اور اگر جائداد موقوف کے فروخت ہونے کے بعد میت کا اتنا مال ظاہر ہوا کہ جس سے میت کا قرضہ ادا ہوتا ہو اور اس کی تہائی سے یہ جائداد وقف برآمد ہوتی ہو تو بھی مذکور بیع نہیں توڑی جائے گی لیکن میت کے مال سے مذکورہ وقف کے لئے بقدر ثمن مال نکال کر اس سے دوسری جائداد خرید کر فقیروں پر صدقہ موقوفہ کردی جائے گی۔[3]

ع[1] فصل فی وقف المریض وماکان فی حالة المرض فحکمه حکم الوقف فی الصحة وان کان یعتبر من الثلث کالهبة فی المرض یعتبر من الثلث الخ مریض وقف دارا فی مرض موته فهوجائز اذاکان یخرج من ثلث ماله وان لم یخرج فاجازت الورثة فکذلک وان لم یجیزوا بطل فیما زاد علی الثلث وان اجازالبعض دون البعض جاز بقدر ما اجازوبطل الباقی الاان یظهر للمیت مال غیر ذلک فینفذالوقف فی الکل فان کان الوارث الذی لم یجز الوقف باع نصیبه قبل ان یظهر للمیت مال آخر لایبطل بیعه ویغرم قیمة ذالک یشتری بذلک ارض وتوقف علی ذلک الوجه(قاضی خاں علی هامش الهندیه صـ ٣١٦ جـ٣)

عـ[2] مریض وقف دارا وعلیه دین محیط بماله فانه یباع الدار وینقض الوقف (فتاویٰ قاضیخاں صـ ٣١٦ جـ٣)

عـ[3] وکذالوباع القاضی الارض فی الدین ثم ظهر (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ورثہ محتاج ہوں تو وقف کرنا گناہ ہے

کسی شخص نے اپنی پوری زندگی میں جائداد سے فائدہ اٹھالیا اور اخیر وقت میں یا مرض الوفات میں اپنی جائداد کو وقف کررہا ہے حالانکہ ورثہ محتاج ہیں تو اس کا وقف کرنا گناہ ہوگا مرض الوفات میں کیا ہے تو ثلث میں وقف نافذ ہوگا ورنہ پورے مال میں وقف نافذ ہوجائے گا۔[1]

مرض الوفات میں وقف کی وصیت

اگر مریض نے وصیت کی کہ اس کے مرنے کے بعد اس کا فلاں مکان یا فلاں جائداد فقراء اور مساکین پر وقف کیا جائے، پس اگر وقف مذکور، اس کے تہائی مال سے برآمد ہوا تو ٹھیک ہے، ورنہ اس کے تہائی مال کے بقدر وقف ہوگا اور اگر وارثوں نے اجازت دیدی تو وقف مذکور پورا وقف قرار دیا جائے گا۔[2]

(بقیہ گذشتہ صفحۃ) للمیت مال فیہ وفاء بالدین تخرج الارض من ثلثہ لاینقض البیع ولکن یرفع من مال المیت مقدار ثمن الارض وتشتری بہ ارض اخری وتوقف علی الفقراء کذافی محیط السرخسی (فتاویٰ عالمگیری ص ۴۵۱ ج ۲)

ع[1] مستفاد احسن الفتاویٰ ص ۴۲۲ ج ۶)

ع[2] ولواوصی بان توقف ارضہ بعدموتہ علی فقراء المسلمین فان خرجت من الثلث اولم تخرج ولکن اجازت الورثۃ فانہا توقف کلہا وان لم تجزالورثۃ فمقدار الثلث یوقف (الفتاویٰ عالمگیریہ ص ۴۵۳، ۴۵۴ ج ۳)

مرض الوفات میں وقف کی گئی زمین کے پھل کا حکم

اگر کسی مریض نے اپنے مرض الموت میں وقف کے تمام شرائط کیساتھ اپنی زمین صحیح وقف کی (اور وقف کرتے وقت اسمیں پھل نہیں تھا) بعد میں واقف کے مرنے سے قبل اس زمین میں پھل پیدا ہوگیا تو پھل سمیت وہ زمین وقف قرار پائیگی، اور اگر وقف کرتے وقت اس میں پھل موجود تھا اور حالت مرض الوفات میں اس نے وقف کیا ہے تو یہ پھل واقف کے وارثوں میں بطور میراث تقسیم ہوگا[۱]

قبل الوفات وصیت وقف منسوخ کی جاسکتی ہے

مریض نے مرض الوفات میں وقف کی وصیت کی مگر مرنے سے قبل اس وقف کی وصیت کو اس نے اپنی زندگی ہی میں منسوخ کردیا تو وہ منسوخ ہوجائے گا اور مال وارثوں میں تقسیم ہوگا اور اگر زندگی میں منسوخ نہیں کیا تو اس کی موت کے بعد پورے ترکہ کی ایک تہائی تک وصیت نافذ ہوگی[۲]

متولی مقرر کئے بغیر موقوف علیہم کے براہ راست استفادہ کیلئے وقف

اگر کوئی جائداد وقف کی گئی اور اس کا کوئی متولی مقرر نہیں کیا گیا بلکہ براہ راست

ع۱ ولو وقف الارض فی مرضه وقفا صحيحا وحدثت فيها ثمرة قبل وفاته فان الثمرة تكون وقفا مع الارض ولو كانت فيها ثمرة يوم وقفها وهو مريض فالثمرة ميراث لورثته كذافي المحيط (الفتاویٰ عالمگیریه صـ۴۵۴ جـ۲)

ع۲ والحاصل انه اذا علقه بموته فالصحيح انه وصية لازمة لكن لم يخرج عن ملكه فلايتصور فيه بيع ونحوه بعدموته لما يلزمه من ابطال الوصية وله ان يرجع قبل موته كسائر الوصايا وانما يلزم بعدموته (شامی صـ۴۱۴ جـ۶) دار الکتاب.

موقوف علیہم کو فائدہ اٹھانے کا اختیار دیا گیا تو اس جائداد موقوف کی نگرانی واصلاح اور اس کے وجود وبقاء کی ذمہ داری موقوف علیہم پر ہوگی، اگر شی موقوفہ ضروری تعمیر یا اصلاح کے قابل ہے تو موقوف علیہم اس کی تعمیر اور اصلاح کرائیں اور اگر موقوف علیہم نے اس کی تعمیر اور اصلاح سے انکار کر دیا، یا عاجز ہوگئے تو قاضی کو اختیار ہوگا کہ شی موقوف کو اپنے قبضہ میں لے لے اور تعمیر اور اصلاح کے بعد موقوف علیہم کے حوالہ کر دے۔ [1]

مریض نے اپنی نسل میں ہر اس شخص کے واسطے وقف کیا جو محتاج ہو ورنہ فقیروں کیلئے

اگر کسی شخص نے مرض الوفات میں اپنی جائداد وقف کرتے ہوئے یوں کہا کہ میری یہ زمین صدقہ موقوفہ ہے میری اولاد میں سے ہر اس شخص پر جو محتاج ہو اور میری اولاد و نسل میں سے ہر ایک کو اتنا مال دیا جائے کہ اس کے گذران کیلئے کافی ہو سکے اور اگر

ع[1] ولو كان الموقوف دارا فعمارته على من له السكنى ولو متعددا من ماله ولم يزد في الاصح يعني انما تجب العمارة عليه بقدر الصفة التي وقفها الواقف ولو آبى من له السكنى او عجز لفقره عمر الحاكم الى آجرها الحاكم منه او من غيره وعمرها باجرتها كعمارة الواقف ولم يزد في الاصح الابرضا من له السكنى زيلعي ولايجبر الآبي على العمارة ولاتصح اجارة من له السكنى بل المتولي او القاضي ثم ردها بعد التعمير الى من له السكنى رعاية للحقين (درمختار) قوله ولاتصح اجازة من له السكنى) اى اذالم يكن متوليا ولوزدت على قدرحاجته ولامستحق غيره (شامي ص۵۶۹ تا ۵۷۰ ج۶ دار الكتاب)

میری اولاد میں سے کوئی فقیر نہ ہو تو پورا غلہ فقیروں کے لئے وقف ہے، تو اس صورت میں واقف کی محتاج اولاد کی تعداد کے اعتبار سے غلہ اسی طرح تقسیم ہوگا اور ہر ایک کو اتنا دیا جائیگا کہ جو اس کے پورے گھر والے (یعنی بچے بیوی، خادم، وغیرہ) کیلئے اسراف اور تنگی سے بچتے ہوئے سالانہ کھانے اور کپڑے اور دیگر خرچ میں کافی ہوسکے، اور جو اولاد مالدار ہو اس کو اس موقوفہ اشیاء میں سے نہیں ملے گا۔ ۱

تولیت وقف

اوقاف کی جائداد کی حفاظت اور نگرانی اور ان کے انتظام کے لئے کسی شخص کو منتظم اور متولی بنانا ضروری ہے اس کے بغیر وقف کی جائداد کے ضیاع کا خطرہ ہے۔

متولی اور اس کے حقوق کی وضاحت

متولی اس شخص کو کہتے ہیں جو اشیاء اور جائداد موقوف کی نگرانی اور انتظام کے لئے مقرر کیا جاتا ہے، وہ صرف وقف کی حفاظت و انتظام و آمدنی و خرچہ کا استحقاق رکھتا ہے کوئی مالکانہ حیثیت اسے حاصل نہیں ہوتی، نہ کسی ایسے تصرف کا حق ہوتا ہے جو غرض واقف کے خلاف ہو یا شریعت سے اس کی اجازت نہ ہو، بلکہ ایسے متولی کو جو مالکانہ

ع۱ ولو قال المريض ارضي هذه صدقة موقوفة على من احتاج من ولدي ونسلي يعطى كل واحد مايسع نفقته وان لم يكن في ولده ونسله فقير فالغلة كلها للفقراء فان كان ولده ونسله فقراء قسمت الغلة بينهم على عدد رؤسهم بقدر لكل واحد منهم مايكفيه لنفقته ونفقة ولده وأمرته وخادمه بالمعروف بطعامهم وادامهم وكسوة سنة ...... وان كان فيهم اغنيآء لايعطى من كان غنيا من ولده ونسله شيئا ويقسم بين الفقراء منهم على عدد رؤسهم كذافي الحاوى (الفتاوى عالمگیریه صـ ۴۵۲ جـ ۲)

قبضہ کرے یا غرض واقف کے خلاف کرے یا ناجائز تصرفات کرے، تو تولیت سے معزول اور علیحدہ کیا جاسکتا ہے۔[1]

متولی بننے کے شرائط

(۱) وقف کا متولی مسلمان ہونا چاہئے البتہ ولایت وقف کے صحیح ہونے کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے خدانخواستہ مسلمانوں میں مندرجہ ذیل شرائط نہ پائے جائیں تو غیر مسلم کو بھی عارضی متولی بنایا جاسکتا ہے۔

(۲) متولی کا بالغ ہونا شرط ہے مال موقوف کا متولی بچہ نہیں ہوسکتا، اگر کسی وقف کرنے والے نے یہ شرط کردی ہو کہ اس وقف کی ولایت میری ان اولاد کو حاصل ہوگی جو میرے بعد زندہ رہے اور واقف کا لڑکا نابالغ ہے، تو قاضی اس بچہ کا ایک خلیفہ اس وقت تک کیلئے مقرر کردیگا جب تک کہ وہ بچہ بالغ ہوجائے۔

اسی طرح کسی وقف کرنے والے نے کسی بچہ کو اپنے وقف کا وصی مقرر کیا تو استحساناً اس بچہ کو بھی بلوغ کے بعد ولایت حاصل ہوگی۔

(۳) وقف کے متولی کا عقلمند ہونا شرط ہے، مجنون، پاگل متولی نہیں ہوسکتا۔

(۴) وقف کا متولی وہ شخص ہوگا جس نے ولایت کے واسطے خود درخواست نہ پیش کی ہو۔

(۵) متولی امانت دار ہو خائن متولی نہیں بن سکتا۔

(۶) شرط یہ ہے کہ متولی غیر فاسق ہونا چاہئے (یعنی ایسے گناہ کے کام کرنے والا نہ ہو جس سے مال وقف یا اس کی آمدنی کو خلل پہونچے) اور اگر سابقہ گناہ سے پکی اور سچی توبہ کرلے تو متولی بن سکتا ہے۔

---

[1] (کفایت المفتی ص۱۴۸ ج۷)

(۷) متولی کے اندر انتظام کی صلاحیت ہو بذات خود یا اپنے نائب کے ذریعہ کام کو انجام دینے پر قادر ہو۔ ۱

عورت اور نابینا بھی متولی بن سکتا ہے

مال وقف کے متولی ہونے کے لئے مرد اور بینا (آنکھ والا) ہونا شرط نہیں ہے

۱ وینزع وجوبا بزازیة لو الواقف درر فغیر بالاولی غیر مأمون او عاجزا و ظهر به فسق کشرب خمر ونحوه فتح او کان یصرف ماله فی الکیمیاء نهر وان شرط علم نزعه اوان لاینزعه قاض ولاسلطان لمخالفته لحکم الشرع فیبطل کالوصی فلو مامونا لم تصح تولیة غیره اشباه (درمختار) قوله غیر مأمون الخ)قال فی الاسعاف ولایولی الاامین قادر بنفسه او بنائبه لان الولایة مقیدة بشرط النظر ولیس من النظر تولیة الخائن لانه یخل بالمقصود وکذاتولیه العاجز لان المقصود لایحصل به وکذاالمحدود فی القذف اذاتاب لانه امین وقالو من طلب التولیة علی وقف لایعطی له وهو کمن طلب القضاء لایقلد والظاهرانها شرائط الاولویة لاشرائط الصحة وان الناظراذافسق استحق العزل ولاینعزل کالقاضی اذافسق لاینعزل علی الصحیح المفتی به ویشترط للصحة بلوغه وعقله لاحریته واسلامه لما فی الاسعاف الخ وفی انفع الوسائل عن وقف هلال لوقال ولایتها الی ولدی وفیهم الصغیر والکبیر یدخل القاضی مکان الصغیر رجلا وان شاء اقام الکبار مقامه ثم نقل عنه مامرعن الاسعاف بهذه النقول صریحة بان الصبی لایصلح ناظرا وأما ما فی الاشباه فی احکام الصبیان من ان الصبی یصلح وصیا وناظرا ویقیم القاضی مکانه بالغا الی بلوغه کما فی منظومة ابن وهبان من الوصایا(شامی ص۵۷۸ تا ۵۸۰ ج۶ دار الکتاب)

عورت اور نابینا شخص کے اندر وقف کے انتظام کی صلاحیت موجود ہو تو ان کو بھی متولی بنایا جاسکتا ہے۔[۱]

البتہ متولیہ عورت اپنی نسائیت کی وجہ سے اور نابینا اپنی نگاہ نہ ہونے کی وجہ سے فرائض تولیت کو انجام نہیں دے سکتے، لہذا وہ کسی کو اپنا نائب مقرر کر سکتے ہیں۔[۲]

متولی مقرر کرنے کا اختیار کس کو ہے

(۱) متولی مقرر کرنے کا حق اولاً وقف کرنے والے کو ہے

(۲) اگر واقف نہیں ہے تو اس کے بعد واقف کے وصی کو جس کو وقف کرنے والے نے اپنی زندگی میں اس طرح شرط لگادی ہو، کہ ہر وہ شخص میری زندگی میں اور میرے مرنے کے بعد، میرے مال موقوفہ کا متولی رہے گا تو واقف کی زندگی میں ہر شخص واقف کا وکیل رہے گا اور اس کے مرنے کے بعد وصی کہلائے گا۔

(۳) اگر وصی بھی باقی نہ رہا یا وقف کنندہ نے کسی کو وصی مقرر ہی نہیں کیا تھا تو تیسرے درجے میں وقف سے فائدہ اٹھانے والے کو متولی مقرر کرنے کا حق ہے

(۴) چوتھے درجے میں متولی مقرر کرنے کا حق محلہ وشہر کے ان معاملہ فہم دیندار صالح اور مدقق لوگوں کو ہے جہاں جائداد موقوف ہے۔

(۵) پانچویں درجے میں متولی مقرر کرنے کا حق قاضی شرعی کو ہے۔[۳]

ع[۱] ویستوی فیہ الذکر والانثی و کذا الاعمی والبصیر و کذا المحدود فی القذف اذاتاب لانہ امین (الفتاوی الشامی صـ۵۷۸ تا ۵۷۹ جـ۲)

ع[۲] جامع الاحکام صـ ۲۲۹ جـ۲)

ع[۳] ولایۃ نصب القیم الی الواقف ثم لوصیہ لقیامہ مقامہ ثم اذا مات المشروط لہ بعد موت الواقف ولم یوص لاحد فولایۃ النصب للقاضی (بقیہ اگلے صفحہ پر)

متولی بننے کا اولاً حق کس کو ہے

وقف کرتے وقت وقف کنندہ نے اپنے لئے تولیت کی شرط کرلی کہ اس کا متولی میں ہوں گا، تو ظاہر ہے کہ واقف ہی متولی ہوگا اگر مطلقاً وقف کیا اور کسی کیلئے تولیت کی صراحت نہیں کی ہے تو اس وقت بھی تولیت کا اولین حق واقف ہی کو ہے۔

اگر واقف وفات پا جائے اور کسی کو متولی نامزد نہیں کیا ہے، تو اس کی تولیت کا اختیار وصی کو حاصل ہے وصی چاہے تو خود جائداد موقوفہ کا انتظام سنبھالے یا کسی کو متولی نامزد کردے اگر وصی بھی نہیں ہے تو پھر اوپر جن کو متولی بنانے کا اختیار دیا تھا۔

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ) اذلاولایۃ لمستحق الابتولیت کمامر(درمختار) قولہ ولایۃ نصب القیم الی الواقف) قال فی البحر قدمنا ان الولایۃ للواقف ثابتۃ مدۃ حیاتہ وان لم یشترطھا وان لہ عزل المتولی وان من ولاہ لایکون لہ النظر بعد موتہ ای موت الواقف الابالشرط علی قول ابی یوسف ثم ذکر عن التتارخانیہ ماحاصلہ ان اھل المسجد لواتفقوا علی نصب رجل متولیا لمصالح المسجد فعندالمتقدمین یصح ولکن الافضل کونہ باذن القاضی ثم اتفق المتاخرون ان الافضل ان لایعلموا القاضی فی زماننا لماعرف من طمع القضاۃ فی اموال الاوقاف وکذالک اذاکان الواقف علی ارباب معلومین یحصی عددھم اذانصبوامتولیا وھم من اھل الصلاح اھ. قلت ذکروا مثل ھذافی وصی الیتیم وانہ لوتصرف فی مالہ احدمن اھل السکۃ من بیع اوشراء جاز فی زماننا للضرورۃ وفی الخانیۃ انہ استحسانا وبہ یفتی واما ولایۃ نصب الامام والمؤذن فسیذکرھا المصنف (قولہ ثم لوصیۃ) فلونصب الواقف عند موتہ وصیا ولم یذکر من امرالوقف شیئا تکون ولایۃ الوقف الی الوصی بحر(فتاوی شامی صـ۶۳۳ تا ۶۳۴ جـ۲ دارالکتاب)

وہ ہیں جس کو مناسب سمجھے متولی مقرر کرے مذکورہ ترتیب پر یعنی وصی کے نہ ہونے کی صورت میں جائداد موقوفہ سے فائدہ اٹھانے والا متولی مقرر کرلے، یا محلّہ والے یا پھر قاضی یا حاکم [۱]

وقف کا متولی امین ہو

وقف کی تولیت کا اولین حق واقف کو ہے مگر اس کا امانت دار ہونا ضروری ہے لہذا اگر واقف نے تولیت کی شرط اپنے لئے کی مگر وقف کے حق میں وہ امانت دار نہیں سمجھا جاتا ہے تو قاضی کو اختیار ہوگا کہ وقف کے جائداد کو اس کے قبضہ سے نکال کر کسی امانت دار کو متولی مقرر کرے [۲]

اسی طرح اگر وقف کرنے والے نے اپنے واسطے ولایت شرط کی اور یہ بھی شرط لگادی کہ قاضی کو اس کے معزول کرنے کا اختیار نہیں ہوگا، پس اگر واقف ولایت وقف کے واسطے امانتدار نہ ہو تو یہ شرط باطل ہوگی، اور قاضی کو اختیار ہوگا کہ اس کو معزول کرکے دوسرے کو متولی مقرر کردے [۳]

ع[۱] جعل الواقف الولاية لنفسه جاز بالاجماع وكذا لولم يشترط لاحد فالولاية له عند الثاني وهو ظاهر المذهب نهر خلافالما نقله المصنف ثم لوصيه ان كان والافللحاكم فتاوى ابن نجيم وقارى الهداية وسيجىء درمختار (قوله وسيجىء) اى فى الفصل الآتى وهو قول المتن" ولاية نصب القيم الى الواقف ثم لوصيه ثم للقاضى" (شامى صـ۵۷۷ جـ۲)

ع[۲] ولو ان الواقف شرط ولايته لنفسه وكان الواقف غير مامون على الواقف فللقاضى ان ينزعها من يده نظر اللفقراء (هدايه صـ۶۴۲ جـ۲)

ع[۳] ولوان الواقف شرط الولاية لنفسه وشرط ان ليس لسلطان اوقاضى عزله فان لم يكن هومامونا فى ولاية وقف كان الشرط باطلا وللقاضى ان يعزله ويولى غيره كذافى فتاوىٰ قاضيخان (الفتاوى عالمگيريه صـ۴۰۹ جـ۲)

متولی کن صفات کا ہونا چاہئے اس سلسلے میں، واقف کے منشاء کی رعایت کی جائے

جس طرح متولی کی شخصیت کے انتخاب اور متولی کی تعیین کے سلسلے میں واقف کے منشاء کی رعایت کی جاتی ہے اسی طرح متولی کے اوصاف کے متعلق بھی واقف کے منشاء کی رعایت کی جائے گی، جیسے واقف نے کہا کہ میری اولاد میں سے جو سب سے افضل ہوگا وہ متولی ہوگا تو قاضی اس کی اولاد میں سے افضل ترین شخص کا تولیت کیلئے انتخاب کرے گا۔[۱]

واقف کے مقرر کردہ نااہل اور خائن متولی کو قاضی معزول کرسکتا ہے

واقف نے ایسا متولی مقرر کیا جو نااہل ہے یا خائن ہے یا گناہ کبیرہ کا مرتکب اور فاسق ہے تو قاضی پر لازم ہے کہ اس کو معزول کر کے دوسرا لائق متولی مقرر کرے۔[۲]

ع[۱] قوله ولاية نصب القيم الى الواقف) قال في البحر قدمنا ان الولاية للواقف ثابتة مدة حياته وان لم يشترطها (شامي صـ۶۳۳ جـ۶) دار الكتاب۔ ولو قال الواقف ولاية هذا الوقف الى الافضل فالافضل من ولدى وابى الافضل القبول في الاستحسان الولاية لمن يليه في الفضل لان اباء الافضل بمنزلة موته كذافي المحيط (الفتاوى عالمگيريه صـ۴۱۱ جـ۲)

ع[۲] وينزع وجوبا بزازيه لو الواقف درر فغيره بالاولى غير مامون او عاجز او ظهر به فسق كثير كشرب خمر ونحوه فتح او كان يصرف ماله في الكيمياء نهر بحثا وان شرط عدم نزعه (درمختار) (قوله الواقف) اى لو كان المتولي هو الواقف (قوله فغيره بالاولى) قال في البحر واستفيد منه ان للقاضي عزل المتولي الخائن غير الواقف بالاولى (شامي صـ۵۷۸ جـ۶)

بغیر کسی شرعی وجہ کے واقف یا وصی کے مقرر کردہ متولی کو معزول نہیں کیا جا سکتا

وقف کنندہ یا اس کے وصی نے کسی ایسے لائق شخص کو متولی مقرر کیا جس میں تولیت وقف کے تمام شرائط موجود ہیں، اور بعد میں بھی اس کے اندر خیانت اور ظاہر فسق کا ظہور نہ پایا گیا تو بلا وجہ ایسے متولی کو قاضی یا کوئی شخص معزول نہیں کر سکتا ہے[1]

واقف اپنے مقرر کردہ متولی کو بلا کسی سبب کے بھی معزول کر سکتا ہے

وقف کنندہ نے اپنی جائداد موقوفہ کا کسی کو متولی مقرر کیا تو اس کو معزول کر سکتا ہے اگر چہ متولی کے اندر اہلیت تولیت موجود ہو۔ اور اس سے خیانت اور ظاہری فسق وغیرہ کا ظہور بھی نہ ہوا ہو کیونکہ واقف کی طرف سے یہ متولی اصل میں اس کا وکیل ہے البتہ قاضی نے کسی مصلحت کی وجہ سے اپنے حکم کے ذریعہ اس کی تولیت کو برقرار رکھا تو پھر واقف اپنے مقرر کردہ متولی کو معزول نہیں کر سکتا ہے[2]

ع[1] فلو مامون لم تصح تولية غيره اشباه (درمختار) اذا كان للوقف متول من جهة الواقف او من جهة غيره من القضاة لايملك القاضي نصب متول آخر بلاسبب موجب لذلك وهو ظهور خيانة الأول اوشيء اخر (شامی ص ۵۸۰ تا ۵۸۱ ج۔۶ دار لکتاب)

ع[2] وفيها للواقف عزل الناظر مطلقا به يفتى ولولم يجعل ناظرا فنصب القاضي لم يملك الواقف اخراجه (درمختار) (قوله وفيها) اى في الاشباه (قوله للواقف عزل الناظر مطلقا) اى سواء كان بجنحة اولا و سواء كان شرط له العزل اولاوهذا عند ابي يوسف لانه وكيل عنه الخ وذكر البيرى ان منصوب الواقف كذالك اذاقضى القاضي بقوامته لايملك الواقف اخراجه وعزاه للاجناس (الفتاوى شامى ص ۔ ۶۴۱ تا ۶۴۲ ج۔۶)

کسی قاضی کے مقرر کردہ متولی کو بعد والا قاضی معزول نہیں کرسکتا

قاضی نے مال وقف پر کسی کو متولی مقرر کیا اور قاضی مر گیا یا اس کو معزول کر دیا گیا تو جس کو وقف پر متولی مقرر کیا تھا وہ اپنے حال پر متولی رہے گا بعد میں آنے والا قاضی بلا کسی سبب کے اس متولی کو معزول کر کے دوسرا متولی مقرر نہیں کرسکتا۔[1]

موقوفہ جائداد کے وصی کیلئے حدود اور دائرہ کار

(۱) وقف کرنے والا کسی شخص کو خاص کر جائداد وقف کا وصی کر گیا تو یہ شخص اس کے جملہ اموال کا وصی ہوگا۔[2]

واقف کی جانب سے موقوفہ جائداد اور اولاد کا وصی اور اس کا حکم

(۲) اسی طرح ایک شخص کو خاص کر وقف کے واسطے وصی کیا اور دوسرے شخص کو اپنی اولاد کے واسطے وصی کیا یا ایک کو ایک وقف خاص کا وصی کیا اور دوسرے کو دوسرے وقف معین کا وصی کیا تو دونوں ان دونوں چیزوں کے واسطے وصی قرار پائیں گے۔[3]

ع[1] لومات القاضی او عزل یبقی منه نصبه علی حاله کذا فی القنیه (الفتاوی عالمگیریه صـ۴۱۲ جـ۳) وفی مجموع النوازل المتولی من جهة القاضی اذا امتنع من العمل فی ذلک بنفسه ولم یرفع الامر الی القاضی لیعزله ویقیم غیره مقامه هل یخرج عن کونه متولیا (الفتاوی الهندیه صـ۴۲۷ جـ۲)

ع[2] لو اوصی الیه فی الوقف خاصة فهو وصی فی الاشیاء کلها فی قول ابی حنیفة وابی یوسف رحمة الله تعالیٰ فی ظاهر الروایة وهو الصحیح کذا فی الغیاثیة (الفتاوی الهندیه صـ۴۰۹ جـ۲)

ع[3] وعلی هذالو اوصی الی رجل فی الوقف واوصی الی اخر فی ولده اوصی الی رجل فی وقف بعینه واوصی الی آخر فی وقف آخر بعینه کانا وصیین فیهما جمیعا کذالک فی الذخیرة (الفتاوی الهندیه صـ۴۰۹ جـ۲)

وصی متولی کے ساتھ شریک رہے گا مگر دو الگ الگ متولی ایک دوسرے کے شریک نہیں ہوں گے

اگر کسی واقف نے اپنے وقف کی ولایت کسی شخص کے واسطے کردی اور پھر دوسرے شخص کو وصی مقرر کیا تو وصی وقف کے معاملے میں متولی کے شریک ہوگا،

لیکن اگر اس نے اس طور سے کہا کہ میں نے اپنی فلاں زمین فلاں شخص (مثلا میرے گھر سے پورب کی زمین زید پر) وقف کرکے اس کا متولی فلاں (خالد) کو مقرر کردیا اور دوسرے فلاں (عمرو) کو میں نے اپنے اموال ترکہ اور جمیع امور کے واسطے وصی مقرر کیا تو اس صورت میں دونوں (خالد اور عمرو) میں سے ہر ایک فقط اسی چیز کا تنہا متولی ہوگا جو اس کو سپرد کی گئی ہے[۱]

اور اگر کسی شخص نے کہا میں نے فلاں (زید) کو وصی کیا اور پھر وصیت سے رجوع کیا تو وقف کا بھی متولی یہی زید ہوگا یہ صورت جائز ہے (تو زید کے علاوہ جو شخص) متولی تھا وہ متولی ہونے سے خارج ہوجائے گا[۲]

ع[۱] لو جعل ولاية وقفه لرجل ثم جعل رجلا آخر وصيا يكون شريكا للمتولي في امر الوقف الاان يقول وقفت ارضى على كذاو كذا وجعلت ولايتها لفلان وجعلت فلانا وصيا في تركاتي وجميع اموري فحينئذ يتفرد كل منهما بما فوض اليه كذا في البحر الرائق ناقلا عن الاسعاف (الفتاوى الهنديه صـ ۴۱۰ جـ ۲)

ع[۲] واذا قال اوصيت الى فلان ورجعت عن كل وصية لى كانت ولاية الوقف اليه وخرج المتولي من ان يكون متوليا (الفتاوى الهنديه صـ ۴۱۰ جـ ۲)

(۳) اگر کسی نے اپنی وقف کی جائداد اور اس کی ولایت اپنی زندگی اور بعد وفات کے ایک شخص کو دی پھر اپنی وفات کے وقت اس نے ایک اور شخص کو وصی مقرر کیا تو وصی مذکور متولی کے ساتھ امر وقف میں شریک ہوگا گویا اس نے ان دونوں کو وقف کا متولی مقرر کیا ہے۔[۱]

دو علاحدہ موقوفہ جائداد کے دو متولی کا دائرہ کار

(۴) کسی وقف کرنے والے کی وقف کی جائداد دو ہیں، اور دونوں کے لئے الگ الگ دو شخص کو متولی مقرر کیا تو ان میں سے کوئی متولی دوسرے کے ساتھ شریک نہیں ہوگا۔[۲]

واقف یکے بعد دیگرے متولیوں کی ترتیب قائم کرسکتا ہے

(۵) وقف کرنے والے نے شرط لگادی کہ میرے مرنے کے بعد میری جائداد موقوفہ کا فلاں متولی ہوگا پھر اس کے بعد فلاں ہوگا پھر اس کے بعد فلاں ہوگا تو یہ شرط جائز ہے اس ترتیب سے متولی ہوتا رہے گا۔[۳]

ع[۱] ولو وقف ارضہ وجعل ولایتھا الی رجل حال حیاتہ وبعد وفاتہ فلما حضرتہ الوفاۃ اوصی الی رجل الی رجل ذکر هلال عن محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ ان الوصی یشارک القیم فی امر الواقف کانہ جعل ولایۃ الوقف الیھما کذافی المحیط (الفتاوی الھندیہ ۴۰۹، ۴۱۰ جـ۲)

ع[۲] ولو وقف ارضین وجعل لکل متولیا لایشارک احدھما الاخر (الفتاوی الھندیہ صـ ۴۱۰ جـ۲)

ع[۳] وان شرط ان یلیہ فلان بعد موتی ثم بعدہ یلیہ فلان ثم بعدہ یلیہ فلان فھذا الشرط جائز کذا فی المحیط السرخسی (بقیہ اگلے صفحہ پر)

دو متولی یا دو وصی کے تصرف کا حکم

(۶) وقف کنندہ نے دو شخصوں کو متولی بنایا، یا وصی اور متولی دونوں کے اختیار میں وقف کی ولایت ہوگئی تو ان دونوں میں سے فقط ایک کو جائداد وقف میں تنہا تصرف کرنے اور غلۂ وقف کو فروخت کرنے کا اختیار نہ ہوگا، اور اگر دونوں میں سے کسی ایک نے غلۂ وقف فروخت کیا اور دوسرے نے اجازت دیدی یا ایک نے دوسرے کو اپنی طرف سے اس کا وکیل بنادیا تو بیع جائز ہوجائے گی ورنہ نہیں ہے[1]

واقف نے متولی بناتے وقت شرط کردی کہ وہ کسی کو وصی مقرر نہ کریگا

(۷) وقف کنندہ نے ایک شخص کو متولی مقرر کیا اور اس پر یہ شرط کرلی کہ اس کو یہ اختیار نہیں ہے کہ دوسرے کو اپنی طرف سے وصی مقرر کرے تو یہ شرط جائز ہے لہذا متولی مذکور کسی کو اپنا وصی مقرر نہیں کرسکتا ہے[2]

(گزشتہ صفحہ کا بقیہ)(الفتاوی الهندیه صـ ۴۱۰ جـ ۲) اذاشرط الواقف ولاية هذه الصدقة الى عبدالله ومن بعد عبدالله الى زيد فمات عبدالله واوصى الى رجل ان يكون الوصى ولاية مع زيد قال لايجوز له ولاية مع زيد (الفتاوى، الشامى صـ ۶۴۰ جـ ۲)

ع[1] واذاجعل الواقف الولاية الى اثنين اوصارت الولاية الى الوصى والمتولى لم يكن لاحدهما بيع غلة الوقف وينبغي على قول ابى حنيفة رحمة الله عليه تعالى ان يكون له ذلك فان باع احدهما واجاز الاخر اووكل احدهما صاحبه به جاز وكذافى الحاوى (الفتاوى الهنديه جـ ۴۱۰ جـ ۲)

ع[2] وان اوصى الى رجل فى وقفه واشترط عليه انه ليس له ان يوصى الى غيره جاز الشرط كذا فى الظهيريه (الفتاوى الهنديه صـ ۴۱۰ جـ ۲)

دو مقرر کردہ وصی میں سے ایک نے مرتے وقت ایک جماعت کو وصی کیا

وقف کرنے والے نے دو شخص کو وصی مقرر کیا تھا مگر ان میں سے ایک وصی مر گیا مگر مرنے سے قبل اس نے ایک جماعت کو وصی مقرر کر دیا تو ان میں سے کوئی تنہا تصرف کا مختار نہیں ہوگا اور نصف غلہ اس جماعت کے قبضہ میں رہے گا جو فوت شدہ وصی کے قائم مقام ہے۔[1]

واقف اور متولی کی تولیت اور وصیت دم آخر میں اور تصرف

اگر وقف کرنے والے نے کہا کہ میری موت کے بعد فلاں فلاں دو شخص اس کے متولی ہیں پھر دونوں میں سے ایک مر گیا مگر مرتے وقت دوسرے متولی کو اپنی طرف سے امر وقف کا وصی نامزد کر گیا تو زندہ متولی کا تصرف دونوں کی طرف سے تمام وقف میں جائز ہوگا۔[2]

واقف دو آدمیوں کو اپنا وصی مقرر کر گیا پھر ان میں سے ایک نے قبول کیا اور دوسرے نے تولیت سے انکار کر دیا تو قاضی منکر کی جگہ کسی دوسرے شخص کو متولی بنا دے گا تاکہ واقف کی منشاء کے مطابق دو شخص کی رائے سے وقف کا انتظام انجام پائے اور اگر قاضی نے تمام ولایت اسی متولی کو جس نے قبول کیا ہے دیدی تو جائز ہے۔[3]

ع[1] وان مات احد الوصیین واوصی الی جماعة لم یتفرد واحد بالتصرف ویجعل نصف الغلة فی ید الجماعه الذین قاموا مقام الوصی لها کذافی الحاوی (الفتاوی الهندیه صـ ۴۱۰ جـ ۲)

ع[2] ولو ان الواقف جعل ولایة الوقف الی رجلین بعد موته ثم ان احد الرجلین اوصی الی صاحبه فی امر الوقف ومات جاز تصرف الحی منهما فی جمیع الوقف کذا فی فتاوی قاضیخان (الفتاوی الهندیه صـ ۴۱۰ جـ ۲)

ع[3] ولو اوصی الی رجلین فقبل احدهما وابی الاخر فالقاضی یقیم مکانه لرجل آخر حتی یجتمع رای الرجلین کماقصد الواقف ولو فوض القاضی الولایة تمامها الی هذا الذی قبل جاز وهذا یجب ان یکون بلا اخلاف کذافی الظهیریة (الفتاوی الهندیه ۴۱۰ جـ ۲)

واقف نے ایک مرد اور ایک بچہ کو وصی مقرر کیا

اگر وقف کنندہ نے ایک مرد اور ایک نابالغ بچہ کو وصی مقرر کیا تو قاضی اس بچہ کی جگہ کسی دوسرے مرد کو متولی مقرر کرے گا۔[1]

واقف کا اپنی اولاد کو متولی بنانے کی مختلف صورتیں

اگر وقف کنندہ نے اصل وقف میں اپنے اور اپنی اولاد کے واسطے ولایت شرط کردی تو یہ بالاجماع جائز ہے اولاد کے لئے تولیت شرط لگانے کی مختلف صورتیں ہیں۔

واقف نے شرط لگائی کہ میری اولاد میں سے جو افضل ہو وہ متولی ہوگا

(۱) وقف کرنے والے نے ولایت وقف کی شرط، اس شرط پر کی کہ اولاد میں سے جو افضل ہو وہ متولی ہوگا پھر اس کے بعد جو افضل ہو وہ متولی ہوگا، تو اس ترتیب سے وقف کی ولایت واقف کی اولاد میں سے افضل ہی کو ہوگی پھر اگر افضل مذکور بعد میں فاسق ہوگیا تو ولایت اس شخص کو ہوگی جو فضیلت میں اس کے مثل بالترتیب قریب ہے پھر اگر افضل مذکور بعد میں فاسق ہوگیا تو ولایت اس شخص کو ہوگی جو فضیلت میں اس کے مثل بالترتیب قریب ہے پھر اگر افضل نے فسق چھوڑ کر توبہ کرلی اور دوسرے کی نسبت اعدل و افضل ہوگیا تو ولایت وقف اس کی طرف منتقل ہوجائے گی۔[2]

ع[1] ولو اوصی الی رجل وصبی اقام القاضی بدل الصبی رجلا کذا فی الحاوی (الفتاوی الهندیه ۴۱۰ صـ۲)

ع[2] لو شرط الولایة لولده علی ان یلیها الافضل فالافضل من ولده تکون الولایة الی افضل اولاده فان صار افضلهم فاسقافالولایة ممن یلیه فی الفضل فان ترک الافضل الفسق وصار اعدل وافضل من الثانی فالولایة تنتقل الیه فی ظاهرالروایة کذا فی محیط السرخسی (الفتاوی الهندیه صـ ۴۱۱ جـ۲)

واقف کی تمام اولاد افضلیت میں برابر ہو تو بڑا متولی ہوگا

(۴) وقف کرنے والے ولایت وقف اپنی افضل اولاد کے واسطے قرار دی اور تمام اولاد فضیلت میں برابر ہے تو ولایت اس شخص کو حاصل ہوگی جوان میں سب سے بڑا ہو خواہ مذکر ہو یا مؤنث اور اگر ان سب میں کوئی ولایت کے لائق نہیں ہے تو قاضی کسی اجنبی کو متولی مقرر کردے گا یہاں تک کہ ان میں سے کوئی اس کے لائق ہو جائے تو اس کو واپس کردے گا۔[۲]

واقف کی مؤنث اولاد بھی تولیت کی مستحق ہے

اگر وقف کرنے والے نے ولایت وقف اپنی اولاد میں سے دو آمیوں کے واسطے قرار دی، حالانکہ ان میں سے ایک مذکر اور ایک مؤنث دونوں لائق ولایت ہیں تو مؤنث اس کے ساتھ ولایت میں شریک ہوگی، کیونکہ فرزند کا اطلاق لڑکی پر بھی ہوتا ہے اور اگر واقف نے صراحت کردی کہ ولایت میری اولاد میں سے دو مذکر کو ہے تو ایسی صورت میں لڑکی کا کچھ حق نہیں ہے۔[۱]

فضیلت میں مساوات کی صورت میں واقف کی تجربہ کار اولاد مستحق تولیت ہے

واقف نے ولایت وقف کیلئے افضل ترین اولاد کے واسطے شرط کی اور ان اولاد

---

[۲] ولو جعل الولایۃ لافضل اولادہ و کانوا فی الفضل سواء تکون لاکبرھم سنا ذکرا کان او انثی ولو لم یکن فیھم احد اھلا لھا فالقاضی یقیم اجنبیا الی ان یصیر احد منھم اھلا لھا فترد الیہ (الفتاوی الھندیہ صـ ۴۱۱ جـ ۲)

[۱] ولو جعلھا لاثنین من اولادہ وکان منھم ذکر وانثی صالحان للولایۃ تشارک فیھا لصدق الولد علیھا ایضا بخلاف مالو قال لرجلین من اولادی فانہ لاحق لھا حینئذ کذا فی البحر الرائق (الفتاوی الھندیہ صـ ۴۱۱ جـ ۲)

میں سے دو باقی اولاد سے افضل ہیں اور افضلیت میں دونوں برابر ہیں تو ان میں سے جو شخص وقف کے معاملہ میں زیادہ تجربہ کار اور دانا ہو، وہی متولی ہوگا اور اگر ان دونوں میں سے ایک پرہیزگاری اور صلاحیت میں زیادہ ہو، اور دوسرا امور وقف میں زیادہ تجربہ کار ہو اور دانا ہو تو دانا ہی ولایت کا مستحق ہوگا بشرطیکہ اس کی جانب سے امن حاصل ہو۔[۲]

واقف کے نابالغ اور قاضی کے بالغ وصی مقرر کرنے کا حکم

واقف نے اپنے نابالغ لڑکے کو وصی مقرر کیا پھر اس پر قاضی نے ایک بالغ مرد کو وصی مقرر کیا تو جب یہ لڑکا بالغ ہو جائے تو اس کو اختیار نہیں ہوگا کہ وصی کو بغیر قاضی کے حکم کے خارج کر دے قاضی کے حکم سے خارج کر سکتا ہے۔[۳]

ولایت وقف کو معلق کرنے کا حکم

کسی نے کہا کہ میرے اس وقف کا ولی اس وقت تک عبداللہ رہے گا جب تک زید نہ آجائے تو جب تک زید نہ آجائے عبداللہ ولی رہے گا زید کے آنے کے بعد حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دونوں متولی ہوں گے۔

ع[۲] ولو ولی القاضی افضلھم ثم صار فی ولدہ من ھو افضل منہ فالولایۃ الیہ و اذا استوی الاثنان فی الصلاح فالاعلم بامر الوقف اولی ولو کان احدھما اکثر ورعا و صلاحا والآخر اعلم بامور الوقف فالاعلم اولی بعد ان یکون بحال تؤمن خیانتہ کذا فی الذخیرۃ فی الحاوی (الفتاوی الھندیہ صفحہ ۴۱۱ جلد ۲)

ع[۳] اذا اوصی الی ابنہ الصغیر جعل القاضی لہ وصیا فاذا بلغ لم یکن لہ ان یخرج الوصی الا بامر القاضی کذا فی التتارخانیہ (الفتاوی الھندیہ ص ۴۱۱ ج ۲)

اگر یوں کہا کہ پھر جب زید آجائے تو ولایت وقف صرف اسی کو ہوگی تو اس صورت میں زید کے آنے کے بعد ولایت وقف عبداللہ سے منقطع ہوجائے گی اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ پہلی صورت میں بھی ولایت وقف زید کی طرف منتقل ہوگی۔

اور اگر یوں کہا کہ ولایت وقف عبداللہ کے واسطے جب تک وہ بصرہ میں ہے یا ولایت وقف میری بیوی کے واسطے جب تک وہ میرے مرنے کے بعد شادی نہ کرلے تو ان صورتوں میں ولایت وقف شرط پر معلق رہے گی شرط کے ختم ہونے کے پر ولایت ختم ہوجائے گی۔[1]

واقف نے اپنی اولاد کیلئے ولایت شرط کی تو قاضی اس کے خلاف دوسرے کو متولی نہیں بنا سکتا

اگر وقف کنندہ نے یہ شرط لگائی کہ متولی میری اولاد یا اولاد کی اولاد میں سے ہوگا تو قاضی کو اختیار نہیں ہوگا کہ بلاظہور خیانت کسی دوسرے کو متولی بنادے اگر واقف کی اولاد کے علاوہ کسی کو متولی نامزد کردیا تو وہ دوسرا شخص متولی نہیں ہوگا۔[2]

---

[1] ولو جعل الولاية الى عبدالله حتى يقدم زيد فهو كما قال فاذا قدم زيد فكلاهما واليان عند ابي حنيفةؒ كذافي الظهيريه الاان يقول فاذاقدم فلان فالولاية اليه فحينئذ لايكون للحاضر ولاية اذاقدم الغائب وقال ابويوسف وهلالؒ الولاية تنقل الى القادم وزالت ولاية الحاضر كذا في محيط السرخسي ولوقال ولايتها الى عبدالله مادام بالبصره فهو على ماشرط وكذالك لوقال الى امرأتي مالم تتزوج فاذاتزوجت فلاولاية لها (الفتاوى الهنديه ص ۴۱۱ ج ۲)

[2] قال في جامع الفصولين لوشرط الواقف ان يكون المتولي من اولاده واولاداولاده هل للقاضي ان يولي غيره بلاخيانة ولوولاه هل يكون متوليا قال شيخ الاسلام برهان الدين في فوائده لا كذا في النهر الفائق (الفتاوى الهنديه ص ۴۱۲ ج ۲)

قاضی کی وفات وعزل کے بعد بھی اس کا قائم کیا ہوا متولی رہے گا

اور اگر قاضی وفات پا گیا یا معزول کردیا گیا تو جس وقف پر قاضی نے متولی مقرر کیا تھا وہ اپنے حال پر متولی رہے گا کوئی اس کو ہٹا نہیں سکتا۔[۲]

واقف کے گھرانہ میں جب کوئی متولی ہونے کے لائق ہو تو قاضی دوسرے کو متولی نہیں بنا سکتا

واقف نے کسی کو متولی نہیں بنایا مگر اس کے گھرانہ اور خاندان میں سے کوئی شخص متولی وقف ہونے کے لائق موجود ہو تو قاضی کسی اجنبی کو متولی نہیں بنا سکتا اور اگر کوئی لائق موجود نہیں تھا پھر قاضی نے کسی اجنبی کو متولی بنادیا پھر اس کے خاندان میں سے کسی کے اندر اہلیت تولیت پیدا ہوگئی تو اجنبی شخص سے خاندان کے اہل شخص کو ولایت وقف واپس کردی جائے گی۔[۳]

واقف نے اپنی بیوی کے لئے تولیت کی

اگر واقف نے یہ شرط لگادی کہ میری جائداد موقوفہ کی متولیہ میری بیوی ہوگی تو

ع[۲] ولو مات القاضي او عزل يبقى من نصبه على حاله كذافي القنية (الفتاوى الهنديه صـ ۴۱۲ جـ ۲)

ع[۳] ومادام احد يصلح للتولية من اقارب الواقف لايجعل المتولي من الاجانب لانه اشفق ومن قصده نسبة الواقف اليهم (درمختار) قوله مادام احد الخ) المسئلة في كافي الحاكم ونصها ولايجعل القيم فيه من الاجانب ماوجد في ولد الواقف واهل بيته من يصلح لذلک فان لم يجد فيهم من يصلح لذلک فجعله الى اجنبي ثم صار فيهم من يصلح له صرفه اليه (الفتاوى الشامي صـ ۶۳۷ تا ۶۳۸ جـ ۶)

اگر بیوی کے اندر اہلیت موجود ہو تو بیوی متولیہ ہوگی ورنہ قاضی کسی اور کو متولی بنا دے گا۔[1]

بیوی کی تولیت کے لئے معلق شرط لگائی

اگر وقف کرنے والے نے یہ شرط لگا دی کہ میری بیوی کیلئے ولایت وقف ہے جب تک وہ کسی سے نکاح نہ کرلے، اور اگر وہ نکاح کرلے گی تو اس کے واسطے ولایت نہیں ہوگی تو واقف کے قول کے مطابق اس کی بیوی متولیہ ہوگی، اور اگر کسی سے نکاح کرلیا تو پھر وہ واقف کے مال موقوفہ کی متولیہ نہیں بن سکتی ہے۔[2]

واقف کی لڑکی بھی متولی بننے کی مستحق ہے

وقف کنندہ نے اپنی اولاد دراولاد متولی ہونے کی شرط لگادی تو واقف کے لڑکوں کی اولاد کیساتھ لڑکیوں کی اولاد بھی ولایت وقف کی مستحق ہوگی، مگر لڑکوں کی اولاد میں تولیت کے قابل اشخاص موجود ہوں، تو اس کو مقدم رکھنا مناسب ہے لازم اور فرض نہیں ہے، لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کی اولاد میں تولیت وقف کے قابل ہیں تو لڑکیوں کی اولاد کو بھی لڑکوں کی اولاد کیساتھ ٹرسٹ میں شامل کرنا چاہئے ہے۔[3]

---

[1] فتاوی ابن نجیم وفیها سئل عمن شرط السکنی لزوجته فلانه بعد وفاته مادامت عزباء فمات وتزوجت وطلقت هل ینقطع حقها بالتزویج؟ اجاب : نعم (درمختار) الاان یشترط ان من مات زوجها اوطلقها عادحقها (الفتاوی شامی ص۶۷۵ ج۶)

[2] وکذالک لوقال الی امرأتی مالم تتزوج فاذاتزوجت فلاولایة لها (الفتاوی الهندیه ص۴۱۱ ج۲)

[3] کفایت المفتی ص۱۶۸ ج۷)

خاندان کی تولیت کی شرط میں خاندان کی لڑکیاں بھی شامل ہوں گی

وقف کنندہ نے تولیت وقف میں یہ شرط لگائی کہ میرے خاندان کا آدمی متولی ہوگا اور خاندان میں لڑکوں کی اولاد قابل ہیں تو وہ مقدم ہوں گے مگر لازم وفرض نہیں ہے اور اگر لڑکوں کی اولاد میں سے کوئی قابل نہیں مگر لڑکیوں کی اولاد میں کوئی قابل تولیت ہے تو وہ متولی ہوگا۔ا

واقف کی اولاد کو انتظام میں دخل دینے کی ایک صورت

کسی نے اپنی حمیت اور دینی فکر وقوت سے ایک مدرسہ اپنے مکان میں قائم کیا اور ایک کمیٹی تشکیل دیکر ادارہ کو مضبوط و مستحکم بنانے کی ہمہ تن توجہ ومحنت کی اور کافی جائداد موقوفہ کا انتظام ہوگیا پرانے ممبران کے ختم ہونے کے بعد نئے ممبران تشکیل دیئے گئے اور واقف کا بھی انتقال ہوگیا اور کچھ ممبران کی وجہ سے ترقی رک گئی تو واقف کی اولاد دخیل بن کر مدرسہ کو ترقی دینا چاہیں تو حضرت مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہیؒ فرماتے ہیں صورت مسئولہ میں موجودہ ممبران اصل متولی مرحوم کے مقرر کردہ ہیں اور ان کو حق تھا کہ جس کو متولی مقرر کریں اور اب ان کی اولاد کو دخل دینے کا حق نہیں ہے تاوقتیکہ ممبران کی طرف سے کوئی خیانت ظاہر ہو، البتہ ممبران خیانت کریں تو واقفین کو حق حاصل ہے کہ قاضی کے یہاں دعوی کر کے ممبران کی تولیت ختم کردے نیز موجودہ متولیوں کو اس وقف کو اپنی ملکیت قرار دینا درست نہیں ہے۔ع۲

ع۱ کفایت المفتی ص۱۶۸ ج ۷)

ع۲ وللمتولی ان یفوض لغیرہ عندموتہ کالوصی لہ ان یوصی الی غیرہ (الفتاوی العالمگیریہ ص۴۱۲ ج۲ رشیدیہ) المتولی اذاارادان یفوض الی غیرہ عندالموت الولایۃ بالوصیۃ یجوز (الفتاوی التتارخانیہ ص۷۴۴ ج۵ ادارۃ القرآن کراچی) رجل وقف ارضا او دارہ او دفعھا (بقیہ اگلے صفحہ پر)

عاق اولاد کی تولیت کا حکم

واقف نے اپنی اولاد کیلئے اپنے وقف کی تولیت شرط کردی مگر اپنی زندگی ہی میں بعض لڑکے کو اس کی بدسلوکی کی وجہ سے عاق کردیا تو یہ عاق شدہ لڑکا متولی نہیں ہوگا مگر اس عاق شدہ لڑکے کی اولاد قابل ہے تو وہ متولی بن سکتی ہے عاق ہونے کا اثر اس عاق کی اولاد میں نہیں آئے گا۔[1]

واقف کا اپنے بیٹے کی تولیت کا حق ساقط کرنا

واقف نے اپنی کوئی جائداد وقف کی اور یہ شرط لگادی کہ میرے بعد میرا بیٹا اس موقوفہ جائداد کا متولی نہیں ہوسکتا ہے تو واقف کی شرط کے مطابق اس کے بیٹے کی تولیت کا جو اولاً حق تھا وہ ختم ہوگیا اب اگر واقف نے کسی کو متولی بنادیا ہے تو وہی رہے گا اور اگر کسی کو متولی نامزد نہیں کیا ہے تو اہل محلہ یا قاضی جس کو مناسب سمجھے متولی بنادے اگر واقف کے بیٹے کو ہی مناسب سمجھے تو متولی بنا سکتا ہے۔[2]

(بقیہ گذشتہ صفحہ) الی رجل وولاہ القیام بذالک فجحد المدفوع الیہ فھو غاصب یخرج الارض من یدہ والخصم فیہ الواقف (الفتاوی العالمگیریہ صـ۴۴۷ جـ۲ رشیدیہ) اذاانکر والی الواقف ای قیم الواقف فھو غاصب فیخرج من یدہ فان نقص منھا شیء بعد الجحود فھو ضامن (الفتاوی التاتارخانیہ صـ۸۲۱ جـ۵) اذاصح الوقف لم یجز بیعہ ولاتملیکہ (ھدایہ صـ۶۴۰ جـ۲) ماخوذ ومستفاد فتاوی محمودیہ صـ۳۸۰، ۳۸۱ جـ۲)

ع[1] کفایۃ المفتی صـ۱۶۳ جـ۷)

ع[2] مستفاد کفایت المفتی صـ۱۵۷ جلد ۷)

واقف کا مقرر کردہ متولی خود سے معزول نہیں ہوسکتا

وقف کنندہ کی طرف سے کوئی شخص متولی مقرر ہوا تھا پھر اگر مذکور متولی یہ کہے کہ میں تولیت سے دست بردار اور معزول ہوتا ہوں تو وہ خود سے معزول نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ وقف کنندہ یا قاضی کے پاس استعفاء پیش نہ کرے پھر واقف اور قاضی متولی کو خارج کردے تو خارج ہوسکتا ہے، کیونکہ واقف کی طرف سے مقرر کردہ متولی وکیل ہے جو خود مستعفی نہیں ہوسکتا ہے[۲]

اگر متولی مر گیا تو دوسرا متولی مقرر کرنے کا اختیار واقف کو ہے

واقف نے کسی کو متولی مقرر کیا مگر متولی وقف واقف کی موجودگی ہی میں انتقال کر گیا تو دوسرے کو متولی مقرر کرنے کا اختیار واقف کو ہے نہ کہ قاضی یا کسی اور کو[۳]

ع[۲] ولوعزل الناظر نفسه ان علم الواقف اوالقاضي صح والالا (درمختار) (قوله ان علم الواقف اولقاضي) فهو كالوكيل اذاعزل نفسه وقدمنا تمام الكلام على عزل نفسه وفراغه لآخروظاهر هذاانه ينعزل بلاعزل لكن في الاشباه في بحث ما يقبل الاسقاط قال وفي القنيه الناظر المشروط له النظر اذاعزل نفسه لاينعزل الاان يخرجه الواقف اوالقاضي (شامي صـ ۶۴۱ تا ۶۴۲ جـ ۶)

ع[۳] ثم اذامات المشروط له بعدموت الواقف ولم يوص لاحد فولاية النصب للقاضي (درمختار) قوله بعدموت الواقف الخ)قيد به لانه لومات قبله قال في المجتبى: ولاية النصب للواقف وفي السير الكبير قال محمدالنصب للقاضي اه وفي الفتاوى الصغرى الرأى للواقف لاللقاضي اه (الفتاوى الشامي صـ ۶۳۶ جـ ۶)

متولی زندگی میں کسی کو متولی نہیں بنا سکتا البتہ مرتے وقت کسی کو متولی بنا سکتا ہے

متولی وقف اگر اپنی زندگی ہی میں اپنے علاوہ کسی کو متولی بنانا چاہے تو وہ نہیں بنا سکتا، ہاں اگر واقف نے اس کو تمام اختیارات دیدیئے تھے تو پھر جائز ہے۔

لیکن متولی مرنے کے وقت علی الاطلاق کسی کو متولی بنا سکتا ہے خواہ واقف نے اس کو متولی بنانے وغیرہ کا اختیار دیا ہو یا نہ دیا ہو۔[۱]

متولی وقف مرتے وقت کسی کو وقف سپرد کردے تو کیا اس دوسرے متولی کو بھی سابق کی طرح مال ملے گا

متولی وقف کو اختیار ہے کہ اپنی موت کے وقت کسی اور کو وقف سپرد کر کے متولی بنادے جیسے کہ وصی کیلئے جائز ہے کہ وہ مرتے وقت دوسرے کو بھی وصی بنادے۔ لیکن متولی اول کیلئے واقف نے سالانہ یا ماہانہ کچھ مال لینا طے کیا تھا وہ مال اس متولی ثانی کو فوری نہیں ملیگا بلکہ قاضی کے پاس اس معاملہ کے سلسلے میں مقدمہ پیش کرنا ہوگا تاکہ قاضی اس کے واسطے اجرت مثل مقرر کردے۔ لیکن اگر واقف نے خود یہ اختیار ہر

ع۱ اراد المتولی اقامة غیره مقامه فی حیاته وصحته ان کان التفویض له بالشرط عاما صح ولا یملک عزله الا اذ کان الواقف جعل له التفویض والعزل والا فان فوض فی صحته لا یصح وان فی مرض موته صح (درمختار) قوله والا ای وان لم یکن التفویض له عاما لا یصح وقوله فان فوض فی صحته الاولی حذفه لان الکلام فی الصحة وحینئذ فقوله وان فی مرض موته مقابل لقوله فی حیاته وانما صح اذا فوض فی مرض موته وان لم یکن التفویض له عاما لما فی الخانیة من انه بمنزلة الوصی وللوصی ان یوصی الی غیره اه (الفتاوی الشامی ص۔۶۳۸ تا ۶۳۹ ج۔۶)

متولی کودیدیا ہوتو بغیر قضاء قاضی کے صرف متولی اول کے پاس تولیت سپرد کرتے ہی متولی ثانی کیلئے اجرت معلومہ مقرر ہو جائے گی، اور قاضی کو یہ اختیار نہیں ہوگا کہ متولی ثانی کیلئے وہی اجرت قرار دے جو واقف نے اپنے متولی اول کیلئے قرار دیا تھا۔[1]

واقف کی وفات کے بعد متولی بھی بغیر کسی کو متولی مقرر کئے مرگیا

وقف کرنے والے کے انتقال کے بعد اس کا مقرر کردہ متولی بھی وفات پا گیا اور کسی کو متولی مقرر نہیں کر گیا اور واقف کا کوئی وصی نہیں ہے تو پھر متولی مقرر کرنے کا حق قاضی کو ہوگا۔[2]

تولیت میں شرعاً وراثت درست نہیں

واقف نے کسی کو متولی نامزد نہیں کیا اور متولی مختلف خاندانوں کے لوگ ہوتے رہے بعد میں ایسے متولی مقرر ہوئے جس نے اس میں وراثت جاری کردی کہ میرے بعد میری اولاد در اولاد متولی ہو یا متولی مذکور نے کسی کو متولی نہیں بنایا مگر اسکی اولاد نے خود سے متولی ہونے کا استحقاق ظاہر کردیا تو یہ سب ناجائز ہے مسلمان اور قاضی جس کو چاہے

ع[1] وللمتولی ان یفوض لغیرہ عند موتہ کالوصی لہ ان یوصی الی غیرہ الاانہ ان کان الواقف جعل لذلک المتولی مالا مسمی لم یکن ذلک لمن اوصی الیہ بل یرفع الامر الی القاضی اذاتبرع بعملہ لیفرض لہ اجر مثلہ الاان یکون الواقف جعل ذلک لکل متولی ولیس للقاضی ان یجعل للذی کان ادخلہ ماکان الواقف جعلہ للذی کان ادخلہ کذافی فتح القدیر (لفتاوی الھندیہ صـ۴۱۲ جـ۲)

ع[2] ثم اذا مات المشروط لہ بعدموت الواقف ولم یوص لاحد فولایۃ النصب للقاضی (درمختار علی ھامش الشامی صـ۶۳۶ جـ۶)

متولی بنائے تولیت میں وراثت نہیں ہے البتہ واقف کی اولاد میں قابلیت ہو تو
وہ متولی ہونے کی زیادہ حقدار ہے[1]

وقف میں شرعاً سجادہ نشیں کوئی چیز نہیں

واقف نے یا مسلمانوں نے کسی کو بغیر قیود وشرائط کے متولی بنایا تو اس کی وفات کے بعد عام مسلمانوں کو یا قاضی کو اختیار ہے کہ وہ کسی کو متولی بنائے متولی اپنی زندگی میں اپنے بیٹے کو یا متولی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا خود سے متولی نہیں بن سکتا، بعض شیخ کی وفات کے بعد مریدین اس کے بیٹے کو جائداد موقوفہ متولی بنا دیا کرتے ہیں بلکہ بنانے کی بھی ضرورت نہیں ہے خود ہی باپ اور شیخ کے تمام املاک پر قابض ہو جاتے ہیں اب یہی حال پیری مریدی میں بھی ہے کہ پیر کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا ہی مریدوں کا شیخ ہوتا ہے خواہ کتنا ہی نا اہل اور عورت پرست اور امرد پرست ہو۔[2]

کیا قاضی ایک متولی کو ہٹا کر دوسرا مقرر کر سکتا ہے

اگر قاضی نے وقف کے لئے ایک متولی اور قیم نے دوسرا متولی مقرر کیا تو پہلا معزول نہیں ہوگا بشرطیکہ واقف کی طرف سے مقرر کردہ ہو اور اگر خود قاضی کا مقرر کردہ ہے اور دوسرے کے مقرر کرنے پر اس کو آگاہ کر دیا تو معزول ہو جائیگا۔[3]

واقف یا اس کے وصی نے متولی کی تولیت کو اپنی وفات کے بعد تک عام نہیں کیا

واقف جتنی مدت تک کیلئے چاہے ایک یا کئی متولی مقرر کر سکتا ہے اگر واقف یا

ع[1] مستفاد کفایت المفتی صـ ۵۰ ا جـ ۷)

ع[2] مستفاد فتاوی مفتاح العلوم غیر مطبوعہ)

ع[3] نصب القاضی قیماً آخر لاینعزل لاول ان کا ن منصوب الواقف وان کان منصوبہ ویعملہ عند نصب الثانی ینعزل (الفتاوی الهندیہ صـ ۴۱۳ جـ ۲)

اس کے وصی نے متولی کی تولیت کو اپنے موت کے بعد تک عام نہیں کیا تو واقف یا وصی کی موت کیساتھ متولی کی تولیت ختم ہو جائے گی۔

معزول کیے ہوئے متولی نے وقف کی چیز اجارہ پر دی تھی تو اجرت کون وصول کرے

اگر متولی وقف نے وقف کی کوئی چیز کرایہ پر دی تھی اور پھر وہ معزول ہو گیا اور اس کے بعد دوسرا قیم مقرر ہوا تو اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ اجرت اور کرایہ کون وصول کریگا مگر صحیح یہ ہے کہ نیا مقرر کیا ہوا متولی ہی وصول کریگا۔[1]

واقف نے ایک وقف پر متولی بنایا پھر دوسرا وقف کیا

کسی شخص نے اپنی ایک جائداد وقف کر کے اس پر کسی کو متولی بنا دیا پھر دوسری جائداد وقف کی اور اس پر کسی کو متولی نہیں بنایا تو متولی مذکور وقف دوم کا متولی نہیں ہوگا ،ہاں اگر واقف نے متولی سے یوں کہدیا ہو کہ تو میرا وصی بھی ہے تو پھر یہ متولی وقف دوم کا بھی متولی ہوگا۔[2]

متولی واقف کی قوم سے ہونا ضروری نہیں

اگر واقف نے صراحت کردی کہ میری جائداد موقوفہ کا متولی میری قوم سے ہوگا تو واقف کی شرط کے خلاف دوسری قوم کا آدمی متولی نہیں ہوسکتا اور اگر واقف نے کوئی صراحت نہیں کی ہے تو قاضی جس کو مناسب سمجھے متولی مقرر کرسکتا ہے واقف کی

---

[1] اجر القیم ثم عزل ونصب قیم آخر فقبل اخذ الاجر للمعزول والاصح انہ للمنصوب لان المعزول آجرھا الوقف لا لنفسہ (الفتاوی الھندیہ صـ ۴۱۳ جـ ۲)

[2] ولو نصب متولیا علی وقف ثم وقف وقفا آخر ولم یجعل لہ متولیا لایکون المتولی الاول متولیا علی الثانی الا ان یقول انت وصی کذا فی البحر الرائق (الفتاوی الھندیہ صـ ۴۱۰ جـ ۲)

قوم کا آدمی ہی متولی ہو ضروری نہیں۔ [1]

واقف کے مقرر کردہ متولیان ایک دوسرے کو معزول نہیں کر سکتے

واقف نے اپنی جائداد موقوفہ کا دو شخص کو متولی بنایا تو دونوں متولی باہم مشورہ سے کار وقف انجام دیں گے ایک متولی دوسرے متولی کو حق تولیت سے معزول کرنا چاہے تو وہ معزول نہیں کر سکتا۔ [2]

کن صورتوں میں قاضی کو متولی مقرر کرنے کا حق ہے

درج ذیل صورتوں میں سے کوئی صورت نہ ہو تو قاضی متولی مقرر کرے گا

(۱) واقف زندہ ہے مگر وہ اپنی جائداد موقوفہ کے انتظامات سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا اور نہ کسی کو متولی مقرر کرتا ہے۔

(۲) واقف کا وصی زندہ ہے مگر وہ بھی جائداد وقف کے انتظامات سے دلچسپی نہیں رکھتا اور نہ کسی کو متولی مقرر کرتا ہے۔

(۳) واقف کا وصی مر گیا اور کسی کو متولی مقرر نہیں کیا۔

(۴) واقف یا اس کے وصی کے مقرر کردہ متولی نے مرتے وقت کسی کو متولی نہیں بنایا

(۵) واقف یا اس کے وصی کے مقرر کردہ متولی میں اہلیت وقف نہیں تو قاضی کو ان تمام صورتوں میں کسی اہل اور امانتدار شخص کو متولی مقرر کرنے کا حق ہے۔ [3]

ع[1] مستفاد فتاوی محمودیہ صـ ۲۷۹ جـ ۶)

ع[2] مستفاد کفایۃ المفتی صـ ۲۲۶ جـ ۷)

ع[3] ولایۃ نصب القیم الی الواقف ثم لوصیہ ثم اذامات المشروط لہ بعدموت الواقف ولم یوصی لاحد فولایۃ النصب للقاضی (درمختار) (باقی اگلے صفحہ پر)

کسی مسجد کا متولی نہ ہو تو امام ومؤذن کے نصب وعزل کا حکم کس کو ہے

کسی مسجد کے مؤذن وامام وغیرہ کی تنخواہ اور مسجد کے دیگر اخراجات محلہ والوں سے لئے جاتے ہیں اور مسجد کا متولی بھی نہیں ہے اور کوئی منتظمہ کمیٹی بھی نہیں ہے تو اہل محلہ کو امام ومؤذن کے نصب وعزل کا حق ہے اگر آپس میں اختلاف ہو تو اہل تقوی کی رائے پر فیصلہ ہوگا، اہل تقوی بھی باہم متفق نہ ہوں تو اہل تقوی کی اکثریت رائے پر فیصلہ ہوگا۔[1]

(بقیہ صفحہ گذشتہ) قوله ثم لوصيه) فلونصب الواقف عند موته وصيا ولم يذكر من امرالواقف شيئا تكون ولاية الوقف الى الوصي بحر ومقتضى قولهم وصي القاضي كوصي الميت الافي مسائل: ان وصي القاضي هنا كذالك لعدم استثنائه من الضابط المذكور افادة الرملي قلت ووصي الوصي كاالوصي كماياتي (صـ ۶۳۳ تا ۶۳۴ جلد ۲) (فان كان الواقف ميتا فوصيه اول من القاضي فان لم يكن اوصي فالرأى للقاضي الخ)

ع[1] (قوله اراد المتولي اقامة غيره مقامه) اى بطريق استقلال اما بطريق التوكيل فلايتقيد بمرض الموت وفي الفتح للناظر ان يوكل من يقوم بما كان اليه من امر الوقف و يجعل له من جعله شيئا وله ان يعزله ويستبدل به اولا يستبدل ولوجن انعزل وكيله ويرجع الى القاضي فى النصب وشمل كلام المصنف المتولي من جهة القاضي اوالواقف كما فى انفع الوسائل عن التتمة وقال وهو اعم من قوله في القنية للمتولي ان يفوض فيما فوض اليه ان عمم القاضي التفويض اليه والافلافان ظاهره ان هذاالحكم فى المتولي من جهة القاضي فقط. واماعزل القاضي للناظر قدمنا الكلام عليه عند قوله وينزع لوغير مامون (الفتاوى الشامي (صـ ۴۹۶ تاصـ ۵۰۰ جـ ۲ ملخص)

ع[1] (المستفاد كفاية المفتي صـ ۱۶۸ جـ ۷)

کن صورتوں میں مسجد کے مصلیوں کو متولی مقرر کرنے کا حق ہے

اگر کسی مسجد کا باضابطہ کوئی وقف نامہ نہیں ہے یا وقف نامہ میں تولیت اور اس کی ترتیب مقرر نہیں کی گئی ہے تو اس مسجد کے مصلیوں کو متولی مقرر کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ [1]

موقوف علیہم کے متولی بننے و بنانے کی صورت

واقف نے جائداد موقوفہ کسی خاص افراد پر وقف کیا یا خاص غرباء ومساکین پر وقف کیا اور اس پر کسی کو متولی بھی نہیں بنایا، یا واقف کا مقرر کردہ متولی مرتے وقت کسی کو متولی بنائے بغیر وفات پا گیا اب اس جائداد کا کوئی متولی نہیں ہے تو جس پر وقف کیا گیا وہ یا اس کی اولاد و اقارب میں سے جب تک کوئی ایسا پایا جائے جو متولی بننے کے لائق ہے وہی متولی ہوں گے یا موقوف علیہم اپنے اختیار سے لائق شخص کو متولی مقرر کریں۔ [2]

ع[1] البانی للمسجد اولی من القوم بنصب الامام والمؤذن فی المختار الااذا عین القوم اصلح ممن عینه البانی (درمختار)(قوله البانی اولی) وکذا ولده وعشیرته اولی من غیرهم اشباه (قوله بنصب الامام والمؤذن امافی العمارةفنقل فی انفع الوسائل ان البانی اولی ای بلاتفصیل (قوله الا اذا عین القوم اصلح ممن عینه لان منفعة ذالک ترجع الیهم انفع الوسائل (الفتاویٰ الشامی ص۴۲۵ ج۶)

ع[2] الواقف جعل للوقف فیما فلومات القیم له ان ینصب آخر وبعدموته للقاضی ان ینصب والافضل ان ینصب من اولاد الموقوف علیه اواقاربه مادام یوجد منه احد یصلح لذالک فی التهذیب (الفتاوی الهندیه ص۴۱۳ ج۲)

جس وقف کا کوئی متولی نہ ہواور قاضی شرعی کا بھی انتظام نہ ہو

جس وقف کا کوئی متولی نہ ہو اور نہ کوئی منتظمہ کمیٹی ہو اور نہ قاضی شرعی کا کوئی انتظام ہو تو محلہ والے کو وقف کا انتظام چلانے کا حق اور امام ومؤذن رکھنے کا اختیار ہے اگر باہم اختلاف ہو تو اہل تقوی وصلاح کی رائے مقدم ہوگی اور اگر اہل تقوی باہم متفق نہ ہوں تو ان کی اکثریت کی رائے قابل ترجیح ہوگی۔[1]

کسی متولی پر نگراں بنایا جائے

قاضی کے پاس کسی نے متولی کی خیانت کی شکایت کی اور خیانت ثابت ہو جائے تو قاضی ایسے متولی کو معزول کر دے گا جیسا کہ تفصیل گزر چکی، اور اگر خیانت ثابت نہیں ہوئی تو قاضی متولی کو معزول نہیں کرے گا، البتہ اس پر کسی دیانتدار شخص کو نگران بنا سکتا ہے اور جب اس کے خیانت کی بنیاد پر قاضی نے اس پر نگراں مقرر کیا تو پھر متولی اپنے عمل میں آزاد نہیں ہوگا اور اگر بغیر خیانت کے یونہی اس پر نگراں بنایا گیا ہے تو پھر متولی عمل میں آزاد ہوگا۔[2]

ع[1] المستفاد كفايت المفتي صـ۱۶۸ جـ۷)

ع[2] ولوضم القاضي للقيم ثقة أي ناظر حسبة ، هل للاصيل ان يستقل بالتصرف؟ لم أره والتي الشيخ الاخ انه ان ضم اليه الخيانة لم يستقل والا فله ذلك وهو حسن نهر (درمختار) (قوله ولوضم القاضي للقيم ثقة) تقدم عند قول الشارح ليس للقاضي عزل الناظر بمجرد شكاية المستحقين انه يضمه اليه ذاطعن في امانته بدون اثبات خيانة والاعزله وتقدم الكلام عليه هناك (لفتاوى الشامي صـ۴۸۲جـ۲)

مسجد کا متولی بے نمازی ہو تو اس کو معزول کر دیا جائے

وقف کی تمام جائداد میں متولی دین دار ہونا چاہیے خصوصاً مسجد کے متولی کیلئے نمازی ہونا ضروری ہے اگر متولی نماز نہیں پڑھتا ہے تو اس کو ترغیب کی لائن سے نمازی بنانا چاہیے مگر وہ کسی طرح بھی نماز پر پابند نہ ہو سکے تو ایسے شخص کو تولیت سے علیحدہ کر دینا لازم ہے، اس کے بعد نمازی یا اہل محلہ باہم مشورہ سے کسی دین دار کو متولی چن لیں یا نہیں تو محلہ کے نمازیان باہم مشورہ سے اہتمام تولیت کے اختیارات برت سکتے ہیں[1]

متولی کا قاضی کو معزول کرنا

کسی جامع مسجد یا موقوفہ عامہ کے کسی متولی کو کسی شہر یا محلہ کے قاضی کو معزول کرنے کا اختیار ہو پھر اس نے معزول کر دیا تو قاضی معزول ہو سکتا ہے لیکن اگر اس نے بلا سبب معزول کیا ہے تو مؤاخذہ دار ہوگا اور اگر معزول کرنے کا اختیار نہیں ہے تو اس کے معزول کرنے سے قاضی معزول نہیں ہو سکتا[2]

متولیوں اور منتظمہ شوریٰ کا امام کو امامت سے معزول کرنا

کسی مسجد کے متولیان یا مسجد کے منتظمہ شوریٰ کے اختیارات میں امام ومؤذن وملازمین رکھنے اور ہٹانے کا حق ہے تو وہ امام ومؤذن وغیرہ کو معزول کر سکتے ہیں عام لوگوں کو شوریٰ کے اختیارات میں مداخلت کا اختیار نہیں البتہ شوریٰ امام وغیرہ کے معزول کرنے میں ظلم کے مرتکب ہوں تو محلہ کے عامۃ المسلمین شوریٰ کو بدل کر جدید منتظمہ شوریٰ منتخب کر سکتے ہیں[3]

ع[1] مستفاد کفایۃ المفتی ص ۱۷۶ ج ۷

ع[1] مستفاد کفایۃ المفتی ص ۱۵۸ ج ۷

ع[2] مستفاد کفایۃ المفتی ص ۱۴۴ ج ۷

بلاوجہ وقف کو فروخت کرنے والا متولی مستحق عزل ہے، کسی وقف جائداد وعمارت میں کوئی نقص پیدا ہوگیا یا وہ پرانی ہونیکی وجہ سے قابل مرمت ہوگئی ہو تو متولی کو اس وقف کے ایک حصہ کو بیچ کر مرمت میں لگانا درست نہیں ہے، وقف کی آمدنی سے مرمت کیا جائے وقف میں ناجائز تصرف کرنے والے کو معزول کردیا جائے گا اگر حاکم مسلم کے ذریعہ علیحدہ کرنا دشوار ہو تو قصبہ کے ارباب حل وعقد علیحدہ کردیں۔[3]

متولیوں کے اختیارات کو اگر حکومت سلب کرنا چاہے

اسلامی اوقاف جو اس وقت ہندوستان میں متولیوں کے ہاتھ میں ہیں اظہار شکایت کے بعد حکومت کا اپنے قبضہ میں لینا اور ہر چیز میں حکومت کی اجازت شرط قرار دینا درست نہیں متولیوں کی بے اعتدالی کو رد کرنے کیلئے حساب فہمی تو حکومت کرسکتی ہے مگر متولیوں کو واقف یا قاضی نے جو اختیارات دیئے ہیں مسلمان ان کو حکومت کو تفویض کردے اور حکومت کا اس پر قبضہ دیدے یہ شرعاً جائز نہیں ہے حکومت جبراً لینا چاہے تو مسلمان اس کے لئے حکومت سے عدالت کے ذریعہ لڑ سکتے ہیں۔[1]

شیعہ آغا خانی کو وقف کا منتظم بنانا

سنی واقف کسی شیعہ کو متولی یا منتظم بنائے تو یہ درست ہے اگر اس کی وجہ سے وقف کو نقصان پہنچتا ہو یا وہ شریعت کے اور مسلک اہل سنت کے خلاف کوئی کام کرتا ہو تو اس کو بدلا جاسکتا ہے اور کئی منتظمین میں سے صرف ایک شیعہ ہے تو اس کی رائے کا اعتبار نہیں ہوگا سنی کی اکثریت کی رائے کا اعتبار ہوگا۔[2]

ع[1] مستفاد فتاوی محمودیہ ص ۲۶۲ ج ۷)

ع[2] مستفاد کفایت المفتی ص ۱۵۷ ج ۷)

ع[3] فتاوی رحیمیہ ص ۷۴ ج ۶)

بدعتی کو متولی بنانا

کسی جائداد کا خاص کر مسجد اور قبرستان کا متولی بدعتی کو بنانا درست نہیں ہے کیونکہ اپنے تسلط کی وجہ سے وہ بدعت کو فروغ دے گا جو جائز نہیں ہے (کوثر علی سبحانی)

جائداد وقف میں متولی کی مخالفت کرنا

جائداد موقوفہ جس کو واقف نے عام مسلمانوں کیلئے وقف کیا ہو جیسے مسجد اور قبرستان، عیدگاہ وغیرہ میں تمام مسلمانوں کا حق یکساں ہے مگر انتظام چلانے کیلئے جس کو متولی مقرر کیا ہے اس کی خلاف ورزی کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ خیانت نہ کرتا ہو بنا بریں وقف کے جائداد کو ذاتی کاشت میں یا دیگر کاموں میں استعمال کرنا جائز نہیں، متولی کے چارہ جوئی پر اس کی مخالفت کرنا جائز نہیں۔[1]

متولی کے لئے اجرت مقرر کرنا

متولی اگر بغیر تنخواہ اور اجرت لئے کام کرے تو عند اللہ ماجور ہوگا، لیکن اگر متولی وقف کے انتظام سنبھالنے اور کار وقف کو انجام دینے کیلئے اجرت لیتا ہے تو جائز ہے اس کی اجرت واقف یا اسکا قائم مقام یا قاضی مقرر کریگا۔[2]

متولی کے علاوہ کسی غیر کا وقف میں تصرف کرنا

جب واقف نے کسی زمین و جائداد کو کسی محلہ والے کے قبرستان (یا مدرسہ مسجد، مکتب وغیرہ) کیلئے وقف کر کے اسی محلہ والے میں سے ایک شخص کو متولی نامزد کر دیا

---

[1] امداد المفتین ص ۷۷۳)

[2] وفی البیری عن حاوی الحصیری عن وقف الانصاری انه اذا لم یکن من یتولی الوقف من جیران الواقف وقرابته الابرزق ویقبل واحد من غیرهم بلارزق فا القاضی أن ینظر فیما هو الاصلح لاهل الوقف (الفتاوی الشامی ص ۶۳۸ ج ۲ زکریا)

اور قریب کے محلہ والے اس قبرستان سے فائدہ اٹھاتے رہے اور اپنی میت کو دفن کرتے رہے لیکن بعد میں اس جائداد موقوفہ میں اپنا حق جتا کر اس کے درختوں کو کاٹ دیا تو یہ فعل درست نہیں ہے، جب واقف نے متولی نامزد کر دیا تو اسی کی تولیت چلے گی غیر کو اس میں تصرف کرنا درست نہیں ہے چاہے قاضی ہی کیوں نہ ہو، البتہ متولی سے خیانت ظاہر ہو تو قاضی معزول کر سکتا ہے[1]

واقف کے قرابت دار اور پڑوسیوں کے مقابلے دیگر مفت کام کرنے والے کو متولی بنانا

وقف کنندہ کے رشتے داروں یا پھر پڑوسیوں کو اولاً حق ہوتا ہے کہ وہ متولی بنے مگر قرابت داروں اور پڑوسیوں میں سے کوئی ایسا نہیں کہ بغیر اجرت لئے وقف کا متولی بنے اور دیگر اجنبیوں میں بعض لوگ ایسے ملتے ہیں کہ بغیر اجرت لئے تولیت وقف اور کار وقف کو انجام دینے کو قبول کرنے کو تیار ہیں تو قاضی حالات واشخاص کو دیکھ کر جو مناسب سمجھے وہ کرے، اجنبی سے وقف کے انتظام میں کوئی خلل ونقصان نہیں پہنچتا ہے اور وقف کا فائدہ ہے تو اجنبی کو مقرر کرے، اور اگر قرابت داروں و پڑوسیوں سے اجنبی کے مقابلے وقف کا زیادہ فائدہ ہو رہا ہو، اور اجنبی کے مقابلے ان سے زیادہ اچھا نظام چلتا ہو، تو اجرت کے ساتھ واقف کے رشتہ داروں کو ہی متولی نامزد کرے[2]

ع[1] (مستفاد فتاوی باقیات صالحات صـ ۲۵۰)

ع[2] فان لم یکن من یتولاہ من جیران الواقف وقراباتہ الابرزق ویفعل واحد من غیرھم بغیررزق قال ذلک الی القاضی ینظر فی ذلک ماھو الافضل لاھل الوقف واصلح للصدقۃ کذافی التتارخانیہ (الفتاوی الھندیہ صـ ۲ / ۱۳ صـ ۲)

متولی پر وقف کا حساب عندالطلب ضروری ہے

متولی وقف کا حساب صاف ستھرا لکھ کر رکھے واقف یا وقف سے فائدہ اٹھا نے والے یا معاملہ فہم دیانتدار محلہ والے یا قاضی یعنی جس نے اس کو متولی بنایا ہے جب حساب طلب کرے تو ان کے سامنے پیش کر دے اگر متولی امانت میں مشہور ہے تو محاسب پر لازم نہیں ہے کہ ہر سال ریزہ ریزہ کا تفصیلی حساب طلب کرے۔

بلکہ اجمالی حساب پر اکتفاء کرے اور اگر متولی مہتم ہے تو محاسب متولی کو مجبور کریگا کہ ہر چیز کا تفصیلی حساب پیش کرے [1]

خائن متولی کا بائکاٹ کرنا

کوئی شخص مسجد یا مدرسہ یا قبرستان یا کسی جائداد وقف کا متولی تھا مگر وہ خائن نکلا جسکی وجہ سے اسکو معزول کر دیا گیا مگر اسکے پاس وقف کی کچھ رقم بطور امانت وغیرہ کے موجود ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ فوراً ادا کرے اگر بار بار مطالبہ کے بعد بھی ادا نہیں کرتا ہے بلکہ لیت ولعل کے علاوہ گالی گلوج بھی کرتا ہے اور وقف کی رقم واپس کرنے سے انکار کرتا ہے تو ایسا شخص فاسق اور خائن ہے مسلمانوں کے لئے جائز ہے کہ بذریعہ عدالت اس سے رقم واپس لے لیں اور اسکی اس ناشائستہ حرکت پر اس کو برادری سے نکال سکتے ہیں جب تک توبہ نہ کرلے برادری سے اسکا بائکاٹ کیا جائے [2]

ع[1] لاتلزم المحاسبة في كل عام ويكتفي القاضي منه بالاجمال لو معروفا بالامانة ولو متهما يجبره على التعيين شيئا فشيئا ولايحسبه بل يهدده ولو اتهمه يحلفه قنيه وقدمنا في الشركة ان الشريك والمضارب والوصي والمتولي لايلزم بالتفصيل (الفتاوى الشامي صـ ۶۶۹ جـ ۶)

ع[2] مستفاد كفايت المفتي صـ ۱۷۷ جـ ۷)

وقف کو فروخت کرنے والا یا رھن رکھنے والا متولی مستحق عزل ہے

اگر متولی نے وقف کی کل یا بعض جائداد کو فروخت کیا، یا کسی کو رھن رکھا تو یہ بیع اور رہن درست نہیں ہے۔ مشتری اس کا مالک نہیں ہوگا ایسا متولی خائن ہے قاضی اور حاکم کے ذریعہ اس کو معزول کر دیا جائے اور اگر قاضی وحاکم کے ذریعہ اس کو علیحدہ کرنا دشوار ہو تو محلہ کے ارباب حل وعقد علیحدہ کر سکتے ہیں یا نہیں تو اس کے ساتھ صالح اور قابل اعتماد آدمی کو ساتھ کر دیا جائے ۔[1]

وقف کرنے کا ایک طریقہ

کسی کا ایک مکان ہو اور اس کی اولاد میں لڑکے و لڑکیاں بھی ہوں اور اس کے ذمہ قرض بھی ہو وہ وارثوں کو اپنی زندگی میں مال تقسیم کئے بغیر مال کو مسجد کیلئے وقف کرے اور قرض کی ادائیگی اور ایک اولاد کی ذمہ داری مسجد پر ڈالے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اسطرح وقف کرے۔

میرا مکان میری وفات کے بعد فلاں مسجد کے لئے ان شرائط کے ساتھ وقف ہے، (۱) اس مکان کے سلسلے میں مجھ پر جو قرض ہے اس کی آمدنی سے پہلے وہ قرض ادا کیا جائے (۲) فلاں لڑکے شاہد یا فلاں لڑکی ہندہ کے مصارف مکان کے کرائے سے ادا کیا جائے اور زائد رقم مسجد کو دی جائے (۳) اور میرے لڑکے شاہد یا لڑکی ہندہ کے انتقال کے بعد اس مکان کی پوری آمدنی مسجد پر خرچ کی جائے ۔[2]

ورثہ محتاج ہوں تو واقف وقف کرنے سے گناہ گار ہوگا

بکر نے اپنی زندگی میں ایک مکان مسجد کے نام اسٹامپ پر لکھ کر دیا اور شرط

---

[1] مستفاد فتاویٰ محمودیہ ۲۲۲ ج ۲)

[2] مستفاد احسن الفتاوی ص ۴۱۹ ج ۲)

لگادی کہ جب تک میں اور میری بیوی زندہ رہیں اس مکان میں رہیں گے اور جب انتقال کر جائیں تو مکان مسجد کے حوالہ کر دیا جائے، حالانکہ اس کے دوسرے ورثاء ابھی موجود نہیں تو اگر بکر کے ورثاء محتاج ہیں تو بکر کا وقف صحیح تو ہو جائے گا مگر بکر گناہ گار ہوگا کیونکہ اس نے وقف کر کے وارثوں کو محروم کر دیا ہے اور اگر کوئی وارث محتاج نہ ہو تو بکر گناہ گار نہیں ہوگا۔[1]

اجارہ یا اعارہ پر لی ہوئی سرکاری زمین کو وقف کرنا

ایک سرکاری زمین کو کسی نے سرکار سے بوقت ضرورت شدید واپس دینے کی شرط پر لے کر اور اس پر مکان بنا کر مسجد کو وقف کیا تو یہ وقف درست نہیں ہوا کیونکہ وقف کیلئے واقف کی ملکیت شرط ہے وہ نہیں پائی گئی، کیونکہ سرکار سے بمعاوضہ لی گئی ہے تو اجارہ ہوا اگر بغیر معاوضہ ہے تو عاریت ہے اور عاریت و اجارہ کی زمین پر عمارت کا وقف صحیح نہیں ہے اگر چہ بعض روایات میں سلطان سے بطور اجارہ کے لی ہوئی زمین پر دکانیں بنا کر وقف کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے مگر اس میں بھی یہ شرط لگادی گئی ہے کہ سلطان نے زمین سے مستاجر کو بے دخل نہ کرنے کا اقرار کر لیا ہو اور یہاں ایسا نہیں ہے۔

اور اگر حکومت سے واپسی کی شرط پر خریدی گئی ہے تو یہ بیع فاسد ہے اور بیع فاسد کے طور پر خریدی ہوئی چیز کا وقف بھی درست نہیں البتہ اس پر مکان بنانے سے بیع تام ہو گئی اور واپسی کی شرط باطل ہو جائے گی اب زمین کو مکان سمیت وقف کر دیا تو وقف درست ہو جائے گا۔[2]

---

[1] مستفاد احسن الفتاوی ۴۲۲ ج ۶)

[2] مستفاد فتاوی محمودیہ ۲۵۶ ج ۱۵)

صاحب نصاب کیلئے کوئی چیز وقف کرنا

واقف اپنی چیز چاہے فقراء و مساکین کو وقف کرے یا مالدار اور صاحب نصاب کو راجح قول کے مطابق جائز ہے مگر فقراء و مساکین کو شامل کرنا بہتر ہے البتہ ورثاء کو محروم کرنے کی نیت سے وقف کرنا ظلم ہے۔[۱]

(وقف مشاع) یعنی مشترک جائداد کا وقف

مشاع کے معنی:- مشاع کا مطلب یہ ہے کہ وقف پورے مال میں پھیلا ہو کوئی حصہ منقسم اور متعین نہ ہو، پھر اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) قابل تقسیم (۲) غیر قابل تقسیم

قابل تقسیم سے مراد یہ ہے کہ علیحدہ کرنے کے بعد اس کا وہی فائدہ ہو جو تقسیم سے قبل تھا یعنی کوئی نقصان نہ ہو۔ جیسے زمین اور بڑا مکان وغیرہ

اور غیر قابل تقسیم سے مراد یہ ہے کہ علیحدہ کرنے کے بعد وہ فائدہ حاصل نہ ہو جو تقسیم سے قبل تھا، جیسے غسل خانہ، کنواں وغیرہ۔

حکم:- مقبرہ اور مسجد کا وقف مشاع مشترک ہونے کی حالت میں بالاتفاق احناف کے نزدیک صحیح نہیں ہوتا ہے خواہ شی موقوف قابل تقسیم ہو یا غیر قابل تقسیم (ہاں اپنا حصہ علیحدہ کرنے کے بعد وقف کر سکتا ہے) اور مقبرہ و مسجد کے علاوہ کو وقف کرنے کے سلسلے میں اس کی دو صورتیں ہیں (۱) جو چیز غیر قابل تقسیم ہے اس میں سے اپنا حصہ علیحدہ نہیں کیا ہے بلکہ شی موقوف تمام میں شائع اور پھیلا ہے تو بالاتفاق جائز ہے، جیسے آدھا حمام وقف کیا تو جائز ہے اگر چہ مشاع ہے (۲) اور جو چیز قابل تقسیم ہے اس میں وقف مشاع یعنی غیر مقسوم و غیر معین امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہیں مشائخ بخارا نے اسی قول کو لیا ہے

۱ع مستفاد کفایت المفتی ۲۳۲ ج ۷)

اور اس پر فتویٰ بھی دیا ہے، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے متاخرین مشائخ نے اسی پر فتویٰ دیا ہے اور یہی مختار ہے۔[۱]

لہٰذا کسی زمین و مکان میں کئی بھائی شریک ہوں یا کئی حصہ دار شریک ہوں اور ایک اپنا حصہ وقف کرنا چاہے تو کر سکتا ہے کسی کو اعتراض کا حق نہیں اور وقف تام ہونے کے بعد توڑا بھی نہیں جا سکتا ہے۔

مشترک زمین کو بلا دوسرے شریک کی اجازت کے وقف کرنا

ایک شخص کا انتقال ہو گیا اس نے کئی لڑکے اور لڑکیاں چھوڑیں جن میں سے بعض نابالغ بھی ہیں، بڑے لڑکے نے مشترک ایک بیگھا زمین کو مسجد کیلئے وقف کر دیا اور کہا کہ چھوٹے بھائیوں کو اپنے حصہ میں سے دیدونگا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر چہ وقف مشاع جائز ہے مگر اس طرح وقف کرنا درست نہیں ہوا کیونکہ اس زمین میں سب کا حصہ تھا بغیر اس کی اجازت کے وقف کرنا درست نہیں ہے۔

خصوصاً نابالغ کی اجازت بھی شرعاً معتبر نہیں، لہٰذا اگر اس پر مسجد کی تعمیر نہیں

ع۱ کما صح وقف مشاع قضی بجوازه لانه مجتهد فيه فللحنفي المقلد ان يحكم بصحته وقف المشاع وبطلانه (درمختار) (قوله كما صح وقف مشاع قضى بجوازه) ويصير بالقضاء متفقا عليه والخلاف في وقف المشاع مبنى على اشتراط التسليم وعدمه لان القسمة من تمامه فابو يوسف اجازه لانه لم يشترط التسليم ومحمد لم يجزه لاشتراطه التسليم كما مر عندقوله ويفرز وقدمنا أن محل الخلاف فيما يقبل القسمة بخلاف ما لا يقبلها فيجوز اتفاقا الا في المسجد والمقبرة (الفتاوى الشامي صـ۵۵۳ جـ۶)

ہوئی ہے تو نابالغ کا حصہ علیحدہ کر کے محفوظ کرلیا جائے اور اس سے ایک بیگھا کے رقبہ میں کمی کو وقف کرنے والے کے حصہ سے پورا کر کے مسجد کیلئے وقف تسلیم کیا جائے گا۔

اور اگر اس جگہ مسجد کی تعمیر ہو چکی ہے تو مسجد شمار نہ ہوگی، بلکہ نابالغین کے حصہ کے بقدر واقف کے حصہ میں سے لے کر نابالغین کیلئے محفوظ کرلیا جائے گا، اور واقف سے اس کی اجازت لے لینی ہوگی۔ اگر واقف نے اجازت نہیں دی تو گنہگار ہوگا اور اس مسجد میں نماز بہر صورت درست ہے۔[1]

اپنا حصہ وقف کیا تو واقف خود بٹوارہ کر لے گا

کسی جائداد میں دو آدمی شریک ہوں ان میں سے ایک نے اپنا حصہ وقف کر دیا تو صحیح ہے واقف اپنے شریک سے اپنا حصہ بٹوارہ کر کے موقوف کے حوالے کر دے، واقف کی موت کے بعد اس کا وصی بٹوارہ کرانے کا حقدار ہوتا ہے۔[2]

اپنی جائداد میں سے آدھا وقف کیا تو بٹوارہ کون کرے گا۔

واقف نے اپنی جائداد میں سے نصف وقف کیا تو اس سے بٹوارہ کرنے والا قاضی ہوگا، اور اگر واقف نے باقی حصہ کو فروخت کیا کسی کے ہاتھ پر تو مشتری اس سے بٹوارہ کر لے گا۔[3]

دو شریکوں میں سے ہر ایک نے وقف کیا تو دونوں متولی ہوں گے

کوئی جائداد دو آدمیوں کے درمیان مشترک تھی دونوں میں سے ہر ایک نے

ع[1] (مستفاد نظام الفتاوی ص ۱۱۸ ج ۱)

ع[2] ع[3] ثم ان وقف نصیبه من عقار مشترک فهو الذی یقاسم شریکه وبعد الموت الی وصیه وان وقف نصف عقاره فالذی یقاسمه هو القاضی اوهو یبیع نصیبه الباقی من رجل ثم یقاسم المشتری ذلک منه کذافی الهدایة (الفتاوی الهندیه ص ۳۶۵ ج ۲)

اپنا حصہ ایک قوم پر جو معلوم ہے وقف کردیا تو جائز ہے، پس دونوں کو اختیار ہے کہ باہم اس زمین کا بٹوارہ کریں اور اپنا حصہ علاحدہ کر کے خود سے اس کا متولی ہوجائے۔

اور اگر دونوں نے اپنا اپنا حصہ علاحدہ وقف کیا یا صدقہ موقوفہ مسکینوں پر کیا اور دونوں نے ایک ہی متولی مقرر کیا پس متولی مذکور نے دونوں کے حصہ پر ایک ساتھ یا جدا جدا قبضہ کرلیا تو بھی جائز ہے۔

اور اگر دونوں نے ایک ہی ساتھ وقف کر کے ایک ساتھ ہی دو شخصوں کو متولی مقرر کیا تو یہ بھی جائز ہے۔

اسی طرح وقف کی جہت مختلف ہو مثلاً ایک نے اپنی اولاد پر نسلاً بعد نسل وقف کیا اور کہا کہ جب اولاد میں کوئی نہ رہے تو مساکین پر وقف ہے، اور دوسرے نے حج پر وقف کیا کہ اس سے ہر سال حج کیا جائے پھر دونوں نے ایک ساتھ ایک ہی شخص متولی بنا کر سپرد کیا تو جائز ہے۔

اور اگر متولی نے دونوں میں سے ایک کے حصہ پر قبضہ کیا اور دوسرے کے حصہ پر قبضہ نہیں کیا تو وقف صحیح نہیں ہوگا حتی کہ جس کے حصہ پر قبضہ کیا ہے اس کو اس سے رجوع کر لینے کا اختیار ہوگا کہ واپس لے لے یا فروخت کردے اور اگر دو شریکوں میں سے ہر ایک نے نصف زمین مشاع غیر مقسوم حالت میں صدقہ موقوفہ کردی اور ہر ایک نے اپنے وقف کے واسطے جدا جدا دو متولی مقرر کیئے تو جائز نہیں ہے کیونکہ عقد کے وقت شیوع پایا گیا ہے اسلئے کہ ہر ایک علاحدہ عقد کا مباشر ہوا ہے اور قبضہ کے وقت بھی شیوع ممکن تھا اسلئے کہ ہر ایک متولی نے نصف مشاع پر قبضہ کیا اور دونوں میں سے ہر ایک نے اپنے متولی سے قبضہ کے وقت کہا تھا کہ تم میرے حصہ مع میرے شریک کے حصہ پر قبضہ کرلو تو وقف جائز ہوگا، اور یہ تمام تفصیل امام محمد کے قول کے مطابق ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک تمام

صورتوں میں وقف جائز ہے، اسلئے امام یوسف کے نزدیک بقیہ قبضہ کرانے کے وقت وقف جائز ہے، پس غیر مقسوم کا وقف بھی درست ہے۔ [1]

ع[1] لوان رجلين كانت بينهما ارض وقف كل واحد منهما نصيبه على قوم معلومين فهذا جائز ولهما ان يتقاسما هذه الارض فيفرز كل واحد منهما ماوقف فيكون في يده يتولاه كذافي الظهيرية ولووقف الكل ثم استحق الجزء منه بطل الباقي عند محمدؒ لان الشيوع مقارن ولواستحق جزء مميز بعينه لم يبطل في الباقي كذافي الهداية ولوان رجلا وقف جميع ارضه ثم استحق نصفها شائعا وقضى القاضي للمستحق بالنصف وبقي النصف الباقي وقفا على حاله عندابي يوسفؒ كان للوقف ان يقاسم المستحق كذافي المحيط ثم على قول محمدؒ لوكانت الارض بين رجلين فتصدقا بها صدقة موقوفة على المساكين اوعلى وجه من وجوه البر التي يجوز الوقف عليها ودفعها الى قيم يقوم عليها كان جائزا لان على قول محمدؒ المانع من الجواز هوالشيوع وقت القبض لاوقت العقد وههنا لم يوجد الشيوع وقت العقد لانهما تصدقا بالارض جملة ولاوقت القبض لانهما سلما الارض جملة كذافي فتاوى قاضيخان. وكذالك ان تصدق كل واحد بنصيبه صدقة موقوفة على المساكين ونصبا قيما واحدا فقبض نصيبها جميعا اومتفرقا وكذافي محيط السرخسي وكذالك لوجعلا التولية الى رجلين معا كذافي الوجيز وكذالك لواختلف جهة الوقف بأن وقف احدهما على ولده وولدولدابداماتناسلوا فاذا انقرضوا كانت غلتها للمساكين والاخرفي الحج يحج بها في كل سنة وسلماها الى رجل واحد جاز وكذالوكان الواقف واحدا اوجعل نصف الارض وقفا على الفقراء والمساكين مشاعا والنصف الاخر على (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اگر واقف نے اپنی کل جائداد سے متعین مقدار وقف کی

واقف نے اپنے مکان یا زمین سے ہزار گز وقف کیا تو امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے، پس تمام دار یا زمین ناپا جائے گا پس اگر وہ ہزار گز سے کم نکلا تو سب وقف ہو جائیگا اگر دو ہزار گز ہو تو نصف وقف ہوگا اگر ڈیڑھ ہزار نکلا تو دو تہائی وقف ہوگا۔

اور اگر اس میں سے بعض حصہ میں درخت وغیرہ لگے ہوں اور بعض خالی ہوں تو وقف کے واسطے درخت والی زمین سے حصہ ہوگا۔

اسی طرح ایک شخص نے ایک زمین سے ایک جریب مشاع وقف کی پھر تقسیم واقع ہوئی اور بٹوارہ وقف میں ایک جریب سے کم پڑا اس وجہ سے کہ وقف کے ٹکڑے کی زمین عمدہ تھی پس دوسرے ٹکڑے میں بڑھوتری کی گئی۔

یعنی رقبہ میں بڑھا دیا گیا یا اس کے برعکس واقع ہوا ہے تو جائز ہے، اسی طرح

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ) امر آخر جاز کذا فی فتاویٰ قاضیخاں وان قبض احدھما ولم یقبض نصیب الاخر لایصح الوقف حتی کان للذی قبض نصیبه ان یرجع عنه ویبیته کذافی محیط السرخسی ولوتصدق کل واحد منهما بنصف الارض مشاعا صدقة موقوفة وجعل کل واحد منهما لوقفه متولیا علی حدة لایجوز لوجود الشیوع وقت العقد لان کل واحدمنهما باشرعقدا علی حدة وتمکن الشیوع وقت القبض ایضا لان کل واحد من المتولین قبض نصفا شائعا)فان قال کل واحد منهما للذی جعله متولیا فی نصیبه اقبض نصیبی مع نصیب صاحبی جاز وهذا کله قول محمدؒ واما علی قول ابی یوسف رحمه الله تعالی) فیجوز الوقف فی جمیع هذه الوجوه) لان عنده یجوز الوقف غیر مقبوض فیجوز غیرمقسوم کذافی فتاوی قاضیخاں(الفتاوی الهندیه صـ ۳۶۶ جـ ۲)

کسی نے کہا کہ میں نے اپنا حصہ اس گھر میں سے وقف کیا اور اس گھر میں میرا حصہ تہائی ہے پھر اس کا حصہ اس تمام دار کا آدھا یا دو تہائی نکلا تو یہ سب وقف ہو جائے گا۔[1]

غصہ میں آکر مشترک جائداد وقف کردیا اب اس سے رجوع کرنا چاہے

ایک مکان میں دو بھائی تھے ایک نیچے دوسرا اوپر، اوپر والے نے اپنا فوقانی حصہ مسجد کے نام وقف کردیا، کیونکہ اسکے بیوی بچے نہیں تھے اور بھائی سے تعلقات خراب تھے، چھوٹے بھائی کی بیوی کے مرنے کے بعد تعلقات ہموار ہو گئے اب مسجد کو وقف کردہ اوپر والے حصہ کو باطل کرنا چاہے تو نہیں کرسکتا ہے۔ اور واقف نے وقف میں یہ شرط لگادی ہے کہ متولی حضرات اس کو تقسیم کرنے کی صورت میں بیچنا چاہے تو بیچ کر اس سے جو رقم ملے اس کو وقف شمار کیا جائے تو اس تصریح کے مطابق یہ شرط جائز ہے اور اس سے منقولہ چیز خرید کر وقف کے قائم مقام شمار کیا جائے گا۔[2]

ع[1] ولو وقف من داره او ارضه الف ذراع جاز عند ابی یوسفؒ ثم یذرع الارض والدور فان کانت الف ذراع او اقل کان کلها وقفا وان کانت الفی ذراع کان الوقف منها النصف وان کانت الفاو خمسمائة کان والوقف منها ثلثین وان کان فی بعضها نخیل وبعضها لانخیل فیه یکون للوقف حصة من النخیل کذافی المحیط رجل وقف جریبا شائعا من ارض ثم وقعت القسمة فاصاب الوقف اقل من جریب لجودة هذه الطائفة التی وقعت فی الوقف فزید فی ذرعان الطائفة الاخری او علی العکس جاز کذافی الظهیریة ولو قال جعلت نصبی من هذه الدار وقفا وهو ثلث جمیع الدار فوجد من حصته نصف الدار اوثلثی الدار کان جمیع ذلک وقفا کذافی فتاوی قاضیخان (الفتاوی الهندیه صـ ۳۶۶،۳۶۷ جـ ۲)

ع[2] کما صح وقف مشاع قضا بجوازه لانه مجتهد فیه فللحنفی المقلدان یحکم بصحة وقف المشاع وبطلانه لاختلاف التوجیه واذا کان فی المسئلة قولان مصححان جاز الافتاء والقضاء باحدهما بحر ومصنف (درمختار مع الشامی صـ ۱۷،۵۱۶ جـ ۳) مستفاد فتاوی رحیمیه صـ ۵۷ تا ۵۹ جـ ۹)

مشترک دکانوں میں سے اپنا حصہ وقف کر کے وقف کا تختہ لگانا

ایک دکان دو شریکوں میں مشترک تھی جن میں سے ایک نے اپنا حصہ وقف کیا پھر وقف کرنے والے نے چاہا کہ اس حصہ کے دروازہ پر وقف کا بورڈ لگا دے، دوسرے شریک نے اس کو روکا تو وہ وقف کا تختہ نہیں لگا سکتا، البتہ اگر قاضی نے وقف کی حفاظت کی غرض سے تختہ لگانے کی اجازت دیدی ہو تو لگا سکتا ہے۔[1]

مشترک زمین کو مقبرہ بنانے کی غرض سے بٹوارہ کرنا

ایک گاؤں میں کچھ وقف ہے کچھ بادشاہت کی زمین ہے کچھ دوسروں کی ملک ہے پھر ایک شخص نے اپنے حصہ میں سے تھوڑی زمین کو مقبرہ بنانے کی غرض سے بٹوارہ کرنا چاہا تو اس کو اختیار نہیں ہوگا اور اگر کل کی تقسیم چاہی تو جائز ہے۔

بغیر تفصیل بیان کئے اپنی کل جائداد وقف کی

ایک شخص نے لکھ دیا کہ میری تمام مملوکہ دیہات وغیرہ وقف ہیں مگر تفصیل بیان نہیں کیا اور اس کے منافع کے بارے میں لکھتا ہے کہ اس میں سے اتنی مقدار میری بیویوں و باندیوں اور اتنی مقدار غلاموں کیلئے ہے اور اس قدر اس کے متعلقین کا ہوگا تو یہ وقف صحیح ہے اس کی تمام مملوکہ جائداد وقف ہو کر اس کی ہدایت کے مطابق منافع صرف ہوں گے۔[2]

ع[1] حانوت بین شریکین وقف احدھما نصیبہ واراد ان یضرب لوح الوقف علی بابہ فمنعہ الشریک الاخر لیس لہ الضرب الا اذا اذن لہ القاضی بذلک صیانۃ للوقف وھذہ المسئلۃ تاتی علی قول ابی یوسفؒ علی مااختارہ مشایخ بلخ کذافی المضمرات قریۃ بعضھا وقف وبعضھا مملکۃ وبعضھا ملک ارادو قسمۃ بعضھا لیجعلوھا مقبرۃ لیس لھم ذلک وان ارادوا قسمۃ الکل جاز کذا فی الوجیز (الفتاوی الھندیہ صـ ۴۶۷ جـ ۲)

ع[2] (مستفاد فتاوی عبدالحی صـ ۲۹۵)

دو ادارے پر وقف مشترک کو صرف ایک پر خرچ کرنا

کسی جائداد کو واقف نے مدینہ منورہ اور ہندوستانی اداروں کیلئے وقف مشترک کیا تھا، بعد کا متولی بعض دشواریوں کے پیش نظر مدینہ منورہ کے ادارے کے حصہ کو بھی ہندوستانی ادارے ہی پر خرچ کرنا چاہے تو نہیں کرسکتا، کیونکہ فقہ کے ضابطہ شرط الواقف کنص الشارع الا ما استثنی کے تحت اس کو کوئی تبدیل نہیں کرسکتا اور ایک مسجد کی اشیاء دوسری مسجد میں منتقل کرنے کا جواز ان صورتوں میں ہے کہ اس مسجد کی حاجت باقی نہ رہی ہو خواہ اس لئے کہ وہاں کی آبادی ختم ہوگئی ہو لوگ اجڑ کر دوسری جگہ چلے گئے ہوں یا اس لئے کہ اب وہاں نماز پڑھنے والے نہیں رہے، یہ مسجد پرانی ہو کر خود گر گئی اور دوسری مسجد تعمیر ہوئی اور لوگ اس دوسری نئی مسجد میں نماز پڑھنے آتے ہیں پہلی مسجد میں کوئی نہیں آتا اور مدینہ منورہ کا ادارہ باقی ہے اور وہاں سے منتفع ہونا بھی موجود ہے لہذا ہندوستانی ادارہ امین ہے مدینہ منورہ کے ادارے کو امانت پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کرے۔[1]

نذر کی طرح وقف میں تخصیص مکان لغو نہیں ہے

نذر میں تخصیص مکان کہ مکہ میں اتنا، مدینہ میں اتنا اور بغداد میں اتنا خرچ کروں گا تو لغو ہو جائے گا، مگر وقف کرتے ہوئے مکان کی تخصیص کردی کہ فلاں جگہ اتنا خرچ کیا جائے گا (یعنی میری اس موقوفہ جائداد سے مکہ میں دس حصہ، مدینہ میں دس حصہ، اور بغداد میں دس حصہ خرچ کئے جائیں تو یہ لغو نہیں ہوگا اور اگر واقف نے اپنی حیات میں ان مقامات کو نہ بھیجا تو اس کے اپنے عمل کی وجہ سے منسوخ سمجھ لینے کی گنجائش ہے۔[2]

ع[1] مستفاد فتاوی محمودیہ صـ۷۶ جـ۱)

ع[2] مستفاد کفایت المفتی صـ۲۲۶ جـ۷)

کسی انجمن یا کاروبار میں کئی شریکوں میں سے کسی کے علاحدہ ہونے پر اس کے حصہ کو وقف کرنیکی شرط

خالد ولید عمرو غیرہ نے اپنے مفاد کیلئے انجمن بنائی (یا کوئی اور کاروبار کیلئے) رقم جمع کر کے کچھ قوانین مرتب کئے جن میں سے ایک قانون یہ بنایا کہ کوئی شریک بغیر عذر معقول کے درمیان سال میں خارج نہیں ہو سکے گا، اگر خارج ہوا تو اس کی رقم واپس نہیں ہوگی، ہاں اگر عذر معقول ہو تو خارج ہو سکتا ہے اور رقم دیدی جائیگی، نیز وعدہ لیا گیا کہ کوئی شخص اپنی مرضی کے مطابق انجمن سے نکل جائیگا تو اس کی رقم مناسب جگہ پر وقف کردی جائیگی، اب ایک شریک اپنی مرضی سے نکلنا چاہتا ہے، اور قانون کے مطابق رقم کے وقف ہونے پر راضی نہیں ہوتا تو اس کا حکم یہ ہے کہ شروع میں مالک نے اپنی رضاء سے رقم کو اپنی ملکیت سے خارج کر کے وقف کردیا تھا، تو وقف درست ہے لیکن یہاں ایسا نہیں اسلئے وقف کئی وجہ سے صحیح نہیں۔

۱۔ شروع شرکت کے وقت جو کچھ شرط لگائی وہ صرف وعدہ ہے اور وعدہ سے وقف صحیح نہیں ہوتا۔

۲۔ نفس رقم ہی میں وقف کی صلاحیت نہیں کیونکہ وقف اصلا غیر منقول کا ہوتا ہے منقول کا وقف صحیح نہیں ہے۔

۳۔ وقف معلق نہ ہو منجز جاری رہنے والا ہو اور یہاں علاحدگی کی شرط پر معلق ہے

۴۔ موقوف علیہ کی تعیین ضروری ہے یہاں مطلق ہے۔

۵۔ واقف کی رضامندی ضروری ہے اور یہاں رضامندی نہیں لھذا ایں وجوہات وقف صحیح نہیں ہوا مالک اپنی رقم واپس لینے کا حقدار ہے۔[۱]

ع۱ مستفاد فتاوی محمودیہ صفحہ ۲۶۰ جلد ۲)

وقف کیے ہوئے قرآن کی جلد یا غلاف دوسرے قرآن پر منتقل کرنا

قرآن مجید پھٹا ہوا ہے تو اس کے جلد اور غلاف کو دوسرے قرآن مجید پر منتقل کرنا اس وقت جائز ہوگا جبکہ پھٹا ہوا قرآن وقف نہیں کسی کی ملک ہے تو مالک کو اختیار ہے کہ منتقل کردے، اور اگر پھٹا ہوا قرآن وقف ہے تو اسکی جلد و غلاف بھی وقف ہے، وقف شدہ قرآن سے بے نیازی کی صورت میں اس کی تمام چیزیں مالک کی طرف عود کردی جائے گی لھذا مالک کی اجازت سے دوسری جگہ منتقل کرنا جائز ہوگا [1]

ھبہ کی ہوئی زمین موہوب لہ کی وفات کے بعد واہب نے وقف کی

ایک عورت نے عرصہ قبل کچھ زمین زمیندار سے لگان پر لی اور اپنی لڑکی کے نام ہبہ کردیا وہ لڑکی برابر لگان زمیندار کو ادا کرتی رہی پھر اس لڑکی کا انتقال ہوگیا تو کچھ لوگوں کے بہکانے سے اس عورت نے زمین مسجد کے نام ھبہ کردیا تو اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ عورت زمین کی مالک نہیں تو اس کا ھبہ کرنا بھی درست نہیں ہوا اور نہ وقف کرنا اور اگر مالکہ ہے تو ھبہ کر کے لڑکی کے قبضہ کرا دینے سے اس کی ملک سے نکل جائیگی پھر اس کا وقف درست نہیں ہوگا بلکہ اس زمین میں لڑکی کی وراثت جاری ہوگی لڑکی کے مال میں سے ماں کا جتنا حصہ نکلے گا۔ اتنے ہی حصہ کو وقف کرسکتی ہے۔ باقی کو نہیں [2]

ننانوے سال تک پٹے پر لی گئی زمین کو وقف کرنا

سرکاری محکمہ نزول کی زمین ننانوے سالہ ٹھیکہ اور پٹہ پر کسی نے لی حکومت کی طرف سے یہ شرط لگائی گئی کہ میعاد پٹہ ختم ہونے پر یا اس سے قبل اگر سرکار کو ضرورت ہو تو زمین واپس لے لی جائے گی اور عمارت بنانے والا اپنے خرچہ سے منتقل کریگا یا سرکار

---

[1] مستفاد احسن الفتاوی ص ۴۰۸ ج ۶)

[2] مستفاد فتاوی محمودیہ ص ۱۸۴ ج ۶)

قیمت مشخصہ اگر سرکار کو ضرورت ہو تو دیدے گی نیز میعاد ختم ہونے پر مزید توسیع ہو سکتی ہے جو فاضل مقدار خاص وغیرہ کے تو اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ وقف مذکور صحیح ہوگا زمین اگرچہ وقف نہیں ہے مگر نزول کی زمین کا اول توپٹہ نناوے سال کا ہی اس قدر طویل ہوتا ہے کہ وہ ارض محتکر میں شامل ہوجاتی ہے پھر ختم مدت کے بعد بھی مزید توسیع ہو جاتی ہے اور شرائط انخلاء جوپٹہ میں مذکور ہے ان کا شاذ و نادر ہی وقوع ہوتا ہے اسلئے قابل اعتناء نہیں ہے۔ [1]

وفات کے بعد وقف معلق پر مالک کی ملکیت کا حکم

ایک بوڑھی عورت نے اپنا مکان مسجد کے نام لکھتے ہوئے شرط لگائی کہ میں اپنی زندگی میں اس کی مالکہ ہوں میرے مرنے کے بعد یہ مکان مسجد کیلئے وقف ہے تو ضرورت پڑنے پر عورت اپنا مکان بیچ سکتی ہے یا کسی کو دے سکتی ہے کیونکہ مرنے کے بعد وقف کو معلق کیا ہے یہ وقف کے حکم میں نہیں ہے بلکہ وصیت ہے اور زندگی میں اپنی وصیت سے رجوع کرنے کا حق باقی رہتا ہے۔ لہذا مکان مالک کی ملک میں علیٰ حالہ باقی ہے مسجد میں اس کو عوض دینا بھی لازم نہیں اور نہ دینے سے آئندہ بھی نہیں ہوگا البتہ ثواب کی نیت سے دینا چاہے تو دے سکتی ہے۔ [2]

کافروں کا وقف کرنا

وقف کے صحیح ہونے کیلئے واقف کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے، مگر جس کام کیلئے وقف کیا جائے اس کا فی نفسہ اور واقف کے اعتقاد میں کار ثواب ہو، فقہ کی اس عبارت سے چار شکلیں نکلتی ہیں۔

ع[1] مستفاد کفایت المفتی ص ۲۴۰ ج ۲۔

ع[2] مستفاد فتاوی مفتاح العلوم غیر مطبوع۔

۱۔اول یہ ہے کہ اسلام اور واقف کے اعتقاد و مذہب دونوں میں قربت اور کار ثواب ہو، جیسے کافر کا سرائے تعمیر کرنا، کنواں کھودنا، فقراء اور محتاجوں کی خوراک اور امداد کیلئے جائداد وقف کرنا صحیح ہے، اسی طرح کسی کافر نے کہا کہ اس رقم سے بیت المقدس کی مرمت یا اس کی روشنی کے واسطے خرچ کئے جائیں تو درست ہے۔

اسی طرح کہا کہ میری یہ چیز وقف ہے اس کی آمدنی سے ہر سال غلام خرید کر آزاد کئے جائیں تو یہ جائز ہے۔

۲۔دوم یہ ہے کہ جس چیز کیلئے وقف کیا ہے نہ اس کے اعتقاد میں اور نہ مذہب اسلام میں کار ثواب ہو جیسے کسی کافر نے اپنی جائداد کو وقف کیا جو اس کے اعتقاد میں بھی گناہ کا اڈا ہو۔

۳۔سوم یہ ہے کہ جس چیز کو وقف کیا ہے وہ مذہب اسلام میں تو قربت ہو مگر کافروں کے مذہب کے اعتقادی اصول کے مطابق کار ثواب نہ ہو، جیسے کافر کا مسجد، عیدگاہ اور قبرستان وغیرہ کیلئے زمین یا کوئی چیز وقف کرنا، یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس میں ایک جز پایا گیا ہے، جس سے وقف صحیح نہیں ہوا۔

۴۔ چہارم یہ ہے کہ جس چیز کو وقف کیا ہے وہ کافروں کے اعتقاد میں تو کار ثواب ہو مگر مذہب اسلام کے اصول کے مطابق وہ قربت نہ ہو، جیسے کسی کافر یا ذمی اور ہندو نے بیعہ، کنیسہ، یا مندر یا آتش خانہ پر وقف کیا یا ان چیزوں کی درستگی یا اس کے چراغ کے تیل وغیرہ کیلئے وقف کیا تو یہ درست نہیں ہے، کیونکہ یہ چیز فی ذاتہ قربت نہیں اگرچہ کافروں کی نیت میں قربت ہو۔[۱]

ع[۱] (قولہ بشرط کونہ قربۃ عندنا وعندھم) الظاھر ان ھذا شرط فی وقف الذمی فقط لیخرج مالو کان قربۃ عندنا فقط کوقفہ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

غیر مسلم نے ابواب خیر پر وقف کیا

کسی غیر مسلم نے کہا کہ میری یہ جائداد ابواب خیر پر وقف ہے تو ابواب خیر میں اسکے یہاں بعض ایسی چیزیں شامل ہیں جو مذہب اسلام میں قربت نہیں جیسے گرجا گھر اور مندر یا آتش خانہ وغیرہ کی تعمیرات اور بعض چیزیں ان کے یہاں اور مذہب اسلام میں بھی قربت ہے جیسے مسکینوں پر صدقہ کرنا تو وقف صحیح ہو جائیگا مگر وقف کا مصرف یہ دوسرا جز مسکینوں پر صدقہ کرنا جاری رہے گا اور باقی پہلا جز بالکل باطل ہو جائیگا [۱]

غیر مسلم نے کہا کہ وقف کی آمدنی میرے پڑوسیوں پر وقف ہے

کسی غیر مسلم نے کہا کہ میری جائداد وقف ہے اس کی آمدنی میرے پڑوسیوں کو بانٹ

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ) علی الحج والمسجد وما کان قربة عندهم فقط کالوقف علی البیعة بخلاف الوقف علی مسجد القدس فانه قربة عندنا وعندهم فیصح ولو کان ذلک شرطاً الکل وقف لزم ان لایصح وقف المسلم علی الحج والمساجد لانه قربة عندنا فقط ولذا قیده بقوله فصح وقف الذی بشرط الخ فجعل الشرط المذکور لوقف الذی لامطلقا(قوله لم یصح وکان میراثا) یخالفه ما فی الخصاف ونصه قلت وکل وقف وقفه الذی فجعل غله ذلک فیما لایجوز مثل قوله فی عمارة البیع والکنائس وبیوت النیران والاسراج فیها ومرمتها الیس ذلک باطلا قال بلیٰ منحة الخالق علی البحر الرائق صـ ۳۱۵، ۳۱۶ جـ ۵)

[۱] فان وقف علی ابواب البر فابواب البر عنده عمارة البیع وبیوت النیران والصدقة علی المساکین فاجیز من ذلک الصدقة وابطل غیرهما کذافی الحاوی (الفتاوی الهندیه صـ ۳۵۳ جـ ۲)

دی جائے اوراس کے پڑوسیوں میں مسلمان یہودونصاری مجوس اور ہندوبھی ہیں تو وقف جائز ہےاورواقف کی شرط کے مطابق آمدنی اس کے پڑوسی مسلم وغیر مسلم سب پر تقسیم ہوگی۔[1]

غیر مسلم کی طرف سے مسجد کیلئے کوئی چیز جائز ہونے کی شکل

غیر مسلم ہندووغیرہ کی طرف سے براہ راست کوئی چیز مسجد کیلئے وقف درست نہیں ہے البتہ غیر مسلم وہ چیز مسلمان کو ہبہ کردے اور مسلمان مسجد کیلئے وقف کردے تو جائز ہے۔[2]

قادیانی کی طرف سے وقف

قادیانی بالاجماع مرتد اور کافر ہے اسکا کوئی عمل معتبر نہیں ہے اس کے اعتقاد میں اور مذہب اسلام میں جو چیز کارثواب ہے اس کیلئے وقف درست ہے جو اس کے یہاں قربت نہیں اور نہ مذہب اسلام میں قربت ہے تو وقف درست نہیں ہے۔[3]

واقف اپنا قرض جو کسی کے یہاں ہو وقف کرے

واقف وہ قرض جو کسی کے یہاں ہو وہ یہ کہے کہ میرا جو اتنے روپے یا فلاں سامان فلاں کے یہاں بطور قرض ہے وہ وقف ہے تو وقف صحیح ہوجائیگا مگر وقف کی تکمیل اوراس کا اہتمام اس قرض کے قبضہ پر موقوف رہے گا۔[4]

ع[1] فان قال تفرق غلتها فی جیرانه وله جیران مسلمون وجیران نصاری ویهود ومجوس وجعل اخره للفقراء فالوقف جائز وتفرق غلة الوقف فی جیرانه المسلمین والنصری وغیرهم (الفتاوی الهندیه صـ ۳۵۳ جـ۲)

ع[2] (مستفاد کفایت المفتی صـ ۲۴۳ جـ۷)

ع[3] مستفاد فتاوی محمودیه صـ ۳۲۰ جـ۱۵)

ع[4] مستفاد امداد الفتاوی صـ ۵۴۷ جـ۴)

کسی غیر مسلم نے اپنا گھر مسلمانوں کیلئے مسجد کردیا

اگر کسی غیر مسلم نے اپنا گھر مسلمانوں کیلئے مسجد کردیا اور مسجد ہی کی طرح اس نے عمارت بنائی اور مسلمانوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دیدی، لوگوں نے اس میں اذان دی اور نماز پڑھی پھر وہ شخص مرگیا تو یہ دار مسجد نہیں ہوگی بلکہ وارثوں میں بطور میراث جاری ہوگا۔[1]

مسجد کا بصورت مسجد ہونا وقف کیلئے کافی ہے

مسجد کا مسجد ہونا اور اس میں بلا روک ٹوک نماز ہونا ہی اس کے وقف ہونے کیلئے کافی ہے اس کے علاوہ کسی اور ثبوت کی ضرورت نہیں ہے اور جب ایک جگہ مسجد ہوجائے، پھر وہ کسی کی ملک میں نہیں آسکتی وہ خداوند تعالیٰ کے ملک میں ہے۔[2]

شیعہ کا مسجد وغیرہ کیلئے وقف کرنا

جیسا کہ گزر چکا ہے کہ واقف کے اعتقاد اور قواعد اسلامیہ کی رو سے وہ کام ہو جس پر وقف کیا جائے اور مسجد یا مدرسہ وغیرہ کی تعمیر قواعد اسلامیہ کی اور شیعوں کے اعتقاد میں بھی ثواب ہے، لہذا اس کا وقف درست ہے ایسی تعمیر کو منہدم کرنا بھی جائز نہیں۔ البتہ شیعہ کے نام کا کتبہ موجب فساد ہوتا ہے تو علاحدہ کردینا چاہئے، یہ اخلاص کے منافی بھی ہے اور خلاف سنت بھی ہے صحابہؓ کے تمام اوقاف اس سے خالی ہیں۔[3]

ع[1] ولو جعل ذمی داره مسجدا للمسلمين وبناه كما بنى المسلمون واذن لهم بالصلوة فيه فصلوا فيه ثم مات يصير ميراث لورثته وهذا قول الكل كذا في جواهر الاخلاطي (الفتاوی الهندیه ص۳۵۳ج۲)

ع[2] مستفا كفاية المفتي ص۲۲۸ج۷

ع[3] مستفاد امداد الفتاوی ص۵۹۵ج۷)

دینی تعلیم کیلئے وقف کی گئی کسی چیز میں انگریزی وغیرہ جاری کرنا

عام طور پر لوگ اپنی جائداد دینی تعلیم کے لئے وقف کر دیتے ہیں اور دینی تعلیم تو اصل قرآن وحدیث اور اس کے متعلقات علوم ہوتے ہیں متعلقات علوم ہیں منطق، فلسفہ، جغرافیہ، ادب وغیرہ اگر چہ مقصود بالذات نہیں معین اور آلہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اسی طرح آج کے اس دور میں انگریزی بھی دینی تعلیم کو عام کرنے اور انگریزی داں کو پہچاننے کیلئے دینی تعلیم کیلئے معاون ہوتا ہے تو اس کا داخل کرنا کیونکر درست نہیں ہوگا، البتہ اس بات کا خیال رکھا جائے کہ وہ مقصود بالذات بن کر غالب نہ آجائے اور انگریزی، ہندی، گجراتی، وغیرہ کو مقصود بننے کیلئے ہرگز داخل نہ کیا جائے وقف کیلئے ورثاء کو اس میں جدوجہد کا پورا پورا حق ہوگا کہ وہ منع کردے۔[۱]

وقف کے مصارف میں مقدم کون کونسی چیز ہے

حاصلات اور وقف کی آمدنی کو اولاً وقف کی تعمیر میں صرف کیا جائے گا خواہ وقف کرنیوالے نے یہ شرط کی ہو یا نہ کی ہو پھر جو چیز اس عمارت سے قریب ہو، اور مصلحت میں سب سے عام ہو جیسے مسجد کے واسطے اس کا امام اور مدرسہ کے واسطے اسکا مدرس، پس بقدر ان کی کفایت کے دیا جائیگا پھر چراغ، مصلی، فرش، اور مسجد و مدرسہ کے دیگر مصارف و مصلحتوں کا لحاظ کیا جائیگا، لیکن یہ ترتیب اس وقت ہے جب کہ وقف کا کوئی مصرف معین نہ ہو، اور اگر وقف کو کسی چیز پر معین کیا گیا ہے تو اولاً وقف کی تعمیر واصلاح میں صرف کرنے کے بعد اسی مصرف معین کی طرف خرچ کیا جائیگا۔[۲]

ع[۱] مستفاد فتاوی محمودیہ ص۲۱۴ ج۱۸)

ع[۲] من ارتفاع الوقف عمارتہ شرط الوقف ام لاثم الی ماھو اقرب الی العمارۃ واعم للمصلحۃ کالامام :لمسجد والمدرس یصرف الیھم بقدر کفایتھم ثم السراج والبسط کذالک الی آخر المصالح ھذااذلم یکن معینا فان کان الوقف معینا علی شیء یصرف الیہ بعد عمارۃ البناء کذافی الحاوی القدسی (الفتاوی الھندیہ ص۳۶۸ ج۲)

واقف نے اپنا مکان اولاد کی سکونت کیلئے وقف کیا تو اس پر تعمیر واجب ہے

کسی نے اپنا مکان اپنی اولاد کے رہنے کیلئے وقف کیا تو جو اس میں رہے اس پر اس کی تعمیر ومرمت واجب ہے اور اگر اس نے اس سے انکار کیا یا اولاد کی تعمیر ہے تو قاضی اس کو اجارہ پر دے کر اس کی اجرت سے تعمیر ومرمت کا حکم دے گا پھر جب اس کی مرمت ہو جائے گی تو جس پر وقف تھا پھر اسی کو واپس دیدے گا۔[1]

سکونت کے حقدار نے اپنے خالص مال سے وقف میں کچھ عمارت بنائی اور اس عمارت میں بعینہ کچھ قائم ہو تو وہ عمارت اس بنانے والے کے وارثوں کی ہوگی چنانچہ ان لوگوں کو اختیار ہوگا کہ اس کو لے لیں، بشرطیکہ اس سے واقف کو کوئی ضرر نہ پہونچے اور اس کے وارثوں سے کہا جائیگا کہ اپنی اس عمارت کو یہاں سے دور کر کے جائیں، پس اگر وہ لے گئے تو خیر ورنہ ان پر جبر کیا جائیگا اور اگر انہوں نے عمارت کا اس شخص کو مالک کر دیا جس پر ان کے مورث کے بعد وقف ہے اور قیمت اس کے عوض لے لی تو دونوں فریق کی باہمی رضامندی سے جائز ہے اور اگر دونوں فریق میں سے ایک نے اس سے انکار کیا تو اس پر اس چیز کیواسطے جبر نہیں کیا جائے گا اور اگر اسی عمارت میں سے بقیہ کچھ قائم نہ ہو تو بنانے والوں کے وارثوں کو کچھ نہیں ملے گا۔[2]

ع[1] ان وقف دارا علی سکنی ولده فالعمارة علی من له السکنی فان امتنع من ذلک او کان فقیرا آجرها الحاکم وعمرها باجرتها واذاعمرها ردها الی من له السکنی ولایجبر الممتنع علی العمارة ولاتصح اجارة من له السکنی کذافی الهدایة (الفتاوی الهندیه صـ ۳۶۸ جـ ۲)

ع[2] فان انفق صاحب السکنی من خالص ماله فی عمارة الوقف فما کان من العمارة شیئا قائما بعینه فهو لورثته ولهم ان یأخذاان (بقیہ اگلے صفحہ پر)

سکونت کے حقدار نے اپنے ذاتی مال سے پکے مکانات بنائے

کسی نے اپنی اولاد کی سکونت کے واسطے مکان وقف کیا تو اوپر آچکا ہے کہ اس کی مرمت اور تعمیر کی ذمہ داری رہنے والے پر ہے اور اگر انکار کردے تو قاضی مکان موقوفہ کو کرایہ پر دے کر اس کے کرایہ سے مرمت اور تعمیر کرائے اور اگر اس شخص نے جس کے واسطے سکونت شرط کی گئی تھی مکان موقوفہ کی دیوار میں پکی اینٹیں لگائیں یا اس میں گچ یا اس مکان میں شہتیر ڈالے اور ان چیزوں میں سے کوئی چیز بغیر ضرر عمارت وقف سے جدا نہیں ہوسکتی تو اس کے وارثوں کو آمیں سے کوئی چیز جدا کر کے لینے کا اختیار نہیں ہوگا، لیکن اب جسکو سکونت کا استحقاق بوجہ شرط وقف کے حاصل ہوا ہے اس سے کہا جائے گا کہ وارثوں کو ان کی عمارت کی قیمت دیدے اور تجھ کو سکونت کا استحاق حاصل ہوگا، پھر اگر اس نے انکار کیا تو مکان مذکورہ اجارۃ پر دیدیا جائیگا اور اس کا کرایہ ان وارثوں کو اس وقت تک دیا جائے گا جب تک عمارت کی پوری قیمت ان کو مل جائے پھر جب ان کو پوری قیمت پہنچ گئی تو مکان مذکورہ اس شخص کو دیدیا جائے گا، جس کو سکونت کا استحقاق حاصل ہے اور ایسی صورتوں میں جس کو اب استحقاق سکونت حاصل ہے اختیار نہیں ہے کہ ان وارثوں کے ساتھ اس امر پر راضی ہوجائے کہ اپنی عمارت کو کھود کر توڑے۔[1]

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ) لم یضر ذلک الوقف کذافی الحاوی ویقال لورثتہ ارفعوا بنائکم فان رفعوا ولایجبروا وان ملکوہ الموقوف علیہ بعد ذلک بالقیمۃ جاز بتراضیھم وان ابی احد الفریقین ذلک لایجبر علیہ کذافی المحیط ومالایکون قائما بعینہ فلاشیء لورثتہ کذافی الحاوی (الفتاوی لاھندیہ صـ ۴۶۸ جـ ۲)

[1] وان کان المشروط لہ السکنی آزرحیطان الدار الموقوفۃ بالآجر وجصصھا وادخل فیھا اجذاعا ثم مات ولم یکن نزع (بقیہ اگلے صفحہ پر)

مدرسہ کی تعمیر کی غرض سے چندہ کیا گیا اور تعمیر ملتوی ہوگئی

کسی مدرسہ کی تعمیر کہہ کر لوگوں سے چندہ وصول کیا گیا مگر تعمیر نہ ہوسکی اور آئندہ اس کی امید بھی نہیں کی جاسکتی ہے تو چندہ وصول کرنے وکرانے والے مہتمم وذمہ دار مدرسہ کیلئے لازم ہے کہ جس سے چندہ لیا ہے، واپس کرے، دوسری جگہ استعمال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ چندہ لینے والے مہتمم ومتولی چندہ دینے والے واقف کا وکیل ہے اور وکیل کو بغیر مؤکل کی اجازت کے صرف کرنا درست نہیں ہوتا ہے البتہ چندہ دینے والے کسی اور جگہ صرف کرنے کی اجازت دیدے تو دوسری جگہ صرف کرسکتے ہیں ۔[۱]

عمارت وقف میں سے کوئی چیز ٹوٹ کر علیحدہ ہوجائے

وقف کی عمارت میں کوئی چیز منہدم ہوگئی اور ٹوٹ کر گر گئی تو قاضی اس کو وقف کی عمارت میں صرف کرے گا، اگر وقف کو اس کی ضرورت ہو ورنہ اس کو محفوظ رکھے گا اور جب وقف میں اس کی ضرورت پیش آئے تو اس کی عمارت میں صرف کریگا اور اگر بعینہ اس کا عمارت میں صرف کرنا متعذر ہو تو اس کو فروخت کرکے اس کی قیمت مرمت

(گذشتہ اگلے صفحہ پر) شیء من ذلک الابضرر بالبناء فلیس للورثة اخذ شیء من ذلک ولکن یقال للمشروط له السکنی بعده اضمن لورثته المیت قیمة البناء ولک السکنی فان ابی اجرت الدار وصرفت الغلة الی لورثة المیت بقدر قیمة البناء واذا رفعت علیه بقیمة البناء اعیدت السکنی الی من له السکنی ولیس لصاحب السکنی ان یرضی بقلع ذلک وهدمه کذافی الظهیرية (الفتاویٰ الهندیه صـ ۳۶۹ جـ ۲)

ع[۱] مستفاد کفایت المفتی (صـ ۱۲۶ جـ ۷)

میں صرف کرے گا اور قاضی کیلئے جائز نہیں ہوگا کہ وہ مستحقوں میں صرف کردے[1]

صرف مالداروں پر وقف صحیح نہیں ہوگا الا یہ کہ فقیروں پر بھی ہو

کسی نے اپنی جائداد وقف کرتے ہوئے یوں کہا کہ میری یہ چیز مالداروں پر وقف ہے۔ یہ وقف درست نہیں ہوگا، اور اگر مالداروں پر متعین طور پر وقف کے بعد فقیر پر کیا تو درست ہے، مثلاً یوں کہا کہ یہ جائداد فلاں مالداروں، اور پھر غرباء پر تو یہ درست ہے اور حق پہلے مالداروں کا ہوگا اور پھر فقراء کا[2]

کسی نے اپنی زمین اس شرط پر وقف کی کہ اس کے متعین مقدار سے حج کرایا جائے

اگر کسی شخص نے اپنی زمین کو اس شرط پر وقف کی کہ ہر سال میری طرف سے ایک پورا حج پانچ ہزار درہم سے کرایا جائے جبکہ زاد سفر اور کرایہ وغیرہ سمیت صرف ایک ہزار درھم میں حج پورا ہو جائے تو اسی ایک ہزار درہم سے حج کرایا جائے اور باقی مسکینوں کو دیا جائیگا[3]

ع[1] وما انهدم من بناء الوقف وآلته صرفه الحاكم في عمارة الوقف ان احتاج اليه وان استغنى عنه امسكه حتى يحتاج الى عمارته فيصرف فيها وان تعذر اعادة عينه الى موضعه يبيع ويصرف ثمنه الى المرمة ولايجوز ان يصرف بين مستحق الوقف كذافي الهداية (الفتاوى الهنديه صـ ۳۶۹ جـ ۲)

ع[2] لايجوز الوقف على الاغنياء وحدهم ولو وقف على الاغنياء وهم يحصون ثم بعدهم على الفقراء يجوز ويكون الحق للاغنياء ثم للفقراء كذافي محيط السرخسي (الفتاوى الهنديه صـ ۳۶۹ جـ ۲)

ع[3] وان وقف ارضا على ان يحج عنه كل سنة بخمسة الآف درهم حجة ومبلغ نفقة الحج للراكب الف درهم صرف الف درهم الى الحج والباقي الى المساكين كذافي الحاوي (الفتاوى الهنديه ۳۷۰ جـ ۲)

فقیر اور محتاج کس کو کہا جاتا ہے

جو شخص زکوۃ کے باب میں فقیر قرار دیا جائے وہ وقف میں بھی فقیر شمار ہوگا زکوٰۃ کے باب میں فقیر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو نصاب سے کم مال کا مالک ہو یا مال نصاب کا مالک تو ہو لیکن وہ مال غیر نامی ہو (یعنی بڑھنے والا مال، سونا، چاندی، نقد روپے اور مال تجارت نہ ہو) نامی بھی ہو لیکن وہ اس کی حاجت اصلیہ یعنی مکان، کھانا کپڑے وغیرہ سے فاضل نہ ہوں۔

لہذا جس شخص کے پاس رہنے کا ٹھکانہ مکان، غلام، باندی، یا ضرورت اصلیہ مثلاً کھانے، کپڑے، سواری، خانہ داری، کے ضروری سامان کے علاوہ ساڑھے باون تولہ چاندی یعنی ۵۹۰ رگرام چاندی اور ساڑھے سات تولہ یعنی ۸۵ رگرام سونا، یا اس کی قیمت نقد روپے، پیسے یا اس کے بقدر مال تجارت نہ ہو تو وہ شخص فقیر ہے فقیروں پر وقف کیئے گئے مال میں سے یہ بھی لے سکتا ہے، اگر کسی قرابتی کی ملکیت میں متاع خانہ داری یا کپڑوں میں قدر کفایت سے زائد ہو اور زائد اس قدر ہو کہ کم سے کم اس کی قیمت دوسو درہم یعنی ساڑے باون تولہ چاندی ہے تو ایسا شخص مالدار ہے اس کو زکوۃ اور وقف کا لینا حلال نہیں ہے۔

اگر کسی کی ملکیت میں دو مکان ہو، ایک مکان حاجت اصلیہ سے فاضل ہو چکا ہو جس کی قیمت دوسو درہم یعنی نصاب کے بقدر ہو تو ایسا شخص مالدار ہے اس کو زکوۃ اور وقف لینا جائز نہیں ہے۔[۱]

ع[۱] والفقیر فی هذا الباب من یعد فقیرا فی باب الزکوة هذا هو المشهور کذا فی الحاوی من له المسکن لاغیر او کان له مسکن وخادم فهو فقیر فی حق الزکوة والوقف وکذالک اذا کان له مع ذلک (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اسی طرح کسی کی ملک میں کپڑوں میں سے کچھ حاجت سے زائد ہو اور کچھ گھر کے سامان حاجت سے زائد ہوں اور کچھ مکان زائد ہوں اور ان زیادتیوں میں سے ہر ایک زیادتی کی قیمت بقدر نصاب کو پہونچتی ہے مگر سب کے مجموعہ کم سے کم دوسو درہم یعنی نصاب کے بقدر ہے تو ایسا شخص بھی مالدار ہے اس کے لئے بھی زکوۃ اور وقف لینا درست نہیں ہے۔

اور اگر کسی کی ملکیت میں دوسو درہم چاندی کی قیمت کی زمین ہو اگر چہ اس میں سے غلہ اس قدر حاصل نہ ہوتا ہو جو اس کے واسطے کافی ہو تو مختار قول کے مطابق ایسا شخص بھی غنی ہے اس کے لیے وقف لینا درست نہیں۔

اور اگر کسی کی ملکیت میں بہت سارے مال جمع ہوں، وہ سب غائب ہوں یا اس کا مال لوگوں کے پاس قرضہ ہو جس کے وصول کرنے پر قادر نہ ہو تو ایسے شخص کو زکوۃ اور وقف دونوں لینا درست ہے اسلئے کہ وہ بمنزلہ ابن السبیل کے ہے۔

اور اگر کسی کا مال اس سے غائب ہو یا لوگوں کے پاس قرضہ ہو جس کو وصول

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ) ثياب كفاف ولافضل فيها وكذلك اذا كان له مع ذلك من متاع البيت مالاغناء عنه كذافي الذخيرة وان كان له مائتا درهم اوعشرون مثقال ذهب فلاحظ له من الوقف كذافي المحيط وان كان له فضل من متاع اوالثياب وذلك الفضل يساوي مائتي درهم فهو غني لاتحل له الزكوة واخذالوقف كذافي فتاوىٰ قاضيخان وان كان له سكنان وخادمان والمسكن الفاضل والخادم الفاضل يساوي مائتي درهم فهو غني في حق حرمة اخذ الزكوة والوقف وان لم يكن غنيا في حق وجوب الزكوة وهذا مذهب اصحابنا رحمهم الله تعالىٰ كذا في المحيط (الفتاوى الهنديه صـ۳۸۵ جـ۲)

کرنے پر قدرت نہ ہو مگر وہ قرض لے سکتا ہے تو صدقہ قبول کرنے سے اس کو قرضہ لینا بہتر ہے، لیکن اگر اس نے قرضہ نہ لیا اور زکوۃ لے لی تو مضائقہ نہیں ہے اور یہ شخص فقیر ہے وقف کا مال اس کیلئے لینا درست ہے[1]

اور اگر ایسا شخص جو فقیر ہے مگر کمائی کر کے گزر کر لیتا ہے تو زکوۃ اسکے لئے لینا مکروہ ہے مگر وقف کا مال لینا درست ہے۔

اگر کسی کا مال ایسے شخص کے پاس قرضہ ہے جو مفلس ہے ادا کرنے پر قادر نہیں، تو ایسا شخص فقہ کی اصطلاح میں فقیر ہے وقف لے سکتا ہے اور اگر اس کا مال کسی مالدار پر ہے اور وہ اقرار کرتا ہے تو یہ غنی ہے وقف نہیں لے سکتا اور اگر انکار کرتا ہے اور اس کے گواہ موجود ہوں تو بھی غنی ہے اور اگر گواہ نہ ہوں تو فقیر ہے وقف لے سکتا ہے[2]

ع[1] وان كان له فضل من الثياب وفضل من متاع البيت وفضل مسكن وفضل كل صنف بانفراده لايساوى مائتى دراهم واذا اجتمعت بلغت مائتى درهم كان غنيا كذافى فتاوى قاضيخان وان كانت له ارض تساوى مائتى درهم ولاتخرج غلتها مايكفيه فهو غنى على المختار كذا فى خزانة المفتين وان كان له مال كثير غائب اومال يكون له دينا على الناس لايقدر على اخذه يعطى له من الوقف والزكوة جميعا لانه بمنزلة ابن السبيل (الفتاوى الهنديه صـ۳۸۵، ۳۸۶ جـ۲)

ع[2] وان كان ماله غائبا عنه او كان دينا على الناس لايقدر على اخذه الاانه يقدر على الاستقراض كان الاستقراض خيرا من قبول الصدقة فلو انه لم يستقرض واخذ الزكوة فلابأس به ويعطى الوقف للفقير الكسوب ولابأس به ويكره له اخذ الزكوة كذافى فتاوىٰ قاضيخان، وان كان له دين على مفلس فهو فقير وان كان على ملئى وهو مقربه فهو غنى وان كان منكرا وله بينه فكذالك وان لم تكن بينة فهو فقير كذافى الذخيرة (الفتاوى الهنديه صـ۳۸۶ جـ۲)

قرابتی فقیروں پر وقف کرنے کی صورتیں جسمیں بعض مستحق بعض محروم ہوں

اگر کسی نے اپنی زمین اپنے قرابتی فقیروں پر وقف کیا اور حال یہ ہے کہ اس کا قریب شخص غنی ہے جس کی اولاد فقیر ہیں اگر چہ یہ اولاد صغیر ہوں مذکر، یا مؤنث، یا بالغ عورتیں ایسی ہوں جن کے شوہر نہیں ہیں یا بالغ مرد ایسے ہوں، جو مجنون ہوں تو اس کو اس وقت تک حصہ نہیں ملے گا اسلئے کہ اس کا نفقہ اس غنی پر ہے اور یہ سب اس غنی کی وجہ سے غنی ہیں۔ اور اگر اس مالدار مذکور کے بھائی یا بہن فقیر ہوں، یا کوئی اولاد بالغ فقیر کمائی کرتا ہے تو ان کو اس وقت حصہ ملے گا۔

اگر عورت فقیر ہو اور اسکا شوہر مالدار ہو تو اس عورت کو وقف سے نہیں دیا جائے گا، اور اگر شوہر فقیر ہو تو اس کو وقف سے دیا جائے گا اگر چہ اس کی بیوی مالدار ہو۔[1]

اگر وقف کرنے والے قریب کا فرزند بالغ ہو اور آپاہج بھی نہیں ہے مگر وہ فقیر ہے فرزند کی اولاد موجود ہیں کہ وہ بھی فقیر ہیں تو اس فرزند کی اولاد کو اس وقت وقف کا حصہ نہیں دیا جائے گا اس لئے کہ قاضی اس کا نفقہ اس کے دادا کے مال میں فرض کرے گا اور اس اولاد کا باپ یعنی دادا کا لڑکا اس وقف میں سے حصہ پائے گا اس لئے کہ اس کا نفقہ اس کے باپ پر نہیں ہے کیونکہ وہ بالغ ہے اور آپاہج نہیں ہے۔

---

[1] اذا وقف ارضہ علی فقراء قرابتہ ولہ قریب غنی ولھذا الغنی اولادفقراء فان کانوا اصغارا ذکورا او اناثا او کانوا کبارا اناثا لاازواج لھن اوذکور ازمنی او مجانین فلاحظ لھم فی ھذاالوقف وان کان لھذاالغنی اخوۃ او اخواۃ فقراء اوولد لہ کبیر فقیر مکتسب فلھم حظ فی ھذاالوقف کذافی محیط السرخسی واذاکانت امراۃ فقیرۃ ولھا زوج غنی لاتعطی من الوقف والزوج اذاکان فقیرا یعطی من الوقف وان کانت امراتہ غنیۃ (الفتاوی الھندیہ ص۳۸۶ ج۲)

اوراگر واقف کے قرابت میں سے کوئی خود فقیر ہو مگر اس کا لڑکا مالدار ہو تو ان دونوں کو اس میں سے حصہ نہیں ملے گا۔

واقف نے کہا کہ میری یہ جائداد میرے قرابتی فقیروں پر وقف ہے اور ان کے قرابتی میں سے ایک شخص اس وقت اور غلہ پیدا کرنے تک فقیر تھا مگر حصہ لینے سے قبل مالدار ہو گیا تو اپنے حصہ کا مستحق ہوگا، اور اگر اس کے رشتہ دار میں کسی عورت نے غلہ کے حاصل ہونے کے بعد چھ مہینہ سے کم کی مدت حمل سے بچہ جن دیا تو اس غلہ میں سے اس بچہ کو کچھ بھی نہیں ملے گا، البتہ آئندہ حاصلات میں سے یہ بچہ بھی مستحق حصہ ہوگا۔[۱]

کسی قرابت میں سے ایک شخص فقیر ہو

کسی نے کہا میری یہ زمین صدقہ موقوفہ ہر اس شخص پر ہے جو فلاں کی نسل یا فلاں کے آل اولاد میں سے ہوں، حالانکہ فلاں مذکور کی نسل یا آل میں سے ایک کے سواء کوئی فقیر نہیں ہے تو تمام تر غلہ اسی کا ہوگا بخلاف اس کے کہ اگر کہا کہ صدقہ موقوفہ فلاں کے اولاد کے فقراء پر ہے تو اس صورت میں نصف ملے گا۔

---

[۱] واذاكان لقريبه ولد كبير لازمانة به وهو فقير ولهذا الولد اولاد صغار فقراء فانه لايعطي اولاد الاولاد من الوقف لاني افرض نفقتهم من مال جدهم واما ابوهم وهو ولده الكبير لصلبه فله حظ في الوقف لانه لانفقة له على الاب لانه كبير لازمانة واذاكان للرجل ابن غني وهو فقير لايعطى من الوقف كذا في الذخيرة ولوقال ارضي صدقة موقوفة على فقراء قرابتي وفيهم رجل فقير يوم مجيء الغلة فاستغنى قبل ان يأخذ حصته وان ولدت امرأة من قرابته ولد بعد مجيء الغلة اقل من ستة اشهر فلاحصة لهذا الولد في هذه الغلة كذافي المحيط (الفتاوى الهنديه صـ ۳۸۲ جـ ۲)

اور اگر ایک ماں باپ سے دو سگے بھائیوں نے اپنے فقراء قرابت پر وقف کیا پھر قرابت میں سے ایک اور فقیر آیا تو دیکھا جائے گا کہ اگر دونوں نے اپنے درمیان مشترک اراضی کو وقف کیا ہے تو اس وقت ایک ہی قوت یعنی ایک کو روزینہ بقدر کفایت دیا جائے گا اور اگر ہر ایک نے اپنی علیحدہ اراضی وقف کی تو ہر ایک میں سے اس کو بقدر قوت دیا جائے گا اور قوت سے مراد اس جنس کے مسائل میں قدر کفایت ہے۔[1]

کسی شخص نے واقف سے اپنی قرابت کا دعوی کیا

کسی شخص نے اپنی جائداد اپنے فقراء قرابت پر موقوف وقف کیا پھر ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ میں فقیر ہوں اور وقف کرنے والے کا قریب ہوں تو اس شخص کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنی قرابت اور فقیر ہونا ثابت کرے، (اگرچہ باعتبار اصل وظاہر کے ثابت ہے لیکن ظاہر حال تو دیدینے کے واسطے حجت ہے استحقاق کے واسطے حجت نہیں) اگر اس نے اپنی قرابت کے گواہ قائم کئے، تو جب تک گواہ اس کی قرابت کے

---

[1] ومستحق مایستقبل من الغلات کذا فی فتاویٰ قاضیخان ولو قال ارضی هذه صدقة موقوفة علی من کان فقیرا من نسل فلان اومن فلان ولیس فی نسله او آله الافقیرا واحدا کان جمیع الغلة له بخلاف مالو قال صدقة موقوفة علی فقراء آل فلان کذا فی الظهیریة اخوان لاب وام وقفا علی فقراء قرابتهما فجاء فقیر واحد من القرابة ینظر ان کانا وقفا ارضا مشترکة بینهما یعطی هذالفقیر قوتا واحدا وان وقف کل واحد ارضا علی حدة یعطی من کل واحد قوته والمراد من القوت فی جنس هذه المسائل الکفایة فان کان الوقف ارضا یعطی کفایته سنة بلااسراف ولاتقتیر وان کان الوقف حانوتا یعطی کفایة کل شهر کذا فی المحیط (الفتاویٰ الهندیه صـ۳۸۷ جـ۲)

نسب معلوم کو بیان نہ کریں تب تک گواہی قبول نہ ہوگی، یعنی اس کا تعلق وقف کنندہ سے کیا ہے اور اگر اس نے اپنے فقیر ہونے کے گواہ قائم کیے تو چاہیے کہ تفسیر کریں، کہ یہ فقیر نادار ہے اس کی ملکیت میں ہم کچھ مال نہیں جانتے ہیں اور ہم کسی ایسے کو نہیں جانتے ہیں، جس پر اس کا نفقہ لازم ہو، پھر جب قاضی نے اس کے نادار ہونے کا حکم دیدیا تو یہ حکم اس کے قرضہ کے حق میں معدوم ہونے کا نہیں ہوگا، اور اگر قاضی نے مطالبہ قرض کے حکم میں اس کے نادار ہونے کا حکم دیا پھر وہ وقف میں سے مانگنے آیا تو اس کو دیا جائے گا اور اگر اس نے گواہ قائم کیے کہ یہ شخص فقیر اور اس وقف کی طرف محتاج ہے اور اس کا کوئی ایسا شخص ہے بھی نہیں جس پر اس کا نفقہ لازم ہو تو قاضی اس شخص کو وقف میں شامل کرلے گا۔[۱]

---

[۱] ولو وقف ارضه علی فقراء قرابته وادعی رجل انه فقیر وهو قریب الواقف یحتاج الی اثبات القرابة والفقر وان کان ثابتا باعتبار الاصل والظاهر لکن الظاهر یصلح حجة للدفع حجاء لاللاستحقاق فان اقام البینة علی قرابته لاتقبل مالم تفسر الشهود قرابته وهو ان یکون من ذوی الارحام وان اقام البینة علی فقره ینبغی ان تفسر الشهود انه فقیر معدم لانعلم له مالا ولااحد الـلزمه نفقته فاذا قضی القاضی باعدامه لایکون قضاء بالاعدام فی حق الدین اما اذاقضی بفقره فی حق مطالبة الدین ثم جاء یطلب الوقف فیعطی له هکذا ذکره هلال وقال الفقیه ابو جعفر یجب ان یثبت مع ذلک انه لیس له احد تلزمه نفقته لان ذلک لم یدخل فی القضاء بالفقر فی حال طلب الدین ولابد من اثبات ذلک لاستحقاق فی الوقف کذافی محیط السرخسی فان اقام البینة انه فقیر یحتاج الی هذاالوقف ولیس له احد تلزمه نفقته ادخله القاضی فی الوقف (الفتاویٰ الهندیه ص ۳۸۷ ج ۲)

منافع وقف کا کچھ حصہ بیوی کیلئے وقف کرنا

کسی نے مرض الموت میں اپنی کوئی زمین (مکان یا کوئی جائداد) اپنی بیوی کو وقف کرتے ہوئے یوں کہا کہ میری یہ زمین یا مکان وغیرہ جو میری جائداد کے ثلث یا اس سے کم ہے فلاں مسجد کیلئے وقف ہے جس کی آمدنی میں سے کچھ حصہ تم اپنے تصرف میں لانا اور کچھ حصہ مسجد کی ترتیب واصلاح میں خرچ کرنا، تو اس سے وقف صحیح ہو جائے گا، بشرطیکہ مال موقوفہ ثلث ترکہ سے زائد نہ ہو، بیوی اگر چہ وارث ہے مگر وارث کیلئے وقف بالکل نہیں ہوتا ہے لیکن منافع وقف کی تقسیم حسب سہام شرعی ہونا ضروری ہے۔ واقف کی تجویز کے موافق تقسیم بقیہ ورثاء کی اجازت کے بغیر نہیں ہوسکتی اسی لئے آمدنی میں سے بیوی کیلئے جتنا حصہ تجویز ہوا ہے وہ صرف بیوی ہی کیلئے نہیں بلکہ بیوی کی حیات تک شرعی سہام کے موافق تمام وارثوں کا ہوگا، جسمیں بیوی ہی شامل ہوگی، پر بیوی کے انتقال کے بعد صرف زوجہ کی وارثوں میں تقسیم ہوگا، رہا تقسیم کس طرح کی جائے تو اس کا حکم وصیت مبہم جیسا ہے اس قسم کی وصیت میں نصف نصف تقسیم ہوگا۔[۱]

منقولہ چیزیں اولاد پر وقف کرنا

اشیاء منقولہ (لوہے لکڑی کا سامان اور انجن مشین) کا وقف غیر منقولہ یعنی مکان، کارخانہ کے وقف کے بغیر کا مسئلہ مختلف فیہ ہے امام محمدؒ کے نزدیک غیر منقولہ کے تابع قرار دیا جائے گا اس کے بغیر وقف کرنے کا عرف میں تعامل ہو تو جائز ہے جس میں تعامل نہ ہو تو ناجائز ہے امام ابو یوسفؒ ہر حال میں ناجائز قرار دیتے ہیں خواہ تعامل ہو یا نہ ہو اور غیر منقولہ کے تابع قرار دے کر ہر طرح جائز ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک منقولہ کا وقف ہر طرح ناجائز ہے اور فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے، لہٰذا کارخانہ وغیرہ

ع[۱] مستفاد امداد المفتین ص ۷۴۳۔

غیر منقولہ چیز کے ساتھ ان منقولہ کو وقف کیا گیا تو درست ہے، تنہا مشین اور اشیاء منقولہ کا وقف صحیح نہیں کیونکہ یہاں ان چیزوں کے وقف کا رواج نہیں ہے۔[2]

نسل میں لڑکی اور لڑکی کی اولاد کا شامل ہونا

بادشاہ وقت یا حاکم وغیرہ نے خانقاہ مدرسہ وغیرہ یا کوئی افادۂ عام کیلئے اپنی زمین یا جائداد زید کیلئے نسل درنسل وقف کردی تو اسمیں زید کے لڑکے کے ساتھ اس کی لڑکیاں اور لڑکیوں کی اولاد بھی اسمیں شامل ہوگی، زید کے بعد اس کی اولاد وقف متولی ہوگی اگر زید کی کوئی اولاد نہیں صرف ایک لڑکی نابالغہ ہے تو وہ متولیہ تو نہیں بن سکتی کیونکہ متولیہ بننے کیلئے عقل اور بلوغ شرط ہے مگر لڑکی کی حق تولیت ختم نہ ہوگی جب تک وہ بلوغ کو نہ پہونچے تب تک قاضی کسی کو متولی بنادے اور اس کے بالغ ہونے کے بعد ولایت اس کی طرف لوٹ آئے گی حاکم وقت یا قاضی کو چاہئے کہ تولیت کا حق اسی کو سپرد کرے اور لڑکی کے بعد اس کی اولاد کو حق تولیت ملے گا۔[1]

اقارب پر وقف کرنے کا ایک طریقہ

کوئی شخص لاولد ہے تو اسکے مرنے کے بعد میراث تو جاری ہوگی نہیں البتہ اس کی زندگی کی ضروریات ہیں اگر زندگی میں وقف کردے گا تو بقیہ زندگی محتاجگی کی حالت گزارنی پڑے گی اسلئے اپنی حیات میں رشتہ داروں کیلئے اس طرح وقف کرے کہ جب تک میں زندہ ہوں اس کے منافع خود لوں گا اور میرے انتقال کے بعد میرے اقارب میں سے مساکین کو ملیں گے اور میرے اقارب میں کوئی مسکین نہیں، تو عامۃ المسلمین کے مساکین پر صرف کئے جائیں۔[2]

ع[2] مستفاد فتاوی محمودیہ ص ۲۵۹ ج ۶۔

ع[1] ولو وقف علی نسله او ذریته دخل فیه اولاد البنین و اولاد البنات قربوا او بعدوا (الفتاوی الهندیه ص ۳۷۵ ج ۲)

ع[2] مستفاد احسن الفتاوی ص ۴۲۰ ج ۶)

وقف علی الاولاد کی صورت میں ذکور واناث کے حصے میں تفاوت ہوگا یا برابری

کسی شخص نے اپنی زندگی میں کوئی جائداد اولاد کیلئے وقف کیا کہ میرے اس مال موقوفہ کے منافع میرے لڑکوں اور لڑکیوں کو دیا جائے تو کیا بھائی بہن دونوں کو ہبہ اور عطایا کی طرح برابر دیئے جائیں گے؟ یا میراث کی طرح ان کے حصے میں تفاوت ہو گا تو اس سلسلے میں فقہاء احناف کے دو قول ہیں ایک یہ ہے کہ وقف میں ہبہ اور عطایا کی طرح لڑکے اور لڑکیوں کو برابر ملے گا، دوسرا قول یہ ہے کہ میراث کی طرح دونوں کے حصے میں تفاوت ہوگا یعنی لڑکوں کو لڑکیوں کے مقابلے میں ڈبل حصہ دیا جائے گا۔ علامہ شامی نے اس کو راجح قرار دیا ہے، لہذا لڑکیوں کو اس سے کم دینا یا بالکل محروم کر دینا جائز نہیں ہے بشرطیکہ لڑکیوں اور دیگر وارثوں کو نقصان پہنچانے کی غرض سے کمی کی ہو اور اگر ضروریات پر نظر کر کے آپسی رضامندی کیساتھ کمی بیشی مطلقا جائز ہے۔[۱]

---

[۱] مطلب: قال للذكر كانثيين ولم يوجد الاذكور فقط او اناث فقط قوله (وان قال للذكر كأنثيين الخ) فيه اختصار واصله ما في الاسعاف ولو قال بطنا بعد بطن للذكر مثل حظ الانثيين فان جاءت الغلة والبطن الاعلى على ذكور او اناث يكون بينهم للذكر مثل حظ الانثيين وان ذكورا فقط او اناثا فقط فبالسوية من غير ان يفرض ذكر مع الاناث او انثى مع الذكور بخلاف مالو اوصى بثلث ماله لولد زيد بينهم للذكر مثل حظ الانثيين وكانوا ذكورا فقط او اناثا فقط فانه يفرض مع الذكور انثى ومع الاناث ذكر ويقسم الثلث عليهم فما اصابهم اخذوه وما اصاب المضموم اليهم يرد الى ورثة الموصي والفرق ان مايبطل من الثلث يرجع ميراثا الى ورثة الموصي وما يبطل الوقف لايرجع ميراثا وانما يكون للبطن الثاني وانه لاحق له مادام احد من البطن الاعلى باقيا فعلم ان مراده بقوله للذكر مثل حظ الانثيين انما هو على تقدير الاختلاف لامطلقا وعلى هذا امور الناس ومعانيهم (الفتاویٰ الشامی ص ۵۴۹ ج ۶)

کسی نے اپنی عالم اولاد پر وقف کیا

کسی شخص نے اپنی زمین یا دیگر اپنی عالم اولاد پر وقف کی یا اولاد کی اولاد پر وقف کیا بشرطیکہ وہ عالم ہوں، پھر واقف چھوٹا لڑکا چھوڑ کر مرا جو چند سال کے بعد عالم بنا تو جب سے عالم ہوا ہے اسی وقت سے اس وقف میں سے حصہ ملے گا، عالم بننے سے قبل اس کو حصہ نہ ملے گا اس طرح ان کی اولاد کی اولاد میں سے جو بھی عالم ہوگا اس وقت سے حصہ ملے گا جب وہ عالم کی سند حاصل کیا ہو۔[۱]

---

[۱] وقف ضیعة علی اولاده الفقهاء واولاد الاولاد ان کانوا فقهاء ثم مات احدهم عن ابن صغیر تفقه بعد سنین لایوقف نصیبه ولایستحق قبل حصول تلک الصفة کذافی القنیة (الفتاوی عالمگیری ص۳۷۳ ج۲)

وقف میں دعویٰ اور شہادت کا بیان

کسی چیز کو فروخت کرنے کے بعد بائع وقف کا دعویٰ کرے

کسی شخص نے ایک زمین فروخت کی پھر کہا کہ میں اس کو وقف کر چکا تھا یا یوں کہا کہ یہ زمین میرے اوپر کسی نے وقف کیا ہے تو یہاں پر تناقض پایا گیا، وقف عدم ملکیت کا مقتضی ہے اور بیع ملکیت کا تقاضہ کرتی ہے پس اگر بائع نے وقف کے اوپر گواہ قائم کر دیا تو بیع باطل ہو جائے گی، بشرطیکہ بائع کے قول میں تناقض نہ ہو، مثلاً بائع نے اولاً کہا کہ زمین فلاں پر وقف ہے پھر مجھ پر وقف ہے اس طرح اس نے اولاً کہا کہ یہ زمین میں نے باپ سے میراث میں پائی ہے اور بعد میں کہا کہ میرے باپ نے مجھ پر وقف کیا ہے تو اس کی بات میں تناقض پائے جانے کی وجہ سے دعویٰ نہیں سنا جائے گا اور بیع باطل نہیں ہوگی۔ ع۱

کسی جائداد سے متعلق دعویٰ کیا کہ میری ملکیت ہے کسی نے انکار کیا کہ نہیں مسجد کی ہے

زید نے ایک مکان پر جو عمر کے قبضہ میں ہے کہ یہ مکان اپنی اصل اور عمارت سے یہ میری ملکیت میں ہے، مدعا علیہ نے اس سے انکار کیا اور دعویٰ کیا کہ فلاں مسجد کی حاجت واصلاح کیلئے وقف ہے، پس مدعی نے اپنے دعوے پر گواہ قائم کیا اس پر قاضی نے

ع۱ ومن باع ارضا ثم قال كنت وقفتها او قال هي وقف علي ان لم يقم بينة علي ذلك واراد تحليف المدعي عليه ليس له ذلك لان سبق الدعوى الصحيحة شرط التحليف وقد انعدم لمكان التناقض منه وان اقام البينة فالمختار انها تسمع لان الدعوىٰ ان بطلت للتناقض بقيت الشهادة وهي مقبولة علي الوقف من غير دعوى كذافي الغياثية ومتى قبلت ينقض البيع كذافي الواقعات الحسامية (الفتاوى الهندية صـ ۴۳۰ جـ ۲)

ملکیت کا دستاویز لکھ دیا، پھر مدعی نے بات بدل کر اقرار کیا کہ اصل زمین اور رقبہ اسکا وقف ہے اور اس پر جو عمارت ہے وہ میری ہے تو اس کا دعوی اور اس کے مطابق قاضی کا لکھا ہوا دستاویز سب باطل ہو جائے گا۔[1]

دو شخص نے دعوی کیا تو قابض کا دعوی اور اس کی گواہی معتبر ہوگی

وقف کے متولیوں نے زمین یا مکان کے وقف ہونیکا دعویٰ کیا اس پر گواہ قائم کیا بعدہٗ دوسرے شخص نے اس جائداد کے متعلق اپنی ملکیت کا دعویٰ اور گواہ قائم کیا حالانکہ فی الحال قبضہ متولیوں کا ہے تو جس کا قبضہ ہے اس کی گواہی مسموع نہیں ہوگی بلکہ جس کا قبضہ نہیں ہے اس کی گواہی معتبر ہوگی۔[2]

وقف کے متعلق شہادت

اگر اوقاف اور اس کے مصارف وغیرہ کے سلسلے میں اختلاف پیدا ہو جائے تو

ع۱ ادعی دارا فی یدی رجل انها ملکه باصلها وبنائها وانکر المدعی علیه ذلک وادعی انها وقف علی مصالح مسجد کذافاقام المدعی بینة علی دعواه وقضی له بذلک وکتب له السجل ثم ان المدعی اقرأ ان اصل الدار وقف والبناء له بطلت دعواه والحکم والسجل هکذاذکر فی فتاویٰ اهل سمر قند کذافی الذخیره (الفتاوی الهندیه صـ۴۳۳ جـ۲)

ع۲ لواقام المتولی بینة علی الوقف واقام المدعی بینته وعلی الملک ذوالید هوالمتولی لاتسمع بینه ذی الید ویقضی بینة الخارج فلواقام المتولی بعد ذلک بینة علی الوقف لاتسمع وعند ابی یوسف رحمه الله تعالیٰ تقبل بینة ذی الید علی الوقف ولاتقبل بینة الخارج علی الملک والفتوی علی قولهما کذافی الفصول العمادیة ناقلا عن فتاویٰ رشیدالدین (الفتاوی العالمگیریه صـ ۴۳۳ جـ۲)

اس وقت شرعی شہادت کی ضرورت پڑے گی اور عام معاملہ کی طرح اس میں بھی کم سے کم دو دیندار مردوں یا ایک مرد دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے ۔[1]

مشاہدین میں سے کسی نے بھی وقف شدہ ملکیت کے حدود بیان کیے

اگر دو گواہوں نے ایک شخص پر گواہی دی کہ اس شخص نے فلاں زمین وقف کی ہے مگر دونوں گواہوں نے یا دونوں میں سے ایک نے حدود بیان نہیں کیے تو گواہی معتبر نہیں خواہ گواہوں نے اقرار کیا کہ واقف وقف کرتے وقت اور گواہ بناتے وقت ہم سے اس جگہ کے حدود بیان نہیں کیے تھے تو بھی ان دونوں کی گواہی باطل ہو جائے گی البتہ اراضی کے مشہور ہونے کیوجہ سے حدود بیان نہیں کیے گئے تو امام خصاف ؒ کے نزدیک گواہی معتبر ہے اسی طرح چاہے حدود میں سے صرف تین کو بیان کیا تو بھی گواہی معتبر مانی جائے گی ، حضرت امام خصاف سے دریافت کیا گیا کہ جب گواہوں نے ہم سے صرف تین حدیں بیان کیں اور ہم نے ان حدود کو قبول کرلیا تو چوتھی حد کی نسبت کیسے

ع [1] ونصابها لغيرها من الحقوق سواء كان الحق مالا او غيره كنكاح وطلاق ووكالة ووصية واستهلال، صبي رجلان اورجل وامرأتان (درمختار على هامش شامي كتاب الشهادت صـ۱۷۸ جـ۸) ولايشهد احد بما لم يعاينه بالاجماع الافي النسب والموت والنكاح والدخول بزوجته وولاية القاضي واصل الوقف وقيل وشرائطه على المختار كما مر في بابه واصله هو كل ماتعلق به صحته وتوقف عليه والافمن شرائطه فله الشهادة بذلك اذااخبرها بهذه الاشياء من يثق الشاهد به من خبر جماعة لايتصور تواهم على الكذب بلاشرط عدالة اوشهادة عدلين ولافي الموت فيكفي العدل ولوانثى (درمختار على هامش شامي صـ۱۸۵ جلد ۸ كتاب الشهادت)

فیصلہ کیا جائے گا، تو فرمایا کہ چوتھی کا تیسری سے مقابلہ کیا جائے گا تو جو حدیں اول کے شروع تک پہنچ جائے تو گویا تینوں حدیں ملا کر چوتھی حد نکال لی جائے گی۔[1]

اگر گواہ حدود بھول جائے

اگر دونوں گواہوں نے گواہی دی کہ اس شخص نے فلاں جگہ کی زمین وقف کی ہے اور وقف کرتے وقت واقف نے ہم سے حدود بھی بیان کئے تھے مگر ہمیں یاد نہیں تو اس کی گواہی اس وقت بھی معتبر نہیں ہوگی۔[2]

گواہ اپنے علم کے مطابق حدود بیان کرے

گواہوں نے گواہی دیتے ہوئے یوں کہا کہ اس شخص نے اپنی زمین وقف کی ہے مگر وقف کرتے وقت حدود بیان نہیں کئے تھے مگر ہم ان کے حدود جانتے ہیں تو بھی اس کی گواہی معتبر نہیں ہوگی۔[3]

ع[1] واذا شهد شاهد ان علی رجل انه وقف ارضه ولم يحددها الشاهدان فالشهادة باطلة وكذالک ان حددها احدهما دون الآخر كانت الشهادة باطلة وكذالک لوشهد انه وقف ارضه التی فی موضع كذا وقالا لم يحددها لنا فالشادة باطلة قال الخصاف الاان تكون ارضا مشهورة لغنی شهرتها عن تحديدها فان كان كذلک قضيت بانها وقف وان حدداها بحدين فالمشهور عن اصحابنا انه لايقبل وان حدداها بثلاثة حدود قبلت الشهادة عند علمائنا الثلاثة كذافی المحيط. وان حدداها بثلاثة حدود وقالا انما اقرلنا بهذه الثلاثة جازت الشهادة كذافی الحاوی سئل الخصاف فقيل اذاقبلنا هذه الشهادة بثلاثة حدود كيف تحكم بالحدالرابع قال اجعل الحدالرابع بازاء الحد الثالث حتی ينتهی مبدء الحد الاول ای بازاء الحد الاول كذافی المحيط (الفتاوی العالمگیریہ صـ ۴۴۴ جـ ۲) (۲، ۳، اگلے صفحہ پر)

زمین کی تعیین کے ساتھ بغیر حدود کے گواہی دینا

گواہوں نے گواہی دیتے وقت یوں کہا کہ واقف نے وقف کرتے وقت ہمیں گواہ بناتے ہوئے زمین مقرر کردی تھی کہ یہ زمین ہے مگر حدود بیان نہیں کئے اور اس کو قاضی کے سامنے اظہار کردیا تو گواہی درست ہے ورنہ نہیں ۔ا

عـ۲/۳/۱ . وان شهد انه ووقف ارضه التي في موضع كذا وحد دها لنا الاانا نسيناه لاتقبل شهادتهما كذافي الذخيرة وان شهد شاهد ان على ان رجل انه وقف ارضه ولم يحددها لنا ولكنا نعرف الحدود ذكر هلال ان القاضي لايقبل شهادتهما قال القاضي الامام ابوزيد الشروطي تاويل هذاانهما لم يبينا للقاضي أما اذا بينا وعرفا يقبل ذلك وذكر الخصاف اني اجيز الشهادة واقضي بالارض بحدودها وقفا واقول للشهود سموا الحدود فاقضي بما يسمون كذا في الظهيرية وهكذا في المحيط والذخيرة قال هلال وكذلك لوقالا لم يكن له في المصر الاتلك الارض لم تقبل كذافي المحيط ولوشهد شاهدان انه وقف ارضه ولم يحددها لنا ولكنا نعرف ارضه لاتقبل شهادتهما لعل للواقف أرضا اخرى سوى التي يعرف الشاهد ان وكذا لوقالا لانعرف له ارضااخرى لم تقبل شهادتهما لعل له ارضا اخرى وهذان لايعلمان كذا في فتاوى قاضيخان ولوقال اشهد نا انه وقف ارضه التي هو فيها ولم يذكر حدودها جازت شهادتهما كذافي الوجيز قال الامام تاويل هذا اذابينا للقاضي وعرفا فاما اذالم يبينا لاتقبل شهادتهما كذفي الوجيز (الفتاوى العالمگيريه صـ۴۴۳جـ۲)

واقف نے کہا کہ اس دار میں سے میں نے اپنا حصہ وقف کیا

گواہوں نے گواہی دی کہ واقف نے اس گھر میں سے اپنا حصہ یا اس گھر میں جو کچھ اپنے باپ سے میراث پایا ہے وقف کیا ہے اور معلوم نہیں کہ وہ حصہ کتنا ہے تو قیاساً گواہی درست نہیں استحساناً درست ہے اور قاضی واقف کو مجبور کریگا کہ اپنا حصہ بیان کرے پس جس قدر حصہ بیان کرے اسی قول کا اعتبار کر کے وقف ہونے کا حکم صادر کریگا، اور واقف مرگیا تو اس کے وارثوں کے بیان کا اعتبار ہوگا۔[1]

شہرت کی بنیاد پر حدود بیان نہیں کیے گئے مگر بعد میں واقف کچھ داخل نہ ہونے کا دعوی کرے۔

ایک شخص نے اپنی کسی مشہور زمین کے متعلق کہا کہ میں نے اپنی یہ مشہور زمین بایں تمام (مثلاً فلاں کھیت یا فلاں زمین جو فلاں کے نام سے مشہور ہے) کو ان وجوہ پر صدقہ موقوفہ کردیا اور ان وجہوں کو بیان بھی کیا اور اخیر اس وقف کا مصرف مسکینوں کو قرار دیا اور زمین کی شہرت کی وجہ سے حدود بیان نہیں کیا اور حدود کے بیان کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے تو یہ وقف جائز ہے، پھر اگر بعد میں واقف نے دعویٰ کیا کہ فلاں کھیت اس

ع[1] واذا شهدوا انه وقف حصته من هذه الدار اوماورث من ابيه من هذه الدار ولايدريان ما هي لم تجز الشهادة قياسا وجازت استحسانا كذافي الحاوى وان شهدوعلى الواقف باقراره ولم يعرفوا ماله من الارض او من الدار اخذ القاضي بان يسمي ماله من ذلك فما سمي من شيء فالقول قوله فيه ويحكم عليه بوقفيه ذلك وان كان الواقف قدمات فوارثه يقوم مقامه في ذلك فاقربه من ذلك لزمه الاان يصح عندالقاضي غير ذلك فيحكم بما يصح عنده منه كذا في الفصول العمادية (الفتاوى الهنديه صـ۴۳۵ جـ۲)

میں داخل نہیں ہے تو شیخ نے فرمایا کہ اگر اس اراضی کے حدود مشہور و معروف ہوں اور کھیت اس حدود کے اندر ہے تو یہ کھیت بھی وقف میں داخل ہوگا۔[1]

مقام کی تعیین میں گواہوں کے درمیان اختلاف پایا گیا

اگر گواہوں نے کسی شخص پر گواہی دی کہ اس نے اپنی زمین وقف کی ہے مگر جگہ کی تعیین میں گواہوں نے مقام بیان کرنے میں اختلاف کیا ہے، پس ایک نے کہا اس نے اپنی زمین جو فلاں مقام پر واقع ہے وقف کی ہے اور دوسرے گواہ نے کہا کہ اس نے اپنی زمین جو دوسرے مقام پر ہے وقف کی ہے تو گواہی معتبر نہیں ہوگی۔[2]

مقدار میں گواہوں کا اختلاف

دو گواہوں نے کسی شخص پر گواہی دی کہ اس شخص نے اپنی زمین وقف کی ہے مگر مقدار میں اختلاف ہوگیا، ایک گواہ نصف کی گواہی دے رہا ہے، دوسرے نے کہا نہیں

---

[1] فی وقف الخصاف رجل وقف ضیعة لـه فقال قدجعلت ضیعتی المعروفة بكذا وهی مشهور ة مستغنية بشهرتها عن تحديدها صدقة موقوفة علی وجوه سماها وجعل اخرها للمساكين جاز فان ادعی الواقف ان قراحا منها لم يدخل فی هذا الوقف قال ان كانت حدود هذه الضيعة مشهورة معروفة وكان هذه القراح داخلا فی حدودها فهو داخل فی الوقف (الفتاوی العالمگیریه ۴۳۰ جـ۲)

[2] واذا شهد علی رجل انه وقف ارضه واختلفا فيما بينهما فشهد احدهما انه وقف ارضه فی موضع كذا فشهد الاخر انه وقف ارضه فی موضع كذا وسمی موضعا اخر لاتقبل الشهادة ولو شهد احدهما انه وقف تلك الارض وارضا اخری قبلت الشهادة علی ما اتفقا عليه (الفتاوی العالمگیریه صـ۴۳۵ جـ۲)

اس نے پوری زمین وقف کی ہے تو نصف حصہ پر وقف ہونے کا حکم لگایا جائے گا [1]

گواہوں میں مشاع اور غیر مشاع میں اختلاف

دو گواہوں نے گواہی دی مگر ایک نے گواہی دی کہ اس نے نصف حصہ مشاع یعنی بغیر تقسیم شدہ وقف کیا ہے دوسرے نے کہا کہ نہیں تقسیم شدہ نصف حصہ وقف کیا ہے تو گواہی باطل ہو جائے گی [2]

گواہوں کے درمیان وقف اور مکان کی تعیین میں اختلاف

کسی شخص کے متعلق دو گواہوں نے وقف کے سلسلے میں گواہی دیتے ہوئے آپس میں اختلاف کیا، ایک گواہ نے کہا کہ اس نے جمعرات کو وقف کیا تھا، دوسرے نے کہا نہیں اس نے جمعہ کو وقف کیا ہے اسی طرح ایک نے کہا کہ جب وقف کر رہا تھا تو یہ کوفہ میں تھا دوسرے نے کہا نہیں وقف کرتے وقت بصرہ میں تھا تو گواہی معتبر ہوگی [3]

دو گواہوں کے درمیان اختلاف واقف کی حیات و ممات کے سلسلہ میں ہوا

دو گواہوں نے کسی شخص کے متعلق گواہی دی کہ اس نے اپنی زمین وقف کی ہے

ع[1] ولو شهد احدهما انه وقف هذه الارض كلها وشهد الاخر انه وقف نصفها قبلت الشهادة على النصف وقضى بوقفية نصف هذه الارض هكذا ذكر هلال والخصاف رحمهما الله تعالىٰ (الفتاوى الهنديه صـ۴۳۵جـ۲)

ع[2] وان شهد احدهما انه وقف نصفها مشاعا وشهد الاخر انه وقف نصفها مفرزا مميزا فالشهادة باطلة كذا في الظهيريه (الفتاوى الهنديه صـ۴۳۶جـ۲)

ع[3] وان شهد احدهما انه وقف يوم الجمعة وشهد الاخر انه وقف يوم الخميس او قال احدهما وقف بالكوفة وقال الاخر وقف بالبصرة فالشهادة جائزة كذافي الحاوى (الفتاوى العالمگيريه صـ۴۳۶جـ۲)

مگر ایک گواہی دیتا ہے کہ اس نے وقف کو وفات پر رکھا تھا کہ میرے مرنے کے بعد یہ زمین وقف ہے، دوسرے گواہ نے گواہی دی کہ نہیں اس نے وقف کو قطعی اور فی الحال قرار دیا تھا، وفات پر نہیں رکھا تھا تو گواہی باطل ہو جائے گی۔ [۱]

گواہوں کا وقف کے مصارف میں اختلاف ہوا

دو گواہوں نے کسی شخص کے متعلق وقف کی گواہی دیتے ہوئے اختلاف کیا، ایک گواہ کہتا ہے کہ اس نے اس زمین کو فقیروں پر صدقہ موقوفہ قرار دیا دوسرے نے گواہی دی کہ اس نے اس کو مسکینوں پر صدقہ موقوفہ قرار دیا ہے تو گواہی مقبول ہوگی، کیونکہ کار خیر میں فقیر مسکین کے برابر ہے۔ [۲]

گواہوں نے پڑوسیوں کے متعلق گواہی دی اور یہ خود پڑوسی ہیں

اگر وقف میں جھگڑا واقع ہونے پر دو گواہوں نے گواہی دی کہ اس نے اپنے پڑوسی فقیروں پر صدقہ موقوفہ قرار دیا ہے، اور یہ دونوں گواہ بھی اس کے پڑوسی اور فقیروں میں سے ہیں، تو بھی ان دونوں کی گواہی معتبر ہوگی۔ [۳]

ع[۱] ولو شهد احدهما انه جعل ارضه موقوفة بعد وفاته وشهد الآخر انه وقفها وقفا صحيحا باتا كانت الشهادة باطلة (الفتاوى الهنديه ص ۴۳۶ ج ۲)

ع[۲] ولو شهد احدهما انه جعلها صدقة موقوفة على الفقراء وشهد الآخر انه جعلها صدقة موقوفة على المساكين قبلت الشهادة والحاصل انهما اذا اتفقا على كونها صدقة موقوفة وتفرد احدهما بزيادة شيء لا تثبت الزيادة ويثبت ما اتفقا عليه (الفتاوى الهنديه ص ۴۳۶ ج ۲)

ع[۳] ولو وقعت الخصومة في الوقف فشهد شاهدان انها صدقة موقوفة على فقراء جيرانه والشاهدان من فقراء جيرانه جازت شهادتهما (الفتاوى الهنديه ص ۴۳۷ ج ۲)

قرابتی فقیروں پر صدقہ کی گواہی اور گواہ خود قریبی میں سے ہیں

دو گواہ نے گواہی دی کہ واقف نے اپنے قرابتی فقیروں پر صدقہ موقوفہ قرار دیا ہے، حالانکہ یہ دونوں بھی ان کے قرابتی فقیروں میں سے ہیں، تو ان کی گواہی معتبر نہیں ہوگی اور اگر گواہی دیتے وقت یہ دونوں گواہ مالدار ہو جائے تو بھی گواہی معتبر نہیں ہوگی، کیونکہ جب دونوں فقیر ہو جائیں گے تو ان دونوں کو وقف میں حصہ ملے گا۔[1]

اہل مدرسہ اور اہل مسجد نے مسجد اور مدرسہ کیلئے وقف کی گواہی دی

اہل مدرسہ اور اہل مسجد اور اہل مکتب نے اپنے ادارہ کیلئے وقف کی گواہی دی تو ان لوگوں کی گواہی مطلقاً قبول ہوگی، خواہ یہ گواہ خود اس سے وظیفہ لیتے ہوں، یا ملازمت کرتے ہوں، یا مدرسہ اور مکتب میں ان کے بچے پڑھتے ہوں یا نہیں، ہر اعتبار سے ان کی گواہی قبول کی جائے گی۔[2]

ع[1] ولو شهد شاهدان في ضيعة انها صدقة موقوفة على فقراء قرابته وهما من فقراء قرابته لاتقبل شهادتهما كذا في فتاوىٰ قاضيخان ولو شهدا انه وقف على فقراء قرابته وهما غنيان من القرابة يوم شهدا لم تجز الشهادة لانهما لو افتقرا كان لهما حصة كذافي الحاوي (الفتاوى الهنديه صـ ۴۴۷ جـ ۲)

ع[2] ولووقف رجل كراسة على مسجد لقراءة القرآن او على اهل المسجد وشهد اهل ذلك المسجد على وقف الكراسة فهذه المسئلة نظير شهادة اهل المدرسة على وقف تلك اهل المدرسة وشهادة اهل المحلة على وقف تلك المحلة والمشائخ رحمهم الله تعالىٰ فصلوا الجواب فيها فقالوا في شهادة اهل المدرسة ان كانوا يأخذون الوظائف من ذلك الوقف لاتقبل شهادتهم وان كانوا لاياخذون تقبل وكذا قالوا في اهل المحلة هكذا وكذالك الشهادة على وقف مكتب وللشهادة صبي في المكتب لاتقبل وقيل في هذه المسائل كلها تقبل وهو الصحيح (كذا في الفصول العمادية (الفتاوى العالمگيريه صـ ۴۳۷ جـ ۲)

غصب شدہ چیز پر وقف کی گواہی

کسی گاؤں میں اس کے مکتب اور معلم پر کوئی زمین وقف صحیح کے ساتھ وقف کی ہوئی ہے اوراس کو ایک شخص نے غصب کرلیا ہے، پس گاؤں والوں میں ایسے لوگوں نے جنکے بچے اس مکتب میں نہیں پڑھتے ہیں گواہی دی کہ یہ وقف ہے، جسکو فلاں ابن فلاں نے اس مکتب اوراس کے معلم پر وقف کیا ہے تو ان کی گواہی جائز ہوگی [1]

دوگواہوں نے کسی جائداد کے متعلق وقف کی گواہی دیکر رجوع کرلیا

دوگواہوں نے ایک اراضی کی بابت گواہی دی کہ فلاں نے اس کو مسجد یا مقبرہ یا مسافروں کیلئے مسافرخانہ کے طور پر وقف کردیا تھا، پھر دونوں نے اپنی بات سے رجوع کرلیا تو یہ اراضی جس کی بابت اس طرح وقف ہونے کی گواہی دی تھی، وہ وقف رہے گی، اور جس شخص پر انہوں نے یہ گواہی دی تھی اس کو اس اراضی کی اس روز کی قیمت جس روز قاضی نے مدعی علیہ پر حکم دیا تھا تاوان دیں گے یعنی دونوں گواہ اس کے ضامن ہوں گے۔ اسی طرح اگر دونوں گواہوں نے گواہی دی کہ اس نے مساکین پر یا فلاں پر اور پھر مساکین پر وقف کیا پھر دونوں گواہوں نے اس گواہی سے رجوع کرلیا، تو اس کا حکم بھی اوپر والی صورت مسئلہ جیسا ہے کہ یہ جائداد جس کی بابت گواہی دی تھی وقف رہے گی اور گواہوں پر تاوان ہوگا [2]

ع[1] وفی جامع الفتاوی وقف صحیح علی مکتب ومعلم فی القریة فغصبه رجل فشهد من اهل القرية من لاولد له فی المکتب ان هذاوقف فلان ابن فلان علی کذا صحت شهادتهم کذافی التتارخانیه(الفتاوی الهندیه. ص۴۳۸ ج۲)

ع[2] شاهدان شهدا علی ارض ان فلانا جعلها مسجدا اومقبرة اوخانا للمارة ثم رجعا فالمشهود به وقف علی حاله ویضمن الشاهدان قیمة الارض للمشهود علیه یوم قضی القاضی علیه وکذا لوشهدا انه وقفها علی المساکین او علی فلان ثم علی المساکین ثم رجعا کذا فی الحاوی (الفتاوی الهندیه ص۴۳۸ ج۲)

شہرت اور تسامع کی بنیاد پر گواہی دینا

کسی چیز کے متعلق یہ مشہور ہو کہ یہ وقف ہے تو وقف کی جہت بیان کرنے کیساتھ گواہی قبول کی جائے گی، اور اگر گواہوں نے جہت بیان نہیں کی کہ مسجد کیلئے وقف ہے یا مدرسہ کیلئے یا مقبرہ کیلئے یا فقیروں پر وقف ہے یا مساکین پر کسی طرح کی جہت متعین نہیں کر سکے تو ان گواہوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔[1]

قابل اعتماد خبروں پر مبنی گواہی بھی قابل قبول ہوگی

ایسے قدیم اوقاف جن کے عینی شاہدوں کا زندہ رہنا متوقع نہ ہو، ان کے وقف ہونے یا مصارف وقف کے اثبات کے سلسلے میں، یا مختلف مصارف کی مقدار کی تعیین کے سلسلے میں قابل اعتماد خبروں پر مبنی گواہی بھی قابل قبول ہوگی۔

قابل اعتماد خبروں پر مبنی گواہی سے مراد یہ ہے کہ گواہوں نے اتنے لوگوں سے وہ بات سنی ہو (جس کی وہ گواہی دے رہے ہیں) کہ عادۃً اتنے لوگوں کا جھوٹ بولنا ممکن نہ ہو یا ہر گواہ نے دو عادل مرد یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتوں سے سن کر قاضی کی عدالت میں گواہی دی کہ فلاں جائداد وقف ہے یا فلاں مصرف پر وقف ہے تو

ع۱ الشهادة على الوقف بالشهرة تجوز على شرائطه لا وعليه الفتوى كذا في السراجية وكان الشيخ الامام ظهير الدين المرغيناني يقول لابد من بيان الجهة بان يشهدوا بان هذا وقف على المسجد او على المقبرة وما اشبه ذلك حتى لو لم يذكروا ذلك في شهادتهم لاتقبل شهادتهم ومعنى قول المشائخ لاتقبل الشهادة على شرائطه ان بعد ما بينوا الجهة وقالوا هذا وقف على كذا لاينبغي لهم ان يشهدوا انه يبدأ من غلته فيصرف الى كذا ثم الى كذا ولو ذكروا ذلك لاتقبل شهادتهم كذا في الذخيرة (الفتاوى الهندية ص۴۳۸ ج۲)

یہ گواہی قابل اعتماد خبروں پر مبنی گواہی کہلائے گی، جسے فقہ کی اصطلاح میں شہادت بالتسامع یاشہادت بالشھرۃ بھی کہا جاتا ہے۔

نیز قابل اعتماد خبروں کے علاوہ قابل اعتماد دستاویزات بھی مذکورہ امور کے فیصلے کیلئے کافی ہوں گے اور اگر دستاویزات بھی موجود نہ ہوں تو ماضی میں متولیوں کا جو عمل رہا ہے اس کو سامنے رکھ کر مصارف کے بارے میں فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔[1]

ع[1] ونصابها للزنا اربعة رجال والبقية الحدود والقود ومنه اسلام كافر ذكر وردة مسلم رجلان وللولادة واستهلال الصبى للصلوة عليه والبكاره وعيوب النساء فيما لايطلع عليه الرجال امراة حرة مسلمة والثنتان احوط ونصابها لغيرها من الحقوق سواء كان الحق مالا اوغيره كنكاح وطلاق ووكالة ووصية واستهلال صبى رجلان اورجل وامراتان الدرالمختار على هامش ردالمختار كتاب الشهادات (ص۵۱۵،۵۱۶ ج۴)ماخوذ مجموعه قوانين اسلامى. ولايشهد على شهادة غيره مالم يشهد عليه وقيده فى النهاية بما اذاسمعه فى غير مجلس القاضى فلوفيه جاز وان لم يشهده شرنيلالية عن الجوهرة ويخالفه تصوير صدرالشريعة وغيره وقولهم لابد من التحميل وقبول التحميل وعدم النهى بعد التحميل على الاظهر قوله مالم يشهد عليه اى مالم يقل له الشاهد أشهدعلى شهادتى قوله تصوير صدرالشريعة حيث قال سمع رجل اداء الشهادة عندالقاضى لم يسع له ان يشهد على شهادته قوله وقولهم عطف على تصوير ووجه المخالفة الاطلاق وعدم تقيدالاشتراط اذاكانت عند غيرالقاضى (درمختار على هامش شامى ص ۸۳۱ جـ۸) ولايشهد احد بما لم يعاينه بالاجماع الافى النسب والموت والنكاح (بقیہ اگلے صفحہ پر)

وقف سے لے کر دعویٰ تک اتنی کم مدت ہو کہ عین شاہدوں کا زندہ رہنا ممکن ہو

اگر کسی ایسی چیز کے وقف ہونے کا معاملہ عدالت میں پیش ہو کہ مدعی کی بیان کردہ تاریخ وقف سے لے کر دعویٰ تک اتنی مدت گزری ہو جس میں عینی شاہدوں کے زندہ ہونے کا غالب گمان ہو، تو ایسے اوقاف یا ان کے مصارف کے اثبات یا مصارف کی مقدار کی تعیین کے لئے عینی شاہدوں کی گواہی ضروری ہے اور اگر کسی عذر کی بنیاد پر عینی شاہد عدالت میں حاضر نہ ہو سکتے ہوں تو ان لوگوں کی گواہی کافی ہے جن کے سامنے عینی شاہدوں نے گواہی دی ہو، اور عینی شاہدوں نے ان لوگوں کو گواہی دینے کیلئے بھیجا ہو۔

فقہ کی اصطلاح میں گواہی پر گواہی کو شہادت علی الشہادت کہتے ہیں، جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اصل گواہ کسی عذر کی بنیاد پر عدالت میں حاضر نہیں ہو سکتا ہے، اب ہر گواہ خواہ مرد ہو یا عورت کم از کم دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کے سامنے گواہی دیتا ہے اور ان سے کہتا ہے کہ آپ لوگ عدالت میں حاضر ہو کر میری گواہی پر

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ) والدخول بزوجته وولاية القاضي واصل الوقف وقيل وشرائطه على المختار كما مر في بابه واصله هو كل ما تعلق به صحبة وتوقف عليه والافمن شرائطه فله الشهادة بذلك اذا اخبره بها بهذه الاشياء من يثق الشاهد به من خبر جماعة لايتصور وتواطأهم على الكذب بلاشرط عدالة عدلين الافي الموت فيكفي العدل ولو انثى وان فسر الشاهد للقاضي ان شهادته بالتسامع او بمعاينة اليه ردت على الصحيح الافي الوقف والموت اذافسر اوقالا فيه اخبرنامن نثق به تقبل على الاصح خلاصه (الردالمختار على الدرالمختار صـ ٥٢٠، ٥٢١ جـ ٤)

گواہی دیدیں، چنانچہ مامور گواہ عدالت میں حاضر ہوکر اس طرح کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ فلاں نے اپنی فلاں بات کی گواہی پر مجھے گواہ بنایا ہے اور کہا ہے کہ میری اس گواہی پر گواہی دے دو، تو یہ گواہی شرعاً معتبر ہوتی ہے۔[۱]

ع[۱] (باب الشهادة على الشهادة) هي مقبولة وان كثرت استحسانا في كل حق على الصحيح الا في الحدود والقود بشرط تعذر حضور الاصل بموت اومرض او سفر اوكون المرأة مخدرة وقوله عندالشهادة عندالقاضي قيد للكل لاطلاق جوازالاشهاد لاالاداء كما مر وبشرط شهادة عدد نصاب ولو رجلا وامرأتين عن كل اصل ولو امراة لاتغاير فرعي هذا وذلك وكفيتها ان يقول الاصل مخاطبا للفرع ولوابنه بحر اشهد على شهادتي اني اشهدبكذلويكفي سكوت الفرع ولورده ارتدقنية ويقول الفرع واشهد ان فلانا اشهدني على شهادته بكذا وقال لي اشهد على شهادتي بذلك (ردالمختار على هامش الدر المختار باب الشهادة صـ۵۴۴،۵۴۵ جـ۴)وتقبل فيه الشهادة على الشهادة وشهادة النساء مع الرجال والشهادة بالشهرة لاثبات باصله وان صرحوا به اى بالسماع في المختار والوقف على معنيين حفظا للاوقاف وغيرها لكن في المجتبى المختار قبولها على شرائطه ايضا واعتمد في المعراج واقره الشرنبلالي وقواه في الفتح بقولهم يسلك بمنقطع الثبوت المجهولة شرائطه ومصارفه ماكان عليه في دواوين القضاة انتهىٰ وجوابه ان ذلك لضرورة المدعي اعم بحر وبيان الصرف كقولهم على مسجد كذا من اصله لتوقف صحة الوقف عليه فتقبل بالتسامع (قوله لاثبات اصله) متعلق بالشهادة بالشهرة فقط وفي المنح كل مايتعلق بصحة الوقف ويوقف عليه فهو من اصله ومالا يوقف عليه فهو من الشرائط (قوله وان صرحوا به) بأن قالوا عندالقاضي نشهد بالتسامع دررو في الشهادات الخيرية الشهادة على الوقف بالسماع ان يقول الشاهد اشهد به لاني سمعته من الناس او بسبب أني سمعته من الناس ونحوه (قوله اى بالسماع) اشار به الى تأويل الشهرة (بقیہ اگلے صفحہ پر)

وقف نامہ کی وضاحت

ایک شخص نے اپنی زمین وقف کی اور اس کا وقف نامہ لکھا گیا اور اپنے اوپر گواہ کردیے، اور پھر وقف کرنے والے نے دعویٰ کیا کہ میں نے اس کو اس شرط پر وقف کیا تھا کہ میرے واسطے اس کو بیچ کرنا جائز ہے اور یہ میں نہیں جانتا ہوں کہ اس شرط کو لکھنے والے نے وقف نامہ میں اس بات کو لکھا ہے یا نہیں، تو دیکھا جائے گا کہ وقف کرنے والے لکھنا پڑھنا جانتے ہیں اور یہ وقف نامہ اس کو پڑھکر سنایا بھی گیا اور اس میں لکھا ہوا بھی ہے کہ میں نے وقف صحیح کے ساتھ وقف کیا ہے اور اقرار کیا ہے جو کچھ بھی اس میں ہے سب صحیح ہے، تو اب اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا، اور اگر وقف کنندہ ان پڑھ ہے تو اب دیکھا جائے گا کہ گواہوں نے گواہی دی ہے اور یہ وقف نامہ اس کو پڑھکر سنایا گیا ہے، اور جو کچھ اس میں ہے سب کا اقرار کیا ہے تو بھی واقف کا قول قبول نہیں کیا جائیگا، اور اگر گواہوں نے ایسی گواہی نہیں دی تو اس کا قول قبول ہوگا، اور یہ حکم صرف وقف کی تحریر کیساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام تحریرات کے ساتھ عام ہے۔[1]

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ) بالسماع فساغ تذکیر الضمیر فافاد انهما شیء واحد الخ (الدر المختار مع رد المختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته ص۵۵۰، ۵۶۰ ج۳) ماخوذ مجموعه قوانین اسلامی)

[1] رجل وقف ضیعة له وکتب صکا واشهد شهودا علیه بذلک ثم قال الواقف انی وقفت علی ان یکون بیعی فیه جائزا ولم اعلم ان الکاتب کتب اولم یکتب فی الصک هذا الشرط ان کان الواقف رجلا فصیحا یحسن العربیة وقری علیه الصک وکتب وقف صحیح واقر هو بجمیع مافیه لایقبل قوله وان کان الواقف اعجمیا لایفهم العربیة فان شهد الشهود انه قری علیه بالفارسیة واقر بجمیع مافیه لایقبل قوله ایضا وان لم یشهدوا یقبل قوله کذا فی المضمرات وهذا شیء لایختص بصک الواقف بل یعم الصکوک باسرها کذا فی الظهیریة (الفتاوی الهندیه ص۴۴۰ ج۲)

بیع کی شرط پر وقف کیا مگر وقف نامہ مطلق لکھا گیا

ایک عورت سے اس کے پڑوسیوں نے کہا کہ تو اپنے اس گھر کو اس شرط پر وقف کردے کہ جب تجھے اس کو فروخت کرنے کی ضرورت پیش آئے تو فروخت کردے، عورت نے اس طرح وقف کیا اور وقف نامہ لکھنے والے نے اس شرط کو لکھے بغیر عورت سے کہا کہ میں نے یہ کام کردیا تو اگر اس وقف نامہ کو پڑھ کر سنایا گیا اور عورت نے سنا تو وقف۔ درست ہو جائے گا، اور اگر عورت کو پڑھ کر نہیں سنایا گیا تو مکان وقف نہیں ہوگا۔[1]

قابل زراعت زمین وقف کی مگر کاتب نے حدیں لکھنے میں غلطی کی

ایک شخص نے اپنی زمین قابل زراعت وقف کی اور وقف نامہ لکھنے کی اجازت دیدی، پس کاتب نے اس کی دو حدیں تو ٹھیک لکھیں اور دو حدوں کے لکھنے میں غلطی کی، تو اس میں دو صورتیں ہیں، اول یہ ہے کہ اگر وہ دونوں حدیں جن کے لکھنے میں کاتب غلطی کر گیا ہے اسی جانب میں ہوں لیکن ان دونوں حدوں اور اس زمین محدود کے درمیان میں کسی غیر کی زمین یا باغ انگور یا مکان ہو تو وقف صحیح ہوگا۔

---

[1] وفی فتاوی ابی اللیث سئل الفقیہ ابو جعفر عن امرأۃ قال لھا جیرانھا اجعلی ھذہ الدار وقفا علی انک متی احتجت الی بیعھا تبیعھا فکتبوا صکا بغیر ھذا الشرط وقالوا فعلنا واشھدت علیہ فقال ان قری الصک علیھا بالفارسیۃ وھی تسمع واشھدت علی ذلک صارت الدار وقفا وان لم یقرأ علیھا لاتصیر الدار وقفا وماذکر من الجواب فی المسئلتین انما یتأتی علی قول محمدؒ اما علی قول ابی یوسفؒ فلایتأتی کذافی المحیط (الفتاوی العالمگیریہ ص ۱۳۳ ج ۲)

دوسری صورت یہ ہے کہ اگر یہ دونوں حدیں جن میں غلطی کی ہے اس جانب میں نہ پائی جاتی ہوں تو وقف باطل ہے۔

اور یہ زمین مشہور ہو کہ بوجہ اپنی شہرت کے حدود بیان کرنے کی محتاج نہ ہو تو ایسی حالت میں مذکورہ وقف جائز ہوگا۔[1]

کسی شخص نے اپنی تمام اراضی جو کسی گاؤں میں واقع ہیں کسی قوم پر وقف کرنی چاہی اور اپنے مرض کی حالت میں اس کا وقف نامہ لکھنے کا حکم دیا پس کاتب ان تمام اراضی میں سے کھیت یا باغ انگور کے بعض حصے کو لکھنا بھول گیا پھر یہ وقف نامہ اس وقف کرنے والے کو پڑھکر سنایا گیا اس میں یہ لکھا تھا کہ فلاں ابن فلاں نے اپنی تمام اراضی جو اس گاؤں میں واقع ہے وہ اس طرح اور اس طرح کے ٹکڑے ہیں۔

فلاں ابن فلاں پر وقف کی ہے اور اس میں اس کے حدود بیان کئے ہیں مگر وہ ٹکڑے جن کو کاتب لکھنا بھول گیا ہے مذکورہ وقف نامہ پڑھنے کی حالت میں اس شخص کو نہیں سنایا گیا مگر وقف کرنیوالے نے ان سب کا اقرار کرلیا تو شیخ ابونصرؒ نے فرمایا کہ اگر وقف کرنے والے نے اپنی صحت کی حالت میں وقف کیا ہے اور اس نے یہ خبر دی کہ میری مراد یہ تھی کہ جو کچھ میری ملکیت اس گاؤں میں ہے مذکور اور غیر مذکور سب میں نے

---

[1] وقف ضیعة لہ وامر بکتابة صک الوقف فغلط الکاتب فی حدین واصاب فی حدین فان کان الحدان غلط فیھما فی تلک النواحی لکن بینہ وبین المحدود ارض وکرم اودار للغیر یصح الوقف وان کان الحدان الذان غلط فیھما لایوجدان فی ذلک الموضع فالوقف باطل الا اذا کانت الضیعة مشھورة متعینة مستغنیة عن التحدین لشھرتھا فیجوز الوقف حینئذ کذافی الوجیز (الفتاوی الھندیہ صـ ۱۴۴ جـ ۲)

وقف کی ہے تو یہ تمام وقف اس ملکیت پر واقع ہوگا جو اس نے مراد لے رکھی ہے۔[1]

واقف مرگیا مگر وفات سے قبل اپنی مراد بیان کرگیا

وقف کرنے والا وقف کر کے مرگیا مگر مرنے سے قبل اپنے وقف کی وضاحت کرگیا (مثلاً میں نے اپنی فلاں جائداد فلاں جگہ کی فلاں حصے کو فلاں شخص پر یا فلاں ادارے پر وقف کیا) تو جس طرح سے اس شخص نے خبر دی ہے اسی طرح سے وقف ہوگا۔[2]

کسی نے وقف کے متولی سے وقف کی زمین کرایہ پر لی اور اجارہ نامہ میں واقف کے باپ کا نام نہیں لکھا

ایک شخص نے وقف کے متولی سے وقف کی ایسی زمین کرایہ پر لی جو معلوم لوگوں پر وقف ہے اور اجارہ نامہ میں یوں لکھا ہوا ہے فلاں ابن فلاں نے فلاں ابن فلاں سے جو ایسے وقفوں کا متولی ہے جو فلاں کی طرف منسوب ہے اور اس نام سے مشہور ہے اور وقف کرنے والے کے باپ دادا کا نام نہ لکھا حالانکہ اس کی شناخت نہ ہوئی تو یہ تحریر جائز ہے۔

---

[1] رجل اراد ان یقف جمیع ضیعة له فی قریة من القری علی قوم وامر بکتابة الصک فی مرضه فنسی الکاتب ان یکتب بعض اقرحة من الاراضی والکروم ثم قری الصک علی الواقف وکان المکتوب ان فلان بن فلان جمیع ضیعة له فی هذه القریة وهو کذا وکذا اقراحا علی فلان بن فلان وبین حدودها ولم یقرا علیه القراح الذی نسی الکاتب فاقر الواقف جمیع ذلک قال ابونصر ان کان الوقف فی صحته واخبر الواقف انه اراد به جمیع ماله فی هذه القریة المذکورة وغیر المذکورة فذلک علی الجمیع الذی ارادهٗ (فتاویٰ قاضیخاں علی هامش علی الفتاویٰ الهندیه ص۔ ۳۴۲ ج۔ ۲)

[2] وکذا لومات الواقف وقد اخبر الواقف عن نفسه قبل الموت فالامر علی ماتکلم (فتاوی قاضیخاں علی هامش فتاوی عالمگیریه ص۔ ۳۴۱ ج۔ ۲)

اسلئے کہ اگر اس تحریر میں یوں لکھا جاتا فلاں ابن فلاں نے فلاں ابن فلاں سے جواس طرح متولی وقف ہے حالانکہ یہ وقف معلوم لوگوں پر ہے اجارہ لیا تو جائز تھا اگر چہ وقف کرنیوالے کا نام بالکل نہیں ذکر کیا جائے تو بھی جائز ہے تو صورت مذکورہ میں بدرجہ اولی درست ہوگا [۱]

متولی نے کسی وصی کے واسطے وصیت نامہ تحریر کیا مگر جہت وصیت ذکر نہیں کی

کسی متولی نے وصی کے واسطے وصیت نامہ تحریر کیا اور اس تحریر میں اس کی وصیت وتولیت کی جہت کس کی طرف سے متولی ہے ذکر نہیں کی تو یہ تحریر صحیح نہیں ہے۔

اور اگر یوں تحریر کیا کہ یہ شخص از جانب حاکم وصی ہے یا متولی از جانب حاکم ہے مگر اس قاضی کو ذکر نہیں کیا جس نے اس کو مقرر کیا ہے تو یہ وصیت نامہ درست ہے [۲]

---

[۱] فی فتاوی اهل سمرقند استأجر رجل من متولی وقف ارضا هی وقف علی ارباب معلومین وکتب فی الصک استأجر فلان ابن فلان من فلان ابن فلان المتولی فی الاوقاف المنسوبة الی فلان المعروف بکذا ولم یکتب اسم ابی الواقف وجده ولم یعرف جاز لانه لو کتب ومن فلان بن فلان المتولی فی کذا وهو وقف علی ارباب معلومین جاز وان لم یذکر الواقف فهذا احق کذا فی الذخیرة (الفتاویٰ الهندیه صـ ۴۴۱ جـ ۲)

[۲] وکذا الوصی اذا لم یذکر انه وصی من ای جهاة لان الجهة اذا لم تذکر لایعرف انه متولی من جهة القاضی او الواقف وکذا لو وصی لایعرف انه وصی من جهة الاب او القاضی او الام او الجد واحکامهم تختلف فان کتب وهو متولی او وصی من جهة الحکم ولم یسم القاضی الذی ولاه قالوا یجوز ذلک لان جهة التولیة صارت معلومة ویعرف ذلک القاضی بالنظر فی التاریخ فیعرف القاضی فی ذلک الوقف فیجوز (فتاوی قاضیخان علی هامش فتاوی عالم گیریه صـ ۳۴۲ جـ ۳)

بغیر گواہ کے محض تحریر اور مکان پر تختہ لگے ہونے سے وقف کا حکم نہیں لگایا جائے گا

ایک شخص مثلاً زید کے قبضہ میں ایک زمین ہے اور دوسرا شخص مثلاً عمر آیا اور اس نے دعویٰ کیا کہ یہ زمین وقف ہے اور ساتھ ہی ایک تحریر لایا جس میں عادل لوگوں وقاضیوں کی تحریر ہیں مگر وہ لوگ مر چکے ہیں پھر اس دعویٰ کرنے والے نے قاضی سے درخواست کی کہ اس زمین کے وقف ہونے کا حکم دیا جائے تو قاضی کیلئے جائز نہیں ہے کہ اس تحریر کے مطابق حکم قضاء جاری کرے۔

اسی طرح اگر کسی مکان کے دروازہ پر ایک لوح (تختی) جڑی ہو جس پر اس مکان کا وقف ہونا تحریر ہے تو بھی قاضی اس لوح کے مطابق اس کے وقف ہونے کا حکم نہ دے گا جب تک گواہان عادل اس کے وقف ہونے کی گواہی نہ دیدیں [۱]

وقف کے اقرار کرنے کا بیان

کسی شخص کے قبضہ میں کوئی زمین ہے اور قابض نے اس کے متعلق کہا کہ یہ وقف ہے تو اقرار وقف ہے، ابتداء وقف کے واسطے جو شرائط ہیں وہ اس میں مشروط نہیں ہوں گے۔[۲]

---

[۱] رجل في يده ضيعة جاء رجل وادعى انها وقف وجاء بصك فيه خطوط عدول وقضاة قد انقرضوا وطلب من القاضي القضاء به ليس للقاضي ان يقضي بذلك الصك كذا في الخلاصة وكذالك لو كان لوح مضروب على باب دار ينطق بالوقف لايقضي به مالم يشهد الشهود بالوقف كذافي المحيط (الفتاوى الهنديه صـ ۴۴۱ جـ ۲)

[۲] قوله من الارض في يديه هذه الارض وقف اقرار بالوقف وليس بابتداء وقف حتى لاتشترط له شرائط الوقف كذافي المحيط (الفتاوى الهنديه صـ ۴۴۲ جـ ۲)

وقف کا اقرار کیا مگر اس کے مستحقوں کو بیان نہیں کیا

اگر کسی شخص نے اپنی مقبوضہ زمین کے وقف ہونے کا اقرار کیا اور اس کے وقف کرنے والے کو بیان نہیں کیا اور نہ اسکے مستحقوں کو بیان کیا تو اس کا اقرار صحیح ہے اور یہ زمین فقیروں پر وقف ہوگی اور اس زمین کے وقف کرنے والے کون ہوں گے حتمی طور سے نہیں کہا جا سکتا ہے کہ یہ اقرار کرنے والے ہی وقف کرنے والے ہیں۔

البتہ گواہوں نے گواہی دیدی کہ اقرار کرنے والے نے جس وقت اقرار کیا تھا اس وقت یہ زمین اس کی ملک تھی تو اقرار کرنے والا ہی واقف قرار پائیگا اور اقرار کرنے والا ہی استحساناً اس کا ولی مقرر ہوگا یہاں تک کہ اس کی آمدنی اور اس کے حاصلات کو وہ فقیروں پر تقسیم کریگا مگر اس کو یہ اختیار نہیں ہوگا کہ دوسرے کو اس کا وصی مقرر کرے۔[1]

کسی شخص نے وقف کا اقرار کر کے اپنے قبضہ سے خارج کرنیکا بھی اقرار کیا

ایک شخص نے وقف صحیح کا اقرار کیا اور اپنے قبضہ سے خارج کردینے کا بھی اقرار کیا حالانکہ اس کا وارث جانتا ہے کہ وقف کنندہ یعنی مالک نے اپنے قبضہ سے خارج نہیں کیا ہے، تو مشائخ نے فرمایا اس کا اقرار اس کے نفس پر جائز ہے، اور یہ چیز

---

[1] واذا اقر بوقفية ارض في يده ولم يسم واقفها و لامستحقها صح اقراره وصارت الارض وقفا على الفقراء و لايجعل المقر هو الواقف له و لاغيره الاان يشهد الشهود ان هذه الارض كانت لهذا المقر حين اقرا فيجعل المقر واقفا كذافي محيط السرخسي وهكذا في فتاوى قاضيخان والولاية للمقر استحسانا حتى يقسم الغلة بين الفقراء ولكن ليس له ان يوصى الى غيره كذا في الذخيرة (الفتاوى الهنديه صـ ۴۲۲ جـ ۲)

وقف ہو جائے گی بعد میں اس کے وارثوں کو اختیار نہیں ہوگا کہ اس وقف کو لے لیوے اور محکمہ قضاء میں وارثوں کا دعوی بھی مسموع نہیں ہوگا۔[1]

کسی غیر مسلم کے قبضہ میں زمین ہے اور اس نے اس کے وقف ہونے کا اقرار کیا

ایک غیر مسلم شخص کے قبضہ میں ایک زمین ہے اور اس نے اس زمین کے متعلق اقرار کیا کہ ایک مسلمان نے اس کو مسکینوں پر یا جہاد پر یا حج پر وقف کیا ہے یا اور کوئی ایسا مصرف بیان کیا جس سے مسلمان اللہ تعالیٰ کی قربت چاہتے ہیں تو مذکورہ کافر کا اقرار درست ہوگا اور اس کے حاصلات انہیں وجوہ پر صرف کی جائیں گی، جو اس نے بیان کیا اور اگر غیر مسلم نے اقرار کرتے ہوئے کہا کہ مسلم واقف نے اس زمین کو بیع وقف کیا ہے یا کوئی ایسی راہ بیان کی جس سے مسلمان لوگ اللہ تعالیٰ کا تقرب نہیں چاہتے ہیں تو غیر مسلم کا وقف باطل ہوگا اور زمین اس کے قبضہ سے نکال کر مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کر دی جائے گی۔[2]

ع[1] اقر بوقف صحیح واقر بانہ اخرجہ من یدہ ووارثہ یعلم انہ لم یکن اخرجہ من یدہ قالوا اقرارہ علی نفسہ جائز ولیس للورثۃ ان یاخذوا ولاتسمع دعواھم فی القضا (فتاوی قاضی خان علی ھامش فتاوی عالمگیریہ صـ ۳۱۸ جـ ۳)

ع[2] ذمی فی یدہ ارض اقربان مسلما وقفھا علی المساکین اوفی الحج او فی الغزواوسمی وجھا اخر مما یتقرب بہ المسلمون الی اللہ تعالیٰ جاز اقرارہ ویجری علی الوجوہ التی سماھا وان اقر ان المسلم وقفھا علی البیع او سمی وجھا لایتقرب بہ المسلمون بطل اقرارہ واخرجت الارض من یدہ وجعلت لبیت مال المسلمین کذا فی الحاوی (الفتاوی الھندیہ صـ ۴۴۷ جـ ۲)

اقرار کرنے والے کے علاوہ کسی اور نے دعوی کیا کہ میں اس کا وقف کرنے والا ہوں

کسی جائداد کے متعلق کسی نے وقف کا اقرار کیا اور اس اقرار کرنے والے کے علاوہ کسی اور دوسرے شخص نے وقف کرنے کا دعویٰ کیا کہ میں اس کا وقف کرنے والا ہوں اور چاہا کہ وقف کرنے والے کے قبضہ سے اپنے قبضہ میں لے لوں اس پر اقرار کرنے والے نے اس طرح گواہ قائم کیا کہ اس کا وقف کرنے والا یہ ہی اقرار کرنے والا ہے تو اس اقرار کرنے والے کی گواہی قبول ہوگی اور اس کیلئے ہمیشہ کی ولایت ثابت ہوگی کہ پھر اس کو معزول نہیں کیا جاسکتا۔[1]

اقرار کرنے والے نے واقف کو بیان کیا اور مستحقوں کو بیان نہیں کیا

اقرار کرنے والے نے واقف کو بیان کر دیا مگر مستحقین کو بیان نہیں کیا مثلاً یوں کہا کہ یہ زمین میرے باپ کی طرف سے صدقہ موقوفہ ہے اور اس کا باپ مر چکا ہے، تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اسکے باپ پر قرضہ ہے، تو زمین اس قرضہ میں فروخت کی جائے گی بعدہٗ اس نے وصیت کی ہے تو تہائی زمین سے وصیت پوری کی جائے گی، دونوں کے بعد جو کچھ زمین بچ گئی ہے وہ فقیروں پر وقف ہوگی، بشرطیکہ اس اقرار کرنے والے کیساتھ کوئی دوسرا وارث مقر نہ ہو، اگر اس کے ساتھ دوسرا وارث بھی اقرار کرتا ہو تو جائز ہے، پھر اس کے بعد دیکھا جائے گا اقرار کرنے والے نے اپنے واسطے اس کے متولی ہونے کا دعوی نہ کیا تو ولایت اس

---

[1] وتأویل قبول هذه البینة جاء رجل غیر المقر وادعی انه هو الواقف واراد ان یأخذ من ید المقر فاقام المقر بینة انه هو الواقف فیدفع خصومة المدعی ویثبت لنفسه ولایة لایرد علیها العزل ولوان هذاالمقر بعد هذ الاقرار اقر ان الواقف فلان لایقبل ذلک منه ولو قال انا واقفها قبل قوله کذافی فتاوی قاضیخان (الفتاوی الهندیه صـ۴۴۲ جـ۲)

کے واسطے نہ ہوگی، اور قاضی کو اختیار ہوگا، کہ جس کو چاہے اس وقف کا متولی مقرر کرے۔

اور اگر اقرار کرنے والے نے اپنے واسطے متولی ہونے کا دعویٰ کیا تو اس کا حکم سلامت پر محمول کر کے قول قبول ہوگا۔[1]

اقرار کرنے والے کیساتھ دوسرا وارث انکار کرتا ہے

اور اگر اس اقرار کرنے والے کیساتھ دوسرا وارث ہو جو اس وقف سے انکار کرتا ہو کہ میرے باپ نے وقف نہیں کیا۔ ہے تو اس زمین میں سے انکار کرنے والے کے حصہ کے بقدر الگ کر کے انکار کرنے والے کو دیدیا جائے گا، وہ جس طرح چاہے تصرف کرے اور باقی مال اقرار کنندہ کے اقرار کے مطابق وقف ہوگا۔ نیز یہی حکم اس وقت بھی ہے جبکہ یہ اقرار کیا ہے کہ اس زمین کو میرے دادا نے وقف کیا ہے۔[2]

ع[1] ولو اقر بالوقف وسمي واقفه ولم يسم مستحقه بان قال هذه الارض صدقة موقوفة من ابي وابوه ميت فان كان علي ابيه دين يباع فيه وان كانت له وصية تنفذ وصيته من ثلث ومافضل منهما يكون وقفا علي الفقراء ان لم يكن معه وارث اخر وان كان معه وارث اخر جاز كذا في محيط السرخسي ثم ينظر ان لم يدع الولاية لنفسه فلا ولاية له وللقاضي ان يولي امره من شاء وان ادعى الولاية قبل قوله استحسانا حملا لامره علي الصلاح كذا في المحيط (الفتاوى الهنديه ص۔۴۴۲ ج۔۲)

ع[2] وان كان مع المقر وارث اخر يجحد ذلك كان نصيب الجاحد من هذه الارض يفعل به ماشاء ونصيب المقر يكون وقفا علي مااقر به (فتاوى قاضي خان علي هامش عالم گيريه (ص۔۳۱۸،۳۱۷ ج۔۳) وكذا اذاقال هي موقوفة من جدي ولوقال هذه الارض موقوفة عن ابي فان هذالايكون اقراربالملك لابيه ولايجوز الوقف سواء كان علي الاب دين اوله وصية اومعه وارث ولم يكن شيء من ذلك كذافي الحاوي (الفتاوى الهنديه ص۔۴۴۲،۴۴۳ ج۔۲)

کسی نے غیر کی مملوکہ زمین کے متعلق کہا کہ وقف ہے

اگر کسی شخص نے غیر کی مملوکہ زمین کے متعلق کہا کہ یہ صدقہ موقوفہ ہے اور پھر کسی طرح اس زمین کا مالک ہو گیا تو یہ زمین وقف ہو جائے گی [1]

وقف کو غصب کرنے کا بیان

وقف کے غصب کی مختلف نوعیتیں ہو سکتی ہیں مثلاً وقف کے مال کو خود متولی یا جسکو سپرد کیا وہ ہی غصب کرلے یا کسی نے آکر ظالمانہ قبضہ کرلیا وغیرہ ان مسائل کو یہاں درج کیا جا رہا ہے۔

جس شخص کو وقف کا متولی بنایا تھا اسی نے وقف سے انکار کر دیا

کسی شخص نے اپنی زمین یا گھر کو وقف کیا اور اس پر کسی شخص کو اس وقف کی نگرانی وغیرہ کیلئے متولی بنایا وہ شخص جس کو متولی مقرر کیا تھا اس نے انکار کر دیا کہ یہ چیز وقف نہیں ہے تو وہ غاصب ہے اب اس وقف شدہ جائداد کو اس کے قبضہ سے نکال لیا جائیگا اور اس سلسلہ میں خصم وقف کرنے والا ہوگا، اور اگر وقف کرنے والا مر گیا اور اس وقف کے مستحق لوگوں نے آکر اپنا استحقاق طلب کیا تو قاضی اس مقدمہ میں اپنے شخص کو مقرر کریگا جو اس قبضہ میں خصم بن سکے، پھر غاصب کے پاس اس وقفی چیز میں نقصان آگیا تو اس کے انکار کر جانے کے بعد جو نقصان اس میں آرہا ہے غاصب اس کا ضامن ہوگا اور جو کچھ اس میں سے منہدم ہو چکا ہے تو اس مال سے اس کی تعمیر کی جائیگی [2]

ع[1] لو قال لارض غیرہ ھذہ صدقة موقوفة ثم ملکھا صارت وقفا کذا فی الفتاوی العتابیہ (الفتاوی الھندیہ ص۳۴۴ ج۲)

ع[2] رجل وقف ارضا اودارا اودفعھا الی رجل وولاہ القیام بذلک فجحد المدفوع الیہ فھو غاصب یخرج الارض من یدہ والخصم فیہ الواقف فان کان الواقف میتا وجاء اھل الوقف یطالبون بہ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

غاصب نے واقف ہی سے غصب کیا نہ کہ متولی سے

اگر غصب کرنے والے نے متولی کے بجائے واقف ہی سے اس مال کو غصب کرلیا اور مال واپس کرنے سے انکار کرتا ہے تو قاضی اسکو قید میں رکھے گا، یہاں تک وہ مغصوبہ چیز کو واپس کرے، اور موقوفہ چیز میں کچھ نقصان آرہا ہے تو غاصب اس کا ضامن ہوگا اور اس سے مال لے کر اس کی مرمت کی جائے گی۔

غاصب نے اراضی مغصوبہ میں اپنی طرف سے اضافہ کیا

اگر غاصب نے وقف کی چیز کو غصب کر کے اس میں اپنی طرف سے کچھ بڑھا دیا تو اس کی دو صورتیں ہیں، کہ اضافہ شدہ چیز مال متقوم ہے یا غیر متقوم۔

غیر متقوم کا مطلب یہ ہے کہ وہ زمین سے علاحدہ نہ ہوسکے اور اس کی قیمت کا اندازہ نہ لگایا جاسکے۔ جیسے زمین میں ہل چلا دیا، یا نہر کھودی، یا اس زمین میں کھاد ڈال دی اور وہ مٹی میں مل کر ہلاک ہوگئی، تو اس وقف کا قیم اس کے غاصب سے اسکو مفت لے گا اور زیادتی مذکوری صورت میں کچھ نہیں دے گا۔[1]

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ) نصب القاضی فیما یخاصم فیه فان کان دخلها نقص ضمن ما کان من نقصان بعد جحوده ویعمر به ماانهدم منه ولو غصبها من الواقف اومن والیها غاصب فعلیه ان یردها الی الواقف فان ابی وثبت غصبه عندالقاضی حبسه حتی رد فان کان دخل الوقف نقص غرم النقصان ویصرف الی مرمة الوقف ویعمر به ماانهدم منه ولایقسم بین اهل الوقف کذافی المحیط (الفتاوی الهندیه ص ۴۴۷ ج ۲)

[1] فان کان الغاصب زاد فی الارض من عنده ان لم تکن الزیادة مالامتقوما بان کرب الارض او حفرالنهر اوالقی فی ذلک السرقین واختلط ذلک بالتراب وصار بمنزلة المستهلک فان القیم یسترد الارض من الغاصب بغیر شیء (الفتاوی الهندیه ص ۴۴۷ ج ۲)

اور اگر زیادتی مذکور مال متقوم ہو مثلاً درخت لگایا، یا اس میں عمارت بنادی تو غاصب کو حکم دیا جائے گا کہ اپنا درخت جڑ سے نکال لے، اور عمارت کو توڑ لے اور زمین واپس کردے، بشرطیکہ ایسا کرنے سے زمین وقف کو نقصان نہ پہونچتا ہو اور اگر اس سے زمین وقف کو نقصان پہونچتا ہو مثلاً درخت کو جڑ سے اکھاڑنے میں مذکورہ زمین خراب اور کھنڈر ہو جاتی ہو، اسی طرح عمارت کو توڑنے سے زمین قابل کاشت نہیں رہتی ہو، کھنڈرات میں منتقل ہو جاتی ہو تو غاصب کو اختیار نہ ہوگا کہ درخت کو اکھاڑے اور عمارت کو توڑے، بلکہ اس پر ضروری ہوگا کہ اس درخت کو اکھاڑنے کے بعد اور عمارت توڑی ہوئی کی جو قیمت ہے اس کو ادا کرے بشرطیکہ متولی کے پاس وقف کی آمدنی سے اس قدر مال موجود ہو، وقف سے اتنا مال موجود نہیں ہے تو مذکورہ وقف کو کرایہ پر دیا جائے گا اور اس سے جو کرایہ ملے گا اس سے یہ تاوان ادا کرے اور اگر غاصب چاہے کہ درخت کو ایسی جگہ سے کاٹے جس سے زمین کو کچھ خرابی نہ پہونچے تو اس کو یہ اختیار ہوگا، پھر جتنا درخت کا حصہ زمین میں دبا رہ گیا ہے، اگر اس کی قیمت ہوتی ہو تو متولی اس کی قیمت غاصب کو بطور ضمان دے گا اگر اس کی کچھ بھی قیمت نہیں نکلتی ہے تو ضمان نہیں دے گا، اور اگر متولی نے غاصب سے کسی اور طریقے سے صلح کرلی اور اس میں وقف کا فائدہ ہو تو یہ صلح جائز ہے، یہی حکم عمارت کی شکل میں بھی ہے۔[1]

---

[1] وان كانت الزيادة مالا متقوما كالبناء والشجرة يؤمر الغاصب برفع البناء وقلع الاشجار وردالارض ان لم يضر ذلك بالوقف وان كان اضر بالوقف بان خرب الارض يقلع الاشجار والدار برفع البناء لم يكن للغاصب ان يرفع البناء او يقلع الشجر الاان القيم يضمن قيمة الغراس مقلوعا وقيمة البناء مرفوعا ان كان للوقف غلة في يدالمتولي يكفي لذلك الضمان وان لم يكن للوقف غلة يؤاجر الوقف (بقیہ اگلے صفحہ پر)

غاصب نے غصب کر کے عمارت توڑی یا درخت کاٹ ڈالا

اگر کسی نے وقف کے ایک بڑے احاطہ کو غصب کرلیا اور اسمیں بنی ہوئی عمارت کو ڈھادیا، یا زمین غصب کر کے اس کے درخت کو کاٹ ڈالا تو متولی اور قیم کو حق حاصل ہوگا کہ عمارت اور درختوں کی قیمت غاصب سے وصول کرلے، بشرطیکہ غاصب اس عمارت اور درخت کو واپس کرنے پر قادر نہ ہو، تاوان لینے کے بعد غاصب کا ٹوٹا ہوا حصہ، اینٹ، لکڑی وغیرہ اور کٹے ہوئے درخت کا حصہ واپس کردے تو اس خالی یعنی بے عمارت زمین اور خالی درخت کو واپس کردینے کے بعد سامان اور درخت اسی کے ہو جائیں گے یعنی جتنی قیمت کا نقصان ہوگا اتنے کا ضامن ہوگا اور متولی اس خالی زمین کی قیمت کا حصہ غاصب کو واپس کرے گا۔ ؎

(بقیہ گذشتہ صفحہ) فیعطی الضمان من ذلک کذا فی فتاوی قاضی خان وان اراد الغاصب قطع الاشجار من اقصی موضع لایخرب الارض کان له ذلک ثم یضمن القیم له قیمة مابقی فی الارض الموقفة ان کانت له قیمة کذا فی المحیط فان صالح المتولی من الغرس علی شیء جاز اذاکان فیه صلاح الوقف وکذا فی العمارة کذا فی الحاوی (الفتاوی العالمگیریه ص ۴۴۷/۴۴۸ جـ۲)

؎ واذا غصب الدار الموقوفة اوالارض الموقوفة فهدم بناء الدار وقلع الاشجار کان للقیم ان یضمنه قیمة الاشجار والنخیل والبناء اذالم یقدر الغاصب علی ردها یضمن قیمة البناء وقیمة الاشجاروالنخیل ثابتا فی الارض فان ضمن الغاصب قیمته ذلک ثم ظهرت الداروالارض والنقص والاشجار ومعنی قوله ظهرت الدار قدرالغاصب علی ردالدار والنقص والاشجار فالغاصب یردالعرصة علی الواقف واما النقص والشجر فیکون للغاصب یرد القیم علی الغاصب حصة العرصة کذا فی الذخیرة والمحیط وفتاوی قاضیخان (الفتاوی الهندیه ص ۴۴۸، ۴۴۹ جـ۲)

وقف کو غصب کر کے غاصب نے واپس کرنے سے انکار کر دیا

ایک شخص نے اپنی زندگی اور صحت کی حالت میں اپنی ایک جائداد وقف کی اور اس پر کسی کو متولی بنا کر قبضہ کرا دیا، اس کے بعد اس وقف پر ایک غاصب نے متولی ہو کر وقف پر اپنا پورا قبضہ جما لیا اور اسکے قبضہ سے وقف کا نکالنا دشوار ہے کیونکہ غاصب واپس کرنے سے انکار کر رہا ہے تو غاصب سے قیمت لیکر اس سے دوسرا موضع خرید کر اول کے شرائط کے موافق وقف کیا جائے گا۔

اسلئے کہ جب غاصب نے انکار کر دیا تو گویا وہ وقف ہلاک ہو گیا اور شریعت کا قاعدہ ہے کہ وقفی چیز جب تلف ہو جائے تو اس کے قائم مقام دوسری بدل لینا واجب ہے جب وقفی گھوڑا اگر جہاد میں مارا جائے تو اس کی قیمت سے استبدال کیا جاتا ہے اور یہ حکم بدلیل استحسان ہے جس کو ہمارے مشائخ نے اختیار کیا ہے ۔[1]

غاصب نے غصب کر کے درخت کے پھل وغیرہ کے حاصلات حاصل کر لئے

غاصب نے ایک زمین موقوفہ کو غصب کر لیا، اور اس زمین پر درخت لگے ہوئے تھے اور کئی سال تک ان پھلوں وغیرہ سمیت زمین کو رکھا، پھر چند دن کے بعد غصب شدہ زمین اور درخت کو بھی واپس کرنا چاہا تو اس کے حاصلات کو بھی واپس کرے،

---

[1] وقف مرضعا فی حیاته و صحته و اخرجه من یده فاستولی علیه غاصب و حال بینه وبینه تؤخذ من الغاصب قیمته ویشتری بها موضع اخر فیوقف علی شرائطه لان الغاصب لما جحد صار مستهلکا والشیء المسبل اذا صارت مستهلکا وجب الاستبدال به کالفرس المسبل فی سبیل الله اذا قتل فهذا استحسانا اخذبه المشائخ کذا فی المضمرات (الفتاوی الهندیه (صـ ۴۵۰ جـ ۲)

بشرطیکہ وہ حاصلات بعینہ موجود ہوں اور اگر وہ حاصلات تلف ہوگئی تو اس کے مثل واپس کرے اور اس کی جو قیمت ہوگی وہ انہیں مصرفوں پر خرچ کیا جائے گا جس کے سلسلے میں یہ چیز وقف کی گئی تھی۔[1]

مرض الوفات میں وقف کرنے کا بیان

مرض الوفات وہ آخری بیماری ہے جسمیں انسان کو دوبارہ صحت نہ ملے بلکہ اسی بیماری میں وفات پا جائے تو مرض الوفات میں اس انسان کا ہبہ یا وقف وغیرہ کے ذریعہ تصرف کرنا وصیت کے حکم میں ہے اور وصیت ثلث مال میں نافذ ہوتی ہے۔[2]

مرض الوفات میں کیا گیا وقف ثلث مال میں نافذ ہوگا الا یہ کہ وارث اجازت دیدے۔

ایک مریض نے مرض الوفات میں اپنا گھر وقف کیا، تو وقف جائز ہوگا، جبکہ وہ وقف شدہ اس کے ترکہ میں سے ثلث سے ہی نکل جاتا ہے اور اگر ثلث مال متروکہ سے وقف پورا نہیں ہوتا ہے تو وارثوں کی اجازت پر موقوف رہے گا وارثوں نے اجازت دیدی

ع[1] واذا كان في ارض الوقف نخيل و اشجار استغلها الغاصب سنين يعني الاشجار والنخيل ثم اراد ردالارض والنخيل والاشجار اوالغلة معها ان كانت قائمة بعينها وان كانت مستهلكة ضمن مثلها كذا في الذخيرة وما اخذ من الغاصب من بدل الغلة فرق في الوجوه التي سبلها عليها كذافي المحيط (الفتاوى الهنديه ص۴۴۹ ج۲)

ع[2] الوقف في مرض موته كهبة فيه من الثلث مع القبض فان خرج الوقف من الثلث اواجازه الوارث نفذالكل والابطل في الزائد على الثلث (درمختار علي هامش شامي ۴۶۹، ۴۷۰ ج۲)

تو وقف صحیح قرار پائے گا اور اگر وارثوں نے اجازت نہ دی تو جس قدر تہائی سے زیادہ ہے اتنے حصہ کا وقف باطل ہو جائیگا اور بعض وارثوں نے اجازت دی اور بعض نے اجازت نہ دی تو جس قدر وارثوں نے اجازت دی ہے اسی قدر تہائی کیساتھ وقف درست ہوگا، پھر اگر میت کا کچھ اور مال ظاہر ہوا حتی کہ مذکورہ گھر اس کے تہائی ترکہ سے برآمد ہو گیا تو پورا مذکورہ وقف نافذ کر دیا جائیگا۔[1]

مریض نے اپنی جائداد اپنی اولاد، واولاد الاولاد پر وقف کی

اگر زید مریض اپنی زمین اللہ کی رضاء کیلئے صدقہ موقوفہ کرتے ہوئے اپنی اولاد اور اولاد الا ولاد اور اپنی نسل پر ہمیشہ جب تک تناسل حاصل ہو ان کے بعد مساکین پر وقف کیا تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر یہ زمین اس کے تہائی ترکہ سے برآمد ہو تو وقف ہو جائے گی اور اس سے غلہ حاصل کر کے اس کے تمام وارثوں پر بحساب حصہ میراث کے تقسیم کیا جائے گا حتی کہ اس کی بیوی اور اولاد ہے تو بیوی کو آٹھواں حصہ دیا جائے گا اور اگر میت کے والدین اور اس کی اولاد ہوں تو والدین کو چھٹا حصہ دیکر باقی اس کی اولاد لڑکے کو لڑکیوں کے مقابلہ میں دوگنا (للذکر مثل حظ الانثیین) کے حساب سے کر دیا جائے گا۔[1]

---

[1] مریض وقف دارا فی مرض موته فهو جائز اذا کان یخرج من ثلث ماله وان لم یخرج فاجازت الورثة فکذلک وان لم یجیزوا بطل فیما زاد علی الثلث وان اجاز البعض جاز بقدر ما اجاز وبطل الباقی الا ان یظهر للمیت مال غیر ذلک فینفذ الوقف فی الکل (فتاوی قاضی علی هامش فتاوی عالمگیریه صـ ۳۱۶ جـ۳)

[1] واذا جعل ارضه صدقة موقوفة لله تعالیٰ ابدا علی ولده وولد ولده ونسله ابدا ما تناسلوا من بعدهم علی المساکین فان کانت هذه الارض تخرج من الثلث صارت موقوفة تستغل ثم تقسم غلتها علی جمیع ورثته علی سهام المیراث حتی اذا کانت له زوجة واولاد تعطی الزوجة الثمن وان کان له ابوان واولاد فالابوان یعطیان السدس ویقسم الباقی بین اولاده للذکر مثل حظ الانثیین (الفتاوی الهندیه صـ ۴۵۱ جـ۲)

مریض نے کہا کہ یہ جائداد صدقہ ہے محتاج پر اگر وہ نہ ہو تو فقیر پر

مرض الوفات میں کسی شخص نے کہا کہ یہ میری جائداد زمین مکان وغیرہ صدقہ موقوفہ ہے ہر اس شخص پر جو محتاج ہو میری اولاد و نسل سے ہر ایک کو اس کے نفقہ کے بقدر ملے، اگر میری اولاد و نسل سے کوئی محتاج نہ ہو تو پورا غلہ و آمدنی فقیروں کے واسطے۔

تو ایسی صورت میں اس کی فقیر اولاد پر اس طرح تقسیم ہوگا کہ ہر ایک کو اسقدر دیا جائے گا کہ اس کی بیوی بچے اور گھر کے نوکر وغیرہ کو معروف طریقہ سے کفایت کر جائے یعنی بغیر اسراف و تبذیر کے سالانہ کافی ہو جائے، پھر اس حساب سے جس قدر غلہ اس کے نفقہ کی اولاد میں آئے اس کو جمع کر کے ان اولاد صلبی اور باقی تمام وارثوں میں جو وقف کنندہ کی موت کے روز موجود تھے، فرائض الٰہی کے موافق تقسیم کر دیا جائے گا پھر اگر زندہ صلبی کے حصہ کفایت میں کچھ دے کر وارثوں کی تقسیم میں لے لیا گیا اور جو باقی رہا وہ اس کو کافی نہیں ہوتا تو اس کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ اولاد کے حصہ میں سے کچھ یا اس میں بقدر کمی کے واپس کرے، اور اگر ان کی اولاد میں کچھ مالدار لوگ ہو تو مالداروں کو کچھ نہیں ملے گا اور جتنے لوگ فقیر ہیں انہیں کی تعداد روس پر تقسیم ہوگا۔[۲]

ع[۲] ولو قال المریض ارضی هذه صدقة موقوفة علی من احتاج من ولدی ونسلی یعطی کل واحد مایسع نفقته وان لم یکن فی ولده ونسله فقیر فالغلة کلها للفقیر فان کان ولده ونسله فقراء قسمت الغلة بینهم علی عدد رؤسهم بقدر لکل واحد منهم مایکفیه لنفقته ونفقة ولده وامرأته وخادمه بالمعروف لطعامهم وادامهم وکسوة سنة ثم اصاب ولده لصلبه یقسم بینهم وبین جمیع ورثة الواقف علی فرائض الله تعالیٰ فاذا اخذ منه مااصابه والباقی لایکفیه لم یکن له ان یرجع فیما اصاب ولد الولد وان کان فیهم اغنیاء لایعطی من کان غنیا من ولده ونسله شیئا ویقسم بین الفقراء منهم علی عدد رؤسهم کذا فی الحاوی (الفتاوی الهندیه صـ ۴۵۲ جـ ۲)

مرض الموت میں کچھ وقف کیا اور کچھ وصیت

کسی نے مرض الموت میں اپنی زمین کا کچھ حصہ وقف کیا اور کچھ وصیت تو اس کا تہائی حصہ زمین کا اس کے وقف اور دیگر رعایا میں تقسیم ہوگا، اس طرح کہ وصیت والے اپنی اپنی وصیت کے حساب سے اور وقف والے اس زمین کی قیمت کے حساب سے حصہ دار ٹھہرائے جائیں گے پھر تہائی میں سے جسقدر وصیت والوں کے حصہ میں پڑے وہ لے لیں اور جس قدر اہل وصیت کو پہونچے اس کے حساب سے اس زمین سے حصہ الگ کر کے جن پر وقف کیا ہے وقف کر دیا جائے اور وقف کی تنفیذ مقدم نہیں ہوگی ۔[۱]

واقف نے کہا کہ یہ زمین وقف ہے اس قوم پر پھر غلہ میرے وارثوں کیلئے ہے

کسی شخص نے مرض الوفات میں یوں کہا کہ میری یہ زمین صدقہ موقوفہ ہے اس قوم پر اور ان کے بعد اس وقف کا غلہ میرے وارثوں کے لئے کیا جائے تو اس وقت کے حاصلات اس قوم کیلئے ہوگی جن کے واسطے واقف نے وقف کیا ہے، پھر جب قوم کے یہ لوگ گذر جائیں تو غلہ وارثوں کیلئے ان کی میراث کے حساب سے ہوگا پھر جب وارث لوگ بھی مرجائیں تو اس وقف کا غلہ فقیروں پر صرف کیا جائے گا ۔[۲]

---

[۱] ولو وقف ارضه فی مرض موته واوصی بوصایا قسم ثلث ماله بین الوقف وبین سائر الوصایا فیصرف لاهل الوصایا بوصایاهم ولاهل الوقف بقیمة هذه الارض فما اصاب اهل الوصایا اخذوه وما اصاب قیمة ارض الوقف اخرج من الارض بذلک المقدار فصار ذلک وقفا علی من وقف علیهم ولایکون الوقف المنفذ اولی کذافی الذخیرة (الفتاوی الهندیه صـ۴۵۳ جـ۲)

[۲] واذاجعل ارضه صدقة موقوفة علی قوم ومن بعدهم جعل الغلة للورثة فالغلة تکون للقوم الذین جعل لهم فاذا انقرضوا کانت للورثة علی قدر مواریثهم فاذا ماتوا کانت الغلة للفقراء کذا فی خزانة المفتین والمحیط (الفتاوی الهندیه صـ۴۵۳ جـ۲)

احکام المساجد

مسجد شرعی کی تعریف:- مسجد کے لغوی معنی ہیں سجدہ کرنے کی جگہ اور اس کی جمع مساجد ہے (بہت سی مسجدیں) شریعت میں اس خاص جگہ کو مسجد کہتے ہیں۔ جس کو کسی ایک شخص یا چند لوگوں نے اپنی مملوکہ زمین سے علیحدہ کر کے جدا کر دیئے ہوں اور اس کا راستہ عام سڑک اور عام گزرگاہ کی طرف کر کے عام مسلمانوں کو اس میں فرض نماز پڑھنے کی اجازت دیدی ہو۔ پس جب ایک مرتبہ اذان دیکر جماعت کے ساتھ اس جگہ نماز پڑھ لی جائے گی تو وہ جگہ مسجد ہو جائے گی۔[1]

فرض عین کی قید اس میں ضروری ہے لہذا جنازہ کی نماز پڑھنے کی جگہ اور عیدگاہ اس میں شامل نہیں ہے کیونکہ دونوں کے احکامات علیحدہ ہیں۔

---

[1] عرفا الموضوع المبنی للصلوۃ (القاموس الفقهی حرف السین ص ۱۶۷) ویزول ملکه عن المسجد والمصلی بالفعل وبقوله جعلته مسجدا عند الثانی وشرط محمد والامام الصلوۃ فیه بجماعة (درمختار) قلت وفی الذخیرۃ وبالصلوۃ بجماعة یقع التسلیم بلاخلاف حتی انه اذابنی مسجدا واذن للناس بالصلوۃ فیه جماعة فانه یصیر مسجدا اھ ویصح ان یراد بالفعل الافراز ویکون بیانا للشرط المتفق علیه عند الکل کما قدمناه من ان المسجد لو کان مشاعا لایصح اجماعا وعلیه فقوله عندالثانی مرتبط بقوله المتن بقوله جعلته مسجدا ولیست الواو فیه بمعنی "او" فافهم لکن عنده لابد من افرازه بطریقة ففی النهر عن القنیة جعل وسط داره مسجدا واذن للناس بالدخول والصلوۃ فیه ان شرط معه الطریق صار مسجدا فی قولهم جمیعا (الفتاوی الشامی ۶/۵۴۵)

مسجد کی حد کہاں تک ہوتی ہے

مسجد کی جگہ دو طرح کی ہوتی ہے وسیع اور تنگ، وسیع جگہ میں عام طور سے لوگ ایک خاص حصے میں مسجد کی تعمیر کرتے ہیں، اور تعمیر کے آگے صحن رکھتے ہیں اور صحن میں بھی مسجد ہی کی نیت کرتے ہیں اور گرمی کے موسم میں مغرب وعشاء اور فجر کی نمازیں صحن ہی میں پڑھتے ہیں، اسی طرح سردی کے موسم میں دھوپ لینے کی غرض سے ظہر اور عصر پڑھتے ہیں اور بارش کے موسم میں اندر ہی نماز ہوتی ہے، تو یہ حصے جہاں مسجد کے اندر کو چھوڑ کر جماعت کی جاتی ہے مسجد کے حکم میں ہے۔

اور دوسری قسم کی وہ جگہ ہوتی ہے جہاں صحن بنانے کی گنجائش نہیں ہوتی وہاں صرف عمارت ہی ہوتی ہے۔

اکثر علاقہ میں ایسی جگہوں میں پوری مسجد ہی کی نیت کی جاتی ہے مگر بعض علاقہ میں مثلاً گجرات میں مسجد کے اندر کے حصے سے باہر کچھ صفیں جو برآمدہ پر ہوتی ہیں اس کے متعلق مسجد میں شمول کی نیت نہیں کی جاتی ہے اور اعلان کر دیا جاتا ہے، یا لکھ دیا جاتا ہے کہ مسجد کی حد یہاں تک ہے۔

تو ایسی جگہوں کا حکم یہ ہے کہ وہاں مسجد جیسا معاملہ نہیں ہوگا، یعنی اندر کو چھوڑ کر گرمی اور سردی میں جماعت کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے، فرض نماز جماعت کے ساتھ مسجد کے حد کے اندر ہونی چاہئے، اسی طرح معتکف لوگ بلا وجہ ایسی جگہوں پر قیام نہیں کر سکتے، نیز ایسی جگہوں میں وہ لوگ جن کی جماعت چھوٹ گئی ہے جماعت کے ساتھ نماز ادا کر سکتے ہیں۔

یہی مسجد کی سہ دری اور ان ہالوں کا ہے جو مسجد کے ساتھ تعمیر کر دی گئی ہے اور اس کے متعلق مسجد کی نیت بھی کی گئی ہے[۱]

---

[۱] مستفاد فتاوی رحیمیہ ص ۱۵۰ ج ۲

مسجد شرعی کیلئے عمارت ضروری نہیں ہے

مسجد کی جگہ کو مالک زمین نے مسجد کی نیت سے وقف کر دیا اور اس کے راستے کو بھی ممیز کر دیا اور نماز پڑھنے کی عام اجازت دے دی لوگوں نے زمین کو گھیر کر اذان اور جماعت کیساتھ نماز پڑھنا شروع کر دیا اور ہمیشہ اذان و جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی نیت بھی کر لی اور دوام کے ساتھ وہاں نماز ہونے لگی تو وہ جگہ مسجد شرعی بن گئی مسجد کے لئے مستقل تعمیر ضروری نہیں ہے۔[1]

واقف مسجد کی زمین کو اور راستہ کو اپنی ملکیت سے علیحدہ کر دے

جس شخص نے مسجد کیلئے زمین وقف کیا تو اس کی ملکیت اس سے اسوقت تک ختم نہیں ہوگی، جب تک کہ وقف شدہ حصہ کو مع راستہ کے اپنی ملکیت سے الگ نہ کر دے اور لوگوں کو نماز پڑھنے کی عام اجازت نہ دیدے۔

ملکیت سے علیحدہ کرنا اسلئے ضروری ہے کہ اس علیحدگی سے وہ زمین اور مکان واقف کی ملکیت سے نکل کر اللہ تعالیٰ کیلئے خالص ہو جائیگی اور وقف مکمل ہو جائیگا۔

پس اگر کسی شخص نے اپنے احاطہ یا مکان کے درمیانی حصہ کو مسجد بنا دیا اور اس کا راستہ بھی الگ کر کے مسجد کیلئے شرط کر دیا تو بالاتفاق مسجد ہو جائیگی اور اگر راستہ شرط نہ کیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مسجد ہو جائے گی اور صاحبین کے نزدیک وہ مسجد قرار نہیں پائے گی، کیونکہ بغیر راستہ کے شرط کئے یہ واقف ہی کے حقوق سے قرار پائے گا مگر فتویٰ قاضیخاں

---

[1] رجل لہ ساحۃ لابناء فیھا امر قوما ان یصلوا فیھا بجماعۃ ھذا علی ثلاثۃ اوجہ احدھا اما ان امرھم بالصلوۃ فیھا ابدا نصا بان قال صلوا فیھا ابدا امرھم بالصلوۃ مطلقا ونوی الابد ففی ھذین الوجھین صارت الساحۃ مسجدا لومات لایورث عنہ (الفتاوی العالمگیریہ کتاب الوقف ص۴۵۵ ج۲)

میں لکھا ہے کہ راستہ الگ نہ کر کے صرف مسجد کا دروازہ بڑے راستے کی طرف کر کے بنا دیا تو بھی مسجد قرار پائے گی۔ [1]

آج کے حالات کے اعتبار سے اسی قول پر فتوی ہونا چاہئے۔

محض سنگ بنیاد رکھنے سے مسجد ہوگی یا نہیں

برسوں پہلے کوئی پلاٹ مسجد کیلئے مختص کیا گیا اور دیگر حصوں میں مسلمانوں کے مکانات بنانا طے ہوا تھا اور اسی موقع پر مسجد کے پلاٹ پر کسی بزرگ کے ہاتھ مسجد کی سنگ بنیاد رکھی گئی اس کے بعد مکانات وغیرہ کے تعمیری کام رک گئے اور مستقبل قریب میں مسلمانوں کی بستی بننے کی امید بھی نہیں ہے اور نہ دور تک مسلم بستی موجود ہے زمین ہندو لوگ خرید رہے ہیں اور مسجد کا صرف سنگ بنیاد رکھا گیا ہے اذان و جماعت شروع نہیں ہوئی ہے تو ایسے قرائن کی موجودگی میں وہ مسجد شرعی نہیں کہلائے گی اس کو فروخت کیا جا سکتا ہے۔ [2]

ضرورت کی وجہ سے عارضی مسجد بنانا

کسی جگہ پرانی مسجد مخدوش ہو جائے جس کی وجہ سے اس کو توڑ کر از سر نو بنانے

ع[1] من بنی مسجدا لم یزل ملکه عنه حتی یفرزه عن ملکه بطریقه ویاذن بالصلوة فیه اما الافراز فلانه لایخلص لله تعالیٰ الابه کذا فی الهدایه فلو جعل وسط داره مسجدا واذن للناس فی الدخول والصلوة فیه ان شرط معه الطریق صار مسجدا فی قولهم والافلاعندابی حنیفة رحمة الله علیه وقالا یصیر مسجدا وتصیر الطریق من حقه من غیر شرط کذا فی القنیة وفی السغناقی ولوعزل بابه الی الطریق الاعظم یصیر مسجدا کذا ذکره الامام قاضیخان کذافی التتارخانیه(الفتاوی الهندیه العالمگیریه صـ۴۵۴ تا ۴۵۵ جـ۲)

ع[2] مستفاد فتاوی محمودیه صـ۸۵ جـ۲.

کا تقاضہ ہوا اور کام شروع کر دیا گیا جب تک کام مکمل نہ ہو جائے تب تک مسجد کے احاطہ سے باہر عارضی طور سے ایک کچی مسجد بنادی گئی یا کسی حجرے کو مسجد کے طور پر استعمال کیا جانے لگا اور اذان و جماعت بھی ہونے لگی مگر آئندہ اس کو توڑ دیا جائے گا مستقل مسجد کے نام سے نہ وقف کیا گیا اور نہ مسجد شرعی کی نیت کی گئی ہے تو وہ مسجد شرعی نہیں کہلائے گی، اس جگہ کو بعد میں کسی بھی کام میں استعمال کیا جا سکتا ہے، اس کا حکم ایسا ہی ہے جیسے گھر میں یا باغ یا دکان وغیرہ میں عارضی جماعت خانہ بنایا گیا ہو، اسی طرح عیدگاہ میں بھی مسجد کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔[1]

مسجد کبیر و مسجد صغیر کی تعریف

جو مسجد چالیس ذراع یعنی چالیس گز شرعی لمبی ہو اور چالیس گز چوڑی ہو تو وہ مسجد کبیر میں داخل ہے اور بعض علماء نے فرمایا کہ ساٹھ گز لمبی ساٹھ گز چوڑی ہو مگر پہلا قول چالیس ذراع والا ہی مفتی بہ ہے۔[2]

ع[1] رجل له ساحة لابناء فيها امر قوما ان يصلوا فيها بجماعة وان امرهم بالصلوة شهرا اوسنة ثم مات يكون ميراثا عنه لانه لابد من التأبيد والتوقيت ينافي التابيد مسجد اتخذ لصلوة الجنازة اولصلوة العيد هل يكون له حكم المسجد اختلف المشائخ رحمهم الله تعالىٰ فيه قال بعضهم يكون مسجدا حتى لومات لايورث عنه وقال بعضهم مااتخذ لصلوة الجنازة فهو مسجد لايورث عنه وما اتخذ لصلوة العيد لايكون مسجدا مطلقا وانما يعطى له حكم المسجد في صحة الاقتداء بالامام واما فيما سوى ذلك ليس له حكم المسجد وقال بعضهم له حكم المسجد حال اداء الصلوة لاغير وهو والجبانة سواء (فتاوى قاضي على هامش عالمگيريه (ص۲۹۰/۲۹۱ ج۳)

ع[2] (قوله ومسجد صغير) هو اقل من ستين ذراعا وقيل اربعين وهو المختار كما اشار اليه في الجواهر القهستاني (ردالمختار كتاب الصلوة باب مايفسد الصلوة ويكره فيها)

مسجد ہونے کا حکم کب سے لگایا جائے گا

زمین کا مالک یا کسی مکان کا مالک اپنی مملوکہ جائداد کو مسجد کہکر وقف کردے یا عام لوگوں کے سامنے اس جگہ کو مسجد بننے اور بنانے کی اجازت دیدے اور لوگ اس جگہ میں اذان وجماعت کے ساتھ نماز پڑھنے لگیں تو وہ جگہ اسی وقت سے مسجد کہلائے گی جس وقت سے واقف کی اجازت سے نماز اذان وجماعت کیساتھ قائم ہوئی ہے چہ جائے کہ وہاں مستقل تعمیر نہ ہوئی ہو۔[1]

مسجد بنانے کا حکم

ہر شہر ہر قصبہ اور ہر اس گاؤں میں جہاں مسلمانوں کی ایک جماعت رہتی ہو مستقل بودوباش کیلئے رہائش اختیار کرلئے ہوں مستقبل قریب میں اس بستی کو چھوڑنے کا ارادہ نہ ہو کچھ مسلمانوں کے اپنے ذاتی مکانات بھی ہوں تو ایسی جگہ پر مسجد کیلئے کوئی زمین یا مکان وقف کرنا فرض علی الکفایہ ہے رہا مسجد کیلئے مکان بنانا تو یہ مستحب ہے۔[2]

ع[1] التسلیم فی المسجد ان تصلی فیہ الجماعۃ باذنہ وعن ابی حنیفۃ رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ فیہ روایتان فی روایۃ الحسن عنہ یشترط اداء الصلوۃ فیہ بالجماعۃ باذنہ اثنان فصاعدا کما قال محمدؒ والصحیح روایۃ الحسن کذافی فتاوی قاضیخاں ویشترط مع ذلک ان تکون الصلوۃ باذان واقامۃ جھرا لاسرا حتی لوصلی جماعۃ بغیر اذان واقامۃ سرا لاجھرا لایصیر مسجد عندھما کذافی المحیط والکفایہ ولوجعل رجلا واحدا مؤذنا واماما فاذن واقام وصلی وحدہ صار مسجدا بالاتفاق کذا فی الکفایہ وفتح القدیر (الفتاوی العالمگیریہ صـ۴۵۵جـ۲)

ع[2] امدادالاحکام جلد ۱ صـ۳۵۷.

بلاضرورت دوسری مسجد بنانا

مسجد اللہ کا گھر ہے، مسلمانوں کے عبادت کرنے کی محترم جگہ ہے اللہ کی رضاء کیلئے اسے بنانا بہت ہی اجر وثواب کا کام ہے چنانچہ بخاری شریف کی روایت ہے۔

انه سمع عثمان ابن عفان رضي الله تعالى عنه يقول عند قول الناس فيه حين بنى مسجد الرسول ﷺ انكم اكثرتم واني سمعت رسول الله ﷺ يقول من بنى مسجدا بنى الله له مثله في الجنة۔ (بخاری شریف)

حضرت عثمان غنیؓ سے منقول ہے کہ جب انہوں نے مسجد نبوی کی از سرنو اچھی طرح تعمیر کی تو لوگوں نے چہ میگوئیاں شروع کردی اس پر حضرت عثمان غنیؓ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں نے اعتراض کرنے میں حد ہی کردی حالانکہ میں نے رسول محمد ﷺ سے سنا کہ آپ نے فرمایا جس شخص نے اللہ کی رضاء کیلئے مسجد بنائی اللہ تعالیٰ اسی کے مانند اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا۔

مگر جب ایک مسجد پورے محلہ کیلئے کافی ہو اور زیادہ دور بھی نہ ہو، لوگوں کو پانچ وقت نمازوں میں پہنچنے میں وقت بھی نہ ہو اور راستہ میں کسی طرح کا خطرہ بھی نہ ہو تو بلاضرورت نام ونمود کیلئے دوسری مسجد بنانا جس سے پہلی مسجد کو نقصان پہونچ رہا ہو کہ وہاں کی جماعت منتشر ہو رہی ہو لوگوں کی جمعیت ختم ہو کر اختلاف پیدا ہو رہا ہو شرعاً ممنوع ہے چنانچہ اسی سلسلے میں ایک روایت منقول ہے۔

عن عطا لما فتح الله الامصار على يد عمر رضي الله تعالى عنه امر المسلمين ان يبنوا المساجد وان لايتخذوا في

حضرت عطا سے روایت ہے کہ جب حضرت عمرؓ کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ نے شہروں کا فتح کروایا تو حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کو مسجدیں بنانے کا حکم صادر فرمایا ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ

مدینة مسجدین یضار احدهما صاحبه (کشاف صـ۵٦۸ جـ۱) ایک شہر میں دو مسجدیں اس طرح نہ بنائی جائیں جس سے دوسری مسجد کو نقصان پہنچے۔

لہٰذا ایسا ہرگز نہ کرنا چاہئے کہ بلا ضرورت کے ضدم ضد میں دوسری مسجد بنائی جائے، ایسی مسجد بنانے والے کو ثواب نہیں ملے گا، لیکن باقاعدہ جب مسجد بن جائے اور واقف نے زمین وقف کردیا یا عام لوگوں کے چندہ سے زمین اور تعمیر ہوگئی تو پھر اس دوسری مسجد کو بھی ویران نہیں کرنا چاہئے اسے بھی آباد کرنا چاہئے۔

اور اگر ایک ہی محلّہ میں دوسری مسجد بنانے کی سخت ضرورت ہو مثلاً پہلی مسجد تنگ ہوگئی ہو اس کو وسیع کرنے کی کوئی صورت نہ ہو یا بیچ میں نہر حائل ہو یا کسی طرح کی پریشانی ہو جس کی وجہ سے پرانی مسجد میں جانا مشکل ہو رہا ہو تو دوسری مسجد بنانا جائز ہی نہیں بلکہ کارِ ثواب ہے چنانچہ سنن ابن ماجہ میں ایک حدیث ہے۔

عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت امر رسول الله ﷺ ان یتخذ المسجد فی الدور وان تطیب[۱] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے محلّہ (والی) مسجد بنانے کا حکم ارشاد فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ مسجدوں کو صاف ستھرا رکھا جائے۔

۱؎ سنن ابن ماجه ابواب المساجد باب تطهیر المساجد صـ ۵۵. یجوز لاهل المحلة ان یجعلوا المسجد الواحد مسجدین (البحر الرائق کتاب الصلوة باب مایفسد الصلوة ومایکره فیها صـ۲٦۲ جـ۲) وفی الحاوی سئل ابوبکر عن قوم ضاق مسجدهم فبنوا مسجدا اخر قال یبیعون الاول وینتفعون بثمنه فی الذی یبنونه قال الفقیه هذا الجواب علی قول محمد وعلی قول ابی یوسف لایجوز بیع المسجد بحال (الفتاوی التاتارخانیه کتاب الوقف مسائل وقف المساجد صـ۸۴۸ ادارہ القرآن کراچی)

مسجد ضرار کا تاریخی پس منظر

رسول اللہ ﷺ کی ہجرت سے قبل مدینہ منورہ میں ابو عامر نامی ایک شخص تھا جو زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گیا تھا،

ابو عامر راہب سے مشہور تھا، یہ وہی شخص ہے جن کے لڑکے مشہور صحابی رسول حضرت حنظلہؓ تھے جو غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے اور فرشتوں نے انہیں آسمان پر لے جا کر غسل دیا تھا اسلئے غسیل ملائکہ کے نام سے مشہور ہو گئے مگر ان کا باپ اپنی گمراہی اور نصرانیت پر قائم رہا۔

الغرض: جب حضور ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو ابو عامر راہب حاضر خدمت ہوا اور گفت وشنید کے دوران اسلام پر چند اعتراضات کئے آپ نے تشفی بخش جوابات دیئے مگر اس بدنصیب کو اطمینان نہیں ہوا بلکہ یہ کہا کہ ہم دونوں میں جو جھوٹا ہو وہ مردود اور اپنے احباب واقارب سے دور ہو کر حالت سفر ہی میں مرجائے اور یہ کہا کہ آپ کے مقابلہ میں جو بھی دشمن آئیگا میں اس کی مدد کروں گا چنانچہ غزوۂ حنین تک تمام غزوات میں مسلمانوں کے مدمقابل دشمنان اسلام کے ساتھ ملکر شریک معرکہ رہا، چنانچہ جب قبیلہ ہوازن کی بڑی جنگجو اور طاقتور فوج بھی شکست کھا گئی تو وہ مایوس ہو کر ملک روم جا کر ملک روم کے بادشاہ قیصر کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا اور اسکو اس بات پر آمادہ کرنے کی پوری کوشش کر دی کہ وہ اپنے لشکر سے مدینہ پر چڑھائی کرے، اور مسلمانوں کو یہاں سے خالی کروا دیں اور اپنی پوری حمایت دینے کا وعدہ کیا۔

اسی سازش کے نتیجہ میں اس نے مدینہ کے منافقین کو (جن کے ساتھ اس کا ساز باز تھا) خط لکھا کہ میں اس کی کوشش کر رہا ہوں کہ قیصر مدینہ پر چڑھائی کرے مگر تم لوگوں کی کوئی اجتماعی طاقت ہونی چاہئے جو اس وقت قیصر کی مدد کرے اس کی صورت

یہ ہے کہ تم مدینہ ہی میں اپنا ایک خاص اڈہ بناؤ اور اس کیلئے جس مکان کی تعمیر کرو اس کو مسجد مشہور کرو کہ ہم مسجد بنا رہے ہیں تا کہ مسلمانوں کو شبہ بھی نہ ہو کہ تم لوگ اپنا الگ ٹھیہا بنا رہے ہو اور اسی مکان میں تم لوگ اپنے ہم مشرب لوگوں کو جمع کرو اور جس قدر اسلحہ اور سامان جمع کر سکتے ہو وہ بھی جمع کرو، اور یہیں پر مسلمانوں کے خلاف باہمی مشورہ کیا کرو اور مسلمانوں کے خلاف پوری کوشش صرف کردو۔

چنانچہ اس راہب کے مشورہ پر بارہ منافقین نے مدینہ طیبہ کے محلہ قباء میں (جہاں اول ہجرت میں حضور ﷺ نے قیام فرمایا تھا) اور ایک دوسری مسجد کی تعمیر کی تھی جو مسجد قباء کے نام سے مشہور ہے، اور ایک مسجد کی بنیاد رکھی تھی (ابن اسحاق نے ان بارہ منافقوں کے نام بھی بتلائے ہیں پھر مسلمانوں کو فریب دینے اور دھوکا میں رکھنے کیلئے یہ ارادہ کیا کہ خود رسول اللہ ﷺ سے ایک نماز اس جگہ پڑھوا دیں تا کہ مسلمان مطمئن ہو جائیں کہ یہ بھی ایک مسجد ہے جیسا کہ اس سے پہلے ایک مسجد یہاں بن چکی ہے۔

چنانچہ منصوبہ کے تحت ان کے وفد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ قباء کی موجودہ مسجد بہت سے لوگوں سے دور ہے ضعیف، بیمار، آدمیوں کو وہاں تک پہنچنا مشکل ہے اور خود مسجد قباء اتنی وسیع بھی نہیں ہے کہ پوری بستی کے لوگ اس میں سما سکیں اسلئے ہم نے ایک دوسری مسجد اس کام کیلئے بنائی ہے تا کہ ضعیف مسلمانوں کو فائدہ پہونچے لہذا آپ ﷺ اس مسجد میں ایک نماز پڑھ لیں تا کہ برکت حاصل ہو جائے۔

آپؐ رومیوں سے لڑنے کیلئے غزوہ تبوک کی تیاری میں مشغول تھے، اسلئے آپؐ نے یہ وعدہ کرلیا کہ اسوقت تو ہمیں سفر در پیش ہے واپسی کے بعد ہم اس میں نماز پڑھ لیں گے، لیکن غزوہ تبوک سے واپسی کے وقت جب آپؐ مدینہ طیبہ کے قریب

ایک مقام پر فروکش ہوئے تو اس مسجد کے بنانے کا مقصد اور منافقین کی ساری سازشوں کو اللہ پاک نے آپ ﷺ پر واضح کرنے کے لئے آیات قرآنیہ نازل فرمادی۔

والذین اتخذوا مسجدا ضرارا وکفرا وتفریقا بین المؤمنین وارصادا لمن حارب اللہ ورسولہ من قبل ولیحلفن ان اردنا الاالحسنی واللہ یشھد انھم لکذبون o لاتقم فیہ ابدا لمسجد اسس علی التقوی من اول یوم احق ان تقوم فیہ ط فیہ رجال یحبون ان یتطھروا واللہ یحب المطھرین o

بعض لوگ وہ ہیں جنہوں نے ان اغراض کیلئے مسجد بنائی (اسلام) کو نقصان پہنچانے اور کفر کی باتیں کرنے کیلئے اور ایمانداروں کے مابین تفریق ڈالنے کی غرض سے اور اس شخص کے قیام کا سامان کریں جو اس (مسجد بنانے) کے قبل سے خدا اور رسول کا مخالف ہے (مراد ابو عامر ہے) اور پوچھو) تو قسمیں کھائیں گے کہ بجز بھلائی کے اور ہماری کچھ نیت نہیں ہے اور اللہ گواہ ہے کہ وہ اس (دعوی) میں بالکل جھوٹے ہیں، آپ اس میں کھڑے نہ ہوں البتہ جس مسجد کی بنیاد اول دن میں (یعنی روز تجویز) تقوی پر رکھی گئی ہے مسجد قبا وہ اس لائق ہے کہ آپ اس میں (نماز کیلئے) کھڑے ہوں اس مسجد میں جو پاکی کو خوب پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب پاک ہونے والے کو پسند کرتے ہیں۔

آیتوں کے نزول کے بعد اپنے چند اصحابؓ کو (جن میں عامر بن سکن اور وحشی قاتل حمزہؓ وغیرہ شریک تھے) حکم دیا کہ ابھی فوراً جا کر اس مسجد کو ڈھا دو اور اس میں آگ لگادو یہ سب حضرات اسی وقت گئے اور حکم کی تعمیل فرما کر اس عمارت کو ڈھا کر زمین بوس کردیا۔[1]

[1] تفسیر قرطبی وتفسیر مظہری ماخوذ از معارف القرآن (ص ۴۶۱، ۴۶۲ ج ۴)

تفسیر مظہری میں محمد ابن یوسف صالحی کے حوالہ سے یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ قباء سے مدینہ پہونچ گئے تو مسجد ضرار کی جگہ خالی پڑی تھی آپ نے عاصم ابن عدی کو اس کی اجازت دی کہ وہ اس جگہ میں اپنا گھر بنائیں انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ جس جگہ کے متعلق قرآن کریم کی یہ آیات نازل ہو چکی ہیں میں تو اس منحوس جگہ میں گھر بنانا پسند نہیں کرتا۔

البتہ ثابتؓ بن اقرم ضرورت مند ہیں ان کے پاس کوئی گھر نہیں ہے ان کو اجازت دیدیجئے کہ وہ یہاں مکان بنالیں ان کے مشورہ کے مطابق آپ نے یہ جگہ ثابت ابن اقرم کو دیدی مگر ہوا یہ کہ جب سے ثابتؓ اس مکان میں مقیم ہوئے ان کے کوئی بچہ نہیں ہوا یا زندہ نہیں رہا۔[1]

اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ انسان تو کیا اس جگہ میں کوئی مرغی بھی انڈے بچے دینے کے قابل نہ رہی، کوئی کبوتر اور جانور بھی اس میں پھلا پھولا نہیں چنانچہ اس کے بعد سے یہ جگہ آج تک مسجد قباء کے کچھ فاصلہ پر ویران پڑی ہے۔[2]

پرانی مسجد کے مدمقابل باغراض فاسدہ دوسری مسجد کو ضرار کہنا

مذکورہ آیات کریمہ میں مسجد ضرار کے بنانے کی تین غرضیں بیان کی گئی ہیں

اول ضرار: یعنی مسلمانوں کو تکلیف پہنچانا۔

دوم: تفریقا بین المؤمنین مسلمانوں کے اتحاد کو منتشر کرنا تاکہ مسلمانوں کی ایک جماعت پرانی میں اور دوسری جماعت نئی مسجد میں نماز پڑھیں۔

سوم: ارصادا لمن حارب اللہ یعنی اللہ اور رسول کے دشمنوں کو پناہ ملے

ع[1] تفسیر مظہری ماخوذ معارف القرآن (صـ ۴۶۲ جـ ۴)

ع[2] معارف القرآن صـ ۴۶۲ جـ ۴)

اور یہاں مسلمانوں کے خلاف سازش کریں۔

آیات کریمہ کے مجموعہ سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ جس مسجد کو قرآن کریم نے مسجد ضرار قرار دیا اور رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اس کو ڈھایا گیا اور آگ لگادی گئی در حقیقت نہ وہ مسجد تھی نہ اس سے مقصد نماز پڑھنا تھا بلکہ وہ تین مقاصد تھے جو اوپر ذکر کئے گئے۔

اس سے معلوم ہوگیا کہ آج کل اگر کسی مسجد کے مقابلہ میں اسکے قریب کوئی دوسری مسجد کچھ مسلمان بنالیں اور بنانے کا مقصد یہی باہمی تفرقہ اور پہلی مسجد کی جماعت کو توڑنا وغیرہ اغراض فاسدہ ہوں تو ایسی مسجد بنانے والے کو ثواب تو نہیں ملے گا بلکہ تفریق بین المؤمنین کی وجہ سے گناہ ہوگا، لیکن بایں ہمہ وجوہ اس جگہ کو شرعی حیثیت سے مسجد ہی کہا جائے گا اور تمام آداب واحکام مسجد کے اس پر جاری ہوں گے، اس کا ڈھانا آگ لگانا جائز نہیں ہوگا، اور جو لوگ اس میں نماز پڑھیں گے ان کی نماز بھی ادا ہو جائیگی اگرچہ ایسا کرنا فی نفسہ گناہ رہے گا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اس طرح ریا ونمود کیلئے یا ضد وعناد کیوجہ سے جو مسلمان کوئی مسجد بنائے، اگرچہ بنانے والے کو مسجد کا ثواب نہیں ملے گا بلکہ گناہ ہوگا مگر اس مسجد کو قرآن میں مذکور مسجد ضرار نہیں کہا جائے گا، بعض لوگ جو اس طرح کی مسجد کو ضرار کہتے ہیں یہ درست نہیں ہے البتہ اس کو مسجد ضرار کے مشابہ کہہ سکتے ہیں اس لئے اس کے بنانے کو روکا بھی جاسکتا ہے جیسا کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے ایک فرمان جاری فرمایا تھا جس میں ہدایت کی گئی تھی کہ ایک مسجد کے قریب دوسری مسجد نہ بنائی جائے جس سے پہلی مسجد کی جماعت اور رونق متاثر ہو۔[1]

اس مسجد ضرار کے متعلق دوسری آیت میں رسول اللہ ﷺ کو یہ حکم دیا گیا کہ

---

[1] تفسیر کشاف ماخوذ معارف القرآن ص ۴۶۳، ۴۶۴ ج ۴.

لاتقم فیہ ابدا۔ اس میں قیام سے مراد نماز کیلئے قیام ہے مطلب یہ ہے کہ آپ اس نام کی مسجد میں ہرگز نماز نہ پڑھیں۔

مسئلہ: اس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آج بھی اگر کوئی نئی مسجد پہلی مسجد کے متصل بلا کسی ضرورت کے محض ریاء و نمود کیلئے یا ضد و عناد کی وجہ سے بنائی جائے تو اس میں نماز پڑھنا بہتر نہیں اگرچہ نماز ہوجائیگی۔[۲]

عارضی طور پر بنی مسجد کا حکم

کوئی جگہ عارضی ہو کسی کی مستقل ملکیت نہ ہو جیسے سرکاری روڈ کی زمین، سرکاری اسٹیشن، ہاسپٹل، کورٹ، کچہری، بلوک، وغیرہ جو سرکاری ملکیت ہے، اسی طرح کسی کمپنی کی ملکیت میں کوئی جگہ ہے تو وہاں بغیر اجازت کے یا عارضی طور سے نماز پڑھنے کی اجازت سے جماعت خانہ تعمیر کردیا گیا اور پنجگانہ نماز کے علاوہ جمعہ بھی قائم کردیا گیا اور باضابطہ اذان و جماعت بھی قائم کردی گئی تو بھی وہ جگہ مسجد شرعی کے حکم میں نہیں ہوگی اور اس پر مسجد کے احکام جاری نہیں ہوں گے، وہاں نماز پڑھنے سے مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب نہیں ملے گا، اس تعمیر کو توڑ کر ہٹایا جاسکتا ہے دوسرے کام میں اس جگہ کو استعمال میں لینا بھی جائز ہوگا لیکن نماز باجماعت اور جمعہ و عیدین وغیرہ کیلئے اتنی مختصر جگہ کی اجازت لیکر جماعت خانہ بنانا درست ہے اگرچہ یہ حقیقی مسجد نہ بنے گی، لیکن ایک گونہ مسجد کا فائدہ جماعت وغیرہ کا اہتمام اور جگہ کی صفائی و پاکی کا لحاظ وغیرہ اس سے ضرور حاصل ہوجائے گا اور یہ ایک گونہ مسجد جیسی ہوجائے گی اور اس کا حکم مسجد البیت جیسا ہوگا جیسا کہ ایک حدیث میں حضور ﷺ نے اپنے گھروں میں مسجد بنانے کا حکم صادر فرمایا۔

---

[۲] معارف القرآن صہ ۴۶۴ جہ ۴

عن عائشة قالت امر رسول ﷺ ببناء المسجد فی الدور وان ینظف ویطیب رواه ابو داؤد والترمذی وابن ماجه (مشکوۃ ص۶۹ ج۱)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ حضور علیہ ﷺ نے ہمیں اپنے گھروں میں مسجد بنانے کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ اس کو صاف رکھو اس کو پاک وصاف رکھو۔

لیکن باتفاق امت جو جگہ گھروں میں نماز کیلئے بنائی جاتی ہے وہ احکام مسجد میں داخل نہیں ہوتی لیکن نماز کا اہتمام اور پاکی وصفائی وغیرہ ان سے حاصل ہو جاتی ہے اور ہر طرف سے ہٹ کر ذھن کو یکسوئی اور خشوع وخضوع پیدا ہونے کا سبب بھی پیدا ہو جاتا ہے اسلئے آپؐ نے اس کا حکم صادر فرمایا۔

لہٰذا ایسی عارضی جگہوں پر جماعت خانہ بنانا فائدہ اور ثواب سے خالی نہیں، اور اس بات کا پہلے سے اعلان کردینا چاہئے کہ یہ مسجد مستقل مسجد شرعی نہیں صرف جماعت خانہ کی حیثیت سے بنادیا گیا ہے جب اس کی ضرورت نہیں رہے گی تو اس کو توڑ کر ہٹا دیا جائے گا۔[1]

کس مسجد میں نماز درست نہیں

کچھ ایسے گاؤں میں جہاں لوگ آباد ہیں ایک مسجد بھی پوری نہ ہو پاتی ہے صرف دس بیس گھر کی آبادی ہو، تو ایسی جگہ بلاضرورت دوسری مسجد بنانا گناہ ہے، بنانے والے کو ثواب نہیں ملے گا لیکن جب مسجد بن گئی تو پھر اس میں نماز پڑھنا درست ہے، دنیا میں کوئی ایسی مسجد نہیں کہ جہاں نماز پڑھنا ناجائز ہو چاہے جس فرقہ نے بنائی ہو خواہ رضا خوانی ہو، یا شیعہ، یا غیر مقلد، وغیرہ ہر ایک کی مسجد میں نماز پڑھنا درست ہے، جب مسجد کے نام سے تعمیر ہوگئی تو نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب ملے گا، البتہ کوئی فتنہ فساد ہو تو دوسرے مکتب فکر کی مسجد میں نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔[2]

ع۱ مستفاد امداد المفتین ص ۱۷۷.

ع۲ مستفاد فتاوی عبدالحی ۱۵۴ فتاوی رشیدیه ۵۳۶.

پٹے پر لی ہوئی زمین پر مسجد کا حکم

زمین پٹے پر لی گئی ہو حکومت سے خریدی نہیں گئی اور نہ حکومت نے مسلمانوں کو مستقل دی ہے عارضی زمین ہے جب چاہے حکومت واپس لے لے تو ایسی جگہ مسجد شرعی نہیں بنائی جائے گی البتہ عبادت خانہ بنایا جائیگا اس میں جماعت کا ثواب ملے گا۔[1]

مسجد میں محراب کا حکم

محراب کے سلسلے میں کتب فقہ کی عبارت مختلف ہیں بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ سے اسکا وجود ہے اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کے دور سے اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کی تابعین کے دور سے، اسی طرح کتب تاریخ سے بھی مختلف اقوال نقل کیے جاتے ہیں شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب جذب القلوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ محراب کی علامت یہ ہے کہ وہ اندرونی مسجد سے ہے یہ پہلے سے متعارف ہے عمر بن عبدالعزیز نے اسے سب سے پہلے بنایا ان سے بھی پہلے سے اس کا رواج ہے۔[2]

اور شیخ ابن الھمام کے شاگرد علامہ ابراھیم حلبی اپنے شیخ ابن ہمام کا قول نقل فرماتے ہیں کہ، یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ امام کا امتیاز مقرر اور شریعت میں مطلوب ہے، کھڑے ہونے کے اعتبار سے حتی کہ انکا مقتدیوں سے آگے ہونا واجب ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ایک خاص جگہ میں کھڑے ہوں، اسلئے کہ مسجد میں محراب کا بنایا جانا حضور ﷺ کے زمانہ سے ثابت ہے اور اگر محراب بنے ہوئے نہ ہوں تو سنت یہ ہے کہ مقتدیوں کی صف کے بیچ میں تھوڑا آگے بڑھ جائے،

---

[1] فتاوی رحیمیہ ص ۱۲۷ ج ۶۔

[2] جذب القلب ص ۸۷ ماخوذ فتاوی محمودیہ ص ۳۴۶ ج ۳۔

کیونکہ برابر کھڑا ہونا مطلوب ہے، اس کے علاوہ میں کھڑا ہونا مکروہ ہے [1]

ان کے علاوہ فقہاء بھی محراب میں کھڑے ہوکر نماز پڑھنے کو مکروہ لکھتے ہیں لیکن نفس محراب بنانے کو مکروہ نہیں لکھتے ہیں بلکہ محراب سے باہر کھڑے ہوکر نماز پڑھنے اور محراب میں سجدہ کرنے کو بھی جائز کہتے ہیں علیٰ ھذا القیاس محراب کے دوسرے احکام بھی ذکر کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مساجد میں محراب بنانا جائز اور ثابت ہے۔

محراب بنانے میں مسجد کا نقصان ہو تو نہ بنائے

مسجد میں محراب نکالنے سے مسجد تنگ ہو جاتی ہو، یا مسجد کے منہدم ہونے کا خطرہ ہو تو محراب نہ بنایا جائے، ایسے ہی امام درمیان میں کھڑا ہو جایا کرے، اس طرح کہ دونوں طرف مقتدی برابر ہوں، درمیان سے ہٹ کر امام کا دائیں بائیں جانب کھڑا ہونا سنت کے خلاف ہونے کی وجہ سے کراہت سے خالی نہیں۔ [1]

ع[1] قال الشیخ کمال الدین ابن الھمام ولایخفی ان امتیاز الامام مقرر مطلوب فی الشرع فی حق المکان حتی کان التقدم واجب علیہ وغایتہ ھناک کونہ فی خصوص مکان ولااثر لذالک فانہ بنی فی المساجد المحارب من لدن رسول اللہ ﷺ ولولم تبین کانت السنۃ ان یتقدم فی محاذاۃ ذلک المکان لانہ یحاذی وسط الصف وھو المطوب اذقیامہ فی غیر محاذاتہ مکروہ (غنیۃ المستمل شرح منیۃ المصلی صـ ۳۶۱).

ع[1] السنۃ ان یقوم الامام ازاء وسط الصف الاتری ان المحاریب مانصبت الاوسط المساجد وھی قدعینت لمقام الامام (شامی صـ ۳۱۰ جـ ۲)

فان وقف فی یمنۃ الوسط او فی میسرتہ فقداساء لمخالفۃ السنۃ (عالمگیری ۸۹ جـ ۱)

محراب مسجد میں داخل ہے

محراب تو داخل مسجد ہے مگر اس کے باوجود امام کو اس طرح کھڑا ہونا چاہئے کہ اس کے پیر پورے طور سے خارج محراب ہوں، یا کچھ حصہ خارج محراب ہو اگرچہ داخل محراب کھڑے ہو کر نماز پڑھانے سے بھی ہو جائے گی، مگر اس طرح کہ پورے طور سے امام محراب کے اندر کھڑا ہو مکروہ ہے۔ [1]

ممبر کا مقام اور اس کی کیفیت

ممبر کا مقام محراب کے پاس وسط مسجد میں ہے امام قبلہ کی طرف کھڑا ہو تو دائیں طرف اور جب امام قبلہ کی طرف پشت کرے تو بائیں طرف ہونا چاہئے، محراب کے اندر ایک سیڑھی باہر ہو، تاکہ خطبہ کی حالت میں مقتدیوں کی مواجہت ہو سکے بنا سکتے ہیں یا پورا ممبر محراب سے باہر بھی بنا سکتے ہیں موقع و محل کے اعتبار سے ایسا کیا جانا چاہئے۔ [2]

حضور ﷺ کے ممبر کی تین سیڑھیاں ہوتی تھیں حدیث میں حضورؐ اور آپ کے بعد خلفاء راشدین کے کھڑے ہو کر خطبہ دینے کی مختلف شکلیں ہوتی تھیں۔

ع[1] ای لان المحراب انما بنی علامة لمحل قيام الامام ليكون قيامه وسط الصف كماهو السنة لالان يقوم في داخله فهو وان كان من مقام المسجد لكن اشبه مكانا اخرفا ورث الكراهة (فتاوی شامی صـ ۶۴۶ باب مايفسد الصلوة)

ع[2] وكان منبر رسول الله صلى الله عليه وسلم عن يمين المحراب اذا استقبلت القبلة (بذل المجهود صـ ۱۷۸ جـ ۲) كتاب الصلوة باب موضع المنبر

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال لم یجلس ابوبکر الصدیقؓ فی مجلس رسول ﷺ علی المنبر حتی لقی اللہ عزوجل ولم یجلس عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی مجلس ابی بکر رضی اللہ عنہ حتی لقی اللہ ولم یجلس عثمانؓ فی مجلس عمرؓ اخرجہ الطبرانی فی الاوسط) ع ا	حضرت عبداللہ ابن عمر سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ حضور ﷺ کے بیٹھنے کی جگہ (یعنی پہلی سیڑھی پر) نہیں بیٹھتے تھے یہاں تک اللہ تعالیٰ سے ملاقات کر گئے (یعنی وفات تک نہیں بیٹھے) اور حضرت عمر فاروقؓ ممبر پر اس سیڑھی پر نہیں بیٹھتے جس پر ابوبکر صدیقؓ بیٹھتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کر گئے اور حضرت عثمان غنیؓ سیڑھی کی اس نشست پر نہیں بیٹھتے تھے جس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیٹھتے تھے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ پہلے درجہ پر اور آپ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ اس سے نیچے دوسرے درجہ پر اور حضرت عمر فاروقؓ اس سے بھی نیچے تیسرے درجہ پر بیٹھتے تھے، اور حضرت عثمان غنیؓ حضرت عمر فاروق کی نشست یعنی۔ ع۲

تیسرے درجہ پر نہیں بیٹھے بلکہ سب سے اوپر والے درجہ پر بیٹھے جس پر حضور ﷺ بیٹھتے تھے کیونکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اوپر والے درجہ پر نہ بیٹھتے تو تسلسل چلتا رہتا جس سے بہت بڑی دشواری ہوتی۔ ع۲

ع۱ تاریخ الخلفاء فصل فی مبایعتہ رضی اللہ عنہ ص ۶۳ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت لبنان۔

ع۲ لما قبض رسول ﷺ قام ابوبکرؓ علی المنبر دون مقام رسول ﷺ بمرقاۃ ثم قام عمرؓ دون مقام ابی بکرؓ بمرقاۃ ثم لما ولی عثمانؓ صعد ذروۃ المنبر (نفحۃ العرب ص ۳۲ قدیمی)

مسجد میں کتنے منارے ہونے چاہئے

مینار کے متعلق شریعت کی طرف سے کوئی تحدید وتعیین نہیں ہے، البتہ مسجد کی ہیئت ایسی ہونی چاہئے کہ دیکھنے والے پہچان لیں کہ یہ مسجد ہے عامتاً دو منارے بنانے کا معمول ہے اور کسی مسجد میں چار اور کسی میں اس سے زائد بھی ہیں، مگر تعداد شرعی کا کوئی حکم نہیں ہے، البتہ بلاوجہ پیسے خرچ نہ کیا جائے خاص کر وقف کے پیسے کو بہت احتیاط سے خرچ کرنا چاہئے۔[1]

حضور ﷺ کے زمانہ مبارک میں منارے کی یہ شکل نہ تھی جو آج ہے لیکن اذان بلند جگہ سے دی جاتی تھی، ابوداؤد شریف میں ایک صحابیہ کا بیان منقول ہے کہ میرا مکان مسجد نبوی سے قریب تھا اور دوسرے مکانوں کے بہ نسبت بلند تھا جس پر چڑھ کر حضرت بلالؓ اذان دیتے تھے۔

اس سے ثابت ہوا کہ اذان کیلئے بلند جگہ شرعا مطلوب ہے لہذا گر ضرورت ہو جہاں منارے کے بغیر اذان کی آواز نہیں پہونچتی ہو تو اس کا بنانا جائز ہے بدعت نہیں ہے مگر منارے بنانے میں مقصد اخلاص ہو، نام ونمود مقصود نہ ہو ضرورت سے زیادہ بلند نہ ہو اور اگر منارے بنانے کی ضرورت نہ ہو بغیر منارا بنائے آواز پہنچتی ہو تو جائز نہیں ہے۔[2]

ع[1] ولاباس بنقشہ خلا محرابہ بجص وماء ذھب لامن مال الوقف فانہ حرام وضمن متولیہ لوفعل (درمختار) واما من مال الوقف فلاشک انہ لایجوز للمتولی فعلہ مطلقا لعدم الفائدۃ فیہ خصوصا اذا قصد بہ حرمان ارباب الوظائف کماشاھدناہ فی زماننا (فتاوی الشامی صـ ۴۳۰ جـ ۲. کتاب الصلوۃ مطلب کلمۃ لاباس دلیل (محمودیہ صـ ۴۵۵ جـ ۴)

ع[2] مستفاد فتاوی رحیمیہ صـ ۱۱۹ جـ ۶.

عام سڑک اور رفاہی پلاٹ پر مسجد بنانا

عام راستہ بادشاہ اور سرکار کا مملوک نہیں بلکہ حق عام ہے اگر لوگوں کی عام اجازت ہو لوگوں کو گزرنے میں تکلیف بھی نہ ہو تو مسجد بنانا درست ہے۔[1]

اسی طرح ایک رفاہی پلاٹ اہل محلہ کیلئے مخصوص ہے لوگ اپنی اجتماعی وانفرادی تقریبات میں اس کو استعمال کرتے ہیں تو یہ اہل محلہ کا حق ہے محلہ والے چاہیں تو ایسی جگہوں پر مسجد بنا سکتے ہیں، کیونکہ مسجد مسلم آبادی کی بنیادی ضرورت ہے حکومت پر ان لوگوں کا تعاون ضروری ہے نہ کہ اس کام میں رکاوٹ پیدا کریں۔[2]

البتہ حکومت کی طرف سے سختی ہو اور بنانے کی ممانعت ہو اور بنانے سے فتنہ فساد برپا ہونے والا ہو تو نہیں بنانی چاہئے (محمد کوثر علی سبحانی)

مسجد کی زمین فروخت کرنا

کسی نے زمین کے ایک حصہ کو کسی معین مسجد کے واسطے وقف کیا کہ اس کے متعلق جو کام درپیش ہوں اس زمین کے منافع کو اس مسجد میں خرچ کیا جائے تو وقف صحیح ہو گیا وقف کے صحیح ہونے کیلئے فقہانے تابید کو شرط قرار دیا ہے اور جس وقف میں خلاف تابید کوئی شرط ہو تو اسکا وقف صحیح نہیں ہوگا مگر مسجد کا وقف صحیح ہو جائے گا، اور شرط باطل ہو جائے گی، لہذا وقف کے تام ہو جانے کے بعد اس کی بیع وشراء درست نہیں ہے۔[3]

ع[1] امدادالفتاوی ص ۶۸۹ ج ۲

ع[2] احسن الفتاوی ص ۴۴۳۔

ع[3] وشرطه شرط سائر التبرعات كحرية وتكليف وان يكون قربة فى ذاته معلوما منجزا معلقا الابكائن ولا مضافا ولا موقتا ولا بخيار شرط ولا ذكر معه اشتراط بيعه وصرف ثمنه لحاجته فان ذكره (بقیہ اگلے صفحہ پر)

البتہ اگر واقف نے بوقت وقف یہ شرط لگادی ہو کہ اگر اس زمین سے انتفاع نہ ہو سکے تو اس کے عوض دوسری زمین لیکر وقف کردی جائے تو جائز ہے۔[1]

مسجد کو فروخت کرنا

جب مسجد کی نیت سے تعمیر ہو جائے اور وہاں نماز باجماعت اور اذان ہونے لگے، اسی طرح پہلے سے کوئی مسجد بنی ہو اور فی الحال آباد نہ ہو، اور وہاں نماز باجماعت بھی نہ ہوتی ہو بہر صورت اس کا فروخت کرنا یا مسجد کے علاوہ کسی کام میں اس جگہ کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے وہ ہمیشہ کیلئے مسجد ہی رہے گی خواہ آباد ہو یا نہ ہو۔[2]

مسجد کی جائداد میں درخت وغیرہ لگا کر منافع حاصل کرنا

مسجد کی موقوفہ زمین اس قابل ہے کہ اس کو کاشت کیلئے دیکر غلہ حاصل کیا جاسکتا ہے، اسی طرح اس میں درخت لگا کر اس کے پھل کو فروخت کر کے منافع کو مسجد کے

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ) بطل وقفہ بزازیہ (درمختار) قولہ ولاذکرمعہ اشتراط بیعہ) فی الخصاف لوقال علی ان لی اخراجھا من الوقف الی غیرہ اوعلی ان اھبھا واتصدق بثمنھا اوعلی ان اھبھا لمن شئت اوعلی ان ارھنھا متی بدأ لی واخرجھا عن الوقف بطل الوقف ثم ذکر ان ھذا فی غیر المسجد اماالمسجد لواشترط ابطالہ اوبیعہ صح وبطل الشرط (فتاوی شامی ص ۵۲۳ ج ۶۔ موخوذ ازفتاوی محمودیہ ص ۲۵۶ ج ۴)

ع[1] واجمعوا انہ اذاشرط الاستبدال لنفسہ فی اصل الوقف ان الشرط والوقف صحیحان ویملک الاستبدال ولوشرط ان یبیعھا ویشتری بثمنھا ارضا اخری ولم یزد صح استحسانا وصارت الثانیۃ وقفا بشرائطہ الاولی ولایحتاج الی ایقافھا (البحر الرائق کتاب الوقف ص ۳۷۱ ج ۵ رشیدیہ)

ع[2] مستفاد فتاوی رشیدیہ ص ۵۴۱ ج...)

مصالح میں خرچ کیا جاسکتا ہے تو کردیا جائے مثلاً ان پیسوں کو امام اور موذن کی تنخواہ میں اسی طرح مسجد کی چٹائی اور لائٹ میں اور دیگر اخراجات میں صرف کیا جاسکتا ہے۔[1]

مسجد کے سامان کو فروخت کرنا

مسجد کا جو سامان وقف کیا ہوا ہے، اور بیکار سا پڑا ہوا ہے یا خراب ہو رہا ہو تو ایسے سامان کو واقف کی اجازت سے فروخت کیا جائے، بغیر وقف کرنے والے کی اجازت سے ایسے سامان کو فروخت کرنا ناجائز ہے۔[2]

اور جو سامان متولی نے مسجد کے پیسے سے خریدی اور اب وہ بلاوجہ پڑا ہوا ہے تو ایسے سامان کو مصالح مسجد کیلئے فروخت کیا جاسکتا ہے۔[3]

ع[1] مسجد فیہ شجرۃ التفاح قال بعضھم یباح للقوم ان یفرطوا بھذا التفاح والصحیح انہ لایباح لان ذلک صار وقفا للمسجد یصرف الی عمارتہ (البحر الرائق کتاب الوقف صـ ۲۴۱ جـ۵ رشیدیہ)

ع[2] واما فیما اشتراہ المتولی من مستغلات الوقف فانہ یجوز بیعہ بلاھذا الشرط وھذا لان صیرورتہ وقفا خلافا والمختار انہ لایکون وقفا فللقیم ان یبیعہ متی شاء لمصلحۃ عرضت (فتح القدیر کتاب الوقف صـ۲۲۴، ۲۲۵ جـ۶۔ ماخوذ فتاوی محمودیہ صـ ۱۷۴ جـ۴)

ع[3] ولو خرب ماحولہ واستغنی عنہ یبقی مسجد اعند الامام والثانی ابدا الی قیام الساعۃ وبہ یفتی وعادا لی ملک البالی اوورثتہ عندمحمد وعن الثانی ینقل الی مسجد اخر باذن القاضی ومثلہ فی الخلاف المذکور حشیش المسجد وحصرہ مع الاستغناء عنھما (درمختار) ولو خرب المسجد ماحولہ وتفرق الناس عنہ لایعود الی ملک الواقف عند ابی یوسف ویباع نقضہ باذن القاضی ویصرف ثمنہ الی بعض المساجد (شامی صـ ۳۷۱ جـ۳)

مسجد کے ملبہ اور پرانی اشیاء کی خرید وفروخت

مسجد پرانی ہوگئی اس کو توڑ کر نئی مسجد تعمیر کی جارہی ہے تو اس سے کچھ پرانی اینٹ نکلے یا کچھ لوہے اور لکڑیاں قابل استعمال نکلے تو اولاً بعینہٖ اس سامان کو اسی مسجد میں لگانا چاہئے اور اگر بعینہ اسی سامان کو لگانا مشکل ہو تو اہل محلّہ اور مسجد کے ذمہ دار اور حاکم کی اجازت سے ان چیزوں کو فروخت کر کے اس کے مثل سامان خرید کر اسی مسجد میں لگادیا جائے۔[1]

امام ومؤذن وغیرہ کیلئے حجرہ بنانا، مسجد کی ضرورت ہے

مسجد کے ٹوٹے ہوئے پرانے سامان مثلاً اینٹ، سریہ، مٹی، لکڑیاں، وغیرہ کو اگر بعینہ اسی مسجد میں لوٹانا مشکل ہورہا ہو اور مسجد کیلئے کچھ حجرے کی تعمیر درپیش ہو مثلاً امام یا مؤذن کی رہائش کیلئے کمرے کی تعمیر یا مسجد کا سامان رکھنے کیلئے کوئی مستقل حجرہ ،اسی طرح مسجد کے دیگر مصالح کیلئے کوئی ہال وغیرہ بنانا ہو تو ان ملبوں کو اور پرانے سامان کو ان کمرے کی تعمیر میں لگایا جاسکتا ہے اور یہ مسجد کیلئے ایسی ضرورت کی چیز ہے جیسے مسجد کیلئے بیت الخلاء غسل خانہ، وضوخانہ وغیرہ۔[2]

ع[1] ویصرف نقضه الی عمارته ان احتاج والاحفظه للاحتیاج ولایقسمه بین مستحقی الوقف بیان لما انهدم من بناء الوقف وخشبه وذکرفی القاموس اولا ان النقض بالکسر المنقوض وثانیا انه بالضم ماانتقض من البنیان وفاعل یصرف الحاکم . قال فی الهدایه وان تعذر اعادة الی موضعه بیع وصرفه ثمنه الی المرمة صرفا للبدل الی مصرف البدل وظاهره انه لایجوز بیعه حیث امکن اعادته وفی الحاوی قال خیف هلاک النقض باعه الحاکم وامسک ثمنه لعمارته عند الحاجة اه فعلی هذایباع النقض فی موضعین عند تعذر عوره وعند خوف هلاکه (البحرائق صـ۹ ۲۱ جـ ۵)

ع[2] مستفاد فتاوی محمودیه صـ۳۷۴ جـ۴)

مسجد کے پرانے سامان کو کوئی بھی خرید سکتا ہے

مسجد کے ملبوں اور پرانے سامان کے خریدنے میں کوئی قید نہیں کہ دوسری مسجد والے ہی خریدے، بلکہ کوئی شخص بھی اس کو خرید سکتا ہے اور اپنے مکان وغیرہ کی ضروریات میں لگا سکتا ہے۔[1]

غیر آباد مسجد کے سامان کا مصرف

جنگل میں کچھ جگہیں دیکھنے میں آرہی ہیں کچھ عمارت کی بنیادیں پختہ ہیں اس میں ایک بنیاد بطور مسجد کے بھی معلوم ہوتی ہے اور اس کا مسجد ہونا ظاہر ہو، مثلاً کاغذات اور پتھر وغیرہ کے ذریعے سے معلوم ہوتا ہو تو اس کے ملبے اور دیگر سامان کو مسجد میں لگانا درست ہوگا۔[2]

غیر آباد مسجد کی جگہ کو محفوظ کر دیا جائے

اور اس بنیاد کو جو مسجد معلوم ہوتی ہو گھیر کر محفوظ کر دیا جائے تا کہ دیگر کام میں اس جگہ کو استعمال نہ کیا جائے۔ جب بھی استعمال ہوگی مسجد ہی کیلئے استعمال ہوگی اس پر دوبارہ مسجد ہی بنے گی۔[3]

مسجد کی ایسی ویران جگہ کو اچھی طرح چہار دیواری وغیرہ کے ذریعہ محفوظ کر دینا چاہئے کہ مسجد کی جگہ کو یا ویران مسجد کی عمارت کو کرایہ پر دینا بھی جائز نہیں ہے۔[4]

ع[1] مستفاد فتاوی محمودیہ ۳۷۴ ج ۴)

ع[2] ونقل في الذخيرة عن شمس الائمة الحلواني انه سئل عن مسجد اوحوض خرب ولايحتاج اليه لتفرق الناس عنه هل للقاضي ان يصرف اوقافه الى مسجد اوحوض آخر ؟ فقال نعم (فتاوی شامی کتاب الوقف مطلب فيما لو خرب المسجد اوغيره ص ۵۵۰ ج ۶)

ع[3] (ماخوذ فتاوی محمودیہ ص ۴۸۷ ج ۴) ع[4] (فتاوی محمودیہ ۴۹۰ ج ۴)

پرانی مسجد کی اینٹیں وغیرہ کو غیر محترم جگہ نہ لگانا چاہئے

کسی وجہ سے مسجد کو توڑ دیا گیا ہو تو اس کی اینٹ پتھر، ملبہ کو کسی ایسی جگہ پر نہ لگانا چاہئے جہاں بے حرمتی ہوتی ہو جیسے بیت الخلاء میں یا نالی میں یا جوتے چپل اتارنے کی جگہ میں استعمال کرنا تعظیم کے خلاف ہے[1]

تاہم اب جبکہ ان چیزوں پر نماز نہیں پڑھی جاتی ہے تو ان کا حکم مسجد میں لگے ہوئے فرش جیسا نہیں ہے[2]

مسجد کو وسیع کرنا

ایسی جگہ میں مسجد واقع ہو کہ ایک طرف یا دو طرف راستے ہوں یا کوئی ایسی تعمیر ہو جس کا ہٹانا مشکل ہو یا نہر ندی نالے ہوں تو جسطرف سے بڑھانا آسان ہو اسی طرف سے جگہ لے کر مسجد کو وسیع کیا جا سکتا ہے تا کہ تمام مصلیان سہولت کے ساتھ مسجد میں نماز ادا کر سکیں، اور کسی طرح کی کوئی تنگی یا خرافات میں مبتلا نہ ہو سکیں، مگر توسیع مسجد کی اجازت اس وقت ہے جبکہ نمازیوں سے مسجد تنگ پڑتی ہو، اگر نمازی سے مسجد تنگ نہ پڑتی ہو تو بلا ضرورت مسجد کو وسیع نہ کیا جائے مثلاً معتکف کے بیٹھنے کیلئے یا کسی خارجی ضرورت کی وجہ سے وسیع کرنا ضروری نہیں ہے[3]

---

[1] ویجوز رمی برایة القلم الجدید ولاتری برایة المستعمل لاحترامه کحشیش المسجد وکناسته لایلقی فی موضع یخل بالتعظیم (الدر المختار کتاب الطہارت ص۱۷۸ ج۱).

[2] لاحرمة لتراب المسجد اذاجمع وله حرمته اذابسط اه (بحر الرائق ۲۵۰ ج۵)

[3] ارض وقف علی مسجد والارض بجنب ذلک المسجد وارادوا ان یزیدوا فی المسجد شیئا من الارض جاز لکن یرفعون الامر الی القاضی لیاذن لهم ومستقل الوقف کالدار والحانوت علی هذا (الفتاوی العالمگیریه کتاب الوقف ص۴۵۶ ج۲) وفتاوی محمودیه ص۵۰۵ ج۴.

مسجد سے متصل جگہ کو شامل کرنا کہ نمازی کی صف وہاں تک پہنچ جائے

مسجد سے ملی جلی ایک جگہ مدرسہ کے نام سے متعین ہے نمازی کی تعداد بڑھکر وہاں تک پہنچ جاتی ہے، تو وہ جگہ اگر کسی کی مملوک ہے تو مالک کی اجازت سے مسجد میں شامل کرنا درست ہے اور اگر مدرسہ کا وقف الگ ہے تو اسکو مسجد میں شامل کرنا درست نہیں ہے جب تک کہ واقف مدرسہ اس کی اجازت نہ دیدیں، اور اگر مسجد کے لئے وہ جگہ وقف ہے تو باہمی مشورہ سے مسجد میں شامل کیا جاسکتا ہے، اور مجمع زیادہ ہونے پر وہاں تک صف پہنچ جاتی ہے تو امام کی اقتداء ونماز درست ہے۔[1]

قبروں کا مسجد میں شامل کرنا

قبروں کی دو حالتیں ہیں، پرانی یا نئی (۱) قبر پرانی یہ ہے کہ اس میں میت موجود نہیں ہے بالکل مٹی بن چکی ہے جسم کے سارے اعضاء گل گئے ہوں تو ایسی قبر، قبر کے حکم میں نہیں ہے اسے اکھاڑنا ان جگہوں کو دیگر تعمیری کام میں لگانا کھیتی کرنا باغ لگانا وغیرہ درست ہے اسی طرح اسے مسجد میں بھی شامل کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ وہ مسجد ہی کی

---

[1] وان اختلف احدهما بأن بنى رجلان مسجدين اورجل مسجدا ومدرسة ووقف عليهما اوقافا لايجوز له ذلک ای الصرف المذكور (درمختار) ومن اختلاف الجهة ماإذا كان الوقف منزلين احدهما للسكنى والاخر للاستغلال فلايصرف احدهما للاخر وهي واقعة الفتوى اه (الشامي مطلب في نقل انقاض المسجد صـ ۳۷۲ جـ ۳) وفي الكبرى مسجد اراد اهله ان يجعلوا الرحبة مسجدا والمسجد رحبة وارادو ان يحدثوا له بابا وارادوا ان يجعلوا الباب عن موضعه فلهم ذلک فان اختلفوا نظرايهم اكثر وافضل فلهم ذلک كذافي المضمرات (فتاوی عالمگیریه صـ ۴۵۶ جـ ۲.

ملکیت میں وقف شدہ ہو، اگر قبرستان کی زمین الگ وقف شدہ ہے مسجد کی وقف شدہ ملکیت سے الگ ہے تو اس زمین کو بغیر واقف قبرستان کی اجازت کے مسجد میں شامل کرنا درست نہیں ہوگا، واقف اجازت دیدے تو پھر مسجد میں شامل کرنا جائز ہے۔

اور اگر زمین نہ مسجد کی ہے اور نہ مستقل وقف شدہ ہے بلکہ کسی کی مملوک ہے تو مالک زمین کی اجازت سے اسے مسجد میں شامل کرنا جائز ہوگا، اگر اجازت نہ دے، تو اسے مسجد میں شامل کرنا جائز نہیں ہوگا۔[1]

(۲) اور اگر قبر نئی ہے یعنی جس میں مردہ گلا نہ ہو، اس کے اعضاء موجود ہوں تو اس کا احترام ضروری ہے خاص کر کسی بزرگ کی قبر تو اور بھی انتہائی قابل احترام ہے اس کو اکھاڑنا یا دوسری جگہ منتقل کرنا درست نہیں ہے اور نہ اس قبر پر کسی طرح کی تعمیر صحیح ہے چہ جائے کہ اس پر مسجد بنائی جائے، کیونکہ قبر موجود رہتے ہوئے مسجد بنادی گئی اور پھر وہاں نمازی کے آگے قبر ہوگی تو نماز پڑھنا حرام ہوگا، اسلئے کہ اس سے تشبہ بعبادۃ القبور لازم آئے گا چنانچہ اس سلسلے میں ایک روایت منقول ہے۔

ع[1] ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ وزرعہ والبناء علیہ اھ (زیلعی صـ۲۴۶ جـ۱) قال ابن القاسم لو ان مقبرة من مقابر المسلمین عفت فبنی قوم علیها مسجدا لم ار بذلک باسا وذلک لان المقابر وقف من اوقاف المسلمین لدفن موتاهم لایجوز لاحد ان یملکها فاذا درست واستغنی عن الدفن فیها جاز صرفها الی المسجد لان المسجد ایضا وقف من اوقاف المسلمین لایجوز تملیکه لاحد فمعناهما واحد اھ (عمدة القاری شرح صحیح البخاری باب هل تبنش قبور مشرکی الجاهلیة ویتخذ مکانها مساجد (صـ۱۷۹ جـ۴. ادارة الطباعة المنیریة دمشق)

عن ابن مرثد الغنوی رضی اللہ تعالی عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاتجلسوا علی القبور ولاتصلوا الیھا ع۱۔ کہ حضرت ابو مرثد الغنوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قبروں پر مت بیٹھو اور نہ اسکی طرف رخ کر کے نماز پڑھو۔

اور اگر قبریں نئی نہ ہوں مگر قبرستان عام لوگوں کیلئے وقف ہے اور لوگ وہاں میت کو دفن کرتے ہیں تو بھی اس قبرستان کو مسجد میں شامل کرنا جائز نہیں ہوگا کیونکہ کب لوگوں کو اس کی ضرورت پڑ جائے کہا نہیں جا سکتا ع۲۔

حکومت سے مسجد کی تعمیر کیلئے امداد لینا

سرکار کی آمدنی حلال وحرام مال سے مخلوط ہے اس نے اس پر قبضہ کر لیا تو وہ اس مال کا مالک ہو گیا اور جس سے حرام طریقہ سے لیا گیا سرکار ضامن ہو گی اس کو واپس کرنا اس پر ضروری ہوتا ہے، واپس نہ کرے تو وہ ذمہ دار ٹھہرے گی، یہاں چونکہ وہ چندہ دے رہی ہے اس لئے اس کو حرام نہیں کہا جائے گا اسے مسجد میں صرف کرنا جائز ہے، بہت سے علماء ومفتیان کرام نے اس کے جواز کا فتوی دیا ہے، البتہ یہ متعین ہو جائے کہ یہ چندہ حرام فنڈ سے ہے تو پھر اسے لینا جائز نہیں ہوگا ع۳۔

ع۱ جامع الترمذی ابواب الجنائز باب کراھۃ الوطی والجلوس علیھا (ص ۲۰۳ ج ۱)

ع۲ مقبرۃ قدیمۃ لمحلۃ لم یبق فیھا اثار المقبرۃ ھل یباح لاھل المحلۃ الانتفاع بھا قال ابو نصرؒ لایباح (فتاوی قاضیخان علی ھامش الفتاوی العالمگیریۃ کتاب الوقف فصل فی المقابر (ص ۳۱۴ ج ۳)

ع۳ غالب مال المھدی ان حلالا لاباس بقبول ھدیتہ واکل مالہ مالم یتعین انہ من حرام وان غالب مالہ الحرام لایقبلھا ولایاکل الااذاقال انہ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

روڈ پر مسجد کے باہر ڈبے میں ڈالی ہوئی رقم

تعمیر مسجد کے واسطے مسجد کے کنارے روڈ کی طرف ایک ڈبہ یا بکس لٹکا دیا گیا ہو اور اس میں ہندو مسلم، سکھ وعیسائی، سب پیسے ڈالتے ہیں مسجد کے نام سے تو ان پیسوں کو مسجد کی تعمیر میں لگانا درست ہے[1]۔

تعمیر مسجد کیلئے قادیانی سے چندہ لینا

تعمیر مسجد کیلئے قادیانی سے چندہ وصول کرنا اور اس کا استعمال مسجد میں کرنا قطعاً حرام ہے کیونکہ قادیانی زندیق ہے اسلئے اس سے کسی طرح کا معاملہ نہیں کرنا چاہئے[2]۔

مساجد میں غیر مسلم کا مال لگانا

اولاً مساجد کا قیام اور اس کی تعمیر مسلمانوں کی ذمے داری ہے اور ان ہی کے شایان شان ہے غیر مسلموں کیلئے مناسب نہیں ہے ارشاد خداوندی ہے **ما کان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ**[3] کہ مشرکوں کیلئے مناسب نہیں ہے کہ وہ مساجد کی تعمیر کریں۔

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ) حلال ورثہ او استقرضہ (البزازیة علی هامش الفتاوی العالمگیریه کتاب الکراهیة الفصل الرابع فی الهدایة والمیراث ص ۳۶۰ ج ۶) اختلف الناس فی اخذ الجائزة من السلطان قال بعضهم یجوز مالم یعلم انه یعطیه من حرام قال محمد وبه نأخذ مالم یعلم شیئا حرام بعینه وهو قول ابی حنیفة واصحابه رحمهم الله تعالیٰ (الفتاوی العالمگیریه کتاب الکراهیة الباب الثانی عشر (ص ۳۴۲ ج ۵) من ملک اموالا غیر طیبه او غصب اموالا وخلطها ملکها بالخلط ویصیر ضامنا (شامی ص ۲۹۱ کتاب الزکوة باب زکوة الغنم.

ع[1] فتاوی محمودیه ص ۲۱۸ ج ۸ قدیم .

ع[2] احسن الفتاوی ص ۴۶۰ ج ۶ .

ع[3] سورة التوبه آیت ۱۸

بنا بریں بعض حضرات فقہاء نے علی الاطلاق مساجد کی تعمیر میں غیر مسلموں کا تعاون لینا ناجائز قرار دیا ہے۔

مگر بعض فقہاء نے مساجد کی تعمیر میں غیر مسلموں کا تعاون لینا جائز قرار دیا ہے اور آیت کو تعمیر معنوی پر محمول فرمایا ہے چنانچہ علامہ شامی نے تحریر فرمایا ہے کہ ذمی (یعنی اہل کتاب) کا بیت المقدس پر وقف درست ہے کیونکہ بیت المقدس پر وقف ان کے یہاں بھی قربت خداوندی کا باعث ہے (جیسا کہ مسلمانوں کے نزدیک قربت ہے) اور ہمارے یہاں پر بھی غیر مسلموں کا حج وعمرہ پر وقف درست نہیں ہے کیونکہ حج وعمرہ صرف ہمارے یہاں باعث قربت ہے، نہ کہ ذمی اور غیر مسلموں کے یہاں ۔[1]

ہمارے اس ملک میں ہندو بھائی بھی اپنے مندر کے ساتھ مسجد کو بھی احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اس پر خرچ کرنے کو باعث قربت وثواب سمجھتے ہیں، لہذا مساجد میں ہندؤں کا چندہ لینا جائز ہے چند شرطوں کیساتھ (۱)، پہلی شرط یہ ہے کہ وہ اس خرچ کرنے اور وقف کو قربت یعنی نیکی خیال کرتا ہو (۲) دوم یہ ہے کہ وہ چندہ اپنی رضامندی اور خوشی سے دے رہا ہو، اس کو کسی طرح جبر واکراہ نہ کیا گیا ہو، نہ اخلاقی دباؤ ہو اور نہ سیاسی وغیرہ مقاصد ہوں مثلاً مسجد کو چندہ دینے سے ہمیں الیکشن وغیرہ میں مسلمان کی حمایت حاصل ہوگی، (۳) سوم یہ ہے کہ اس بات کا بھی احتمال نہ ہو کہ وہ مسجد کو چندہ دے کر اپنی عبادت گاہوں کی تعمیر یا کسی پوجا کے موقع پر مسلمانوں سے تعاون کے طلب گار ہوں گے، کیونکہ مسلمان خدا کے ساتھ شرک کو باطل گناہ کبیرہ گمان کرتے ہیں اور غیر اسلامی عبادت گاہ کی تعمیر وترقی کیلئے چندہ دینا یا اس میں شرکت کر کے اس کا تعاون

---

[1] وقف الذمی ان یکون قربة عندنا وعندهم كالوقف على الفقراء أو على مسجدالقدس (الفتاوی الشامی ص ۵۲۴ ج ۶)

کرنا مسلمانوں کے مسلمہ عقائد کے خلاف ہے جو سراسر کفریہ اعمال ہونے کی وجہ سے سلب ایمان کا خطرہ ہے (۴) چہارم یہ ہے کہ ان سے مسجد کی تعمیر میں چندہ لینے سے اس بات کا بھی اندیشہ نہ ہو کہ وہ آئندہ چل کر مسجد پر اپنا مالکانہ قبضہ کا دعوی کرے یا کسی طرح کا کوئی فتنہ کھڑا کرے جس سے مسجد کے وقار واحترام پر فرق پڑتا ہو تو ایسے لوگوں سے چندہ لینا جائز نہیں ہوگا لہٰذا ان سے چندہ کا مطالبہ نہ کیا جائے اور اگر چندہ دینے کی خود سے پیش کش کرے تو خوش اسلوبی اور حکمت کے ساتھ قبول کرنے سے معذرت کرلی جائے۔[1]

غیر مسلم کی زمین کی مٹی مسجد میں لگانا

غیر مسلم کی مٹی کا بھی وہی حکم ہے جو ان کے نقد رقوم کا ہے احتیاط اس میں ہے کہ وہ دے تو نہ لیا جائے اور اگر بے غرض ہو کر خود سے دے اور کسی طرح کا اندیشہ نہ ہو تو لیا جا سکتا ہے اور اگر اس نے اجازت نہیں دی ہے تو بغیر اجازت کے لینا حرام ہے مسجد میں ایسے مال سے اجتناب لازم ہے۔[2]

ہندوؤں کے مال کا مسجد میں لگانے کی شکل

اگر ہندوؤں کا مال حلال کمائی کا ہے سود وغیرہ کا اندیشہ نہیں ہے تو اس مال کے مسجد میں لگانے کی صورت یہ ہے کہ ہندو اس مال کا مالک کسی مسلمان کو بنادے پھر مسلمان اپنی طرف سے اسکو مسجد میں لگائیں بطور وقف کہ ان کی رقم مسجد میں نہیں لگائی جا سکتی ہے۔[3]

ع[1] مستفاد قاموس الفقہ صـ ۹۲ جـ۵ و کتاب الفتاوی صـ ۲۰۹ جـ۴)

ع[2] مستفاد فتاوی محمودیہ صـ ۳۰۱ جـ۱۲)

ع[3] مستفاد امداد المفتین صـ ۷۹۸.

ہندو کا مصلیٰ مسجد میں استعمال کرنا

امداد الفتاوی میں ایک ہندو نے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے ایک استفسار کیا ہے میں بعینہ سوال و جواب کو نقل کرتا ہوں۔

سوال:۔ ہم ہندو ہیں ہم نے مسجد میں ایک مصلی دیا ہے وہ کچھ روز کے بعد ہم کو واپس ملا کیا وجہ ہے؟ ہم تو کسی قسم کی بدعت یا شرک نہیں کرتے ہمارا اصل حال تو خدائے وحدہ لاشریک جانتا ہے ہم سود بھی نہیں کھاتے، جب ہمارے خالق نے منع کیا ہے تو پھر کسطرح کھا سکتے ہیں آپ کو خداوند کریم اور حضرت رسول اللہ ﷺ کا واسطہ دیتا ہوں کہ جواب ضرور دیں۔

جواب:۔ ہندو ہونا صحت وقف سے مانع نہیں اور اگر آیت ماکان للمشرکین سے شبہ ہو تو اس کی تفسیر (بیان القرآن) کے ملاحظہ سے رفع ہو سکتا ہے، البتہ جہاں احتمال احسان جتانے کا ہو وہاں یہ عارض مانع اجازت ہوگا، لیکن صورت مذکورہ میں قرائن سے اس کا بھی احتمال نہیں (وفی قولہ ہم کسی قسم کی بدعت یا شرک نہیں کرتے) یہ جملہ بتا رہا ہے کہ وہ توحید کا قائل ہے (وقولہ ہم سود بھی الی قولہ منع کیا ہے) معلوم ہوا کہ وہ حقیقت قرآن کے بھی معتقد ہے (وقولہ آپ کو خداوند کریم اور حضرت محمد ﷺ الخ) اس سے معلوم کہ وہ رسالت کے بھی معتقد ہے (قولہ ہمارا اصل حال) اس سے معلوم ہوا کہ وہ محب اسلام بھی ہے۔ پس یہاں کوئی مانع نہیں تو ایسے شخص کی شطرنجی مسجد کیلئے لے لی جائے تو کچھ حرج نہیں ہے اور اگر کسی خاص مسجد والے نہ لیں تو دوسری مسجد میں دیدینا چاہئے، اگر کہیں قبول نہ ہو تو یہاں بھیج دی جائے مسجد میں بچھادی جائے گی۔[1]

ع[1] (امداد الفتاوی ص ۶۶۳ ج ۲)

بحالت کفر کمایا ہوا پیسہ مسجد یا مدرسہ یا کسی کار خیر میں صرف کرنا

اگر کوئی نومسلم بحالت کفر وشرک کا کمایا ہوا مال اپنے ساتھ لے کر اسلام قبول کرے تو ایسے مال کی دو صورتیں ہیں۔

اول یہ ہے کہ بعض پیسے ایسے ہوتے ہیں کہ وہ کسی مذہب میں جائز وحلال نہیں ہوتے ہیں ان پر کسی مذہب میں صحیح ملکیت قائم نہیں ہوتی، جیسے چوری، ڈاکہ اور غصب شدہ پیسہ وغیرہ۔ تو ایسے مال کا حکم یہ ہے کہ اس مال کو اصل مالک تک کسی طرح پہنچادے، اور اگر مالک تک پہنچانا مشکل ہو مثلاً مالک وفات پا چکا ہے یا ایسی جگہ ہے جہاں کا پتہ معلوم نہیں اور مالک ثواب پانے کا اہل ہے یعنی وہ مسلمان ہے تو اس کو ثواب پہنچانے کی نیت سے صدقہ کردے۔

اور اگر اس کا علم نہ ہوسکے کہ مالک مال مسلمان ہے یا غیر مسلم تو ایسی صورت میں اس مال کے وبال سے بچنے کیلئے بغیر صدقہ کی نیت کے غرباء ومساکین کو دے کر اپنی جان چھڑالے۔

بعض مال ایسے ہوتے ہیں کہ مسلمان کیلئے شرعاً حلال وجائز نہیں ہوتے اور غیر مسلم کیلئے حلال وجائز ہوتے ہیں اور غیر مسلم اس کا مالک بملک صحیح ہوجاتا ہے، جیسے شراب اور خنزیر کی خرید وفروخت سے کمایا ہوا پیسہ اور گانے بجانے کے پیشہ اختیار کرکے کمایا ہوا پیسہ وغیرہ، تو ایسے مال کا حکم یہ ہے کہ اس پیسہ کا حالت اسلام میں بھی ملکیت صحیح کے ساتھ مالک رہے گا جس طرح چاہے اسے صرف کرے جائز ہے۔

لہٰذا ان پیسوں کو کار خیر مسجد اور مدرسہ اور دیگر رفاہ عام میں خرچ کرسکتے ہیں جس طرح کہ حالت اسلام میں حلال طریقہ سے کمائے ہوئے روپے کو خرچ کیا جاتا ہے۔[1]

ع[1] مستفاد نظام الفتاوی ص ۳۲۲ ج ۱

حرام مال مسجد میں لگانا ناجائز ہے

اسلام کی حالت میں حرام طریقہ سے کمایا ہوا مال مثلاً سودی لین دین سے یا زنا وغیرہ کے ذریعہ طوائف کا کمایا ہوا مال، بلیک میل کے ذریعہ کمایا ہوا مال، گانے بجانے کے ذریعہ کمایا ہوا مال، وراثت میں سودی کاروبار کے ذریعہ حاصل شدہ مال، چوری اور ڈاکہ زنی کے ذریعہ کمایا ہوا مال وغیرہ ذلک، ان تمام اموال کا مسجد میں لگانا جائز نہیں ہے اور ایسی رقم سے بنی ہوئی مسجد میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

مگر جب کہ ان رقوم سے ایسے پیشہ وروں نے مسجد تعمیر کردی ہے تو اس کا احترام مسجد ہی جیسا کرنا ہوگا اس کی بے حرمتی جائز نہیں ہوگی۔[1]

حرام مال سے بنے ہوئے مکانوں میں نماز

زمین اگر حلال کمائی کی ہو مگر اس میں جو مکانات تعمیر کئے گئے ہیں وہ حرام پیسے سے بنے ہیں تو ایسے مکانات میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، نیز جہاں تک اس تعمیر کا اس زمین میں اثر ہے وہاں تک بھی نماز مکروہ ہے اور جو حصہ زمین کا تعمیر کے اثر سے ہٹا ہے وہاں نماز صحیح ہے۔[2]

مسجد کو مدرسہ بنانا یا دینی تعلیم دینا

جب مسجد بن جائے پھر کسی بھی وجہ سے اس کو دوسرے کام میں استعمال کرنا اور مسجد چھوڑ کر مدرسہ وغیرہ میں منتقل کرنا درست نہیں ہے، اور اگر مسجد باقی رکھتے ہوئے مسجد ہی میں دینی تعلیم کو جائز قرار دیا جائے تو واقف یا مسجد متولی اور کمیٹی کی اجازت سے جائز ہوگی بشرطیکہ مصالح مسجد میں کوئی خلل نہ ہو اور نہ ادب مسجد میں کوئی فرق آتا ہو،

ع[1] فتاوی محمودیہ مختلف جلدوں کے مختلف صفحات سے اقتباس

ع[2] فتاوی رشیدیہ ص ۵۴۲)

مثلاً گندے پیر مسجد میں آنا یا معلم کا کڑک الفاظ میں ڈانٹنا وغیرہ نہ ہونا چاہئے خاص کر چھوٹے بچوں کو جو پاکی وناپاکی کا خیال نہیں کرتے ہیں مسجد میں تعلیم نہیں دینا چاہئے۔ صحن مسجد بھی مسجد ہی کے حکم میں ہے لہٰذا وہاں احتیاط کرنا چاہئے۔

نیز مسجد میں نماز کے اوقات متعین ہیں تو وہاں نماز کے اوقات میں تعلیم نہیں ہونی چاہئے کہ نمازیوں کو خلل ہو۔[1]

ابتداء ہی سے مسجد کے اوپر دوسری تعمیر کی نیت

کسی واقف نے زمین وقف کرتے وقت اجازت دیدی تھی کہ اس جگہ مسجد بنانا چاہئے اوپر منزل پر یا نیچے یا وسط میں یا ایک طرف اور باقی مدرسہ یا دکان یا مکان کمپنی وغیرہ تو جائز ہے اسی طرح متولی اور کمیٹی زمین خرید کر ابتداء میں کچھ اس طرح کی تجویز پاس کرے کہ۔ نیچے مسجد اوپر مکان وغیرہ یا اسکے برعکس تو جائز ہے۔

اور اگر مسجد پرانی بنی ہے تو پھر اس پر دوسری چیز اور دوسرے غرض سے کوئی اور تعمیر نہیں ہوگی، اسی طرح مسجد توڑ کر از سر نو تعمیر کی جارہی ہے تو اس کا بھی یہی حکم ہے کہ اس پوری جگہ پر مسجد رہے گی، نیچے اوپر مکان وغیرہ یا اس کے برعکس جائز نہیں۔[2]

ع[1] لوعلم الصبیان القرآن فی المسجد لایجوز ویاثم واما الصبیان فقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم وشرائکم وبیعکم وخصوماتکم ورفع اصواتکم واقامۃ حدودکم وسل سیرفکم واتخذوا علی ابوابہا المطاہر وجمروہا فی الجمع (سنن ابن ماجہ) یحرم ادخال صبیان ومجانین حیث غلب تنجیسہم والافیکرہ (درمختار مع شامی مطلب فی احکام المسجد (ص ۴۲۹ ج ۲)

ع[2] مستفاد کفایت المفتاری ص ۲۲۲، ۲۲۳ ج)

مسجد کی تعمیر کیلئے چندہ

مسجد اللہ کا گھر دنیا کی مقدس جگہ ہے اس کی تعمیر مسلمان کا اہم فریضہ ہے مساجد کی تعمیر مسلمان کی شان اوران کا شعار ہے کافر مشرک کی عادت نہیں ہے کہ وہ مسجدوں کی تعمیر کریں، آیت کریمہ ہے (ماكان للمشركين ان يعمروا مساجد الله) کہ مشرکوں کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ وہ مسجدوں کی تعمیر اللہ کی رضاء کیلئے کریں، وہ تو دنیاوی اغراض ومقاصد کے پیش نظر مسجدوں کی تعمیر کریں گے، یہ تو مسلمانوں ہی کا طریقہ ہے کہ وہ اللہ کی رضا جوئی کیلئے اللہ کا گھر بناتے ہیں۔

لہذا مسجد کی تعمیر اپنے نجی پیسے سے لوگوں کو کرنا چاہئے جہاں تک ہوسکے واقف خود اپنی رقم سے مسجد کی تعمیر کریں، اگر اس سے پورا نہ ہو تو مقامی چندہ سے تعمیر کو تکمیل تک پہنچانا چاہئے اگر مقامی چندہ سے بھی ضرورت پوری نہ ہوتی ہو تو بیرونی چندہ کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، اس کے لئے خود بھی کوشش کرنی چاہئے اور لوگوں سے بھی کہنا چاہئے چندہ کرنے میں کسی طرح کی کوئی عار وشرم محسوس نہ کریں (من بنى مسجدا لله بنى الله له بيتا في الجنة) کا مصداق چندہ کر کے مسجد کی تعمیر کرنے والے بھی ہیں۔[1]

ع[1] وفي الاصل الحاكم لايجعل القيم من الاجانب مادام من اهل بيت الواقف من يصلح لذلک (الفتاوی الهنديه كتاب الكراهية الباب الخامس في ولاية الوقف صـ ۴۱۲ جـ ۲)

رجل بنى مسجدا لله تعالىٰ فهو احق الناس بمرمته وعمارته وسبط البوارى والحصر والقناديل والاذان والامامة والاقامة كان اهلا لذلک فان لم يكن فالراى في ذلک اليه (الفتاوى الهنديه كتاب الصلوة فصل كره غلق المسجد صـ ۱۱۰ جـ ۱)

مسجد کی تعمیر میں زکوۃ کا مال صرف کرنا

مسجد کی تعمیر میں خالص للہ اورامداد کی رقم لگانی چاہئے، زکوۃ ،صدقات ، چرم قربانی، کفارہ،اورنذر کی رقومات کومسجد میں لگانا جائزنہیں ہے اس سے زکوۃ کی ادائگی نہیں ہوگی۔

حیلہ: فتاوی عالمگیری میں مسجد کی تعمیر میں زکوۃ کی رقم صرف کرنے کا ایک حیلہ تحریر کیا گیا ہے کہ متولی اس زکوۃ کی رقم کو پہلے فقیروں پر صدقہ کردے،اورفقیراس پر قبضہ کرکے اپنی ملکیت میں لے لے پھر فقیر لوگ اس رقم کو بطورھبہ کے متولی کے حوالہ کردے تواب متولی کیلئے ان رقوم کو مسجد کی تعمیر میں لگانا درست ہوجائے گا۔[1]

مسجد ومدرسہ دونوں کا مشترکہ چندہ کرنا

کوئی مسجد مدرسہ کی ہے یا مسجد کے تحت مدرسہ بھی قائم کرنا ہے یا پہلے سے اس مسجد میں مدرسہ چل رہاہے، دونوں کا چندہ مشترکہ کیا جاتا ہے، تو صاف صاف اعلان کردیا جائے یا چندہ دینے والے کے سامنے واضح کردی جائے کہ ان رقوم کو ہم موقع مناسب کے لحاظ سے مدرسہ اور مسجد کی تعمیر میں صرف کیا کریں گے اس پر چندہ دینے والے نے رضامندی ظاہر کردی تو پھر اسطرح مشترکہ چندہ کرنا اور مشترکہ خرچ کرنا بھی جائز ہے۔

اوراگر چندہ دینے والے نے عام خرچ کرنے کی اجازت نہیں دی یا کسی ایک چیز کیلئے خاص طور سے چندہ کیا گیا تو جس چیز کیلئے چندہ ہوا ہے اسی میں صرف کیا جائے

---

[1] وکذالک من علیہ الزکوۃ لو اراد صرفھا الی بناء المسجد او القنطرۃ ثم الفقراء لایجوز فان اراد الحیلۃ فالحیلۃ ان یتصدق بہ المتولی علی الفقراء یدفعونہ الی المتولی ثم المتولی یصرف الی ذلک کذافی الذخیرۃ (الفتاوی الھندیہ الباب الثانی عشر فی الرباطات الخ ص ۴۷۴ ج ۲)

ایک چندہ دوسری چیز میں صرف نہ کیا جائے۔[۱]

مسجد کی تعمیر اور دیگر اخراجات میں مال کا خرچ کرنا بڑی سعادت ہے لوگوں کو اپنی ضرورت سمجھ کر خوش دلی سے چندہ دینا چاہئے اور چندہ وصول کرنے والے کو بھی خوشی سے لینا چاہئے بعض گاؤں میں جب لوگ مسجد کی تعمیر کیلئے ٹھان لیتے ہیں تو لوگوں پر ایک مقدار متعینہ باندھ دیا جاتا ہے کہ اتنی رقم آپ پر لگائی گئی ہے دینا لازمی قرار دیا نہ دینے پر اس کا گاؤں سے بائیکاٹ کیا جاتا ہے، اس کی خوشی اور غمی میں لوگ شریک نہیں ہوتے ہیں، تو شریعت اسلامیہ میں جبراً چندہ لینے دینے کا کوئی ثبوت نہیں ہے، اس طرح جبر و اکراہ کرنے والے لوگوں کو توبہ کرنی چاہئے اور اس طرح جبراً چندہ کی رقم کو مسجد میں لگانا بھی درست نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک مال کو ہی قبول کرتا ہے۔

لہذا جس سے جبراً چندہ لے لیا گیا اس کو راضی کرلیا جائے یا اس کا چندہ واپس کردیا جائے بغیر چندہ دینے والے کی رضامندی کے مسجد میں لگانا درست نہیں ہے۔[۲]

ع[۱] اما اذا اختلف الواقف او اتحد الواقف واختلفت الجهة بان بنى مدرسة ومسجدا وعين لكل وقفا وفضل من غلة احدهما لايبدل شرط الواقف وكذا اذا اختلف الواقف لا الجهة يتبع شرط الواقف...... هذا هو الحاصل من الفتاوى وقد علم منه انه لايجوز المتولي الشيخونية بالقاهرة صرف احد الوقفين للاخر (البحر الرائق كتاب الوقف ص۳۶۲ ج ۵)

ع[۲] لان الله تبارك وتعالىٰ لايقبل الا الطيب فيكره تلويث بيته بمالايقبله شرنبلالية (شامى ص۶۸۸ ج۲) اذ لايجوز لاحد من المسلمين اخذ مال احد بغير سبب شرعي (الفتاوى الشامي كتاب الحدود باب حد القذف مطلب في التعزير باخذه المال ص۱۰۵ ج۶)

حضرت ابوحرہ الرقاشی اپنے چچا صحابی رسولؐ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا الالاتظلموا الالایحل مال امری الابطیب نفس منہ۔ خبردار: تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کا مال لے کر ظلم مت کیا کرو، خبردار: اللہ تعالیٰ کسی کے مال کو بغیر اس کی رضامندی کے قبول ہی نہیں کرتا ہے۔[1]

چندہ کی رقم یا اشیاء وقف نہیں ہوتی ہے

علیحدہ علیحدہ منفرد منفرد لوگوں سے متفرق طور سے کیا ہوا چندہ وقف نہیں ہوتا ہے، معطیین یعنی چندہ دھندگان کا مملوک ہوتا ہے اہل چندہ کی ملکیت سے خارج نہیں ہوتا ہے، اسلئے اس کو جائداد موقوفہ میں شامل نہیں کیا جاسکتا ہے، البتہ اگر اس چندہ سے کوئی شیء قابل وقف خرید کر مسجد میں وقف کردی جائے تو وہ شیء وقف ہوجائے گی۔[2]

مسجد کیلئے چندہ دیکر واپس لینا

جب متفرق طور سے لوگوں نے چندہ جمع کیا اور کچھ سامان بھی تعمیر کیلئے خریدا گیا تو اب چندہ دینے والوں کا متولی مسجد سے یا چندہ وصول کرنے والے سے اس کی واپسی کا مطالبہ کرنا جائز نہیں اور متولی مسجد کو بھی واپس کرنے کا حق نہیں ہے۔[3]

چندہ کی رقم کسی کو قرض دینا جائز نہیں ہے

مسجد و مدرسہ اور دیگر کار خیر کیلئے چندہ کی رقم متولی مسجد یا مہتمم مدرسہ کے پاس جمع کی جاتی ہے وہ سب ان کے پاس بطور امانت کے ہوتی ہے وقتی طور سے بھی اپنے کام میں استعمال کرے یا کسی کو قرض دے ان کو صرف چندہ کے مصرف میں خرچ کرنے کا حق ہے ناحق صرف کرنے پر وہ ضامن ہوگا۔[4]

ع[1] مشکوۃ المصابیح کتاب البیوع باب الغصب والعاریۃ ص۲۵۵ ج۱)

ع[2] رجل اعطی درھما فی عمارۃ المسجد او نفقۃ المسجد او مصالح

المسجد صح لانه وان كان لايمكن تصحيحه تمليكا بالهبة للمسجد فاثبات الملک للمسجد هذاالوجه صحيح فيتم بالقبض كذا فی الواقعات الحسامية (الفتاوی الهنديه كتاب الوقف صـ ٤٦٠جـ٢)

ع٣ الصدقة كالهبة لاتصح الا بالقبض ولارجوع فی الصدقة لان المقصود وهو الثواب وقد حصل (هدايه صـ٢٩٣جـ٣)

ع٣ ليس للمتولی ايداع مال الوقف والمسجد الا ممن فی عياله لااقرضه فلواقرضه ضمن وكذاالمستقرض (البحر الرائق كتاب الوقف صـ٢٠١جـ٥)

عیدگاہ کے مسائل

عیدگاہ بحکم مسجد ہے یا نہیں

عیدگاہ کا تمام احکام میں بحکم مسجد ہونا مختلف فیہ ہے، شامی کی عبارت سے جمیع احکام میں بحکم مسجد ہونا معلوم ہوتا ہے، لیکن فقہاء کی عبارتوں سے یہ بھی بات واضح ہوتی ہے کہ تمام احکام میں اکثر علماء کے نزدیک عیدگاہ اور (مصلی الجنازہ) جنازہ کی نماز کی متعینہ جگہ مسجد کے حکم میں نہیں ہے لوگوں کے صفوف علیحدہ علیحدہ ہوں تو امام کی اقتداء کے جواز میں یہ دونوں مسجد کے حکم میں ہے، دوسری چیزوں میں نہیں ہے، مثلاً اجنبی اور حائضہ کا مسجد سے گزرنا جائز نہیں ہے، عیدگاہ اور جنازہ گاہ سے ان لوگوں کا گزرنا جائز ہے، اسی طرح دنیاوی باتیں کرنا مسجدوں میں ناجائز ہے، یہاں وہ حکم نہیں ہے ضروریات کی باتیں کرسکتے ہیں [1]

---

[1] قال في شرح التنوير واما المتخذلصلوة جنازة اوعيد فهو مسجد في حق جواز الاقتداء وان انفصل الصفوف رفقاً بالناس لافي حق غيره به يفتي. نهاية ...... وفي الشاطبية ...... (قوله به يفتي نهايه) عبارة النهاية والمختار للفتوى انه مسجد في حق جواز لاقتداء الخ وبعد سطرين ومقابل هذالمختار ماصححه في المحيط في مصلي الجنازة انه ليس له حكم المسجد اصلا وماصححه تاج الشريعة ان مصلي العيد له حكم المساجد وتمامه في الشرنبلالية (الدر مع الشامي المختارص ٤٣٠ جـ٢) وايضاً في كتاب الوقف (قوله والمصلى) شمل الجنازة ومصلي العيد قال بعضهم يكون مسجدا حتى اذامات لايورث عنه وقال بعضهم هذا في مصلي الجنازة امامصلي العيد فلايكون مسجد امطلقا (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اسی طرح جتنے اہتمام کے ساتھ مسجد کے احترام کا حکم ہے اتنا ان دنوں جگہوں کے متعلق اہتمام منقول نہیں ہے ان دونوں جگہ کا حکم فناء مسجد و مدرسہ جیسا ہے جو چیز فناء مسجد و مدرسہ میں جائز ہے وہ یہاں بھی جائز ہوں گی اور جو چیز فناء مسجد و مدرسہ میں ناجائز وہ یہاں بھی ناجائز ہے، البتہ پاک صاف رکھنے اور بے حرمتی سے ان جگہوں کو بھی بچانا چاہئے۔

آبادی والے عیدگاہ کے تنگ پڑ جانے کی وجہ سے آبادی سے باہر عیدگاہ بنانا

آبادی سے باہر عیدین کی نماز ادا کرنا افضل اور سنت ہے لیکن پرانی عیدگاہ مستقل وقف شدہ ہے تو اس کو بیچ بھی نہیں سکتے اور نہ بدل سکتے ہیں وقف ہونے کے بعد واقف کا بھی حق ختم ہو جاتا ہے اور جب ملک سے خارج ہے تو اس کی بیع کیسے ہو سکتی ہے، بیع تو ملکیت کی ہوتی ہے، لھذا صرف شہر کے اندر ہونے سے وہ عیدگاہ ہونے سے خارج نہیں ہوگی۔

البتہ پہلی عیدگاہ تنگ پڑ رہی ہے تو شہر سے باہر دوسری عیدگاہ بنانے کی ممانعت نہیں ہے، پہلی عیدگاہ کو ضعفاء و کمزوروں کیلئے رکھا جائے اور نئی عیدگاہ عام ہو، اسی طرح سارے لوگ متحد ہو کر نماز ایک جگہ پڑھیں یہ بھی تعلیم نبوی اور طریقہ سنت ہے، جونئی

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ) وانما یعطی له حکم المسجد فی صحة الاقتداء بالامام وان کان منفصلا عن الصفوف وفیما سوی ذلک فلیس له حکم المسجد وقال بعضهم یکون مسجدا حال اداء الصلوة لاغیر وهو والجنابة سواء ویجنب هذا المکان عما یجنب عنه المسجد احتیاطا اه خانیه واسعاف والظاهر ترجیح الاول لانه فی الخانیة یقدم الأشهر (شامی ۵۴۴ جلد ۲) (فتاوی رحیمیه صد ۲۲۸ جـ ۱)

عیدگاہ میں نماز پڑھی جائے اور پرانی عیدگاہ کو جمع مسلمان کے اتفاق سے پنجگانہ نماز کیلئے تجویز کر کے آباد کرلیا جائے، تو یہ صورت بہتر ہے، اور اگر اس کی ضرورت نہیں ہے تو دینی مدرسہ ومکتب بھی قائم کرسکتے ہیں تاکہ آباد رہے اور اگر اس کی بھی ضرورت نہیں تو باہمی مشورہ سے پرانی عیدگاہ کو کھیتی کر کے یا باغ لگا کر آباد رکھا جائے اور اس کی آمدنی کو جدید عیدگاہ کو پہنچایا جائے۔[1]

عیدگاہ کو دو منزلہ بنانا

نماز عیدین آبادی سے باہر کھلی (غیر مسقف) میدان میں ادا کرنا مسنون ومستحب ہے، اس میں شوکت اسلام کا مظاہرہ ہے، مگر عیدگاہ وسط شہر میں آنے کی وجہ سے تنگ ہوگئی ہو سہولت اور رستے میں زمین کی مزید فراہمی مشکل ہو تو دو منزلہ بھی بنا سکتے ہیں۔[2]

ع[1] فاذا تم ولزم لایملک ولایملک ولایعار ولایرهن (درمختار) قوله لایملک) ای لایکون مملوکا لصاحبه (ولایملک) ای لایقبل التملیک لغیره بالبیع ونحوه لاستحالة تملیک الخارج عن ملکه(شامی ص۵۳۹ جـ۲) وفی الخلاصة والخانیة السنة ان یخرج الامام الی الجبانة ویستخلف غیره لیصلی فی المصر بالضعفاء وبناء علی ان صلوة العیدین فی موضعین جائزةبالاتفاق وان لم یستخلف فله ذلک (الشامی ص۱۴۴، ۱۴۵ جـ۲) رباط استغنی عنه اعارة وبجنبه رباط آخر قال السید الامام ابوا شجاع تصرف غلته الی الرباط الثانی(شامی ص۳۴۹،جـ۳)

عـ۲ وان اراد قیم الوقف ان یبنی فی الارض الموقوفة بیوتا یستغلها بالاجارة لایکون له ذلک لان استغلال ارض الوقف یکون بالزرع (فتاوی قاضی خان علی هامش عالمگیری(ص۳۰۰جـ۳)

عیدگاہ کی فاضل زمین پر مدرسہ بنانا

عیدگاہ کی زمین بہت وسیع ہے تمام جگہوں میں نمازی نہ تو فی الوقت پورے ہو پاتے ہیں اور نہ مستقبل قریب میں عیدگاہ کے میدان کے پر ہونے کی امید ہے، اس میں سے بعض حصہ میں کاشت کیا جاتا ہو یا بعض حصہ میں کھیل کود ہوتا ہو، یا یوں ہی پڑا ہے جبکہ قریب میں مدرسہ کی سخت ضرورت ہے یا اس پر ازسرنو مدرسہ وغیرہ کی تعمیر ہو جس سے عامۃ المسلمین کو فائدہ پہونچے۔

تو اس سلسلے میں شریعت کا حکم بالکل واضح ہے کہ عیدگاہ کی زمین میں مدرسہ بنانا کسی صورت میں درست نہیں ہے کیونکہ عیدگاہ کی اراضی عیدگاہ کیلئے وقف ہے اور شروط واقف کے خلاف کرنا اور جہت وقف کا بدلنا خود واقف کیلئے بھی وقف تام ہونیکے بعد جائز نہیں ہے اور نہ کسی حاکم وقت اور متولی وقف کو اختیار ہے کہ جہت وقف کو تبدیل کرے اور اگر موقوف علیہ سے استغناء ہو جائے تو بھی وقف کی آمدنی موقوف علیہ کے مجانس اقرب پر صرف کی جائے گی، اس حالت میں بھی جہت وقف کا بدلنا جائز نہیں ہے۔[1]

ع[1] فان شرائط الوقف معتبرة اذالم تخالف الشرع وهومالک فله ان يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصية وله ان يخص صنفا من الفقراء ولو كان الوضع في كلهم قربة (شامي صـ ٥٢٧ جـ٦) وقال في التنوير اتحد الوقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف عليه جازللحاكم ان يصرف من فاضل الوقف الاخر عليه وان اختلف احدهما (شامي صـ ٥٣٩ جـ٦) لايجوزله ان يفعل الاماشرط وقت العقد وماكان من شرط معتبر في الوقف فليس للواقف تغييره ولاتخصيصه بعد تقرره ولاسيما بعدالحكم الخ (شامي صـ ٦٨٥ جـ٦) ان السلطان يجوز له مخالفة الشرط (الى ان قال) وان غاير شرط الواقف لان اصلها لبيت المال...... قلت والمراد من عدم مراعاة شرطها ان للامام اونائبه ان يزيد فيها وينقص ونحوذلک وليس المراد انه يصرفها عن الجهة المعينة الخ (شامي صـ ٥٧٩ جـ٣) ماخوذ احسن الفتاوى صـ ٤٥٢ تا ٤٥٥ جـ٦)

عیدگاہ میں نماز جنازہ جائز ہے

احسن الفتاوی میں ہے کہ جس جگہ نہ پنج وقتہ نماز ہوتی ہو اور نہ جمعہ صرف عیدین کی نماز ہوتی ہو تو ایسی جگہ گاہے بگاہے جنازہ کی نماز درست ہے مستقل نہیں پڑھنی چاہئے تاکہ واقف کے شرائط کے خلاف لازم نہ آئے[1]

عیدگاہ کو اپنا کھیت اور اپنی جاگیر سمجھنا

نماز عید کے لئے زمین بہت پہلے سے وقف ہے اور لوگ تسلسل کے ساتھ اس میں عیدین کی نماز ادا کرتے ہیں، مگر وقف کنندہ کی اولاد اس زمین کو اپنی ملکیت میں ہی سمجھتی ہے، جب جب چاہے اور بار بار اس کا اظہار بھی کیا جاتا ہے کہ یہ ہماری جائداد ہے اور ہمارے آباؤاجداد نے دی ہے ہم جب چاہیں اس کو لے سکتے ہیں تو ایسا کرنا اور کہنا ناجائز ہے وقف کرنے کے بعد یا عیدین کی نماز کیلئے الاٹ کردینے اور لوگوں کو عام اجازت دینے کے بعد واقف کو بھی حق نہیں ہے کہ وہ زمین کو واپس لے تو اولاد کو بدرجہ اولی حق نہیں ہوگا کہ وہ زمین واپس کرلے اور اگر لے لیگی تو غصب ہوگا اور سخت گنہگار ہوں گی[2]

عیدگاہ تعمیر کرنے والے کا اپنے نام کا کتبہ لگانا

عیدگاہ تعمیر کرنے والے کا اس شرط پر تعمیر کرنا کہ ہمارے نام کا کتبہ لگایا جائے

ع[1] (احسن الفتاوی ص ۲۱۶ ج ۴)

ع[2] اذا صح الوقف لم یجز بیعہ ولا تملیکہ (الھدایہ کتاب الوقف ص ۶۴۰ ج (۲) بحرالرائق ص ۳۴۲ ج ۵) عن سعید بن زید رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من اخذ شبرا من الارض ظلما فانہ یطوقہ یوم القیامۃ من سبع ارضین متفق علیہ (مشکوۃ المصابیح ص ۲۵۴ باب الغصب والعاریۃ)

یہ اخلاص کے منافی ہے جو آخرت کے ثواب کو برباد کرنے کا باعث ہے اللہ کی رضا کیلئے کوئی کام کیا جائے، دین کا کام دنیاوی مفاد کیلئے کرنا درست نہیں ہے۔

حضرت شداد بن اوسؓ کی ایک روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

من صلى يرائى فقد اشرك ومن صام يرائى فقداشرك ومن تصدق يرائى فقد يرائى فقداشرك رواه احمد عـ ا	جو شخص نماز دکھلانے کیلئے پڑھتا ہے اس نے گویا شرک کا ارتکاب کیا اور جس نے روزہ ریا کاری کیلئے رکھا اس نے بھی شرک کیا اور جس نے اللہ کے راستے میں کوئی مال صدقہ کیا تا کہ لوگ اس کو سخی کہیں اور اس کی شہرت ہو تو اس نے بھی شرک کیا۔

عیدگاہ اوقاف عامہ میں سے ہے

واقف نے جب اپنی جائداد عیدگاہ کیلئے وقف کردی یا اپنی زمین میں لوگوں کو عیدین کی نماز ادا کرنے کی عام اجازت دیدی یا کسی طرح سے اس زمین کا عیدگاہ کیلئے وقف ہونا معلوم ہو جائے تو اس پر وقف کے سارے احکام جاری ہوں گے یعنی اس جائداد کو فروخت کرنا یا کسی کو ھبہ کرنا، یا واقف کی اولاد میں اس کی میراث کا جاری ہونا وغیرہ امور جو اوقاف کے منشا کے خلاف ہو درست نہیں ہے۔

اگر کسی غاصب نے اس پر جبراً قبضہ کرلیا ہے تو مسلمانوں کو حق ہے کہ اس کے قبضہ سے نکالیں اور وقف کے صحیح مصرف میں استعمال کریں غاصب کے قبضہ سے واپس لینے کے احکام اور اس کی تفصیل وقف کے بیان میں گزر چکی ہے۔

مزید برآں یہ ہے کہ غاصب کے قبضہ سے شیٔ موقوفہ کو نکالنے کے ساتھ گزشتہ زمانہ میں اس نے اس وقف سے جس قدر روپے اور دیگر منافع حاصل کئے ہیں

عـ ا مشكوة المصابيح باب الريا والسمعة صـ ۴۵۵ جـ ا)

وہ بھی واپس لئے جائیں گے، اور وقف کے مصارف میں خرچ کئے جائیں گے۔ [1]

ویران عیدگاہ میں مسجد یا مکان وغیرہ بنانا

ایک جگہ پہلے سے عیدگاہ کیلئے مقرر تھی مگر بعد میں اس قدیم جگہ کو چھوڑ کر نئی جگہ عیدگاہ مقرر ہوئی ہے تو پہلی جگہ کے متعلق تفصیل یہ ہے کہ اگر اس قدیم جگہ کو کسی نے وقف کیا تھا تو اس پر وقف کے احکام جاری ہوں گے۔

لھذا اس جگہ پر کوئی ایسا کام کرنا جو جہت وقف کے منافی ہو جیسے مکان بنانا یا کسی کا اپنا ذاتی کوئی کام کرنا صحیح نہیں ہے، اسی طرح واقف کے منشا کے خلاف دیگر اوقاف عامہ میں خرچ کرنا مثلاً سرائے اور مسافر خانہ بنانا وغیرہ درست نہیں ہوگا۔

البتہ اس پر مسجد بن سکتی ہے اگر وہاں مسجد کی ضرورت ہو اور مسجد کے بعد میں آباد ہونے کا امکان ہو نیز مسجد بننے کے بعد اس پر مسجد ہی کے احکام جاری ہوں گے اور مسجد کے سارے آداب واحترام کا لحاظ کرنا ضروری ہوگا۔ [2]

عیدگاہ ختم کر کے اسکول بنانا

ایک پرانی عیدگاہ ہے جو عالمگیر کے دور حکومت میں تعمیر ہوئی تھی (یا کسی قدیم شاہی زمانہ میں کسی نے وقف کیا تھا) اب اس کو منہدم کر کے اس اراضی پر مسلمان لوگ اسکول بنانا چاہتے ہیں تو نہیں بنا سکتے کیونکہ یہ غرض واقف کے خلاف ہے جب واقف نے اس کو عیدگاہ کیلئے وقف کیا تھا تو اب اس کے منشا کے خلاف کوئی کام کرنا درست نہیں ہے۔ [3]

عیدگاہ میں کھیلنا کودنا

عیدگاہ کا اگرچہ مسجد ہونے میں علماء کرام کا اختلاف ہے مگر تمام علماء کا اس

ع۱ ع۲ مستفاد کفایت المفتی ص۱۰۷ ج۷۔

ع۳ مستفاد فتاوی محمودیہ ص۳۰۷ ج۱۵ قدیم

بات پر اتفاق ہے کہ عیدگاہ کا احترام اسی طرح ضروری ہے جیسا کہ مسجد کا احترام کرنا واجب ہے۔

لھذا عیدگاہ کے اندر کھیلنا کودنا، کرکٹ، بلے بازی، گیند، وغیرہ کھیلنا، درست نہیں ہے، اسی طرح عیدگاہ کے اندر شادی وغیرہ کے شامیانے قمقمے وغیرہ لگانا نمائش اور ناچ گانے کرنا وکروانا اس سے بڑھکر گناہ ہے عیدگاہ کو ہر طرح کی بے حرمتی سے بچانا لازم اور ضروری ہے، حضرات ذمہ داران کو اس پر خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے، جہاں تک ممکن ہو سکے چہار دیواری وغیرہ کے ذریعے سے اس کی حفاظت کی کوششیں کریں۔[1]

ناجائز طریقہ سے مثلاً رھن سے حاصل شدہ زمین کو عیدگاہ بنانا

عیدگاہ کیلئے اراضی اور اس کی تعمیر میں صاف ستھری رقم خرچ کی جائے لہذا سودی پیسے سے یا کسی کی زمین غصب کر کے یا سرکاری زمین ہی کو غاصبانہ قبضہ کر کے اس پر عیدگاہ بنانا درست نہیں ہوگا۔

اسی طرح سے کسی نے ایک متعینہ وقت کیلئے ایک زمین بیچی جب واپسی کا وقت آیا تو مشتری نے اس پر عیدگاہ بنادی تو عیدگاہ بنانا شرعاً درست نہیں ہے حضرت فقیہ الامت مفتی محمود صاحب گنگوہیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ ایسی بیع شرعاً رھن کے حکم میں نہیں ہے اس سے انتفاع ناجائز ہے اس کا وقف کرنا اور عیدگاہ بنانا بھی درست نہیں ہے بلکہ اس کو واپس کرنا ضروری ہے۔[2]

ندی میں بہی ہوئی عیدگاہ کی زمین خریدنا

کسی شخص نے تقریباً پچاس سال قبل ندی کے کنارے عیدگاہ بنوائی تھی، اور

ع[1] مستفاد فتاوی محمودیہ ۱۴۹ ج ۱۸۔

ع[2] مستفاد فتاوی محمودیہ صـ ۱۳۰ جـ ۱۵۔

خاتمہ زمیندار اور خاتمہ زمیندار کے وقت عیدگاہ والا قطعہ بہار سرکار میں لکھا گیا تھا اور عیدگاہ والا حصہ کٹ کٹ کرندی میں بہہ گیا ایک عرصہ تک ندی کی شکل میں رہا بعد میں ندی سے نکل گیا مگر عیدگاہ کی کوئی نشانی باقی نہیں رہی۔

زید نے تمام زمین مع عیدگاہ والے حصہ کے بھی سرکار سے بندوبست کرالیا، تو کیا یہ بندوبست کرنا شرعاً درست ہوگا۔

اس سلسلہ میں حضرت مفتی محمود صاحب گنگوہی نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ جو قطعہ زمین زید نے سلامی دیکر حاصل کی ہے، یہ وہی حصہ ہے جس پر عیدگاہ تھی تو زید کا اس کو آباد کرنا اور اس کی آمدنی حاصل کرنا درست نہیں ہے بلکہ اس کی آمدنی دوسری بنائی ہوئی عیدگاہ میں دے اور اس حاصل شدہ قطعہ پر دوبارہ پھر عیدگاہ بنائی جائے تاکہ واقف کی نیت پوری ہو۔

اور اگر متعین طور پر معلوم نہیں کہ یہ حاصل کردہ قطعہ زمین وہی ہے جس پر عیدگاہ تھی تو پھر زید کو اس کی آمدنی حاصل کرنا اور اس کا استعمال کرنا درست ہے۔[1]

عیدگاہ میں نماز جنازہ

جس عیدگاہ میں نہ پنج وقتہ نماز ہوتی ہو اور نہ جمعہ پڑھا جاتا ہو صرف عیدین کی نماز ادا کی جاتی ہو تو ایسے عیدگاہ میں نماز جنازہ پڑھنی درست ہے۔[2]

ع۱ مستفاد فتاوی محمودیہ ص ۱۴۹ ج ۱۸

ع۲ مستفاد احسن الفتاویٰ ص ۲۱۶ ج ۴

قبرستان کے مسائل

مقبرہ میں ایک آدمی بھی دفن ہو گیا تو وقف تام ہو جائے گا

کسی شخص نے اپنی زمین قبرستان کیلئے وقف کی تو وقف تام اس وقت ہوگا جبکہ اس میں مردہ دفن کرنے کی عام اجازت دیدے پس اگر ایک آدمی بھی اس زمین میں دفن کیا گیا تو وقف تام ہو جائیگا اور وقف کنندہ کی ملکیت زائل ہو جائے گی۔ [1]

قبرستان کیلئے وقف شدہ زمین کے درخت کا حکم

کسی شخص نے اپنی نجی زمین قبرستان کیلئے وقف کی اور وقف کرنے سے پہلے اس زمین پر بہت سارے درخت لگے ہوئے ہیں تو فقیہ ابوجعفر کے قول کے مطابق درختوں کا وقف صحیح نہیں ہوگا، صرف زمین قبرستان کیلئے وقف ہوگی اور درخت واقف کی ملک میں باقی رہیں گے اور وقف کنندہ کی وفات کے بعد اس کے ورثاء میں بطور میراث تقسیم ہوں گے۔ [2]

گاؤں کے بعض انسان نے قبرستان میں مقبرہ کے منافع کیلئے مکان بنایا

گاؤں کے لوگوں کی زمین ہے، جنہوں نے قبرستان کے لئے وقف کیا ہے اور اس میں مردے دفن بھی کئے جانے لگے، پھر گاؤں کے ایک شخص نے اس مقبرہ میں کوئی عمارت بنائی تا کہ اس میں کچی اینٹیں اور قبر کی ضروریات کی اشیاء مثلاً

ع۱ ودفنوا في المقبرة زال الملك ويكفي بالواحد لتعذر فعل الجنس كله وعلى هذا البكر الخ (عالمگیریہ ص۴۶۵ ج۲)

ع۲ رجل جعل ارضه مقبرة وفيها اشجار عظيمة قال الفقيه ابو جعفر رحمة الله عليه وقف الاشجار لايصح فتكون الاشجار للواقف ولورثته ان مات (فتاوی قاضیخاں علی هامش الفتاوی الهندیه ص۳۱۳ ج۳)

کھودنے کے آلات وغیرہ رکھے اور اس کی حفاظت کیلئے ایک شخص کو نگراں متعین کر کے اس میں بیٹھادیا۔ اور سارے کام گاؤں کے لوگوں یا بعض لوگوں کی رضامندی کے بغیر کیا ہے تو حضرات فقہاء نے فرمایا ہے کہ اگر مقبرہ میں وسعت ہو کہ لوگوں کو نکلنے اور دفن کرنے وغیرہ میں تنگی نہ ہوتی ہو تو اس مکان کے بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور اگر عمارت بنانے سے لوگوں کو تنگی ہو رہی ہو اور مردوں کو دفن کرنے کی ضرورت محسوس کی جارہی ہو تو عمارت کو توڑ کر اس جگہ مردوں کو دفن کیا جائیگا۔[1]

کسی شخص نے اپنی ذات کیلئے قبر کھود رکھی ہے تو اس میں دوسرے مردے کو دفن کرنا

کسی شخص نے عام قبرستان میں اپنے لئے قبر کھود کر رکھدی کہ مرونگا تو مجھے اس میں دفن کیا جائے، پھر کوئی شخص اس کھودے ہوئے قبر میں اپنے مردے کو دفن کرنا چاہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ اگر قبرستان میں دوسری جگہ دفن کرنے کی گنجائش ہے تو اس شخص کو متوحش نہ کیا جائے دوسری جگہ کھود کر اپنے مردے کو دفن کرے اور اگر دوسری جگہ گنجائش نہیں ہے تو اسی کھودی ہوئی قبر میں دفن کردے۔[2]

ع[1] ارض لاھل القریۃ بنی فیھا بیتا لوضع اللبن واداوۃ القبر واجلس فیھا من یحفظ المتاع بغیر رضا اھل القریۃ او رضی بذلک بعضھم قالوا ان کان فی المقبرۃ سعۃ بحیث لایحتاج الی ذلک المکان لاباس بہ وبعد مابنی لواحتاجوا الی ذلک المکان رفع البناء حتی یقبر فیہ (فتاوی قاضی خاں علی ھامش الفتاوی الھندیہ صـ۳۱۳جـ۳)

ع[2] رجل حفر لنفسہ قبرا فی مقبرۃ ھل یکون بغیرہ ان یقبر فیہ میتہ قالوا ان کان فی المقبرۃ سعۃ فالمستحب ان لایوحش الذی حفر وان لم تکون فی المکان سعۃ کان لغیرہ ان یدفن منہ (فتاویٰ قاضی خاں علی ھامش الفتاوی الھندیہ صـ۳۱۳جـ۳)

مشرکوں کے مقبرہ کو مسلمانوں کا قبرستان بنانا

مشرکوں کا مقبرہ تھا اس کو مسلمانوں نے اپنا قبرستان بنانا چاہے تو اس کی دو صورت ہے (۱) مشرکین کے قبور اور ان کے جسم کے نشانات مثلاً ہڈی وغیرہ باقی ہیں تو قبرستان نہیں بنایا جاسکتا، البتہ ان مشرکوں کے قبور کو کھود کر ہڈیاں وغیرہ نکال کر باہر کردیئے جائیں اور ان کے مسان کے سارے نشانات مٹادیئے جائیں تو مسلمانوں کا قبرستان بنانا درست ہے۔

(۲) مشرکوں کے مسان گھاٹ کو قبرستان بنانے کی دوسری صورت یہ ہے کہ ان کے قبروں کے سارے نشانات مٹ چکے ہیں تو ایسی جگہ کو علی الاطلاق مسلمانوں کا قبرستان بنانا درست ہے۔

تو اس سلسلے میں ہمارے لئے دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل موجود ہے کہ جہاں مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی ہے وہاں پہلے مشرکوں کا مقبرہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کھدوا کر مسجد نبوی کی تعمیر کروادی۔[1]

میت کو دفن کرنے کے بعد اس زمین میں غیر کا استحقاق ثابت ہوگیا

میت کو کسی مقبرہ میں دفن کردیا گیا دفن کے بعد اس زمین میں غیر کا حق نکل گیا۔ مثلاً وہ زمین کسی کی غصب کی ہوئی تھی، یا اس زمین کو خرید کر مردہ دفن کیا تھا مگر حق شفعہ

ع ۱ مقبرۃ کانت للمشرکین ارادوا ان یجعلوها مقبرۃ للمسلمین فان کانت اثارهم قد اندرست فلاباس بذلک وان بقیت اثارهم بان بقی من عظامهم شیء ینبش ویقبر ثم یجعل مقبرۃ للمسلمین لان موضع مسجد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فنبشت واتخذ ها مسجدا کذافی المضمرات (الفتاوی الهندیه صـ ۴۶۹ جـ ۲)

کی وجہ سے شفیع نے اس مقبرہ کو لے لیا یا میت کو دفن کرنے کے بعد پڑوس والے نے اس زمین کی پھر سے پیمائش کرائی تو اتفاق سے میت کی قبر دوسرے کی زمین میں چلی گئی وغیرہ ذلک۔

تو ان صورتوں میں مردوں کو نکالنے کا حکم یہ ہے کہ اگر تھوڑی مدت گزری ہو یعنی دفن کے بعد میت کے گل سڑ جانے کا احتمال نہ ہو یا میت کو صندوق میں دفن کیا گیا ہو اور صندوق صحیح سالم ہو تو لاش کو نکال کر زمین والے کی زمین فارغ کر دی جائے گی، اور اگر مدت طویل ہوگئی ہو لاش کے سڑ جانے کا امکان ہے یا بغیر صندوق وغیرہ کے دفن کیا گیا ہو کہ اب نکالنا مشکل ہو تو ایسی صورت میں نکالنا درست نہیں ہے اور ہڈیوں کو نکال کر پھینکنے میں مسلم لاش کی توہین ہے۔[1]

خراجی زمین کو مقبرہ بنادینے سے خراج ساقط ہو جائیگا

کسی شخص نے اپنی خراجی زمین کو مقبرہ بنادیا کہ لوگ اس میں مردوں کو عام طور سے دفن کیا کریں یا سرائے بنادیا کہ اس سے آمدنی آئے یا عام طور سے لوگ اس میں رہا کریں گے۔ تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس زمین کا خراج ساقط ہو جائیگا اور وہ زمین اراضی موقوفہ میں شامل ہو جائے گی۔[2]

ع۱ المیت بعد مادفن بمدة طویلة او قلیلة لایسع اخراجه من غیر عذر ویجوز اخراجه بالعذر والعذر ان یظهر ان الارض مغصوبة او اخذها الشفیع بالشفعة کذا فی الواقعات الحسامیة (الفتاوی الهندیه ص۴۷۰ج۲)

ع۲ رجل جعل ارضه مقبرة اوخانا للغلة او مسکنا سقط الخراج عنها ان کانت خراجیة وقیل لایسقط والصحیح هوالاول (فتاوی قاضیخان علی هامش الفتاوی الهندیه ص۳۱۴ج۳)

ویران مسجد کو مقبرہ بنانا درست نہیں

ایک ایسی غیر آباد مسجد ہے جس کے اردگرد کے لوگ ختم ہو گئے یا کہیں چلے گئے اور مسجد کے اردگرد کے ماحول خراب ہو گئے اور لوگ اس مسجد سے بے پرواہ ہو گئے تو اس مسجد کو قبرستان بنا دینا جائز ہے یا نہیں تو شمس الاسلام محمود اوز جندیؒ نے فرمایا مقبرہ بنانا درست نہیں وہ مسجد ہی رہے گی۔[1]

ویران قبرستان کو کسی کام میں استعمال کرنا

کسی ویران گاؤں میں قبرستان ویران پڑا ہے اور اس میں مردوں کا اثر ہڈی وغیرہ سب ختم ہو گئے ہیں مقبرہ کا کچھ نشان باقی نہیں رہا ہے تو اس جگہ کو جوتنا، بونا، یا کسی اور کام میں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ فتاوی عالمگیری میں شمس الاسلام اوز جندیؒ ہی کا قول نقل فرمایا گیا کہ اس مقبرہ کو مذکورہ کسی کام میں استعمال کرنا درست نہیں ہے وہ مقبرہ ہی کے حکم میں رہے گا۔[2]

کسی عورت نے ایسی زمین کو مقبرہ بنایا جو مقبرہ کے لائق نہیں

ایک عورت نے اپنی زمین کا ایک حصہ قبرستان کیلئے وقف کر کے اپنے قبضہ سے نکال دیا پھر اس میں اپنے بیٹے کو دفن بھی کر دیا مگر وہ زمین مقبرہ کے لائق اس لئے نہیں ہے کہ اس کے اردگرد پانی کا غلبہ ہونیکی وجہ سے مقبرہ میں تری پہونچ کر قبر کو خراب

ع[1] ع[2] سئل القاضی الامام شمس الائمة محمود اوزجندی عن مسجد لم یبق له قوم وخرب ماحوله واستغنی الناس عنه هل یجوز جعله مقبرة قال لاوسئل هوایضا عن المقبرة فی القریٰ اذااندرست ولم یبق فیها اثر الموتی لاالعظم ولاغیره هل یجوز زرعها واستغلالها قال لاولها حکم المقبرة کذا فی المحیط (الفتاوی الهندیه ص۴۷۰ ج۲)

کردیتی ہے، اس وجہ سے عورت اس زمین کوفروخت کرنا چاہتی ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں خرابی کے معمولی ہونے کی وجہ سے لوگوں نے اپنے مردوں کودفن کرنا بالکل نہیں چھوڑا ہے تو اس کوفروخت نہیں کرسکتی اور اگر پانی کے اثر سے قبر میں غیر معمولی نقصان پہونچنے کی وجہ سے لوگوں نے مردوں کودفن کرنا بالکل چھوڑ دیا ہے تو پھر یہ وقف کنندہ عورت اس زمین کوفروخت کرسکتی ہے۔

اور زمین کے خریدار کوحق حاصل ہوگا کہ اس زمین سے مردوں کو ہٹادے یا لوگوں کوحکم کرے کہ مردوں کو یہاں سے منتقل کردے، اسی طرح اس عورت کوبھی حکم کرسکتا ہے کہ اپنے بیٹے کی لاش نکال کرلیجائے۔[۱]

صرف قبرستان کی صورت ہونا وقف کیلئے کافی نہیں

کسی جگہ قبرستان کی صورت ہو جہاں خاص لوگ اپنے مردے کودفن کرتے ہوں عام طور پر اموات کودفن کرنے سے روکا جاتا ہوتو ایسی جگہ کا وقف ہونا صرف خاص لوگوں کے مردے کے دفن ہونے سے تام نہیں ہوگا۔

---

[۱] امرأة جعلت قطعة ارض لها مقبرة واخرجتها من يدها ودفنت فيها ابنها وتلك القطعة لاتصلح للمقبرة لغلبة الماء عندها فيصيبها فساد فارادت بيعها ان كانت الارض بحال لايرغب الناس عن دفن الموتى لقلة الفساد ليس لها البيع وان كانت يرغب الناس عن دفن الموتى فيها لكثرة الفساد فلها البيع فاذا باعتها فللمشترى ان يأمر ها برفع ابنها عنها كذافى المضمرات ناقلا عن الكبرىٰ (عالمگیری صـ ۴۷۱ جـ ۲) قال الفقيه ابوجعفر ...... واذاباعت كان للمشترى ان يرفع الميت عنها اويأمر برفع الميت عنها (فتاوى قاضى خان على هامش الهنديه صـ ۳۱۳، ۳۱۴ جـ ۳)

ممکن ہے کہ اس زمین پر ان لوگوں کی ملکیت ہو جو اپنے اموات کو خاص کر دفن کرتے ہیں یا مالکان زمین بمعاوضہ یا بلا معاوضہ کبھی کبھار کچھ مصلحتوں کی وجہ سے دیگر اموات کو دفن کرنے کی اجازت دیتے ہوں۔ البتہ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچ جائے کہ یہ عام قبرستان ہے قدیم زمانہ سے لوگ عام طور سے اپنے اپنے اموات کو بلا روک ٹوک دفن کرتے ہیں تو اس قبرستان کے وقف ہونے کیلئے اتنا ثبوت کافی ہے۔ ع۱

کسی کی زمین میں بغیر اس کی اجازت کے مردہ دفن کر دیا گیا

کسی شخص کی اپنی مملوکہ زمین ہے دوسرے شخص نے مالک کی اجازت کے بغیر اس زمین میں اپنی میت کو دفن کر دیا تو مالک زمین کو اختیار ہے کہ چاہے تو اس پر راضی ہو جائے اور میت کو اکھاڑنے پر مجبور نہ کرے اور چاہے تو میت کو نکالنے کا حکم کرے اگر میت کو نہ اکھاڑا تو مالک چاہے تو زمین کو برابر کر کے اس پر کھیتی کرے۔ ع۲

عام قبرستان میں ایک کی کھودی ہوئی قبر میں دوسرے نے دفن کر دیا

کسی شخص نے ایک قبر کھودی ایسے قبرستان میں جس میں اس کو اپنے لئے کھودنا جائز تھا، پھر اس کھودی ہوئی قبر میں کسی دوسرے شخص نے اپنا مردہ دفن کر دیا تو اس دوسرے میت کو قبر سے نہیں اکھاڑا جائیگا، مگر یہ دوسرا شخص پہلے شخص کے کھودنے کی قیمت یعنی اجرت کا ضامن ہوگا، اس شکل میں دونوں کا حق محفوظ ہو گیا۔ ع۳

ع۱ مستفاد کفایت المفتی ص ۲۲۸ ج ۷)

ع۲ میت دفن فی ارض انسان بغیر اذن مالکها کان المالک بالخیار ان شاء رضی بذلک وان شاء امر باخراج المیت وان شاء سوّی الارض وزرع فوقها (الفتاوی الهندیه ص ۴۷۲ ج ۲)

ع۳ واذا حفر الرجل قبرا فی المقبرة التی یباح له الحفر فدفن فیه غیره میتا لاینبش القبر ولکن یضمن قیمة حفره لیکون جمعا بین الحقین کذا فی خزانة المفتین (الفتاوی الهندیه ص ۴۷۲ ج ۲)

معاوضہ لے کر مردوں کو دفن کرنے سے زمین کا مالک کون ہوگا

ایک شخص اپنی مملوکہ زمین لوگوں سے معاوضہ لے کر مردے کو دفن کرنے دیتا ہے تو اب سوال یہ ہے کہ یہ زمین مالک کی ملک سمجھی جائے گی، یا وارثان میت کی؟

معاوضہ لینے کی دو صورتیں ہیں (۱) زمین کو فروخت نہیں کرتا ہے صرف دفن میت کا معاوضہ اور کرایہ لیتا ہے، تو اس قسم کا معاوضہ لینا شرعاً درست نہیں ہے (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ مالک میت کے دفن ہونے کے بقدر زمین اھل میت کو فروخت کر دیتا ہے اور ورثاء میت کو اس کا وارث بنا دیتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں اس زمین کا مالک ورثاء میت ہیں معاوضہ لینے والے کو اب اس میں تصرف کرنے کا حق نہیں ہے کہ اس حصہ میں کوئی اور کام کرنے یا دوسرے میت کے دفن کرنے کیلئے دوبارہ فروخت کرے۔ع۱

مفاد عام کمیٹی سے مقبرہ خریدنے کیلئے رقم لینا

مسلمانوں کے قبرستان تنگ پڑ گئے ہیں اس کو وسیع کرنے کیلئے مزید اراضی خریدنے کی وسعت نہیں ہے، مگر اس طرح کہ مسلمانوں اور ہندؤں کی مشترکہ کمیٹی ہے جس میں رفاہ عام کیلئے مشترکہ چندہ وغیرہ سے رقوم جمع کی جاتی ہیں اور آمدنی حلال کی ہے حرام کی آمیزش اس میں نہیں ہوتی ہے تو ایسی کمیٹی کی امداد لے کر قبرستان کیلئے مزید زمین خریدی جاسکتی ہے۔ع۲

قبرستان کیلئے وقف شدہ زمین کے درختوں کا حکم

قبرستان کی زمین میں بڑے بڑے درخت لگے ہوئے ہیں تو ان درختوں کے سلسلے میں حضرات فقہاء نے اولاً دو صورتیں نقل فرمائی ہیں (۱) اول یہ ہے کہ مقبرہ بنانے سے قبل اس زمین پر درخت لگے ہیں

ع۱ مستفاد کفایت المفتی (ص۲۲۹ ج۷)

ع۲ مستفاد کفایت المفتی (ص۲۴۷ ج۷)

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ قبرستان بنانے کے بعد اس پر درخت آ گئے ہیں۔

(۱) اول صورت میں مسئلہ کی دو قسمیں ہیں (۱) پہلی قسم یہ ہے کہ اس زمین کا پہلے سے کوئی مالک ہے جس نے قبرستان کیلئے وقف کیا ہے تو اس صورت میں تمام درخت مع جڑوں کے وقف کنندہ یعنی زمین کے مالک کی ملک میں ہیں وہ جو چاہے اس درخت کے ساتھ کرے۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ زمین موات تھی اس کا کوئی مالک نہیں تھا گاؤں والوں نے اسے آباد کر کے مقبرہ بنایا ہے، تو اس آخری صورت کی پھر دو قسمیں ہیں۔
(۱) اول یہ ہے کہ ان درختوں کا لگانے والا معلوم ہے تو یہ درخت ان لگانے والے کے ہوں گے (۲) دوسری قسم یہ ہے کہ ان درختوں کا لگانے والا معلوم نہیں ہے تو اس کا حکم قاضی کے اختیار میں ہے قاضی چاہے تو ان درختوں کو فروخت کر کے ان کی قیمت مقبرہ کی عمارت چہار دیواری وغیرہ میں صرف کرے۔[1]

---

[1] مقبرہ علیہا اشجار عظیمۃ فہذا علی وجہین اما ان کانت الاشجار نابتہ قبل اتخاذ الارض مقبرۃ او نبتت بعداتخاذ الارض مقبرۃ ففی الوجہ الاول المسالۃ علی قسمین اما ان کانت الارض مملوکۃ لہا مالک او کانت مواتا لامالک لہا و اتخذہا اہل القریۃ مقبرۃ ففی القسم الاول الاشجار باصلہا علی ملک رب الارض یصنع بالاشجار و اصلہا ماشاء وفی القسم الثانی الاشجار باصلہا علی حالہا القدیم وفی الوجہ الثانی المسالۃ علی قسمین اما ان علم لہاغارس اولم یعلم ففی القسم الاول کانت للغارس وفی القسم الثانی الحکم فی ذالک الی القاضی ان رأی بیعہاوصرف ثمنہاالی عمارۃ المقبرۃ فلہ ذلک کذا فی الواقعات الحسامیۃ (الفتاویٰ الہندیہ ص ۴۷۲، ۴۷۳ ج ۲)

قبرستان کے خالی حصہ میں کھیتی کر کے اسکی پیداوار مسجد میں لگانا

چند آدمیوں نے اپنی ملکیت کی کچھ زمین قبرستان کو وقف کر دیا اب اس کے کچھ حصہ میں قبر ہیں اور کچھ خالی ہیں تو خالی حصہ میں کھیتی لگا کر اس کی حاصلات کو مسجد میں لگانا چاہتے ہیں تو اس کا حکم یہ ہے کہ قبرستان کو زمین وقف کرتے وقت واقف نے کہدیا تھا کہ اس کی کچھ حاصلات مسجد میں دی جائے گی، تب تو اس کی پیداوار کا مسجد میں لگانا درست ہے اور اگر بوقت وقف اس کی تصریح نہیں ہوئی تھی تو اب مسجد میں لگانا درست نہیں ہے اس کی ساری پیداوار کو قبرستان ہی میں لگانا چاہئے اگر اس قبرستان کو ضرورت نہیں تو دوسرے قبرستان میں لگایا جائے اور اگر نہ تو اس قبرستان کو ضرورت ہے اور نہ قریب میں کسی قبرستان کو اس کی حاجت ہے اور اس رقم کی حفاظت بھی دشوار ہو تو تمام لوگوں کے مشورہ سے آمدنی مسجد میں صرف کر سکتے ہیں نیز اس کا بھی خیال رہے کہ اس خالی جگہ میں کھیتی کرنے کی وجہ سے کہیں کھیتی کرنے سے دوسرے کے قبضہ میں آ کر اصل وقف ہی ختم نہ ہو جائے ۔[1]

مردوں کو دفن کرنے پر فیس لے کر مسجد میں لگانا

کسی شخص نے اپنی زمین کا کچھ حصہ مسجد کو دیدیا اور کچھ حصہ قبرستان کو اس شرط پر دیا کہ اس میں جو مردہ دفن ہو فی کس پچاس روپے دیا کرے تو وہ آمدنی مسجد میں لگائی جائے تو یہ صورت درست نہیں ہے کیونکہ حقیقت میں یہ مردہ کو دفن پر کرایہ لینا ہے اور کرایہ کیلئے بیان مدت ضروری ہے اور یہاں ممکن نہیں ہے کہ مردہ کب تک رہے گا، لہٰذا یہ عقد حرام اور خلاف شرع ہے ۔[2]

ع ۱ مستفاد فتاویٰ محمودیہ (ص ۲۱۱ ج ۱۸)

ع ۲ مستفاد امداد الفتاویٰ (ص ۶۹۲ ج ۴)

قبرستان میں پھل دار درخت لگانا

قبرستان میں پھل دار خت لگانا اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ دفن اموات میں نقصان نہ آجائے اوران پھلوں کی بیع جائز ہے اوراس کی قیمت قبرستان کے کام میں لگانا جائز ہےاوران درختوں کولگانے کیلئے قبرستان کے فنڈ سے خرچ کرنا جائز ہے۔

نیز ان درختوں کے لگانے اور پھل کے توڑنے اور اس کے متعلقہ کاموں کیوجہ سے قبروں کا روندا جانااور پامال ہونا نہ پایا جائے ورنہ پھر جائز نہیں ہوگا قبر کی بے حرمتی کر کے نفع حاصل نہیں کیا جاسکتا۔[1]

قبرستان پر کوئی شخص موروثی جائداد کی طرح مدتوں سے قابض ہو

ایک شخص تکیہ جیسے قبرستان پر نسلا بعد نسل قابض ہے اس کے واقف کا پتہ نہیں ہے یہ ہی شخص اس کا مالک ہے اس کی اجازت سے مردے دفن ہوتے ہیں اور یہ شخص اس کا مالک اور متصرف بھی ہے تو اس کا حکم وقف جیسا نہیں ہوگا شخص مذکور جو چاہےاس میں تصرف کرسکتا ہے۔[2]

قبرستان میں جانور چرانے کا کسی کو حق نہیں

قبرستان کا احترام ہر مسلمان پر ضروری ہے. جانور وغیرہ چرانے سے اس کی بے حرمتی ہوتی ہے جانور چرتے ہوئے قبر پر چڑھ جاتے ہیں اور بسا اوقات زمین نرم ہونے کی وجہ سے جانور کے پیر زمین میں گھس کر قبر تک نیچے پہنچ جاتے ہیں

جس سے میت کی بھی بے حرمتی ہوتی ہے، نیز جانور چرتے ہوئے پیشاب پاخانہ بھی کرتے ہیں لہٰذا عام مسلمان کو حق ہے کہ جانور چرانے سے لوگوں کو روکے روکنے کا حق ہر ایک مسلمانوں کو ہے صرف متولی ہی کو حق نہیں ہے۔

ع۱، ۲، ۳ مستفاد کفایت المفتی (ص۱۲۱، ۱۲۴، ۱۲۵ ج ۷)

قبرستان میں نماز جنازہ کیلئے چبوترہ بنانا اور پنجوقتہ نماز پڑھنا

قبرستان کے احاطہ میں نماز جنازہ پڑھنے کیلئے ایک جگہ مخصوص کر کے اس میں چبوترہ بنادیا گیا۔ اور اس میں نماز جنازہ ادا کی جاتی ہے اب اس میں پنجوقتہ نمازیں بھی ادا کرنا چاہتے ہیں۔ تو حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نوراللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں کہ چبوترہ جس زمین پر بنایا گیا اگر وہ زمین قبرستان کی ہے اور دفن اموات کیلئے وقف ہے تو اس کو نماز کیلئے مخصوص کرنا جائز نہیں ہے اور اگر اس چبوترہ کی زمین دفن کیلئے وقف نہیں ہے بلکہ واقف نے نماز جنازہ کیلئے وقف کی ہے تو اس پر نماز جنازہ جائز ہے اور اس کے آگے قبلہ کی جانب سترہ قائم کر کے نماز پڑھی جاسکتی ہے اور پنجگانہ نمازوں میں سے کوئی نماز اگر اتفاقاً پڑھ لی جائے تو مضائقہ نہیں مگر پنجگانہ نمازوں کیلئے اس کو مخصوص کردینا جائز نہیں ہے۔[1]

قبرستان کے منافع کیلئے قبرستان میں راستہ نکالنا

میت لیجانے یا دیگر منافع مقبرہ کیلئے قبرستان کے بیچ سے یا ایک کنارہ سے راستہ نکالنا جائز ہے شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔ مگر راستہ نکالنے میں اس بات کا خیال رہنا چاہئے کہ راستہ پر کوئی نئی یا پرانی ایسی قبریں نہ ہوں جن کے اندر میت کی ہڈیاں وغیرہ باقی ہوں۔[2]

قبرستان کا جنگل صاف کرنے کیلئے آگ لگانا صحیح نہیں سوکھی گھاس صاف کرنا جائز ہے۔

مستحب یہ ہے کہ قبر کے اوپر کی ہری گھاس وغیرہ نہ کاٹی جائے، اس سے میت

ع[1] مستفاد کفایت المفتی (ص ۱۲۱، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۳۹ ج ۷)

ع[2] مستفاد فتاوی مفتاح العلوم (غیر مطبوعہ)

کو انس اور فائدہ پہنچتا ہے، البتہ قبرستان میں بسا اوقات جنگل جھاڑ سوکھ جاتے ہیں اور بلا فائدہ کی گھاس وغیرہ سوکھ کر قبر کو ڈھانپ لیتی ہے، جن کی وجہ سے قبر کھودنے والے کو موذی جانور، سانپ بچھو، وغیرہ کا خطرہ رہتا ہے تو ایسے درختوں اور جنگل کا کاٹ کر صاف کرنا درست ہی نہیں بلکہ مستحسن ہے، مگر اس میں آگ لگانا درست نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں بعض جدید قبروں میں آگ لگ کر اموات کے اعضاء کا جلنا پایا جائیگا، جو سراسر حرام ہے، لہذا سوکھی گھاس کو کاٹنا جائز ہے۔ ۱

قبرستان میں لگائے ہوئے درختوں کا کاٹنا

قبرستان وقف شدہ ہے اور اس میں خود رو درخت لگ گئے ہیں، تو اسے مناسب معلوم ہو تو کاٹ کر اس کی قیمت قبرستان میں اگر اس قبرستان کو ضرورت نہ تو کسی اور قبرستان میں لگا دینا جائز ہے۔

اور اگر درخت کو واقف نے لگایا ہے یا کسی اور شخص نے باجازت متولیان قبرستان لگایا ہے تو لگانے والا شخص ان درختوں کا مالک ہے، اس کی اجازت کے بغیر ان درختوں کا کاٹنا درست نہیں ہے۔

قبرستان کے درختوں سے مسواک کاٹنا

اگر قبرستان کسی کی ملک میں ہے تو مالک کی اجازت سے مسواک وغیرہ کاٹا جائے بغیر اجازت نہیں، اور اگر قبرستان کی زمین وقف شدہ ہے تو اس کے خودرو درخت وغیرہ بھی وقف ہیں، ان سے مصارف وقف کے سواء کوئی نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ ۲

وقف قبرستان میں قبر کے اردگرد چبوترہ بنانا اور کتبہ لگانا

جب قبرستان وقف نہ ہو تب بھی سادا رکھنا بہتر ہے چہ جائے کہ قبرستان وقف ہو

ع ۱ ع ۲ مستفاد احسن الفتاوی ص ۴۱۸ ج ۶۔

کیونکہ مقبرہ کو پکی بنانے میں دوسروں کا حق مارنا اور اتنی جگہ کو ہمیشہ کیلئے قبضہ میں لے لینا ہے۔

اسلئے بلا ضرورت شرعیہ قبر کے ارد گرد دیوار نہ بنائی جائے سنت طریقہ یہی ہے کہ قبر مکمل کچی رکھی جائے، اسلئے فقہاء نے قبر میں پکی اینٹ رکھنے اور قبر کے چاروں طرف پختہ چبوترہ بنانے اور قبر کے آس پاس آگ اور اس میں پکائی ہوئی چیزیں لے جانے کی بھی ممانعت فرمائی ہے، چنانچہ علامہ شامیؒ نے اس بات کی نشاندہی فرمائی ہے۔[1] کچی قبریں رہنے میں میت کا مفاد ہے، کچی اور کس مپرسی کی حالت انوار الٰہی اور رحمت خداوندی کی زیادہ مستحق ہے اور زائرین کے دلوں پر موثر ہے موت یاد آتی ہے اور دنیا کے زوال کا نقشہ سامنے آجاتا ہے، زیارت قبور کی جو غرض ہے وہ حاصل ہو جاتی ہے۔

اگر ضرورت سمجھی جائے کہ قبر کا نشان باقی رہے تو وقتاً فوقتاً اس پر مٹی ڈالی جاسکتی ہے، نیز قبر کا نشان باقی رکھنے اور اس خیال سے کہ قبر کی بے حرمتی اور توہین نہ ہو، لوگ اس کو پامال نہ کریں، تو اس پر میت کا نام اور تاریخ وفات لکھی جاسکتی ہے۔

چنانچہ نور الایضاح میں ہے (ولا بأس بالکتابۃ علیہ لئلا یذھب الاثر ولا یمتھن) یعنی قبر پر میت کے نام وغیرہ کو لکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے تاکہ قبر کے نشان نہ مٹے اور اس کی توہین نہ ہو۔[2]

مگر کتبہ لگانا اور کچھ لکھنا بدرجہ مجبوری جائز ہے مگر خلاف اولیٰ ہے بہتر یہ ہے کہ

ع[1] والسنۃ ان یفرش فی القبر التراب ثم لم یتعقبوا الرخصۃ فی اتخاذہ من حدید بشیء ولا شک فی کراھتہ کما ھو ظاھر الوجہ ای لانہ لا یعمل الا بالنار فیکون کالآجر المطبوخ بھا (شامی صہ ۱۴۰ جہ ۳ مطلب فی دفن المیت)

ع۲ نور الایضاح صہ ۱۴۰۔

قبر کو بالکل سادا رکھا جائے نام ونشان کیلئے لکھا ہوا کوئی پتھر رکھدیا جائے،
چنانچہ ترمذی شریف میں ایک حدیث اس سلسلہ میں منقول ہے۔

ان رسول اللہ ﷺ نهی ان یجصص القبور وان یکتب علیها وان توطأ ع ۱	کہ آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے اس سے کہ قبروں کو پختہ بنایا جائے یا ان پر لکھا جائے یا ان کو پیروں سے روندا جائے۔

اسی طرح کی روایت مسلم شریف میں بھی منقول ہے، اور دیگر کتب فقہ میں بھی اس کی تصریح ہے کہ قبروں پر بلا ضرورت کچھ نہ لکھا جائے ع۲

قبرستان میں پڑی ہوئی اینٹوں سے چہار دیواری بنانا

قبرستان میں اکثر لوگ اینٹ پتھر اموات کو دفن کرنے اور قبروں پر رکھنے کے لئے لاتے ہیں بسا اوقات ضرورت سے زائد ہوتے ہیں، بغیر استعمال کے قبرستان میں یوں ہی پڑے رہتے ہیں، رفتہ رفتہ اینٹوں کا انبار لگ جاتا ہے، جن کا کوئی مالک نہیں ہوتا ہے، تو ایسی اینٹوں اور ان لاوارث پتھروں سے قبرستان کی حفاظت کیلئے چہار دیواری کرنا شرعاً درست ہے ع۳

ع ۱ ترمذی شریف بحوالہ مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۸۔

ع۲ ان احتیج الی الکتابة حتی لایذهب الاثر ولایمتهن فلا بأس به فاما الکتابة بغیر عذر فلا اه (فتاوی شامی ص۱۴۴ ج۳ ماخوذ ومستفاد فتاوی رحیمیه ص۷۲ ج۷)

ع۳ وقد اعتاد اهل مصر وضع الاحجار حفظا للقبور عن الاندراس والنبش ولاباس به حاشیه طحطاوی علی مراقی الفلاح ص۱۱ ۲۔ قدیمی والیوم اعتادوا التسنیم باللبن صیانة للقبر عن النبش وراوا ذلک حسنا وقال ﷺ ماراٰه المسلمون حسنا فهو عندالله حسن (فتاوی شامی ص۱۴۴ ج۳ مطلب فی دفن المیت) زکریا

عیدگاہ اور قبرستان بستی کے کس جانب ہو

عیدگاہ قبرستان بستی کے کسی بھی جانب بنا سکتے ہیں کسی جانب کی شریعت میں کوئی تحدید منقول نہیں ہے، جس طرف سہولت ہو بنالیا جائے۔

قبرستان میں بینچ، کرسی رکھنا

قبرستان میں بوڑھوں اور کمزوروں کی زیارت کا بہانہ بنا کر وہاں بینچ اور کرسی یا پتھر وغیرہ کی سیٹیں بنائی جاتی ہیں مگر بعد میں لوگوں کے لئے تفریح گاہ بن جاتا ہے غافل اور بیکار قسم کے لوگ وہاں بیٹھ کر بلاوجہ گپ شپ میں مشغول ہوتے ہیں اور قبر کی زیارت کا مقصد فوت ہو جاتا ہے، آخرت کو یاد کرنے کے بجائے برباد کرتے ہیں اسلئے قبرستان کو سادا طریقہ پر ہی رکھا جائے بینچ، کرسی نہ لگائی جائے اور نہ مستقل پختہ بنائی جائے جسے کھڑے ہونے میں وقت ہو وہ زمین پر بیٹھ جائے [1]

قبرستان کی صفائی کیلئے بلڈوزر، ٹریکٹر وغیرہ چلانا

قبرستان کو صاف ستھرا اور اس کی زمین کو ہموار کر سکتے ہیں مگر قبروں کی بے ادبی نہ ہو سکے اس کا خیال رہنا چاہئے، قبروں کی بے ادبی کرنے سے متعدد احادیث میں منع کیا گیا ہے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کسر عظم المیت ککسرہ حیا [2] یعنی مردہ کی ہڈی توڑنا زندہ آدمی کی ہڈی توڑنے کے مماثل ہے۔

اس حدیث کے پیش رو بات خود واضح ہو جاتی ہے کہ بلڈوزر یا ٹریکٹر سے

ع ۱ مستفاد فتاوی رحیمیہ ص ۱۳۴ ج ۷۔

ع ۲ مشکوۃ شریف ص ۱۴۹ ج ۱۔

صفائی کرنے میں قبروں کی بے حد توہین اور بداحترامی ہے، کچھ نئی قبروں کے خراب ہونے کا امکان ہے، ان کے اعضاء اور ہڈیاں نہ گلی ہوں تو اس کا اکھاڑنا اموات کی توھین ہوگی، خاص کر بچوں کی قبریں گہری نہیں ہوتی ہیں، بلڈوزر وغیرہ چلانے میں پوری قبر کھل جانے کا امکان ہے، لہذا ایسا کوئی طریقہ اختیار نہیں کرنا چاہئے جس سے قبروں کی بے ادبی ہوتی ہو۔ ۱

ویران قبرستان پر مسجد بنانا

ویران قبرستان جسمیں لوگوں نے دفن کرنا چھوڑ دیا ہے اور کوئی جدید قبر بھی فی الحال موجود نہیں تو وقف شدہ قبرستان پر عام لوگوں کے مشورہ اور متولیان کی اجازت سے مسجد بنائی جاسکتی ہے۔

اسی طرح اگر قبر کسی کی مملوک ہو اور قبروں کے نشانات مٹ چکے ہیں تو مالک کی اجازت سے اس پر مسجد کی تعمیر ہوسکتی ہے، علامہ عینی شارح بخاری نے عمدۃ القاری میں اس بات کی تصریح فرمائی ہے۔

وقف شدہ قبرستان پر لوگوں کے ذاتی مکانات بنانا

قبرستان کسی نے وقف کیا تھا، زمانہ سے اس پر دفن اموات ہورہے تھے مگر شہر کے وسط میں آنے یا کسی اور وجہ سے مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دیا گیا ہے، تو اس کا وقف ہونا صحیح نہیں ہوگا اور اس پر لوگوں کا جبراً قبضہ کرنا جائز نہیں، اسی طرح کسی محکمہ اور متولیان قبرستان کو حق نہیں کہ اس جگہ کو لوگوں کے ہاتھ بیچ دیں کہ لوگ اس پر ذاتی مکانات کی تعمیر کریں، اس کی بیع وشراء باطل ہوگی، اگر لوگ جبراً قبضہ کرلیں تو حکومت کو چاہئے کہ اس کو خالی کرائے۔

قبرستان کی ضرورت ختم ہوگئی تو اس پر مسجد یا کوئی رفاہ عامہ کی چیزیں تعمیر کی جائے، یعنی ایسی

ع ۱ مستفاد فتاوی رحیمیه ص ۳۷۱ ج ۷)

چیزیں بنائی جائے جو عامۃ المسلمین کیلئے وقف شمار ہو۔[۱]

قبرستان کے درختوں کے پھل کا مصرف

قبرستان کی زمین وقف کرنے سے قبل درخت لگائے گئے ہیں اور مالک نے صرف زمین وقف کیا ہے درخت اس کی ملک میں باقی ہے تو پھل کا بھی وہی مالک ہوگا اور اگر درختوں کو بھی زمین کیساتھ وقف کر دیا تھا یا درخت زمین وقف کرنے کے بعد لگائے گئے تھے، تو اس کا مصرف بھی وہی ہے جو عام وقف کا مصرف ہے یعنی اس پھل کو درخت کے قبرستان کے مصالح میں خرچ کئے جائیں گے۔

قبرستان کی زمین میں دکان ومکان وغیرہ بنوا کر کرایہ حاصل کرنا

قبرستان کی زمین اگر کسی کی ملک ہے وقف شدہ نہیں تو مالک کی اجازت سے کوئی دوسرا یا خود مالک چاہے تو دکان ومکان بنا سکتا ہے۔

اور اگر قبرستان کی زمین وقف شدہ ہے تو ظاہر ہے کہ واقف نے مسلمان مردوں کی تدفین کیلئے خالص وقف کیا ہے لہذا اس میں دکان ومکان وغیرہ بنانا جس سے کرایہ حاصل کیا جائے خواہ قبرستان کے مصالح میں خرچ کئے جائیں وقف کے منشا کے خلاف ہے۔

ع[۱] فان قلت هل يجوز ان يبنى المسجد على قبور المسلمين قلت قال ابن القاسم رحمه الله تعالیٰ لو ان مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم ار بذلك باسا وذلك لان المقابر وقف من اوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لاحد ان يملكها فاذا اندرست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها الى المسجد لان المسجد ايضا وقف من اوقاف المسلمين لايجوز تمليكه لاحد فمعناهما على هذا واحد (عمدة القارى ص۱۷۹ ج۴)

قبرستان کی ضروریات مثلاً کمپاؤنڈ بنانا قبرستان کی زمین کو اونچا کرنا پہرہ داری کی تنخواہیں وغیرہ کو چندہ سے پورا کیا جائے، مقامی چندہ سے کام نہ ہوسکتا ہو، تو بیرونی چندہ کیا جائے، مگر قبرستان کی جگہ کو کسی کام میں محصور نہ کیا جائے، اگر کسی طرح سے بھی کام نہ چل سکتا ہو، تو وقتی طور پر خالی جگہوں میں دکانیں بنا کر ضرورت پوری کرلی جائے ضرورت پوری ہونے پر دکانوں کو توڑ دیا جائے ، اور وقف قبرستان میں مردہ دفن کیا جائے ع۱

البتہ قبرستان کی وہ جگہ جو قبرستان کے حاشیہ پر ہو اور قبرستان وسیع ہو جہاں دکانیں بنانا چاہتے ہیں وہاں نہ فی الحال تدفین ہو رہی ہے، اور نہ آئندہ متوقع ہے تو ایسی جگہوں پر دکانیں بنا کر چہ حدی قبرستان کو محفوظ کیا جاسکتا ہے اور اس کی آمدنی جو قبرستان سے فاضل ہو اس کو مدرسہ، یتیموں، بیواؤں، غریبوں اور دینی وعصری تعلیم گاہوں پر خرچ کیا جاسکتا ہے ع۲

قبرستان کی زمین نشیبی ہونے کی وجہ سے بدلنا

نماز جنازہ کی جگہ یا قبرستان کی جگہ نشیبی ہے جہان کچھ پانی جمع ہو جاتا ہیں تو اس کو دوسری زمین سے بدلنے کے سلسلے میں حکم شرعی یہ ہے کہ اگر زمین غیر موقوف ہے مالک زمین کی اجازت سے دوسری زمین سے تبادلہ کیا جاسکتا ہے، اور اگر قبرستان اور جنازہ پڑھنے کی جگہ وقف شدہ ہے تو اس کو بدلنا جائز نہیں ہے ع۳

ع۱ مستفاد فتاوی رحیمیہ (ص۱۳۵ ج۴.

ع۲ مستفاد نظام الفتاوی (ص۱۶۷ ج۱.

ع۳ مستفاد احسن الفتاوی (ص۴۲۰ ج۶.

بڑے مزار کے زائد حصے کو توڑ کر مسجد میں شامل کرنا

مسجد میں قدیم زمانہ کا وسیع مزار ہے اس کی وسعت کی وجہ سے نمازی کو تنگی محسوس ہوتی ہے جیسے بخاری شاہ کا مزار، تو اس کا حکم یہ ہے کہ قبراتنی ہی کہلائے گی جتنی مقدار میں مردہ کے قد کی لمبائی چوڑائی ہے، زائد حصہ قبر سے خارج ہے، لہٰذا قبروں خاص کر بزرگوں کے مزار کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے بلا وجہ زائد حصہ کو مسجد میں شامل کیا جاسکتا ہے۔

نیز قبراتنی پرانی ہے کہ میت اس میں باقی نہ رہی ہوگی تو قبر کا حکم ہی ختم ہو جا جاتا ہے، لہٰذا ایسی قبروں کو سخت ضرورت کی بناء پر مسجدوں میں شامل کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔!

پرانی قبر میں دوسرا مردہ دفن کرنا کب جائز ہے

اس وقت شہر کی آبادی بہت تیزی کے ساتھ پھیلتی جارہی ہے جس کی وجہ سے پرانے قبرستان اپنی وسعت کے باوجود بھی تنگ پڑ جاتے ہیں، شہر سے باہر قبرستان بنایا جائے تو اتنی دور اموات کو لیجانا بہت دشوار کن مرحلہ ہے تو اس شکل میں پرانی قبروں میں تدفین شروع کرنے کے سلسلے میں علامہ شامی فتح القدیر کے حوالہ سے اس کا حل پیش فرماتے ہیں کہ میت دفن کرنے کے لئے کسی قبر کو کھودی نہ جائے، الا یہ کہ پہلی میت بوسیدہ ہوگئی ہو اور اس کی ہڈیاں باقی نہ رہی ہوں البتہ جگہ نہ ہونے کے سبب قبر کھودی گئی اور اس میں ہڈیاں نکلیں تو احترام کے ساتھ پہلے مردہ کی ہڈیوں کو جمع کر کے قبر کے ایک جانب رکھدی جائیں اور ان دونوں کے درمیان مٹی کی آڑ کردی جائے۔

ع۔ا مستفاد فتاوی محمودیہ قدیم (ص۔۱۹۴ ج۔۱۵)

آگے علامہ زیلعیؒ کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں اگر میت بوسیدہ ہوجائے اور مٹی ہوجائے تو دوسری میت کو اس میں دفن کرنا جائز ہے، پھر علامہ شامیؒ خود فرماتے ہیں، بوسیدہ ہوجانے کے بعد جواز کا قول اختیار کرنا بہتر ہے، اسلئے کہ ہر میت کے لئے ایسی قبر مہیا کرنا جس میں کبھی کوئی مردہ دفن نہ ہوا ہو ممکن نہیں ہے خاص کر بڑے شہروں میں ۔[۱]

حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ ان کے علاوہ مراقی الفلاح بحرالرائق، فتاوی عالمگیری اور فتاوی دارالعلوم دیوبند وغیرہ سے اسی طرح کی بات تحریر فرما کر اپنا قول فیصل تحریر فرماتے ہیں کہ مذکورہ عبارتوں سے واضح ہوتا ہے کہ راجح قول کے مطابق مردہ جب خاک ہوجائے اور اس کا اثر باقی نہ رہے تو اس صورت میں دوسرے میت کو اس قبر میں دفن کرنا جائز ہے، خاص کر بڑے شہروں میں جہاں زمین کی قلت ہوتی ہے اور اس سے قبل جب کہ اندازہ یہ ہو کہ میت کا جسم خاک نہ ہوا ہوگا، قصداً و ارادۃً بلا عذر شرعی قبر کھودنا جائز نہ ہوگا ۔[۲]

عـ ۱ قال فی الفتح ولایحفر قبر لدفن آخر الاان یلی الاول فلم یبق له عظم الاان لایوجد فتضم عظام الاول ویجعل بینهما حاجزمن تراب الی قوله قال الزیعی ولوبلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیره فی قبره وزرعه والبناء علیه الی قوله قلت فالاولی اناطة الجواز بالبلاء اذلایمکن ان یعد لکل میت قبر لایدفن فیه غیره وان صار الاول ترابا لاسیما فی الامصار الکبیرة الجامعةالخ(شامی صـ ۱۳۸ جـ ۳ کتاب الجنائز)

عـ ۲ لو بلی المیت وصار تراباجاز دفن غیره فی قبره کذا فی التبیین (مراقی الفلاح مع طحطاوی(صـ ۳۴۲ فصل فی حملها ودفنها) وفی التبیین ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیره (بقیہ آگے صفحہ پر)

دفن کے بعد مردہ کو داھنی کروٹ اور قبلہ رو کرنے کیلئے قبر کو کھودنا

میت کو دفن کرنے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ مردہ کو قبلہ رخ داھنی کروٹ پر لٹایا جائے اور پشت کی طرف مٹی سے سہارا دیا جائے تا کہ مردہ پلٹ نہ جائے اگر کسی وجہ سے کروٹ پر لٹانا متعذر ہو تو صرف چہرہ کو قبلہ کی طرف کر کے چت لٹایا جائے، مگر مردہ کو چت لٹانا خلاف سنت ہے، حدیث میں پشت کے بل چت لٹانے کی ممانعت وارد ہوئی ہے، لہذا عام طور سے لوگوں میں جو طریقہ رائج ہو گیا ہے کہ میت کو چت لٹا کر صرف چہرہ قبلہ کی جانب کر دیتے ہیں، یہ سنت متوارثہ کے خلاف ہے، شریعت کے بتلائے ہوئے طریقہ کو عام کرنا چاہئے اور خلاف شریعت وسنت سے بچنا چاہئے۔

البتہ دفن کرنے کے بعد قبلہ رخ کرنا درست نہیں ہے مٹی ڈالنے سے قبل بانس لکڑی وغیرہ ہٹا کر رخ کو اور چہرہ کو قبلہ کی طرف کیا جا سکتا ہے لیکن مٹی ڈالنے اور تدفین کا کام مکمل ہو جانے کے بعد قبر کھولنا معصیت اور گناہ ہے۔[1]

(بقیہ صفحہ) وزرعه والبناء عليه اه (بحر الرائق ص ۱۹۵ ج ۲) ولو بلى الميت وصار ترابا جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه كذا في التبيين (عالمگیری ص ۱۶۷ ج ۱) (فتاوی دار العلوم دیوبند ص ۳۷۸ ج ۵، ص ۳۸۵ ج ۵) (ماخوذ ومستفاد فتاوی رحیمیه ص ۱۶۹ تا ۱۷ ج ۷)

[1] يوضع في القبر على جنبه الايمن مستقبل القبلة كذا في الخلاصة (عالمگیری ص ۱۶۶ ج ۱) (يوجه الى القبلة على جنبه الايمن) بذلك امرا لنبي صلى الله عليه وسلم (مراقي الفلاح) قوله بذلك امر النبي ﷺ عليا لما مات رجل من عبد المطلب فقال يا على استقبل القبلة استقبالا وقولوا جميعاً بسم الله على ملة رسول الله وضعوه لجنبيه ولا تكبوه على وجه ولا تلقوه على ظهره كذا في الجوهرة الخ (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۳۷) لودفن مستد برالها واهالوا التراب لاينبش لان التوجه الى القبلة سنة والنبش حرام بخلاف ما اذا كان بعد اقامة اللبن قبل اهالة التراب فانه يزال ويوجه الى القبلة عن يمينه (فتاوی شامی ص ۱۴۱ ج ۳)

کنواں کھودنے میں انسانی ہڈیاں نکلیں

کسی شخص نے اپنی خریدی ہوئی زمین میں کنواں کھدوایا، چار پانچ فٹ گہرائی کے بعد سالم انسان کا ڈھانچہ برآمد ہوا، اور اس کے جسم کے بعض اعضاء ہڈیاں وغیرہ نکلیں تو ظاہر ہے کہ یہ قبریں جب موقوفہ زمین نہیں ہے تو کسی نے اپنی مملوکہ زمین میں دفن کیا ہوگا، اور اس صورت میں مالک زمین کو اختیار ہوتا ہے کہ جب ان کو گمان ہو جائے کہ لاش مٹی بن گئی ہوگی تو اس زمین کو اپنے کام میں استعمال کرے، لیکن جب معلوم نہیں لاعلمی کی بنیاد پر قبر کھودی گئی اور قبر سے لاشیں نکل گئیں تو اس کے لئے مناسب تھا کہ اس قبر کو برابر کردیتے اور ہڈیوں کو احترام کے ساتھ دوسری جگہ دفن کردیا جاتا۔ اور اگر یہ بات معلوم ہوجائے کہ قبریں مسلمانوں کی نہیں ہیں تو اس کے ساتھ مسلمانوں کی قبر جیسا احترام کرنا ضروری نہیں ہے مگر یہ بات عیاں ہے کہ ہندوستان کے کفار اپنے مردے کو دفن نہیں کرتے ہیں، البتہ عیسائی دفن کرتے ہیں اور عیسائی کا دفن کرنا متوقع نہیں تو معاملہ مشتبہ ہوگیا تو ایسی جگہ پر کنواں نہ کھودا جائے۔[1]

قبرستان کا احاطہ بنانے میں سود اور زکوۃ کی رقم استعمال کرنا

قبرستان کا احاطہ کرکے قبروں کو بے ادبی اور توھین سے بچانا ضروری ہے اس کے لئے حلال کمائی کی رقم ہونی چاہئے، زکوۃ کی رقم استعمال کرنا جائز نہیں ہے اس سے زکوۃ ادا نہ ہوگی، جوئے کی رقم (یا کسی بھی حرام کمائی کی رقم سے مکمل اجتناب کرنا چاہئے) مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ اپنے مردوں کو بے ادبی سے بچانے کیلئے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق رقوم جمع کریں اگر کافی نہ ہوسکے تو بدرجہ مجبوری بینک کے سود کی رقم وقف قبرستان کے احاطہ میں استعمال کی جاسکتی ہے۔[2]

ع۱ مستفاد کفایت المفتی (صـ۳۲۲ جـ۷)

ع۲ مستفاد فتاوی رحیمیہ (صـ۴۸ جـ۹)

نماز جنازہ پڑھانے کی اجرت لینا

صرف نماز جنازہ پڑھا کر اجرت لینا دینا ناجائز ہے ہاں اگر کسی کو نماز جنازہ پڑھانے کیلئے ملازم رکھ لیا جائے اور تنخواہ مقرر کر دی جائے تو مضائقہ نہیں ہے، امام ومؤذن جو تنخواہ مسجد سے پاتا ہے اس میں نماز جنازہ پڑھانے کی شرط بھی داخل کر لی گئی کہ مسجد کی امامت کے ساتھ نماز جنازہ بھی پڑھانی پڑے گی تو ملازمت صحیح ہے اگر اتفاقی طور سے کسی جنازہ کی نماز نہ پڑھائے تو اس کا اثر تنخواہ پر نہ پڑے گا، ہاں اگر یہ عادت کر لے کہ نماز جنازہ نہ پڑھایا کرے تو تنخواہ کا مستحق نہ ہوگا، اس تنخواہ کے علاوہ کوئی اور حق اولیائے میت سے لینے کا اسے اختیار نہیں، کیونکہ ان سے کوئی خاص عقد اجارہ نہیں کیا گیا ہے۔ اور تبرع کے طور پر دیا جائے تو اس میں جبر نہیں ہو سکتا، ان کی خوشی ہے دیں یا نہ دیں اگر اولیاء میت مسجد کے امام ومؤذن کو کچھ نہ دیں اور صرف اس وجہ سے متولی مسجد ان کو قبرستان میں میت دفن کرنے سے روکے تو یہ متولی کا صریح ظلم ہے[۱]

ع ۱ مستفاد کفایت المفتی ص ۱۴۶ ج ۷.

مدارس اسلامیہ کے مسائل

مدارس کا سلسلہ اصحاب صفہ سے

تمام مدارس اسلامیہ کے طالبان علوم نبوت کا سلسلہ مسجد نبوی کے قریب صفہ پر بیٹھ کر علم حاصل کرنے والے اصحاب صفہ سے جا ملتا ہے، حضرت علامہ عینیؒ شارح بخاری صفہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ صفہ مسجد نبوی ﷺ کے قریب ایک سایہ دار چبوترہ تھا جس پر وہ فقراء مہاجرین رہتے تھے جن کے پاس گھر دوار نہیں تھا، دوسرا قول یہ ہے کہ اصحاب صفہ ان کو اسلئے کہا جاتا ہے کہ وہ مسجد کے دروازے پر (طلب علم کیلئے) چمٹے رہتے تھے اسلئے کہ وہ لوگ غرباء صحابہ میں سے تھے۔[1]

اصحاب صفہ ہمیشہ فقر و تنگی اور جہد مسلسل کے ساتھ طلب علم میں ہمہ تن مصروف رہا کرتے تھے، نہ ان کا گھر تھا نہ بیوی بچے مسلمانوں کے وہ مہمان ہوتے تھے رُوکھا سوکھا جو مل جاتا کھا لیتے، نہ ملتا تو روزہ سے رہتے، چنانچہ بخاری شریف میں حضرت ابوھریرہؓ کی ایک لمبی حدیث ہے حضور ﷺ نے حضرت ابوھریرہؓ سے ارشاد فرمایا کہ

یا ابا هریره قلت لبیک یا	اے بو ہریرہ: حضرت ابو ہریرہؓ نے فریا حاضر ہوں یا
رسول الله قال الحق اهل	رسول اللہ اس پر آپؐ نے فرمایا کہ اصحاب صفہ کو بلاؤ
الصفة فادعوهم له، قال واهل	فرماتے ہیں کہ اہل صفہ اسلام یعنی مسلمانوں کے
الصفة اضیاف الاسلام لایاوون	مہمان تھے، انہیں اہل وعیال و مال و دولت کسی چیز

---

[1] والصفة كانت موضعا مظللا فی مسجد النبی صلی الله علیه وسلم كان لفقراء المهاجرین الذین لیس لهم منزل یسكنونها وقیل سموا باصحاب الصفة لانهم كانو یصفون علی باب المسجد لانهم غرباء (عمدة القاری باب نوم الرجال فی المسجد (ص۱۹۸ ج۴)

علی اهل ولامال ولاعلی احد سے کوئی مطلب نہیں تھا جب صدقہ کا مال آتا تھا ان اذا اتته صدقة بعث بها الیهم. کی ضرورت کے لئے ان کے پاس بھیج دیا جاتا تھا۔[1]

مدرسہ کیلئے چندہ یا کوئی چیز ھبہ کرکے پھر دوسرے مصرف کو بدلنا

کسی صاحب نے مدرسہ کو ایک چیز مثلاً جانور ھبہ کیا اس چیز کو ذمہ دار نے فروخت کردیا تو اس کی قیمت مدرسہ ہی کے مصرف میں صرف کی جائے گی، مدرسہ کو چھوڑ کر چندہ دینے والا یا ھبہ کرنے والا واھب خود اس چیز کا مصرف بدلنے کو کہے مثلاً اس کی قیمت مسجد میں صرف کرو، تو اس کو خود بھی یہ اختیار نہیں ہے، اور نہ ذمہ دار مدرسہ کو یہ حق ہے کہ وہ اس چیز کو کسی اور کار خیر میں صرف کرے، اولاً جس چیز کیلئے وہ چندہ یا ھبہ کیا گیا ہے اسی میں صرف کیا جائے گا۔[2]

مدرسہ کے مخلوط چندہ کو کیسے صرف کیا جائے

اولاً چندہ دہندگان کا منشا معلوم کرنا چاہئے کہ اس نے کس مد کی رقم دی ہے اگر للّٰہ رقوم دی ہے تو اس کو مدرسہ کے تمام مصالح میں خرچ کیا جاسکتا ہے،

ع[1] بخاری شریف کتاب الرقاق باب کیف کان عیش النبی ﷺ صـ۹۵۵ جـ۲)

ع[2] فاذا تم (ای الوقف) ولزم لایملک ولایعار ولایرهن (درمختار) قوله لایملک ای لایکون مملوکا لصاحبه (ولایملک) ای لایقبل التملیک لغیره بالبیع ونحوه لاستحالة تملیک الخارج عن ملکه (الفتاوی الشامی صـ۵۳۹ جـ۶) زکریا. (اتحدالواقف والجهة) من انه لیس له اعطاء الغلة لغیرمن عینه لخروج الوقف عن ملکه بالتسجیل فانه صریح فی عدم صحة الرجوع عن الشروط ...... وفی الاسعاف ولایجوز له ان یفعل الاماشرط وقت العقد (شامی صـ۶۸۴ جـ۶)

بشرطیکہ معطی نے مصرف چندہ کی تعیین نہ کی ہو، اور اگر چندہ دہندگان نے چندہ دیتے ہوئے مصرف کی بھی تعیین کردی تھی یا چندہ وصول کرنے والے نے مد کی تعیین کے ساتھ چندہ کیا تھا کہ اس کو ہم تعمیر میں لگائیں گے یا بچوں کے کھانے میں خرچ کیا جائے گا یا مدرسین کی تنخواہ وغیرہ میں، تو اب متعینہ مصرف کے علاوہ دوسری جگہ خرچ کرنا جائز نہیں ہوگا۔[1]

اور جن رقوم کا مصرف فقراء ومساکین وغیرہ ہیں جیسے زکوۃ، صدقات، چرم قربانی، کفارہ، وغیرہ جن کی تملیک واجب ہوتی ہے ان کو بغیر تملیک کے عام جگہوں میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے، مثلاً ان رقوم کو مدرسین کی تنخواہ میں یا مدرسہ کی تعمیر میں یا دیگر ان اخراجات میں صرف کرنا درست نہیں ہے جن میں براہ راست زکوۃ وغیرہ کی رقم نہیں لگتی ہے۔[2]

ایک مدرسہ کا چندہ دوسرے مدرسہ کو یا دوسرے مدرسہ کے طلباء کو دینا

جس مدرسہ کیلئے چندہ وصول کیا جائے اسی مدرسہ میں اس کو صرف کرنا ضروری ہے، جب تک وہ مدرسہ آباد ہے دوسرے مدرسہ میں خرچ کرنا شرعاً جائز نہیں ہے

ع[1] ومن اختلاف الجهة ما اذا كان الوقف منزلين احدهما للسكنى والاخر للاستغلال فلا يصرف احدهما للاخر وهى وقعة الفتوى (شامى كتاب الوقف صـ ۵۵۱ جـ۲) وهنا الوكيل انما يستفيد التصرف من المؤكل فقد أمره بالدفع الى فلان فلا يملك الدفع الى غيره (شامى صـ ۱۸۹ جـ۳ كتاب الزكاة)

ع[2] وقد منا ان الحيلة ان يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الاشياء وهل له ان يخالف امره؟ لم اره والظاهر نعم (شامى كتاب الزكوة باب المصرف صـ ۲۹۳ جـ۳) زكريا

اور نہ کسی مدرسہ کی رقم کو دوسرے مدرسہ کے طلباء کو دینا درست ہے اور نہ ان کے کھانے اور دیگر مصارف میں خرچ کرنا جائز ہوگا، البتہ وہ طالب علم سابقہ مدرسہ کو چھوڑ کر اس مدرسہ میں داخل ہوگیا ہو تو اب وہ اس مدرسہ کا طالب علم شمار ہوا، لہذا اس پر خرچ کرنا اب درست قرار پائیگا۔

مدرسہ کا متولی اور مہتمم چندہ دینے والے کی طرف سے وکیل ہے اور وکیل کو مؤکل کی تصریح کے خلاف کرنا درست نہیں ہے۔

اسی طرح کوئی شخص چندہ کر کے کوئی چیز لایا اور مہتمم یا ذمہ دار کے پاس جمع کیا تو وہ چندہ کا امین ہے جس مدرسہ کیلئے وصول کیا گیا ہے اسی میں خرچ کرنا امانت داری ہے دوسرے مدرسہ میں خرچ کرنا خیانت ہے[1]

ایک مدرسہ کی کتابیں بطور عاریت دوسرے مدرسہ کو دینا

کسی مدرسہ میں کتابوں کا ذخیرہ بہت ہی زیادہ ہے مدرسہ کی ضروریات پوری ہونے کے بعد بھی کتب دینیہ زائد رہ جاتی ہیں جن سے استفادہ نہیں کیا جاتا ہے یا اسی طرح کوئی مدرسہ ویران ہوگیا ہو، تعلیم و تعلم کا سلسلہ بند ہو چکا ہو یا ابتدائی درجہ کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں اوپر درجہ کی کتابیں یوں ہی پڑی ہیں ان کتابوں میں دیمک لگ جانے کا خطرہ ہے۔

ع[1] ولو اشترى بغلة الوقف ثوباً ودفعه الى المساكين يضمن مانقد من مال الوقف لوقوع الشراء له (الفتاوى الهنديه صـ۸ ۱ ۴جـ۲) واما اذا اختلف الواقف او اتحد الواقف واختلف الجهة بان بنى ملسة ومسجدا وعين لكل وقفا وفضل من غلة احدهما لايبدل شرط الواقف وقدعلم منه انه لايجوز لمتولى الشيخونية بالقاهرة صرف احد الوقفين للاخر (البحر الرائق كتاب الوقف صـ۲ ۲ ۳جـ۵) رشيديه)

تو واقف ومہتمم اور دیگر اصحاب رائے آپس میں باہمی مشورہ سے ان کتابوں کو دوسرے مدرسہ کی طرف منتقل کر سکتے ہیں، جہاں ان کتابوں سے بھرپور استفادہ کیا جائے اور دیمک وغیرہ لگنے سے حفاظت ہو سکے، واقف کا مقصد بھی فی الجملہ یہ ہی ہوتا ہے کہ میں جو کتابیں دے رہا ہوں اس سے استفادہ کیا جائے نہ کہ رکھ کر زینت بنائے۔

نیز ایسے مدرسہ کو اور ایسے شخص کو بطور عاریت دی جائے جس پر کلی اطمینان ہو کہ کتابیں واپس کر دے گا ورنہ دینا درست نہیں ہوگا۔[1]

ایک مدرسہ کی کتاب یا دیگر اشیاء کو دوسرے مدرسہ کو پورے طور سے دینا

کسی عالم یا کسی شخص کو واقف نے یا ذمہ داران مدرسہ نے مدرسہ کا ناظم یا مہتمم بنایا۔ یا خود مولانا صاحب نے ہی عام وخاص چندہ کر کے ایک مدرسہ قائم کیا اور اس کے بانی اور مہتمم قرار پاگئے اور بہت ساری چیزیں اور کتابیں انہوں نے خود خریدی یا پہلے سے مدرسہ کے پاس موجود تھیں جو مدرسہ کی ملکیت میں۔

---

[1] جاز للحاكم ان يصرف من فاضل الوقف الأخر عليه لانهما كشيء واحد (درمختار) وحكي انه وقع مثله في زمن سيدنا الامام الاجل في رباط في بعض الطرق خرب ولاينتفع المارة به وله اوقاف عامرة ويحصل فسئل هل يجوز نقلها الى رباط آخر ينتفع الناس به؟ قال نعم لان الواقف غرضه انتفاع المارة ويحصل ذلك بالثاني (شامي كتاب الوقف مطلب في نقل انقاض المسجد ص ٥٥٠ تا ٥٥١ ج ٦ دار الكتاب ديوبند)

وقف مصحفا على اهل مسجد للقراءة ان يحصون جاز وان وقف على المسجد جاز ويقرأ فيه ولايكون محصورا على هذاالمسجد وبه عرف حكم نقل كتاب الاوقاف من محالها للانتفاع بها والفقهاء بذلك مبتلون (درمختار على هامش شامي ص ٥٤٧ تا ٥٤٨ ج ٦ دار الكتاب۔

اب اگر کسی وجہ سے مہتمم وناظم مذکور کو ذمہ داران نے برطرف کردیا، یا وہ صاحب خود برطرف ہوگئے تو وہ مدرسہ سے کوئی سامان اپنے ذاتی سامان کے علاوہ منتقل نہیں کرسکتے ایک مدرسہ کی چیز کو یا کتابوں کو دوسرے مدرسہ کی طرف منتقل نہیں کیا جاسکتا، چاہے وہ دوسرا مدرسہ اس معزول مہتمم نے قائم کیا ہو، یا پہلے سے قائم ہو، نیز اس مدرسہ کے نام پر دوسرا مدرسہ قائم کرنا بھی درست نہیں ہے۔

ان کو اگر مدرسہ قائم کرنا بھی ہو تو دوسرا نام تجویز کرے، اور اس مدرسہ کی رسید پر چندہ بھی دوسرے مدرسہ کیلئے درست نہیں ہوگا دوسرے مدرسہ کیلئے الگ نام سے رسید چھپوائے ع۱

واقف کی شرط کے مطابق مدرسہ چلایا جائے

واقف نے اپنی زمین یا اپنا مکان مدرسہ کو اس شرط پر وقف کیا کہ اس میں علم دین کی تعلیم ہو، انگریزی وغیرہ دنیاوی تعلیم نہ دی جائے اہل سنت والجماعت اور مسلک دیوبندیت پر اس کا نظام تعلیم وتربیت ہو تو اسی کے مطابق چلایا جائے، اور ایسے لوگوں کو اور ایسی کمیٹی کو یہ وقف مدرسہ چلانے کیلئے سپرد کیا جائے جو واقف کی شرط کے لحاظ

ع۱ وما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص وشرط الواقف كنص الشارع فيجب اتباعه (شامي كتاب الوقف صـ ۴۳۵ جـ ۶) وهنا الوكيل انما يستفيد التصرف من المؤكل وقد امره بالدفع الى فلان فلا يملك الدفع الى غيره (شامي صـ ۱۸۹ جـ ۳) كتاب الزكوة مطلب في زكوة ثمن البيع) ويشترط ان يكون المؤكل ممن يملك التصرف بالنوع الذي وكله الآن الوكيل يستفيد ولاية التصرف من المؤكل ويقدر عليه من قبله (شرح المجلة لسليم رستم ماخوذ صـ ۷۷۴ جـ ۲ ماخوذ حاشيه فتاوى محموديه صـ ۲۷۵ جـ ۱۵)

سے پورے پورے اترتے ہوں اگر کسی جماعت نے کچھ دن تک چلایا پھر عاجز ہو گئے تو دوسری جماعت کے سپرد کرنا چاہئے اور بہتر یہ ہے کہ تمام لوگوں کے چندہ سے ادارہ کا خرچ چلایا جائے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں (تعاونوا علی البر والتقوی) کہ نیکی اور تقوی کے کام یعنی دینی کام پر لوگوں کی مدد کرو، (ان تنصروا الله ینصرکم ویثبت اقدامکم) اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری ضروریات میں مدد کرے گا اور تمہیں ایمان پر جمادے گا۔

لہذا مدرسہ کو بند نہ کیا جائے وقف کی شرط کے مطابق چلایا جائے تا کہ واقف کو ثواب ملتا رہے اور اگر چندہ سے چلانا ممکن نہ ہو تو مدرسہ کے بعض حصہ کو کرایہ پر لگا کر بعض حصہ میں اسی خرچ سے تعلیم وتعلم کا سلسلہ جاری رکھا جائے۔[۱]

چندہ کرکے مدرسہ کا مکان لیا تو اس میں مدرسہ ہی رہے گا البتہ اسکول کرایہ پر چل سکتا ہے

مدرسہ کی زمین اور اس کی تعمیر کی غرض سے لوگوں کو آگاہ کرتے ہوئے چندہ کیا گیا اور اس پر تعمیر بھی ہوگئی اور کچھ دنوں تک مدرسہ چلایا گیا بعد میں مدرسہ دوسری جگہ

---

[۱] ولا یولی الأمین قادر بنفسہ اوبنابہ لان الولایۃ مقیدۃ بشرط النظر ولیس من النظر تولیۃ الخائن لانہ باالمقصود وکذا تولیۃ العاجز لان المقصود یحصل بہ (شامی کتاب الوقف مطلب فی شروط المتولی صـ۵۷۸ جـ۲) وھذا کالخان الموقوف علی الفقراء اذا احتیج فیہ الی خادم یکسح الخان ویفتح الباب ویسدہ فیسلم المتولی بیتا من بیوتہ الی رجل بطریق الاجرۃ لہ لیقوم بذلک فھو جائز (الفتاوی الھندیہ کتاب الوقف الباب الخامس فی ولایۃ الوقف صـ۴۱۴ جـ۲)

منتقل ہوگیا اور یہ مکان پڑا رہ گیا تو اس میں دوسری چیز مثلاً اسکول وغیرہ نہیں چلانا چاہئے کیونکہ چندہ دہندگان کی منشا کے خلاف ہے۔

البتہ اگر مدرسہ کو فی الفور ضرورت نہیں ہے تو اس میں اسکول وغیرہ جو بھی چلانا ہو چلایا جاسکتا ہے مگر اس کا کرایہ مدرسہ کو دیا جائے[1]

مدرسہ میں کافروں اور ہندؤں کا چندہ

مدرسہ و مسجد مقدس جگہ ہے جہاں قرآن و حدیث کی تعلیم ہوتی ہے ایسی جگہوں میں اپنی پاکیزہ کمائی اور صاف ستھرا مال ہی لگانا چاہئے حرام اور شبہ حرام سے بالکلیہ اجتناب کرنا چاہئے اللہ پاک ہے اور پاک ہی مال کو پسند کرتا ہے یعنی اسی پر اجر مرتب کرتا ہے اگر کافروں کا مال حلال اور صحیح ہے سود وغیرہ کی آمیزش نہیں ہے تو اس کا چندہ لینا بھی جائز ہے، جیسا کہ فتاوی رشیدیہ میں مرقوم ہے[2]

لیکن اس دور میں کافروں کا مال پاک و حلال نہیں ہوتا ہے، نیز دیگر فتنوں کا اندیشہ رہتا ہے اسلئے ان کے چندہ سے اجتناب ہی بہتر ہے۔

مدرسہ کا غلہ اور روپے کو تبلیغ پر خرچ کرنا

مدرسہ میں نادار، غریب و یتیم اور مساکین طلبہ کیلئے امداد دی جاتی ہے اس کو صرف ان طلبہ ہی پر خرچ کیا جائے ان کے علاوہ زکوۃ و صدقات اور دیگر رقوم کو تبلیغی جماعت پر یا مہمانوں پر اور دیگر جگہوں پر خرچ کرنا درست نہیں ہے کیونکہ وہ زکوۃ وغیرہ کے مصارف میں سے نہیں ہیں۔ البتہ اگر چندہ دینے والے کو بتا دے کہ ان رقوم کو مدرسہ کے طلبہ کے علاوہ دعوت و تبلیغ پر بھی خرچ کیا جائے گا اور مہمانوں کو بھی کھلایا جائے گا

ع[1] مستفاد فتاوی رحیمیہ (ص ۵۵ ج ۹)

ع[2] فتاوی رشیدیہ ص ۵۳۸ ج ۱)

اور چندہ میں زکوۃ کے علاوہ امداد وللہ کی بھی رقم ہے تو پھر تبلیغی جماعتوں کو بھی کھلانا درست ہے۔[1]

بہتر یہ ہے کہ ان رقوم کی تملیک کر لی جائے پھر ان جگہوں پر صرف کیا جائے

مدرسہ کے چندہ میں سے سفراء کا زکوۃ کی رقم استعمال کرنا

بعض سفراء مالدار ہوتے ہیں وہ حالت سفر میں اپنے ذاتی پیسے ختم ہو جانے کی وجہ سے زکوۃ کی رقم کو بھی استعمال کرنا شروع کر دیتے ہیں یہ جائز نہیں ہے، ان کو اپنے گھروں سے منگوا لینا چاہئے یا امداد اور للہ کی جو رقم ملے اس میں سے خرچ کیا کریں زکوۃ کو مدرسہ تک صحیح طریقہ سے پہونچا دینا چاہئے۔[2]

مدرسین کیلئے مدرسہ میں مخصوص کھانا پکانا اور مخصوص رعایت کرنا

مدرسین اور حضرات علماء کا طلباء و دیگر ملازمین وغیرہ سے علیحدہ کھانا پکانا اور علیحدہ طور سے مخصوص کمرے اور چھٹیوں میں سے خاص رعایت وغیرہ جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن ہے چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ

ع[1] وان اختلف احدهما بان بنى رجلان مسجدين او رجل مسجدا ومدرسة ووقف عليهما اوقافا لايجوز له ذلک (درمختار) قوله لايجوز له ذلک) اى الصرف المذكور قال الخير الرملي اقول ومن اختلاف الجهة ما اذا كان الوقف منزلين احدهما للسكنى والاخر للاستغلال فلايصرف احدهما للاخر وهى واقعة الفتوىٰ (شامي كتاب الوقف مطلب في نقل انقاض المسجد ونحوه (ص ۵۵۱ ج ۲)

ع[2] مستفاد فتاوی رحیمیہ (ص ۱۸۲ ج ۷)

امرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ان ننزل الناس منازلهم (رواه) ۱؎

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم صادر فرمایا ہے کہ لوگوں کو ان کے مقام پر اتارو (یعنی مقام ورتبہ کے لحاظ سے ان کے ساتھ برتاؤ کرو)

اس حدیث کے پیش نظر تخصیص وتفہیم اور فرق مراتب کے بے شمار واقعات صحابہ کرام سے ظاہر ہوئے ہیں۔

چنانچہ ابوداؤد شریف میں حضرت میمون بن ابی شبیب نے حضرت عائشہؓ کا ایک واقعہ نقل فرمایا ہے کہ

ان ام المؤمنين عائشة رضي الله عنها مربها سائل فاعطته كسرة ومربها رجل عليه ثياب وهيأة فاقعدته فاكل فقيل لها في ذلك فقالت قال رسول الله صلى الله وعليه وسلم انزلوا الناس على منازلهم ۲؎

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک سائل آیا تو حضرت عائشہؓ نے انہیں روٹی کا ایک ٹکڑا ہاتھ میں تھمادیا (وہ سائل اسی سے خوش ہوکر چل دیا) اس کے بعد دوسرا سائل آیا جس کے کپڑے اور وضع قطع درست تھے (دسترخوان پر اسے بٹھا کر کھانا کھلایا، کسی نے (ان دونوں سائلوں کے درمیان) فرق کرنے کی وجہ پوچھی تو حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا کہ حضورؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ لوگوں کو ان کے مقام کے اعتبار سے اتارو، یعنی ان کے (رتبہ کے لحاظ سے ان کے ساتھ برتاؤ کرو)

علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ انزلوا الناس منازلھم کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کی قدر ومنزلت کے اعتبار سے ان کا احترام کیا جائے اور ان کے دین وعلم وشرافت کے لحاظ سے ان کے ساتھ برتاؤ کیا جائے،

ع۱ مقدمہ مسلم شریف ص۴ ج۱)

ع۲ ابو داؤد صـ ۷۱۳ جـ۲) کتاب الادب

لہذا خادم اور مخدوم کے مابین اسی طرح رئیس اور مرؤس کے درمیان برابری نہ کیا کرو، ورنہ اس کی وجہ سے آپس میں عداوت اور کینہ کپٹ پیدا ہو جائیگا۔

نیز حضورﷺ نے اس حدیث کے ذریعہ سے اپنی امت کو ایک ادب سکھایا ہے کہ علماء و اولیاء اللہ کی تعظیم اور ہر ذیشان لوگوں کا اکرام اور بڑوں کی بزرگی کے اعتراف وغیرہ کے اعتبار سے لوگوں کا حق ادا کیا کرو۔[۱]

اسی طرح انسانوں کے مابین بہت سارے مواقع میں شریعت اسلامیہ نے فرق مراتب کیا ہے (فضلنا بعضهم على بعض) صحابہ میں بھی شیخین (حضرت ابوبکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ عنہما) کو دیگر صحابہ پر فضیلت ہے، حضرت حمزہؓ کو بھی دیگر شہداء پر افضلیت حاصل ہے، اسی طرح نماز میں بھی بڑے آدمیوں کا صف اول میں کھڑا ہونا اور بچوں کا پیچھے ہونا کتب فقہ میں مذکور ہے۔ امام کے قریب اہل علم وعقل کا کھڑا ہونا حدیث سے ثابت ہے۔[۲]

ع۱ قال العلامة المناوی رحمه الله تعالیٰ انزلوا لناس منازلهم ای احفظوا حرمة كل احد على قدره وعاملوه بمايلائم حاله في دين وعلم وشرف فلاتسووا بين الخادم والمخدوم والرئيس والمرؤس فانه يورث عداوة وحقدافى النفوس ...... وقدالاسكرى هذاالحديث من الامثال والحكم وقال هذامما ادب به المصطفى ﷺ امته من ايفاء الناس حقوقهم من تعظيم العلماء والاولياء واكرام ذى الشيبة واجلال الكبير وماشبه (فيض القدير شرح الجامع الصغير صـ ۲۳۲۲ جـ۵ رقم الحديث ۲۷۳۵)

عـ۲ (لصف الحال) ظاهره يعم بيد ثم الصبيان ثم الخنائى ثم النساء (درمختار) قوله ظاهره يعم بيد)اشار به الى ان البلوغ مقدم على الحرية لقوله صلى الله عليه وسلم ليلينى منكم اولوالاحلام والنهى اى البالغون(شامى صـ۳۱۴ جـ۲. كتاب الصلوة باب الامامة.

اسی طرح فقیہ الامت حضرت مفتی اعظم صاحب نے فتاویٰ محمودیہ میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق نقل فرماتے ہیں کہ وہ دعوت میں عوام وخواص کا فرق کیا کرتے تھے۔ [۱]

اسی طرح حضرت مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ نشست اور دیگر چیزوں میں بھی کافی فرق ہوتا ہے۔ مثلاً مدرس کی تنخواہ زیادہ ہوتی ہے، طالب علم کا وظیفہ کم ہوتا ہے، مدرس بیش قیمت کپڑے پہنتا ہے اور طالب علم کم قیمت کا، مدرس کے بیٹھنے کی جگہ نمایاں ہوتی ہے، کبھی دری ہوتی ہے کبھی گدا اور کبھی تکیہ بھی اور طالب علم کے واسطے یہ چیزیں نہیں ہوتیں مدرس کا کمرہ مخصوص ہوتا ہے عامۃً وہ نمایاں رہتا ہے اور طلباء ایک کمرے میں کئی کئی رکھے جاتے ہیں۔

تو جب ان تمام چیزوں میں فرق ہے تو مخصوص کھانے اور مخصوص رعایت میں کوئی اشکال نہیں ہونا چاہئے۔

بعض حضرات مساوات کا نعرہ لگاتے ہوتے ہوئے ہر ایک کو ایک ہی صف میں شمار کرنا چاہتے ہیں، مدرسہ کے چاہے شیخ الحدیث ہوں یا بھنگی ایک ہی ڈنڈی سے سب کو تولنے لگتے ہیں، یہ غلط نظریات ہیں اس کی اصلاح ہونی چاہئے۔

مدرسہ کیلئے سرکار سے یا بینک سے قرض لینا

مدرسہ کی ضروریات کو عامۃ المسلمین کے چندہ سے پورا کیا جائے، مقامی چندہ سے کام نہ چلتا ہو تو بیرونی چندہ کیا جائے، اور اگر فی الفور سخت ضرورت پڑ جائے اور چندہ کی سہولت نہ ہو تو مسلمانوں سے بغیر سودی قرض لیا جائے سرکار اور بینک سود پر قرض دیتی ہے، جس کو لون کہتے ہیں اس کا لینا جائز نہیں۔ [۲]

---

[۱] مستفاد فتاوی محمودیہ ص۴۸۰ ج ۱۵۔

[۲] مستفاد فتاوی رحیمیہ ص۶۸ ج ۹۔

مساجد ومدارس کا بیمہ کرانا

کسی چیز کا بھی بیمہ کرانا قطعاً ناجائز ہے، چہ جائے کہ مسجد اور مدرسہ کا بیمہ کیا جائے کیونکہ بیمہ کمپنی بذات خود بیمہ کی ہوئی چیز کی حفاظت نہیں کرتی اسلئے اس معاملہ کو عقد اجارہ میں داخل کر کے اشتراک علی الاجیر کا حکم نہیں لگایا جا سکتا ہے، بیمہ کرانا سود اور قمار سے مرکب ہے جو ناجائز ہے۔

البتہ بعض مقامات اور بعض ممالک میں تشدد پسند لوگ رہتے ہیں جو لوگوں اور خاص کر مسلمانوں کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں جب بھی موقعہ ملتا ہے مسلمان کی جان ومال اور عبادت گاہوں، مساجد ومدارس کو نقصان پہونچاتے رہتے ہیں، اور جس جائداد کا بیمہ کیا ہوا ہوتا ہے اس کو نقصان نہیں پہنچاتے ہیں تو ایسی سنگین صورت حال میں پریشانی اور نقصان سے بچنے کیلئے عارضی طور پر کچھ وقت کیلئے جب تک خطرات کے خدشات ہوں جائداد کے ساتھ مساجد اور مدارس کا بھی بیمہ کرنا جائز ہوگا اور اس بیمہ کا عام لوگوں میں افشاء بھی کر دینا چاہئے تاکہ شر پسند لوگ نقصان پہنچانے سے باز رہیں کہ جب ان کو نقصان کی تلافی کمپنی کی طرف سے ہو ہی جاتی ہے تو نقصان پہنچانا بیکار ہوگا۔

مگر فقہاء کا قاعدہ ملحوظ رہنا چاہئے (الضرورات تبیح المحظورات) کہ ضرورت ناجائز اشیاء کو جائز قرار دیتی ہے، لہذا بغیر ضرورت شدیدہ کہ بیمہ نہ کرایا جائے، نیز دوسرا قاعدہ یہ بھی ہے۔ (الضرورات تتقدر بقدر الضرورۃ) کہ ضرورت بقدر ضرورت ہی جائز ہوگی، لہذا جو رقم بیمہ کے ضمن میں ادا کی گئی ہے کمپنی سے ملنے کی صورت میں اتنی ہی رقم لینا جائز ہوگا، مسجد ومدرسہ کیلئے زائد رقم جائز نہیں ہوگی، زائد رقم غرباء وفقراء کو تقسیم کر دیا جائے، اگر ضرورت سمجھے تو مدرسہ ومسجد کے بیت الخلاء وغیرہ میں استعمال کرنے کو مفتیان کرام نے جائز قرار دیا ہے (مگر بہتر یہی ہے کہ غرباء ہی کو دیا جائے مسجد ومدرسہ کے کسی چیز میں استعمال نہ کیا جائے) [1]

---

[1] مستفاد فتاوی رحیمیہ ص ۲۴۳ ج ۹)

مدرسہ کے مہتمم یا ذمہ دران کو بغیر تعیین مد کے رقم موصول ہوئی

کسی مدرسہ کے ذمہ دار کو اگر غیر متعینہ طور پر رقم موصول ہو جائے مثلاً کسی نے باہر ملک سے ڈرافٹ بھیجا ہے مگر یہ نہیں لکھا کہ اس رقم کو کس مد میں خرچ کیا جائے تو ذمہ دار مدرسہ کیلئے ضروری ہے کہ مد کی تعیین کی کوشش کرے، بھیجنے والے کے پاس خطوط اور فون کے ذریعہ معلوم کرے، اور اگر کسی طرح سے بھی معلوم نہ ہو سکے تو پھر دیکھا جائے کہ وہ پہلے کس مد میں بھیجا کرتا تھا، اسی میں خرچ کیا جائے اور اگر پہلی مرتبہ موصول ہوا ہے اور معلوم بھی نہیں ہے کہ کس مد میں بھیجا ہے اسی طرح مدرسہ کے اکاؤنٹ میں کسی اجنبی شخص نے بغیر اپنے نام کی تصریح کرکے ڈال دی ہے۔ اسی طرح مسجد کے اندر چندہ دیا گیا بغیر کچھ کہے ڈال کر چلے گئے تو ایسی رقم کے سلسلے میں غالب گمان زکوۃ کا کیا جائے اور طلباء سے تملیک کرا کے پھر صرف کیا جائے۔ احتیاط کا یہی تقاضہ ہے۔[1]

سرکاری زمین میں مدرسہ بنانا

مدرسہ ایسی جگہ بنانا چاہئے جو کسی مسلمان کی ملکیت میں ہو اور اس نے وہ جگہ برائے مدرسہ وقف کی ہو، یا برائے مدرسہ وہ جگہ خریدی گئی ہو، اگر ایسی جگہ میسر نہ ہو اور سرکاری زمین ہو تو اولاً وہ جگہ سرکار سے حاصل کرنے کی پوری پوری کوشش کی جائے اگر سرکار سے باقاعدہ اجازت نہ مل سکے تو اس تاویل سے کہ سرکاری جگہ میں عوام کو بھی فائدہ حاصل کرنے کا حق ہوتا ہے، اور مدرسہ سے عوام کو فائدہ ہوتا ہے اور سرکار ایسے کاموں میں جس میں عوام کا فائدہ ہو دینے سے بخل نہیں کرتی اکثر منظوری دیدی جاتی ہے، تو اس امید پر وہاں مدرسہ جاری کریں کہ سرکار اجازت دیدے گی یا قیمتاً مل جائے گی، بعدہٗ اگر سرکار اجازت دیدے یا قیمتاً مل گئی تو اس کے بعد وہ جگہ مدرسہ کیلئے وقف کر سکتے ہیں۔[2]

ع[1] مستفاد فتاوی رحیمیہ ص۱۲۸ ج۹۔

ع[2] ماخوذ فتاوی رحیمیہ ص۱۳۵/۱۳۶ ج۹۔

لاوارث زمین میں مدرسہ بنانا

ایسی زمین جو لاوارث ہو جو چاہتا ہے قبضہ کر کے اپنا گھر وغیرہ بنالیتا ہے تو ایسی زمین کو قبضہ کر کے سرکاری کاغذات درست کرلیا جائے اور پھر مسلمانوں کے باہمی مشورہ اور رضامندی سے اس جگہ پر مدرسہ بنالیا جائے تو درست ہے اور زمین کے قبضہ کرنے اور اس پر مدرسہ بنانے کے سلسلے میں ایسا کوئی طریقہ اختیار نہ کیا جائے جس سے فساد برپا ہو حسن تدبیر سے کام لیا جائے۔ [1]

وقف شدہ دینی مدرسہ میں عصری تعلیم کے داخل ہونے سے وقف کو بدلنا

کسی شخص نے اپنی جائداد زمین اور مکان ایسے مدرسہ کو وقف کیا جس میں ابتداءً دین کی بنیادی تعلیم کا نظام تھا بعد میں ترقی کر کے حدیث و تفسیر کے ساتھ انگریزی اور کچھ اسکولی نصاب کی کتابیں بھی شامل ہوگئیں اس پر واقف اپنے وقف کو واپس کرنا چاہے کہ میرا منشاء دینی ہے اسکولی نہیں تو اس کو اب یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ وقف کو واپس کرلے یا کسی دوسرے ادارہ کو وقف کرے، کیونکہ دینی نصاب کے ساتھ بقدر ضرورت منطق اور فلسفہ ادب و جغرافیہ پڑھانے سے مدرسہ کا حکم نہیں بدلتا اسی طرح اس زمانہ کے حالات کے اعتبار سے بقدر ضرورت انگلش کی تعلیم سے کوئی فرق نہیں پڑتا، البتہ اس بات کا پورا خیال رکھا جائے کہ اسکول کی تعلیم کا غلبہ نہ ہوسکے۔ [2]

ع[1] فاذا تم ولزم لایملک ولایملک ولایعار ولایرھن (درمختار) قولہ لایملک ای لایکون مملوکا لصاحبہ ولایملک ای لایقبل التملیک لغیرہ بالبیع ونحوہ لاستحالۃ تملیک الخارج عن ملکہ (شامی کتاب الوقف ص ۵۳۹ ج ۶) فتاوی محمودیہ ص ۲۹۴/۲۹۵ ج ۱۵)

ع[2] ولایجوز الرجوع عن الوقف اذاکان مسجلا (درمختار علی ھامش شامی ص ۲۸۳ ج ۶) اذاجعل ارضہ وقفا علی المسجد وسلم جاز ولایکون لہ ان یرجع (فتاوی قاضیخان علی ھامش الفتاوی العالمگیریہ ص ۲۹۱ ج ۲) باب الرجل یجعل دارہ مسجدا کتاب الوقف)

مدرسہ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا اور نام بدلنا

مدرسہ جب ایک جگہ اچھی طرح چل رہا ہو وہاں کے لوگ اس سے فائدہ بھی اٹھارہے ہوں اور تعاون بھی کررہے ہوں تو اس جگہ کو چھوڑ کر بلاوجہ دوسری جگہ دوسرے نام سے مدرسہ کو منتقل کرنا درست نہیں ہوگا۔ یہ غرض واقف کے بھی خلاف ہے اور شریعت کے مزاج کے بھی خلاف ہے، واقف نے جو زمین، مکان مدرسہ کیلئے جس جگہ اور جس شہر وقصبہ کے لئے وقف کیا ہو اس کی پوری رعایت کرنا ضروری ہے اس جائداد کو بیچ کر دوسری جگہ بلاوجہ منتقل کرنا ممنوع ہے۔

البتہ اگر پہلی جگہ سے لوگ دوسری جگہ منتقل ہو گئے یا مختلف گاؤں اور علاقہ میں منتشر ہو گئے اور وہ مدرسہ کی قدیم جگہ ویران ہو گئی تو ظاہر ہے کہ ایسی غیر مانوس اور ویران جگہ پر مدرسہ چلانا بلا فائدہ ہے اسلئے ایسی صورت حال میں جہاں مسلم کی کثیر آبادی ہے اور جہاں کے لوگ چاہتے ہیں وہاں منتقل کردیا جائے اس میں وقف کو ضائع کرنے سے حفاظت ہے اور اس کے فائدہ کو عام اور دوام بخشنا ہے جو شرعاً جائز ہے۔[1]

مدرسہ کی رقم دوسرے کو قرض دینا

مدرسہ کی رقم کا کوئی مالک نہیں ہے وہ اللہ کی ملک میں داخل ہو جاتا ہے اس رقم

ع[1] وما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص سواء كان نصه في الوقف نصا او ظاهرا شرط الواقف كنص الشارع فيجب اتباعه (شامي كتاب الوقف صـ ٤٣٥ جـ ٦) نقل عن شمس الائمة الحلواني انه يجوز للقاضي والمتولي ان يبيعه ويشترى مكانه آخر وان الم ينقطع ولكن يؤخذ بثمنه ماهو خير منه للمسجد لايباع وقدورى عن محمد اذاضعفت الارض الموقوفة عن الاستغلال والقيم يجد بثمنها اخرى هي اكثر ريعا كان له ان يبيعها ويشترى بثمنهاماهو اكثر ريعا (البحر الرائق صـ ٢٤٥ جـ ٥ كتاب الوقف)

کو قرض پر دینا جائز نہیں ہے، احسن الفتاویٰ میں ہے اگر مہتمم نے ایسی خیانت کی تو وہ فاسق واجب العزل ہوگا اور اس رقم کا ضامن ہوگا۔[1]

مدرسہ میں دی ہوئی رقم واپس لینا

مدرسہ میں کسی نے بطور چندہ اور اعانت کے کچھ رقم دی تو اب اس کا واپس لینا جائز نہیں ہے کیونکہ رقم مدرسہ میں داخل ہونے کے بعد معطی کی ملکیت سے خارج ہو جاتی ہے، اگر چہ مدرسہ کے متعلق معلوم ہو کہ اس کے ذمہ دار خائن ہیں دیانتداری کے ساتھ رقم خرچ نہیں کرتے تو بھی واپس نہیں لی جائے گی، البتہ منتظمین کی اصلاح کی جائے انہیں موقع دیا جائے کہ اپنی کارکردگی کی اصلاح کرلیں اگر اصلاح نہ کریں تو منتظمین کو معزول کر کے نظم کسی صالح عالم دین کے حوالہ کیا جائے۔[2]

مسجد کی بالائی منزل پر مدرسہ بنانا اور بچوں کی کلاس لگانا

جب شروع سے ہی بالائی حصہ کو مسجد کی نیت سے تعمیر کر دی گئی تو اس کا حکم بھی شرعی مسجد کا ہے اس کی بے احترامی اور شور غل کرنا اور دنیاوی باتیں کرنا سننا ناجائز ہے، مدرسہ بنانے کی شکل میں ظاہر ہے کہ اس احترام کا خیال نہ ہوگا بچے شور و غل کریں گے اور دنیاوی باتیں بھی ہوں گی یہ سب احترام مسجد کے خلاف ہے لہذا مسجد کے اوپر والے حصہ میں مستقلاً مدرسہ بنانا جائز نہیں ہے۔[3]

ع[1] احسن الفتاوی ص ۴۱۷ ج ۶)

ع[2] مستفاد احسن الفتاویٰ (ص ۴۱۶ / ۴۱۷ ج ۶)

ع[3] وکرہ تحریما (الوطئ فوقہ والبول والتغوط) لانہ مسجد الی عنان السماء وکذا الی تحت الثری (درمختار مع الشامی ص ۴۲۸ ج ۲ احکام المساجد)

البتہ مدرسہ میں جگہ نہ ہو اور بچوں کی تعلیم خراب ہو رہی ہو تو جب تک انتظام نہ ہو تب تک عارضی طور سے محدود اور مختصر وقت کیلئے بڑے بچوں کی درسگاہ لگائی جاسکتی ہے۔ جو پورے طور سے مسجد کا احترام ملحوظ رکھ سکے، چھوٹے بچوں کی کلاس ہرگز نہ لگائی جائے کیونکہ وہ مستی طوفان کریں گے اس کے ذمہ دار منتظمین ہوں گے حضور ﷺ نے مسجد میں بچوں کو لانے سے منع فرمایا ہے چنانچہ ابن ماجہ میں ایک حدیث ہے۔

جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانیکم ع[۱] اپنی مسجدوں کو بچوں اور پاگلوں سے بچاؤ

اسی وجہ سے علامہ ابن نجیم مصری تحریر فرماتے ہیں کہ اگر بچوں کے نجس ہونے کا اندیشہ اور غالب گمان ہو تو بچوں کا مسجد میں داخل کرنا حرام ہے اور اگر ناپاکی کا غالب گمان نہیں ہے تو بھی بچوں کا مسجد میں داخل کرنا مکروہ ہے۔[۲]

حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ مسئلہ بچوں کو قرآن شریف وغیرہ اجرت لے کر مسجد میں پڑھانا بالاتفاق ناجائز ہے۔ اور بلا اجرت محض ثواب کیلئے بعض فقہاء نے اجازت دی ہے (کذافی الاشباہ) لیکن بعض فقہاء اس کو بھی جائز نہیں سمجھتے کیونکہ بحکم حدیث مسجد میں بچوں کا داخل کرنا ہی ناجائز ہے۔[۳]

البتہ اگر شروع تعمیر سے ہی مسجد کے اوپر مدرسہ بنانے کا ارادہ کرلیا تو ضرورت شدیدہ کی صورت میں اوپر مدرسہ بنانے کی اجازت ہوگی ورنہ نہیں۔[۴]

ع[۱] ابن ماجه شريف صـ۵۵ باب مايكره في المساجد

ع[۲] منها حرمة ادخال الصبيان والمجانين حيث غلب تنجيسهم والافيكره (الاشباه والنظائر صـ۵۵۷)

ع[۳] حاشيه الاشباه عن القرتاشي اداب المساجد ماخوذ فتاوى رحيميه صـ۱۳۶ جـ۹)

ع[۴] احسن الفتاوىٰ صـ۴۴۳ جـ۶)

پرانی مسجد کو مکتب بنانا

مسجد پرانی ہوگئی اور دوسری نئی مسجد بن گئی تو پرانی مسجد کو مکتب وغیرہ بنانا درست نہیں ہوگا، احسن الفتاویٰ میں تحریر کیا گیا ہے کہ مسجد جب ایک بار بن گئی تو وہ ہمیشہ مسجد ہی رہے گی خواہ لوگ اس میں نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں۔ لہذا اس کو مکتب بنانا جائز نہیں ہے البتہ اس کی مسجدیت اور ادب واحترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس میں دین کی تعلیم دینا ان شرائط کے ساتھ جائز ہے۔

(۱) معلم اجرت لے کر نہ پڑھائے بقدر ضرورت وظیفہ لے سکتا ہے (۲) چھوٹے بے سمجھ بچوں کو مسجد میں نہ آنے دیا جائے (۳) مسجد کے احکام اور اداب واحترام کا پورا اہتمام رکھا جائے۔[1]

مسجد کی زمین پر مدرسہ تعمیر کر دیا تو وہ مسجد کی ہی ملک رہیگی

جب مسجد کی زمین کسی نے وقف کیا یا عام چندہ سے خرید کر مدرسہ کے نام کر دیا تو وہ مدرسہ کیلئے وقف ہو گیا تو اب اس پر مدرسہ بنانا ہوگا کسی بھی قسم کی تعمیر مسجد کے مفاد کے علاوہ جائز نہیں ہوگا۔

اور انجانے میں اس پر مدرسہ کی عمارت کر دی گئی ہے تو مسجد کے متولی اور دیگر ذمہ داران اتنی رقم ارباب مدرسہ کو ادا کر کے عمارت کو مسجد کی تحویل میں لے لیں، پھر اگر مدرسہ کے ذمہ داران اس عمارت میں مدرسہ چلانا چاہے تو مسجد کے ذمہ داران سے اجارہ کا معاملہ طے کر کے اس عمارت کو کرایہ پر لے لیں، اور ارباب مسجد کو کرایہ ادا کیا کریں، زمین اور عمارت مسجد ہی کی ملک ہوگی۔[2]

ع[1] قال فی التنویر ولو خرب ماحوله واستغنی عنه یبقی مسجدا (درمختار) ولا یجوز نقله ونقل ماله الی مسجد اخر سواء کانوا یصلون فیه اولا وهو الفتوی حاوی القدسی واکثر المشایخ علیه مجتبی وهو الاوجه فتح اه بحر (شامی صـ ۵۴۸ جـ ۶) (احسن الفتاوی صـ ۴۵۶ جـ ۶)

ع[2] مستفاد فتاوی رحیمیه صـ ۱۶۲ جـ ۹)

مدرسہ کی رقم سے تجارت کر کے نفع کو مدرسہ میں جمع کرنا

مدرسہ کے مہتمم یا دیگر ذمہ داران مدرسہ کے پاس جو رقم رہتی ہے وہ بطور امانت کے ہے ان کیلئے مدرسہ کی رقم میں اس طرح کا تصرف کرنا کہ جمع شدہ مال کو تجارت پر لگا دیا جائے اور اس سے جو نفع حاصل ہو مدرسہ میں جمع کیا جائے درست نہیں ہے اور مدرسہ کے مال میں کسی قسم کی تفریق درست نہیں ہے۔[1]

مہتمم یا ذمہ داران مدرسہ سے کسی نے تجارت کی تو اس میں سے جو نفع حاصل ہوا تو وہ تو مدرسہ کا ہوگا لیکن اگر نقصان ہو گیا تو نقصان کا بار اور اس کا ضمان تجارت کرنے والے پر ہوگا مدرسہ کو کسی طرح کے خسارہ کا ضامن نہیں قرار دیا جائے گا۔[2]

مدرسہ کی رقم دوسرے مدرسہ کو قرض دینا

کسی مدرسہ کے پاس مال کی فراہمی ہو اخراجات کے بعد بھی بچ جائے تو اس کو جمع کر کے رکھدیا جائے دوسرے مدرسہ میں تنگی ہے تو اس کی تنگی کو چندہ سے اور اصحاب

ع[1] اهل المسجد لو باعوا غلة المسجد او نقض المسجد بغير اذن القاضى الاصح انه لايجوز ...... وفي فتاوىٰ النسفيه سئل عن الاهل المحلة باعوا وقف المسجد لاجل عمارة المسجد قال لايجوز بامرا لقاضي وغيره (عالم گيرى صـ۴۶۳ / ۴۶۴ جـ ۲) ولايجوز للقيم شراء شيء من مال المسجد لنفسه ...... ولاالبيع له وان كان فيه منفعة ظاهرة للمسجد بحر الرائق صـ ۲۰۱ جـ۵)

ع[2] ومقتضى ماقاله ابو السعود انه يقبل قوله في حق براء ة نفسه لافي حق صاحب الوظيفة لانه امين فيما في يده فيلزم الضمان في الوقف لانه عامل له وفيه ضرر بالوقف(شامي كتاب الوقف مطلب اذاكان الناظر مفسدا لايقبل قوله صـ ۶۷۰ جـ۶)

خیر کے تعاون سے دور کیا جائے نہ یہ کہ ایک مدرسہ کی رقم دوسرے مدرسہ کو قرض دی جائے یہ شرعاً درست نہیں ہے کیونکہ مدرسہ کے مہتمم اور ذمہ داران کے پاس جو رقم جمع رہتی ہے وہ بطور امانت کے رہتی ہے اور امین کو امانت میں سے کسی کو قرض دینا جائز نہیں ہے۔ البتہ چندہ دینے والے کی طرف سے اس رقم کو قرض دینے کی اجازت ہو تو پھر کسی کو قرض جائز ہوگا۔[۱]

مدرسہ کا روپیہ اپنے کام میں بطور قرض خرچ کرنا

بسا اوقات جو شخص چندہ کرنے جاتا ہے وہ شخص یا خود مدرسہ کے مہتمم یا جس کے پاس مدرسہ کی رقم جمع رہتی ہے وہ لوگ مدرسہ کی رقوم کو اپنے مصرف میں خرچ کر لیتے ہیں اور پھر سہولت سے ادا کرتے رہتے ہیں تو واضح ہو جانا چاہئے کہ ایسا کرنا خیانت ہے جس کسی کے پاس بھی مدرسہ کی رقم ہوتی ہے وہ امین ہے اور امانت میں خیانت کرنا منافق کی علامت ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابوھریرہؓ سے ایک روایت منقول ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ

ع۲ واما حکمها فوجوب الحفظ علی المودع وصیرورة المال امانة فی یده ووجوب ادائه عندطلب مالکه والودیعة لاتودع ولاتعار ولاتواجر ولاترهن وان فعل شیئا منهما ضمن (الفتاوی الهندیه صـ۳۳۸جـ۴) کتاب الودیعة الباب الاول

ع۳ رجل مع مالا من الناس لینفقه فی بناء المسجد فانفق من تلک الدرهم فی حاجة نفسه ثم ردبدنها فی نفقة المسجد لایسعه ان یفعل ذلک فان فعل عرف صاحب ذلک ردالمال علیه اوساله تجدید الاذن فیه (التاتار خانیه صـ۸۷۹جـ۵)فصل ۲۴.

اٰیۃ المنافق ثلاث اذا حدث کذب واذا وعد اخلف واذا ائتمن خان	منافق کی تین علامتیں ہیں (۱) جب بات کرے تو جھوٹ بولے (۲) جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے (۳) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے ع۱

لہٰذا امانت کی رقم خاص کر مدرسہ کا چندہ والا مال زکوٰۃ وصدقات وغیرہ کی رقم ہوا کرتی ہے اسے بہت احتیاط سے رکھنے اور ادا کرنے کی ضرورت ہے مگر آج مدارس کے ذمہ دار بے دریغ جب چاہے جیسے چاہے خرچ کر دیتے ہیں مال مفت دل بے رحم کا پورا مصداق نظر آتے ہیں (الامان والحفیظ)

مدرسہ کی رقم سے طلبہ کو انعام دینا

مدرسہ کی رقم سے طلبہ کو سالانہ وششماہی امتحانات میں اعلیٰ نمبرات کی کامیابی پر اسی طرح تقریری وتحریری مقابلہ میں امتیازی نمبرات پر یا طلبہ کی محنت پر خوش ہو کر ذمہ داران مدرسہ مناسب سمجھے اور ان کی حوصلہ افزائی کرنے کی غرض سے انعام دینا چاہے تو دے سکتے ہیں جس طرح طلبہ کو وظیفہ دینا جائز ہے اسی طرح انعام بھی دینا درست ہے ع۲

بیکار پڑی ہوئی عیدگاہ کی جگہ میں مدرسہ بنانا اور دوسری جائداد سے استبدال

عیدگاہ کی جگہ تنگ ہونے کی وجہ سے یا وسط شہر میں آنے کی وجہ سے لوگوں نے شہر سے باہر نئی عیدگاہ بنالی اور پرانی عیدگاہ یوں ہی معطل پڑی ہے تو اب اس میں مدرسہ بنانا جائز ہے یا نہیں، اس سلسلے میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ عیدگاہ بحکم مسجد ہے یا نہیں، اگر بحکم مسجد ہے تب تو اس کا استبدال کسی صورت میں جائز نہیں ہے اور اگر بحکم مسجد نہیں ہے تو بصورت تعطل استبدال باذن قاضی جائز ہے۔

ع۱ بخاری شریف ص۱۰ کتاب الایمان باب علامۃ المنافق

ع۲ (مستفاد فتاوی رحیمیہ ص۵۰۹ ج۹)

علامہ شامی نے استبدال کی تین صورتیں نقل فرمائی ہیں (۱) واقف نے وقف کی ولایت وغیرہ کو اپنے لئے یا کسی اور کیلئے شرط لگائی ہو یا اپنے اور غیر دونوں کیلئے شرط کی ہو تو اس صورت میں بالاتفاق استبدال جائز نہیں ہے۔ (۲) واقف نے نہ اپنے لئے اور نہ کسی اور کیلئے شرط لگائی خواہ عدم شرط کا ذکر صراحۃ کیا یا خاموش رہا، لیکن وقف سے بالکلیہ انتفاع متنفع ہو گیا کہ اس سے کوئی چیز حاصل نہیں ہو رہی ہے تو اس صورت میں قاضی اگر مصلحت سمجھے تو اس کا استبدال کر سکتا ہے اور قاضی کی اجازت سے استبدال جائز ہوگا (۳) تیسری صورت یہ ہے کہ واقف نے نہ اپنے لئے اور نہ کسی اور کیلئے شرط لگائی ہے اور وقف معطل پڑا نہیں ہے بلکہ اس سے انتفاع ہو رہا ہے لیکن اس کا جو بدل ہوگا اس سے زیادہ نفع حاصل ہونے کا امکان ہے تو اس صورت میں استبدال جائز نہیں ہے۔

علامہ شامی کی مذکورہ تینوں شکلوں کو سمجھنے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جب عیدگاہ بحکم مسجد نہیں ہے اور معطل پڑا ہوا بھی ہے تو اس میں مدرسہ بنانے کی صورت یہ ہے کہ عیدگاہ کے مثل یا اس سے زیادہ قیمتی شہر سے باہر زمین خرید کر عیدگاہ کیلئے وقف کی جائے اور یہ استبدال باذن القاضی ہو قاضی کے مفقود ہونے کی صورت میں جماعت مسلمین کا فیصلہ نافذ ہوگا۔ اس کے بعد اس پرانی عیدگاہ میں مدرسہ قائم کرنا جائز ہوگا ورنہ نہیں ہے[1]

---

[1] قال ابن عابدين الشامي رحمه الله عليه اعلم ان الاستبدال على ثلثة وجوه الاول ان يشرطه الواقف لنفسه اولغيره اولنفسه وغيره فالاستبدال فيه جائز على الصحيح وقيل اتفاقا والثاني ان لايشرط سواء شرط عدمه اوسكت لكن صار بحيث لاينتفع به بالكلية بان لايحصل منه شيء اصلااولا يفي بمؤنته فهوايضا جائز على الاصح اذاكان باذن القاضي ورأيه المصلحة فيه والثالث ان يشرطه ايضا ولكن فيه نفع في الجملة وبدله خيرمنه ريعاً ونفعاً وهذالايجوز استبداله على الاصح (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ویران شدہ مسجد کی جگہ مدرسہ بنانا

مسجد کی عمارت منہدم ہو کر مسمار ہو گئی صرف زمین باقی ہو تو ایسی جگہ مدرسہ بنانا بھی صحیح نہیں ہے۔

حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ مسجد کی زمین پر عمارت رہے یا نہ رہے وہ جگہ تا قیامت مسجد کے حکم میں رہے گی چنانچہ درمختار کا حوالہ نقل فرماتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مسجد کے اردگرد کا ماحول ویران ہونے کی وجہ سے مسجد سے بے اعتنائی ہو گئی تو بھی مسجد باقی رہے گی تا قیامت اس جگہ کو مسجد ہی شمار کیا جائے گا، اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے اور اسی قول پر فتویٰ ہے۔[1]

لہٰذا اس کا ادب واحترام، تعظیم وتکریم، واجب ہے اور بے حرمتی حرام ہے اور جب تک مدرسہ کا انتظام نہ ہو جماعت خانہ چھوڑ کر کسی اور جگہ بچوں کو تعلیم دی جاسکتی ہے اگر مسجد تعمیر نہ کر سکتے ہوں تو کم از کم چہار دیواری بنا کر اس کا احاطہ کر لیا جائے تا کہ مسجد کی بے حرمتی نہ ہو ورنہ آس پاس کے تمام مسلمان گنہگار ہوں گے (اور اس کی بے حرمتی اور پیشاب، پاخانہ کرنے کی وجہ سے) کسی آفت میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے مسجد کی جگہ میں مدرسہ بنانے کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔[2]

(بقیہ گذشتہ) المختار کذا حررہ العلامۃ قنالی زادہ فی رسالۃ الموضوعۃ فی الاستبدال واطنب فیہا علیہ الاستدلال وھو ماخوذ من الفتح ایضاً کما سنذکرہ عندقول الشارح لایجوز استبدال العامر الا فی اربع ویأتی بقیۃ شروط الجواز الخ (شامی ص۳۸۳ تا ۳۸۴ ج۲)

[1] (ولوخرب ماحولہ واستغنی عنہ یبقی مسجدا عندالامام والثانی) ابدا الی قیام الساعۃ (وبہ یفتی) (درمختار مع الشامی احکام المساجد ص۵۴۸ ج۲)

[2] فتاوی رحیمیہ ص۹۹ ج۹)

مدرسہ کی زمین میں عام مسجد بنانا

جب چندہ وغیرہ کے ذریعہ سے مدرسہ کیلئے زمین خریدی گئی اور پھر مدرسہ کے لئے وقف کردی گئی یا کسی صاحب خیر نے ہی مدرسہ کو زمین وقف کردیا اور اس پر تعمیر ہو کر مدرسہ شروع بھی کردیا گیا تو اس کو توڑ کر مسجد بنانا یا اسی عمارت میں مدرسہ موقوف کر کے مسجد شروع کردینا جائز نہیں ہے، حتی کہ مدرسہ کی آمدنی مسجد میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے اور نہ اس میں مدرسہ کی زمین کو مسجد کیلئے خریدنا جائز ہے۔[1]

مدرسہ کی زمین میں مدرسہ کیلئے مسجد بنانا

مدرسہ کیلئے زمین وقف کی گئی ہے یا مدرسہ کے چندہ سے زمین خریدی ہے اور ایک حصہ میں مدرسہ کی تعمیر ہوئی ہے تو دوسرے حصہ میں مدرسہ کے منافع کیلئے یعنی طلبہ کیلئے مسجد بنانا درست ہے، جب کہ بالکل متصل کوئی مسجد نہ ہو یا مدرسہ کے گراؤنڈ سے باہر نماز پڑھنے کیلئے جانے میں مدرسہ کا نظام بگڑتا ہو یا زیادہ وقت صرف ہوتا ہو یا مدرسہ کی حفاظت نہیں ہو پاتی ہو وغیرہ وغیرہ، تو مدرسہ کی زمین میں مسجد بنانا

---

[1] فاذا تم (الوقف) ولزم لایملک ولایملک ولایعار ولایرھن (درمختار) وقوله لایملک) ای لایکون مملوکا لصاحبه(ولایملک) ای لایقبل التملیک لغیره بالبیع ونحوه لاستحالة تملیک الخارج من ملکه اه (شامی صـ ۵۳۹ جـ ۲ کتاب الوقف) اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف علیه بسبب خراب وقف احدهما جاز للحاکم ان یصرف من فاضل الوقف الآخر علیه وان اختلف احدهما بأن بنی رجلان مسجدین اورجل مسجدا ومدرسة وقف علیها اوقافا لایجوز ذلک (الدر المختار مع الشامی صـ ۵۵۱ جـ ۲)

ضروریات مدرسہ میں شامل ہونے کی وجہ سے جائز ہے اور مدرسہ کی مسجد بھی مسجد شرعی ہوگی اس میں عام لوگوں کو بھی نماز پڑھنے کی اجازت ملنی چاہئے اور چھٹیوں میں بھی نماز ہونی چاہئے ۔[1]

مدرسہ کی عمارت کے اوپر مسجد بنانے سے شرعی مسجد نہیں ہوگی

اگر محلہ کی مسجد قریب ہے لیکن طلبہ کے وہاں جانے سے طلبہ کا یا خود اس مدرسہ کا کسی طرح کا نقصان ہو رہا ہے اور مدرسہ کے پاس مستقل زمین نہیں ہے کہ اس میں مسجد بنا سکے یا مسجد مستقل بنانے سے قبل مصالح مدرسہ کی غرض سے دارالعلوم یا درسگاہ کی بلڈنگ کے اوپر والے منزلہ میں طلبہ کی نماز با جماعت کیلئے عبادت خانہ ہال بنایا اور اس کو مسجد کے نام سے مسموم کیا جانے لگا تو یہ ہال شرعی مسجد نہیں ہوگی کیونکہ اس کے تحتانی حصہ میں مدرسہ ہے اور شروع سے ایسی نیت بھی نہیں پائی گئی ہے لہذا اس میں جماعت کا ثواب ملے گا مگر مسجد کا ثواب نہیں ملے گا ۔[2]

ع[1] ویبدأ من غلتہ بعمارتہ ثم ماھو اقرب لعمارتہ کامام مسجد ومدرس مدرسۃ (درمختار)شرط الواقف اولا ثم ماقرب الی العمارۃ واعم للمصلحۃ کالامام للمسجدوالمدرس للمدرسۃ ...... ثم السراج والبساط وکذالک الی اخرالمصالح (شامی کتاب الوقف ص۵۵۹ تا ۵۶۰ ج۶)

ع[2] من جعل مسجدا تحتہ سرداب اوفوقہ بیت رجل بابہ الی الطریق وعزلہ اواتخذ وسط دارہ مسجدا واذن للناس بالدخول فلہ بیعہ ویورث عنہ لانہ لم یخلص للہ تعالیٰ لبقاء حق العبدمتعلقا بہ وحاصلہ ان شرط کونہ مسجدا ان یکون سفلہ وعلوہ مسجدا لینقطع حق العبد عنہ لقولہ تعالیٰ (وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ) (البحرالرائق کتاب الوقف ص۲۴۱ ج۵)

مدرسہ کے وقف کو بیچنے کے مسائل

فساد اور فتنہ کے ڈر سے مدرسہ کی زمین فروخت کرنا

کسی مدرسہ کو کسی صاحب خیر نے زمین وقف کی یا عام چندہ کی رقم سے مدرسہ کیلئے کوئی اراضی خریدی گئی مگر اہل مدرسہ اس پر قبضہ نہ کر سکے بیچ میں کوئی فتنہ باز شخص دخیل بن کر زمین پر قبضہ کرنے اور وہاں مدرسہ بنانے سے مانع رہا اگر زبردستی قبضہ کیا جائے تو خون خرابہ ہوگا فساد برپا ہوگا تو مجبوراً اس زمین کو فروخت کر کے اس کے مناسب زمین مدرسہ کیلئے خریدی جائے تو جائز ہے[1]

مدرسہ میں وقف شدہ قرآن کو فروخت کرنا

بعض لوگ اپنے میت کے ایصال ثواب کیلئے قرآن شریف، کتابیں وغیرہ وقف کرتے ہیں اور آہستہ آہستہ قرآن شریف اور کتابیں ضرورت سے زائد ہو جاتی ہیں تو بھی اس کو فروخت کرنا درست نہیں ہوگا کیونکہ وقف مکمل ہونے کے بعد اس کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے[2]

---

[1] سئل شیخ الاسلام عن اهل قریة رحلوا وتداعی مسجدها الی الخراب وبعض المتغلبة یستولون علی خشبة وینقلونه الی دورهم هل لواحد لاهل المحلة ان یبیع الخشب بامر القاضی ویمسک الثمن لیصرفه الی بعض المساجد او الی هذا المسجد قال نعم (الفتاوی الشامی ص ۵۵۰ ج ۶ کتاب الوقف) رجل وقف موضعا فی صحته واخرجه عن یده فاستولی علیه غاصب وحال بین الوقف وبینه قال الشیخ الامام ابوبکر محمد بن الفضل رحمة الله علیه یاخذ من الغاصب قیمتها ویشتری بها موضعا آخر فیقفه علی شرائط الاول (فتاوی قاضی خان علی هامش عالمگیری ص ۳۱۲ ج ۳)

[2] فاذا تم (ای الوقف) ولزم لایملک ولایملک ولایعار ولایرهن (درمختار وقول ولاعلیه) ای لایکون مملوکا لصاحبه ولایملک ای لایقبل التملیک لغیره بالبیع ونحوه لاستحالة تملیک الخارج عن ملکه (شامی ص ۵۳۹ ج ۲)

تعلیم کیلئے موقوفہ عمارت میں اساتذہ ومہتمم کا قیام اور کرایہ پر دینا

مدرسہ کیلئے عام چندہ کرکے اہل مدرسہ نے کوئی مکان خرید کر مدرسہ کیلئے وقف کیا یا کسی واقف نے عمارت کو اصل دینی تعلیم کیلئے وقف کیا ہے تو اس میں اصل تعلیم ہے تعلیم بند کرکے دوسرے کام میں لانا درست نہیں ہوگا، منشاً واقف کے خلاف اور خیانت ہے وقف میں واقف کے منشا کی پوری رعایت کرنی چاہئے۔[1]

البتہ تعلیم سے جگہ فارغ ہے تو فارغ جگہ میں رہائش بھی اختیار کی جاسکتی ہے، مہتمم اور مدرسین کیلئے مستقل مکانات نہیں ہیں تو ان کا اس وقف شدہ مکانوں میں رہائش کرکے اور اپنے بچوں کو رکھ کر یکسوئی کے ساتھ دینی تعلیم وتعلم میں مشغول رہنا منشا وقف کے خلاف نہیں ہے دینی تعلیم کے ساتھ ضرورۃً رہائش کیلئے ارباب حل وعقد کے مشورہ سے مکانوں کو استعمال کرنا جائز ہے۔[2]

ع[1] صرحوا بأن مراعاۃ غرض الواقفین واجبۃ (شامی کتاب الوقف صـ ۶۶۵ جـ ۲) ماخالف شرط الواقف فهو مخالف للنص و شرط الواقف کنص الشارع فیجب اتباعه (شامی کتاب الوقف مطلب ماخالف شرط الواقف صـ ۴۳۵ جـ ۲)

ع[2] للحاکم الدین ان یصرف من فاضل وقف المصالح والعمارة الی الامام والمؤذن باستصواب اهل الصلاح من اهل المحلة ان کان الوقف متحدا لان غرضه احیاء وقفه و ذلک یحصل بما قلنا (فتاوی شامی کتاب الوقف مطلب فی نقل انقاض المسجد صـ ۵۵۱ جـ ۲) ویبدأ من غلته بعمارته ثم ماهو اقرب لعمارته کامام مسجد ومدرس مدرسه یعطون بقدر کفایتهم (درمختار) ای من غلته عمارته شرط الواقف اولا ثم ماهو اقرب الی العمارة واعم للمصلحة کالامام للمسجد والمدرس للمدرسة یصرف الیهم الی قدر کفایتهم (شامی صـ ۵۵۹ تا ۵۶۰ جـ ۲)

اسی طرح مدرسہ کے مکانوں کے مختلف حصے ہیں اکثر حصہ تعلیم میں مشغول ہے اور کوئی حصہ بیکار خالی پڑا ہے جو کرایہ پر دیا جاسکتا ہے تاکہ مکان کی صفائی کے ساتھ مدرسہ کو مالی فائدہ حاصل ہو تو جائز ہے۔[1]

مدرسہ کا مکان کرایہ دار خالی نہ کرے تو قانونی کارروائی کی جائے

واقف نے ہی وقف کرنے سے قبل مکان کو کرایہ پر دیا تھا یا بعد میں مدرسہ کے ذمہ دار نے کرایہ پر دیا مگر بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ مکانات کرایہ پر لے لیتے ہیں اور برسہا برس رہتے رہتے قابض ہو جاتے ہیں اولاً تو کرایہ بھی ادا نہیں کرتے اگر کرتے بھی ہیں تو معمولی کرایہ دیتے ہیں جس سے مدرسہ مسجد کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا، ایسا شخص شریعت کی نگاہ میں مجرم اور گنہگار ہے اور اس کا قبضہ گویا غاصبانہ ہے، ایسے شخص کے قبضہ سے مکان کو کسی طرح خالی کرالیا جائے اگر سہولت اور سمجھانے سے نہیں چھوڑتا ہے تو قانونی کارروائی کی جائے۔[2]

ع[1] قال الفقيه ابو جعفر رحمة الله عليه اذالم يذكر الواقف فی صک الوقف اجارة الوقف فرأى القيم ان يؤاجرها ويدفعها مزارعة فما كان ادر على الوقف وانفع للفقراء فعل (فتاوی قاضی خان علی هامش الهنديه ص۳۳۲ ج۲)

ع[2] الواقف اذا اجر الوقف اجارة طويلة ان كان يخالف على رقبتها التلف بسبب هذه الاجارة فللحاكم ان يبطلها وكذالک ان آجرها من رجل يخالف على رقبتها من المستاجر فينبغی للحاكم ان يبطل الاجارة (التاتار خانيه كتاب الوقف الفصل السابع فی تصرف القيم فی الاقاف ص۷۵۲ ج۵)

ایام تعطیل کی تنخواہ کا حکم

مدرسین مدرسہ کا معاملہ مدرسہ کے ساتھ عقد اجارہ ہے اور مدرسین اجیر خاص ہیں جن کا عقد اجارہ عمل کے بجائے وقت پر ہے جس کی مدت مدارس دینیہ کے عرف میں ایک سال ہے، لہذا تعطیل کا زمانہ ملازمت کا زمانہ ہے اس میں عقد اجارہ باقی ہے وہ عقد قطع نہیں ہوا ہے اسلئے پورے سال کی تنخواہ مع تعطیل کے مستحق ہوں گے۔

اور رمضان کی قید لگا دینا کہ اس کی تنخواہ جب ملے گی جب کہ وہ ابتدائی شوال میں حاضر ہو جائیں یا رمضان کی تنخواہ نہ دینے کی شرط شروع میں لگا دینا یہ اجارہ فاسد ہے کیونکہ یہ مقتضائے عقد کے خلاف ہے یا جب مدرسہ علیحدہ کرے تو تنخواہ ملے گی اگر خود سے برطرف ہوئے تو نہیں ملے گی یہ بھی مقتضاء عقد کے خلاف ہونے کی وجہ سے فاسد ہے ان تمام صورتوں میں مدرسین اجر مثل کا مستحق ہوگا اجر مسمی کا مستحق نہیں ہوگا۔ا

بینک کے ملازم کو پیشگی تنخواہ دینے کی ایک خاص صورت

بینک اپنے ملازمین کو چھبیس ماہ کی تنخواہ کے برابر پیشگی رقم مکان کی تعمیر کیلئے دیتا ہے اس پر تین فیصد روپے وصول کئے جاتے ہیں اور ایک اگریمنٹ بھی ہوتا ہے جس کی رو سے زمین اور اس پر تعمیر شدہ مکان بینک کے پاس رہن کر دیا جاتا ہے، سود اور ادائیگی وغیرہ کی شرائط پر دستخط کر دئے جاتے ہیں۔

تو اس مسئلہ کی شرعی اعتبار سے تین صورتیں ہیں اور ہر ایک کا حکم علیحدہ ہے (۱) اول صورت یہ ہیکہ زیادۃ فی الرھون صحیح ہے یا نہیں تو اس سلسلے میں علامہ حصکفی صاحب فتاویٰ شامی فرماتے ہیں کہ زیادۃ فی الرھون صحیح ہے (۲) دین رہن کو قسط وار وصول کرنا صحیح ہے یا نہیں تو تنویر اور اس کی شرح در مختار اور فتاویٰ شامی میں ہے کہ دین رہن کو قسط

ع۱ مستفاد احسن الفتاوی ص ۲۶۸ ج ۷ فتاوی مظاهر العلوم ص ۱۷۰ ج ۱)

وار وصول کرنا جائز ہے (۳) تیسری صورت یہ ہے کہ تین روپے فیصد بنام سود۔
وصول کئے جاتے ہیں وہ شرعاً سود ہے یا نہیں تو احسن الفتاویٰ میں ہے کہ تین
روپے فیصد تنخواہ سے کاٹے جاتے ہیں وہ شرعاً سود نہیں ہے بلکہ تنخواہ تین فیصد کم کردی
گئی ہے کسی چیز کا نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی ہے[1]

مدرسہ کے ملازم کو ملازمت کے علاوہ دوسرا کام کرنا

اگر نوکری کے اوقات معین ہیں کہ اتنے گھنٹے سے اتنے گھنٹے تک پڑھانا ہے یا
دیگر کام کرنا ہے باقی اوقات مدرس کے اپنے ہیں تو خارجی اوقات میں ملازم و مدرس کو
اپنا کام یا کسی اور جگہ پڑھانا جائز ہے بشرطیکہ مدرسہ کے کام میں وہ خارجی کام مخل نہ
بنے، اور اگر نوکری کے اوقات متعین نہیں ہیں تو بلا ذمہ داران کی اجازت کے اپنا یا
دوسرے کا کام کرنا جائز نہیں ہے[2]

چند سالوں کی اتفاقیہ چھٹی وغیرہ کو جمع کرکے ایک مرتبہ اجرت لینا

مدارس میں ملازم کو اتفاقی رخصت کا جو حق ہوتا ہے اگر کوئی ملازم کئی سالوں
تک رخصت نہ لے تو اس کا حق آئندہ کیلئے باقی نہیں رہتا ہے سال گزرنے سے حق ختم
ہو جاتا ہے لہٰذا چند سالوں کے بعد گذشتہ سالوں کی رخصت لینے کا حق نہیں ہے جب
ہر سال ہر مہینہ کی تنخواہ وصول کر چکا تو دوبارہ مطالبہ کرنے کا حق کیسے ہوگا۔

ع[1] والزيادة في الرهن تصح (شامي صـ۳۷۲جـ۵) قال في التنوير وشرحه ولايكلف من قضى بعض دينه وابرأبعضه تسليم بعض رهنه حتى يقبض القبضة من الدين (فتاوى شامي صـ۳۴۵جـ۵) ماخوذ مستفاد احسن الفتاویٰ صـ۳۰۳جـ۷)

ع[2] امداد الفتاوى صـ۳۵۶جـ۳)

اگر مدرسہ کی مقررہ چھٹیوں سے زائد چھٹیاں کیں تو ان زائد ایام کی تنخواہ لینا جائز نہیں ہے۔[1]

بیماری کے دنوں کی تنخواہ کا حکم

بعض مدارس کے ضابطے ہوتے ہیں کہ اتنے دن رخصت علالت وا تنے دن رخصت اتفاقیہ وغیرہ اب مدرس علالت کی رخصت کے مطابق غیر حاضر رہے تو اس کی تنخواہ ملے گی اور زائد کی تنخواہ نہیں ملے گی، اور بعض مدرسہ میں مطلقاً بیماریوں کے دنوں کی رخصت منظور کی جاتی ہے تو عقد اجارہ کے وقت جس طرح معاملہ طے ہو اسی طرح رخصت کی تنخواہ لینا جائز، ورنہ ناجائز ہوگا۔

اور اگر بوقت عقد کوئی صراحت نہیں کی گئی تو مدارس کے عرف پر عمل ہوگا اور مدارس میں رخصت علالت ملتی ہے اسلئے علالت کے دنوں کی تنخواہ لینا درست ہوگا۔[2]

کوئی مدرس یا امام اپنا نائب مقرر کر کے چلا گیا تو تنخواہ کون لے گا

مدرس یا امام کسی جگہ مستقل ملازم ہے کسی کام کی وجہ سے اپنے وطن یا کہیں اور جانے لگا تو عارضی طور سے اپنا نائب بنا کر چلا گیا تو اتنے دنوں کی اجرت کا مستحق کون ہوگا تو حضرت مولانا مفتی رشید صاحب احسن الفتاوی میں تحریر فرماتے ہیں کہ امامت اور تدریس میں نائب بنانا درست ہے مگر اجرت کا مستحق امام اور اصل مدرس ہوگا البتہ اصل نے نائب کیلئے کوئی اجرت مقرر کی ہو تو وہ اس کا مستحق ہوگا اور اگر اجرت مقرر نہیں کی تو وہ اجر مثل کا مستحق ہوگا۔[3]

ع[1] احسن الفتاوی ص ۲۸۳ ج ۷)

ع[2] احسن الفتاوی ص ۲۸۴ ج ۷)

ع[3] احسن الفتاوی ص ۲۸۵ ج ۷)

نااہلیت کی وجہ سے معزول ہونے والا بقیہ ایام کی تنخواہ کا مستحق نہیں

کسی مدرسہ کے دستور میں لکھا ہو کہ عام حالات میں معزول کئے جانے والے مدرس کو ایک ماہ پہلے اطلاع دیدی جائیگی مگر کسی مدرس کی نااہلیت کی وجہ سے مدرسہ نے معزول کرنے کی اطلاع پیشتر نہیں دی رجب کے اخیر میں اسے مدرسہ سے علیحدہ کردیا گیا تو حقیقت میں وہ ماہ شعبان کی تنخواہ کا مستحق نہیں ہوگا۔[1]

سرکاری مدرسہ میں ملازمت کرنا جائز ہے

سرکاری مدارس میں حفظ قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ، عقائد، وغیرہ کی صحیح تعلیم ہوتی ہے بقدر ضرورت ہندی انگیریزی، جغرافیہ وغیرہ کی بھی تعلیم ہوتی ہے تو فتاویٰ مظاہر العلوم میں تحریر ہے کہ نوکری جائز ہے اس کی تنخواہ حرام نہیں ہے اور نہ تعلق موالات میں داخل ہے کہ اس کی وجہ سے اس کو حرام کہا جائے۔[2]

فساد یا کسی اور وجہ سے مدرسہ بند رہا یا کسی خاص مدرس کو گھر بھیجا اس کی تنخواہ

ہندو مسلم فساد ہو گیا جس کی وجہ سے مدرسہ بند رہا یا کوئی مدرس گھر گیا ہوا تھا کہ اسی دوران فساد ہو گیا، یا مدرسہ میں طلبہ کے درمیان فساد ہو گیا یا کسی وجہ سے کچھ دنوں کیلئے مدرسہ بند کرنا پڑا اسی طرح سخت ٹھنڈک کا قہر شروع ہو گیا جس کی وجہ سے سرکاری طور سے تمام ادارے کو بند کرنے کا عام اعلان ہو گیا

الغرض ہنگامی طور سے مدرسہ کو بند کردیا گیا تو ان ایام کی تنخواہ کا مستحق مدرس ہوگا کیونکہ انہوں نے اس دوران کوئی دوسرا کام نہیں کیا ہے اور مدرسہ کا اجارہ سال بھر

ع[1] مستفاد احسن الفتاوی ص ۲۸۵ ج ۷)

ع[2] فتاوی مظاہر العلوم ص ۱۷۴ ج ۱)

کیلئے ہوتا ہے اسلئے اتنے دنوں کی غیر حاضری کی تنخواہ مدرسین کو دی جائے گی مدرسین کو لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔[۱]

البتہ اگر مدرس نے استعفی دیدیا ہوتا، یا اس کو اہل مدرسہ نے الگ کردیا ہو یعنی اس کی ملازمت ختم کردی جاتی اور تقرر جدید کر کے بلایا جاتا تو اس مدت کی تنخواہ لینا اور دینا درست نہیں ہوگا۔

طلبہ کے نہ ہونے سے کسی مدرس کو علیحدہ نہیں کیا جاسکتا

کسی مدرسہ کے مہتمم نے کسی مدرس کی تقرری کی مدرس میں کسی طرح کی کوئی کمی اور خامی نہیں مگر بیچ میں مہتمم مدرسہ نے کہا کہ مدرسہ میں بچے کم ہیں یا آپ کے درجہ میں کم طلبہ ہیں اور اتنے کم طلبہ کی وجہ سے مستقل مدرس رکھنے کی ضرورت نہیں ہے اسلئے مدرسہ آپ کو معزول کرتا ہے، تو حضرت مفتی رشید احمد صاحب احسن الفتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں کہ طلبہ کم ہونے کا عذر قابل قبول نہیں، اگر مہتمم صاحب نے

ع۱ منها البطالة في المدارس كايام الاعياد ويوم عاشوراء وشهر رمضان لم يسقط من المعلوم شيء (الاشباه والنظائر الفن الاول في القوائد القاعدة السادسة ص ۳۰۰ ج ۱) وهل يأخذ ايام البطالة كعيدو رمضان لم اره وينبغي الحاقه ببطالة القاضي والاصح انه يأخذ (درمختار) ان كان الواقف قدر المدرس لكل يوم مبلغاً فلم يدرس لايحل له ان يأخذ بخلاف ما اذا لم يقدر لكل يوم مبلغا فانه يحل له الاخذ وان لم يدرس فيهما للعرف (شامي كتاب الوقف مطب في استحقاق المدرس ص ۵۶۷ تا ۵۶۸ ج ۶) الاجير الخاص مستحق الاجرة اذا كان في مدة الاجارة حاضر للعمل لكن ليس له ان يمتنع عن العمل واذا امتنع لاستحق الاجر (شرح المجلة رقم اعادة ص ۲۵۴ ج کتاب الاجارہ)

بلاضرورت مدرس رکھا ہے تو وہ پورے سال کی تنخواہ اپنے پاس سے دیدیں کیونکہ عقد تدریس سالانہ ہے۔[1]

کمیشن پر چندہ کرنا عقد باطل اور حرام ہے

بعض مدارس والے کمیشن پر چندہ کرواتے ہیں اور علماء وسفراء بھی کمیشن پر اس طرح چندہ کرتے ہیں کہ نصفہ نصفی یا ثلث وربع سفیر کو اور باقی مدرسہ کو تو یہ طریقہ غلط اور شرعاً ممنوع ہے حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ احسن الفتاوی میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ معاملہ دو وجہ سے ناجائز ہے۔

(۱) اجرت من العمل ہے جو ناجائز ہے اس کی تصحیح یوں کی جاسکتی ہے کہ اجرت من العمل کا ذکر بطور شرط نہ ہو بلکہ صرف تعین وتحدید کیلئے ہو، یہ مفسد نہیں ہے یعنی اگر قفیز طحان میں یہ شرط نہ ہو کہ اسی طحین میں سے دیا جائے گا تو جائز ہے۔

(۲) دوسری وجہ ناجائز ہونے کی یہ ہے کہ اجیر اس عمل پر بنفسہ قادر نہیں قادر بقدرۃ الغیر ہے اس کا عمل چندہ دینے والوں کے عمل پر موقوف ہے اور قادر بقدرۃ الغیر بحکم عاجز ہوتا ہے جب کہ صحت اجارہ کیلئے قدرت بنفسہ شرط ہے چنانچہ قفیز طحان کے فساد کی علت بھی یہی ہے مستاجر اجرت دینے پر عامل کی قدرت کی وجہ سے قادر ہے بنفسہ قادر نہیں ہے۔

حسب تصریح فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ بوقت عقد اجیر کا قادر علی العمل ہونا اور تاجر کا قادر علی تسلیم الاجرت ہونا صحت عقد کیلئے شرط ہے۔

معاملہ مذکورہ میں قفیز طحان سے بھی زیادہ فساد ہے اس لئے کہ قفیز طحان میں اجرت جو حق اجیر ہے وہ اسی اجیر ہی کے عمل پر موقوف ہے اور وہ بذریعہ وصول اجرت پر قادر ہے مگر مسئلہ زیر بحث میں اجیر کو عمل پر کسی قسم کی بھی قدرت حاصل نہیں ہے غیر کا محتاج ہے۔[2]

ع[1] احسن الفتاوی صہ ۲۹۴ جـ ۷)

ع[2] احسن الفتاوی کتاب الاجار صہ ۲۷۶ جـ ۷)

سفراء مدارس کا خرچہ کہاں سے دیا جائے

مدارس کے سفراء کا حال عاملین صدقات جیسا نہیں ہے:۱ اموال ظاہرہ کی زکوۃ بیت المال کے عاملین کو دینا لازم ہوتا تھا عاملین اس کے وصول کرنے کے ذمہ دار ہوتے تھے۔ ارباب اموال اگر ان کو زکوۃ نہ دیں تو مجرم اور سخت سزا کے مستحق ہوتے تھے عاملین کو زکوۃ دینے سے زکوۃ ادا ہو جاتی تھی۔

سفراء کی حیثیت عاملین جیسی نہیں ہے وہ محض وکیل اور امین ہیں فقراء ومساکین اور نادار طلبہ کے، ان کو مستحقین تک من وعن پہونچا دیا جائے۔ لہذا سفراء کا خرچ یعنی کھانا پینا اور کرایہ وغیرہ ضروریات زکوۃ وصدقات واجبہ اور چرم قربانی، وصدقہ الفطر وغیرہ سے نہ دیا جائے، بلکہ حضرات سفراء اپنا خرچ خود لے کر سفر کریں اور بعد میں مدرسہ سے لیں یا مدرسہ ہی خرچ دے کر بھیجے اگر اس کی گنجائش نہیں تو عطایا اور للہ وامداد کی رقم سے خرچ کریں۔۱

نکاح کے موقع پر مدرسہ کیلئے چندہ کرنا

بعض علاقہ میں یہ رسم ہے کہ نکاح کے موقع پر نکاح کرنے اور کرانے والے پر

ع۱ (هی ای الزکوة) تملیک المال من فقیر مسلم غیر هاشمی ولامولاه بشرط قطع المنفعة عن المملک کل وجه لله تعالیٰ (بحرالرائق صـ ۳۵۲ جـ ۲) عن ابی هریرة رضی الله عنه قال لماتوفی النبی صلی الله علیه وسلم استخلف ابوبکر رضی الله عنه بعده وکفر من کفرمن العرب فقال ابوبکر والله لاقاتلن من فرق بین الصلوة والزکوة فان الزکوة حق المال والله لومنعونی عناقا کانوا یؤدونها الی رسول الله صلی الله علیه وسلم لأقاتلنهم علی منعها الحدیث (مشکوة المصابیح کتاب الزکوة صـ ۱۵۷ جـ ۱)

زبردستی دعوئی کر کے مسجد اور مدرسہ کیلئے چندہ لیتے ہیں نہ دیں تو اس کا بائکاٹ کیا جاتا ہے، یا زبردستی نہیں کرتے مگر رسم ہی اس طرح بن گئی ہے کہ لوگوں کو دینا پڑتا ہے تو یہ شرعاً ناجائز ہے بخوشی دیدیں تو لے لیا جائے اور رسم کی وجہ سے بھی دیں تو بھی لینا درست نہیں ہے اس کا اندازہ جب لگے گا جب کہ عام دنوں میں چندہ دینے اور نہ دینے سے کسی طرح کی کوئی ناراضگی نہ ہوتی ہو اسی طرح نکاح کے موقع پر نہ دینے سے کوئی اور عمل ظاہر نہ ہوتا ہو۔[1]

خیراتی مدرسہ میں صاحب نصاب کے بچوں کی تعلیم

جو مدرسہ زکوۃ، چرم قربانی، فطرہ، امداد اور لوگوں کے عام چندہ سے چلتا ہے، تو ایسے مدرسہ میں صاحب نصاب مالدار کے بچے تعلیم تو حاصل کر سکتے ہیں مگر ان بچوں کو مدرسہ سے امداد کھانا، کپڑا، کتابیں، وغیرہ لینا درست نہیں ہے ان کو ماہانہ فیس ادا کرنا چاہئے، اور اگر مالدار لوگ غافل ہوں اپنے بچوں کو دینی تعلیم نہ دینا چاہتے ہوں یا اللہ کے راستہ میں خرچ نہ کرنا چاہتا ہو تو بچوں کو غریب سمجھ کر ان کو تعلیم دینے کی کوشش کی جائے اور مدارس سے امداد لی جائے تو جائز ہوگا۔[2]

ع[1] قال الله تعالیٰ (ولا تأکلوا اموالکم بینکم بالباطل) سورۃ البقرۃ عن ابی حرہ الرقاشی عن عمہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ الا لا تظلموا الا لا یحل مال امری مسلم الا بطیب نفسہ منہ (سنن الکبریٰ للبیہقی کتاب الغصب صـ ۱۵۴۵ جـ ۶ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ع[2] الزکوۃ ھی تملیک المال من فقیر مسلم غیر ھاشمی ولا مولاہ بشرط قطع المنفعۃ عن مملک کل وجہ للہ تعالیٰ (بحر الرائق صـ ۳۵۲ جـ ۲. کتاب الزکوۃ) ماخوذ و مستفاد فتاوی رمحمودیہ صـ ۱۰۶ جـ ۱۵)

مستحق طلبہ کی امید پر چندہ لینا

بعض علاقے میں انتہائی غربت اور دین سے دوری اور جہالت عام ہے وہاں پر مدرسہ قائم کر کے اس امید پر چندہ لینا کہ آئندہ بچوں کو رکھیں گے یا رقم جمع ہونے پر آئندہ بچوں کا اضافہ کریں گے تو اس امید پر چندہ لینا درست ہے دھوکا دہی نہیں ہے، مگر اس بات کا خیال رہے کہ جس مد کیلئے رقم وصول کی جائے اسی میں خرچ کی جائے [۱]

مدرسہ کے نام پر جعلی چندہ کر کے اپنے مصرف میں خرچ کرنا

بعض مولوی مدرسہ کیلئے جھوپڑے وغیرہ کھڑے کر کے بہت لمبا چوڑا آئینہ جامعہ تیار کرتے ہیں سیکڑوں کی تعداد میں کھانے والے یتیم وغریب اور مساکین طلبہ کی فہرست بناتے ہیں درجنوں مدرسین وملازمین کا جعلی تعارف نامہ چھپواتے ہیں اور لمبا چوڑا گوشوارہ بنا کر لوگوں کو دھوکا دے کر جعل سازی سے زکوٰۃ، صدقات، اور چرم قربانی وغیرہ کی رقوم کو وصول کر کے اپنے مکان، دکان اور ذاتی ضروریات میں بے دریغ خرچ کرتے ہیں کبھی کبھار مدرسہ میں بھی خرچ کردیتے ہیں تو ایسا شخص دھوکے باز ہے لوگوں کی زکوٰۃ کو خراب کر کے خود اپنی آخرت خراب کرتے ہیں ان کو توبہ کرنی چاہئے اور جن جن لوگوں کی رقم وصول کی ہے ان کو واپس کرنا چاہئے یا خود جس مدرسہ کیلئے چندہ وصول کیا ہے اس میں لگانا چاہئے [۲]

ع[۱] مستفاد فتاوی محمودیہ جدید ص۵۷۴ ج۱۵)

ع[۲] عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اٰیة المنافق ثلث اذا حدث کذب واذا وعد اخلف واذا اؤتمن خان (صحیح مسلم ص۵۶ ج۱) ویلزم ردالمغصوب عینا وتسلیمة ای صاحبه فی مکان الغصب ان کان موجودا (شرح المجله لسلیم رستم باز رقم اعادة ص۸۹ کتاب الغصب ص۴۸۸ مکتبه حنفیه کوئٹه)

باب فضل بناء المسجد

(۱) عن عثمانؓ قال قال رسول الله ﷺ من بنى لله مسجدا بنى الله له بيتا في الجنة (متفق عليه) (مشكوٰة شريف)

حضرت عثمانؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو اللہ کیلئے مسجد تعمیر کریں تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بناتے ہیں۔

(۲) عن عمر قال قال رسول الله ﷺ من بنى مسجدا يذاكر فيه اسم الله بنى الله له بيتا في الجنة (كنز العمال)

حضرت عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا جو آدمی مسجد بنائے جس میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہو تو اللہ اس کے لئے جنت میں گھر بناتے ہیں۔

(۳) عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ من بنى لله مسجدا لايريد به رياءا ولاسمعة بنى الله له بيتا في الجنة. (كنز العمال)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو اللہ کیلئے مسجد کو بنائے جس کے ذریعہ نہ تو شہرت چاہتا ہے اور نہ ناموری تو اللہ اس کے لئے جنت میں محل بناتے ہیں۔

(۴) عن ابی هريرةؓ قال قال رسول الله ﷺ من بنى لله مسجدا يعبد الله فيه من مال حلال بنى الله له بيتا في الجنة من در وياقوت. (كنز العمال)

حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو اللہ تعالیٰ کے لئے حلال مال سے مسجد بنائے جس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کیجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے جنت میں موتی اور یاقوت کا محل بناتے ہیں۔

(۵) عن عثمان بن عفانؓ یقول عند الناس منہ حین بنی مسجد الرسول اللہ ﷺ انکم قد اکثرتم وانی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول من بنی مسجدا قال بکیر حسبت انہ قال یبتغی بہ وجہ اللہ بنی اللہ لہ مثلہ فی الجنۃ (رواہ البخاری صـ ۶۴)

حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے اللہ کی خوشنودی کے واسطے مسجد بنائی تو اللہ تعالیٰ اس کے مثل جنت میں اس کیلئے گھر بنائیں گے۔

باب الکسب وطلب الحلال

(۶) عن المقداد بن معدیکرب قال قال رسول اللہ ﷺ ما اکل احد طعاما قط خیرا من ان یاکل من عمل یدیہ (رواہ البخاری) (مشکوۃ شریف صـ ۲۴۱)

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ آدمی اپنے ہاتھ سے کمایا ہوا کھائے، وہ سب سے بہتر ہے۔

(۷) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ یاتی علی الناس زمان لایبالی المرء ما اخذ منہ أمن الحلال ام من الحرام (رواہ البخاری) (مشکوۃ شریف صـ ۲۴۱)

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا لوگو! ایسا زمانہ آنے والا ہے جس میں آدمی پرواہ نہیں کرے گا کہ اس نے حلال مال میں سے لیا ہے یا حرام میں سے۔

(۸) عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لایدخل الجنۃ لحم نبت من السحت وکل لحم نبت من السحت کانت النار اولی بہ (رواہ احمد والدارمی والبیھقی فی شعب الایمان) (مشکوۃ شریف صـ ۲۴۲)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں وہ گوشت داخل نہیں ہوسکتا جو حرام کمائی سے بڑھا ہو، اور جو بھی گوشت حرام کمائی سے بڑھتا ہے اس کے لئے بہتر جہنم ہی ہے۔

(۹) عن رافع بن خدیج قال قیل لرسول الله ﷺ ای الکسب اطیب قال عمل الرجل بیده وکل بیع مبرور (رواہ احمد)

اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا گیا کون سی کمائی سب سے بہتر ہے، جواب دیا کہ آدمی کا اپنے ہاتھ سے کام کیا ہوا اور ہر امانت داری والی بیع۔

(۱۰) عن ابی بکرؓ قال قال رسول الله ﷺ لایدخل الجنة جسد غذی بالحرام (رواہ البیهقی فی شعب الایمان) (مشکوۃ شریف صـ۲۴۳)

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ ایسا جسم جنت میں داخل نہیں ہوگا جسے حرام کی غذا دی گئی ہو۔

باب فضل الهبة و کراهية رده

(۱۱) عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ یا نساء المسلمات لاتحقرن جارة لجارتها ولو بفرسن شاه۔ (رواہ البخاری صـ۳۴۹)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کوئی پڑوسی اپنے پڑوسی کے ہدیہ کو حقیر نہ سمجھے چاہے بکری کے کھر ہی کیوں نہ ہو۔

(۱۲) عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال لودعیت الی ذراع اوکراع لاجبت ولواهدی الی ذراع اوکراع لقبلت (رواہ البخاری صـ۳۴۹)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک دست ایک پائے کیلئے مجھے دعوت دی جائیں تو یہ قبول کروں گا اور جاؤنگا اگر مجھے ہدیہ دی جائیں تو بھی قبول کروں گا۔

(۱۳) عن عائشةؓ انها قالت لعروة یاابن اختی ان کنا لننظر الی الهلال ثم الهلال ثلثة اهلة فی شهرین وما اوقدت فی ابیات

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے حضرت عائشہؓ نے عروہ سے فرمایا اے میرے بھانجے: ہم ایک چاند سے دوسرے چاند پھر تیسرے چاند تک دو مہینہ انتظار کرتی اور

رسول الله نار فقلت یا خالة ماکان یعیشکم قالت الاسود ان التمر والماء الا انه قد کان لرسول الله ﷺ جیران من الانصار کانت لهم منائح وکانوا یمنحون رسول الله من البانهم فیسقیناه .	رسول خدا کے گھروں میں آگ نہیں جلائی جاتی (کھانا نہیں پکایا جاتا) عروہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا "اے خالہ" آپ کو کیا چیز زندہ رکھتی تھی فرمایا، دو سیاہ چیزیں، کھجور، اور پانی، مگر یہ کہ کچھ انصار رسول اللہؐ کے پڑوسی تھے جن کے پاس دودھ والی بکریاں تھیں وہ رسول اللہ کو ھدیہ کے طور پر دودھ پیش کردیتے تو ہم اسکو پی لیتے۔
(بخاری ص ۳۴۹ ج۱)	
(۱۴) عن ابی هریرة قال کان رسول الله ﷺ اذا أتی بطعام سأل عنه أهدیة ام صدقة فان قیل صدقة قال لاصحابه کلوا ولم یاکل وان قیل هدیة ضرب بیده فاکل معهم.	حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جب کوئی کھانا پیش کیا جاتا تو آپؐ پوچھتے تھے کہ ھدیہ ہے یا صدقہ، اگر کہا جاتا کہ صدقہ ہے تو آپ اپنے اصحاب سے فرماتے کہ تم لوگ کھالو اور خود نہ کھاتے اور کہا جاتا کہ ہدیہ ہے تو آپ اپنے صحابہ کے ساتھ کھانے لگتے۔
(رواہ البخاری ص ۳۵۰ ج۱)	
(۱۵) عن ابن عباس قال قال النبی ﷺ العائد فی هبة کالکلب یقئ ثم یعود فی قیئه	حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ھبہ کرکے رجوع کرنے والا کتے کی طرح ہے کہ کتا قئی کرتا ہے پھر اس سے رجوع کرتا ہے۔
(بخاری شریف جلد ۱ . باب هبة الموجل لامرأته ولمرأ (لزوجها)	

(۱۶) عن عدی بن حاتمؓ ان رسول اللہ ﷺ قال اتقوا النار ولو بشق تمرۃ (متفق علیہ) (اخرجہ صحیح البخاری کتاب الادب باب طیب الکلام وصح مسلم کتاب الزکوۃ)

حضرت عدی بن حاتمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم لوگ آگ سے بچو، اگر چہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو۔

(۱۷) عن عبدالعزیز کانت الھدیۃ فی زمن رسول اللہ ﷺ ھدیۃ والیوم رشوۃ.

(رواہ البخاری ص۳۵۳)

حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے زمانے میں ہدیہ لینے دینے کو ہدیہ سمجھا جاتا تھا لیکن آج کے زمانہ میں رشوت بنادیا گیا ہے۔

(۱۸)عن اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنھما قالت قال لی رسول اللہ ﷺ لاتوکی فیوکی علیک وفی روایۃ انفقہ او انفعہ او انفحہ ولاتحصی فیحصی اللہ علیک ولاتوعی فاوعی اللہ علیہ(متفق علیہ) (اخرجہ صحیح البخاری کتاب الزکاۃ باب التحریض علی الصدقۃ .

(صحیح مسلم کتاب الزکوۃ)

حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ نے ارشادفرمایا مال کوروک کرنہ رکھوکہ اللہ بھی تم سے روک لیگا،ایک اورروایت میں ہے کہ خرچ کرویا عطیہ دو، یامال کوپھینکواور مال کو گن گن کرذخیرہ بنا کرنہ رکھواللہ بھی تم سے مال کو دور کردے گا اور نہ مال کومحفوظ کرو ورنہ اللہ بھی تم سے مال کومحفوظ کریگا۔

(۱۹) عن ابی سعید الخدریؓ قال بینما نحن فی سفر مع النبی ﷺ اذجاء رجل علی راحلہ لہ فجعل یحرف بقوۃ یمینا وشمالا فقال رسول اللہ من کان معہ فضل ظہر فیعدبہ علی من لاظہر لہ ومن کان لہ فضل من زاد فیعدبہ علی من لازاد لہ وذکر من اصناف المال ماذکر حتی رأینا انہ لاحق لاحد منا فی فضل (مسلم شریف)(اخرجہ صحیح بخاری کتاب القطہ باب استحباب الموسات بفضول المال وھکذا فی ابی داؤد)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک سفر میں ہم نبی کریم ﷺ کیساتھ تھے، کہ ایک آدمی اپنی سواری پر آیا اور دائیں بائیں اپنی نظر کو گھمانے لگا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کے پاس زائد ہو، تو اس کو چاہئے کہ وہ اس کو دیدے جس کے پاس سواری نہ ہو اور جس کے پاس زائد توشہ ہو تو وہ اس کو دیدے جس کے پاس توشہ نہ ہو، اسی طرح آپؐ نے مختلف مالوں کا ذکر کیا یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ ہم میں سے کسی شخص کا ضرورت سے زائد مال پر کوئی حق نہیں۔

(۲۰) عن انسؓ قال ان النبی ﷺ کان لایرد الطیب

(بخاری شریف ص ۳۵۱)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ خوشبو کو واپس نہیں فرماتے تھے۔

باب فضل الصدقة

(۲۱) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ مانقصت صدقۃ من مال ومازاد اللہ عبدا بعفو الاعزا وماتواضع احد للہ الارفعہ اللہ (رواہ مسلم)

(مشکوۃ شریف ص ۱۶۷)

حضور اقدس کا ارشاد ہے کہ صدقہ مال کو کم نہیں کرتا اور عفو (درگزر) سے اللہ تعالیٰ بندے کی عزت میں اضافہ ہی فرماتے ہیں اور جو شخص اللہ تبارک وتعالیٰ کے خاطر تواضع کرتا ہے تو اللہ اس کو رفعت وسربلندی بخشتے ہیں۔

(۲۲) عن علیؓ قال قال رسول الله ﷺ بادروا بالصدقة فان البلاء لایتخطاها (راوه رزین)
(مشکوۃ شریف ص ۱۶۷)

حضور ﷺ نے فرمایا صدقہ دینے میں جلدی کرو اسلئے کہ مصیبت صدقہ سے تجاوز نہیں کرتی۔

(۲۳) عن انس رضی الله تعالیٰ قال قال رسول الله ﷺ ان الصدقة لتطفیٔ غضب الرب وتدفع میتة السوء (رواہ الترمذی)
(مشکوۃ شریف ص ۱۶۸)

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ صدقہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے غضب کو ٹھنڈا کردیتا ہے اور اور سوء خاتمہ سے بندے کو محفوظ کردیتا ہے (یعنی موت کے وقت بری حالت کو دور کردیتا ہے)

(۲۴) عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله ﷺ لقد رأیت رجلا یتقلب فی الجنة فی شجرة قطعها من ظهر الطریق کانت تؤذی الناس (رواہ مسلم)
(مشکوۃ شریف ص ۱۶۸)

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے ایک شخص کو جنت میں دیکھا کہ درخت پر ادھر ادھر ٹہل رہا ہے جس کو اس نے راستے پر سے کاٹا تھا جو لوگوں کیلئے تکلیف دہ تھا۔

(۲۵) عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ اذامات الانسان انقطع عنه عمله الامن ثلثة صدقة جاریة أوعلم ینتفع به أوولد صالح یدعوله (رواہ مسلم)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس سے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں سوائے تین چیزوں کے، صدقہ جاریہ اور وہ علم جس سے فائدہ حاصل کیا جا سکے، اور ایسا نیک لڑکا جو اس کیلئے دعائے خیر کرے۔

(۲۶) عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله ﷺ کل معروف صدقة (متفق علیه) ولکن اخرجه البخاری من حدیث جابر واخرجه مسلم من حذیفه)

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ ہر بھلائی صدقہ ہے۔

(۲۷) عن ابی امامة صد بن عجلانی رضی الله عنه قال قال رسول اللهﷺ یا ابن آدم انک ان تبذل الفضل خیرلک وأن تمسکه شرلک ولاتلام علی الکفاف وابدابمن تعول والید العلیا خیر من ید السفلی (رواہ مسلم)
(مشکوة شریف صـ۱۶۳)

آپﷺ نے فرمایا کہ اے ابن آدم! اگر تو ضرورت سے زائد مال خرچ کرے تو تیرے لئے برا ہوگا اور تجھے بقدر ضرورت روکنے پر ملامت نہیں اور مال خرچ کرنے کی ابتداء اپنے اہل وعیال سے کر اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔

(۲۸) عن مرشد بن عبدالله قال حدثنی بعض اصحاب رسول اللهﷺ انه سمع رسول اللهﷺ ان ظل المؤمنین یوم القیمة صدقته (رواہ احمد)
(مشکوة شریف صـ ۱۷۰)

آپﷺ نے فرمایا آدمی کا صدقہ قیامت کے دن اس کے لئے سایہ بن جائیگا۔

(۲۹) عن ابی امامة قال قال ابوذر یانبی الله أرئیت الصدقة ماذا هی؟ قال اضعاف مضاعفة وعند الله المزید (راوہ احمد)
(مشکوة شریف صـ ۱۷۰)

رسول اللہﷺ سے حضرت ابوذرؓ نے پوچھا کہ صدقہ کیا چیز ہے تو فرمایا دوگنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس مزید ہے

(۳۰) عن ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول اللهﷺ من وسع علی عیاله فی النفقة یوم عاشوراء وسع الله علیه سائر سنته (مشکوة المصابیح باب فضل الصدقة الفصل الثالث)
(مشکوة شریف صـ ۱۷۰)

حضورﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنے عیال پر عاشوراء کے دن نفقہ میں وسعت کرے تو خداتعالیٰ پورے سال اسکے اوپر وسعت کریں گے۔

باب الانفاق فی سبیل اللہ

(۳۱) عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله ﷺ مامن یوم یصبح العباد فیه الاملکان ینزلان فیقول أحدهما اللهم اعط منفقا خلفا ویقول الاخر اللهم اعط ممسکا تلفا (متفق علیه)
(مشکوۃ شریف ص۱۶۴)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر روز جب بندے صبح کرتے ہیں اس میں دو فرشتے اترتے ہیں اس میں سے ایک فرشتہ دعا کرتا ہے اے اللہ خرچ کرنے والے کو نعم البدل عطا فرما اور مال کے روکنے والے کو نقصان سے دوچار فرما۔

(۳۲) عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ قال الله تعالیٰ انفق یابن آدم أُنفق علیک (متفق علیه)
(مشکوۃ شریف ص۱۶۴)

حضور ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے ابن آدم خرچ کر میں تجھ پر خرچ کروں گا۔

(۳۳) عن اسماءؓ قالت قال رسول الله ﷺ انفقی ولاتحصی فیحصی الله علیک ولاتوعی فیوعی الله علیک ارضخی مااستطعت. (متفق علیه)
(مشکوۃ شریف ص۱۶۴)

حضور ﷺ نے حضرت اسماء سے فرمایا خرچ کیا کر اور روک کر مت رکھ، پس اللہ تبارک وتعالیٰ تجھ پر روک لگا دیوے اور اس کو بچا بچا کر مت رکھو کہ اللہ تعالیٰ تجھ پر روک لگا دیوے اور دیوے اللہ کی راہ میں جو دے سکے۔

(۳۴) عن ابی سعید رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله ﷺ خصلتان لاتجتمعان فی مؤمن البخل وسوء الخلق
(رواه الترمذی) (مشکوۃ شریف ص۱۶۵)

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا دو خصلتیں کبھی مؤمن بندے میں جمع نہیں ہو سکتی بخل اور بد خلقی۔

(۳۵) عن ابی بکر رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ لایدخل الجنة خب ولا بخیل ولا منان (رواہ الترمذی) (مشکوۃ شریف صـ ۱۶۵)

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جنت میں کبھی بھی مکار، بخیل اور احسان جتلانے والا داخل نہیں ہوگا۔

(۳۶) عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله ﷺ لو کان لی مثل احد ذهبا لسرنی ان لا یمر علی ثلث لیال وعندی منه شیء الاشیء ارصده لدین (رواہ البخاری)

(مشکوۃ شریف صـ ۱۶۳)

حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہوتا تو مجھے خوشی نہ ہوتی کہ میں اپنے پاس تین دن تک رکھوں مگر اتنی چیز جس سے اپنا قرض ادا کرسکوں۔

(۳۷) عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله ﷺ مثل البخیل والمتصدق کمثل رجلین علیهما جنتان من حدید قداضطرت ایدیهما الی ثدیهما وتراقیهما فجعل المتصدق کلماتصدق بصدقة ان بسطت عنه وجعل البخیل کلما هم بصدقة قلصت واخذت کل حلقه بمکانها. (متفق علیه)

(مشکوۃ شریف صـ ۱۶۴)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بخیل اور سخی کی مثال ان دو شخص کی سی ہے کہ ان دونوں پر لوہے کے دو ذرع ہوں اس پر وہ ذرع تنگ ہوجاتا ہے یہاں تک کہ سینہ کو بھی جکڑ لیتا ہے، جب وہ صدقہ کرتا ہے تو اس کے اوپر سے وہ ذرع ہر جگہ سے کھلتے چلے جاتے ہیں

(۳۸) عن جابرؓ قال قال رسول الله ﷺ اتقوا الظلم فان الظلم ظلمات یوم القیمۃ واتقوا الشح فان الشح اھلک من کان قبلکم حملھم علی ان اسفکوا دمائھم واستحلوا محارمھم (رواہ مسلم) (مشکوۃ شریف صـ۱۶۴)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ظلم سے بچو اسلئے کہ ظلم قیامت کے دن اندھیرا بن کر آئے گا اور بخل سے بچو اسلئے کہ بخل نے تمہارے پہلے والے لوگوں کو ہلاکت میں ڈال دیا ہے اور ان کو سفاکی پر ابھارا ہے۔

(۳۹) عن حارثہ بن وھب قال قال رسول اللہ ﷺ تصدقوا فانہ یاتی علیکم زمان یمشی الرجل بصدقتہ فلایجد من یقبلھا یقول الرجل لو جئت بھا بالامس لقبلتھا فاما الیوم فلاحاجۃ لی بھا (متفق علیہ) (مشکوۃ شریف صـ۱۶۴)

حضور ﷺ نے فرمایا صدقہ کیا کرو (اللہ کے راہ میں خرچ کرو) اسلئے کہ ایسا زمانہ آنے والا ہے جس میں آدمی صدقہ لے کر فقیر کے پاس جائے گا تو وہ کہے گا کہ اگر پہلے آتے تو میں لے لیتا، آج مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔

(۴۰) عن حارثۃ بن النعمان رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ مناولۃ المسکین تقی میتۃ السوءِ (الجامع الصغیر جـ۲ صـ۶۵۸)

حضرت حارثہ بن نعمانؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسکین کو اپنے ہاتھ سے دینا بری موت سے بچاتا ہے۔

مراجع وماٰخذ

نام کتاب	نام مصنف
قرآن مجید	
احادیث	
الصحیح البخاری	حضرت امام ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری
الصحیح المسلم	حضرت امام ابوالحسن مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری
جامع ترمذی	حضرت امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی
سنن ابوداؤد	حضرت امام ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی
سنن نسائی	حضرت امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی
سنن ابن ماجہ	حضرت ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ القزوینی
مشکوۃ المصابیح	حضرت امام محی السنۃ محمد بن مسعود البغوی
مصنف ابن شیبہ	حافظ ابی بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ
کنز العمال	حضرت امام عباداللہ علی بن حسام الدین المتقی برھان پوری
تفاسیر	
تفسیر قرطبی	حضرت امام محمد بن احمد القرطبی
تفسیر کشاف	امام زار اللہ زمخشری
تفسیر مظہری	امام قاضی ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی
جامع الکلام	امام محمد بن احمد القرطبی
معارف القرآن	حضرت مولانا شفیع صاحب دیوبندی

نام کتاب	نام مصنف
شروح حدیث	
عمدۃ القاری	حضرت علامہ بدر الدین عینی الحنفی
فیض القدیر شرح جامع الصغیر	حضرت العلام محمد شمس الدین
حجۃ اللہ البالغہ	حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
شرح المجلی	سلیم رستم
معارف الحدیث	حضرت مولانا منظور صاحب نعمانیؒ
بذل المجہود	حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری
رحمۃ اللہ الواسعہ	حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالنپوری
فقہ اسلامی	
الھدایہ	حضرت برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی
شرح الوقایہ	حضرت علام عبید اللہ بن مسعود بن تاج الشریعہ
کنز الدقائق	امام ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی
نور الایضاح	حضرت شیخ حسن بن علی الشرنبلالی
جذب القلوب	حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی
غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی	شیخ داؤد بن عبد اللہ القطانی
مراقی الفلاح مع طحطاوی	علامہ احمد بن محمد بن اسمعیل الطحطاوی
الاشباہ والنظائر	شیخ زین العابدین بن ابراہیم بن نجیم المصری
حاشیہ الاشباہ	علامہ القرتاشی

نام کتاب	نام مصنف
احکام الخصاف	امام ابو بکر احمد بن عمر الشیبانی المعروف بالخصاف
احکام الاوقاف	" " " " " "
کتاب الاسعاف فی احکام الاوقاف	" " " " " "
بحر الرائق	علامہ زین الدین ابن نجیم المصری
البنایہ فی شرح الھدایہ	حضرت شیخ محمد بن احمد
منحۃ الخالق علی البحر الرائق	
فتاویٰ قاضی خاں علی ھامش عالمگیری	شیخ حافظ الدین محمد بن شہاب
ردالمحتار علی درالمختار المعروف فتاویٰ شامی	علامہ محمد امین ابن عابدین الشامی
الفتاویٰ تاتارخانیہ	حضرت شیخ عالم بن علاء الانصاری الحنفی
فتاویٰ قاضیخان	امام فخر الدین حسن بن منصور اوز جندی
درمختار علی ھامش شامی	علامہ علاء الدین الحصکفی
فتح القدیر	حضرت کمال الدین محمد بن ھمام الحنفی
فتاویٰ باقیات صالحات	حضرت مولانا شاہ عبد الوہاب صاحب دہلوی
الفتاویٰ الھندیہ المعروف بہ عالمگیری	شہنشاہ اورنگ زیب کے حکم سے مرتب کردہ فتاویٰ کا مجموعہ
کفایت المفتی	مفتی اعظم حضرت مولانا کفایت اللہ صاحب
احسن الفتاویٰ	فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد صاحب
فتاویٰ محمودیہ	فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود الحسن
فتاویٰ رحیمیہ	حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب لاجپوری
امداد الاحکام	حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب

نام کتاب	نام مصنف
فتاویٰ مفتاح العلوم غیر مطبوعہ	حضرت مولانا مفتی نصیر احمد صاحب
نظام الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب
فتاویٰ عبد الحی	حضرت مولانا عبد الحی صاحب لکھنوی
فتاویٰ مظاہر علوم	حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری
فتاویٰ رشیدیہ	حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی
مجموعہ قوانین اسلامی	حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحی ودیگر اراکین علماء مسلم پرسنلاء بورڈ
قاموس الفقہ	حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ رحمانی صاحب
کتاب الفتاویٰ	" " " " " "
سیرت	
اصح السیر	حکیم ابو البرکات عبد الرؤف داناپوری
سیرت المصطفیٰ	حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی
سیرت حلبیہ	الامام العام العلامہ علی بن برھان الدین
سیرت النعمان	حضرت علامہ شبلی نعمانی صاحب
خطبات امیر شریعت	حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی مونگیری
حیات حضرت امام ابوحنیفہ	حضرت علامہ شیخ ابوزہرہ